ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ

آسان بیان القرآن

جلد سوم

از سورۂ یوسف تا ختم سورۃ الشعراء

تصنیفِ لطیف

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ

تسہیل نگار

حضرت مولانا عقیدت اللہ قاسمی (فاضل دار العلوم دیوبند)

نظرثانی

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث و صدر المدرسین دار العلوم دیوبند

اہتمام و پیشکش

مفتی عبد الرؤف غزنوی

فاضل و سابق استاذ و خطیب دار العلوم دیوبند (انڈیا)

استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ غزنوی کراچی

0333-2114000

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ

آسان بیانُ القرآن

جلد سوم

از سورۂ یوسف تا ختم سورۃ الشعراء

تصنیفِ لطیف

حکیم الاُمت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

تسہیل نگار

حضرت مولانا عقیدت اللہ قاسمی (فاضل دارالعلوم دیوبند)

نظرِ ثانی

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

اہتمام و پیشکش

مفتی عبدالرؤف غزنوی

فاضل و سابق اُستاذ و خطیب دارالعلوم دیوبند (انڈیا)

اُستاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ غزنوی کراچی

0333-2114000

نام کتاب ۔۔۔۔۔۔۔ آسان بیان القرآن جلد سوم

مؤلف ۔۔۔۔۔۔۔ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ

تسہیل نگار ۔۔۔۔۔۔۔ حضرت مولانا عقیدت اللہ قاسمی (فاضل دارالعلوم دیوبند)

نظرثانی ۔۔۔۔۔۔۔ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

اہتمام و پیشکش ۔۔۔۔۔۔۔ مفتی عبدالرؤف غزنوی
فاضل و سابق استاذ و خطیب دارالعلوم دیوبند (انڈیا)
استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

قانونی مشیر ۔۔۔۔۔۔۔ خواجہ سیف الاسلام ایڈوکیٹ ہائی کورٹ سندھ

اشاعت اوّل پاکستان میں ۔۔۔۔۔۔۔ ۱۴۴۰ھ - 2019ء

ناشر ۔۔۔۔۔۔۔ مکتبہ غزنوی، سلام کتب مارکیٹ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
فون ۔۔۔۔۔۔۔ 0333-2114000

پریس hafizsaeedalam@gmail.com :+92-321-4283 199
Karachi, Pakistan.

دوکان نمبر 13، سلام کتب مارکیٹ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی 0333-2114000

فہرست مضامین

سورۂ یوسف علیہ السلام

سورۃ الرعد

سورۂ ابراہیم

سورۃ الحجر

سورۃ النحل

سورۂ بنی اسرائیل

سورۃ الکہف

سورۂ مریم

سورہ طٰہٰ

سورۃ الانبیاء

سورۃ الحج

سورۃ المؤمنون

سورۃ النور

سورۃ الفرقان

سورۃ الشعراء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گزارشِ احوالِ واقعی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی تفسیر ''آسان بیان القرآن'' جس کو عکسی (فوٹو آفسیٹ کے ذریعہ) چھاپنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ اُس نسخہ کے عین مطابق ہے جو مولانا نے ۱۳۵۲ھ میں تھانہ بھون سے اپنی نگرانی میں شائع کرایا تھا۔ اُس سے قبل یہ تفسیر ۱۳۲۶ھ میں بیان القرآن کے نام سے شائع ہو چکی تھی، بعد میں مولانا نے اس پر نظر ثانی کی اور قابل ترمیم واضافہ مقامات میں ترمیم واضافہ کیا، نیز مزید نفع بخش کرنے کے لئے اپنے دو رسالے ''مسائل السلوک'' اور ''وجوہ المثانی'' بھی جو قرآن کے متعلق تھے اس میں شامل کئے اور اس کا نام ''مکمل بیان القرآن'' تجویز فرمایا۔

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانویؒ علمائے متاخرین میں بڑی ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ وہ اپنے زمانہ کے مشہور مفسر، محدث اور فقیہ تھے، اور حکم ومعارف قرآنی کے ساتھ ساتھ حدیث کے نکات وفقہ کے اسرار ورموز کو بھی خوب جانتے تھے۔ علاوہ بریں وہ صاحب باطن بزرگ بھی تھے، اور سلوک وتصوف کے اسرار ورموز پر پوری طرح دسترس رکھتے تھے۔ غرض ان کی مختلف حیثیت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین میں ایسے جامع حیثیات لوگ بہت کم پیدا ہوئے ہیں۔

مولانا تھانویؒ ۱۲۸۰ھ میں بمقام تھانہ بھون پیدا ہوئے جو یو، پی کے ضلع مظفر نگر میں ہے، وہ اپنے والد کی جانب سے فاروقی اور والدہ کی جانب سے علوی تھے۔ ان کے جدِ امجد ''سلطان شہاب الدین علی فرخ شاہ'' کابل کے رہنے والے اور اپنے زمانہ کے مشہور مجاہد اور صوفی تھے۔ چنانچہ ان کے نام پر کابل کے کوہستانی علاقے میں ایک گاؤں آج تک درہ فرخ شاہ کہلاتا ہے۔ ہندوستان کے صوفیائے کبار اور علمائے حق میں سے بہت سے بزرگوں کا سلسلۂ نسب ان تک منتہی ہوتا ہے۔

مولانا تھانویؒ نے ابتدائی تعلیم میرٹھ اور تھانہ بھون میں پائی، پھر دار العلوم دیوبند میں پانچ برس رہ کر علوم دینی کی تکمیل کی، جب وہ دار العلوم میں داخل ہوئے تو عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھ چکے تھے اور فارسی میں اُن کی استعداد منتہیانہ تھی۔ فارسی میں کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ دیوبند میں جن اساتذہ سے انھوں نے فیض پایا اُن میں مولانا یعقوبؒ اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن علیہما الرحمۃ بھی شامل تھے۔ مولانا کو تصوف کا مذاق شروع سے تھا، پہلے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت کی، پھر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کے ارادت مندوں کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔ حاجی صاحب تو مولانا تھانویؒ کی ولادت سے پہلے ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے تھے۔ مولانا نے دو مرتبہ حج کی سعادت کے ساتھ ساتھ اپنے پیر طریقت کا شرف صحبت حاصل کیا۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد حکیم الامت کچھ عرصہ تک مدرسہ فیضِ عام کان پور میں درس دیتے رہے، پھر جامع مسجد محلہ ٹپکا پور کانپور میں جامع العلوم کے نام سے ایک اور مدرسے کی بنیاد ڈالی۔ اور چودہ برس درس وتدریس میں مصروف رہے۔ ۱۳۱۵ھ میں اپنے مرشد کے ایما سے کان پور کا قیام ترک کر کے تھانہ بھون کی سکونت اختیار کر لی، اگرچہ کان پور کے قیام کے زمانہ ہی میں اُن کے فضل وکمال کی شہرت دور دور جا پہنچی تھی، لیکن تھانہ بھون کی مستقل سکونت کے بعد تو یہ کیفیت ہوئی کہ اطراف وجوانب سے بکثرت لوگ کھنچ

سمجھ کر اُن کی خدمت میں پہنچنے لگے۔ ان کا حلقۂ ارادت بڑا وسیع تھا۔ ان کے مریدین و معتقدین میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا عبدالباری ندوی، مولانا محمد طیب قاسمی اور مولانا شفیع دیوبندی جیسے ممتاز علماء شامل تھے۔ مولانا تھانویؒ نے رجب ۱۳۶۲ھ میں انتقال کیا اور تھانہ بھون ہی میں دفن ہوئے۔

حضرت حکیم الامت بڑے کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ چنانچہ ان کی تصانیف کم و بیش آٹھ سو کے قریب ہیں، جن میں چھوٹے چھوٹے رسالے بھی ہیں اور بڑی بڑی ضخیم کتابیں بھی ہیں، یہ کتابیں عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں ہیں، لیکن بیشتر کتابیں اردو میں ہیں، موضوع کے اعتبار سے بھی ان کی تصانیف میں بڑا تنوع پایا جاتا ہے، لیکن ان میں تفسیر، حدیث، فقہ، کلام و عقائد، سلوک و تصوف غرض ہر موضوع کی کتابیں شامل ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا کا اصل کارنامہ قرآن حکیم کا ترجمہ اور یہ تفسیر ہے۔ وہ حافظ و قاری بھی تھے اور تجوید و ترتیل میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے، چنانچہ اس موضوع پر بھی انھوں نے متعدد کتابیں لکھی ہیں لیکن ان کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کا نہایت سلیس اور با محاورہ اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے جو قرآن پاک کے تمام اردو ترجموں میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے اور بارہ جلدوں میں قرآنِ حکیم کی یہ تفسیر لکھی ہے جو حقائق و معارف قرآنی کے سمجھنے میں بے حد مفید ثابت ہوئی ہے۔

فارسی زبان میں حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کا ترجمۂ قرآن بہت مستند ہے، اردو میں شاہ ولی اللہ صاحب کے دو صاحبزادوں شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ نے قرآن کے ترجمے کئے ہیں جو اپنی اپنی جگہ پر درجۂ استناد رکھتے ہیں، لیکن مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ کو غالباً شمس العلماء، ڈپٹی نذیر احمد اور مرزا حیرت دہلوی کے تراجم قرآن دیکھ کر قرآنِ پاک کا ترجمہ کرنے کا خیال آیا، ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ بڑا با محاورہ ہے لیکن ڈپٹی صاحب مرحوم سر سید احمد خاں کے رفقاء میں سے تھے اس لئے ان کے ترجمہ کے بعض حصے اس عہد کے علماء کو قابلِ اعتراض معلوم ہوئے۔ مولانا تھانویؒ نے یہ ترجمہ بڑے غور سے پڑھا اور "اصلاح ترجمہ دہلویہ" کے نام سے ایک رسالہ جس میں ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمہ پر اعتراضات کئے گئے تھے، اسی زمانہ میں مرزا حیرت نے جو مشہور اخبار نویس اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمہ پر اعتراضات کئے اور خود قرآن کا ترجمہ کیا۔ مولانا تھانوی نے اس ترجمے کی غلطیوں کی بھی اصلاح کی اور "اصلاحِ ترجمۂ حیرت" کے نام سے کتابی صورت میں چھپوا دیا۔ ساتھ ہی خود قرآن کا ترجمہ شروع کیا جو اگرچہ بڑا با محاورہ ترجمہ ہے تاہم اس میں پوری پوری لفظی پابندی ملحوظ رکھی گئی ہے۔

مولانا تھانویؒ کے ترجمہ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سلف کے مسلک کا اتباع کیا گیا ہے اور اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ قرآنِ کریم کے اصل مطالب سے کہیں انحراف نہ ہونے پائے اور ترجمہ کا انداز بھی ایسا ہو کہ عام ترجموں کے مطالعہ سے لوگوں کے ذہن میں جو شکوک پیدا ہو جاتے ہیں وہ سرے سے پیدا ہی نہ ہونے پائیں۔

مکمل بیان القرآن میں مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی تفسیر کا انداز یہ ہے کہ پہلے وہ آیات قرآنی کا ترجمہ بیان کرتے ہیں پھر تفسیر کی جانب متوجہ ہوتے ہیں، مشکل الفاظ کی شرح کے ساتھ نحوی ترکیب بھی کرتے جاتے ہیں، یہ بتاتے ہیں کہ مختلف مفسروں نے کیا کیا تفسیر کی ہے۔ پھر ان کے اقوال میں سے ایک قول کو مرجح قرار دیتے ہیں، اس کے علاوہ جابجا اہم نکات بھی بیان کرتے جاتے ہیں، بلکہ قرآن کی آیات میں جو ربط ہے اس کی جانب بھی اشارے موجود ہیں۔ مولانا نے اپنی ایک تصنیف سبیل النجاح میں آیات قرآنی

کے باہمی ربط پر بحث کی ہے۔ اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں کہ ترتیب نزولِ آیات اور ہے اور ترتیب تلاوت مصحف اور، یعنی قرآن کا نزول تو واقعات کے مطابق ہوا ہے، یعنی ایک واقعہ پیش آیا اور اس کے متعلق ایک آیت نازل ہوگئی، لیکن ترتیب تلاوت خود باری تعالیٰ عزاسمہٗ نے بدل دی۔ مصحف میں ترتیب آیات نزول پر نہیں بلکہ اس کی ترتیب حق تعالیٰ نے دوسری رکھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس آیت کو بھی کسی آیت کے ساتھ ملایا گیا ہے دونوں میں کوئی مستقل ربط اور مناسبت اور تعلق ضرور ہے۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے ترجمہ وتفسیر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مولانا کا ترجمہ بڑا سلیس ہے اور عام اردو دانوں کی سمجھ میں بخوبی آسکتا ہے پھر یہ ترجمہ پوری لفظی پابندی کے ساتھ کیا گیا ہے اور صحت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ اس پر نہ تو پرانے فلسفیوں کی موشگافیوں کا پرتو پڑا ہے اور نہ اس میں جدید فلسفیانہ افکار کی جھلک نظر آتی ہے گویا اس بات کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے کہ وحی الٰہی کا ٹھیک ٹھیک مفہوم کم سے کم لفظوں میں بیان کردیا جائے، تفسیر کا بھی یہی انداز ہے یعنی اس میں قدما کا تتبع کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ قرآن کے مخاطبِ اولین تھے ان کے نزدیک آیاتِ قرآنی کا مفہوم کیا تھا، یہ کوشش نہیں کی گئی کہ آیاتِ قرآنی کو کھینچ تان کر یونان کے فلسفیوں یا یورپ کے دانش فروشوں کے افکار سے ہم آہنگ ثابت کردیا جائے، بدقسمتی سے اکثر اربابِ تفسیر نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے جس زمانہ میں فلسفۂ یونان کا غلغلہ تھا، اکثر اہلِ علم قرآن کو یونانیوں کے افکار کے مطابق کرنے کی کوشش میں، وحی الٰہی کے صحیح مفہوم سے بہت دور جا پڑے اور آج کل کی جدید علمی انکشافات کا ثبوت قرآن سے فراہم کرنے کی سعی میں ہمارے مفسرین قرآن کی حقیقی روح سے ہٹتے جارہے ہیں۔

مولانا تھانویؒ کے ترجمہ وتفسیر کی عظمت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ بروایت مولانا سید سلیمان ندوی جب مولانا انور شاہ دیوبندی نے جو مولانا تھانویؒ کے معاصرین میں سے تھے تفسیر بیان القرآن کے بعض مقامات پر نظر ڈالی تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ یہ تفسیر عوام کے لئے لکھی گئی ہے لیکن اس سے تو علماء بھی استفادہ کرسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ مولانا تھانوی کے اس تفسیر مکمل بیان القرآن کو طباعت کی تمام خوبیوں کے ساتھ مسلمانوں تک پہنچانے کا شرف بھی تھانہ بھون کو حاصل ہوا۔ اس تذکرہ سے تفاخر مقصود نہیں، بلکہ جو کچھ عرض کیا جارہا ہے وہ محض بر سبیلِ تحدیثِ نعمت ہے۔ اگر آدمی کسی کام کا درجۂ تکمیل تک پہنچانے اور اپنی سعی و کوشش کو تکمیل مقصد کا باعث قرار دے تو یہ کبر وفخر ہے، لیکن اگر وہ ہر نعمت کو من جانب اللہ سمجھے اور اسے اپنی درماندگی اور بیچارگی کا پوری طرح احساس ہو تو یہ کبر نہیں شکر ہے۔ مولانا حالی نے کیا صحیح کہا ہے:

کیا فائدہ فکرِ بیش وکم سے ہوگا ❁ ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا

جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے ❁ جو کچھ ہوگا، تیرے کرم سے ہوگا

بہرصورت مکتبہ حجاز دیوبند مکمل بیان القرآن کی تسہیل "آسان بیان القرآن" کے نام سے آپ کی خدمت میں عمدہ طباعت، عمدہ کاغذ اور مضبوط جلد کے اہتمام کے ساتھ مناسب ہدیہ پر پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائیں اور طباعت کے معاون حاجی فاروق صاحب آمبور رحمہ اللہ کی مغفرت عامہ تامہ فرمائیں اور ان کے صاحبزادے فضیل میاں سلمہ کو بہترین باپ کا بہترین جانشیں بنائیں (آمین)

سورۃ یوسف علیہ السلام

تعارف سورت: یہ سورت تقریباً پوری کی پوری حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ پر مشتمل ہے اور اس کے آغاز سے پہلے قرآن کا برحق ہونا بیان کیا گیا ہے، جس میں یہ قصہ بیان ہوا ہے، اور حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے ختم ہونے کے بعد پہلے توحید کا مضمون ہے اور اس میں خلل ڈالنے پر وعید اور پھر رسالت کی بحث ہے، اور اس کے منکروں کے برے انجام کا مختصر بیان ہے اور ایسے قصوں کا عبرت کا سبب ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اور قرآن کا حق ہونا بیان کیا گیا ہے جس میں یہ قصے آئے ہیں۔ اور اسی مضمون پر سورت ختم ہوئی ہے۔ اس طرح سورت کا زیادہ حصہ قصوں پر مشتمل ہے جس کے بیان کی حکمت کا ذکر گذشتہ سورت کی آخری آیت ﴿ وَكُلًّا نَّقُصُّ ﴾ الخ میں ہوا تھا۔ اور سورت کا کچھ حصہ دین کے اصولوں پر مشتمل ہے، جس میں کفار کے مخالفت کرنے کی وجہ سے آپ کو جو غم تھا اسے دور کرنے اور آپ کی تسلی کے لئے یہ قصہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کی مخالفت کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں ہوا، بلکہ آخر کار وہی ترقی کا سبب ہو گیا۔ اسی طرح آپ کو آپ کی قوم کی مخالفت کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اس لئے دونوں سورتوں کی اور خود اس سورت کے حصوں و آیتوں کی بھی مناسبت اس تقریر سے ظاہر ہوگئی اور چونکہ قصہ کے حصوں میں جو سورت کا بڑا حصہ ہے، ربط کے بیان کی حاجت نہیں، اس لئے دوسرے مقامات کی طرح ان میں مستقل طور پر ربط کی تقریر بیان نہیں کی جائے گی۔ اور اس کا شان نزول درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح مروی ہے کہ لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر آپ ہمیں کوئی قصہ سنا دیں تو بہت اچھا ہو۔ اس پر یہ قصہ نازل ہوا۔ اور تفسیر خازن میں ضحاک کی روایت سے ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ سے یہود نے یہ قصہ پوچھا تھا (یعنی امتحان کے طور پر) اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ واللہ اعلم۔

اور اس قصہ سے متعلق تین فائدوں کا گمان ہے:

اول: یہ کہ اس کو احسن القصص کیوں فرمایا؟ اس کی وجہ روح المعانی میں مختصر الفاظ میں یہ لکھی ہے کہ وہ ان امور پر مشتمل ہے، حاسد یعنی حسد کرنے والا، محسود یعنی جس سے حسد کیا جائے۔ مالک، مملوک، شاہد یعنی گواہ۔ مشہود یعنی جس پر گواہی دی جائے، عاشق، معشوق، قید، رہائی، عیش و عشرت، خوشحالی، تنگ دستی، گناہ: معافی، جدائی، ملنا، بیماری، صحت و تندرستی، مشکلات و مسائل کا حل، سفر کے لئے روانگی، عزت، ذلت، اور ان امور کے لئے مفید ہے کہ قضا یعنی اللہ کے

فیصلے اور تقدیر کو کوئی دور کرنے والا یا اس میں رکاوٹ نہیں ہے، اگر اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی چیز پہنچانا چاہیں تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ حسد سے حسد کرنے والے ہی کو نقصان پہنچتا ہے۔ صبر وسعتوں کی کنجی ہے، تدبیر کرنا عقل کی بات ہے، اصلاح معاشرت وروزگار کے امور کی اصلاح میں عقل کام کی چیز ہے وغیرہ۔

دوم: کچھ دوسرے قصے مختصر طور پر بیان کئے گئے۔ یہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا۔ اس کی وجہ روح المعانی میں جلال الدین سیوطی کے حوالہ سے یہ لکھی ہے کہ یہ صحابہ کی درخواست پر نازل ہوا۔ اس لئے یہ تفصیل کے ساتھ اور مکمل بیان کیا گیا، تاکہ ان کا مقصود یعنی تفصیلی معلومات حاصل ہو جائیں۔ اور انہیں پورا قصہ معلوم ہونے سے اطمینان وتسلی ہو۔

سوم: یہ کہ دوسرے قصوں کی طرح اس قصہ کا ذکر بار بار نہیں کیا، اس کی وجہ سے میرے نزدیک دوسرے فائدہ پر متفرع ہے، کیونکہ دوسرے قصے مکمل نہیں بیان ہوئے۔ اس لئے ہر موقع ومقام کی مناسبت سے مختلف فائدوں کے لئے کچھ کچھ حصے لائے گئے۔ اگر چہ ان میں بعض اجزا مشترک بھی ہوں، مگر اجزا کے مقصود مختلف ہیں اور مشترک اجزا کے فائدے مختلف ہیں۔ اس کے برخلاف اس قصہ کے سارے اجزا اور سارے فائدے ایک جگہ جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس لئے اس کو دہرایا نہیں گیا ہے۔

اور روح المعانی میں اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ دوسرے قصوں میں مقصود گناہوں پر تنبیہ، ڈانٹنا اور دھمکانا ہے اور جن باتوں سے منع کیا گیا ہے ان کی برائی بیان کرنا ہے، اور ان کا مہتم بالشان ہونا اس قصہ کے برخلاف تکرار یعنی بار بار ذکر کا تقاضا کرتا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور یہی دونوں وجہیں اصحاب کہف، ذوالقرنین اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر کے ساتھ قصہ میں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح کے قصہ کے دہرائے نہ جانے میں بھی پائی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم
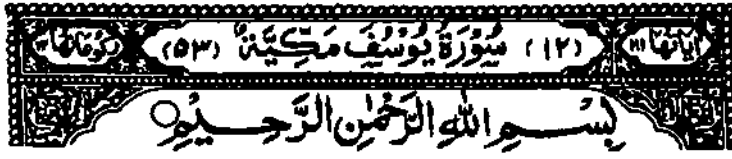
(۱۲) سُوْرَۃُ یُوْسُفَ مَکِّیَّۃٌ (۵۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں۔

﴿الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿١﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿٣﴾﴾

ترجمہ: ﴿الٓرٰ﴾ یہ آیتیں ہیں ایک کتاب واضح کی، ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھو۔ ہم نے جو یہ قرآن آپ کے پاس بھیجا ہے اس کے ذریعہ سے ہم آپ سے ایک بڑا عمدہ قصہ بیان کرتے ہیں اور اس کے قبل آپ محض بے خبر تھے۔

قرآن کا حق ہونا اور قصہ کی تمہید:

﴿الٓرٰ﴾ (اس کے معنی تو اللہ کو معلوم ہیں) یہ ایک واضح کتاب کی آیتیں ہیں (جس کے الفاظ اور معانی بہت صاف ہیں) ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن اتارا ہے، تاکہ تم (عربی زبان والے ہونے کی وجہ سے پہلے) سمجھو (اور تمہارے واسطے سے دوسرے لوگ سمجھیں) ہم نے جو یہ قرآن آپ کے پاس بھیجا ہے (جس کی صفت اوپر بیان کی گئی) اس (کے بھیجنے) کے ذریعہ سے ہم آپ سے ایک بڑا عمدہ قصہ بیان کرتے ہیں، اس سے (یعنی ہمارے بیان کرنے) سے پہلے آپ (اس سے) بالکل بے خبر تھے (کیونکہ آپ نے نہ کوئی کتاب پڑھی تھی، نہ کسی کتاب والے سے معلوم کیا تھا اور عوام میں اس طرح صحیح طور پر اس انداز میں مشہور نہ تھا، لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ یہ قرآن وحی ہے)

﴿اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿٤﴾ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٥﴾ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦﴾﴾ ع

ترجمہ: وہ وقت قابل ذکر ہے جب کہ یوسف نے اپنے والد سے کہا کہ ابا! میں نے گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے ہیں ان کو اپنے روبرو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، انھوں نے فرمایا کہ بیٹا! اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں کے روبرو بیان مت کرنا، پس وہ تمہارے لئے کوئی خاص تدبیر کریں گے، بلاشبہ شیطان آدمی کا صریح دشمن ہے۔ اور اسی طرح تمہارا رب تم کو منتخب کرے گا اور تم کو خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا اور تم پر اور یعقوبؑ کے خاندان پر اپنا انعام کامل کرے گا، جیسا اس کے قبل تمہارے دادا پردادا یعنی ابراہیمؑ واسحاقؑ پر اپنا انعام کامل کر چکا ہے۔ واقعی تمہارا رب بڑا علم و حکمت والا ہے۔

قصہ کا آغاز اور حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب بیان کرنا اور یعقوب علیہ السلام کا تعبیر دینا:

وہ وقت ذکر کے قابل ہے جب کہ یوسف (علیہ السلام) نے اپنے والد (یعقوب علیہ السلام) سے کہا کہ ابا! میں نے (خواب میں) گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے ہیں، ان کو اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ انھوں نے (جواب میں) فرمایا کہ بیٹا! اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے بیان مت کرنا (کیونکہ خاندان نبوت میں ہونے کی وجہ سے وہ اس کی تعبیر جانتے ہیں، چاہے گمان کے طور پر ہی سہی کہ گیارہ ستارے گیارہ بھائی ہیں اور سورج سب سے بڑا ہونے کی وجہ سے باپ اور چاند چھوٹا ہونے کی وجہ سے ماں ہیں، یا اس کے برعکس مذکر و مؤنث کی لفظی مناسبت کی وجہ سے۔ اور سجدہ سے اصلی مراد اطاعت و فرمان برداری ہے) اس لئے (یہ سمجھ کر) وہ تمہارے لئے (یعنی تمہیں اذیت پہنچانے کے لئے) کوئی خاص تدبیر کریں گے (یعنی ان میں سے اکثر کہ دس دوسری ماں سے تھے۔ اور سگے بن یامین سے اگرچہ نقصان کا اندیشہ نہیں، لیکن شاید ان کے منہ سے کوئی بات نکل جائے، جس کی وجہ سے کوئی فتنہ پیدا ہو) بلاشبہ شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے (اس لئے بھائیوں کے دلوں میں برے خیال ڈالے گا) اور (جس طرح اللہ تمہیں یہ عزت دے گا کہ سب تمہارے فرماں بردار ہوں گے) اسی طرح تمہارا رب تمہیں (دوسری عزتیں بھی دے گا کہ تمہیں نبوت کے لئے) منتخب کرے گا۔ اور تمہیں (باریک باریک علم اور ان کی گہری سمجھ بھی دے گا جیسے) خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا۔ اور (اس کے علاوہ اور نعمتیں دے کر بھی) تم پر اور یعقوب کے خاندان پر انعام پورا کرے گا۔ جیسا کہ اس سے پہلے تمہارے دادا پردادا یعنی ابراہیم واسحاق (علیہما السلام) پر اپنا انعام کامل کر چکا ہے۔ واقعی تمہارا رب بڑا علم و حکمت والا ہے (ہر ایک کو ایسا فیض عطا کرتا ہے جو اس کے مناسب ہوتا ہے)

فائدہ: یہاں چند امور تحقیق کے قابل ہیں:

اول: یہ دیکھنا شاید خواب کی حالت میں تھا، کیونکہ رؤیا زیادہ تر خواب کے لئے بولا جاتا ہے۔

دوسرے: یہ کل بارہ بھائی تھے: دو سگے اور دس دوسری ماں سے۔ دوسری ماں والے بھائیوں سے اذیت و تکلیف کا خوف تھا، اور سگے سے یہ کہ کوئی بات منہ سے نکل جائے۔

تیسرے: بھائیوں کا خواب کی تعبیر سمجھنا خاندانِ نبوت کی مناسبت کی وجہ سے تھا، لہٰذا ان کا نبی یا ولی ہونا لازم نہیں آتا۔ اور خیال وگمان کے طور پر تھا، اس لئے تاویل الاحادیث یعنی خوابوں کی تعبیر کے علم کے شرف کا مشترک ہونا لازم نہیں آتا۔

چوتھے: اس تدبیر کا اس غرض سے ہونا ضروری نہیں کہ خواب کی یہ تعبیر واقع نہ ہو، بلکہ تعبیر تو یقینی طور پر واقع ہوگی۔ مگر حسد کی وجہ سے اذیت وتکلیف پہنچائیں گے۔ اگرچہ اس کے بعد پھر تعبیر کا واقع ہونا ضروری ہے۔

پانچویں: حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو یہ بشارتیں دیں، وہ یا تو اس خواب سے سمجھے یا وحی کے ذریعہ۔

چھٹے: بھائیوں کے ستاروں کے مشابہ ہونے سے ان کی نبوت ثابت نہیں ہوئی، کیونکہ نورانیت صحابیت کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے۔ چنانچہ سجدہ کے وقت توبہ کر کے وہ پورے صحابی تھے۔ اور اس طرح آلِ یعقوب کہنے سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اول تو نعمت عام ہے، عمل کے اختلاف سے اس کی خصوصیتیں مختلف ہوں گی۔ اس لئے مقصود صرف نعمت میں شریک ہونا ہے بالکل اسی جیسا ہونا ضروری نہیں۔ دوسرے آلِ یعقوب سے مراد واسطہ سے بھی ہوسکتا ہے، چنانچہ آگے ان کی اولاد میں بہت سے نبی ہوئے۔

ساتویں: نعمت کے پوری ہونے میں اپنا ذکر تواضع کے طور پر نہیں فرمایا۔

﴿لَقَدْ كَانَ فِىْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۝ۚ ۖ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِىْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ اِنِّىْ لَيَحْزُنُنِىْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِىْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ۝ۗ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۝ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۗ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۗ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۗ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۗ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۗ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ۝ؒ﴾

ع ۱۲

ترجمہ: یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں دلائل موجود ہیں ان لوگوں کے لئے جو پوچھتے ہیں۔ وہ وقت قابل ذکر ہے جب کہ ان بھائیوں نے یہ گفتگو کی کہ یوسفؑ اور ان کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں، حالانکہ ہم ایک جماعت کی جماعت ہیں، واقعی ہمارے باپ کھلی غلطی میں ہیں، یا تو یوسف کو قتل کرڈالو یا ان کو کسی سرزمین میں ڈال آؤ تمہارے باپ کا رخ خالص تمہاری طرف ہوجاوے گا اور تمہارے سب کام بن جاویں گے۔ انہی میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل مت کرو اور ان کو کسی اندھیرے کنویں میں ڈال دو تا کہ ان کو کوئی راہ چلتا نکال لے جاوے اگر تم کو کرنا ہے۔ سب نے کہا کہ ابا! اس کی کیا وجہ ہے کہ یوسف کے بارہ میں آپ ہمارا اعتبار نہیں کرتے حالانکہ ہم ان کے خیر خواہ ہیں۔ آپ ان کو کل کے روز ہمارے ساتھ بھیجئے کہ ذرا وہ کھاویں کھیلیں اور ہم ان کی پوری محافظت رکھیں گے۔ یعقوبؑ نے فرمایا کہ مجھ کو یہ بات غم میں ڈالتی ہے کہ اس کو تم لے جاؤ اور میں یہ اندیشہ کرتا ہوں کہ اس کو کوئی بھیڑیا کھا جاوے اور تم اس سے بے خبر رہو۔ وہ بولے کہ اگر ان کو بھیڑیا کھا جاوے اور ہم ایک جماعت کی جماعت ہوں تو ہم بالکل ہی گئے گذرے ہوئے۔ سو جب ان کو لے گئے اور سب نے پختہ عزم کرلیا کہ ان کو کسی اندھیرے کنویں میں ڈال دیں۔ اور ہم نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ تم ان لوگوں کو یہ بات جتلاؤ گے اور وہ تم کو پہچانیں گے بھی نہیں۔ اور وہ لوگ اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت روتے ہوئے پہنچے، کہنے لگے کہ ابا! ہم سب تو آپس میں دوڑنے میں لگ گئے اور یوسف کو ہم نے اپنی چیز بست[1] کے پاس چھوڑ دیا، پس ایک بھیڑیا ان کو کھا گیا اور آپ تو ہمارا کاہے کو یقین کرنے لگے گو ہم کیسے ہی سچے ہوں۔ اور یوسف کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے تھے۔ یعقوبؑ نے فرمایا کہ بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے۔ سو صبر ہی کروں گا جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا۔ اور جو باتیں تم بناتے ہو ان میں اللہ ہی مدد کرے۔ اور ایک قافلہ آنکلا اور انھوں نے اپنا آدمی پانی لانے کے واسطے بھیجا۔ اور اس نے اپنا ڈول ڈالا، کہنے لگا کہ ارے بڑی خوشی کی بات ہے۔ یہ تو بڑا اچھا لڑکا نکل آیا اور ان کو مال قرار دے کر چھپالیا۔ اور اللہ کو ان سب کی کارگذاریاں معلوم تھیں۔ اور ان کو بہت ہی کم قیمت کو بیچ ڈالا یعنی گنتی کے چند درہم کے عوض اور وہ لوگ کچھ ان کے قدردان تو تھے ہی نہیں۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا ان کے ساتھ معاملہ:

یوسف (علیہ السلام) کے اور ان کے (دوسری ماں سے) بھائیوں کے قصہ میں (اللہ کی قدرت اور آپ کی نبوت کے) ان لوگوں کے لئے دلائل موجود ہیں۔ جو (آپ سے ان کا قصہ) پوچھتے ہیں (کیونکہ یوسف علیہ السلام کو ایسی بے بسی اور بے کسی کی حالت سے اس حکومت وسلطنت اور بلندی ورفعت پر پہنچا دینا یہ اللہ ہی کا کام تھا۔ اس سے اگر غور کریں تو مسلمانوں کو جو کہ کوئی قصہ سننا چاہتے تھے، عبرت اور ایمان کی قوت حاصل ہوگی۔ اور یہود کو کہ انھوں نے خاص طور سے یہ

(۱) چیز بست: سامان، بقچہ، باندھا ہوا سامان ۱۲ سعید احمد

قصہ پوچھا تھا، نبوت کی دلیل مل سکتی ہے) وہ وقت ذکر کے قابل ہے جب کہ ان کے (دوسری ماں سے) بھائیوں نے (آپس میں مشورہ کر کے) یہ گفتگو کی کہ (یہ کیا بات ہے کہ) یوسف اور ان کا (حقیقی) بھائی (بن یامین) ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں۔ حالانکہ (وہ دونوں عمر کم ہونے کی وجہ سے ان کا کوئی کام اور خدمت بھی نہیں کر سکتے اور) ہم ایک جماعت کی جماعت ہیں (کہ اپنی قوت اور کثرت کی وجہ سے ان کی ہر طرح خدمت بھی کرتے ہیں تو ہم زیادہ عزیز ہونے چاہئیں) واقعی ہمارے باپ (اس معاملہ میں) کھلم کھلا غلطی پر ہیں (لیکن یوسف علیہ السلام کے رہتے ہوئے تو امید نہیں رکھ سکتے کہ تم زیادہ عزیز ہوسکو گے اور بن یامین سے جو محبت ہے، وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ یوسف کے سگے بھائی ہیں، تو اصل میں توجہ اور لحاظ خاص طور سے یوسف ہی پر ہے اور اصل محبت انہی کی ہے تو ان کو کسی تدبیر سے باپ کے پاس سے ہٹانا چاہئے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ) یا تو یوسف کو قتل کر ڈالو یا انہیں کسی (دور دراز) زمین میں ڈال آؤ (دونوں صورتوں میں وہ باپ کی نظروں سے دور ہو جائیں گے) تو (پھر) تمہارے باپ کی توجہ خالص تمہاری طرف ہو جائے گی۔ اور تمہارے سارے کام بن جائیں گے۔ انہی میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل مت کرو (قتل کرنا بہت بری بات ہے، ہاں دوسری بات میں کوئی حرج نہیں) اور (اس کی صورت یہ ہے کہ) انہیں کسی (ایسے) اندھیرے کنویں میں ڈال دو (جس میں پانی بھی زیادہ نہ ہو تاکہ ڈوبنے کا ڈر نہ ہو۔ ورنہ وہ تو قتل ہی کی ایک صورت ہے۔ اور آسانی سے کسی کو پتہ بھی نہ چلے کہ اندھیرا کنواں ہو اور عام راستہ سے بھی بہت دور نہ ہو) تاکہ انہیں کوئی راہ چلتا نکال لے جائے۔ اگر تمہیں (یہ کام) کرنا ہے تو اس طرح کرو۔ غرض سب کا اتفاق رائے ہو گیا۔ اور) سب نے (مل کر باپ سے) کہا کہ ابا اس کی کیا وجہ ہے کہ یوسف کے معاملہ میں آپ ہمارا اعتبار نہیں کرتے (اور کبھی انہیں ہمارے ساتھ نہیں بھیجتے) حالانکہ ہم ان کے (دل و جان سے) خیر خواہ ہیں (ایسی بات نہیں ہونی چاہئے بلکہ) آپ ان کو کل ہمارے ساتھ (جنگل) بھیجئے کہ وہ ذرا کھائیں کھیلیں اور ہم ان کی پوری حفاظت کریں گے۔ یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ (مجھے ساتھ بھیجنے سے دو رکاوٹیں ہیں: ایک رنج و غم اور دوسرے خوف، رنج و غم تو یہ ہے کہ) مجھے اس بارے میں دکھ ہے کہ اس کو تم (میری آنکھوں کے سامنے سے) لے جاؤ۔ اور (خوف یہ ہے کہ) مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اس کو کوئی بھیڑیا کھا جائے، اور تم (اپنے کاموں میں) اس سے بے خبر رہو (کیونکہ اس جنگل میں بھیڑیئے بہت تھے) وہ بولے کہ اگر ان کو بھیڑیا کھا جائے اور ہم ایک جماعت کی جماعت (موجود) ہوں تو ہم بالکل ہی گئے گذرے ہوئے (کیونکہ جماعت کی قوت بھی زیادہ ہوتی ہے اور کئی آدمیوں کی موجودگی میں دیکھ بھال بھی آسان ہے۔ غرض کہہ سن کر یعقوب علیہ السلام سے ان کو لے کر چلے) تو جب ان کو (اپنے ساتھ جنگل کو) لے گئے اور (پہلے کئے ہوئے فیصلے کے مطابق) سب نے پختہ ارادہ کر لیا کہ ان کو کسی اندھیرے کنویں میں ڈال دیں (تو جو کچھ تجویز کیا تھا اس پر عمل کیا) اور (اس وقت ان کی تسلی کے لئے) ہم نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ) تم غم مت کرو، ہم تمہیں یہاں سے چھٹکارا دے کر بڑے رتبہ پر پہنچا دیں گے اور ایک دن وہ ہوگا کہ) تم ان

لوگوں کو یہ بات جتاؤ گے اور وہ تمہیں (اس وجہ سے کہ تم ایک بہت اونچی حالت میں ہو گے) پہچانیں گے بھی نہیں (چنانچہ یہ وعدہ اس وقت پورا ہوا جب حضرت یوسف نے ان سے فرمایا: ﴿ هَلۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا فَعَلۡتُمۡ بِيُوسُفَ ﴾ الخ آیت ۸۹۔ غرض یوسف علیہ السلام کا تو یہ قصہ ہوا) اور (ادھر) وہ لوگ اپنے باپ کے پاس عشا کے وقت روتے ہوئے پہنچے (اور جب انھوں نے رونے کا سبب پوچھا تو) کہنے لگے کہ ابا! ہم سب تو آپس میں دوڑنے میں لگ گئے (کہ دیکھیں اس میں کون آگے نکلتا ہے) اور یوسف کو ہم نے (ایسی جگہ جہاں بھیڑیئے کے آنے کا گمان نہیں تھا) اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا۔ بس (اتفاق سے اچانک) ایک بھیڑیا (آیا اور) ان کو کھا گیا۔ اور آپ تو ہمارا یقین کریں گے نہیں، چاہے ہم کیسے ہی سچے ہوں۔ اور (جب یعقوب علیہ السلام کے پاس آنے لگے تھے تو) یوسف کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے تھے (اس طرح کہ کوئی ہرن یا بکری ذبح کی اور اس کا خون قمیص پر لگا لیا۔ اور وہ قمیص اپنی بات کے ثبوت میں پیش کی) یعقوب (علیہ السلام) نے (دیکھا تو قمیص کہیں سے بھی نہیں پھٹی۔ یہ بات الطبری نے ابن عباس، قتادہ اور حسن سے روایت کی ہے) فرمایا کہ (یوسف کو بھیڑیئے نے ہرگز نہیں کھایا) بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے تو (خیر) صبر ہی کروں گا، جس میں شکایت کا نام بھی نہ ہوگا) طبری نے روایت کیا ہے کہ ایسا صبر جس میں کوئی شکوی نہ ہو) اور جو باتیں تم بناتے ہو ان میں اللہ ہی مدد کرے (کہ اس وقت میں انہیں برداشت کرسکوں اور آئندہ تمہارا جھوٹ کھل جائے۔ غرض حضرت یعقوب علیہ السلام رو پیٹ کر بیٹھ رہے) اور (یوسف علیہ السلام کا یہ قصہ ہوا کہ اتفاق سے ادھر) ایک قافلہ آنکلا (جو مصر کی طرف جا رہا تھا) اور انھوں نے اپنا ایک آدمی پانی لانے کے واسطے (یہاں کنویں پر بھیجا۔ اور اس نے اپنا ڈول ڈالا (یوسف علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا، جب ڈول باہر آیا تو اس نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا اور خوش ہو کر) کہنے لگا کہ ارے بڑی خوشی کی بات ہے یہ تو بڑا اچھا لڑکا نکل آیا (غرض قافلہ والوں کو خبر ہوئی، وہ بھی بڑے خوش ہوئے) اور ان کو (تجارت کا) مال قرار دے کر (اس خیال سے) چھپا لیا (کہ کوئی آ کر دعوی نہ کرے، پھر اس کو مصر میں لے جا کر کسی بڑے آدمی کے ہاتھ بیچ کر خوف نفع کمائیں گے) اور اللہ کو ان سب کی کارگزاریاں معلوم تھیں (کہ بھائی انہیں بے وطن اور قافلہ والے خرید وفروخت کا مال بنا رہے تھے اور اللہ انہیں وقت کا بادشاہ بنا رہا تھا۔ اور وہ بھائی بھی آس پاس ہی خبر لینے کے لئے لگے ہوئے تھے۔ اور موقع موقع سے کنویں میں دیکھ کر آتے تھے، کھانا بھی پہنچا دیتے تھے، یوں چاہتے کہ یوسف کنویں میں ہلاک بھی نہ ہوں، کوئی انہیں نکال لے، لیکن کہیں دور کسی دوسری جگہ لے جائے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام تک بات نہ پہنچے۔ غرض اس دن کنویں میں نہ پایا اور پاس ہی قافلہ کو پڑاؤ ڈالے ہوئے دیکھا تو ڈھونڈتے ڈھونڈتے یوسف علیہ السلام تک پہنچ گئے۔ اور قافلہ والوں سے کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے جو بھاگ گیا تھا۔ اب ہم اس کو رکھنا نہیں چاہتے) اور (یہ کہہ کر) انہیں بہت ہی کم قیمت میں (قافلہ والوں کے ہاتھ) بیچ ڈالا، یعنی گنتی کے چند درہموں کے بدلہ میں اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) وہ لوگ ان کی قدر جاننے والے تو تھے ہی نہیں (کہ انہیں قیمتی سامان کی طرح بہت سارا مال حاصل کرنے کا ذریعہ

بناتے، کیونکہ بیچنا مقصود نہیں تھا، بلکہ ان کا مقصود تو کسی بلا کی طرح یہاں سے ٹالنا تھا۔ یوسف علیہ السلام ڈر کے مارے خاموش رہے کہ کہیں مار نہ ڈالیں، اس لئے بیچے جانے کو ہی غنیمت سمجھا۔

فائدہ: اس مقام پر چند مضمون توجہ کے قابل ہیں:

اول: حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام کو سب سے زیادہ محبت ہونے کی کئی وجہ بیان کی گئی ہیں، سب سے زیادہ بڑی وجہ یہ ہے کہ نبوت کی فراست یعنی عقل ودانش کی وجہ سے حضرت یعقوب ان کو ہونہار پاتے تھے۔ اور خواب سننے کے بعد یہ بات اور زیادہ پکی اور پختہ ہوگئی کہ ان کے ارشاد ﴿ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ ﴾ الخ سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔

دوسری بات: یہ کہ دوسرے بھائی یہ سمجھتے تھے کہ یوسف علیہ السلام کے بارے میں ایسا خیال یعقوب علیہ السلام کا اپنا اجتہاد ہے۔ اور اجتہاد میں غلطی ہونا نبوت کے خلاف نہیں ہے، تو انھوں نے جو کہا تھا ﴿ إِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ اس ضلال سے مراد اجتہاد کی غلطی ہے، ورنہ نبی کے بارے میں ضلال کا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ اور یہ سارے بھائی یقینی طور پر مؤمن تھے۔ اگرچہ ان کی نبوت ثابت نہیں ہے۔

تیسرے: یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو معاملہ ہوا، اس میں کوئی تاویل کرنا مشکل ہے۔ اس لئے ظاہر میں وہ گناہ ہی تھا، لیکن قصہ کے آخر میں ان کی معذرت اور استغفار، نص ودلیل سے ثابت ہے۔ اور توبہ یقینی طور پر گناہوں سے پاک کرنے والی ہوتی ہے۔

چوتھے: حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کے ﴿ يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ ﴾ کی تجویز پر کھانے کھیلنے کو جائز قرار دیا کہ اس مقصد کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ باوجودیکہ عبث یعنی بے کار کام کی تجویز انبیاء علیہم السلام کی شان کے خلاف ہے تو اصل یہ ہے کہ یہ کھیلنا بے کار نہیں کہ اس سے مراد ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش، مقابلہ اور تیراندازی وغیرہ ہے۔ جو کہ مفید کاموں میں سے ہے۔ اس کا مشہور جواب تو یہی ہے۔ اور احقر کہتا ہے کہ جو کام مقصود ہیں ان میں سے ایک خوشی اور چستی وپھرتی پیدا کرنا بھی ہے، جو کہ بچوں کے لئے ضروری ہے۔ اور ضروری کاموں میں جی لگنا اس پر موقوف ہے اور قاعدہ ہے کہ ضروری کا مقدمہ بھی ضروری ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو۔

پانچویں: زیادہ محبت میں بن یامین بھی شریک تھے، مگر ان کے بارے میں ان بھائیوں نے کوئی تدبیر نہیں سوچی، اس کا جواب ترجمہ کی تقریر کے دوران گذر چکا ہے کہ ان کے نزدیک ذاتی طور پر زیادہ محبت یوسف علیہ السلام کی تھی، اور بن یامین کی محبت حضرت یوسف علیہ السلام کے تحت تھی کہ بن یامین کی راحت سے یوسف علیہ السلام کو بھی راحت ہو۔ اس لئے انھوں نے سوچا کہ جب یوسف علیہ السلام نہ رہیں گے تو بن یامین کے ساتھ یہ معاملہ نہیں رہے گا۔

چھٹے: حضرت یعقوب علیہ السلام کا ﴿ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ ﴾ یعنی تم نے اپنے دل سے بات بنالی ہے فرمانا مشہور قول

کے مطابق حضرت یوسف کی قمیص کو صحیح سالم دیکھنے کی بنیاد پر تھا، لیکن اگر قمیص کے صحیح سالم ہونے کی روایت ثابت نہ ہو تو اجتہاد کے ذوق اور دل کی شہادت کی بنیاد پر قرار دیا جائے گا جو کہ انبیاء علیہم السلام میں اکثر تو واقع کے مطابق ہوتا ہے اور کبھی وہ گمان واقع کے خلاف بھی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آگے بن یامین کے پکڑے جانے کے قصہ میں بھی یعقوب علیہ السلام کا بالکل یہی قول آیا ہے۔ حالانکہ اس میں بظاہر دل کی بنائی ہوئی بات نہیں تھی۔

ساتویں: جب یعقوب علیہ السلام کو یقین سے یا گمان وخیال سے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا بیان غلط ہونا معلوم تھا تو یوسف علیہ السلام کو تلاش کیوں نہیں کیا؟ ایسے صبر میں تو دوسرے کی جان چلے جانے کا بھی اندیشہ ہے۔ اس بارے میں غالب خیال یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو مختصر طور پر وحی سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ ان کی جان نہیں جائے گی، لیکن میری قسمت میں لمبی جدائی لکھی جا چکی ہے۔ اب وہ میرے تلاش کرنے سے بھی نہیں ملیں گے، اب کوئی اشکال نہیں رہا۔

آٹھویں: سیرت بیان کرنے والوں کا اتفاق ہے کہ اس وقت یوسف علیہ السلام کی عمر بہت کم تھی، پھر بھی اللہ تعالیٰ کا ﴿اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ﴾ یعنی ان کی طرف وحی بھیجنے کی بات فرمانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ چالیس برس کی عمر کے بعد وحی اور نبوت کی بات اکثر معاملوں کی ہے، یہ قاعدہ کلیہ یعنی سب کے معاملہ سے متعلق نہیں ہے، جیسا کہ روح المعانی میں اسی آیت کے تحت ہے۔

﴿وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۭ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْۗءَ وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِــِٕيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور جس شخص نے مصر میں ان کو خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو خاطر سے رکھنا، کیا عجب ہے کہ

ہمارے کام آوے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں۔اور ہم نے اسی طرح یوسفؑ کو اس سرزمین میں خوب قوت دی اور تا کہ ہم ان کو خوابوں کی تعبیر دینا بتلادیں۔اور اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر آدمی جانتے نہیں۔اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں، اور جس عورت کے گھر میں یوسف رہتے تھے وہ ان سے اپنا مطلب حاصل کرنے کو ان کو پھسلانے لگی اور سارے دروازے بند کردیئے اور کہنے لگی کہ آجاؤ تم ہی سے کہتی ہوں۔یوسفؑ نے کہا: اللہ بچائے! وہ میرا مربی ہے کہ مجھ کو کیسی اچھی طرح رکھا۔ایسے حق فراموشوں کو فلاح نہیں ہوا کرتی۔اور اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا کچھ کچھ خیال ہو چلا تھا اگر اپنے رب کی دلیل کو انھوں نے نہ دیکھا ہوتا تو زیادہ خیال ہو جانا عجب نہ تھا، ہم نے اسی طرح ان کو علم دیا تا کہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو دور رکھیں وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔اور دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے اور اس عورت نے ان کا کرتہ پیچھے سے پھاڑ ڈالا اور دونوں نے اس عورت کے شوہر کو دروازے کے پاس پایا۔ عورت بولی کہ جو شخص تیری بی بی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے اس کی سزا بجز اس کے اور کیا ہے کہ وہ جیل خانہ بھیجا جاوے یا اور کوئی دردناک سزا ہو۔یوسفؑ نے کہا یہی مجھ سے اپنا مطلب نکالنے کو مجھ کو پھسلاتی تھی اور اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے شہادت دی کہ ان کا کرتہ اگر آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی اور یہ جھوٹے اور اگر وہ کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی اور یہ سچے۔سو جب ان کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا کہنے لگا کہ یہ تم عورتوں کی چالاکی ہے، بیشک تمہاری چالاکیاں بھی غضب ہی کی ہوتی ہیں۔اے یوسف! اس بات کو جانے دو اور اے عورت! تو اپنے قصور کی معافی مانگ، بیشک سرتاسر تو ہی قصوروار ہے۔

یوسف علیہ السلام کا قصہ عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ:

(غرض قافلہ والوں نے یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں سے خریدنے کے بعد مصر میں لے جا کر فروخت کردیا) اور جس شخص (یعنی عزیز) نے مصر میں انہیں خریدا تھا، اس نے (ان کو اپنے گھر لا کر اپنی بیوی کے سپرد کیا اور) اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو عزت کے ساتھ رکھنا، ہوسکتا ہے کہ ہمارے کام آئے (جیسا کہ اپنے پالے ہوئے لوگ کام آیا کرتے ہیں) یا ہم اس کو بیٹا بنالیں (مشہور یہ ہے کہ اس نے یہ بات اس لئے کہی کہ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی) اور ہم نے (جس طرح یوسف علیہ السلام کو اپنی خاص مہربانی سے اس اندھیرے کنویں سے نجات دی) اسی طرح یوسف (علیہ السلام) کو اس سرزمین (یعنی مصر) میں خوب قوت (یعنی سلطنت وحکومت) دی اور (جس طرح نجات دینے کی غرض تھی، اسی طرح اس غرض سے بھی نجات دی تھی) تا کہ ہم انہیں خوابوں کی تعبیر دینا بھی بتادیں (مطلب یہ کہ نجات دینے سے مقصود یہ تھا کہ ظاہری اور باطنی دولت سے مالا مال کردیں) اور اللہ تعالیٰ اپنے (چاہے ہوئے) کام پر غالب (اور قادر ہے) جو

چاہے کردے۔لیکن اکثر آدمی (اس بات کو) جانتے نہیں (کیونکہ ایمان اور تقوی والے تو کم ہی ہیں، یہ قصہ کے درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر آگیا، تاکہ خرید وفروخت کے ساتھ شروع ہی سے سننے والوں کو معلوم ہوجائے کہ اگرچہ یہ اس وقت ظاہری طور پر ایسی ناپسندیدہ حالت میں ہیں، مگر ہم نے ان کو اصل میں اعلیٰ سلطنت اور عجیب وغریب علوم کے لئے بچایا ہے۔اور یہ حالتیں عارضی ہیں اور اصلی مقاصد کا مقدمہ ہیں، کیونکہ سلطنت کی ترقی کا زینہ عزیز کے گھر آنا ہی ہوا۔اور اسی طرح معلوم اور دل پر گذرنے والے حالات کے لئے پریشانیاں اور مشقتیں سبب ہوجاتے ہیں، لہٰذا اس اعتبار سے علوم کے فیضان میں بھی اس کا دخل ہوا۔اور امیروں کے گھر پر مشترک طور پر پرورش پانا، سلیقہ وتجربہ بڑھاتا ہے، جس کی ضرورت سلطنت اور علوم دونوں میں خاص طور سے خواب کی تعبیر کے علم میں ہوتی ہے۔اور اس جملہ معترضہ کا باقی کچھ حصہ آگے آتا ہے یعنی) اور جب وہ اپنی جوانی (یعنی بالغ ہونے کی عمر کو یا کمالِ شباب) کو پہنچے تو ہم نے انہیں علم اور حکمت عطا فرمائے (اور ﴿ اَوْحَیْنَآ اِلَیْہِ ﴾ الخ میں بالغ ہونے سے پہلے کی جس وحی کا ذکر گذر چکا، وہ ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے۔اس کا تعلق علوم دینیہ سے نہیں ہے جو علم وحکمت سے مراد ہے۔لہٰذا دونوں آیتوں میں ٹکراؤ نہیں) اور ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلا دیا کرتے ہیں (جس طرح یوسف علیہ السلام کے شریعت پر عمل کرنے کی بدولت روزانہ ان کے علم وحکمت میں ترقی فرماتے رہے، اس جملہ معترضہ کے باقی حصہ کے ذریعہ یہ بتایا گیا ہے کہ آگے کے قصہ میں جو کچھ آپ کے سلسلہ میں جس بات کی تہمت آئے گی وہ غلط ہوگی، کیونکہ وہ صاحب حکمت تھے، جس کا حاصل نفع بخش علم اور اس علم پر عمل کرنا ہے، اور ایسے کاموں کا صادر ہونا حکمت کے خلاف ہے، لہٰذا آپ سے ایسے کام کا صادر ہونے کا خیال ہی غلط ہے، اب آگے قصہ آتا ہے کہ آپ وہاں نعمتوں اور نازشوں کے ساتھ رہتے رہے) اور (اس دوران یہ آزمائش پیش آئی کہ) جس عورت کے گھر میں یوسف (علیہ السلام) رہتے تھے وہ (ان پر عاشق ہوگئی اور) اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے انہیں پھسلانے لگی، اور ایک دن (گھر کے) سارے دروازے بند کردیئے، اور (ان سے) کہنے لگی کہ آجاؤ، تم ہی سے کہتی ہوں۔یوسف (علیہ السلام) نے کہا (کہ اول تو یہ بڑا بھاری گناہ ہے) اللہ بچائے (دوسرے) وہ (یعنی تمہارا شوہر) میرا مربی (اور محسن) ہے کہ اس نے مجھے کیسی اچھی طرح رکھا ہے (تو کیا میں اس کی عزت خراب کردوں) ایسے حق فراموشوں کو فلاح نہیں ہوا کرتی (بلکہ اکثر تو دنیا ہی میں ذلیل وخوار اور پریشان ہوتے ہیں۔ورنہ آخرت میں تو وہ وقت آئے گا ہی جس کا وعدہ کیا گیا ہے، اور اس عورت کے دل میں ان کا خیال (پختہ ارادہ کے طور پر) جم ہی رہا تھا اور (طبعی امر کے درجہ میں) ان کو بھی اس عورت کا کچھ کچھ خیال ہوچلا تھا (جو کہ اختیار سے باہر ہے، جیسا کہ گرمی کے روزہ میں طبعی طور پر پانی کی طرف میلان ہوتا ہے، اگرچہ روزہ توڑنے کا ذرا سا خیال بھی نہیں آتا، البتہ) اگر انھوں نے اپنے رب کی دلیل کو (یعنی اس فعل کے گناہ کی دلیل کو کہ شرعی حکم ہے) نہ دیکھا ہوتا (یعنی انہیں شریعت کا علم نہ ہوتا جو قوت عملی کے ساتھ ملا ہوا ہے) تو زیادہ خیال ہوجانا عجب نہ تھا (کیونکہ اس فعل کے تقاضے

اور اسباب ایسے ہی قوی تھے، مگر) ہم نے ان کو اسی طرح علم دیا تا کہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہ کو دور رکھیں (یعنی ارادہ وخیال سے بھی بچایا اور فعل سے بھی بچایا کیونکہ) وہ ہمارے پسندیدہ اور چنے ہوئے بندوں میں سے تھے (اور پسندیدہ و چنے ہوئے بھی نبی ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کے، جن کے لئے معصوم ہونا لازمی ہے، مگر اس عورت نے پھر وہی اصرار کیا تو اس وقت یوسف علیہ السلام وہاں سے جان بچا کر بھاگے اور وہ ان کو پکڑنے کے لئے پیچھے چلی) اور دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے اور) دوڑتے ہوئے جوان کی قمیص پکڑنی چاہی تو) اس عورت نے ان کی قمیص پیچھے سے پھاڑ ڈالی (یعنی قمیص پکڑ کر کھینچی اور یہ آگے کو دوڑے تو قمیص پیچھے سے پھٹ گئی۔ مگر یوسف علیہ السلام دروازے سے باہر نکل گئے) اور (عورت بھی ساتھ تھی، تو) دونوں نے (اتفاق ہی سے) اس عورت کے شوہر کو دروازہ کے پاس (کھڑا) پایا۔ عورت (خاوند کو دیکھ کر سٹ پٹائی اور فوراً بات بنا کر) بولی کہ جو شخص تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے، اس کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کو جیل خانہ بھیج دیا جائے یا اور کوئی دردناک سزا ہو (جیسے جسمانی طور پر مارنا پیٹنا) یوسف (علیہ السلام) نے کہا (کہ یہ جو مجھ پر الزام لگاتی ہے بالکل جھوٹی ہے، بلکہ معاملہ بالکل الٹا ہے) یہی اپنا مطلب نکالنے کے لئے مجھے پھسلا رہی تھی اور (اس موقع پر) اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے (جو کہ دودھ پیتا بچہ تھا اور یوسف علیہ السلام کے معجزہ سے بول پڑا تھا، اس فعل سے آپ کی پاکی پر) گواہی دی (اور باوجودیکہ صرف اس کا عادت کے خلاف بول پڑنا ہی یوسف علیہ السلام کے سچا ہونے کی کافی شہادت تھی مگر بولنے کے ساتھ نہایت عقل مندی کی بات کہنا آپ کا دوسرا معجزہ تھا۔ چنانچہ اس نے ایک معقول علامت بتا کر عقل ودانش والا فیصلہ بھی کیا۔ اور کہا) کہ ان کی قمیص (دیکھو، کہاں سے پھٹی ہے؟) اگر آگے سے پھٹی ہے (تو سمجھ لو کہ) عورت سچی اور یہ جھوٹے (اگرچہ یہ علامت عام طور سے یقینی نہیں، کیونکہ اس میں بھی یہ ممکن ہے کہ دونوں آمنے سامنے ہوں اور عورت ان کا دامن پکڑ کر کھینچ رہی ہو اور یہ اس کو چھڑا رہے ہوں، اس لئے دامن پھٹ گیا ہو، مگر خیر ہم اس امکان کو نظر انداز کئے لیتے ہیں) اور اگر وہ قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو (عادت کے طور پر یہ یقینی ہے کہ) عورت جھوٹی اور یہ سچے (اس فیصلہ میں ظاہر ہے کہ عورت کے لئے بڑی گنجائش دی گئی ہے کہ اس کے سچی ہونے کی دلیل میں تو مخالف جانب کا امکان ہوتے ہوئے بھی اس کو دلیل قرار دے لیا، اور ان کے سچ ہونے کی دلیل کو اسی صورت میں دلیل قرار دیا کہ مخالف جانب کا امکان بالکل ہی ختم ہو جائے۔ غرض اس فیصلہ کے مطابق جب قمیص دیکھی تو وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی) تو جب (عزیز نے) ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی دیکھی (عورت سے) کہنے لگا کہ (تو نے جو کہا تھا ﴿مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ﴾ الخ) یہ تم عورتوں کی چال ہے، بیشک تمہاری چالیں بھی غضب کی ہوتی ہیں (پھر یوسف علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا) اے یوسف! اس بات کو جانے دو (یعنی اس کا چرچا یا خیال مت کرو) اور (عورت سے کہا کہ) اے عورت! تو (یوسف سے) اپنے قصور کی معافی مانگ، بیشک پوری طرح تو ہی قصوروار ہے۔

چند ضروری فائدے:

اول: یوسف علیہ السلام نے اس فعل کے قبیح ہونے کی علت میں جو یہ فرمایا ﴿اِنَّهٗ رَبِّیْٓ﴾ حالانکہ زنا تو مطلق ہر حال میں قبیح فعل ہے، تو اس کی دو وجہیں ہیں: اول یہ کہ اس صورت میں زیادہ قبیح ہے، جیسا کہ پڑوسی کی بیوی کے ساتھ اس فعل کے سلسلہ میں زیادہ سخت وعید آئی ہے۔ دوسرے یہ کہ مخاطب زلیخا تھی جو شرعی طور پر قبیح ہونے کو تو سمجھتی نہیں تھی اور اس فعل کے عقلی طور پر قبیح ہونے کی باریکی کو بھی نہیں سمجھتی تھی، اس لئے ایک عقلی طور پر قبیح ہونے کو بیان کر دیا جو بالکل ظاہر ہے کہ اس کے خلاف حجت ہو جائے۔

دوسرے: ﴿هَمَّ بِهَا﴾ الخ میں بہت سارے محققوں نے یہ بھی توجیہ فرمائی ہے کہ یہ ﴿لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ﴾ الخ کی قید کے ساتھ مقید ہے جس کے معنی کا حاصل یہ ہوگا کہ اگر وہ دلیل کو نہ دیکھتے تو وہ بھی خیال کر لیتے، مگر اب خیال بھی نہیں ہوا۔ یہ بھی نہایت لطیف تفسیر ہے۔ مگر احقر نے ترجمہ والی تفسیر کو اس لئے اختیار کیا کہ اس میں یوسف علیہ السلام کا کمال زیادہ ہے کہ رغبت کے باوجود جس کا منشا طبیعت کی قوت، بدن کی صحت، مزاج کا معتدل ہونا اور قوت والے اعضا کا سلامت ہونا ہے، رک گئے، اس میں صبر اور مجاہدہ سخت ہے، اور اس میں جو اشکال تھا، وہ اس طرح دور ہو گیا کہ زلیخا کا ارادہ دوسری قسم کا ہے اور ان کا ارادہ دوسری طرح کا، جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے۔ اور اسی وجہ سے هَمَّا یاهَمَّ کل واحد بآخر نہیں فرمایا۔ اور پہلے پر لام اور قد کے ساتھ تاکید فرمائی جبکہ دوسرے پر ایسا نہیں فرمایا، جو کہ دوسری قسم کی تائید ہے اور اس کا هم کہنا شکل کے اعتبار سے ہے، ورنہ یہ مرتبہ هم سے پہلے ہے۔ خوب سمجھ لو۔

تیسرے: ﴿غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ﴾ سے کئی دروازوں کا ہونا معلوم ہوتا ہے اور ﴿اسْتَبَقَا الْبَابَ﴾ سے اس دروازہ کا ایک ہونا ظاہر ہوتا ہے، اور ﴿اَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ﴾ سے دروازہ کھلا ہوا ہونا معلوم ہوتا ہے، تو غالب یہ ہے کہ یہ کئی دروازے ایسے تھے جیسے امیروں اور رئیسوں کے مکانوں میں کئی کئی دروازے مختلف سمتوں میں ہوتے ہیں، ان کا آگے پیچھے ترتیب سے ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ مشہور ہے، پھر حضرت یوسف علیہ السلام ان دروازوں میں سے کسی ایک دروازہ کی طرف دوڑے ہوں گے اور اس کو جلدی سے کھول کر باہر نکل گئے ہوں گے، جیسا کہ معمولی طور پر صرف کنڈی لگا کر دروازہ بند کر لیا جاتا ہے، اور وہ کنڈی کھولنے سے نکل جاتا ہے، باقی جو کیفیت مشہور ہے[1]، اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم

چوتھے: اس گواہ کا دودھ پیتا بچہ ہونا حدیث مرفوع میں بیان ہوا ہے، چنانچہ روح المعانی میں مسند احمد اور صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم سے حاکم کی شیخین کی شرط پر تصحیح کے ساتھ نقل کیا ہے۔ آگے آیت ۳۵ میں ﴿رَاَوُا الْاٰیٰتِ﴾ سے ظاہری

(۱) کہ سات دروازے یکے بعد دیگرے تھے، اور ان میں تالے لگا رکھے تھے جو خود بخود کھلتے گئے جیسا کہ تفسیروں میں یہ بات دلیل کی محتاج ہے ۱۲ سعید احمد

طور پر اس کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

پانچویں: اگر یوسف علیہ السلام اس وقت نبی نہ ہوں تو اس عادت کے خلاف واقعہ کو اصطلاح میں معجزہ کی بجائے ارہاص (وہ خارقِ عادت امر جو نبوت سے پہلے پیغمبر سے ظاہر ہوتا ہے) کہیں گے۔

چھٹے: اس گواہ نے جو فیصلہ کیا یہ کوئی شرعی حجت نہیں، کافی حجت تو صرف اس کا بولنا ہے، لیکن سامنے والوں کے مزاج کے مطابق اس کے بیان کردینے سے اصلی حجت کے لئے زیادہ تائید ہوگئی، لہٰذا اس سے ایسے خیالی امور کا حجت ہونا ثابت نہیں ہوتا، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ قیافہ شناس نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو حضرت زید رضی اللہ عنہ کا بیٹا بتایا اور حضور ﷺ اس لئے خوش ہوئے کہ اعتراض کرنے والے اس کی بات کو حجت سمجھتے تھے اور شرعی حجت پہلے سے قائم تھی یعنی: الولد للفراش: قیافہ شناس کی بات سے اس کی تائید بھی ہوگئی اور اس کو گواہ کہنا نطق یعنی بولنے کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ اس میں زلیخا کی سچائی کے امکان سے کوئی مطلب نہیں، لیکن اس فیصلہ کے اعتبار سے اس کا گواہ کہنا باوجودیکہ اس فیصلہ میں دونوں فریق کی سچائی کا احتمال ہے، اس وجہ سے ہے کہ آخر میں اس فیصلہ کا فائدہ حضرت یوسف علیہ السلام ہی کو ہوا، اس طرح گویا مقصود انہی کی گواہی دینا ہے۔

ساتویں: اس عورت کا نام بعض نے راعیل کہا ہے، اور مشہور زلیخا ہے (زاء کا زبر اور لام کا زیر یا زاء کا پیش اور لام کا زبر) اور بعض نے کہا ہے کہ ایک نام ہے اور ایک لقب، خواہ وہ یا یہ، کذا فی روح المعانی۔ اور اس عورت کا شوہر عزیز کے لقب سے مشہور تھا جیسا کہ آگے آتا ہے ﴿امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ﴾ اور یہ مصر کی حکومت کے سب سے بڑے ذمہ دار کا لقب ہوتا تھا، اور اس شخص کا نام قطفیر ہے، جیسا کہ روح المعانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ واللہ اعلم

﴿وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا ھٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ۝﴾ ع ۱۴

ترجمہ: اور چند عورتوں نے جو کہ شہر میں رہتی تھیں یہ بات کہی کہ عزیز کی بی بی اپنے غلام کو اس سے اپنا مطلب

حاصل کرنے کے واسطے پھسلاتی ہے، اس غلام کا عشق اس کے دل میں جگہ کر گیا ہے۔ ہم تو اس کو صریح غلطی میں دیکھتے ہیں۔ سو جب اس عورت نے ان عورتوں کی بدگوئی سنی تو کسی کے ہاتھ ان کو بلا بھیجا اور ان کے واسطے مسند تکیہ لگایا، اور ہر ایک کو ان میں سے ایک ایک چاقو دے دیا اور کہا کہ ذرا ان کے سامنے تو آجاؤ، سو عورتوں نے جوان کو دیکھا تو حیران رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں حاش للہ یہ شخص آدمی ہرگز نہیں یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ وہ عورت بولی تو وہ شخص یہی ہے جس کے بارے میں تم مجھ کو برا بھلا کہتی تھیں اور واقعی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی خواہش کی تھی مگر یہ پاک صاف رہا۔ اور اگر آئندہ کو میرا کہنا نہ کرے گا تو بے شک جیل خانہ بھیجا جاوے گا اور بے عزت بھی ہوگا۔ یوسفؑ نے دعا کی کہ اے میرے رب! جس کام کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلا رہی ہیں اس سے تو جیل خانہ میں جانا ہی مجھ کو زیادہ پسند ہے اور اگر آپ ان کے داؤ پیچ کو مجھ سے دفع نہ کریں گے تو ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانی کا کام کر بیٹھوں گا۔ سو ان کی دعا ان کے رب نے قبول کی اور ان عورتوں کے داؤ پیچ کو ان سے دور رکھا، بیشک وہ بڑا سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ پھر مختلف نشانیاں دیکھنے کے بعد ان لوگوں کو یہ ہی مصلحت معلوم ہوا کہ ان کو ایک وقت تک قید میں رکھیں۔

یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ہاتھ کاٹنے والیوں کا اور ان کی قید کا قصہ:

اور چند عورتوں نے جو کہ شہر میں رہتی تھیں (یعنی شہر کی چند عورتوں نے) یہ بات کہی کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے پھسلاتی ہے (کیسی گری ہوئی طبیعت ہے کہ غلام پر دیوانی ہے) اس غلام کا عشق اس کے دل میں جگہ کر گیا ہے، ہم تو اس کو کھلی غلطی پر دیکھتے ہیں تو جب اس عورت نے ان عورتوں کی بدگوئی (کی خبر) سنی تو کسی کے ہاتھ انہیں بلا بھیجا (کہ تمہاری دعوت ہے) اور ان کے واسطے مسند تکیہ لگایا اور (جب وہ آئیں اور ان کے سامنے مختلف قسم کے کھانے اور میوے پیش کئے جن میں بعض چیزیں چاقو سے کاٹ کر کھانے کی تھیں اور اس واسطے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چاقو (بھی) دے دیا (جس کے لئے ظاہر میں تو ان چیزوں کا بہانہ تھا، اصل غرض وہ تھی جو آگے آتی ہے کہ حواس باختہ ہو کر ان چاقوؤں سے اپنے ہاتھوں کو زخمی کر لیں گی) اور (یہ سب سامان درست کر کے یوسف علیہ السلام سے جو کسی دوسرے مکان میں تھے) کہا ذرا ان کے سامنے تو آجاؤ (چنانچہ یوسف علیہ السلام یہ سمجھ کر کوئی صحیح اور اچھی غرض ہوگی، باہر آگئے) اب عورتوں نے جو انہیں دیکھا تو (ان کے جمال سے) حیران رہ گئیں اور (اس حیرت میں) اپنے ہاتھ کاٹ لئے (یعنی جس وقت یہ باہر آئے، وہ عورتیں چاقوؤں سے پھل کاٹ رہی تھیں ان کو دیکھ کر ایسی بدحواسی چھائی کہ اس بے خبری میں وہ چاقو ہاتھوں پر چل گئے جیسا کہ اکثر دوسری طرف خیال ہٹ جانے سے ایسا اتفاق ہو جاتا ہے) اور کہنے لگیں: ﴿حَاشَ لِلّٰهِ﴾ یہ شخص آدمی ہرگز نہیں، یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے (مطلب یہ کہ ایسا

حسن و جمال آدمی میں کہاں ہوتا ہے، البتہ فرشتے تو ایسے نورانی ہوتے ہیں) وہ عورت بولی تو (دیکھ لو) وہ شخص یہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے برا بھلا کہتی تھیں (کہ اپنے غلام پر عاشق ہوگئی ہے) اور واقعی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی خواہش کی تھی، مگر یہ پاک صاف رہا اور (پھر یوسف علیہ السلام کے دھمکانے اور سنانے کو کہا کہ) اگر آئندہ کو میرا کہنا نہ کرے گا (جیسا کہ اب تک نہیں کیا) تو بیشک جیل خانہ بھیجا جائے گا اور بے عزت بھی ہوگا (وہ سب عورتیں بھی یوسف علیہ السلام سے کہنے لگیں کہ تمہیں اپنی محسنہ سے ایسی بے رخی مناسب نہیں جو یہ کہے تمہیں ماننا چاہئے) یوسف (علیہ السلام) نے (جو یہ باتیں سنیں اور دیکھا کہ یہ عورت تو بے ڈھنگے پن سے پیچھے پڑگئی ہے اور سب اسی کی ہاں میں ہاں ملا رہی ہیں تو اللہ تعالیٰ سے) دعا کی کہ اے میرے رب! جس (واہیات) کام کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اس سے تو جیل خانہ جانا ہی مجھے زیادہ پسند ہے۔ اور اگر آپ ان کے داؤ پیچ کو مجھ سے دور نہ کریں گے تو ان کی (صلاح کی) طرف مائل ہوجاؤں گا اور نادانی کا کام کر بیٹھوں گا۔ تو ان کی دعا ان کے رب نے قبول کی اور ان عورتوں کے داؤ پیچ کو ان سے دور رکھا۔ بیشک وہ (دعاؤں کا) بڑا سننے والا (اور ان کے حالات کا) خوب جاننے والا ہے (پھر یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کی) مختلف نشانیاں دیکھنے کے بعد (جن میں سے خود تو اس کا پورا یقین ہوگیا، مگر عوام میں چرچا ختم کرنے کی غرض سے) ان لوگوں (یعنی عزیز اور اس کے متعلقین) کو یہی مصلحت معلوم ہوا کہ انہیں ایک (خاص) وقت تک قید میں رکھیں۔

فائدہ: یوسف علیہ السلام کا یہ فرمانا: ﴿ وَاِلَّا تَصْرِفْ ﴾ الخ معصوم ہونے کی صفت کے خلاف نہیں، کیونکہ یہ معصوم ہونا بھی تو خداوندی حفاظت کی بدولت ہی ہے، چونکہ انبیاء علیہم السلام کی نظر اصل مؤثر کی طرف ہوتی ہے، اس لئے انہیں اپنی عصمت پر اعتماد اور ناز نہیں ہوتا۔ اور یوسف علیہ السلام کے ﴿ اِنْ لَّا تَصْرِفْ ﴾ کہنے سے مقصود یہ ہے کہ ﴿ اصْرِفْ عَنِّيْ ﴾ اس لئے اس کے بعد ﴿ فَاسْتَجَابَ ﴾ فرمایا۔ اور اس استجابت یعنی دعا کی قبولیت کا بیان خود قرآن میں ہے ﴿ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ﴾ اور قید خانہ میں جانا دعا کی قبولیت کا جز نہیں ہے، جیسا کہ مشہور ہے کہ قید کی دعا کی، اس لئے قید میں گئے، کیونکہ قید کی درخواست تو نہیں کی، صرف قبیح فعل کا قید سے بھی زیادہ قبیح ہونا بیان کیا ہے۔ اس طرح ﴿ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ ﴾ اپنے آپ میں مستقل جملہ ہے، استجابت کو پورا کرنے والا نہیں ہے۔ اور آیات سے مراد معجزہ ہے جو کہ عقلی دلیل ہے۔ اور قد قمیص عادت کے مطابق پائی جانے والی دلیل ہے اور زلیخا کا اقرار ﴿ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ﴾ شرعی دلیل ہے جو مشہور قول: نہاں کے ماند آن رازے کزو سازند محفلہا یعنی وہ راز پوشیدہ کب رہتا ہے جس سے محفلوں کو سجاتے ہیں، کے مطابق عزیز تک پہنچ گیا تھا یا بعض کے بقول بعض اولیں (متقدمین) کہ سب دال ہیں نزاہت یوسف پر۔

﴿ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾ ﴾

ترجمہ: اور یوسف کے ساتھ اور بھی دو غلام جیل خانہ میں داخل ہوئے ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اپنے کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا کہ میں اپنے کو اس طرح دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹیاں لئے جاتا ہوں، اس میں سے پرندے کھاتے ہیں، ہم کو اس خواب کی تعبیر بتلائیے، آپ ہم کو نیک آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ یوسف نے فرمایا کہ جو کھانا تمہارے پاس آتا ہے جو کہ تم کو کھانے کے لئے ملتا ہے، میں اس کے آنے سے پہلے اس کی حقیقت تم بتلادیتا ہوں، یہ بتلادینا اس علم کی بدولت ہے جو مجھ کو میرے رب نے تعلیم فرمایا ہے۔ میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ رکھا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں۔ اور میں نے اپنے باپ دادوں کا مذہب اختیار کر رکھا ہے ابراہیمؑ کا اور اسحاقؑ کا۔ ہم کو کسی طرح زیبا نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی شئ کو شریک قرار دیں۔ یہ ہم پر اور لوگوں پر خدا تعالیٰ کا ایک فضل ہے، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ اے قید خانہ کے رفیقو! متفرق معبود اچھے یا ایک معبود برحق جو سب سے زبردست ہے وہ اچھا، تم لوگ تو خدا کو چھوڑ کر صرف چند بے حقیقت ناموں کی عبادت کرتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھیرا لیا ہے، خدا تعالیٰ نے تو ان کی کوئی دلیل بھیجی نہیں۔ حکم خدا ہی کا ہے۔ اس نے یہ حکم دیا ہے کہ بجز اس کے اور کسی کی عبادت مت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اے قید خانہ کے رفیقو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا اور دوسرا سولی دیا جائے گا اور اس کے سر کو پرندے کھاویں گے۔ جس بارے میں تم پوچھتے تھے وہ اسی طرح مقدر ہو چکا۔ اور جس شخص پر رہائی کا گمان تھا، اس سے یوسف نے فرمایا کہ اپنے آقا

کے سامنے میرا بھی تذکرہ کرنا۔ پھر اس کو اپنے آقا سے تذکرہ کرنا شیطان نے بھلا دیا تو قید خانہ میں اور بھی چند سال ان کا رہنا ہوا۔

یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید خانہ میں بادشاہ کے شراب پلانے والے اور روٹیاں پکانے والے کا قصہ:

اور یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ (یعنی اسی زمانہ میں بادشاہ کے) دو غلام جیل خانہ میں داخل ہوئے (جن میں ایک ساقی یعنی شراب پلانے والا تھا اور دوسرا روٹی پکانے والا۔ اور ان کے قید ہونے کا سبب یہ ہوا تھا کہ ان کے بارے میں شبہ ہوا تھا کہ انھوں نے کھانے میں اور شراب میں زہر ملا کر بادشاہ کو دیا ہے۔ اس لئے مقدمہ کی تحقیقات چل رہی تھی اور یہ دونوں قید خانہ میں بھیج دیئے گئے تھے۔ انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام میں بزرگی کے آثار پائے تو) ان میں سے ایک نے (حضرت یوسف علیہ السلام سے) کہا کہ میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا کہ میں شراب (بنانے کے لئے انگور کا شیرہ) نچوڑ رہا ہوں (اور بادشاہ کو وہ شراب پلا رہا ہوں) اور دوسرے نے کہا کہ میں نے خود کو اس طرح دیکھا ہے کہ اپنے سر پر روٹیاں لے جاتا ہوں (اور) اس میں سے پرندے (نوچ نوچ کر کھاتے ہیں، ہمیں اس خواب کی (جو ہم دونوں نے دیکھا ہے) تعبیر بتایئے۔ آپ ہمیں نیک آدمی معلوم ہوتے ہیں (حضرت) یوسف (علیہ السلام) نے سوچا کہ جب یہ میرے معتقد ہیں تو انہیں پہلے ایمان کی دعوت دینی چاہئے۔ اس لئے پہلے ایک معجزہ کے ذریعہ اپنا نبی ہونا ثابت کرنے کے لئے) فرمایا کہ (دیکھو) جو کھانا تمہارے پاس آتا ہے جو کہ تمہیں کھانے کے لئے (جیل خانہ میں) ملتا ہے، اس کے آنے سے پہلے اس کی حقیقت بتا دیا کرتا ہوں (کہ فلاں چیز آئے گی، اور ایسی ایسی ہوگی، اور) یہ بتا دینا اس علم کی بدولت ہے جو مجھے میرے رب نے تعلیم فرمایا ہے (یعنی مجھے وحی کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے، لہٰذا یہ معجزہ ہوا جو کہ نبوت کی دلیل ہے۔ اور شاید اس معجزہ کی تخصیص اس مناسبت سے فرمائی ہو کہ جس واقعہ میں انھوں نے آپ سے رجوع کیا، وہ واقعہ بھی کھانے کا ہے تو یہ معجزہ اس وقت ان کے حال کے زیادہ مناسب ہوا۔ واللہ اعلم۔ اب نبوت کو ثابت کرنے کے بعد آگے توحید کو ثابت کرتے ہیں، یعنی جب میرا کمال اور نبوت دلیل سے ثابت ہے تو جس طریقہ کو میں اختیار کروں اور اس کو صحیح بتاؤں، وہ حق ہوگا۔ تو وہ طریقہ یہ ہے کہ) میں نے تو ان لوگوں کا مذہب (پہلے ہی سے) چھوڑ رکھا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ لوگ آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں، اور میں نے اپنے ان (بزرگوں) باپ داداؤں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کا مذہب اختیار کر رکھا ہے (اور اس مذہب کا سب سے بڑا امر یہ ہے کہ) ہمارے لئے کسی طرح مناسب نہیں کہ اللہ کے ساتھ (عبادت میں) کسی شے کو شریک قرار دیں (یعنی توحید اس مذہب کا رکن اعظم ہے اور) یہ (توحید کا عقیدہ) ہمارے اوپر اور (دوسرے) لوگوں پر (بھی) اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے (کہ اس کی بدولت دنیا اور

آخرت کی فلاح ہے) لیکن اکثر لوگ (اس نعمت کا) شکر (ادا) نہیں کرتے (یعنی توحید کی قدر نہیں کرتے اور اس کو اختیار نہیں کرتے) اے جیل خانہ کے ساتھیو! (ذرا سوچ کر بتاؤ کہ عبادت کے واسطے) الگ الگ قسم کے کئی معبود اچھے ہیں یا ایک معبود جو برحق ہے اور سب سے زبردست ہے، وہ اچھا ہے؟ (اس کا جواب ظاہر ہے) تم لوگ تو اللہ کو چھوڑ کر صرف چند بے حقیقت ناموں کی عبادت کرتے ہو (یعنی تم نے جو معبود بنا رکھے ہیں، وہ صرف نام کے درجہ میں ہیں) جو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے (آپ ہی) ٹھہرائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان (کے معبود ہونے) کی کوئی (عقلی یا نقلی) دلیل بھیجی نہیں ہے (اور) حکم (دینے کا اختیار صرف) اللہ ہی کا ہے (اور اس نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا اور کسی کی عبادت مت کرو (لہٰذا اسی حکم پر عمل کرنا چاہئے) یہی (توحید اور عبادت میں اللہ تعالیٰ کو خاص رکھنا) سیدھا طریقہ ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (اور اس طریقہ کو اختیار نہیں کرتے۔ ایمان کے ارکان کی اہم باتوں کی تبلیغ کرنے کے بعد اب ان کے خواب کی تعبیر بتاتے ہیں کہ) اے قید خانہ کے ساتھیو! تم میں سے ایک تو (جرم سے بری ہو کر) اپنے آقا کو (پہلے ہی کی طرح) شراب پلایا کرے گا اور دوسرے کو (مجرم قرار دے کر) سولی پر چڑھایا جائے گا، اور اس کے سر کو پرندے (نوچ نوچ کر) کھائیں گے۔ اور جس بارے میں تم پوچھتے تھے، وہ اسی طرح مقدر ہو چکا (اور یوں ہی ہوگا، چنانچہ مقدمہ کے فیصلہ کے بعد ایک بے قصور ثابت ہوا اور اسے بری کر دیا گیا اور دوسرا مجرم قرار دیا گیا۔ دونوں کو جیل خانہ سے بلایا گیا ایک کو رہائی کے لئے اور دوسرے کو سزا کے لئے) اور (جب وہ لوگ جیل خانہ سے جانے لگے تو) جس شخص کے بارے میں رہائی کا گمان تھا، اس سے یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اپنے آقا کے سامنے میرا بھی ذکر کرنا (کہ ایک شخص بے گناہ قید ہے۔ اس نے وعدہ کر لیا) پھر اس کو اپنے آقا سے (یوسف علیہ السلام کا) ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا (آخر) ان کا قید خانہ میں اور بھی چند سال رہنا ہوا۔

فائدہ: چونکہ عادت کے طور پر استعمال ہونے والے اسباب سے کام لینا جائز ہے، اس لئے اس بارے میں یوسف علیہ السلام پر کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ جو فرمایا کہ ﴿فَلَبِثَ﴾ الخ تو یہ عتاب کے طور پر نہیں فرمایا، بلکہ محض یہ بتانا مقصود ہے کہ چونکہ وہ بھول گیا، اس لئے ان کے نکلنے کا کوئی سامان نہ ہوا۔ خوب سمجھ لو۔ اور لفظ ﴿بِضْعَ﴾ عربی زبان میں تین سے دس تک کے لئے آتا ہے، لہٰذا اس کے درمیان جتنی گنتیاں ہیں ان میں سے ہر گنتی کا اس آیت میں امکان ہے۔

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۝ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ

سُنۡۢبُلٰتٍ خُضۡرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ لَّعَلِّیۡۤ اَرۡجِعُ اِلَی النَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ۝ قَالَ تَزۡرَعُوۡنَ سَبۡعَ سِنِيۡنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدۡتُّمۡ فَذَرُوۡهُ فِیۡ سُنۡۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّمَّا تَاۡكُلُوۡنَ ۝ ثُمَّ يَاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ سَبۡعٌ شِدَادٌ يَّاۡكُلۡنَ مَا قَدَّمۡتُمۡ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّمَّا تُحۡصِنُوۡنَ ۝ ثُمَّ يَاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيۡهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيۡهِ يَعۡصِرُوۡنَ ۝

ترجمہ:اور بادشاہ نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ سات گائیں فربہ ہیں جن کو سات لاغر گائیں کھا گئیں اور سات بالیں سبز ہیں اوران کے علاوہ سات اور ہیں جو خشک ہیں۔اے درباروالو!اگر تم تعبیر دے سکتے ہوتو میرے اس خواب کے بارے میں مجھ کو جواب دو۔وہ لوگ کہنے لگے کہ یوں ہی پریشان خیالات ہیں اور ہم لوگ خوابوں کی تعبیر کا علم بھی نہیں رکھتے۔اور ان دوقیدیوں میں سے جو رہا ہو گیا تھا اس نے کہا اور مدت کے بعد اس کو خیال آیا میں اس کی تعبیر کی خبر لائے دیتا ہوں آپ لوگ مجھ کو ذرا جانے کی اجازت دیجئے۔اے یوسف!اے صدق مجسم! آپ ہم لوگوں کو اس کا جواب دیجئے کہ سات گائیں موٹی ہیں ان کو سات دبلی گائیں کھا گئیں اور سات بالیں ہری ہیں اور اس کے علاوہ خشک بھی ہیں،تا کہ میں ان لوگوں کے پاس لوٹ کر جاؤں تا کہ ان کو بھی معلوم ہو جاوے۔آپ نے فرمایا کہ تم سات سال متواتر غلہ بونا پھر جو فصل کاٹو اس کو بالوں میں رہنے دینا ہاں مگر تھوڑا سا جو تمہارے کھانے میں آوے۔پھر اس کے بعد سات برس اور ایسے سخت آویں گے جو کہ اس ذخیرہ کو کھا جاویں گے جس کو تم نے ان برسوں کے واسطے جمع کر کے رکھا ہوگا،مگر تھوڑا سا جو کچھ چھوڑ و گے۔پھر اس کے بعد ایک برس ایسا آوے گا جس میں لوگوں کے لئے خوب بارش ہوگی اور اس میں شیرہ بھی نچوڑیں گے۔

یوسف علیہ السلام کے مصر کے بادشاہ کے خواب کی تعبیر بیان کرنے کا قصہ:

اور (مصر کے) بادشاہ نے (بھی ایک خواب دیکھا اور حکومت کے ذمہ داروں کو جمع کر کے ان سے) کہا کہ میں نے (خواب میں) دیکھا ہے کہ سات گائیں موٹی تازی ہیں،جن کو سات کمزور دبلی گائیں کھا گئیں اور سات بالیاں ہری ہیں اور ان کے علاوہ سات اور ہیں جو خشک ہیں (اور ان خشک بالیوں نے اسی طرح ان سات ہری بالیوں پر لپٹ کر ان کو خشک کر دیا) اے درباروالو!اگر تم (خواب کی) تعبیر بیان کر سکتے ہو تو میرے اس خواب کے بارے میں مجھے جواب دو۔وہ لوگ کہنے لگے کہ (اول تو یہ کوئی خواب نہیں جس کی وجہ سے آپ فکر میں پڑیں) یوں ہی پریشان خیالات ہیں اور (دوسرے) ہم لوگ (جو کہ حکومت سے متعلق کاموں کے ماہر ہیں) خوابوں کی تعبیر کا علم بھی نہیں رکھتے (انھوں نے دو جواب اس لئے دیئے کہ پہلے جواب سے مقصود بادشاہ کے دل سے پریشانی اور وسوسوں کو دور کرنا ہے اور دوسرے جواب سے اپنا عذر ظاہر کرنا ہے۔مطلب یہ کہ اول تو ایسے خواب تعبیر کے قابل نہیں،دوسرے ہم اس سے واقف نہیں) اور ان (مذکورہ) دوقیدیوں میں سے جو رہا ہو گیا تھا (وہ مجلس میں حاضر تھا) اس نے کہا:اور مدت کے بعد اس کو (یوسف علیہ السلام

کی وصیت کا) خیال آیا، میں اس کی تعبیر کی خبر لائے دیتا ہوں۔ آپ لوگ مجھے ذرا جانے کی اجازت دے دیجئے (چنانچہ دربار سے اجازت ہوئی اور وہ قید خانہ میں یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا اور جا کر کہا) اے یوسف! اے پوری سچائی! آپ ہم لوگوں کو اس (خواب) کا جواب (یعنی تعبیر) دے دیجئے کہ سات گائیں موٹی ہیں، ان کو سات دبلی گائیں کھا گئیں اور سات بالیں ہری ہیں اور اس کے علاوہ (سات) خشک بھی ہیں (کہ ان خشک کے لپٹنے سے وہ ہری بھی خشک ہوگئیں۔ آپ تعبیر بتائیے) تا کہ میں ان لوگوں کے پاس لوٹ کر جاؤں (جنھوں نے مجھے بھیجا ہے۔ اور بیان کروں) تا کہ (اس کی تعبیر اور اس سے آپ کا حال) انہیں بھی معلوم ہو جائے (جس سے وہ تعبیر کے مطابق عمل کریں اور آپ کی رہائی کی کوئی صورت نکلے) آپ نے فرمایا کہ (ان سات موٹی گایوں اور سات ہری بالیوں سے مراد پیداوار اور بارش کے سات سال ہیں، لہٰذا تم سات سال لگاتار (خوب) اناج بونا، پھر جو فصل کاٹو تو اس کو بالیوں ہی میں رہنے دینا (تا کہ کیڑا نہ لگ جائے) ہاں مگر تھوڑا سا جو تمہارے کھانے (کے کام) میں آئے (وہ تو بالیوں میں سے نکالا ہی جائے گا) پھر ان (سات سالوں) کے بعد سات برس ایسے سخت (اور قحط کے) آئیں گے جو کہ اس (تمام) ذخیرہ کو کھا جائیں گے جس کو تم نے ان برسوں کے واسطے جمع کر کے رکھا ہوگا۔ ہاں مگر تھوڑا سا (جو بیج کے واسطے) رکھ چھوڑو گے (وہ البتہ بچ جائے گا اور ان خشک بالوں اور خشک گایوں سے ان سات برسوں کی طرف اشارہ ہے) پھر اس (سات برس کی مدت) کے بعد ایک برس ایسا آئے گا جس میں لوگوں کے لئے خوب [1] بارش ہوگی اور اس میں (اس وجہ سے کہ انگور کثرت سے پھلیں گے) اس کو بھی نچوڑیں گے (اور شراب پئیں گے)

فائدہ: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے یہ ذمہ دار خواب کی تعبیر کے فن سے ناواقف تھے، اس لئے بادشاہ کی بات

---

(۱) اس پر یورپ کے بعض عناد رکھنے والوں نے ایک جاہلانہ اعتراض کیا ہے کہ مصر کی شادابی کا بارش سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ تو پوری طرح دریائے نیل کا فیض ہے۔ اس کا جواب جو ایک فاضل فلسفی دوست نے دیا ہے مختصر طور پر نقل کیا جاتا ہے (اول) یغاث یعنی خوب بارش کا غیث سے ہونا ضروری نہیں۔ مفردات القرآن میں غوث سے ہونا بھی صحیح لکھا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَإِن يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ﴾ اور معنی یہ ہوں گے کہ لوگوں کی فریادرسی ہوگی۔ مصیبت سے نجات ملے گی، اگرچہ اکثر سلف سے غیث ہی سے ہونا منقول ہے تو قرآن پر اعتراض نہ رہا۔ دوسرے یغاث کے ساتھ الناس ہے، اہل مصر نہیں، قحط مصر سے باہر بھی پڑا تھا، چنانچہ برادرانِ یوسف اس سلسلہ میں فلسطین سے آئے تھے اور ان اطراف میں بارش ہو جانا بھی کافی ہے۔ تیسرے یہ کہ خود اہل یورپ ہی نے اپنے جغرافیوں میں اس حصہ کو جس میں فرعون کی سلطنت تھی بارش والا علاقہ کہا ہے اگرچہ کچھ حصے کم بارش والے اور بعض بغیر بارش والے بھی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ چوتھے یہ کہ بارش نہ ہونے کا عام معمول ہونا اور کبھی بارش ہو جانا ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ پانچویں خود نیل کی طغیانی میں منبع میں بارش ہو جانے کا ایک لحاظ سے دخل ہونا بعید نہیں۔

میں بھی شک پایا جاتا ہے ﴿ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴾ اور انھوں نے بھی علم کا انکار کیا ہے۔ ﴿ مَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴾ اور ان کا ﴿ اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ﴾ کہنا تعبیر جاننے کی دلیل نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ تفصیل کے ساتھ تو ہم تعبیر کا عمل نہیں جانتے، مگر خوابوں کی جیسی شان ہوتی ہے، اس کی بنیاد پر مختصر طور پر اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ خواب نہیں ہے، محض خیال ہے، تو اتنا مختصر علم فن کی مہارت کی دلیل نہیں ہے اور اس قول کا فائدہ وہی تھا جو ترجمہ کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی بادشاہ کو بے فکر کرنا۔ اب یہ شبہ بھی نہیں ہوسکتا کہ جب وہ تعبیر نہیں جانتے تھے تو صرف دوسری بات کہہ دینا کافی تھا، اور ساقی یعنی شراب پلانے والے کے ﴿ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ ﴾ الخ کہنے سے بھی ظاہری طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ علم تعبیر کے عالم نہیں تھے، ورنہ فن تعبیر کے علماء کے فیصلہ کے بعد حکومت کے ذمہ داروں کے سامنے ایسی بات کہنے کی جرأت نہیں ہوتی، اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ وہ جانتے ہی نہیں تھے، بلکہ وہ خود بھی اس کی حقیقت جاننے کے مشتاق تھے اور اس کی حقیقت سامنے آنے کا انتظار کر رہے تھے، اور چونکہ حکومت کے ان ذمہ داروں کا یہ جواب تعبیر نہیں تھا، اس لئے اس خواب کی دوسری تعبیر جو یوسف علیہ السلام نے دی، وہی واقع ہوئی، ورنہ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: خواب سننے کے بعد کہی جانے والی پہلی بات ہی تعبیر ہوا کرتی ہے، بشرطیکہ وہ خواب تعبیر کے اصول کے اعتبار سے اس تعبیر کا احتمال رکھتا ہو۔ اور قاعدہ کے مطابق احتمال نہ ہو تو واقع ہونا ضروری نہیں، لہٰذا جہاں کہیں دو تعبیروں میں سے دوسری تعبیر واقع ہو اور پہلی واقع نہ ہو تو معلوم کرلو کہ پہلی تعبیر قاعدہ کے مطابق تھی یا نہیں، اور چونکہ اس کے قاعدے بہت دقیق یعنی باریک ہیں لہٰذا ان کا احاطہ کسی قدر مشکل ہے۔ اور یہ جو فرمایا ﴿ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ ﴾ یہ غالباً اس سے سمجھا کہ جب دبلی گایوں اور خشک بالیوں سے سات سخت سال مراد ہیں تو یقینی طور پر ان سات کے بعد شدت نہیں رہے گی، لہٰذا بارش وغیرہ ہوگی، واللہ اعلم۔ اور خواب میں گایوں اور بالیوں دونوں کا نظر آنا شاید اس لئے ہو کہ قحط کا اثر حیوانوں اور نباتات ہی پر ہوتا ہے۔

﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْــَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْــٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۡ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ۝ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْۗءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ۝ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰي خَزَاۗىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا

لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۚ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۶﴾ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۵۷﴾

ع ۸

ترجمہ: اور بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کو میرے پاس لاؤ، پھر جب ان کے پاس قاصد پہنچا آپ نے فرمایا کہ تو اپنی سرکار کے پاس لوٹ جا، پھر اس سے دریافت کر کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ میرا رب ان عورتوں کے فرقہ کے فریب کو خوب جانتا ہے۔ کہا کہ تمہارا کیا واقعہ ہے جب تم نے یوسف سے اپنے مطلب کی خواہش کی؟ عورتوں نے جواب دیا کہ حاش للہ! ہم کو ان میں ذرا بھی تو برائی کی بات نہیں معلوم ہوئی۔ عزیز کی بی بی کہنے لگی کہ اب تو حق بات ظاہر ہو ہی گئی، میں نے ہی ان سے اپنے مطلب کی خواہش کی تھی اور بیشک وہی سچے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تمام اہتمام اس وجہ سے کیا تا کہ عزیز کو یقین کے ساتھ معلوم ہو جاوے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی آبرو میں دست اندازی نہیں کی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا۔ اور میں اپنے نفس کو بری نہیں بتلاتا، نفس تو بری ہی بات بتلاتا ہے، بجز اس کے جس پر میرا رب رحم کرے۔ بلاشبہ میرا رب بڑی مغفرت والا، بڑی رحمت والا ہے۔ اور بادشاہ نے کہا ان کو میرے پاس لاؤ، میں ان کو خاص اپنے لئے رکھوں گا پس جب بادشاہ نے ان سے باتیں کیں تو بادشاہ نے کہا کہ تم ہمارے نزدیک آج بڑے معزز اور معتبر ہو۔ یوسف نے فرمایا کہ ملکی خزانوں پر مجھ کو مامور کر دو میں حفاظت رکھوں گا اور خوب واقف ہوں۔ اور ہم نے ایسے طور پر یوسف کو ایک ملک میں بااختیار بنا دیا کہ اس میں جہاں چاہیں رہیں سہیں، ہم جس پر چاہیں اپنی عنایت متوجہ کر دیں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ اور آخرت کا اجر کہیں زیادہ بڑھ کر ہے ایمان اور تقویٰ والوں کے لئے۔

یوسف علیہ السلام کی مصر کے بادشاہ سے ملاقات اور بات چیت کا قصہ:

(غرض وہ شخص تعبیر لے کر دربار میں پہنچا) اور (وہاں جا کر تعبیر بیان کی) بادشاہ نے (یہ تعبیر سنی تو آپ کے علم و فضل کا قائل ہوا، اور) حکم دیا کہ انہیں میرے پاس لاؤ (چنانچہ یہاں سے قاصد چلا) پھر جب (وہ) قاصد ان کے پاس پہنچا (اور پیغام دیا تو) آپ نے فرمایا کہ (جب تک میرا اس تہمت سے بری ہونا اور بے گناہ قید کیا جانا ثابت نہ ہو جائے گا، میں نہ آؤں گا) تم اپنے آقا کے پاس لوٹ جاؤ پھر اس سے دریافت کرو کہ (کیا تمہیں کچھ خبر ہے) ان عورتوں کا کیا حال ہے، جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے) مطلب یہ تھا کہ ان کو بلا کر اس واقعہ سے متعلق میرا حال معلوم کیا جائے، جس کی وجہ سے مجھے جیل خانہ میں قید کیا گیا۔ اور عورتوں کے حال سے مراد یوسف علیہ السلام کے حال سے واقف یا ناواقف ہونا ہے اور شاید ان عورتوں کی تخصیص اس لئے کی ہو کہ ان کے سامنے زلیخا نے اقرار کیا تھا۔ ﴿وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهُ عَنْ نَّفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ﴾ میرا رب ان عورتوں کے طبقہ کے فریب کو خوب جانتا ہے (یعنی اللہ کو تو معلوم ہی ہے کہ زلیخا کا مجھ پر بہتان

لگانا ایک چال تھا، مگر لوگوں کے سامنے بھی اس کی صفائی ہو جانا مناسب ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے ان عورتوں کو طلب کیا اور) کہا کہ تمہارا کیا واقعہ ہوا، جب تم نے یوسف (علیہ السلام) سے اپنے مطلب کی خواہش کی (یعنی ایک نے خواہش کی اور باقی نے اس کی مدد و حمایت کی کہ مدد و حمایت بھی فعل ہی کی طرح ہے۔ اس وقت تمہارے سامنے کیا بات آئی؟ شاید بادشاہ نے اس طرح اس لئے پوچھا ہو کہ مجرم سن لے کہ بادشاہ کو پھسلانے کے واقعہ کی خبر ہے تو تعیین کی بھی خبر ہوگی۔ اور اس حالت میں انکار نہ چل سکے گا۔ لہٰذا سیدھے طور پر اقرار کرلیں) عورتوں نے جواب دیا کہ ﴿حَاشَ لِلّٰهِ﴾! ہمیں تو ان میں ذرا بھی برائی کی بات معلوم نہیں ہوئی (وہ بالکل پاک صاف ہیں۔ شاید زلیخا کا وہ اقرار اس لئے ظاہر نہ کیا ہو کہ زیادہ مقصود یوسف علیہ السلام کی پاکبازی ثابت کرنا سمجھی ہوں۔ اور وہ حاصل ہو گیا۔ یا زلیخا کے سامنے ہونے کی وجہ سے شرم یا دشمنی کا اندیشہ معلوم ہوا ہو) عزیز کی بیوی (جو کہ دربار میں حاضر تھی) کہنے لگی کہ اب تو حق بات (سب پر) ظاہر ہو ہی گئی (اب چھپانا بے کار ہے، سچ یہی ہے کہ) میں نے ہی ان سے اپنے مطلب کی خواہش کی تھی (نہ کہ انھوں نے جیسا کہ میں نے پہلے کہہ دیا تھا ﴿مَا جَزَآءُ﴾ الخ) اور بیشک (اس بات میں کہ ﴿هِيَ رَاوَدَتْنِيْ﴾ الخ وہی سچے ہیں (اور غالبًا ایسے امر کا اقرار کر لینا مجبوری ہی کی حالت میں زلیخا کو پیش آیا (غرض: مقدمہ کی تمام صورتِ حال اور اظہارات (مقدمہ کی پوری مسل) اور یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کے ثبوت ان کے پاس کہلا کر بھیجے، اسوقت) یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا کہ (میں نے یہ) تمام اہتمام محض اس وجہ سے کیا تا کہ عزیز کو (پورے) یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالا اور یہ (بھی معلوم ہو جائے) کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا (چنانچہ زلیخا نے عزیز کی عزت و حرمت میں خیانت کی تھی کہ دوسرے پر نگاہ رکھی، اللہ تعالیٰ نے اس کی قلعی کھول دی، تو میری غرض یہی تھی) اور (باقی) میں اپنے نفس کو (ذاتی طور پر) بری (اور پاک) نہیں بتاتا (کیونکہ نفس تو (ہر ایک کا بری بات بتاتا ہے سوائے اس (نفس) کے جس پر میرا رب رحم کرے (اور اس میں برائی کا حکم دینے کا مادہ نہ رکھے، جیسا کہ انبیاء کے نفس مطمئنہ ہوتے ہیں جن میں یوسف علیہ السلام کا نفس بھی شامل ہے۔ مطلب یہ کہ میری پاک دامنی اور عصمت میرے نفس کا ذاتی کمال نہیں کہ اس سے پیچھے ہٹنا ناممکن ہو۔ بلکہ یہ اللہ کی رحمت و عنایت کا اثر ہے۔ اس لئے وہ برائی کا حکم نہیں دیتا۔ ورنہ جیسے دوسروں کے نفس ہیں ویسا ہی میرا بھی ہوتا) بلاشبہ میرا رب بڑی مغفرت والا، بڑی رحمت والا ہے (یعنی اوپر جو نفس کی دو قسمیں معلوم ہوئیں: (۱) نفس امارہ اور (۲) نفس مطمئنہ تو اگر ان میں سے نفس امارہ توبہ کر لے تو اس کی مغفرت فرمائی جاتی ہے اور توبہ کے درجہ میں وہ لوامہ کہلاتا ہے اور جو نفس مطمئنہ ہے اس کا وہ کمال ذاتی طور پر لازم نہیں، بلکہ عنایت اور رحمت کا اثر ہے۔ لہٰذا امارہ کے لوامہ ہونے پر معافی کا ظہور ہوتا ہے اور نفس مطمئنہ میں رحیم کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ تمام تر مضمون یوسف علیہ السلام کی تقریر کا ہوا۔

باقی یہ امر کہ پاکی کے ثبوت کی یہ صورت رہائی کے بعد بھی تو ممکن تھی، پھر رہائی سے پہلے یہ سب کچھ کیوں کیا؟ اس کی

وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جتنا یقین اس ترتیب میں ہو سکتا ہے، اس کے خلاف میں نہیں ہو سکتا، کیونکہ دلیلوں کی دلالت تو مشترک ہے، لیکن یہ جو صورت تجویز کی گئی اس میں یہ امر زائد ہے کہ بادشاہ اور عزیز سمجھ سکتے ہیں کہ جب یہ بغیر پاکی کے ظاہر ہوئے رہا ہونا نہیں چاہتے حالانکہ ایسی حالت میں رہائی انتہائی مطلوب اور مرغوب ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اپنی پاکبازی کا کامل یقین ہے۔ اس لئے اس کے ثابت ہو جانے کا انہیں پورا اطمینان ہے جیسا کہ مشہور ہے: آنرا کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک: یعنی جس کا حساب پاک صاف ہے اسے حساب کے معائنہ کا کیا ڈر ہوگا اور ظاہر ہے کہ ایسا کامل یقین اسی کو ہو سکتا ہے جو بالکل پاک صاف ہو، نہ کہ اس کو جو گناہ کر چکا ہو۔ یہ ساری باتیں بادشاہ نے سنیں) اور (یہ سن کر اس) بادشاہ نے کہا کہ ان کو میرے پاس لاؤ، میں انہیں خاص اپنے (کام کے) لئے رکھوں گا (اور عزیز سے انہیں لے لوں گا کہ اس کے ماتحت نہ رہیں گے، چنانچہ لوگ ان کو بادشاہ کے پاس لائے) پھر جب بادشاہ نے ان سے باتیں کیں (اور بات کرنے سے آپ کا فضل وکمال اور زیادہ ظاہر ہوا) تو بادشاہ نے (ان سے) کہا کہ تم ہمارے نزدیک آج (سے) بڑے معزز اور معتبر ہو (اس کے بعد اس خواب کا ذکر آیا اور بادشاہ نے کہا کہ اتنے بڑے قحط کا اہتمام بہت زبردست کام ہے۔ یہ انتظام کس کے سپرد کیا جائے؟) یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ملک کے خزانوں پر مجھے مقرر کردو، میں (ان کی) حفاظت (بھی) رکھوں گا اور (آمدنی وخرچ کے انتظام اور اس کے حساب وکتاب کے طریقہ سے بھی) خوب واقف ہوں (چنانچہ بادشاہ نے انہیں کوئی خاص منصب دینے کی بجائے خود اپنی طرح ہر قسم کے پورے اختیارات دیدیئے، گویا حقیقت میں بادشاہ وہی ہو گئے اور وہ صرف نام کے لئے بادشاہ رہ گیا۔ اور اب وہ عزیز کے نام سے مشہور ہوئے۔ چنانچہ ارشاد ہے) اور ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو ایسے (عجیب) طریقہ سے ملک (مصر) میں بااختیار بنادیا کہ اس میں جہاں چاہیں رہیں سہیں (جیسا کہ بادشاہوں کو آزادی ہوتی ہے یعنی یا تو وہ وقت تھا کہ کنویں میں قید تھے، پھر عزیز کے غلام کے طور پر رہے پھر قید خانہ میں بند رہے اور اب یہ وقت آیا کہ خود مختاری اور آزادی عنایت ہوئی۔ بات یہ ہے کہ) ہم جس پر چاہیں اپنی عنایت متوجہ کردیں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے (یعنی دنیا میں بھی نیکی کا اجر ملتا ہے کہ حیاتِ طیبہ عطا فرماتے ہیں، چاہے آسانی وسہولت کی شکل میں جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے لئے تھا یا تنگی کے ساتھ کہ قناعت ورضا عطا فرماتے ہیں جس سے بڑی لذت والا عیش میسر ہوتا ہے یہ تو دنیا میں اجر ہوا) اور آخرت کا اجر کہیں زیادہ بڑھ کر ہے۔ ایمان اور تقویٰ والوں کے لئے۔

فوائد:

۱- یوسف علیہ السلام کے خود کو قصور سے بری ثابت کرنے کے اس اہتمام سے معلوم ہوا کہ تہمت اور بہتان کو ختم کرنے کی کوشش مطلوب امر ہے، چنانچہ حدیثوں میں بھی اس کا مطلوب ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بہت سے فائدوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ غیبت سے بچیں گے، اپنا دل بھی فکر وتشویش سے محفوظ رہے گا، اگرچہ عزیز کو آپ کا پاک

وصاف ہونا پہلے سے معلوم تھا، مگر عزیز کے یقین کا پختہ کرنا اور عوام میں بدنامی کو دور کرنا نئی مصلحت تھی۔

۲-اور یوسف (علیہ السلام) کے اس قول ﴿ اجْعَلْنِيْ ﴾ الخ سے معلوم ہوا کہ جب کسی کام کی لیاقت بس اپنے ہی اندر محدود دیکھے تو اس کی خود درخواست کرنا جائز ہے، مگر اس سے مقصود دوسروں کو نفع پہنچانا ہو نہ کہ اپنے نفس کی خواہشات کو پورا کرنا۔

۳-اور دنیا میں جس اجر کے دینے کا وعدہ کیا گیا اس کی جو تفسیر حیاتِ طیبہ سے کی گئی یہ دوسری آیت میں بیان کی گئی ہے۔ ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ لہٰذا بعض کو دنیاوی دولت نہ ملنے سے کوئی اشکال لازم نہیں آتا۔

۴-اور درمنثور میں ہے کہ عزیز کا اسی زمانہ میں انتقال ہو گیا اور زلیخا سے حضرت یوسف کا نکاح ہو گیا۔

﴿وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ۝ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۝ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۭ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۭ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ۭ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۭ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ۭ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۭ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ ع

ترجمہ: اور یوسفؑ کے بھائی آئے پھر یوسفؑ کے پاس پہنچے سو یوسفؑ نے ان کو پہچان لیا اور انھوں نے یوسف کو نہیں پہچانا۔ اور جب یوسفؑ نے ان کا سامان تیار کر دیا تو فرما دیا کہ اپنے علاتی بھائی کو بھی لانا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں پورا ناپ

کر دیتا ہوں اور میں سب سے زیادہ مہمان نوازی کرتا ہوں۔ اور اگر تم اس کو میرے پاس نہ لائے تو نہ میرے پاس تمہارے نام کا غلہ ہوگا اور نہ تم میرے پاس آنا۔ وہ بولے ہم اس کے باپ سے اس کو مانگیں گے اور ہم اس کام کو ضرور کریں گے اور یوسفؑ نے اپنے نوکروں سے کہہ دیا کہ ان کی جمع پونجی ان ہی کے اسباب میں رکھ دو تا کہ جب اپنے گھر جاویں تو اس کو پہچانیں، شاید پھر دوبارہ آویں۔ غرض جب لوٹ کر اپنے باپ کے پاس پہنچے، کہنے لگے اے ابا! ہمارے لئے غلہ کی بندش کر دی گئی، سو آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تا کہ ہم غلہ لاسکیں اور ہم ان کی پوری حفاظت رکھیں گے۔ یعقوبؑ نے فرمایا کہ بس میں اس کے بارے میں بھی تمہارا ویسا ہی اعتبار کرتا ہوں جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں۔ سو اللہ سب سے بڑھ کر نگہبان ہے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔ اور جب انھوں نے اپنا اسباب کھولا تو ان کو ان کی جمع پونجی ملی کہ ان ہی کو واپس کر دی گئی، کہنے لگے کہ اے ابا! اور ہم کو کیا چاہئے۔ یہ ہماری جمع پونجی بھی تو ہم ہی کو لوٹا دی گئی اور اپنے گھر والوں کے واسطے رسد لاویں گے اور اپنے بھائی کی خوب حفاظت رکھیں گے۔ اور ایک اونٹ کا بوجھ اور زیادہ لاویں گے، یہ تھوڑا سا غلہ ہے۔ یعقوبؑ نے فرمایا کہ اس وقت تک ہرگز اس کو تمہارے ہمراہ نہ بھیجوں گا جب تک کہ اللہ کی قسم کھا کر مجھ کو پکا قول نہ دو گے کہ تم اس کو ضرور لے ہی آؤ گے، ہاں! اگر کہیں گھر ہی جاؤ تو مجبوری ہے، سو جب وہ قسم کھا کر اپنے باپ کو قول دے چکے تو انھوں نے فرمایا کہ ہم لوگ جو بات چیت کر رہے ہیں، سب اللہ ہی کے حوالے۔ اور یعقوبؑ نے فرمایا کہ اے میرے بیٹو! سب کے سب ایک ہی دروازہ سے مت جانا، بلکہ علاحدہ علاحدہ دروازوں سے جانا اور خدا کے حکم کو تم پر سے میں نہیں ٹال سکتا۔ حکم تو بس اللہ ہی کا ہے اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی پر اور بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔ اور جب جس طرح ان کے باپ نے کہا تھا اندر داخل ہوئے تو باپ کا ارمان پورا ہوگیا، ان کے باپ کو ان سے خدا کا حکم ٹالنا مقصود نہ تھا، لیکن یعقوبؑ کے جی میں ایک ارمان تھا جس کو انھوں نے ظاہر کر دیا اور وہ بلاشبہ بڑے عالم تھے بایں وجہ کہ ہم نے ان کو علم دیا تھا لیکن اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے۔

قحط کا ظاہر ہونا اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا پہلی بار آنا اور واپس جانا:

(غرض یوسف علیہ السلام نے با اختیار ہو کر غلہ کی کھیتی کرائی اور اس کو جمع کرانا شروع کر دیا۔ اور سات برس کے بعد قحط شروع ہوا، یہاں تک کہ لوگ دور دور سے یہ سن کر کہ مصر میں حکومت کی طرف سے اناج فروخت کیا جاتا ہے، گروہوں کی شکل میں آنے لگے) اور (کنعان میں بھی قحط پڑا) یوسف (علیہ السلام) کے بھائی (بھی سوائے بن یامین کے اناج لینے مصر) آئے پھر یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو یوسف (علیہ السلام) نے (تو) انہیں پہچان لیا اور انھوں نے یوسف (علیہ السلام) کو نہیں پہچانا (کیونکہ ان میں بتدیلی کم ہوئی تھی اور یوسف علیہ السلام کو ان کے آنے کا خیال اور قوی امکان

بھی تھا، پھر نئے آنے والے سے پوچھ بھی لیتے ہیں اور جان پہچان کے لوگوں کو تھوڑے سے پتہ سے اکثر پہچان بھی لیتے ہیں۔ یوسف (علیہ السلام) کے برخلاف کہ چونکہ وہ جدائی کے وقت بہت کم عمر تھے۔ ان میں تبدیلیاں بھی زیادہ آ گئی تھیں۔ اور ان کے نزدیک یوسف علیہ السلام کے مصر میں اور اس مقام و مرتبہ پر ہونے کا کوئی امکان بھی نہیں تھا۔ پھر اتنے بڑے بڑے حاکموں سے کوئی پوچھ بھی نہیں سکتا کہ آپ کون ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا معمول تھا کہ ہر شخص کے ہاتھ صرف اس کی ضرورت کے مطابق غلہ فروخت کرتے تھے، چنانچہ جب انہیں بھی فی آدمی ایک ایک اونٹ اناج داموں کے بدلہ میں ملنے لگا تو انھوں نے کہا کہ ہمارا دوسری ماں سے بھی ایک بھائی ہے اور اس کو باپ نے اس وجہ سے کہ ان کا ایک بیٹا گم ہو گیا تھا اپنی تسلی کے لئے رکھ لیا ہے۔ اس کے حصہ کا بھی ایک اونٹ غلہ قیمت لے کر دیدیا جائے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ہمارے بنائے ہوئے قانون کے خلاف ہے اگر اس کا حصہ لینا ہے تو وہ خود آ کر لے جائے۔ غرض ان کے حصہ کا غلہ انہیں دلا دیا) اور جب یوسف (علیہ السلام) نے ان کا سامان (غلہ کا) تیار کر دیا تو (چلتے وقت) فرمادیا کہ اگر یہ غلہ خرچ کرنے کے بعد پھر آنے کا ارادہ کرو تو (دوسری ماں والے) بھائی کو بھی (ساتھ) لانا (تاکہ اس کا حصہ بھی دیا جاسکے) تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں۔ اور میں سب سے زیادہ مہمان نوازی کرتا ہوں (لہٰذا اگر تمہارا وہ بھائی آئے گا تو اس کو بھی پورا حصہ دوں گا، اور اس کی بھی خوب خاطر داری کروں گا۔ جیسا تم نے اپنے ساتھ دیکھا۔ غرض اس کے آنے میں تو نفع ہی نفع ہے) اور اگر تم (دوبارہ آئے اور) اس کو میرے پاس نہ لائے تو (میں سمجھوں گا کہ تم مجھے دھوکہ دے کر زیادہ غلہ لینا چاہتے تھے تو اس کی سزا میں) نہ میرے پاس تمہارے نام کا غلہ ہوگا اور نہ ہی تم میرے پاس آنا (لہٰذا اس کے نہ لانے میں یہ نقصان ہوگا کہ تمہارے حصہ کا غلہ بھی نہ ملے گا) وہ بولے (دیکھئے ہم اپنے امکان کی حد تک تو) اس کے باپ سے اس کو مانگیں گے اور ہم اس کام (یعنی کوشش اور درخواست) کو ضرور کریں گے (آگے باپ کے اختیار میں ہے) اور (جب وہ وہاں سے بالکل چلنے لگے تو) یوسف (علیہ السلام) نے اپنے نوکروں سے کہہ دیا کہ ان کی جمع پونجی (جس کے بدلہ انھوں نے غلہ خریدا ہے) انہی کے سامان میں (چھپا کر) رکھ دو تاکہ جب اپنے گھر جائیں تو اس کو (جب وہ سامان میں سے نکلے) پہچانیں۔ شاید (یہ احسان و کرم دیکھ کر) پھر دوبارہ آئیں (چونکہ یوسف علیہ السلام چاہتے تھے کہ وہ دوبارہ آئیں اور اپنے بھائی کو لائیں، اس لئے کئی طرح سے اس کی تدبیر کی، پہلے وعدہ کیا کہ اگر اس کو لاؤ گے تو اس کا بھی حصہ ملے گا۔ دوسرے وعید سنادی کہ اگر نہ لاؤ گے تو اپنا حصہ بھی نہیں پاؤ گے۔ تیسرے قیمت جو کہ نقد کے علاوہ کوئی اور چیز تھی واپس کر دی۔ ایک اس خیال سے کہ اس سے احسان و کرم کے بارے میں سوچ کر پھر آئیں گے۔ دوسرے اس لئے کہ شاید ان کے پاس اور قیمت کے لئے سامان نہ ہو اور اس لئے پھر نہ آسکیں اور جب یہ قیمت ہوگی تو اسی کو لے کر پھر آسکتے ہیں) غرض جب وہ لوٹ کر اپنے باپ (یعقوب علیہ السلام) کے پاس پہنچے، کہنے لگے کہ اے ابا! (ہماری بڑی خاطر ہوئی اور غلہ بھی ملا، مگر بن یامین کا حصہ نہیں ملا، بلکہ بغیر بن یامین کے ساتھ لے جاتے ہوئے آئندہ

بھی) ہمارے لئے (مطلق) غلہ کی پابندی لگادی گئی تو (اس صورت میں ضروری ہے کہ) آپ ہمارے بھائی (بن یامین) کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تا کہ (دوبارہ غلہ لانے سے جس وجہ سے منع کر دیا گیا ہے وہ وجہ ختم ہو جائے، اور) ہم (پھر) غلہ لاسکیں۔ اور (اگر انہیں بھیجنے سے آپ کو کوئی اندیشہ ہے تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ) ہم ان کی پوری حفاظت (اور دیکھ بھال) رکھیں گے۔ یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ بس (رہنے دو) میں اس کے بارے میں تمہارا ویسا ہی اعتبار کرتا ہوں جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں (یعنی میرا دل تو گواہی نہیں دیتا مگر تم کہتے ہو اس کے بغیر آئندہ غلہ نہیں ملے گا۔ اور وہ عام حالات کے مطابق جسمانی زندگی اور بدن کو قوی رکھنے کے لئے ضروری ہے جس کا حاصل کرنا فرض ہے) تو (خیر اگر لے ہی جاؤ گے تو) اللہ (کے سپرد کرتا ہوں کہ وہی) سب سے بڑا حفاظت اور (دیکھ بھال) کرنے والا ہے (میری دیکھ بھال سے کیا ہوتا ہے) اور وہ سارے مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے (میری محبت اور شفقت سے کیا ہوتا ہے) اور (اس بات چیت کے بعد) جونہی انھوں نے اپنا سامان کھولا تو (اس میں) ان کی جمع پونجی (بھی) ملی کہ انہیں واپس کر دی گئی، کہنے لگے کہ اے ابا! (لیجئے) ہمیں اور کیا چاہئے، یہ ہماری جمع پونجی بھی تو ہمیں ہی لوٹادی گئی (وہ ایسا مہربان وکریم بادشاہ ہے، اس سے زیادہ اور کس مہربانی کی امید رکھیں، یہ مہربانی تو بہت ہے، اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسے مہربان بادشاہ کے پاس پھر جائیں اور اس کے لئے ہمارے بھائی کا جانا ضروری ہے، اس لئے اجازت دے ہی دیجئے کہ ہم انہیں ساتھ لے جائیں (اور ہم اپنے گھر والوں کے واسطے (اور) کھانے کا سامان لائیں گے اور اپنے بھائی کی خوب حفاظت رکھیں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ غلہ اور زیادہ لائیں گے (کیونکہ جتنا اس وقت لائے ہیں) یہ تو تھوڑا سا غلہ ہے (جلدی ختم ہو جائے گا، پھر اور ضرورت ہوگی اور اس کے ملنے کے لئے ان کا لے جانا ضروری ہے) یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا: خیر! اس حالت میں بھیجنے سے انکار نہیں، لیکن) اس وقت ہر گز اس کو تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا جب تک کہ اللہ کی قسم کھا کر پختہ عہد نہیں کرو گے کہ تم اس کو ضرور لے ہی آؤ گے۔ ہاں اگر کہیں گھر ہی جاؤ، تو مجبوری ہے (چنانچہ سب نے اس بارے میں قسم کھائی) تو جب وہ قسم کھا کر اپنے باپ سے عہد کر چکے تو انھوں نے فرمایا کہ ہم لوگ جو کچھ بات چیت کر رہے ہیں۔ یہ سب اللہ کے حوالہ ہے (یعنی ہماری قسم اور عہد کا وہی گواہ ہے کہ سن رہا ہے، اور وہی اس عہد کو پورا کر سکتا ہے، اس طرح یہ کہنے سے دو غرض ہوئیں: اول انہیں اپنے عہد کا خیال رکھنے کی ترغیب اور تنبیہ ہے کہ اللہ کو حاضر وناظر سمجھنے سے یہ بات ہوتی ہے۔ اور دوسرے اس تدبیر کی بنیاد تقدیر کو قرار دینا کہ یہ توکل یعنی اللہ پر بھروسہ کا نتیجہ ہے۔ اور اس کے بعد بن یامین کو ساتھ لے جانے کی اجازت دیدی، اس طرح وہ سب مصر کے دوبارہ سفر کے لئے تیار ہوئے) اور (چلتے وقت) یعقوب (علیہ السلام) نے (ان سے) فرمایا کہ اے میرے بیٹو! جب مصر میں پہنچو تو) سب کے سب ایک ہی دروازہ سے مت جانا، بلکہ الگ الگ دروازوں سے جانا اور (یہ کچھ برائیوں، بری نظر وغیرہ سے بچنے کی بس ایک ظاہری تدبیر ہے۔ باقی) میں تم پر سے اللہ کے حکم کو نہیں ٹال سکتا۔

حکم تو بس اللہ ہی کا (چلتا) ہے (اس ظاہری تدبیر کے باوجود دل سے) اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور بھروسہ رکھنے والوں کو اسی پر بھروسہ رکھنا چاہئے (یعنی تم بھی اسی پر بھروسہ رکھنا، تدبیر کے بھروسہ مت رہنا۔ غرض سب رخصت ہو کر چلے) اور جب (مصر پہنچ کر) جس طرح ان کے باپ نے کہا تھا (اس طرح شہر کے) اندر داخل ہوئے تو باپ کا ارمان پورا ہو گیا (باقی) ان کے باپ کو (یہ تدبیر بتا کر) ان کے اوپر سے اللہ کا حکم ٹالنا مقصود نہیں تھا (تا کہ ان پر کسی قسم کا اعتراض یا اس تدبیر کے مفید نہ ہونے سے کوئی شبہ لازم آئے۔ چنانچہ خود انھوں نے ہی فرما دیا تھا ﴿مَا أُغْنِي عَنكُم﴾ الخ لیکن یعقوب (علیہ السلام) کے دل میں (تدبیر کے درجہ میں) ایک ارمان (آیا) تھا جس کو انھوں نے ظاہر کر دیا۔ اور وہ بلاشبہ بڑے عالم تھے، اس وجہ سے کہ ہم نے انہیں علم دیا تھا (وہ علم کے خلاف تدبیر کو عقیدہ کے طور پر حقیقی مؤثر کیسے سمجھ سکتے تھے؟ صرف ان کے اس قول کی وجہ عملاً وہی ایک تدبیر پر عمل کرنا تھا، جس کی شریعت نے اجازت دی ہے، اور جو پسندیدہ ہے) لیکن اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے (بلکہ جہالت کی وجہ سے تدبیر پر حقیقی مؤثر ہونے کا عقیدہ کر لیتے ہیں)

فوائد:

۱- بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ پہلی بار میں یوسف علیہ السلام نے بن یامین کا حصہ دے دیا تھا، مگر آئندہ کے لئے منع کر دیا تھا کہ بغیر بن یامین کے غلہ لینے مت آنا، ورنہ بالکل بھی نہیں ملے گا۔ واللہ اعلم

۲- اس مقام پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے جس طرح اپنے بھائی کو بلانے کی تدبیر کی، یعقوب علیہ السلام کو بلانے کی کوشش کیوں نہیں فرمائی؟ چاہے اپنا حال صاف طور سے ظاہر کر کے چاہے کسی تدبیر سے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ ابھی ملاقات مقدر میں نہیں ہے، یا کوئی اور پوشیدہ مصلحت ہوگی۔

۳- ایک سوال یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام بھی مشہور شخصیتوں میں تھے اور اب یوسف علیہ السلام کا نام بھی مشہور ہو چکا تھا، پھر خبر کیسے نہ ہوئی۔ روح المعانی میں قصہ کے ختم پر اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ معاملہ تقدیر کے غلبہ کی وجہ سے عادت کے خلاف معاملوں میں سے ہے۔

۴- ایک سوال یہ ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام ان بیٹوں کا تجربہ کر چکے تھے تو پھر حضرت بن یامین کو خطرہ میں ڈالنا کب جائز تھا؟ اس کا جواب ﴿هَلْ آمَنُكُمْ﴾ الخ کے ترجمہ کی توضیح سے ظاہر ہو چکا ہے کہ نہ بھیجنے میں نقصان یقینی تھا اور بھیجنے میں صرف اندیشہ تھا، جو قسم وغیرہ کے ذریعہ دور بھی ہو گیا تھا، لہٰذا بھیجنا جائز بلکہ ضروری ہو گیا۔

۵- ایک سوال یہ ہے کہ جب وہ پہلی بار غلہ لینے گئے تھے، اس وقت یہ وصیت کیوں نہیں فرمائی تھی ﴿لَا تَدْخُلُوا مِن بَابٍ وَاحِدٍ﴾ الخ؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں: ایک یہ کہ اس وقت مصر والے انہیں پہچانتے نہیں تھے، اس لئے کسی نے دھیان بھی نہیں دیا تھا، اور ایک بار جانے سے یوسف علیہ السلام نے ان کے ساتھ جو مہربانی کا خاص برتاؤ کیا تو ان پر نظریں پڑنے لگیں، اور وہ سب معزز اور تندرست و توانا تھے، اس لئے ان پر بری نظر اور حسد وغیرہ بہت سی باتوں کا

امکان ہوا۔ دوسرے یہ کہ زیادہ مقصود بن یامین کی حفاظت تھی، اور پہلی بار وہ ساتھ نہیں تھے۔

۶- ایک سوال یہ ہے کہ قرآن کے ظاہری الفاظ ﴿ مَا كَانَ يُغْنِيْ ﴾ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی تدبیر فائدہ مند ثابت نہیں ہوئی، حالانکہ یقینی طور پر حسد اور بری نظر وغیرہ جن کا اجتماعی اور متفرق طور پر داخل ہونے سے تعلق تھا، واقع نہیں ہوئے، جس سے معلوم ہوا کہ وہ تدبیر) فائدہ مند ہوئی۔ اور یہ صورت ایک دوسرے کی ضد کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فائدہ مند نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام کا اصل مقصود یہ تھا کہ انہیں کسی بھی قسم کا کوئی حادثہ پیش نہ آئے، حسد وغیرہ کی تخصیص نہیں تھی۔ لیکن ان کے ذہن میں وہ امور آئے جو واقع ہونے والے نہ تھے اور انہی کی تدبیر بتادی اور جو امور مقدر میں لکھے تھے، وہ ذہن میں بھی انہیں آئے اور وہ واقع ہوئے۔ اس طرح تدبیر کا فائدہ مند نہ ہونا اصل مقصود کے اعتبار سے صحیح ہوا۔

۷- اور نص کی عبارت کے اعتبار سے آیت ﴿ قَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا ﴾ الخ کا مقصود جس پر وہ دلالت کرتی ہے احقر کے خیال میں غالباً خود اس قول کا نقل کرنا یا ایسی تدبیروں کی ترغیب دینا نہیں ہے، بلکہ اس مشہور بیان پر ظاہر میں جو شبہ ہوتا تھا کہ یہ تدبیر نبوت کی شان کے خلاف ہے، اس کا جواب دینا مقصود ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نبوت کی شان کے خلاف جب ہوتا جب اس کو حقیقی مؤثر سمجھتے اور توکل یعنی اللہ پر بھروسہ کے ساتھ تدبیر کرنا نبوت کی شان کے خلاف نہیں ہے، ہاں اگر بری نظر کوئی چیز نہ ہوتی، تب بھی شبہ باقی رہتا۔ لیکن دلیل نقلی اور تجربہ سے اس کا مؤثر ہونا خود ثابت ہے۔ اس لئے شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔

﴿ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ۝ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ۝ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاۗءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَاۗءِ اَخِيْهِ ۭ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا

مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۞ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۞

ترجمہ: اور جب یہ لوگ یوسفؑ کے پاس پہنچے انھوں نے اپنے بھائی کو اپنے ساتھ ملالیا کہا کہ میں تیرا بھائی ہوں، سو یہ لوگ جو کچھ کرتے رہے ہیں ان کا رنج مت کرنا۔ پھر جب یوسفؑ نے ان کا سامان تیار کر دیا تو پانی پینے کا برتن اپنے بھائی کے اسباب میں رکھ دیا پھر ایک پکارنے والے نے پکارا کہ اے قافلہ والو! تم ضرور چور ہو۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگے کہ تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہم کو بادشاہی پیمانہ نہیں ملتا اور جو شخص اس کو حاضر کرے اس کو یکبار شتر غلہ ملے گا اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ یہ لوگ کہنے لگے کہ بخدا تم کو خوب معلوم ہے کہ ہم لوگ ملک میں فساد پھیلانے نہیں آئے اور ہم لوگ چوری کرنے والے نہیں۔ ان لوگوں نے کہا: اچھا اگر تم جھوٹے نکلے تو اس کی کیا سزا؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ وہ جس شخص کے اسباب میں ملے پس وہی شخص اپنی سزا۔ ہم لوگ ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر یوسفؑ نے اپنے بھائی کے تھیلے سے قبل تلاشی کی ابتداء اول دوسرے بھائیوں کے تھیلوں سے کی، پھر اس کو اپنے بھائی کے تھیلے سے برآمد کرلیا ہم نے یوسفؑ کی خاطر سے اس طرح تدبیر فرمائی، یوسف اپنے بھائی کو اس بادشاہ کے قانون کی رو سے نہیں لے سکتے تھے، مگر یہ ہے کہ اللہ ہی کو منظور تھا۔ ہم جس کو چاہتے ہیں خاص درجوں تک بڑھا دیتے ہیں اور تمام علم والوں سے بڑھ کر ایک بڑا علم والا ہے۔ کہنے لگے کہ اس نے چوری کی تو اس کا ایک بھائی بھی اس سے پہلے چوری کر چکا ہے پس یوسفؑ نے اس بات کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھا اور اس کو ان کے سامنے ظاہر نہیں کیا یعنی یوں کہا کہ اس درجہ میں تم تو اور بھی زیادہ برے ہو اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اس کا اللہ ہی کو خوب علم ہے۔ کہنے لگے: اے عزیز! اس کے ایک بہت بوڑھا باپ ہے سو آپ اس کی جگہ ہم میں سے ایک کو رکھ لیجئے ہم آپ کو نیک مزاج دیکھتے ہیں۔ یوسفؑ نے کہا: ایسی بات سے خدا بچاوے کہ جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے شخص کو پکڑ کے رکھ لیں، اس حالت میں تو ہم بڑے بے انصاف سمجھے جاویں گے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا دوسری بار آنا:

اور جب یہ لوگ (یعنی یوسف علیہ السلام کے بھائی) یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے (اور بن یامین کو پیش کر کے کہا کہ آپ کے حکم کے مطابق انہیں لے آئے ہیں) انھوں نے اپنے بھائی کو اپنے ساتھ ملالیا (اور تنہائی میں ان سے) کہہ دیا کہ میں تمہارا بھائی (یوسف) ہوں، لہٰذا یہ لوگ جو کچھ (بدسلوکی) کرتے رہے ہیں۔ اس کا رنج وغم مت کرنا (کیونکہ اب تو اللہ نے ہمیں ملادیا۔ اب سب غم بھلا دینا چاہیے، یوسف علیہ السلام کے ساتھ بدسلوکی تو ظاہر اور مشہور ہے۔ رہا بن یامین کے ساتھ بدسلوکی کا معاملہ تو یا تو انہیں بھی کچھ تکلیف دی ہو۔ ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی ہی ان کے لئے

کچھ کم تکلیف نہیں تھی، پھر دونوں بھائیوں نے مشورہ کیا کہ کوئی ایسی صورت ہو کہ بن یامین یوسف علیہ السلام کے پاس رہیں، کیونکہ ویسے رہنے میں تو دوسرے بھائیوں کا قسم اور عہد کی وجہ سے اصرار ہوگا، جس کی وجہ سے ناحق بحث اور جھگڑا ہوگا، اور پھر اگر وجہ بھی ظاہر ہوگئی تو راز کھلے گا اور ظاہر نہ ہوئی تو یعقوب علیہ السلام کے رنج میں زیادتی ہوگی کہ بلاوجہ کیوں رکھے گئے یا کیوں رہے؟ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تدبیر تو ہے مگر اس میں کچھ تمہاری بدنامی ہوگی۔ بن یامین نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، غرض ان کے درمیان یہ بات طے ہوگئی اور ادھر سب کو کھانے کا سامان دے کر انہیں رخصت کرنے کا انتظام کردیا گیا) پھر جب یوسف (علیہ السلام) نے ان کا (غلہ اور روانگی کا) سامان تیار کردیا تو (خود یا کسی اعتماد کے قابل ملازم کے واسطہ سے) پانی پینے کا برتن (کہ وہی غلہ ناپنے کا پیمانہ بھی تھا) اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا، پھر (جب وہ اپنا سامان لاد کر چلے تو یوسف علیہ السلام کے حکم سے) ایک پکارنے والے نے پکارا کہ اے قافلہ والو! تم ضرور چور ہو۔ وہ (ان پکارنے والوں) کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ہے؟ (جس کی چوری کا ہم پر شبہ کر رہے ہو) انھوں نے کہا کہ ہمیں شاہی پیمانہ نہیں مل رہا ہے (وہ غائب ہے) اور جو شخص اس کو (لاکر) پیش کردے اس کو ایک اونٹ کا بوجھ غلہ (انعام کے طور پر خزانہ سے) ملے گا (اور یا یہ مطلب ہو کہ اگر خود چور بھی اس کو پیش کردے تو معافی کے بعد انعام پائے گا) اور میں اس (کے دلانے) کا ذمہ دار ہوں (غالباً یہ پکارنا اور انعام کا وعدہ یوسف علیہ السلام کے حکم سے ہوگا) یہ لوگ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم (تمہارے اس) ملک میں فساد پھیلانے نہیں آئے (جس میں چوری بھی شامل ہے) اور ہم لوگ چوری کرنے والے نہیں (یعنی ہمارا یہ کام نہیں ہے) ان (ڈھونڈنے والے) لوگوں نے کہا: اچھا اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے (اور تم میں سے کسی پر چوری ثابت ہوگئی) تو اس (چور) کی سزا کیا ہوگی؟ انھوں نے (یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق) جواب دیا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس شخص کے سامان میں وہ ملے، وہی شخص اپنی سزا) یعنی چوری کے بدلہ میں خود اسی آدمی کو غلام بنالیا جائے) ہم لوگ ظالموں (یعنی چوروں) کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں (یعنی ہماری شریعت میں یہی مسئلہ ہے اور اسی پر عمل ہے۔ غرض یہ معاملہ طے پانے کے بعد سامان اتروایا گیا) پھر (تلاشی کے وقت) یوسف (علیہ السلام) نے (خود یا اپنے اعتماد کے کسی آدمی کے واسطہ سے) اپنے بھائی کے (سامان کے) تھیلے سے پہلے تلاشی کی ابتدا اول دوسرے بھائیوں کے سامان کے تھیلوں سے کی پھر اس (برتن) کو اپنے بھائی کے (سامان کے) تھیلے سے برآمد کرلیا، ہم نے یوسف (علیہ السلام) کی خاطر سے اس طرح (بن یامین کے رکھنے کی) تدبیر فرمائی (اس تدبیر کی وجہ یہ ہوئی کہ) یوسف اپنے بھائی کو (مصر کے) اس بادشاہ کے قانون کے تحت نہیں لے سکتے تھے (کیونکہ اس کے قانون میں کچھ پٹائی جیسا کہ روح المعانی میں ہے، اور جرمانہ تھا جیسا کہ الطبری میں معمر سے روایت ہے) مگر بات یہ ہے کہ اللہ ہی کو منظور تھا (اس لئے یوسف علیہ السلام کے دل میں یہ تدبیر آئی اور ان لوگوں کی زبان سے یہ حکم نکلا۔ اور ان دونوں باتوں سے یہ تدبیر صحیح ہوگئی اور چونکہ یہ حقیقت میں غلام بنانا نہیں تھا،

بلکہ بن یامین کی مرضی سے غلام بنانے کی صورت تھی، اس لئے آزاد شخص کو غلام بنانے کا شبہ لازم نہیں آیا۔ اور اگرچہ یوسف علیہ السلام بڑے عالم اور عقل ودانش والے تھے، مگر پھر بھی ہمارے تدبیر سمجھانے کے محتاج تھے، کیونکہ کسی کا بھی علم ذاتی اور ساری باتوں کا احاطہ کرنے والا نہیں۔ بلکہ) ہم جس کو چاہتے ہیں (علم میں) خاص درجوں تک بڑھا دیتے ہیں (لہٰذا سب کا علم اللہ سے حاصل کیا ہوا بھی ہوا اور کچھ درجات تک محدود بھی ہوا) اور تمام علم والوں سے بڑھ کر ایک بڑا علم والا ہے (یعنی اللہ، کہ اس کا علم اپنا ذاتی بھی ہے، کسی کا دیا ہوا نہیں، اس میں یہ بھی فوقیت ہے اور سب کا احاطہ کرنے والا بھی ہے، یہ بھی فوقیت ہے، لہٰذا جب مخلوق کا علم ناقص اور خالق کا علم کامل ٹھہرا تو لازمی طور پر مخلوق اپنے علم وتدبیر میں خالق کی تعلیم اور اس کے سمجھانے کی محتاج ہوگی۔ اس لئے لفظ ﴿کِدْنَا﴾ اور ﴿اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ کہا گیا۔ حاصل یہ ہے کہ جب ان کے سامان سے وہ برتن نکلا اور بن یامین روک لئے گئے تو وہ سب بڑے شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے کہ (صاحب) اگر اس نے چوری کی ہے تو (کوئی تعجب کی بات نہیں، کیونکہ) اس کا ایک بھائی (تھا وہ) بھی (اسی طرح) اس سے پہلے چوری کر چکا ہے (جس کا قصہ درمنثور میں اس طرح لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بچپن میں ان کی پرورش ان کی پھوپھی کر رہی تھیں جب وہ ہوشیار ہوئے تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے گھر لانا چاہا۔ وہ حضرت یوسف کو چاہتی بہت تھیں، انھوں نے ان کو اپنے پاس رکھنا چاہا، اس لئے انھوں نے ان کی کمر میں کپڑوں کے اندر ایک پٹکا باندھ کر مشہور کر دیا کہ پٹکا کھو گیا ہے اور سب کی تلاشی لی تو ان کی کمر میں نکلا اور اس شریعت کے مطابق انہیں پھوپھی کے قبضہ میں رہنا پڑا، یہاں تک کہ ان کی پھوپھی کا انتقال ہوا، پھر یعقوب علیہ السلام کے پاس آگئے۔ اور ممکن ہے کہ غلام بنانے کی یہ صورت بھی یوسف علیہ السلام کی رضامندی سے ہوئی ہو۔ اس لئے یہاں بھی آزاد کو غلام بنانا لازم نہیں آیا، باوجودیکہ قرینوں یعنی علامتوں اور حضرت یوسف کے اخلاق وعادتوں کے بارے میں ذرا سا غور وفکر کرنے سے اس فعل سے آپ کو پاک وصاف ہونا یقیناً معلوم تھا مگر بھائیوں کو بن یامین پر جو غصہ آیا تھا، اس میں یہ بات بھی کہہ دی) تو یوسف (علیہ السلام) نے اس بات کو (جو آگے آتی ہے) اپنے دل ہی میں رکھا اور اس کو ان کے سامنے (زبان سے) ظاہر نہیں کیا، یعنی دل میں یوں کہا کہ اس (چوری کے) معاملہ میں تم اور بھی زیادہ برے ہو (یعنی ہم دونوں بھائیوں نے تو حقیقت میں چوری نہیں کی، لیکن تم نے تو اتنا برا کام کیا کہ کوئی مال غائب کرتا ہے اور تم نے آدمی ہی غائب کر دیا کہ مجھے باپ سے دور کر دیا اور ظاہر ہے کہ آدمی کی چوری مال کی چوری سے بہت زیادہ بری ہے) اور جو کچھ تم (ہم دونوں بھائیوں کے بارے میں) بیان کر رہے ہو (کہ ہم چور ہیں) اس (کی حقیقت کا اللہ ہی کو زیادہ بہتر علم ہے) کہ ہم چور نہیں ہیں، جب بھائیوں نے دیکھا کہ انھوں نے بن یامین کو پکڑ لیا اور اس پر قبضہ کر لیا تو خوشامد کے طور پر کہنے لگے: اے عزیز! اس (بن یامین) کے ایک بہت بوڑھا باپ ہے (اور وہ اس کو بہت چاہتا ہے اس کے غم میں اس کا جانے کیا حال ہو، اور ہم سے اس قدر محبت نہیں) اس لئے آپ (ایسا کیجئے کہ) اس کی جگہ ہم میں سے ایک کو رکھ لیجئے (اور اپنا غلام بنا لیجئے) ہم آپ کو نیک مزاج دیکھتے ہیں (امید ہے کہ

آپ ہماری اس درخواست کو منظور فرمالیں گے) یوسف (علیہ السلام) نے کہا: ایسی (ناانصافی کی) بات سے اللہ بچائے کہ جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے شخص کو پکڑ کر رکھ لیں (اگر ہم ایسا کریں تو) اس حالت میں تو ہم بڑے بے انصاف سمجھے جائیں گے (کیونکہ حقیقت میں غلام بنانا جس کو خود غلام بنایا جانے والا شخص غلامی سمجھے ناحق طور پر رضامندی سے بھی حرام ہے)

یہاں چند امور تحقیق کے قابل ہیں:

پہلا امر یہ ہے کہ ﴿ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴾ کہہ کر یوسف علیہ السلام کے حکم سے پکارا گیا، تو اس پکار کے سچا ہونے کی کیا توجیہ ہے۔ احقر کے نزدیک یہ توریہ یعنی ایک چیز کو دل میں چھپا کر زبان سے دوسری بات کہنا ہے یعنی اس سے مراد وہ چوری ہے کہ یوسف علیہ السلام کو یعقوب کے پاس سے غائب کردیا، جو کہ ﴿ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ﴾ کا مطلب ہے۔ اور سننے والے قریب کے معنی یعنی پانی پینے کے برتن کی چوری سمجھے، اور یہی توریہ ہے۔

دوسری بات اس پکارنے والے کے ساتھ تلاش کرنے کے لئے اور لوگ بھی ہوں گے جیسا کہ ﴿ اَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ ﴾ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور شاہی معاملوں میں یہی طریقہ بھی ہوتا ہے کہ ایک کام پر کئی شخص معین ومقرر ہوتے ہیں۔

تیسرے پانی پینے کا وہ خاص ممتاز برتن تھا جسے غلہ ناپنے کے لئے تجویز کیا تھا جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ اس سے لینے والوں کا اعزاز واکرام ظاہر ہو، مانگنے والوں کی طرح ذلیل نہ سمجھے جائیں۔ اور غلہ تھوڑا تھوڑا ضرورت کے مطابق دیا جاتا تھا، اس لئے چھوٹا برتن تجویز کیا۔

چونکہ اس سے شاہی کام لیا جاتا تھا، اس لئے اس کا لقب ﴿ صُوَاعَ الْمَلِكِ ﴾ یعنی شاہی پیمانہ ہوگیا تھا۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ خاص بادشاہ کے پانی پینے کا برتن ہو، اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ بادشاہ سے یوسف علیہ السلام ہی مراد ہوں اور ﴿ صُوَاعَ ﴾ اور ﴿ مَتَاعَ ﴾ سے بھی یہی مراد ہے۔

چوتھے ﴿ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ﴾ میں صرف پائے جانے کو سزا کا سبب قرار دیا، حالانکہ اس میں یہ بھی احتمال تھا کہ یہ پیمانہ اس کے سامان میں کسی اور نے رکھ دیا ہو، اس کی توجیہ یہ ہے کہ جس پر الزام لگایا گیا ہے جب وہ اس قسم کا کوئی اعتراض نہ کرے تو اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ اس نے تسلیم کرلیا، اس لئے جزا مقرر کی گئی۔

پانچویں بات درمنثور میں مجاہد سے منقول ہے کہ مصر کا بادشاہ مسلمان ہوگیا تھا، لیکن ﴿ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ ﴾ الخ سے ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے، ورنہ اسلام قبول کرلینے کے بعد اپنا غیر شرعی قانون کیوں جاری رکھتا؟ البتہ اگر یہ کہا جائے کہ عام رعایا سے مرعوب اور اس کے دباؤ میں رہا ہو، اس لئے شرعی قانون جاری نہیں کرسکا تو ممکن ہے۔

چھٹی بات یہ کہ جب یوسف علیہ السلام اپنا شرعی قانون جاری کرنے کے مختار نہ تھے تو حکومت کا عہدہ کیوں لیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شرعی قانون جاری کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ غیر شرعی قانون جاری کرتے ہوں، جبکہ اعتراض اس دوسری صورت میں ہوسکتا تھا، جہاں شرعی طور پر حد مقرر ہو اور قانونی طور پر سزا دی جاتی ہو، اور حد جاری کرنے کا اختیار نہ ہو تو سرے سے سزا ہی نہ ہونے کے مقابلہ میں اس کا وجود غنیمت ہے۔ اس کو غیر مختار کے لئے غیر شرع پر حکم لگانا نہیں کہیں گے۔

ساتویں یوسف علیہ السلام کو عہدہ کے اعتبار سے عزیز کہا اگر چہ وہ شاہی اختیارات رکھتے تھے۔

﴿فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝ وَسْـَٔــلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْــــَٔـسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـــــَٔـسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: پھر جب ان کو یوسفؑ سے تو بالکل امید نہ رہی تو علاحدہ ہو کر باہم مشورہ کرنے لگے، ان سب میں جو بڑا تھا اس نے کہا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ تم سے خدا کی قسم کھلا کر پکا قول لے چکے ہیں اور اس سے پہلے یوسفؑ کے بارے میں کس قدر کوتاہی کر ہی چکے ہو، سو میں تو اس زمین سے ٹلتا ہی نہیں تاوقتیکہ میرے باپ مجھ کو اجازت نہ دیں یا اللہ تعالیٰ اس مشکل کو سلجھا دے اور وہی خوب سلجھانے والا ہے۔ تم واپس اپنے باپ کے پاس جاؤ اور کہو کہ اے ابا! آپ کے صاحبزادے نے چوری کی اور ہم تو وہی بیان کرتے ہیں جو ہم کو معلوم ہوا ہے اور ہم غیب کی باتوں کے تو حافظ تھے نہیں۔ اور اس بستی والوں سے پوچھ لیجئے جہاں ہم موجود تھے اور اس قافلہ والوں سے پوچھ لیجئے جن میں ہم شامل ہو کر آئے ہیں اور یقین جانئے ہم بالکل سچ کہتے ہیں۔ یعقوبؑ فرمانے لگے: بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے۔ سو صبر ہی کرونگا جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا۔ اللہ سے امید ہے کہ ان سب کو مجھ تک پہنچا دے گا۔ وہ خوب واقف ہے، بڑی حکمت والا ہے۔ اور ان سے دوسری طرف رخ کرلیا اور کہنے لگے: ہائے یوسف! افسوس اور غم سے آنکھیں سفید ہو گئیں اور

وہ گھٹا کرتے تھے۔ بیٹے کہنے لگے: بخدا تم سدا کے سدا یوسفؑ کی یادگاری میں لگے رہو گے یہاں تک کہ گھل گھل کر دم بلب ہو جاؤ گے یا یہ کہ بالکل مر ہی جاؤ گے۔ یعقوبؑ نے فرمایا کہ میں تو اپنے رنج و غم کی صرف اللہ سے شکایت کرتا ہوں اور اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اے میرے بیٹو! جاؤ اور یوسف اور ان کے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو، بیشک اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی دوسرے سفر سے واپسی:

پھر جب انہیں یوسف (علیہ السلام) سے (ان کے صاف جواب دے دینے سے) بالکل امید نہیں رہی (کہ بن یامین کو دیدیں گے) تو (اس جگہ سے) علاحدہ ہو کر آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ (کہ کیا کرنا چاہئے۔ پھر اکثر کی یہ رائے ہوئی کہ مجبوری ہے، واپس چلنا چاہئے، مگر) ان سب میں جو بڑا تھا، اس نے کہا کہ (تم جو سب کے سب واپس چلنے کی بات کر رہے ہو تو) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ تم سے اللہ کی قسم کھلا کر پختہ عہد لے چکے ہیں (کہ تم انہیں اپنے ساتھ لانا، لیکن اگر گھر جاؤ تو مجبوری ہے تو ہم سب کے سب تو گھرے نہیں کہ تدبیر کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، اس لئے جہاں تک ممکن ہو کچھ تدبیر کرنی چاہئے) اور اس سے پہلے تم یوسف کے بارے میں کس قدر کوتاہی کر چکے ہو (کہ ان کے ساتھ جو برتاؤ ہوا اس سے باپ کے حقوق بالکل ضائع ہو گئے تو وہ پرانی ہی شرمندگی کیا کم ہے جو ایک نئی شرمندگی لے کر جائیں) تو میں تو اس زمین سے نہیں ٹلوں گا جب تک میرے باپ مجھے (حاضری کی) اجازت نہ دیں یا اللہ تعالیٰ اس مشکل کو سلجھا دیں، اور وہی بہتر طور پر سلجھانے والے ہیں (یعنی کسی تدبیر سے بن یامین چھوٹ جائے۔ غرض میں یا تو اس کو لے کر جاؤں گا یا باپ کے بلانے پر جاؤں گا۔ اس لئے مجھے تو یہاں چھوڑ دو اور) تم واپس اپنے باپ کے پاس جاؤ اور (جا کر ان سے) کہو کہ ابا! آپ کے صاحبزادے (بن یامین) نے چوری کی (اس لئے گرفتار ہوئے) اور ہم تو وہی بیان کر رہے ہیں جو ہمیں (دیکھنے سے) معلوم ہوا ہے اور ہم (عہد اور وعدہ کرنے کے وقت) غیب کی باتوں کے تو حافظ نہیں تھے (کہ یہ چوری کرے گا، ورنہ ہم کبھی عہد نہیں کرتے) اور (اگر ہمارے کہنے کا یقین نہ ہو تو) اس بستی (یعنی مصر) والوں سے (اپنے کسی اعتماد و بھروسہ کے آدمی کے واسطہ سے) پوچھ لیجئے، جہاں ہم (اس وقت) موجود تھے (جب چوری کی چیز برآمد ہوئی) اور اس قافلہ والوں سے پوچھ لیجئے جن میں ہم شامل (یہاں) آئے ہیں (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کنعان یا آس پاس کے اور لوگ بھی غلہ لینے گئے تھے) اور یقین جانئے ہم بالکل سچ کہتے ہیں (چنانچہ سب نے بڑے بھائی کو وہاں چھوڑا اور خود آ کر سارا معاملہ بیان کیا) یعقوب (علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے واقعہ کی وجہ سے ان پر پہلے ہی اطمینان نہیں رہا تھا، اسی پر قیاس کرتے ہوئے پہلے کی طرح) فرمانے لگے (کہ بن یامین چوری میں نہیں پکڑا گیا) بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے تو (خیر پہلے کی طرح) صبر ہی کروں گا، جس میں شکایت کا نام (بھی) نہیں ہوگا (مجھے) اللہ سے امید

ہے کہ ان سب کو (یعنی یوسف، بن یامین اور جو بڑا بھائی اب مصر میں رہ گیا ہے، ان تینوں کو) مجھ تک پہنچادے گا (کیونکہ) وہ (اصل حقیقت سے) خوب واقف ہے (اس لئے اسے سب کی خبر ہے کہ وہ کہاں کہاں اور کس کس حال میں ہیں۔ اور وہ) بڑی حکمت والا ہے (جب ملانا چاہے گا، ہزاروں اسباب اور تدبیریں ٹھیک کردے گا) اور (یہ جواب دے کر رنج وغم کی شدت کی وجہ سے) ان سے دوسری طرف رخ کرلیا اور (اس وجہ سے کہ اس نئے غم کی وجہ سے وہ پرانا غم اور تازہ ہوگیا، یوسف علیہ السلام کو یاد کرکے) کہنے لگے: ہائے یوسف! افسوس! اور غم کی وجہ سے (روتے روتے) ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں (کیونکہ زیادہ رونے سے آنکھوں کی سیاہی کم ہوجاتی ہے اور آنکھیں بے رونق یا بالکل بے نور ہوجاتی ہیں) اور وہ (غم کی وجہ سے اندر ہی اندر) گھٹا کرتے تھے (کیونکہ غم کی شدت کے ساتھ ساتھ جب ضبط کی شدت ہوتی ہے جیسا کہ صبر کرنے والوں کی شان ہوتی ہے، تو گھٹن کی حالت پیدا ہوجاتی ہے) بیٹے کہنے لگے: اللہ کی قسم! (معلوم ہوتا ہے) آپ ہمیشہ یوسف ہی کی یاد میں لگے رہیں گے۔ یہاں تک کہ گھل گھل کر جان لبوں پر آجائے گی۔ یا یہ کہ بالکل ہی مرجائیں گے (تو اتنے غم سے کیا فائدہ؟) یعقوب (علیہ السلام نے فرمایا کہ (تمہیں میرے رونے سے کیا مطلب؟) میں تو اپنے رنج وغم کی صرف اللہ سے شکایت کرتا ہوں (تم سے تو کچھ نہیں کہتا) اور اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے (اللہ کی باتوں سے یا تو لطف وکرم اور مکمل رحمت مراد ہے یا ان سب سے ملنے کا الہام مراد ہے جو بلا واسطہ ہوا ہو یا یوسف علیہ السلام کے خواب کے واسطہ سے ہو، جس کی تعبیر اب تک واقع نہیں ہوئی تھی، اور اس کا واقع ہونا ضروری تھا) اے میرے بیٹو! (میں غم کا اظہار تو صرف اللہ کی بارگاہ میں کرتا ہوں وہی سارے اسباب بنانے والا ہے، لیکن ظاہری تدبیر تم بھی کرو کہ ایک بار پھر سفر میں) جاؤ اور یوسف اور ان کے بھائی کو تلاش کرو (یعنی ایسی فکر وتدبیر کرو جس سے یوسف کا پتہ چلے اور بن یامین رہا ہو) اور اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو، بیشک اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔

فائدہ: اس واقعہ میں یعقوب علیہ السلام کا ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ﴾ فرمانا بظاہر واقع کے مطابق معلوم نہیں ہوتا، لیکن چونکہ اجتہاد کے طور پر فرمایا تو اجتہاد میں خطا ہوجانا نبی کی معصومیت کی صفت کے خلاف نہیں۔ اس لئے اس میں کوئی اشکال نہیں۔

اور اگر یہ اشکال ہو کہ اجتہاد کے ذریعہ تہمت لگانا کب جائز ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس پر الزام اور شبہ ہو اس کو گمان کے طور پر ملزم اور مشتبہ سمجھنا معصیت نہیں کہ اس میں آدمی طبعی طور پر مجبور بھی ہے۔ ہاں اس کا یقین کرلینا جائز نہیں۔ اور یہاں یقین کے طور پر نہیں فرمایا۔

رہا یہ کہ ﴿بَلْ سَوَّلَتْ﴾ تو یقین کا لفظ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ موجودہ علامتوں اور قرینوں کے ملنے سے یقین نہ ہونے پر دلالت کی گئی ہوگی۔ پھر والد کو اولاد پر غیروں کے مقابلہ میں عتاب کا حق زیادہ ہے، لہٰذا جب دل میں یقین نہ ہو، یقین کے وہم کا اظہار کرنا معاف ہے۔ خاص طور سے اگر مقصود خبر دینا نہ ہو، بلکہ انکشاف ہو جیسا کہ تفتیش کے موقع پر

کرتے ہیں کہ خبر کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، تاکہ متہم سمجھے کہ انہیں معلوم ہے۔ اور اس وجہ سے وہ واقعہ کا انکار نہ کر سکے، اور اس سے مقصود خبر معلوم کرنا ہوتا ہے۔

یہ تقریر تو ظاہر کے اعتبار سے ہے۔ اور اگر گہرائی کے ساتھ دیکھا جائے تو یہ ارشاد واقع کے مطابق بھی ہے، کیونکہ حقیقت میں تو چوری نہیں ہوئی تھی اور یعقوب علیہ السلام کو دل کی نورانیت سے معلوم ہو گیا کہ چوری کی خبر غلط ہے۔ البتہ کشف میں اتنی کمی رہ گئی کہ اس کارروائی کا کرنے والا انہیں تعیین کے ساتھ معلوم نہیں ہوا۔ مختصر طور پر اتنا معلوم ہو گیا ہو کہ یہ کارروائی میرے بیٹوں ہی میں سے کسی نے کی ہے۔ اور ﴿ لَكُمْ ﴾ سے وہی فاعل مقصود ہو۔ اور ﴿ لَكُمْ ﴾ غلبہ کے طور پر فرما دیا ہو۔ واللہ اعلم

اور ﴿ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی بھائیوں کے ساتھ بھی آپ کو محبت تھی اور یہ فرمانا کوئی عجیب بات نہیں کہ اس بنیاد پر ہو کہ یوسف کا خواب تو صحیح ہے۔ اور اس کی تعبیر ضرور واقع ہوگی اور اس کے واقع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ یوسف ابھی زندہ ہوں اور یہ سارے بھائی بھی صحیح سالم اور میں بھی اور میری بیوی سب ایک ساتھ جمع ہو جائیں۔

اور ﴿ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ ﴾ کی وضاحت میں جو بے رونق اور بے نور دو لفظ لائے گئے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں علماء کی رائے میں اختلاف ہے کہ آپ کی بینائی بالکل جاتی رہی تھی یا کم ہو گئی تھی۔ دوسرے قول والوں نے ﴿ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ﴾ کے معنی یہ قرار دیئے ہیں کہ خوشی کی وجہ سے توانائی آئی اور بینائی کی کمزوری جاتی رہی۔

اور یعقوب علیہ السلام نے جو ﴿ يٰاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ ﴾ فرمایا حالانکہ اس وقت دوسرا غم بن یامین کا بھی تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ غالب غم وہی تھا۔ اور غم کا قاعدہ ہے کہ نئے حادثہ سے پرانے حادثہ کا اثر تازہ ہو جاتا ہے، اس لئے اس تازہ واقعہ نے یوسف کی جدائی کا غم تازہ اور زیادہ کر دیا اس کے غلبہ میں یہ الفاظ کہے۔ اور بن یامین کا غم مغلوب تھا، اس لئے غالب کے مقابلہ میں مغلوب کا ذکر نہیں کیا۔

اور یہ جو فرمایا: ﴿ فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ ﴾ حالانکہ اس وقت تیسرے بھائی بھی غائب تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ وہاں اپنے اختیار سے رکے تھے، وہ کسی آفت میں مبتلا نہیں ہوئے تھے، تو ان کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، وہ تو جب موقع پائیں گے خود آ جائیں گے۔ دوسرے وہ تو ان کے ساتھ متفق ہی ہیں انہیں تو یہ خود ہی ڈھونڈیں گے، برخلاف یوسف اور بن یامین کے کہ ان کا انہیں دکھ رہتا تھا، اس لئے شاید ان کی تلاش میں کوتاہی کریں۔

اور یعقوب علیہ السلام کے مخلوق کی محبت میں رونے کی وجہ سے وسوسہ پیدا نہ ہو، کیونکہ محبت اضطراری معاملہ ہے، اور رونا بھی دل کی نرمی اور رحم کی زیادتی کی دلیل ہے، خاص طور سے جب کہ محبت کا سبب کوئی دینی امر ہو۔ چنانچہ اس سورت کے دوسرے رکوع کے تفسیرے فوائد کے تحت اس کا بیان ہو چکا ہے۔

اور اس مسئلہ کی تحقیق کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے، سورۃ الاعراف کی آیت ۹۳ کے تفسیری فوائد میں گزر چکی ہے۔ اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

اور کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ جب یعقوب علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا ﴿ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ﴾ تو پھر زبان پر حرفِ شکایت کیوں لائے؟ اس کا جواب خود ان کے الفاظ ﴿ إِنَّمَآ أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِيٓ إِلَى اللَّهِ ﴾ میں ہے یعنی مخلوق سے شکایت کرنا صبر جمیل کے خلاف ہے نہ کہ خالق سے شکایت کرنا، کہ یہ عین دعا و التجا ہے اور یہ مطلوب ہے۔

﴿ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَٰٓأَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَٰعَةٍ مُّزْجَىٰةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَآ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ۝ قَالَ هَلْ عَلِمْتُم مَّا فَعَلْتُم بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنتُمْ جَٰهِلُونَ ۝ قَالُوٓا أَءِنَّكَ لَأَنتَ يُوسُفُ ۖ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَٰذَآ أَخِي ۖ قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَآ ۖ إِنَّهُۥ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ ءَاثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا لَخَٰطِـِٔينَ ۝ قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّٰحِمِينَ ۝ اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا ۚ وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: پھر جب یوسفؑ کے پاس پہنچے، کہنے لگے کہ اے عزیز! ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو بڑی تکلیف پہنچ رہی ہے اور ہم کچھ یہ نکمی چیز لائے ہیں، سو آپ پورا غلہ دے دیجئے اور ہم کو خیرات دے دیجئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ خیرات دینے والوں کو اجر دیتا ہے۔ یوسف نے فرمایا: وہ بھی تم کو یاد ہے جو کچھ تم نے یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا تھا جب کہ تمہاری جہالت کا زمانہ تھا۔ کہنے لگے کہ کیا سچ مچ تم ہی یوسف ہو۔ انھوں نے فرمایا: میں یوسفؑ ہوں اور یہ میرا بھائی ہے ہم پر اللہ نے بڑا احسان کیا۔ واقعی جو شخص گناہوں سے بچتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتا۔ وہ کہنے لگے کہ بخدا! کچھ شک نہیں تم کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت عطا فرمائی اور بیشک ہم خطاوار تھے۔ یوسفؑ نے فرمایا کہ نہیں! تم پر آج کوئی الزام نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔ اب تم میرا یہ کرتہ لیتے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرہ پر ڈال دو، ان کی آنکھیں روشن ہو جاویں گی اور اپنے گھر والوں کو سب کو میرے پاس لے آؤ۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا تیسری بار یعقوب علیہ السلام کے حکم سے یوسف اور بن یامین کی تلاش میں آنا:

پھر (حضرت یعقوب علیہ السلام کے حکم کے مطابق کہ انھوں نے فرمایا تھا: ﴿ فَتَحَسَّسُوا مِن يُوسُفَ وَأَخِيهِ ﴾

مصر کو چلے، کیونکہ بن یامین کو مصر میں چھوڑا تھا۔ یہ خیال ہوا ہوگا کہ جس کا پتہ معلوم ہے پہلے اس کو لانے کی تدبیر کرنی چاہئے کہ بادشاہ سے مانگیں۔ پھر یوسف کو جس کا کوئی پتہ نہیں، ڈھونڈیں گے۔ غرض مصر پہنچ کر) جب یوسف (علیہ السلام) کے پاس (جو اس وقت عزیزِ مصر تھے اور یہ انہیں صرف اسی حیثیت سے جانتے تھے) پہنچے (اور غلہ کی بھی ضرورت تھی، لہٰذا یہ خیال ہوا کہ غلہ کے بہانہ سے عزیز کے پاس چلیں اور غلہ خریدنے کی بات کے بیچ میں ہی خوشامد کی باتیں کریں اور جب طبیعت میں نرمی دیکھیں اور مزاج کو خوش پائیں تو بن یامین کی درخواست کریں، اس لئے پہلے غلہ سے متعلق بات شروع کی اور) کہنے لگے: اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو (قحط کی وجہ سے) بڑی تکلیف پہنچ رہی ہے، اور (چونکہ ہمیں غریبی نے گھیر رکھا ہے اس لئے غلہ کی خریداری کے واسطے کھرے دام میسر نہیں ہوئے) ہم کچھ یہ معمولی نکمی چیز لائے ہیں تو آپ (اس کے نکمے ہونے کو نظر انداز کر کے) پورا غلہ دیدیجئے (اور اس کے نکمے ہونے سے غلہ کی مقدار میں کمی نہ کیجئے) اور (یہ ہمارا کچھ حق نہیں) ہمیں خیرات (سمجھ کر) دیدیجئے، بیشک اللہ تعالیٰ خیرات دینے والوں کو (چاہے حقیقت میں خیرات دیں چاہے نرمی اور رعایت کریں کہ وہ بھی خیرات ہی کی طرح ہے۔ اچھی) جزا دیتا ہے (اگر مؤمن ہے تو آخرت میں بھی ورنہ دنیا ہی میں) یوسف (علیہ السلام) نے (جو ان کے عاجزی اور مسکینی والے الفاظ سنے تو آپ سے رہا نہ گیا۔ اور بے اختیار چاہا کہ اپنی حقیقت ان کے سامنے کھول دوں اور اس میں بھی کوئی تعجب کی بات نہیں کہ دل کے نور سے معلوم ہو گیا ہو کہ اب کی بار انہیں تلاش بھی مقصود ہے اور یہ بھی ظاہر ہو گیا ہو کہ اب جدائی کا زمانہ ختم ہو چکا، اس لئے تعارف کی تمہید کے طور پر فرمایا کہ (کہو! تمہیں وہ بھی یاد ہے جو کچھ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ (برتاؤ) کیا تھا جب کہ تمہاری جہالت کا زمانہ تھا (اور بھلے برے کی سوچ نہ تھی۔ وہ یہ سن کر چکرائے کہ عزیزِ مصر کو یوسف کے قصہ سے کیا مطلب؟ ادھر اس شروع زمانہ کے خواب کی وجہ سے غالب احتمال تھا کہ شاید یوسف کسی بڑے رتبہ کو پہنچیں کہ ہم سب کو ان کے سامنے گردن جھکانی پڑے۔ اس لئے اس بات سے شبہ ہوا اور غور کیا تو کچھ کچھ پہچانا اور زیادہ تحقیق کے لئے) کہنے لگے کیا سچ مچ تم ہی یوسف ہو؟ انھوں نے فرمایا: ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ (بن یامین) میرا (سگا) بھائی ہے (یہ اس لئے) بڑھا دیا کہ اپنے یوسف ہونے کی اور تاکید ہو جائے، یا ان کی تلاش کی کامیابی کی بشارت ہے کہ جن کو تم ڈھونڈنے نکلے ہو، ہم دونوں ایک ہی جگہ جمع ہیں) ہم پر اللہ تعالیٰ نے بڑا احسان کیا (کہ ہم دونوں کو پہلے صبر اور تقوی کی توفیق عطا فرمائی، پھر اس کی برکت سے ہماری تکلیف کو راحت سے اور جدائی کو ایک جگہ جمع ہونے سے اور مال و دولت اور عزت و مرتبہ کی کمی کو، مال و دولت اور عزت و مرتبہ کی زیادتی سے بدل دیا ہے) واقعی جو شخص گناہوں سے بچتا ہے اور (مصیبتوں پر) صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتے وہ (پچھلے تمام قصوں کو یاد کر کے شرمندہ ہوئے اور معذرت کے طور پر) کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! کوئی شک نہیں کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر فضیلت عطا فرمائی (اور تم اسی لائق تھے) اور (ہم نے جو کچھ کیا) بیشک ہم (اس میں) خطاوار تھے (اللہ کے واسطے ہمیں معاف کر دو) یوسف

(علیہ السلام) نے فرمایا کہ نہیں! تم پر آج (میری طرف سے) کوئی الزام نہیں (بےفکر رہو، میرا دل صاف ہے) اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے (توبہ کرنے والوں کا قصور معاف کر ہی دیتا ہے، اسی دعا سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ میں نے بھی معاف کردیا۔ اور ﴿ لَا تَثْرِيْبَ ﴾ سے بھی معلوم ہوگیا) اب تم جاکر (میرے باپ کو بشارت دو اور بشارت کے ساتھ) میری یہ قمیص (بھی) لیتے جاؤ، اور اس کو میرے باپ کے چہرہ پر ڈال دو (اس سے) ان کی آنکھیں روشن ہوجائیں گی (اور یہاں تشریف لے آئیں گے) اور اپنے (باقی) گھر والوں کو (بھی) سب کو میرے پاس لے آؤ (کہ سب ملیں اور خوش ہوں، کیونکہ موجودہ حالت میں میرا جانا مشکل ہے، اس لئے گھر والے ہی چلے آئیں۔

فوائد:

۱-﴿ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ﴾ کی جو تفسیر کی گئی ہے اس سے دو شبہے دور ہوگئے: اول یہ کہ ان کے لئے نبی ہونے کی وجہ سے یا آلِ نبی ہونے کی وجہ سے صدقہ حلال کہاں تھا؟ دوسرے یہ کہ ان کے لئے سوال کرنا جو کہ منع ہے کیسے درست تھا؟ جواب کی تقریر ظاہر ہے کہ معاملہ میں رعایت کو مجاز کے طور پر صدقہ کہہ دیا۔ اور اس کی درخواست اور قبول نبی اور آلِ نبی سب کے لئے جائز ہے۔ اور پہلے سوال کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ ان کی نبوت ثابت نہیں اور انبیاء کی اولاد کے لئے نفل صدقہ جائز ہے۔ اور اگر بعض علماء کا قول لیا جائے کہ صدقہ کا حرام ہونا محمد کی آل کی خصوصیات میں سے ہے تو ایک اور جواب بھی حاصل ہوسکتا ہے۔

۲-اور ﴿ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴾ میں جو مؤمن اور کافر کی جو دو شقیں بیان کیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں عزیز مصر کا مؤمن ہونا معلوم نہیں تھا۔ اور آخرت کے ساتھ لفظ ''بھی'' اس لئے بڑھایا کہ صدقہ کی خاصیت دنیا کی بلاؤں کو دور کرنے میں مؤمن کے لئے بھی واقع ہوتی ہے۔

۳-اور ﴿ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ ﴾ کی تفسیر آیت ۶۹ میں بیان ہوچکی ہے۔

۴-اور ﴿ مَنْ يَّتَّقِ ﴾ الخ میں تقویٰ کا دعویٰ نہیں ہے، کیونکہ ﴿ مَنَّ اللّٰهُ ﴾ میں وہ بھی داخل ہے، جیسا کہ ترجمہ کے دوران میں بیان ہوا۔

۵-اور ﴿ فَاَلْقُوْهُ ﴾ الخ اس لئے فرمایا کہ انہیں بینائی کی خرابی کا علم ہوگیا تھا۔ اور یہ بینا ہوجانا معجزہ کے طور پر تھا، اور قمیص اصل میں کوئی خاص نہیں تھی، ان کے معمول کا لباس تھا۔ اور یعقوب علیہ السلام کے لانے کو اس لئے واضح نہیں فرمایا کہ وہ تو بغیر آئے رہ ہی نہیں سکتے تھے، ان کا تشریف لانا یقینی تھا۔

۶-اور ﴿ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ ﴾ کے ساتھ وبابیہ نہیں کہا۔ حالانکہ انہیں بھی اذیتیں پہنچی تھیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں جو تکلیف پہنچی وہ مذکورہ واسطہ سے پہنچی۔

﴿ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ۝ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب قافلہ چلا تو ان کے باپ نے کہنا شروع کیا کہ اگر تم مجھ کو بڑھاپے میں بہکی باتیں کرنے والا نہ سمجھو تو ایک بات کہوں کہ مجھ کو تو یوسفؑ کی خوشبو آرہی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ بخدا! آپ تو اپنے اسی پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں، پس جب خوشخبری لانے والا آپہنچا تو اس نے وہ کرتہ ان کے منہ پر ڈال دیا بس فوراً ان کی آنکھیں کھل گئیں، آپ نے فرمایا: کیوں میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ سب بیٹوں نے کہا کہ اے ہمارے باپ! ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی دعائے مغفرت کیجئے، ہم بیشک خطاوار تھے۔ یعقوبؑ نے فرمایا: عنقریب تمہارے لئے اپنے رب سے دعائے مغفرت کرونگا بے شک وہ غفور رحیم ہے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی تیسرے سفر سے واپسی اور خوشخبری لانا:

اور جب (یوسف علیہ السلام سے بات چیت ہو چکی اور آپ کے فرمانے کے مطابق قمیص لے کر چلنے کی تیاری کی اور) قافلہ (مصر شہر سے) چلا (جس میں یہ لوگ بھی شامل تھے) تو ان کے ابا نے (اپنے پاس والوں سے) کہنا شروع کیا کہ اگر تم مجھے بڑھاپے میں بہکی باتیں کرنے والا نہ سمجھو تو ایک بات کہوں کہ مجھے تو یوسف کی خوشبو آرہی ہے (یہ یعقوب علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ اس قمیص میں جو یوسف علیہ السلام کے بدن کا اثر تھا وہ محسوس ہو گیا اور چونکہ معجزہ اختیاری نہیں ہوتا اس لئے اس سے پہلے احساس نہ ہوا) وہ (پاس والے) کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! آپ تو اپنے اسی پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں (کہ یوسف زندہ ہیں اور ملیں گے۔ اس خیال کے غلبہ سے اب خوشبو کا وہم ہو گیا۔ اور واقع میں نہ خوشبو ہے نہ کچھ۔ ان کی باتیں سن کر یعقوب علیہ السلام خاموش ہو کر رہ گئے) پھر جب (یوسف کے صحیح سلامت ہونے کی) خوشخبری لانے والا مع قمیص کے یہاں) آپہنچا تو اس نے (آتے ہی) وہ قمیص لا کر ان کے منہ پر ڈال دی تو (قمیص کا ان کی آنکھوں سے لگنا تھا اور خوشبو کا دماغ میں پہنچنا تھا کہ) فوراً ہی ان کی آنکھیں کھل گئیں (اور آنے والوں نے آپ سے سارا قصہ بیان کیا) آپ نے (بیٹوں سے) فرمایا: کیوں میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے (اور اس لئے میں نے تمہیں یوسف کو تلاش کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ دیکھو آخر اللہ تعالیٰ نے میری امید پوری فرمادی۔ ان کا یہ قول آیت ۸۷ میں گذر چکا ہے۔ اس وقت) سب بیٹوں نے کہا کہ اے ہمارے ابا! ہمارے لئے (اللہ سے) ہمارے

گناہوں کی بخشش کی دعا کیجئے (ہم نے جو کچھ آپ کو یوسف کے معاملہ میں تکلیف دی اس میں) ہم بے شک خطاوار تھے (مطلب یہ کہ آپ بھی معاف کردیجئے کیونکہ طریقہ کے مطابق کسی کی بخشش کی دعا وہی کرتا ہے جو خود بھی پکڑ نہیں کرنا چاہتا) یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا: میں جلدی ہی تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی دعا کروں گا۔ بے شک وہ غفور ورحیم ہے (اور اسی سے ان کا معاف کردینا بھی معلوم ہوگیا اور جلدی ہی کا مطلب یہ ہے کہ تہجد کا وقت آنے دو جو کہ دعا کی قبولیت کا وقت ہے، جیسا کہ درمنثور میں ہے)

فائدہ: اوپر ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ﴾ کی مذکورہ تفسیر پر لازم آتا ہے کہ جنھوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے معجزہ کو دشوار سمجھا تھا، ان سے کچھ نہیں کہا، اس کی چند وجہیں ہیں: اول: اس سے ان کا جواب نکل آیا۔ دوسرے ان کی غلطی فوراً ظاہر ہوگئی جتانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اور بیٹوں سے ﴿اِنِّيْٓ اَعْلَمُ﴾ کہنا اس پر ایک مدت گذرگئی تھی۔ تیسرے ان دشوار سمجھنے والوں سے زیادہ معاملہ بھی نہ تھا جتنا بیٹوں سے تھا اور انھوں نے یعقوب علیہ السلام سے واضح طور پر یوں نہیں کہا کہ آپ معاف کردیجئے، وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کے ذمہ دو قسم کے حقوق تھے: اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق۔ اس لئے ایسا جامع عنوان اختیار کیا جس میں دونوں مضمون آگئے۔ ورنہ اللہ کے حقوق کے لئے پھر الگ سے کہنا پڑتا اور غالباً اسی وجہ سے یعقوب علیہ السلام نے استغفار کا وعدہ کیا جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے بھی ﴿يَغْفِرُ اللّٰهُ﴾ کہا کہ یہ بھی دونوں حقوق یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کا جامع ہے۔

﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝﴾

ترجمہ: پھر جب یہ سب کے سب یوسفؑ کے پاس پہنچے تو انھوں نے اپنے والدین کو اپنے پاس ہی جگہ دی اور کہا سب مصر میں چلئے ان شاء اللہ تعالیٰ امن چین سے رہئے۔ اور اپنے والدین کو تخت پر اونچا بٹھایا اور سب کے سب ان کے سامنے سجدہ میں گر گئے اور وہ کہنے لگا کہ ابا! یہ ہے میرے خواب کی تعبیر جو پہلے زمانہ میں دیکھا تھا، میرے رب نے اس کو سچا کردیا اور میرے ساتھ اس وقت احسان فرمایا جس وقت مجھ کو قید سے نکالا اور بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان میں فساد ڈلوادیا تھا تم سب کو باہر سے لے آیا۔ بلاشبہ میرا رب جو چاہتا ہے اس کی تدبیر لطیف کردیتا ہے، بلاشبہ وہ بڑا علم والا اور حکمت والا ہے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا چوتھی بار اپنے والدین اور اہل وعیال سمیت آنا:

(غرض سب تیار ہو کر مصر کو چل دیئے اور یوسف علیہ السلام خبر سن کر استقبال کے لئے مصر سے باہر تشریف لائے اور باہر ہی ملاقات کا سامان کیا گیا) پھر جب یہ سب کے سب یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو انھوں نے (سب سے مل ملا کر) اپنے والدین کو (ان کی عزت وعظمت کا خیال رکھتے ہوئے) اپنے پاس جگہ دی۔ اور (بات چیت سے فارغ ہو کر کہا: سب مصر میں چلئے (اور) ان شاء اللہ تعالیٰ (وہاں) امن وچین سے رہئے (جدائی کا غم اور قحط کی تکلیف سب دور ہو گئے۔ غرض سب مصر میں پہنچے) اور (وہاں پہنچ کر تعظیم کے طور پر) اپنے والدین کو (شاہی) تخت پر اونچا بٹھایا اور (اس وقت سب کے دلوں پر یوسف علیہ السلام کی ایسی عظمت غالب ہوئی کہ سب کے سب ان کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔ اور (یہ حالت دیکھ کر) وہ کہنے لگے کہ اے ابا! یہ ہے میرے خواب کی تعبیر جو میں نے پہلے زمانہ میں دیکھا تھا (کہ سورج اور چاند اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں) میرے رب نے اس (خواب) کو سچا کر دیا (یعنی اس کی سچائی ظاہر کر دی) اور (میرے رب نے مجھے یہ شرف عطا فرمانے کے علاوہ اور بھی انعاموں سے نوازا، چنانچہ) مجھ پر (ایک) احسان اس وقت فرمایا جب مجھے جیل خانہ کی قید سے نکالا (اور حکومت وسلطنت کے اس درجہ تک پہنچایا) اور (دوسرا انعام یہ فرمایا کہ) اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان میں فساد ڈلوا دیا تھا (جس کا تقاضا یہ تھا کہ عمر بھر بھی ایک ساتھ جمع اور متفق نہ ہو پاتے، مگر اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ وہ) تم سب کو (جن میں میرے بھائی بھی شامل ہیں) باہر سے (یہاں) لے آیا (اور سب کو ملا دیا) بلاشبہ میرا رب جو چاہتا ہے اس کی لطیف تدبیر کر دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ بڑا علم والا اور حکمت والا ہے (اپنے علم وحکمت سے سارے امور کی تدبیر ٹھیک کر دیتا ہے)

فائدہ: یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں نے پہلی ملاقات میں سجدہ نہیں کیا اور مصر میں آ کر کیا، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہاں عظمت پر محبت کا غلبہ تھا۔ اس کے مناسب امور ملنا، جلنا، معانقہ (گلے ملنا) مکالمہ (بات چیت وغیرہ ہیں اور یہاں محبت پر عظمت کا غلبہ ہوا یا تو اس وجہ سے کہ محبت کے جوش کو سکون ہو گیا تھا، اس لئے عظمت کا احساس اور خیال ہوا اور یا یہ کہ اس جگہ یوسف علیہ السلام گویا اپنے شاہی دربار میں شاہی تخت پر تھے اور مصر سے باہر اس حالت میں نہیں تھے۔ دونوں حالتوں میں فرق ظاہر ہے۔ اور یہ سجدہ مبارکباد اور تعظیم کے طور پر تھا، جو گذشتہ امتوں میں جائز تھا۔

اور بعض علماء کو جو یہ شبہ ہوا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین سے اپنی اتنی بڑی تعظیم کس طرح گوارا کر لی، محض ایک کمزور شبہ ہے، انہیں تو پہلے ہی خواب معلوم تھا کہ ایسا ہونے والا ہے پھر کیا قدرت کے فیصلوں میں مداخلت کرتے؟

اور اجتماع کے ذکر میں ﴿ مِنۢ بَعۡدِ اَنۡ نَّزَغَ ﴾ الخ اس لئے فرمایا کہ اس کا تقاضا یہ تھا کہ نہ بھائیوں سے رنج وتکلیف کی وجہ سے میل ملاپ ہوتا اور نہ ہی ماں باپ سے خبر نہ پہنچنے کی وجہ سے ہوتا۔ جس کا سبب وہی فساد تھا جس نے آپس میں

جدائی ڈال دی تھی۔

اور اس سلسلہ میں علماء کے دو قول ہیں کہ یہ ان کی والدہ تھیں یا خالہ جنہیں مجاز کے طور پر والدہ کہہ دیا۔

﴿ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے میرے پروردگار! آپ نے مجھ کو سلطنت کا بڑا حصہ دیا اور مجھ کو خوابوں کی تعبیر دینا تعلیم فرمایا۔ اے خالق آسمانوں اور زمین کے آپ میرے کارساز ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مجھ کو پوری فرمانبرداری کی حالت میں دنیا سے اٹھا لیجئے اور مجھ کو خاص نیک بندوں میں شامل کر دیجئے۔

خاتمہ بالخیر کے لئے یوسف علیہ السلام کی دعا پر قصہ کا خاتمہ:

(اس کے بعد سب ہنسی خوشی رہتے رہے، یہاں تک کہ یعقوب علیہ السلام کی عمر پوری ہوئی اور وفات کے بعد وصیت کے مطابق ملک شام میں لے جا کر اپنے بزرگوں کے پاس دفن کیے گئے، پھر یوسف علیہ السلام کو بھی آخرت کا اشتیاق ہوا اور دعا کی کہ) اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے (ہر طرح کی نعمتیں دیں، ظاہری بھی باطنی بھی، ظاہری یہ کہ مثلاً) سلطنت کا بڑا حصہ دیا اور (باطنی یہ کہ مثلاً) مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم دیا (جو کہ عظیم علم ہے، خاص طور سے جب کہ وہ وحی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہو، لہٰذا اس کے وجود کے لئے نبوت کا عطا ہونا لازم ہوگا) اے آسمانوں اور زمین کے خالق! آپ میرے کام بنانے والے ہیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی (لہٰذا جس طرح دنیا میں میرے سارے کام بنا دیئے کہ حکومت وسلطنت دی، علم دیا، اسی طرح آخرت کے کام بھی بنا دیجئے کہ) مجھے فرماں برداری کی حالت میں دنیا سے اٹھا لیجئے اور خاص نیک بندوں میں شامل کر دیجئے (یعنی میرے بزرگوں میں جو عظیم نبی ہوئے ہیں ان کے پاس پہنچا دیجئے)

فوائد: (۱) موت کا شوق اگر اللہ سے ملاقات کے شوق کی وجہ سے ہو تو جائز ہے۔ (۲) اور ''سلطنت کا حصہ'' اس لئے کہا کہ ساری دنیا کی سلطنت تو آپ کے پاس نہیں تھی۔ (۳) اور ''مثلاً'' اس لئے بڑھا دیا گیا کہ نعمتیں اپنی مذکورہ امور میں تو محدود نہیں۔ (۴) اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ دعا موت طلب کرنے کے لئے نہیں تھی، بلکہ مطلب یہ تھا کہ جب وفات ہو اسلام اور صلاح یعنی نیکی کی راہ پر ہو۔ اور اگرچہ انبیاء علیہم السلام کا ہر حالت میں اسلام اور صلاح پر وفات پانا یقینی ہے، لیکن اس کے درجے مختلف ہیں، اور وہ بڑھتے رہتے ہیں، اس لئے اس کی طلب میں کوئی اشکال نہیں۔ (۵) انبیاء کی سیرت بیان کرنے والوں نے لکھا ہے کہ جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے اپنے بھائیوں کو یا ان کی اولاد کو وصیت فرمائی کہ اگر کبھی تم لوگ مصر کو چھوڑ کر اپنے بزرگوں کے ملک شام کو جانے لگو تو میری لاش اپنے ہمراہ لے جانا، چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام مصر سے پوشیدہ طور پر نکلے تو اللہ کی وحی کے مطابق یوسف علیہ السلام کی لاش کا تابوت اپنے ہمراہ لے گئے تھے

(اور ہمارے اماموں کا قبر کو کھودنے اور لاش کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی اس صورت کے ناجائز ہونے پر اتفاق ہے، جیسا کہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔(۶) اور بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد مصر کی سلطنت مصر کے بادشاہوں ہی کی طرف منتقل ہوگئی، کیونکہ اگرچہ یوسف علیہ السلام کو سلطنت کے اختیارات حاصل ہو گئے تھے مگر باضابطہ بادشاہ تو پہلا بادشاہ ہی رہا تھا، اسی لئے یوسف علیہ السلام عزیز مصر ہی کہلاتے تھے۔ چنانچہ مصر کے انہی سلطانوں کے سلسلہ میں وہ فرعون ہوا جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا اور یوسف علیہ السلام کے ان بھائیوں کی اولاد میں وہ بنی اسرائیل ہوئے جو موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں تھے۔(۷) اور بعض مفسروں نے بغیر سند کے لکھا ہے کہ یہودیوں نے امتحان کے طور پر رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا کہ یعقوب علیہ السلام تو ملک شام کے رہنے والے تھے، ان کی اولاد مصر میں فرعون کے ہاتھ میں کیسے پہنچ گئی؟ اس قصہ کے ذریعہ اس سوال کا جواب بھی حاصل ہوگیا۔ اور شام سے مصر آنے کی وجہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمادی۔ ان مفسروں نے آیت ۷ ﴿ لَقَدْ كَانَ فِىْ يُوْسُفَ ﴾ الخ کی تفسیر اسی سوال کے ساتھ کی ہے۔ واللہ اعلم

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ حَتّٰٓي اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے، ہم وحی کے ذریعہ سے آپ کو یہ قصہ بتلاتے ہیں اور آپ ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جب کہ انھوں نے اپنا ارادہ پختہ کرلیا تھا اور وہ تدبیریں کر رہے تھے۔ اور اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے گو

آپ کا کیسا ہی جی چاہتا ہو۔ اور آپ ان سے اس پر کچھ معاوضہ تو چاہتے نہیں۔ یہ تو صرف تمام جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے۔ اور بہت سی نشانیاں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں جن پر ان کا گذر ہوتا رہتا ہے اور وہ ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور اکثر لوگ جو خدا کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔ سو کیا پھر بھی اس بات سے مطمئن ہوئے بیٹھے ہیں کہ ان پر خدا کے عذاب کی کوئی ایسی آفت آپڑے جو ان کو محیط ہو جاوے یا ان پر اچانک قیامت آجاوے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا طریق ہے میں خدا کی طرف اس طور پر بلاتا ہوں کہ میں دلیل پر قائم ہوں، میں بھی اور میرے ساتھ والے بھی۔ اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ اور ہم نے آپ سے پہلے مختلف بستی والوں میں سے جتنے بھیجے سب آدمی ہی تھے، جن کے پاس ہم وحی بھیجتے تھے۔ تو کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا کیسا انجام ہوا جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ اور البتہ عالم آخرت ان لوگوں کے لئے نہایت بہبودی کی چیز ہے جو احتیاط رکھتے ہیں۔ سو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ یہاں تک کہ پیغمبر مایوس ہو گئے اور ان کو گمان غالب ہو گیا کہ ہماری فہم نے غلطی کی ان کو ہماری مدد پہنچی پھر ہم نے جس کو چاہا وہ بچا لیا گیا۔ اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے نہیں ہٹتا۔ ان کے قصہ میں سمجھدار لوگوں کے لئے عبرت ہے۔ یہ قرآن کوئی تراشی ہوئی بات تو ہے نہیں بلکہ اس سے پہلے جو کتابیں ہو چکی ہیں یہ ان کی تصدیق کرنے والا ہے اور ہر بات کی تفصیل کرنے والا ہے، اور ایمان والوں کے لئے ذریعہ ہدایت و رحمت ہے۔

ربط: یوسف علیہ السلام کے قصے کی آیتیں جس طرح قصہ سے متعلق سوال کرنے والوں کا جواب ہیں، اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر بھی دلیل ہیں، جیسا کہ آیت ﴿ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ ﴾ الخ میں اس طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ آگے ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ ﴾ الخ میں اس کی وضاحت ہے اور آیت ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ ﴾ الخ میں کافروں کی دشمنی کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ دلیلوں کے سامنے آجانے کے باوجود ایمان نہیں لاتے۔ اور آیت ﴿ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ﴾ الخ میں اس دشمنی کی وضاحت ہے اور آیت ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ ﴾ الخ اور آیت ﴿ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ ﴾ الخ میں ان کا نبوت کے انکار کی طرح توحید کا انکار، اور آیت ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ ﴾ سے مذکورہ آیتوں کے آخر تک حضور ﷺ کی تسلی بھی ہے کہ نا امیدی سے راحت ہو جاتی ہے جو کہ آیت ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ ﴾ کی دلیل ہے اور اسی طرح اس امر کے معلوم ہونے سے کہ ان کے ایمان نہ لانے سے آپ کا کوئی اجر اور نفع ضائع نہیں ہوتا، بلکہ نصیحت نہ ماننے سے انہی کا نقصان ہے۔ جو آیت ﴿ تَسْـَٔلُهُمْ ﴾ الخ کی دلیل ہے اور اس سے تسلی ہوتی ہے۔ اور اسی طرح یہ سننے سے بھی تسلی ہوتی ہے کہ یہ لوگ نبوت سے بڑھ کر توحید کے منکر ہیں، تو نبوت کے انکار پر کیا تعجب کیا جائے جو کہ ﴿ وَكَاَيِّنْ ﴾ الخ اور ﴿ وَمَا يُؤْمِنُ ﴾ الخ کی دلیل ہے۔ آگے آیت ﴿ اَفَاَمِنُوْٓا ﴾ الخ میں توحید اور رسالت کے اس انکار پر وعید ہے۔ آگے آیت ﴿ قُلْ هٰذِهٖ ﴾ الخ میں حجت پوری کرنے کی غرض سے دوبارہ دعوت

دی گئی ہے۔ آگے ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا ﴾ الخ میں نبوت پر ان کے اس شبہ کا جواب ہے کہ نبی فرشتہ ہونا چاہئے اور اس آیت کے آخر میں وعید کی تفصیل اور تاکید ہے۔ آگے آیت ﴿ حَتّٰٓی اِذَا اسْتَیْئَسَ ﴾ الخ میں آپ کی اور اہل ایمان کی تسلی اور کافروں کے لئے وعید ہے۔ آگے آخری آیت میں گذشتہ قصوں کی حکمت کی تسلی اور وعید ہے اور قرآن کا حق ہونا قصوں پر مشتمل ہے، جو کہ سورت کے شروع کی آیتوں کا بھی بالکل یہی مضمون تھا۔ ان سب باتوں کا ذکر ہے، لہٰذا ان تمام آیتوں کا خلاصہ وہ ہوا جو اگلے عنوان کے تحت لکھا جا رہا ہے۔

رسالت اور توحید کی بحث اور حضور کی تسلی اور انکار کرنے والوں کے لئے وعید اور قرآن کا حق ہونا:

یہ قصہ (جو اوپر بیان کیا گیا، آپ کے اعتبار سے) غیب کی خبروں میں سے ہے (کیونکہ آپ کے پاس اس کے جاننے کا کوئی ظاہری ذریعہ نہیں تھا، صرف) ہم (ہی) وحی کے ذریعہ سے آپ کو یہ قصہ بتاتے ہیں اور (یہ ظاہر ہے کہ) آپ ان (یوسف علیہ السلام کے بھائیوں) کے پاس اس وقت موجود نہیں تھے، جبکہ انھوں نے (یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے کا) اپنا ارادہ پختہ کر لیا تھا۔ اور وہ (اس سلسلہ میں) تدبیریں کر رہے تھے (کہ باپ سے یوں کہیں اور ان کو یوں لے جائیں وغیرہ۔ اور اس طرح یہ امر یقینی ہے کہ آپ نے کسی سے یہ قصہ سنا بھی نہیں، لہٰذا یہ نبوت کی اور صاحب وحی ہونے کی واضح دلیل ہے) اور (نبوت پر دلائل قائم ہونے کے باوجود) اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ چاہے آپ کا کیسا ہی جی چاہتا ہو، اور (ان کے ایمان نہ لانے سے آپ کا کوئی نقصان نہیں ہے، کیونکہ) آپ ان سے اس (قرآن) پر کچھ معاوضہ تو نہیں چاہتے (جس میں یہ امکان ہو کہ اگر یہ لوگ قرآن کو قبول نہیں کریں گے تو آپ کا معاوضہ جاتا رہے گا) یہ (قرآن) تو صرف ساری دنیا والوں کے لئے ایک نصیحت ہے (جو نہ مانے گا اسی کا نقصان ہوگا) اور جس طرح یہ لوگ نبوت کے منکر ہیں، اس طرح دلائل کے باوجود منکر توحید بھی ہیں۔ چنانچہ) آسمانوں اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں (جو توحید پر دلالت کرتی ہیں جیسے ستارے اور عناصر وغیرہ جن پر ان کا گذر ہوتا رہتا ہے (یعنی یہ ان کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں) اور یہ ان کی طرف (بالکل) توجہ نہیں کرتے (یعنی ان سے استدلال نہیں کرتے) اور اکثر لوگ جو اللہ کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ شرک بھی کرتے جاتے ہیں، (تو توحید کے بغیر اللہ کا ماننا، نہ ماننا برابر ہے، لہٰذا یہ لوگ اللہ کے ساتھ بھی کفر کرتے ہیں اور نبوت کے ساتھ بھی کفر کرتے ہیں) تو کیا (اللہ اور رسول کے منکر ہو کر) پھر بھی اس بات سے مطمئن ہوئے بیٹھے ہیں کہ ان پر اللہ کے عذاب کی ایسی آفت آ پڑے جو ان کا احاطہ کر لے یا ان پر اچانک قیامت آ جائے اور ان کو (پہلے سے) خبر بھی نہ ہو (مطلب یہ کہ کفر کا تقاضہ سزا اور عذاب ہے، چاہے دنیا میں نازل ہو جائے یا قیامت کے دن واقع ہو، انہیں ڈرنا چاہئے اور کفر کو چھوڑ دینا چاہئے) آپ فرما دیجئے کہ یہ (مضمون جس سے اوپر رسالت اور توحید کا حق ہونا ثابت ہوا ہے یہی) میرا طریقہ ہے (جس کا خلاصہ ایک بار پھر سنایا جاتا ہے کہ) میں (لوگوں کو) اللہ (کی توحید) کی

طرف بلاتا ہوں کہ میں (اس توحید کی اور اپنے اللہ کی طرف سے دعوت دینے والا ہونے کی) دلیل پر قائم ہوں۔ میں بھی اور میرے ساتھ والے بھی (یعنی میرے پاس بھی توحید اور رسالت کی دلیل ہے اور میرے ساتھ والے بھی استدلال کے ساتھ جو مجھ پر ایمان لاتے ہیں، میں کسی کو بغیر دلیل کی بات کی طرف نہیں بلاتا۔ دلیل سنو اور سمجھو۔ لہٰذا طریقہ کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ ایک ہے اور میں اسی کی طرف دعوت دینے والا ہوں) اور اللہ (شرک سے) پاک ہے اور میں (اس طریقہ کو قبول کرتا ہوں اور) مشرکوں میں سے نہیں ہوں (خلاصہ یہ ہوا کہ نبوت کے دعوی سے میرا مقصود اپنا بندہ بنانا نہیں بلکہ اللہ کا بندہ بنانا ہے، لیکن اس کا طریقہ اللہ کی طرف دعوت دینے والے کے ذریعہ بتایا جاتا ہے، لہٰذا مجھے دعوت دینے والا ماننا واجب ہے، جبکہ میرے پاس اس کی دلیل بھی ہے) اور (یہ جو نبوت پر شبہ کرتے ہیں کہ نبی کو فرشتہ ہونا چاہئے، محض بے کار بات ہے، کیونکہ) ہم نے آپ سے پہلے مختلف بستی والوں میں سے جتنے (رسول) بھیجے سب آدمی ہی تھے، جن کے پاس ہم وحی بھیجتے تھے (کوئی بھی فرشتہ نہیں تھا، جنھوں نے ان کو نہ مانا اور ایسے بے کار شک وشبے ظاہر کرتے رہے، انہیں سزائیں دی گئیں، اسی طرح انہیں بھی سزا دی جائے گی، چاہے دنیا میں یا آخرت میں۔ اور یہ لوگ جو بے فکر ہیں) تو کیا یہ لوگ ملک میں (کہیں) چلے پھرے نہیں کہ (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا کیسا (برا) انجام ہوا جو ان سے پہلے (کافر) گذر چکے ہیں (مطلب یہ کہ ان کی ہلاکت اور بدانجامی کی علامتوں کا مشاہدہ کر لیتے) اور (یاد رکھو کہ تم نے جس دنیا میں مشغول ہو کر کفر اختیار کر رکھا ہے، یہ دنیا بالکل گھٹیا اور فنا ہو جانے والی چیز ہے (ہاں آخرت کی دنیا ان لوگوں کے لئے بڑی کامیابی کی چیز ہے جو (شرک وغیرہ سے) احتیاط رکھتے ہیں (اور توحید اختیار کرتے ہیں) تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے (کہ فنا ہونے والی کا اختیار کرنا بہتر ہے یا باقی رہنے والی کا؟ اور اگر تمہیں عذاب کے آنے میں تاخیر کی وجہ سے اس کے واقع ہونے کا شبہ ہوتا ہو تو تمہاری غلطی ہے، اس لئے کہ گذشتہ امتوں کے کافروں کو بھی بڑی بڑی مہلتیں دی گئیں) یہاں تک کہ (مہلت کی مدت طویل ہونے کی وجہ سے) پیغمبر (اس بات سے) مایوس ہو گئے (کہ اللہ کے وعدہ کا جو وقت ہم نے اپنے اجتہاد سے متعین کر کے اپنے ذہنوں میں مقرر کر رکھا تھا ہمیں اس وقت اللہ کی مدد ونصرت حاصل نہیں ہو گی اور کافروں پر قہر نازل نہیں ہوگا) اور ان (پیغمبروں) کو غالب گمان ہو گیا کہ (اللہ کے وعدہ کی حد مقرر کرنے میں) ہماری سمجھ اور عقل نے غلطی کی (کہ کسی واضح نص کے بغیر محض اپنے اندازوں سے مدد جلدی آنے کی محبت کے جوش میں قریب کا وقت متعین کر لیا، حالانکہ وعدہ مطلق ہے، ایسی مایوسی کی حالت میں) انہیں ہماری مدد پہنچی (وہ مدد یہ کہ کافروں پر عذاب آیا) پھر (اس عذاب سے) ہم نے جس کو چاہا اسے بچا لیا گیا (اس سے مؤمن مراد ہیں) اور (اس عذاب میں کافر ہلاک کر دیئے گئے، کیونکہ) ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے نہیں ہٹتا (بلکہ ان پر ضرور واقع ہوتا ہے، چاہے دیر سے ہی سہی، لہٰذا یہ مکہ کے کافر بھی اس دھوکہ میں نہ رہیں) ان (گذشتہ نبیوں اور امتوں) کے قصہ میں سمجھ دار لوگوں کے لئے (بڑی) عبرت ہے (کہ اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں کہ اطاعت کا یہ انجام ہے اور معصیت کا یہ) یہ قرآن (جس میں یہ قصے ہیں)

کوئی گھڑی ہوئی بات تو ہے نہیں (کہ اس سے عبرت نہ ہوتی) بلکہ اس سے پہلے جو آسمانی کتابیں نازل ہو چکی ہیں، یہ ان کی تصدیق کرنے والا ہے، اور (ضروری) بات کی تفصیل بیان کرنے والا ہے، اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے (لہٰذا ایسی کتاب میں عبرت کے جو مضمون ہوں گے، ان سے تو عبرت حاصل کرنا لازم ہی ہے)

فائدہ: ﴿ ظَنُّوْٓا ﴾ کے ترجمہ میں غالب گمان کا اعتبار اس صورت میں ہے کہ جو مدت ذہن میں مقرر کی گئی ہو اس کے گذرنے سے پہلے اس گمان کا اعتبار کیا جائے کہ مدد کی علامتیں نہ پانے سے گمان غالب ہو گیا ہو۔ اور اگر اس کے گذرنے کے بعد اس کا اعتبار کیا جائے تو ظن یقین کے معنی میں ہوگا۔ اور ایک معنی میں مایوسی بھی ظن یعنی گمان کے تحت ہی ہوگی۔ اور ایک حالت میں یقینی ہوگی۔ اور یہ ﴿ كُذِبُوْا ﴾ کی سب سے آسان اور سب سے بہتر تفسیر ہے، اور اس کی بنیاد نبیوں سے اجتہادی غلطی کا جائز ہونا ہے۔ چنانچہ حدیثوں میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے، خود ہمارے رسول مقبول ﷺ کا حدیبیہ کے سال یہ خواب دیکھنا کہ طواف کرنے کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ہیں اور اس ارادہ سے چلنا اور کامیاب نہ ہونا۔ رسولوں کی اس اجتہادی خطا کی نظیر ہے، اور ﴿ كُذِّبُوْا ﴾ میں ایک قراءت تشدید کے ساتھ ہے، جس کے معنی ہیں: جھٹلائے گئے، اس کے معنی کا حاصل یہ ہے کہ رسولوں کو شبہ ہوا کہ کہیں ایمان والے ہی جھٹلانے اور شک نہ کرنے لگیں۔ لہٰذا ظنی وہم اور اندیشہ کے معنی میں ہے اور ﴿ اَنَّهُمْ ﴾ اور ﴿ كُذِبُوْا ﴾ کی ضمیر رسل کی طرف ہے اور ﴿ كُذِبُوْا ﴾ کا فاعل اہل ایمان ہیں اور ﴿ اسْتَيْــٴَسَ ﴾ کے وہی معنی ہیں اور دونوں قراءتوں میں اور بھی کئی توجیہ ہیں، مگر سب سے آسان اور بہتر یہی ہیں جو بندہ نے اختیار کی ہیں۔ واللہ اعلم۔ اور اسی سے ملتی جلتی آیت سورۂ بقرہ آیت ۲۱۴ ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ ﴾ الخ گذر چکی ہے۔ اس کی تفسیر دیکھنے سے اس آیت کی تفسیر اور واضح ہو جائے گی۔

﴿ بروز جمعہ، بوقت چاشت ۲۷ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۲۴ھ کو سورۃ یوسف علیہ السلام کی تفسیر پوری ہوئی ﴾

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں۔

﴿ الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: ﴿ الٓمّٓرٰ ﴾ یہ آیتیں ہیں ایک بڑی کتاب کی۔ اور جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے یہ بالکل سچ ہے اور لیکن بہت سے آدمی ایمان نہیں لاتے۔

سورۃ الرعد مدنی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ﴿ وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ ﴾ الآیۃ کے سوا مکی ہے اور اس کی آیتیں ۴۵ ہیں جیسا کہ بیضاوی میں ہے۔ اس سورت کا حاصل یہ مضامین ہیں: توحید، رسالت، رسالت پر شبہات کے جواب، رسول اللہ ﷺ کو تسلی، قرآن کا حق ہونا، وعدہ وعید جس کی تفصیل آیتوں کے ربط کے بیان اور معنی سے معلوم ہوگی اور یہی مضامین مختصر طور پر سورۂ یوسف کی آخری آیتوں میں بیان ہوئے ہیں، لہٰذا سورت کا ربط پہلے والی سورت سے بھی اور آپس میں آیتوں میں بھی اس سے ظاہر ہو گیا۔

قرآن کا حق ہونا:

﴿ الٓمّٓرٰ ﴾ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) یہ (جو آپ سن رہے ہیں) ایک بڑی کتاب (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں، اور جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے، یہ بالکل سچ ہے اور (اس کا تقاضا یہ تھا کہ سب ایمان لاتے) لیکن بہت سے آدمی ایمان نہیں لاتے۔

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۞ وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۞ وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: اللہ ایسا ہے کہ اس نے آسمانوں کو بدوں ستون کے اونچا کھڑا کر دیا چنانچہ تم ان کو دیکھ رہے رہو، پھر عرش پر قائم ہوا اور آفتاب و مہتاب کو کام میں لگا دیا ہر ایک ایک وقتِ معین پر چلتا رہتا ہے۔ وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے، دلائل کو صاف بیان کرتا ہے تا کہ تم اپنے رب کے پاس جانے کا یقین کر لو۔ اور وہ ایسا ہے کہ اس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور نہریں پیدا کیں۔ اور اس میں ہر قسم کے پھلوں سے دو دو قسم کے پیدا کئے شب سے دن کو چھپا دیا۔ ان امور میں سوچنے والوں کے واسطے دلائل ہیں۔ اور زمین میں پاس پاس مختلف قطعے ہیں اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور ہیں، جن میں بعضے تو ایسے ہیں کہ ایک تنہ سے اوپر جا کر دو تنے ہو جاتے ہیں اور بعضے میں دو تنے نہیں ہوتے سب کو ایک ہی طرح کا پانی دیا جاتا ہے اور ہم ایک کو دوسرے پر پھلوں میں فوقیت دیتے ہیں۔ ان امور میں سمجھداروں کے واسطے دلائل ہیں۔

ربط: اوپر قرآن کے حق ہونے کا مضمون تھا، آگے توحید کا مضمون ہے جو کہ قرآن کے سب سے اعظم مقاصد میں سے ہے۔

توحید:

اللہ ایسا (قادر) ہے کہ اس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے کھڑا کر دیا۔ چنانچہ تم ان (آسمانوں) کو (اسی طرح) دیکھ رہے ہو، پھر عرش پر (جو سلطنت کے تخت کے مشابہ ہے، اس طرح) قائم (اور جلوہ فرما) ہوا (جو کہ اس کی شان کے لائق ہے) اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا (ان دونوں میں سے) ہر ایک (اپنے دائرہ میں) ایک معین وقت میں چلتا رہتا ہے (چنانچہ سورج اپنے دائرہ کو سال بھر میں پورا طے کر لیتا ہے اور چاند مہینہ بھر میں) وہی (اللہ) ہر کام کی (جو بھی عالم میں واقع ہوتا ہے) تدبیر کرتا ہے (اور) تکوین اور تشریع کی) دلیلوں کو صاف صاف بیان کرتا ہے تا کہ تم اپنے رب کے پاس جانے کا (یعنی بعث اور نشر کا) یقین کر لو (اس کے امکان کا تو اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ ایسی ایسی بڑی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو مردوں کو زندہ کرنے پر کیوں قادر نہ ہوگا؟ اور اس کے واقع ہونے کا یقین اس طرح کہ ایک خبر دینے والے سچے نے ایک ممکن امر کے واقع ہونے کی خبر دی، یقینی طور پر واقع ہونے والی ہے) اور وہ ایسا ہے کہ اس نے زمین کو پھیلایا اور اس (زمین) میں پہاڑ اور نہریں پیدا کئے اور اس میں ہر قسم کے پھلوں کی دو دو قسمیں پیدا کیں (مثلاً کھٹے اور میٹھے یا چھوٹے اور بڑے، کوئی کسی رنگ کا اور کوئی کسی رنگ کا، اور) رات (کے اندھیرے) سے دن (کی روشنی) کو چھپا دیتا ہے (یعنی رات کے اندھیرے سے دن کی روشنی چھپ جاتی اور ختم ہو جاتی ہے) ان امور میں (جن کا ذکر کیا گیا) سوچنے والوں کے (سمجھنے کے) لئے (توحید پر) دلیلیں موجود ہیں (جن کا بیان سورۃ البقرہ آیت ۱۶۴ میں گذرا ہے) اور اسی طرح توحید کی اور بھی دلیلیں ہیں چنانچہ) زمین میں پاس پاس (اور) مختلف قطعے ہیں (جن کے آپس میں ملے ہونے کے باوجود مختلف اثرات ہونا عجیب بات ہے) اور انگوروں کے باغ ہیں (اور مختلف) کھیتیاں ہیں اور کھجور (کے درخت)

ہیں جن میں بعض تو ایسے ہیں کہ ایک تنے سے اوپر جا کر دو تنے ہو جاتے ہیں اور بعض میں دو تنے نہیں ہوتے (بلکہ جڑ سے شاخوں تک ایک ہی تنا چلا جاتا ہے اور) سب کو ایک ہی طرح کا پانی دیا جاتا ہے اور (اس کے باوجود پھر بھی) ہم ایک کو دوسرے پر پھلوں میں فوقیت دیتے ہیں۔ ان (مذکورہ) امور میں (بھی) سمجھ داروں کے (سمجھنے کے) لئے (توحید کی) دلیلیں (موجود) ہیں۔

فائدہ: ﴿ تَرَوْنَهَا ﴾ سے ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو اوپر نظر آتا ہے، آسمان ہے اور فلسفی لوگ جو محسوس ہونے والے اس رنگ کو روشنی اور اندھیرے کی ملاوٹ کا اثر بتاتے ہیں۔ ہم اس کا انکار نہیں کرتے، لیکن اگر اس کے باوجود اسی میں آسمان کا رنگ بھی نظر آتا ہو تو تعجب کی کیا بات ہے، چاہے وہ رنگ اسی کے مناسب ہو، جیسا کہ حدیث: ما اظلت الخضراء: سے معلوم ہوتا ہے اور یا کوئی دوسرا رنگ ہو کہ ملاوٹ کی وجہ سے ایسا محسوس ہونے لگا ہو۔ جیسے ایک سفید کپڑے کے سامنے دو آئینے ہوں: ایک سفید، دوسرا سیاہ تو ان دونوں کے اندر سے وہ کپڑا بھی نظر آتا ہے اگرچہ اصلی رنگ پر نہ سہی، لہٰذا اس صورت میں اس کو خضراء عارض کے اعتبار سے فرمادیا۔ اور آیت ﴿ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴾ سے بھی ظاہر میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ آسمان نظر آتا ہے۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ دکھائی دینا حکم کے اعتبار سے ہے، حقیقت کے اعتبار سے نہیں یعنی دلیلوں سے اس کا وجود اور صفت و کیفیت ایسی معلوم ہے جیسے کہ دیکھ لیا۔ واللہ اعلم

فائدہ: لفظ ﴿ صِنْوَانٌ ﴾ کے ترجمہ میں دو تنہ کی تخصیص مثال کے طور پر ہے۔ ورنہ بعض میں تین چار اور زیادہ بھی پائے جاتے ہیں اور پھر ہر ایک میں پٹھے الگ الگ نکلتے ہیں اور پھر پھل الگ الگ لگتے ہیں۔

﴿ وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَإِذَا كُنَّا تُرَابًا ءَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلَاتُ ۗ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: اور اگر آپ کو تعجب ہو تو ان کا یہ قول تعجب کے لائق ہے کہ جب ہم خاک ہو گئے کیا ہم پھر از سر نو پیدا ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ انھوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا اور ایسے لوگوں کی گردنوں میں طوق ڈالے جاویں گے اور ایسے لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ لوگ عافیت سے پہلے آپ سے مصیبت کا تقاضا کرتے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے واقعاتِ عقوبت گذر چکے ہیں۔ اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ آپ کا رب لوگوں کی خطائیں باوجود ان کی بیجا حرکتوں کے معاف کر دیتا ہے اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ آپ کا رب سخت سزا دیتا ہے۔ اور یہ کفار یوں کہتے ہیں کہ ان پر خاص معجزہ

کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ آپ صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ہادی ہوتے چلے آئے ہیں۔

ربط: اوپر توحید کو ثابت کیا گیا تھا۔ آگے کافروں کے ان شبہات کا جواب ہے جو نبوت سے متعلق تھے، ساتھ ہی وعید بھی ہے، اور وہ تین شبہے تھے: اول: وہ لوگ مرنے کے بعد اٹھائے جانے کو محال سمجھتے تھے، اور اس سے نبوت کی نفی پر استدلال کرتے تھے، جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ دوسرا شبہ یہ تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو نبوت کے انکار پر آپ جس عذاب کی وعید سناتے ہیں، وہ کیوں نہیں آتا؟ جیسا کہ نقل فرمایا: ﴿اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ﴾ الخ تیسرا شبہ یہ تھا کہ جن معجزوں کی ہم فرمائش کرتے ہیں وہ کیوں ظاہر نہیں کئے جاتے؟ آیت ﴿وَاِنْ تَعْجَبْ﴾ الخ میں پہلے شبہ کو رد کیا گیا ہے۔ اور آیت ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ﴾ الخ میں دوسرے شبہ کو اور ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ الخ میں تیسرے شبہ کا جواب ہے، جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے۔

نبوت پر اعتراضات کا جواب:

اور (اے محمد! ﷺ) اگر آپ کو (ان لوگوں کے مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے انکار کی وجہ سے) تعجب ہو تو (واقعی) ان کا یہ قول تعجب کے لائق ہے کہ جب ہم (مرنے کے بعد) خاک ہو گئے تو کیا (خاک ہونے کے بعد) ہم پھر (قیامت میں) نئے سرے سے پیدا ہوں گے (تعجب کے لائق اس لئے کہ جو ذات ایسی چیزوں کو پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے تو اس کے لئے ان کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ اور اسی سے بعث یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو محال سمجھنے کا اور نبوت کے انکار کا بھی جواب ہو گیا، جس کی بنیاد وہ محال سمجھنا تھا۔ ایک کے جواب سے دوسرے کا جواب ہو گیا۔ آگے ان کے لئے وعید ہے کہ) یہ وہ لوگ ہیں کہ انھوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا (کیونکہ بعث کے انکار کے ذریعہ اس کی قدرت کا انکار کیا۔ اور نبوت کے انکار سے (بعث کا) جو لازم تھا، بعث کے انکار کے ذریعہ حق تعالیٰ کی صفت حق کی تائید کا انکار کیا کہ جھوٹے شخص کے ہاتھ پر معجزوں کا اظہار باطل کی تائید اور حق میں ملاوٹ کی ایک قسم ہے) اور ایسے لوگوں کی گردنوں میں (دوزخ میں) طوق ڈالے جائیں گے۔ اور ایسے لوگ جہنمی ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ لوگ عافیت (کی میعاد ختم ہونے) سے پہلے آپ سے مصیبت (کے نازل ہونے) کا تقاضا کرتے ہیں (کہ اگر آپ نبی ہیں تو جلدی سے عذاب منگا دیجئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عذاب کے واقع ہونے کو بھی ناممکن سمجھتے ہیں) حالانکہ ان سے پہلے (دوسرے کافروں پر) عذاب و سزا کے واقعات گذر چکے ہیں (پھر ان پر آجانا کونسا ناممکن ہے) اور (اللہ تعالیٰ کے غفور اور رحیم ہونے کو سن کر یہ لوگ مغرور نہ ہو جائیں کہ اب ہمیں عذاب نہ ہوگا، کیونکہ وہ صرف غفور و رحیم ہی نہیں ہیں اور پھر سب کے لئے غفور و رحیم نہیں ہیں، بلکہ دونوں باتیں اپنے اپنے موقع پر ظاہر

ہوتی ہیں یعنی (یہ بات بھی یقینی ہے کہ آپ کا رب لوگوں کی خطائیں، ان کی (ایک خاص درجہ کی) بیجا حرکتوں کے باوجود معاف کر دیتا ہے۔ اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ آپ کا رب سخت سزا دیتا ہے (یعنی اس میں دونوں صفتیں ہیں، اور ہر ایک کے ظاہر ہونے کی شرطیں اور اسباب ہیں، لہٰذا انھوں نے بلاوجہ خود کو رحمت اور مغفرت کا مستحق کیسے سمجھ لیا، بلکہ ان کے لئے ان کے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ﴿لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ سخت پکڑ کرنے والا ہے) اور یہ کافر لوگ (نبوت پر طعنہ کی غرض سے) یوں (بھی) کہتے ہیں کہ ان پر خاص معجزہ (جو ہم چاہتے ہیں) کیوں نہیں نازل کیا گیا (اور یہ اعتراض کھلی حماقت ہے، کیونکہ آپ معجزوں کے مالک نہیں بلکہ) آپ صرف (اللہ کے عذاب سے کافروں کو) ڈرانے والے (یعنی نبی) ہیں (اور نبی کے لئے مطلق معجزہ کی ضرورت ہے جو کہ ظاہر ہو چکا ہے، نہ کہ خاص معجزہ کی) اور (آپ کوئی انوکھے نبی نہیں ہوئے، بلکہ گذشتہ امتوں میں سے) ہر قوم کے لئے ہادی ہوتے چلے آئے ہیں (ان میں بھی یہی قاعدہ چلا آیا ہے کہ نبوت کے دعویٰ کے لئے مطلق دلیل کو کافی قرار دیا گیا۔ خاص دلیل کی پابندی نہیں ہوئی)

فائدہ: آیت میں آنے والا لفظ ہادی عام ہے، نبی کے لئے بھی اور نائب نبی کے لئے بھی، لہٰذا برصغیر ہند میں مطلق ہادی کے آنے سے اس کا نبی ہونا لازم نہیں آتا، البتہ احتمال یعنی امکان ہے، اس سلسلہ میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔

﴿اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝﴾

سجدہ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو سب خبر رہتی ہے جو کچھ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور جو کچھ رحم میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ اور ہر شئے اللہ کے نزدیک ایک خاص انداز سے ہے۔ وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے، سب سے بڑا عالی شان ہے۔ تم میں سے جو شخص کوئی بات چپکے سے کہے اور جو پکار کر کہے اور جو شخص رات میں کہیں چھپ جاوے اور جو دن میں چلے پھرے یہ سب برابر ہیں۔ ہر شخص کے لئے کچھ فرشتے ہیں جن کی بدلی ہوتی رہتی ہے، کچھ اس کے آگے اور کچھ اس کے پیچھے کہ وہ بحکمِ خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ واقعی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدل دیتے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت ڈالنا تجویز کر لیتا ہے تو پھر اس کے ہٹنے کی کوئی صورت ہی نہیں اور کوئی خدا کے سوا ان کا مددگار نہیں رہتا۔ وہ ایسا ہے کہ تم کو بجلی دکھلاتا ہے جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور امید بھی ہوتی ہے اور وہ بادلوں کو بلند کرتا ہے جو پانی سے بھرے ہوتے ہیں۔ اور رعد اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتا ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے اور وہ بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہے گرا دیتا ہے اور وہ لوگ اللہ کے باب میں جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ بڑا شدید القوت ہے۔ سچا پکارنا اسی کے لئے خاص ہے۔ اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کی درخواست کو اس سے زیادہ منظور نہیں کر سکتے جتنا پانی اس شخص کی درخواست کو منظور کرتا ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوتا ہے کہ وہ اس کے منہ تک آ جاوے اور وہ اس کے منہ تک آنے والا نہیں اور کافروں کی درخواست کرنا محض بے اثر ہے۔ اور اللہ ہی کے سامنے سب سر خم کئے ہیں جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں، خوشی سے اور مجبوری سے اور ان کے سائے بھی صبح اور شام کے وقتوں میں، آپ کہئے کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہے۔ آپ یہ کہئے کہ کیا پھر بھی تم نے خدا کے سوا دوسرے مددگار قرار دے رکھے ہیں جو خود اپنی ذات کے نفع نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے؟ آپ یہ کہئے کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے یا کہیں تاریکی اور روشنی برابر ہو سکتی ہے؟ یا انھوں نے اللہ کے ایسے شریک قرار دے رکھے ہیں کہ انھوں نے بھی پیدا کیا ہو جیسا خدا پیدا کرتا ہے، پھر ان کو پیدا کرنا ایک سا معلوم ہوا ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی واحد ہے غالب ہے۔

ربط: اوپر نبوت کی بحث سے پہلے توحید کا مضمون تھا۔ آگے پھر اس کی طرف لوٹا جا رہا ہے کہ ﴿ اَللّٰهُ يَعْلَمُ ﴾ الخ میں اپنا وسیع علم والا ہونا اور ﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ ﴾ الخ میں اپنا مخلوق کا محافظ ہونا۔ ﴿ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ ﴾ الخ میں اپنا عظیم شان والا ہونا۔ ﴿ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ﴾ الخ میں اپنا دعاؤں کو قبول کرنے والا (مجیب الدعوات) ہونا، ﴿ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ ﴾ الخ میں اپنا قادر مطلق ہونا اور ﴿ قُلْ مَنْ رَّبُّ ﴾ الخ میں اپنا خالق ہونا بیان فرمایا۔

توحید کی طرف واپسی:

اللہ تعالیٰ (کا علم ایسا وسیع ہے کہ اس) کو سب خبر رہتی ہے جو کچھ کسی عورت کو حمل رہتا ہے (یعنی لڑکا ہے یا لڑکی ہے)

اور جو کچھ (ان عورتوں کے) رحم میں کمی یا زیادتی ہوتی ہے (بچہ میں یا مدت میں، مثلاً کبھی ایک بچہ ہوتا ہے کبھی زیادہ، کبھی جلدی ہوتا ہے، کبھی دیر میں) سب سے بڑا اور علی شان ہے، تم میں سے جو شخص کوئی بات چپکے سے کہے اور جو پکار کر کہے اور جو شخص رات میں کہیں چھپ جائے اور جو دن میں چلے پھرے۔ یہ سب (اللہ کے حکم میں) برابر ہیں (یعنی سب کو یکساں طور پر جانتا ہے، اور جس طرح تم میں سے ہر شخص کو جانتا ہے، اسی طرح ہر ایک کی حفاظت بھی کرتا ہے، چنانچہ تم میں سے) ہر شخص (کی حفاظت) کے لئے کچھ فرشتے (مقرر) ہیں جن کی بدلی ہوتی رہتی ہے، کچھ اس کے آگے اور کچھ اس کے پیچھے کہ وہ اللہ کے حکم سے (بہت سی بلاؤں سے) اس کی حفاظت کرتے ہیں (اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھ جائے کہ جب فرشتے ہمارے محافظ ہیں تو پھر جو چاہے کرو، چاہے کوئی گناہ یا کفر۔ کسی طرح عذاب نازل ہی نہ ہوگا، یہ سمجھنا بالکل غلط ہے، کیونکہ) واقعی اللہ تعالیٰ (اول تو کسی کو عذاب دیتا نہیں، چنانچہ اس کی عادت ہے کہ وہ) کسی قوم کی (اچھی) حالت میں تبدیلی نہیں کرتا، جب تک کہ وہ لوگ خود اپنی (اچھائی و بھلائی کی) حالت کو نہیں بدل دیتے (مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنی نیکی و بھلائی میں خلل ڈالنے لگتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان پر مصیبت اور سزا تجویز کردی جاتی ہے) اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت ڈالنے کا ارادہ کرلیتا ہے تو پھر اس کے ہٹنے کی کوئی صورت ہی نہیں (وہ واقع ہو ہی جاتی ہے) اور (ایسے وقت میں) اللہ کے سوا (جن کی حفاظت کی امید بالیقین پر انہیں زعم ہے) ان کا مددگار نہیں رہتا (یہاں تک کہ فرشتے بھی ان کی حفاظت نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی تو حفاظت ان کے کام نہیں آسکتی) وہ ایسا (عظیم شان والا) ہے کہ تمہیں بارش کے وقت بجلی (چمکتی ہوئی) دکھاتا ہے جس سے (اس کے گرنے کا) ڈر بھی ہوتا ہے، اور (اس سے بارش کی) امید بھی ہوتی ہے اور وہ بادلوں کو (بھی) بلند کرتا ہے جو پانی سے بھرے ہوتے ہیں، اور رعد (فرشتہ) اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتا ہے اور (دوسرے) فرشتے بھی اس کے خوف سے (اس کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں) اور وہ (زمین کی طرف) بجلیاں بھیجتا ہے، پھر جس پر چاہے گرا دیتا ہے اور وہ لوگ اللہ کے بارے میں (یعنی اس کی توحید میں اس کے ایسے عظیم شان والا ہونے کے باوجود) جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ بڑی سخت قدرت والا ہے (کہ جس سے ڈرنا چاہئے، مگر یہ لوگ ڈرتے نہیں، اور اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اور وہ ایسا دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے کہ) سچا پکارنا اسی کے لئے خاص ہے (کیونکہ اسے قبول کرنے کی قدرت ہے) اور اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ (اپنی حاجتوں اور مصیبتوں میں پکارتے ہیں، وہ (قدرت نہ ہونے کی وجہ سے) ان کی درخواست کو اس سے زیادہ منظور نہیں کرسکتے جتنا پانی اس شخص کی درخواست کو منظور کرتا ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو (اور اسے اشارہ سے اپنی طرف بلا رہا ہو) تاکہ وہ (پانی اڑ کر) اس کے منہ تک آجائے۔ اور وہ (اپنے آپ کسی بھی طرح) اس کے منہ تک آنے والا نہیں (لہٰذا جس طرح پانی ان کی درخواست قبول کرنے سے عاجز ہے، اسی طرح ان کے معبود عاجز ہیں) اگر وہ بے روح اور بے جان ہیں تب تو ظاہر ہے اور اگر وہ جاندار ہیں تب بھی قادر حقیقی کے سامنے تو عاجز ہی ہیں) اور (چونکہ وہ معبود ان کی

درخواست قبول کرنے سے عاجز ہیں، اس لئے) کافروں کا (ان سے) درخواست کرنا بالکل بے اثر ہے۔ اور اللہ ہی (ایسا قادر مطلق ہے کہ اسی) کے سامنے سب سر جھکائے ہوئے ہیں۔ جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں (بعض) خوشی سے اور (بعض) مجبوری سے (خوشی سے یہ کہ اپنے اختیار سے عبادت کرتے ہیں اور مجبوری کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس مخلوق میں جو تصرف کرنا چاہتے ہیں، وہ اس کی مخالفت نہیں کرسکتا) اور ان (زمین والوں) کے سائے بھی (سر جھکائے ہوئے ہیں) صبح اور شام کے وقتوں میں (یعنی سائے کو جتنا چاہیں بڑھائیں اور جتنا چاہیں گھٹائیں۔ اور صبح و شام کے وقت چونکہ ان کا بڑھنا اور گھٹنا زیادہ ظاہر ہوتا ہے، اس لئے تخصیص کی گئی۔ ورنہ سایہ بھی اس معنی میں ہر طرح سے مطیع ہے۔ اور چونکہ اوپر والی صفتوں کی طرح وہ تمام عالم کا خالق پیدا کرنے والا بھی ہے۔ اس لئے اس مضمون کے بیان اور تحقیق کے لئے) آپ (ان سے یوں) کہئے کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار (یعنی ایجاد کرنے والا اور باقی رکھنے والا، خالق اور حافظ) کون ہے (اور چونکہ اس کا جواب متعین ہے، اس لئے جواب بھی آپ ہی دیدیجئے) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہے (پھر) آپ یہ کہئے کہ کیا (توحید کی یہ دلیلیں سن کر) پھر بھی تم نے اللہ کے سوا دوسرے مددگار (معبود) قرار دے رکھے ہیں، جو (انتہائی عاجزی اور مجبوری کی وجہ سے) خود اپنی ذات کے نفع نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے (اور پھر شرک کو باطل اور توحید کو حق قرار دینے کے بعد اہل توحید اور اہل شرک اور خود توحید اور شرک کے درمیان فرق کے اظہار کے لئے) آپ یہ (بھی) کہئے کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہوسکتا ہے؟ (یہ شرک کرنے والے اور توحید کا عقیدہ رکھنے والے کی مثال ہے) یا کہیں اندھیرا اور روشنی برابر ہوسکتے ہیں؟ (یہ شرک اور توحید کی مثال ہے) یا انھوں نے اللہ کے ایسے شریک قرار دے رکھے ہیں کہ انھوں نے بھی (کسی چیز کو) پیدا کیا ہو، جیسا کہ اللہ (ان کے اعتراف کے مطابق بھی پیدا کرتا ہے۔ پھر (اس وجہ سے) انہیں (دونوں کا) پیدا کرنا ایک جیسا معلوم ہوا ہو (اور اس سے استدلال کیا ہو کہ جب دونوں ایک ہی جیسے خالق ہیں تو دونوں ایک ہی جیسے معبود بھی ہوں گے، تو اس کے متعلق بھی) آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی (اپنی ذات و صفات کے کمال میں) واحد ہے (اور ساری مخلوقات پر) غالب ہے۔

فائدہ: ﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ ﴾ الخ سے جو شبہ پیدا ہوا تھا، اس کے جواب کے لئے اگرچہ صرف ﴿ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا ﴾ کافی ہے مگر ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ ﴾ الخ کا فائدہ یہ ہے کہ نیکی اسی شبہ کا ایک منشا تھا جو ﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ ﴾ سے پیدا ہوا تھا۔ یعنی بعض صورتوں میں تبدیلی نہ ہونے کو دیکھ کر بھی دھوکہ ہوسکتا تھا کہ کسی صورت میں تبدیلی واقع نہ کی جائے گی۔ اس لئے تبدیلی کی یقینی نفی کی ایک حد بیان کردی گئی، جیسا کہ یہ سب ترجمہ کی وضاحت سے ظاہر ہے۔

اور بعض لوگوں کو وسوسہ ہوا ہے کہ فرشتوں کی حفاظت کے باوجود بعض حادثات کیوں واقع ہوجاتے ہیں؟ جواب ظاہر ہے کہ اس میں ﴿ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾ کی قید ہے۔ لہٰذا جب کسی حکمت کی وجہ سے جس کی تعیین کا ہمیں علم ہونا ضروری نہیں، حفاظت کا حکم نہیں ہوتا۔ وہ ملائکہ اپنا حفاظت والا کام نہیں کرتے۔

اور اگر کسی کو یہ وسوسہ ہو کہ حفاظت تو ویسے بھی ہو سکتی تھی، فرشتوں کے مقرر کرنے کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورت نہ ہونے سے حکمت کا نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ دوسرے اسباب کی طرح اس میں بھی حکمتیں ہوں گی۔

اور اگر کسی کو یہ وسوسہ ہو کہ بعض اوقات دیکھا جاتا ہے کہ گناہوں کے ارتکاب کے باوجود عافیت اور نعمت زائل نہیں ہوتی اور بعض اوقات گناہوں سے بچنے کے باوجود عافیت اور نعمت زائل ہو جاتی ہے۔ اور یہ دونوں امر ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ﴾ الخ کے تقاضے کے خلاف ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلا امر تو ظاہر میں بھی اس کے تقاضہ کے خلاف نہیں، کیونکہ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی حالت کی تبدیلی سے ہم ضرور تبدیلی کر دیں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی تبدیلی کے بغیر ہم تبدیلی نہیں کریں گے، لہٰذا پہلا امر تو ظاہر ہے کہ اس مطلب کے خلاف نہیں۔ اور دوسرا امر بھی ذرا سے غور و فکر سے مطلب کے خلاف معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ ﴿مَا بِقَوْمٍ﴾ سے مراد اللہ کی رحمت اور اس کی تبدیلی سے مراد غضب اور ناراضی ہے، جیسے ﴿مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ سے مراد طاعت اور اس کی تبدیلی سے مراد معصیت ہے۔ اس طرح آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ہم بغیر گناہ و نافرمانی کے ناراض نہیں ہوتے، لہٰذا گناہ اور نافرمانی سے بچنے میں ناراضی کی نفی یقینی ہے، لیکن عافیت اور نعمت کی نفی کا وعدہ نہیں۔ چنانچہ دوسرا امر آیت کے مطلب کے خلاف نہیں۔ اور اس بنیاد پر پہلے امر کے خلاف نہ ہونے کی اور بھی تقریر ممکن ہے کہ گناہ اور نافرمانی کے ارتکاب سے چاہے ظاہری نعمت اور عافیت زائل نہ ہو، لیکن حق تعالیٰ کی ناراضی کسی درجہ میں تو ضرور ہو جاتی ہے، چنانچہ روح المعانی میں ابن ابی شیبہ، ابوالشیخ اور ابن مردویہ کی روایت سے ایک حدیث قدسی مرفوعاً حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، جس میں اس مضمون کی وضاحت ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: **وعزتي و جلالي و ارتفاعي فوق عرشي ما من أهل القرية ولا أهل بيت ولا رجل ببادية كانوا على ما كرهت من معصيتي ثم تحولوا عنها إلى ما اجبت من طاعتي إلا تحولت لهم عما يكونون من عذابي إلى ما يحبون من رحمتي وما من أهل قرية ولا أهل بيت ولارجل ببادية كانوا على ما أجبت من طاعتي ثم تحولوا عنها إلى ما كرهت من معصيتي إلا تحولت لهم عما يحبون من رحمتي إلى مايكرهون من عذابي:**

(قسم ہے میری عزت کی اور میرے جلال کی اور میرے اپنے عرش پر بلند ہونے کی، کوئی بھی آبادی و بستی والا اور گھر والا اور جنگل میں رہنے والا ایسا نہیں کہ وہ میری نافرمانی کے اس امر پر ہو جس کو میں ناپسند کرتا ہوں۔ پھر اس سے رخ پھیر کر اس امر پر آ جائے جس کو میں اپنی طاعت و فرماں برداری سے پسند کرتا ہوں، مگر یہ کہ میں انہیں اپنے اس عذاب سے جسے وہ ناپسند کرتے ہیں اپنی اس رحمت کی طرف پھیر دیتا ہوں جس کو وہ پسند کرتے ہیں، اور کوئی بھی آبادی و بستی والا اور گھر والا اور جنگل میں رہنے والا ایسا نہیں کہ وہ میری اطاعت و فرماں برداری کے اس امر پر ہو جسے میں پسند کرتا ہوں، پھر اس سے رخ پھیر کر میری نافرمانی کے اس امر پر آ جائے جس کو میں ناپسند کرتا ہوں مگر یہ کہ میں اپنی رحمت سے جس کو وہ پسند کرتے ہیں اپنے اس عذاب کی طرف پھیر دیتا ہوں جسے وہ ناپسند کرتے ہیں) اور اس تفسیر سے ایک اور وسوسہ زائل ہو گیا کہ بعض

آیتوں اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ خاص گناہوں کی وجہ سے کبھی عام پکڑ بھی ہو جاتی ہے تو غیر گنہ گار کا پکڑا جانا بظاہر ﴿ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ ﴾ الخ کے مطلب کے خلاف ہے۔ زوال کی وجہ ظاہر ہے کہ اگر یہ پکڑے جانے والے لوگ قدرت کے باوجود لاپروائی کرتے تھے تب تو یہ بھی ایک گناہ و نافرمانی کے مرتکب تھے۔ تب کوئی اشکال ہی نہیں۔ اور اگر اس سے بھی محفوظ تھے تو وہ صرف دیکھنے میں پکڑ کی صورت ہے۔ اصل میں غضب اور ناراضی نہیں ہے۔ لہٰذا دونوں ایک دوسرے کے خلاف نہیں۔

اور آیت کے ظاہر میں رعد کا ذکر فرشتوں کے ساتھ کیا گیا۔ اور ترمذی کی مرفوع حدیث کی تصریح سے رعد کا ایک فرشتہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور اسی حدیث سے برق کا اس فرشتہ کے ہاتھ میں آگ کا ایک تازیانہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس میں بعض نے ایک اشکال عقلی اور ایک نقلی کیا ہے۔ نقلی یہ کہ سورۂ بقرہ میں رعد نکرہ آیا ہے تو اگر یہ علم یعنی نام ہوتا تو نکرہ نہ آتا اور عقلی یہ کہ فلسفیوں نے اس کے خلاف ذکر کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رعد جس طرح ایک فرشتہ کا نام ہے، ایسے ہی رعد اس فرشتہ کی آواز کو بھی کہتے ہیں، لہٰذا نکرہ سے مراد اس کی آواز ہے۔ اور عقلی اشکال کا جواب یہ ہے کہ اگر اس آواز کا ظاہری سبب فلسفیوں کے قول کے مطابق ہو اور حقیقی سبب شریعت کی دی ہوئی خبر کے مطابق ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں۔ چنانچہ انسان کی آواز کا ظاہری سبب قطع وقرع خاص (زبان کا اٹھنا اور مخرج پر لگنا) ہے اور حقیقی سبب اس کی روح ہے۔ اسی طرح یہاں ہونا بھی کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اور یہ کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ کبھی یہ سبب ہو اور کبھی وہ ہو۔ کیونکہ ایک امر کے اسباب کا کئی ہونا جائز ہے۔ اسی طرح برق کی حقیقت تو وہی ہو جو فلاسفہ کہتے ہیں مگر وہ اس فرشتہ کے قبضہ میں ہو تو اس میں بھی کوئی تعجب نہیں، یا کبھی یہ ہو اور کبھی وہ ہو۔ خوب سمجھ لو۔ واللہ اعلم

﴿ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَۃٌۢ بِقَدَرِھَا فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًا ؕ وَمِمَّا یُوْقِدُوْنَ عَلَیْہِ فِی النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْیَۃٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُہٗ ؕ کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۬ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْھَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ ؕ کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے پانی نازل فرمایا پھر نالے اپنی مقدار کے موافق چلنے لگے۔ پھر وہ سیلاب خس وخاشاک بہا لایا جو اس کے اوپر ہے۔ اور جن چیزوں کو آگ کے اندر زیور یا اور اسباب بنانے کی غرض سے تپاتے ہیں اس میں بھی ایسا ہی میل کچیل ہے۔ اللہ تعالیٰ حق اور باطل کی اسی طرح مثال بیان کر رہا ہے۔ سو جو میل کچیل تھا وہ تو پھینک دیا جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کے لئے کار آمد ہے وہ دنیا میں رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں بیان کیا کرتے ہیں۔

ربط: اوپر توحید کے حق ہونے اور شرک کے باطل ہونے کا ذکر تھا۔ اب اس حق اور باطل کی دو مثالوں کا ذکر ہے جیسا کہ اوپر بھی ایک مثال نور اور تاریکی کے ساتھ بیان ہوئی۔

حق اور باطل کی مثال:

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے پانی نازل فرمایا، پھر (اس پانی سے) نالے (بھر کر) اپنی مقدار کے مطابق چلنے لگے (یعنی چھوٹے نالے میں تھوڑا پانی اور بڑے نالے میں زیادہ، پھر وہ سیلاب (کا پانی) کوڑا کرکٹ بہا لایا جو اس (پانی) کی (سطح کے) اوپر (آ رہا) ہے (ایک کوڑا کرکٹ تو یہ ہے) اور جن چیزوں کو آگ کے اندر (رکھ کر) زیور یا دوسری چیزیں (برتن وغیرہ) بنانے کی غرض سے تپاتے ہیں، اس میں بھی ایسا ہی میل کچیل (اوپر آ جاتا) ہے (ان دو مثالوں میں دو چیزیں ہیں: ایک کام کی چیز کہ اصل پانی اور اصل مال ہے، اور ایک بے کار ردنا کارہ کہ کوڑا کرکٹ ہے۔ غرض) اللہ تعالیٰ حق (یعنی توحید اور ایمان وغیرہ) اور باطل (یعنی کفر و شرک وغیرہ) کی اسی طرح مثال بیان کر رہا ہے (جو اگلے مضمون سے پوری ہوتی ہے) تو (ان دونوں مثالوں میں) جو میل کچیل تھا، وہ تو پھینک دیا جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کے کام کی ہے وہ دنیا میں (فائدہ پہنچانے کے ساتھ) رہتی ہے (اور جس طرح اس حق و باطل کی مثال بیان کی گئی) اللہ تعالیٰ اسی طرح (ہر ضروری مضمون میں) مثالیں بیان کیا کرتے ہیں۔

فائدہ: دونوں مثالوں کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح ان مثالوں میں کسی حد تک میل کچیل اصلی چیز کے اوپر نظر آتا ہے، لیکن اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اسے پھینک دیا جاتا ہے، اور اصلی چیز رہ جاتی ہے، اسی طرح باطل چاہے کسی حد تک حق کے اوپر غالب نظر آئے، لیکن آخر کار باطل مغلوب ہو جاتا اور مٹ جاتا ہے اور حق باقی اور ثابت رہ جاتا ہے، جیسا کہ جلالین میں ہے۔

﴿ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ ۝ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَن صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ ۝ سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ ۚ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَالَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۙ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝ ﴾

ع

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے رب کا کہنا مان لیا ان کے واسطے اچھا بدلہ ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کا کہنا نہ مانا ان

کے پاس اگر تمام دنیا بھر کی چیزیں ہوں اور اس کے ساتھ اسی کی برابر اور بھی ہو تو وہ سب اپنی رہائی کے لئے دے ڈالیں۔ ان لوگوں کا سخت حساب ہوگا اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور وہ برا قرار گاہ ہے۔ جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے وہ سب حق ہے کیا ایسا شخص اس کی طرح ہو سکتا ہے جو کہ اندھا ہے؟ پس نصیحت تو سمجھدار ہی لوگ قبول کرتے ہیں۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ سے جو کچھ انھوں نے عہد کیا ہے اس کو پورا کرتے ہیں اور عہد کو توڑتے نہیں اور یہ ایسے ہیں کہ اللہ نے جن علاقوں کے قائم رکھنے کا حکم کیا ہے ان کو قائم رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور سخت عذاب کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ اور یہ لوگ ایسے ہیں کہ اپنے رب کی رضامندی کے جویاں رہ کر مضبوط رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے، اس میں سے چپکے بھی اور ظاہر کر کے بھی خرچ کرتے ہیں اور بدسلوکی کو حسنِ سلوک سے ٹال دیتے ہیں۔ اس جہاں میں نیک انجامی ان لوگوں کے واسطے ہے یعنی ہمیشہ رہنے کی جنتیں، جن میں وہ لوگ بھی داخل ہونگے اور ان کے ماں باپ اور بیبیوں اور اولاد میں جو لائق ہونگے وہ بھی داخل ہونگے اور فرشتے ان کے پاس ہر دروازہ سے آتے ہونگے کہ تم صحیح سلامت رہو گے بدولت اس کے کہ تم مضبوط رہے تھے، سو اس جہان میں تمہارا انجام بہت اچھا ہے۔ اور جو لوگ خدا تعالیٰ کے معاہدوں کو ان کی پختگی کے بعد توڑتے ہیں اور خدا تعالیٰ نے جن علاقوں کے قائم رکھنے کا حکم فرمایا ہے، ان کو قطع کرتے ہیں اور دنیا میں فساد کرتے ہیں ایسے لوگوں پر لعنت ہوگی اور ان کے لئے اس جہان میں خرابی ہوگی۔

ربط: اوپر مثالوں کے ذریعہ حق اور باطل کا حال بیان فرمایا تھا۔ اب اہل حق اور اہل باطل کا حال صفت کے اعتبار سے یعنی ہدایت و گمراہی، اور بعض اچھے اور برے اعمال کے اعتبار سے اور جزاء یعنی ثواب و عذاب کے اعتبار سے بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ اوپر اندھے اور دیکھنے والے کی مثال میں بھی مختصر طور پر ان کا ہدایت اور گمراہی کا حال بیان کیا گیا تھا۔

اہل حق اور اہل باطل کی بعض صفات اور انجام:

جن لوگوں نے اپنے رب کا کہنا مان لیا (اور توحید اور طاعت کو اختیار کر لیا) ان کے واسطہ اچھا بدلہ (یعنی جنت مقرر) ہے اور جن لوگوں نے اس کا کہنا نہ مانا (اور کفر اور نافرمانی پر قائم رہے) ان کے پاس (قیامت کے دن) اگر دنیا بھر کی تمام چیزیں (موجود) ہوں اور (بلکہ) اس کے ساتھ اسی کے برابر اور بھی (مال و دولت) ہو تو سب کچھ اپنی رہائی کے لئے دے ڈالیں، ان لوگوں کا سخت حساب ہوگا (جسے دوسری آیت میں حساب عسیر فرمایا ہے) اور ان کا ٹھکانا (ہمیشہ کے لئے) جہنم ہے، اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے وہ سب حق ہے، کیا ایسا شخص اس کی طرح ہو سکتا ہے جو کہ (اس علم سے بالکل) اندھا ہے (یعنی کافر اور مؤمن برابر نہیں) بس نصیحت تو سمجھ دار لوگ ہی قبول کرتے ہیں (اور) یہ (سمجھ دار) لوگ ایسے ہیں کہ انھوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا ہے، اس کو پورا

کرتے ہیں، اور (اس) عہد کو توڑتے نہیں اور یہ ایسے ہیں کہ اللہ نے جن تعلقات کو قائم رکھنے کا حکم کیا ہے ان کو قائم رکھتے ہیں اور اپنے رب کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کر کے (سچے دین پر) مضبوط رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور ہم نے انہیں جو کچھ روزی دی ہے، اس میں سے چپکے بھی اور ظاہر کر کے بھی (جیسا موقع ہوتا ہے خرچ کرتے ہیں، اور (لوگوں کی) بدسلوکی کو (جو ان کے ساتھ کی جائے اچھے سلوک کے ذریعہ ٹال دیتے ہیں (یعنی اگر کوئی ان کے ساتھ بدسلوکی کرے تو کچھ خیال نہیں کرتے، بلکہ اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرتے ہیں) اس دنیا (یعنی آخرت) میں نیک انجام ان لوگوں کے لئے ہے یعنی ہمیشہ رہنے کی جنتیں جن میں وہ لوگ بھی داخل ہوں گے اور ان کے ماں باپ اور بیویوں اور اولاد میں جو (جنت کے) لائق (مؤمن) ہوں گے (اگر چہ ان کے درجہ کے نہ ہوں جن کی صفتیں بیان کی گئی ہیں) وہ بھی (جنت میں ان کی برکت سے انہی کے درجوں میں) داخل ہوں گے اور فرشتے ان کے پاس ہر (سمت کے) دروازے سے آتے ہوں گے (اور یہ کہتے ہوں گے) کہ تم (ہر آفت اور خطرہ سے) صحیح سلامت رہو گے، اس کی بدولت کہ تم (سچے دین پر) مضبوط رہے تھے تو اس دنیا میں تمہارا انجام بہت اچھا ہے (یہ تو اطاعت کرنے والوں کا عمل اور انجام ہوا۔ آگے ان صفات والوں کا ذکر ہے جو ان کی ضد ہیں) اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے معاہدوں کو پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے جن تعلقات کو قائم رکھنے کا حکم فرمایا ہے انہیں توڑتے ہیں اور دنیا میں فساد کرتے ہیں، ایسے لوگوں پر لعنت ہوگی اور ان کے لئے اُس دنیا میں خرابی ہوگی۔

فائدہ: چونکہ ایسے مضامین مؤمنوں اور کافروں سے متعلق قرآن میں اب تک کئی بار آچکے ہیں، اس لئے مزید تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ البتہ یہ بات اب تک کہیں بیان نہیں کی گئی کہ مقرب لوگوں کی برکت سے ان کے ماں باپ، بیویاں اور اولاد بھی ان کے تابع ہو کر اس درجہ میں داخل ہوں گے، یہ مضمون اس آیت کی تفسیر میں ابن جبیر سے نقل کیا گیا ہے، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ سے روح المعانی میں اس روایت کے یہ الفاظ ہیں: یدخل الرجل الجنة فیقول این امی این ولدی این زوجتی فیقال لم یعملوا مثل عملک فیقول کنت أعمل لی ولهم ثم قرأ الآیة: (آدمی جنت میں داخل ہوگا تو کہے گا میری والدہ کہاں ہیں، میرا بیٹا اور میری بیوی کہاں ہیں تو اس سے کہا جائے گا انھوں نے تمہاری طرح عمل نہیں کیا تو وہ کہے گا میں اپنے لئے اور ان کے لئے عمل کرتا تھا) پھر انھوں نے یہ آیت پڑھی۔ اور ﴿مَنْ صَلَحَ﴾ کی تفسیر میں ﴿مَنْ اٰمَنَ﴾ نقل کیا ہے۔ اور آباء و اولاد سے وہ مراد ہیں جو بلا واسطہ ہوں، ورنہ تمام اہل جنت کا ایک ہی درجہ میں ہونا لازم آتا ہے اور یہ بات نص کے خلاف ہے۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ بلا واسطہ میں بھی یہی امر لازم آتا ہے، کیونکہ ان کے تابع لوگوں کے بھی، آباء اور اولاد کچھ بلا واسطہ ہوں گے اور پھر اس طرح سلسلہ چلے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص کسی کے تابع ہو کر اس درجہ میں جائے گا، اس کی تبعیت سے دوسرے شخص کو وہ درجہ نہ ملے گا۔

﴿ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝۲۶ ﴾

ترجمہ: اللہ جس کو چاہے زیادہ رزق دیتا ہے اور تنگی کر دیتا ہے۔ اور یہ لوگ دنیوی زندگانی پر اتراتے ہیں۔ اور یہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بجز ایک متاع قلیل کے اور کچھ بھی نہیں۔

ربط: اوپر کافروں کے ملعون یعنی رحمت سے دور ہونے کا ذکر ہوا ہے۔ چونکہ اکثر کافر دنیوی دولت کے اعتبار سے خوش حال تھے، اس لئے انہیں اور دوسرے دیکھنے والوں کو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ اگر یہ لوگ رحمت سے دور ہوتے تو رحمت کی علامتیں یعنی دولت وثروت سے کیوں کامیاب ہوتے؟ اب اس شبہ کا جواب ہے۔

کفار کے رزق کی وسعت کی وجہ سے مبغوض نہ ہونے کے شبہ کا جواب:

(یعنی ظاہری دولت وثروت کو دیکھ کر یہ دھوکہ نہ کھانا چاہئے کہ ان لوگوں پر اللہ کی رحمت ہو رہی ہے، کیونکہ رزق کی تو یہ کیفیت ہے کہ) اللہ جس کو چاہے زیادہ رزق دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے (رحمت وغضب کا یہ معیار نہیں ہے) اور یہ (کافر) لوگ دنیا کی زندگی پر (اور اس کے عیش وعشرت پر) اتراتے ہیں اور ان کا اترانا بالکل فضول اور غلطی ہے، کیونکہ) یہ دنیاوی زندگی (اور اس کا عیش وعشرت) آخرت کے مقابلہ میں ایک تھوڑی سی پونجی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝۲۷ ۖ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝۲۸ ؕ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝۲۹ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝۳۰ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۳۱ ۧ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۳۲ ﴾

ترجمہ: اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی معجزہ ان کے رب کی طرف سے کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ آپ کہہ دیجئے کہ واقعی اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گمراہ کر دیتے ہیں اور جو شخص ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کو اپنی طرف ہدایت کر دیتے

ہیں۔ مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کے لئے خوش حالی اور نیک انجامی ہے۔ اسی طرح ہم نے آپ کو ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے کہ اس سے پہلے اور بہت ہی امتیں گذر چکی ہیں تا کہ آپ ان کو وہ کتاب پڑھ کر سنادیں جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہے اور وہ لوگ ایسے بڑے رحمت والے کی ناسپاسی کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ وہ میرا مربی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کر لیا اور اسی کے پاس مجھ کو جانا ہے اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعہ سے پہاڑ ہٹا دیئے جاتے یا اس کے ذریعہ سے زمین جلدی جلدی طے ہو جاتی یا اس کے ذریعہ سے مردوں کے ساتھ کسی کو باتیں کرادی جاتیں (تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے) بلکہ سارا اختیار خاص اللہ ہی کو ہے، کیا پھر بھی ایمان والوں کو اس بات میں دلجمعی نہیں ہوئی کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو تمام آدمیوں کو ہدایت کر دیتا۔ اور یہ کافر تو ہمیشہ اس حالت میں رہتے ہیں کہ ان کے کرداروں کے سبب ان پر کوئی نہ کوئی حادثہ پڑتا رہتا ہے یا ان کی بستی کے قریب نازل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ جاوے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے۔ اور بہت سے پیغمبروں کے ساتھ جو کہ آپ کے قبل ہو چکے ہیں استہزاء ہو چکا ہے۔ پھر میں ان کافروں کو مہلت دیتا رہا پھر میں نے ان پر دارو گیر کی، سو میری سزا کس طرح کی تھی؟

ربط: اوپر دونوں فریق کی جزا کے ذکر اور توحید کے بیان سے پہلے ﴿وَاِنْ تَعْجَبْ﴾ الخ کی آیتوں میں نبوت سے متعلق مضمون تھا، اب پھر اس کی طرف لوٹتے ہیں۔

نبوت کی بحث کی طرف واپسی:

اور یہ کافر لوگ (آپ کی نبوت میں طعن واعتراض کرنے کے لئے یوں) کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر کوئی معجزہ (ہماری فرمائش والے معجزوں میں سے) ان کے رب کی طرف سے کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ آپ کہہ دیجئے کہ واقعی (تمہاری ان بے ہودہ فرمائشوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ) اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گمراہ کر دیتے ہیں (معلوم ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ کافی معجزوں کے باوجود جن میں سب سے اعظم قرآن ہے فضول باتیں کرتے رہتے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قسمت ہی میں گمراہی لکھی ہے) اور (جس طرح ان عناد رکھنے والوں کو ہدایت کے لئے قرآن کافی نہیں ہوا جو معجزوں میں سب سے اعظم ہے اور انہیں گمراہی نصیب ہوئی۔ اس طرح) جو شخص ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے (اور حق کے راستہ کا طالب ہوتا ہے، جس کا مصداق آگے آتا ہے ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ﴾ الخ) اس کو اپنی طرف (پہنچنے کی توفیق کے لئے) ہدایت کر دیتے ہیں (اور گمراہی سے بچا لیتے ہیں) اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے (جس کا بڑا حصہ قرآن ہے) ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا (جس کا بڑا حصہ ایمان ہے یعنی وہ قرآن کے معجزہ

ہونے کو نبوت کی کافی دلیل سمجھتے ہیں اور فضول فرمائشیں نہیں کرتے، پھر اللہ کی یاد اور اطاعت میں انہیں ایسی رغبت ہوتی ہے کہ دنیا کی زندگی کی پونجی سے انہیں کافروں کی طرح رغبت اور فرحت نہیں ہوتی اور (خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر) میں ایسی ہی خاصیت ہے کہ اس) سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے (یعنی جس مرتبہ کا ذکر ہوا اسی مرتبہ کا اطمینان چنانچہ قرآن سے ایمان اور نیک اعمال واطاعت فرمان برداری سے اللہ کی طرف توجہ اور شدید تعلق میسر ہوتا ہے۔ غرض) جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے (جس کا اوپر ذکر ہوا) ان کے لئے (دنیا میں) خوشحالی اور (آخرت میں) نیک انجام ہے (جسے دوسری آیت میں ﴿فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ﴾ الخ سے تعبیر فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ کہ کافروں کے لئے قرآن کے معجزہ ہونے کو نا کافی سمجھنا اور گمراہی اور اس سے پہلے دنیا کی طرف رغبت اور اس کی خواہش کا فنا ہونا اور اس کے مقابلہ میں مؤمنوں کے لئے قرآن کو کافی سمجھنا اور ہدایت اور آخرت کی طرف رغبت اور اس کے پھل نتیجہ کا باقی رہنا ثابت فرمایا ہے۔ اور اس مقام کا اصل مقصود رسالت کی بحث ہے۔ آگے اسی بحث کا باقی حصہ ہے یعنی یہ لوگ جو آپ کی رسالت پر شبہات کرتے ہیں تو آپ کی رسالت کوئی انوکھی چیز تو نہیں ہے، پہلے بھی رسول ہوتے آئے ہیں، اور جس طرح ہم نے پہلے رسولوں کو ان کی امتوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا) اسی طرح ہم نے آپ کو ایک ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے کہ اس (امت) سے پہلے اور بہت سی امتیں گذر چکی ہیں (اور آپ کو ان کی طرف رسول بنا کر اس لئے بھیجا ہے) تاکہ آپ انہیں وہ کتاب پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہے اور (انہیں چاہئے تھا کہ اس عظیم ترین نعمت کی قدر کرتے اور اس کتاب پر جو کہ معجزہ بھی ہے، ایمان لے آتے۔ مگر وہ لوگ ایسے بڑے رحمت والے کی ناشکری کرتے ہیں (اور قرآن پر ایمان نہیں لاتے) آپ فرما دیجئے کہ (تمہارے ایمان نہ لانے سے میرا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ اس سے زیادہ نہیں ہوگا کہ تم میری مخالفت کرو گے، تو اس سے مجھے اس لئے اندیشہ نہیں کہ) وہ میرا رب (اور نگہبان) ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں (لہٰذا لازمی طور پر وہ اپنی صفات میں کامل ہوگا، لہٰذا وہ حفاظت کے لئے بھی کافی ہوگا اس لئے) میں نے اسی پر بھروسہ کرلیا اور مجھے اسی کے پاس جانا ہے (اس لئے بھروسہ کی جزا کی بھی توقع ہے، یعنی ابتدا اور انجام دونوں کا تقاضا توکل یعنی اللہ پر بھروسہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ میری حفاظت کے لئے تو اللہ تعالیٰ کافی ہے، تم مخالفت کر کے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، ہاں تمہارا ہی نقصان ہے) اور (اے پیغمبر! اور اے مسلمانو! ان کافروں کی دشمنی کی یہ حالت ہے کہ قرآن کی جو موجودہ حالت ہے، اس کے معجزہ ہونے پر غور وفکر، سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بجائے) اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا (چاہے یہی ہوتا جو آئندہ معجزوں کا بھی مظہر ہو جاتا یا کوئی دوسرا قرآن ہوتا) جس کے ذریعہ سے پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹا دیئے جاتے یا اس کے ذریعہ سے زمین جلدی طے ہو جاتی (سفر طے ہو جاتا) یا اس کے ذریعہ سے مردوں کے ساتھ کسی کو باتیں کرادی جائیں (یعنی مردے زندہ ہو جاتے اور کوئی ان سے باتیں کر لیتا، اور یہ وہ معجزے ہیں جن کی فرمائش اکثر کافر لوگ کیا کرتے تھے۔ بعض مطلق اور بعض اس طرح

کہ قرآن کو تو ہم موجودہ حالت میں معجزہ نہیں مانتے، البتہ اگر قرآن سے خارق یعنی عادت ومعمول کے خلاف یہ باتیں ظاہر ہوں تو ہم اس کو معجزہ مان لیں، مطلب یہ کہ اگر قرآن سے ایسے ایسے معجزے ظاہر ہوتے جن سے دونوں طرح کے لوگوں کی فرمائش پوری ہوجاتی یعنی جو مذکورہ خارق یعنی خلاف عادت باتیں طلب کرتے تھے اور جو ان کا ظاہر ہونا قرآن سے چاہتے تھے) تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے (کیونکہ یہ اسباب حقیقی طور پر مؤثر نہیں) بلکہ سارا اختیار خاص اللہ ہی کو ہے (وہی جس کو توفیق عطا فرماتے ہیں، وہی ایمان لاتا ہے، اور ان کا طریقہ یہ ہے کہ جو توفیق طلب کرتا اور چاہتا ہے اس کو توفیق دیتے ہیں اور جو اس سے عناد رکھتا ہے اسے محروم رکھتے ہیں، اور چونکہ بعض مسلمانوں کا جی چاہتا تھا کہ یہ معجزے ظاہر ہوجائیں کہ شاید یہ ایمان لے آئیں۔ اس لئے آگے ان کا جواب ہے کہ:) کیا (یہ سننے کے بعد بھی کہ یہ عناد اور دشمنی رکھنے والے لوگ، ایمان نہیں لائیں گے اور یہ کہ سارے اختیار صرف اللہ ہی کو ہیں اور یہ کہ اسباب حقیقی مؤثر نہیں ہیں) ایمان والوں کے دلوں کو اس بات پر اطمینان نہیں ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سارے (دنیا بھر کے) آدمیوں کو ہدایت دیدیتا (مگر بعض حکمتوں کی وجہ سے مشیت نہیں ہوئی تو سب ایمان نہیں لائیں گے، جس کی قریبی علت عناد ہے، پھر ان عناد رکھنے والوں کے ایمان کی فکر میں کیوں لگے ہیں) اور (جب یہ بات طے ہوگئی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے تو اس امر کا خیال آسکتا ہے کہ پھر انہیں سزا کیوں نہیں دی جاتی؟ اس بارے میں ارشاد ہے کہ) یہ (مکہ کے) کافر تو ہمیشہ (آئے دن) اس حالت میں رہتے ہیں کہ ان کے (برے) کرداروں کے سبب انہیں کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آتا رہتا ہے (کہیں قتل، کہیں قید اور کہیں شکست) یا (اگر انہیں کوئی حادثہ پیش نہیں بھی آتا، مگر) ان کی بستی کے قریب نازل ہوتا رہتا ہے (مثلاً کسی قوم پر آفت آئی اور انہیں خوف ہوا کہ کہیں ہم پر بھی یہ بلا نہ آجائے) یہاں تک کہ (اس حالت میں) اللہ کا وعدہ آجائے گا (یعنی آخرت کے عذاب کا سامان ہوجائے گا جو کہ مرنے کے بعد شروع ہوجائے گا اور) یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتے (لہٰذا ان پر عذاب کا واقع ہونا یقینی ہے، چاہے بعض اوقات کچھ دیر رک کر ہی سہی) اور (ان لوگوں کا جھٹلانے اور مذاق اڑانے کا یہ معاملہ کچھ آپ ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے اور اسی طرح عذاب میں کچھ دیر ہونا کچھ ان کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ پہلے رسولوں اور امتوں کے ساتھ بھی ایسا ہوچکا ہے، چنانچہ) بہت سے پیغمبروں کے ساتھ جو کہ آپ سے پہلے گذر چکے ہیں (کافروں کی طرف سے) مذاق اڑایا جاچکا ہے، پھر بھی میں ان کافروں کو مہلت دیتا رہا، پھر میں نے ان کی پکڑ کی تو (سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ) میری سزا کس طرح کی تھی؟ (یعنی نہایت سخت تھی)

فائدہ: ایک آیت میں اللہ کے ذکر کی خاصیت میں خوف کو بیان کیا ہے ﴿اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ اور یہاں دل کا اطمینان بیان کیا ہے تو ان میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، کیونکہ اطمینان کے جو معنی بیان کئے گئے ہیں کہ دوسری چیز کی طرف رغبت وتوجہ کرنا کافی ہوجائے، جس کا خوف کے ساتھ جمع ہونا ممکن ہے۔

﴿ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ ﴾

ترجمہ: پھر کیا جو ہر شخص کے اعمال پر مطلع ہو اور ان لوگوں کے شرکاء برابر ہو سکتے ہیں اور ان لوگوں نے خدا کے لئے شرکاء تجویز کیے ہیں۔ آپ کہئے کہ ان کا نام تو لو۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو کہ دنیا میں اس کی خبر اللہ تعالیٰ کو نہ ہو یا محض ظاہری لفظ کے اعتبار سے ان کو شریک کہتے ہو۔ بلکہ ان کافروں کو اپنے مغالطہ کی باتیں مرغوب معلوم ہوتی ہیں اور یہ لوگ راہ سے محروم ہو گئے ہیں۔ اور جس کو خدا تعالیٰ گمراہی میں رکھے اس کا کوئی راہ پر لانے والا نہیں۔

ربط: اوپر رسالت کے ذکر کے بیان کے دوران ﴿ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ﴾ میں توحید کا ذکر آ گیا تھا۔ اب اس کے مقابلہ میں شرک اور شرک کرنے والوں یعنی مشرکوں کا برا ہونا بیان کیا گیا ہے۔

شرک اور مشرکوں کا برا ہونا:

(جب اللہ تعالیٰ کی شان معلوم ہوگئی کہ وہی مختار کل یعنی تمام اختیارات کے مالک ہیں تو اس کے معلوم اور ثابت ہونے کے بعد) کیا پھر (بھی) جو (اللہ) ہر شخص کے اعمال سے باخبر ہو اور ان لوگوں کے بنائے ہوئے شریک برابر ہو سکتے ہیں؟ اور (اس کے باوجود) ان لوگوں نے اللہ کے شریک مقرر کیے ہیں، آپ کہئے کہ (ذرا) ان (شریکوں) کے نام تو لو (میں بھی سنوں کون ہیں؟ کیسے ہیں؟) کیا (تم حقیقت میں ان کو شریک سمجھ کر دعویٰ کرتے ہو؟ تب تو یہ لازم آتا ہے کہ) تم اللہ تعالیٰ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو کہ دنیا (بھر) میں اس (کے وجود) کی خبر اللہ تعالیٰ کو نہ ہو (کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اسی کو موجود جانتے ہیں جو واقع میں موجود ہو۔ اور جو موجود نہ ہو اس کو موجود نہیں جانتے، کیونکہ اس سے علم کا غلط ہونا لازم آتا ہے، چاہے انکشاف میں دونوں برابر ہیں۔ غرض انہیں حقیقی شریک کہنے سے یہ امر لازم آتا ہے اور وہ محال ہے۔ لہٰذا ان کا شریک ہونا بھی محال ہے) یا (یہ کہ انہیں حقیقت میں شریک نہیں کہتے بلکہ) محض ظاہری لفظ کے اعتبار سے انہیں شریک کہتے ہو (اور اس کا واقعی مصداق کہیں نہیں ہے۔ اگر دوسری بات مانی جائے تو ان کے شریک نہ ہونے کو خود ہی قبول کرتے ہو، لہٰذا جو بات مطلوب ہے یعنی شرک کا باطل ہونا دونوں باتوں سے ثابت ہو گیا کہ پہلی بات میں دلیل سے اور دوسری میں تمہارے قبول کرنے سے۔ اور یہ بیان باوجودیکہ اعلیٰ درجہ میں کافی ہے، مگر یہ لوگ نہ مانیں گے) بلکہ ان کافروں کو اپنے مغالطے کی باتیں (جن کو دلیل بنا کر وہ شرک میں مبتلا ہیں) پسندیدہ معلوم ہوتی ہیں اور (اسی وجہ سے) یہ لوگ (حق کے) راستے سے محروم ہو گئے ہیں اور (اصل وہی بات ہے جو اوپر ﴿ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ ﴾ سے معلوم ہو چکی ہے، یعنی) جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں رکھے اس کو کوئی راہ پر لانے والا نہیں (البتہ وہ اسی کو گمراہ رکھتا ہے جو حق کے واضح ہو جانے کے باوجود عناد کرتا ہے)

فائدہ: ﴿ فِي الْأَرْضِ ﴾ اس لئے کہا کہ آسمان میں شریکوں کے وجود کے وہ بھی قائل نہیں تھے۔

﴿ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝ ﴾

ترجمہ: ان کے لئے دنیوی زندگانی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بدرجہا زیادہ سخت ہے اور اللہ سے ان کو کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس کے نیچے سے نہریں جاری ہونگی، اس کا پھل اور اس کا سایہ دائم رہے گا۔ یہ تو انجام ہوگا متقیوں کا اور کافروں کا انجام دوزخ ہوگا۔

ربط: اوپر مشرکوں کے طریقے کے برا ہونے کا ذکر تھا۔ اب ان کی سزا کا بیان ہے اور مقابلہ کے لئے مؤمنوں کی جزا اور صلہ کا بیان ہے۔

مشرکوں کی سزا اور مؤمنوں کی جزا:

ان کافروں کے لئے دنیا کی زندگی میں (بھی) عذاب ہے (وہ عذاب قتل وقید وذلت یا بیماریاں اور مصیبتیں ہیں) اور آخرت کا عذاب اس سے بہت درجہ سخت ہے (کیونکہ شدید بھی ہے اور ہمیشہ رہنے والا بھی ہے) اور اللہ (کے عذاب) سے انہیں کوئی بچانے والا نہ ہوگا (اور) جس جنت کا متقی لوگوں (یعنی شرک اور کفر سے بچنے والوں سے) وعدہ کیا گیا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس (کی عمارتوں اور درختوں) کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اس کا پھل اور اس کا سایہ ہمیشہ رہے گا، یہ تو متقیوں کا انجام ہوگا اور کافروں کا انجام دوزخ ہوگا۔

فائدہ: دنیا کے عذاب کی تفسیر میں جو بیماریاں اور مصیبتیں کہا گیا تو کافروں کے حق میں یہ امور عذاب اور سزا ہیں اور مؤمنوں کے لئے رحمت کہ ان کے لئے درجوں کی بلندی اور برے اعمال کے کفارہ کا سبب ہوتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور میووں کے ہمیشہ رہنے سے مراد یہ ہے کہ ان کی جنس باقی رہے گی، چاہے ان میں سے کچھ ختم ہو جائیں یعنی اگر ایک بار میوہ کھالیا تو اس کے بدلہ درخت پر اور لگ جائے گا اور سایہ کے لئے ہمیشہ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں سورج نہ ہوگا، لیکن اس کی وجہ سے یہ وسوسہ نہیں ہونا چاہئے کہ کوئی اور روشنی بھی نہیں ہوگی، کیونکہ نور یا روشنی سورج تک محدود نہیں۔

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَمَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ

﴿يَّأْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝﴾

ترجمہ: اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے۔ اور ان ہی کے گروہ میں بعضے ایسے ہیں کہ اس کے بعض حصہ کا انکار کرتے ہیں۔ آپ فرمایئے کہ مجھ کو صرف یہ حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھ کو جانا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے اس کو اس طور پر نازل کیا کہ وہ ایک خاص حکم ہے عربی زبان میں۔ اور اگر آپ ان کے نفسانی خیالات کا اتباع کرنے لگیں بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم پہنچ چکا ہے تو اللہ کے مقابلہ میں نہ کوئی آپ کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا۔ اور ہم نے یقیناً آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیبیاں اور بچے بھی دیئے۔ اور کسی پیغمبر کے اختیار میں یہ امر نہیں کہ ایک آیت بھی بدون خدا کے حکم کے لاسکے۔ ہر زمانہ کے مناسب خاص خاص احکام ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ جس حکم کو چاہیں موقوف کردیتے ہیں، اور جس حکم کو چاہیں قائم رکھتے ہیں۔ اور اصل کتاب انہی کے پاس ہے۔

ربط: اوپر آیت ﴿وَاِنْ تَعْجَبْ﴾ الخ اور آیت ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ﴾ الخ میں نبوت کی بحث آچکی ہے۔ اب اسی کے متعلق اہل کتاب کی حالت اور ان کے بعض شبہات کے جواب کا بیان ہے۔

اہل کتاب سے نبوت کے متعلق کلام:

اور جن لوگوں کو ہم نے (آسمانی) کتاب (یعنی توریت اور انجیل) دی ہے (اور وہ اس کو پوری طرح مانتے تھے) وہ اس (کتاب) سے خوش ہوئے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے (کیونکہ وہ اس کی خبر اپنی کتابوں میں پاتے ہیں اور خوش ہو کر مان لیتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں، جیسے یہود میں عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اور نصاری میں نجاشی اور ان کے بھیجے ہوئے لوگ جن کا ذکر دوسری آیتوں میں بھی ہے) اور انہی کے گروہ میں بعض ایسے ہیں کہ اس (کتاب) کے بعض حصہ کا (جس میں ان کی کتاب کے خلاف احکام ہیں) انکار کرتے ہیں (اور کفر کرتے ہیں) آپ (ان سے) فرمایئے کہ (احکام دو قسم کے ہیں: اصول اور فروع۔ اگر تم اصول میں مخالف ہو تو وہ تمام شریعتوں میں مشترک ہیں، چنانچہ) مجھے (توحید سے متعلق صرف یہ حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں (اور نبوت سے متعلق یہ بات ہے کہ) میں (لوگوں کو) اللہ ہی کی طرف بلاتا ہوں (یعنی نبوت کا حاصل یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف دعوت دینے والا ہوں) اور آخرت سے متعلق میرا یہ عقیدہ ہے کہ) مجھے (دنیا سے لوٹ کر) اسی کی طرف جانا ہے (یعنی بڑے اصول یہ تین ہیں: تو ان میں ایک بھی بات انکار کے قابل نہیں، چنانچہ توحید سب کے نزدیک منظور شدہ ہے، جیسا کہ یہی مضمون دوسری آیت میں ہے: ﴿تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا﴾ الخ اور نبوت میں میں اپنے لئے مال اور عزت و مرتبہ نہیں چاہتا۔ جس پر انکار کی

گنجائش ہو، صرف اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، تو ایسے لوگ پہلے بھی ہوئے ہیں۔ اس بات کو تم بھی مانتے ہو، جیسا کہ یہی مضمون دوسری جگہ بھی ہے ﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ ﴾ الخ اسی طرح آخرت کا عقیدہ مشترک، مسلم اور ناقابل انکار ہے) اور (اگر فروع میں مخالف ہو تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ یوں دیتے ہیں کہ ہم نے جس طرح دوسرے رسولوں کو خاص خاص زبانوں میں خاص خاص احکام دیئے) اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو اس طرح نازل کیا کہ وہ ایک خاص حکم ہے۔ عربی زبان میں (عربی کی وضاحت سے دوسرے نبیوں کی دوسری زبانوں کی طرف اشارہ ہو گیا اور زبانوں کے اختلاف سے امتوں کے اختلاف کی طرف اشارہ ہو گیا تو جواب کا حاصل یہ ہوا کہ فروع کا اختلاف امتوں کے اختلاف کے سبب ہوا) کیونکہ امتوں کی مصلحتیں ہر زمانہ میں الگ الگ ہوتی ہیں، لہٰذا شریعتوں کا یہ اختلاف مخالفت کا تقاضہ نہیں کرتا۔ چنانچہ خود تمہاری مسلم شریعتوں میں بھی فروع کا ایسا اختلاف ہوا، پھر تمہاری مخالفت اور انکار کی کیا گنجائش ہے) اور (اے محمد ﷺ) اگر آپ (بفرض محال) ان کے نفسانی خیالات (یعنی منسوخ یا تحریف شدہ احکام) کا اتباع کرنے لگیں، اس کے بعد کہ آپ کے پاس (مقصود احکام کا) علم (صحیح) پہنچ چکا ہے تو اللہ کے مقابلہ میں نہ کوئی آپ کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا (اور جب نبی سے ایسی بات کہی جا رہی ہے تو اور انکار کر کے کہاں رہیں گے؟ تو اس میں اہل کتاب کے ساتھ اشارہ میں چھیڑ چھاڑ ہے، لہٰذا مخالفوں اور منکروں کی دونوں باتوں کا جواب ہو گیا) اور (اہل کتاب میں بعض کا جو نبوت پر یہ طعنہ ہے کہ ان کے پاس کئی بیویاں ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ) ہم نے یقیناً آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے انہیں بیویاں اور بچے بھی دیئے (یہ کونسا رسالت کے خلاف امر ہے، ایسا ہی مضمون دوسری آیت میں ہے:
﴿ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ ﴾ الخ اور (چونکہ شریعتوں کا اختلاف شک اور شبہات سے زیادہ مشہور ہے اور اوپر اس کا صرف مختصر طور پر ذکر تھا۔ اس لئے اس کو آگے دوبارہ اور تفصیل کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی پر شریعتوں کے اختلاف کا شبہ کرتا ہے وہ ایک طرح سے نبی کو احکام کا مالک سمجھتا ہے۔ حالانکہ) کسی پیغمبر کے اختیار میں یہ امر نہیں ہے کہ ایک آیت (یعنی ایک حکم) بھی اللہ حکم کے بغیر (اپنی طرف سے) لا سکے (بلکہ احکام کا مقرر ہونا اللہ کے حکم اور اختیار پر موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت کے اعتبار سے یہ معمول مقرر ہے کہ) ہر زمانہ کے مناسب خاص خاص احکام ہوتے ہیں (پھر دوسرے زمانہ میں بعض امور میں دوسرے احکام آتے ہیں، اور پہلے احکام موقوف ہو جاتے ہیں اور بعض اپنے حال پر باقی رہتے ہیں، لہٰذا) اللہ تعالیٰ (ہی) جس حکم کو چاہیں موقوف کر دیتے ہیں اور جس حکم کو چاہیں قائم رکھتے ہیں اور اصل کتاب (یعنی لوح محفوظ) انہی کے پاس (رہتی) ہے (اور یہ سب احکام ناسخ اور منسوخ اور ہمیشہ رہنے والے اس میں درج ہیں، وہ سب کی جامع اور گویا سب کی میزان ہیں، یعنی جہاں سے یہ احکام آتے ہیں وہ اللہ ہی کے قبضہ میں ہے، لہٰذا گذشتہ احکام کے مطابق یا خلاف احکام لانے کی کسی کو گنجائش اور اختیار ہی نہیں ہو سکتے)

فائدہ: ﴿ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴾ الخ کی آسان بے تکلف اور موقع و محل کے مناسب یہی تفسیر ہے، جس کا ذکر

ہوا۔ اور ﴿ حُكْمًا عَرَبِيًّا ﴾ کے بیان سے صرف اہل عرب کے امت ہونے کا وہم نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ عربی کی تخصیص کی وجہ بعثت کے عموم کے باوجود جلدی ہی سورۂ ابراہیم کے شروع میں آرہی ہے۔

﴿ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جس بات کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں، اس میں کا بعض واقعہ اگر ہم آپ کو دکھلادیں خواہ ہم آپ کو وفات دیدیں بس آپ کے ذمہ تو صرف پہنچادینا ہے اور دار و گیر کرنا تو ہمارا کام ہے۔ کیا اس امر کو نہیں دیکھ رہے کہ ہم زمین کو ہر چہار طرف سے برابر کم کرتے چلے آتے ہیں۔ اور اللہ حکم کرتا ہے اس کے حکم کو کوئی ہٹانے والا نہیں اور وہ بڑی جلدی حساب لینے والا ہے۔ اور ان سے پہلے جو لوگ ہو چکے ہیں انھوں نے تدبیریں کیں سو اصل تدبیر تو خدا ہی کی ہے۔ اس کو سب خبر رہتی ہے جو شخص جو کچھ بھی کرتا ہے۔ اور ان کفار کو ابھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس عالم میں نیک انجامی کس کے حصہ میں ہے۔ اور یہ کافر لوگ یوں کہہ رہے ہیں کہ آپ پیغمبر نہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ اور وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم ہے کافی گواہ ہیں۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں اہل کتاب میں سے نبوت کا انکار کرنے والوں سے متعلق کلام تھا۔ اب نبوت کا انکار کرنے والے دوسرے کافروں سے متعلق کلام ہے۔

نبوت کا انکار کرنے والے غیر اہل کتاب کے بارے میں کلام:

اور (یہ لوگ جو اس بنا پر نبوت کا انکار کرتے ہیں کہ اگر آپ نبی ہیں تو نبوت کے انکار پر جس عذاب کا وعدہ کیا جاتا ہے، وہ عذاب نازل کیوں نہیں ہوتا؟ تو اس سلسلہ میں سن لیجئے کہ) جس بات (یعنی عذاب) کا ہم ان سے (نبوت کے انکار پر) وعدہ کر رہے ہیں اس میں کا اگر ہم کچھ آپ کو دکھادیں (یعنی آپ کی زندگی میں کوئی عذاب ان پر نازل ہو جائے) چاہے (اس عذاب کے نازل ہونے سے پہلے) ہم آپ کو وفات دیدیں (پھر بعد میں وہ عذاب واقع ہو۔ چاہے دنیا میں یا آخرت میں تو دونوں حالتوں میں آپ فکر و اہتمام نہ کریں، کیونکہ) بس آپ کے ذمہ تو صرف (احکام) کا پہنچادینا ہے۔ اور پکڑ کرنا تو ہمارا کام ہے (آپ اس کی فکر میں کیوں پڑیں کہ اگر واقع ہو جائے تو بہتر ہے، شاید یہ ایمان لے آئیں، اور ان لوگوں سے بھی تعجب ہے کہ کفر پر عذاب کے واقع ہونے کا کیسے کیسے عام انکار کر رہے ہیں) کیا (عذاب سے پہلے کی چیزوں میں

سے) اس امر کو نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم (اسلام کی فتح کے ذریعہ سے ان کی) زمین کو چاروں طرف سے برابر کم کرتے چلے آتے ہیں (یعنی ان کی عمل داری اسلامی فتوحات کی کثرت کی وجہ سے روز بروز گھٹتی جا رہی ہے، تو یہ بھی تو ایک قسم کا عذاب ہے جو اصلی عذاب کے آنے سے پہلے کا ایک امر ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿ وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ ﴾ اور اللہ (جو چاہتا ہے) حکم کرتا ہے، اس کے حکم کو کوئی ہٹانے والا نہیں (لہٰذا چاہے ادنی عذاب ہو یا کوئی بڑا عذاب ہو، ان کا مقرر کیا ہوا کوئی شریک یا غیر شریک اس کو رد نہیں کر سکتا) اور (اگر انہیں تھوڑی مہلت بھی ہو گئی تو کیا ہے) وہ بہت جلدی حساب لینے والا ہے (وقت کی دیر ہے پھر فوراً ہی وہ سزا شروع ہو جائے گی جس کا وعدہ کیا گیا ہے) اور (یہ لوگ جو رسول کو اذیت دینے یا اسلام کی تنقیص میں طرح طرح کی تدبیریں کرتے ہیں تو ان سے کچھ نہیں ہوتا۔ چنانچہ) ان سے پہلے جو (کافر) لوگ گذر چکے ہیں انھوں نے (بھی انہی غرضوں کے لئے بڑی بڑی) تدبیریں کیں۔ تو (کچھ بھی نہیں ہوا، کیونکہ) اصل تدبیر تو اللہ ہی کی ہے (اس کے سامنے کسی کی نہیں چلتی تو اللہ نے ان کی وہ تدبیریں چلنے نہیں دیں اور) اس کو سب خبر رہتی ہے، جو شخص جو بھی کچھ کرتا ہے (پھر اسے وقت پر سزا دیتا ہے) اور (اسی طرح) ان کافروں (کے اعمال کی بھی اس کو سب خبر ہے تو ان) کو (بھی) ابھی معلوم ہوا جاتا ہے کہ اس عالم میں نیک انجام کس کے حصہ میں آئے گا (ان کے یا مسلمانوں کے یعنی جلدی ہی انہیں برے انجام اور برے اعمال کی سزا معلوم ہو جائے گی) اور یہ کافر لوگ (ان سزاؤں کو بھولے ہوئے) یوں کہہ رہے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ پیغمبر نہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ (تمہارے بے کار و بے معنی انکار سے کیا ہوتا ہے) میرے اور تمہارے درمیان (میری نبوت پر اللہ تعالیٰ اور وہ شخص جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے (جس میں میری نبوت کی تصدیق ہے) کافی گواہ ہیں (اس سے مراد اہل کتاب کے وہ علماء ہیں جو انصاف پسند تھے، اور نبوت کی پیشین گوئی کو دیکھ کر ایمان لے آئے تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ میری نبوت کی دو دلیلیں ہیں: ایک عقلی دوسری نقلی۔ عقلی تو یہ کہ حق تعالیٰ نے مجھے معجزے عطا فرمائے جو نبوت کی دلیل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے گواہ ہونے کے یہی معنی ہیں۔ اور نقلی یہ کہ گذشتہ آسمانی کتابوں میں اس کی خبر موجود ہے، اگر یقین نہ آئے تو انصاف پسند عالموں سے پوچھ لو۔ وہ ظاہر کر دیں گے، لہٰذا عقلی اور نقلی دلیلوں کے ہوتے ہوئے نبوت کا انکار کرنا سوائے بدبختی کے اور کیا ہے، کسی عقل والے کو اس میں شبہ نہیں ہونا چاہئے۔

فائدہ: اگر یہ سورت مکی ہو تو ﴿ نَنْقُصُهَا ﴾ کی تفسیر پر بظاہر یہ اشکال ہوگا کہ ہجرت سے پہلے اسلامی فتوحات نہیں تھیں، اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ آیت خاص مدنی ہو، دوسرے یہ کہ فتوحات سے مراد عام ہو، اطاعت کی شکل میں بھی اور زبردستی بھی۔ لہٰذا اسلام کی قبولیت اطاعت کی شکل میں اسلامی فتح ہے اور جہاد و قتال کے بعد اسلام کا غلبہ اسلامی فتح زبردستی والی ہے۔ اور یقینی بات یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے بھی اسلام پھیل رہا تھا اور عرب قبائل سے گذر کر اسلام حبشہ تک پہنچ چکا تھا، اوپر یہی جواب اس آیت سے متعلق ہے جو اسی قسم کی سورۃ انبیاء کی آیت ۴۴ ہے اور وہ سورۃ مشہور روایت کے مطابق مکی ہے۔
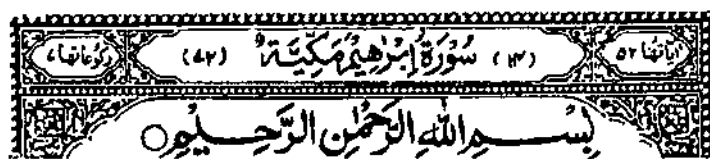
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ
الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ
شَدِيْدِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا
عِوَجًا ۭ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ
اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾

ترجمہ: یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل فرمایا ہے تاکہ آپ تمام لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف یعنی ذاتِ غالب ستودہ صفات کی راہ کی طرف لادیں جو ایسا خدا ہے کہ اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور بڑی خرابی یعنی بڑا سخت عذاب ہے ان کافروں کو جو دنیوی زندگانی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی کے متلاشی رہتے ہیں۔ ایسے لوگ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں۔ اور ہم نے تمام پیغمبروں کو ان ہی کی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تاکہ ان سے بیان کریں۔ پھر جس کو اللہ تعالیٰ چاہیں گمراہ کرتے ہیں اور جس کو چاہیں ہدایت کرتے ہیں۔ اور وہی غالب ہے حکمت والا ہے۔

تمہید: سورۂ ابراہیم مکی ہے اور اس میں ۵۱ آیتیں ہیں، جیسا کہ بیضاوی میں ہے۔ اس سورت کا خلاصہ یہ مضامین ہیں: شروع سے رسالت کی بحث اور اس سے اس کا آغاز، سورۂ رعد کے ختم کے مناسب ہوگیا۔ اور ﴿ مِّنْ وَّرَاۗىِٕهٖ جَهَنَّمُ ﴾ سے کفار کی سزا کا بیان اور ﴿ اُدْخِلَ الَّذِيْنَ ﴾ سے مؤمنوں کی جزا کا بیان۔ اس طرح یہ دونوں مضمون آخرت سے متعلق ہوگئے اور ﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ﴾ سے توحید کا ذکر ہے۔ اور اسی کی وضاحت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ہے، جس میں کسی قدر اسی نعمت کا بھی بیان ہے جو آیت ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ ﴾ میں مختصر طور پر بیان ہوا ہے، پھر ﴿ لَا تَحْسَبَنَّ ﴾ سے آخرت کے مضمون کی طرف واپسی ہے اور آخری یعنی سورت کے ختم والی آیت ان تمام مضامین کی جامع ہے اور مذکورہ مضامین کا تناسب رسالت، آخرت اور توحید ظاہر ہے، اور کئی بار اس کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔

رسالت کی بحث:

﴿ الٓرٰ ﴾ (اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ (قرآن) ایک کتاب ہے، جسے ہم نے آپ پر نازل فرمایا ہے، تاکہ آپ (اس کے ذریعہ سے) تمام لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے (تبلیغ کے درجہ میں کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان اور ہدایت کی) روشنی کی طرف یعنی اس ذات کی راہ کی طرف لائیں جو غالب ہے، اور جس کی تمام صفات تعریف والی ہیں (روشنی میں لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ راستہ بتادیں) جو ایسا اللہ ہے کہ اسی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور (جب یہ کتاب اللہ کا راستہ بتاتی ہے تو) بڑی خرابی یعنی سخت عذاب ہے ان کافروں کے لئے جو (اس راستہ کو نہ تو خود قبول کرتے ہیں، بلکہ) دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں (اس لئے دین کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے) اور (نہ دوسروں کو یہ راستہ اختیار کرنے دیتے ہیں، بلکہ) اللہ کے (اس مذکورہ) راستے سے روکتے ہیں اور اس میں ٹیڑھے پن (یعنی شبہات) کی تلاش میں رہتے ہیں (جن کے ذریعہ سے دوسروں کو گمراہ کرسکیں) ایسے لوگ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں (یعنی وہ گمراہی حق سے بڑی دور ہے) اور (اس کتاب کے اللہ کی طرف سے نازل ہونے میں جو بعض کافروں کو یہ شبہ ہے کہ یہ عربی کیوں ہے۔ جس سے احتمال ہوتا ہے کہ خود پیغمبر ﷺ نے تصنیف کرلیا ہوگا، عجمی زبان میں کیوں نہیں تاکہ یہ احتمال ہی نہ ہوتا۔ اور قرآن دوسری آسمانی کتابوں کے عجمی ہونے میں مطابق ہوتا، تو یہ شبہ بالکل لغو ہے، کیونکہ) ہم نے (پہلے) تمام پیغمبروں کو (بھی) انہی کی قوم کی زبان میں پیغمبر بناکر بھیجا ہے تاکہ (ان کی زبان میں) ان سے (اللہ کے احکام) بیان کریں (کہ اصل مقصود بیان کرنا ہے نہ کہ زبانوں کی مطابقت) پھر (بیان کرنے کے بعد) جس کو اللہ تعالیٰ چاہیں گمراہ کرتے ہیں (کہ وہ احکام کو قبول نہیں کرتا) اور جس کو چاہیں ہدایت کرتے ہیں (کہ وہ ان احکام کو قبول کرلیتا ہے) اور وہی (سارے امور پر) غالب ہے (اور) حکمت والا ہے (لہٰذا غالب ہونے سے سب کو ہدایت کرسکتا تھا مگر بہت سی حکمتوں کا یہ تقاضہ نہ ہوا)

فائدہ: غرض جب تمام پیغمبر اپنی اپنی قوم میں احکام لے کر آئے تو آپ کے لئے بھی یہی قاعدہ رکھا گیا کہ آپ کی قوم عرب ہیں۔ اگرچہ امت ساری دنیا کی قومیں ہیں، اس لئے عربی زبان میں یہ کتاب نازل کی گئی، اس لئے شبہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ یہ قرآن کے عربی زبان میں ہونے اور عجمی زبان میں نہ ہونے کی حکمت ہوئی۔

سورۂ فصلت (حٰم السجدہ) میں ایک اور وجہ بیان کی گئی ہے: ﴿ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ﴾ یعنی اگر ہم اس کو عجمی قرآن بناتے تو یوں کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں۔ یہ کیا بات کہ عجمی کتاب اور عربی رسول؟ رہا عربی میں یہ احتمال ہے کہ شاید قرآن خود تصنیف کرلیا ہو تو یہ اس کے معجز ہونے کی وجہ سے دور ہوجاتا ہے۔ لقولہ تعالیٰ: ﴿ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ﴾ ان کے شبہ کی تقریر یہاں تک ختم ہوئی

جس سے وہ شبہ بالکلیہ رفع ہو گیا۔

اب مستقل طور پر ایک اور شبہ خاص طور پر مبعوث ہونے کا ہے جس کا ﴿ بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ ﴾ سے وہم ہوتا ہے اور جس کا یہودی دعوی کرتے تھے۔ وہ یہ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی قوم صرف عرب ہیں۔ حالانکہ اسلام کا یہ ایک لازمی عقیدہ ہے کہ آپ کی بعثت عام ہے، یعنی آپ ساری دنیا کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اور اس سلسلہ میں آیتیں اور حدیثیں بھی صریح نص ہیں، اس کے جواب کی طرف مختصر طور پر خود اوپر کے بیان میں بھی اشارہ کر دیا گیا ہے۔ اس قول میں ایک آپ کی قوم عرب ہیں، اگرچہ امت سب ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ قوم خاص ہے امت عام ہے، قوم کے خاص ہونے سے امت کا خاص ہونا لازم نہیں آتا۔ قوم کہتے ہیں: ایک خاص جماعت کو چاہے وہ نسبت وغیرہ میں شریک ہوں یا نہ ہوں اور امت وہ لوگ ہیں جن کی طرف نبی مبعوث ہو۔ البتہ دوسرے نبیوں علیہم السلام کی قوم اور امت دونوں ایک ہی ہوتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے لئے امت، قوم کے مقابلہ میں عام ہے۔ اور یہود کے دعوی کا ایک مستقل عقلی جواب بھی ہے، یعنی جب تم محمد ﷺ کو عرب کا نبی مانتے ہو اور نبی کے لئے سچا ہونا لازم ہے اور عام بعثت کا دعوی کرتے ہیں تو یقیناً آپ اس دعوی میں بھی سچے ہوں گے۔ اور یہی بات مطلوب ہے۔ لہٰذا یہ شبہ بھی دور ہو گیا۔

اب اس کی تحقیق باقی رہی کہ جب آپ کی امت عرب و عجم تمام قومیں ہیں تو احکام کا بیان کرنا اس طریقہ سے آسان ہے کہ قرآن تمام زبانوں میں ہوتا۔ اس کا جواب روح المعانی میں یہ لکھا ہے کہ اس طرح زبانوں کے کئی ہونے سے اختلاف بہت ہو جاتا۔ اور کوئی ایسی اصل نہ ہوتی جو سارے اختلافات کا مرجع ہوتا۔ اور یہ معاملہ کتاب نازل کرنے کی حکمت کے خلاف ہوتا، اور بیان کرنے کی سہولت کا ہونا ایسی عظیم مصلحت نہیں تھی، جتنا عظیم یہ بگاڑ ہو جاتا۔ اور نفس بیان کرنا ترجمہ و تفسیر سے حاصل ہو جاتا ہے اور ترجموں کے اختلاف کے وقت اصل زبان کی تحقیق سے نقصان دینے والا اختلاف دور ہو سکتا ہے۔

پھر یہ کہ ایک زبان عربی ہی کیوں ہوئی؟ اس کے ایک جواب کی تو ﴿ بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ ﴾ میں وضاحت ہے یعنی اس لئے کہ آپ کی قوم کی زبان عربی ہے۔ دوسرا جواب اس زبان کی خصوصیتیں ہیں، اور تیسرا جواب اس قوم کی خصوصیتوں میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ یعنی عربی زبان اشرف اللغات یعنی تمام زبانوں سے زیادہ اشرف اور اجمع اللغات یعنی سب سے زیادہ جامع ہے اور عرب خاص طور سے اور ان میں بھی قریش مخصوص طور پر کہ آپ کی اصل قوم وہی تھے، حمیت اور دین کی اشاعت میں ساری قوموں سے زیادہ کامل تھے، اس لئے اصل دین ان کی زبان میں نازل کیا گیا کہ ان سے زیادہ خصوصیت رہے، اور یہ خصوصیت کے ساتھ اس کے حامی رہیں، اور خود عربوں کی زبانوں میں آپس میں کوئی ایسا اختلاف نہ تھا، اسی لئے قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا جیسا کہ بخاری میں ہے۔ اگرچہ کسی حد تک ہر زبان والے کو

عربوں کی دوسری زبانوں میں بھی مخصوص کلمات پڑھنے کی اجازت ہوگئی تھی جیسا کہ حدیثوں میں ہے پھر جب قریش کی زبان سے سب مانوس ہوگئے تو وہ اجازت نہیں رہی۔ جیسا کہ روح المعانی میں ابی شامة سے روایت کیا گیا ہے۔

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ۧ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ ﴾ ع ۱۲

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاؤ اور ان کو اللہ تعالیٰ کے معاملات یاد دلاؤ۔ بلاشبہ ان معاملات میں عبرتیں ہیں ہر صابر شاکر کے لئے۔ اور اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب کہ تم کو فرعون والوں سے نجات دی جو تم کو سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔ اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑا امتحان تھا۔ اور وہ وقت یاد کرو جب کہ تمہارے رب نے تم کو اطلاع فرمادی کہ اگر تم شکر کرو گے تو تم کو زیادہ نعمت دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔ اور موسیٰ نے فرمایا کہ اگر تم اور تمام دنیا بھر کے آدمی سب کے سب مل کر بھی ناشکری کرنے لگو تو اللہ تعالیٰ بالکل بے احتیاج ستودہ صفات ہیں۔

ربط: اوپر حضور ﷺ کی رسالت کا مضمون تھا۔ اب اسی کی تائید کے لئے دوسرے رسول کا ذکر ہے، جس سے یہ معلوم ہوجائے کہ آپ کی رسالت کوئی انوکھی چیز نہیں ہے کہ اس کا انکار کیا جائے، آپ سے پہلے بھی رسول ہوتے آئے ہیں اور اس میں ﴿ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ ﴾ کے اجمال کی تفصیل بھی ہے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام سے متعلق زیادہ مضمون ہے، کیونکہ وہ زیادہ مشہور ہیں اور صاحب کتاب ہیں، اور دوسرے نبیوں میں سے بھی بعض کا مختصر مضمون ہے جیسے نوح اور ہود اور صالح علیہم السلام اور بعض کا غیر واضح طور پر جیسے ﴿ وَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ﴾ الخ اور رسالت کے مضمون کے ساتھ ہر مقام پر انکار کے وبال کا بھی ساتھ ساتھ ذکر ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا ذکر:

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو (کفر اور گناہوں کی) تاریکیوں سے (نکال کر ایمان اور اطاعت کی) روشنی کی طرف لاؤ، اور انہیں اللہ تعالیٰ کے (نعمت اور تکلیف کے) معاملات یاد دلاؤ۔ بلاشبہ ان

معاملوں میں ہر صبر اور شکر کرنے والے کے لئے عبرتیں ہیں (کیونکہ نعمت کو یاد کر کے شکر کرے گا اور تکلیف و مصیبت کو اور پھر اس کے دور ہونے کو یاد کر کے آئندہ کے حادثوں میں صبر کرے گا اور یاد دلانے کا یہ ایک فائدہ ہے) اور اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب (ہمارے اس اشارہ کے مطابق) موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا انعام یاد کرو، جب تمہیں فرعون والوں سے نجات دی جو تمہیں سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے، اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں (یعنی لڑکیوں کو جو بڑی ہو کر عورتیں ہو جاتی تھیں) زندہ چھوڑ دیتے تھے (تاکہ ان سے کام اور خدمت لیں، لہٰذا یہ بھی ذبح ہی کی طرح ایک سزا تھی) اور اس (مصیبت اور نجات دونوں) میں تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑا امتحان تھا (یعنی مصیبت میں بلا و آزمائش تھی اور نجات میں نعمت تھی۔ اور بلا اور نعمت دونوں بندہ کے لئے امتحان ہیں۔ لہٰذا اس میں موسیٰ علیہ السلام نے (اللہ کے معاملوں یعنی نعمت اور تکلیف و مصیبت دونوں یاد دلائے) اور (موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اے میری قوم!) وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے (میرے ذریعہ سے) تمہیں اطلاع فرمادی کہ اگر تم (میری نعمتوں کو سن کر) شکر کرو گے، تو تمہیں (چاہے دنیا میں بھی ورنہ آخرت میں تو ضرور ہی) زیادہ نعمت دوں گا۔ اور اگر تم (ان نعمتوں کو سن کر) ناشکری کرو گے تو (یہ سمجھ لو کہ) میرا عذاب بڑا سخت ہے (ناشکری کی صورت میں اس کا اندیشہ ہے) اور موسیٰ (علیہ السلام) نے (یہ بھی) فرمایا کہ اگر تم اور تمام دنیا بھر کے آدمی سب کے سب مل کر بھی ناشکری کرنے لگو تو اللہ تعالیٰ (کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ وہ) بالکل بے نیاز ہے (اسے کسی کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں، اور اپنی ذات کے معاملوں میں) اچھی صفتوں والا ہے (وہاں غیر سے کمال حاصل کرنے یا طلب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا اللہ کے نقصان کا کوئی اندیشہ ہی نہیں، اور تم اپنا نقصان سن چکے ہو ﴿اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ﴾ اس لئے شکر کرنا، ناشکری مت کرنا۔

فائدہ: شکر میں ایمان اور ناشکری میں کفر بھی داخل ہے۔

﴿اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۬ۛ وَالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْۤا اِنَّا کَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ۝ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَدْعُوْکُمْ لِیَغْفِرَ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُؤَخِّرَکُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا کَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِیَکُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَکَّلَ عَلَی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَاۤ اٰذَیْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ

الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۝ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ ع ۱۴

ترجمہ: کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود۔ اور جو لوگ ان کے بعد ہوئے ہیں جن کو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ ان کے پیغمبران کے پاس دلائل لے کر آئے، سو ان قوموں نے اپنے ہاتھ ان پیغمبروں کے منہ میں دے دیئے اور کہنے لگے کہ جو حکم دے کر تم کو بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں اور جس امر کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو ہم تو اس کی جانب سے بہت بڑے شبہ میں ہیں، جو تردد میں ڈالے ہوئے ہے۔ ان کے پیغمبروں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے جو کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ تم کو بلا رہا ہے تاکہ تمہارے گناہ معاف کر دے اور معین مدت تک تم کو حیات دے۔ انھوں نے کہا کہ تم محض ایک آدمی ہو جیسے ہم ہیں۔ تم یوں چاہتے ہو کہ ہمارے آباؤ اجداد جس چیز کی عبادت کرتے تھے اس سے ہم کو روک دو سو کوئی صاف معجزہ دکھلاؤ۔ ان کے رسولوں نے کہا کہ ہم بھی تمہارے جیسے آدمی ہیں، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماوے۔ اور یہ بات قبضہ کی نہیں کہ ہم تم کو کوئی معجزہ دکھلا سکیں بغیر خدا کے حکم کے۔ اور اللہ ہی پر سب ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔ اور ہم کو اللہ پر بھروسہ نہ کرنے کا کون امر باعث ہو سکتا ہے، حالانکہ اس نے ہم کو ہمارے راستے بتلا دیئے۔ اور تم نے جو کچھ ہم کو ایذا پہنچائی ہے ہم اس پر صبر کریں گے۔ اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے۔ اور ان کفار نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی سرزمین سے نکال دیں گے یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آ جاؤ۔ پس ان رسولوں پر ان کے رب نے وحی نازل فرمائی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے اور ان کے بعد تم کو اس سرزمین میں آباد رکھیں گے یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو میرے روبرو کھڑے ہونے سے ڈرے اور میری وعید سے ڈرے۔ اور کفار فیصلہ چاہنے لگے اور جتنے سرکش ضدی تھے وہ سب بے مراد ہوئے۔

ربط: اوپر والی آیتوں کی تمہید میں بیان ہو چکا۔

بعض دوسرے رسولوں کے ان کی قوموں کے ساتھ معاملات کا ذکر:

(اے مکہ کے کافرو!) کیا تمہیں ان لوگوں (کے واقعات) کی خبر (چاہے مختصر طور پر ہی سہی) نہیں پہنچی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں، یعنی نوح کی قوم اور عاد (ہود کی قوم) اور ثمود (صالح کی قوم) اور جو لوگ ان کے بعد ہوئے، جن (کی تفصیلی حالت) کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا (کیونکہ ان کے حالات تفصیلی تو باضابطہ طور پر نقل نہیں ہوئے اور وہ واقعات یہ ہیں کہ) ان کے پیغمبران کے پاس دلیلیں لے کر آئے تو ان قوموں (میں جو کافر تھے انھوں) نے اپنے ہاتھ اپنے پیغمبروں

کے منہ میں دے دیئے (یعنی ماننے تو کیا، یہ کوشش کرتے تھے کہ انہیں بات تک نہ کرنے دیں) اور کہنے لگے کہ جو حکم دے کر (تمہارے زعم کے مطابق) تمہیں بھیجا گیا ہے (یعنی توحید اور ایمان) ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں۔ اور جس امر کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو (وہی وحی توحید و ایمان) ہم تو اس کی جانب سے بہت بڑے شبہ میں ہیں جو (ہمیں) فکر و پریشانی میں ڈالے ہوئے ہے (اس سے مقصود توحید اور رسالت دونوں کا انکار ہے، توحید کا تو ظاہر ہے اور رسالت کا ﴿ تَدْعُوْنَنَآ ﴾ میں ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ تم خود اپنی رائے سے توحید کی دعوت دے رہے ہو۔ نہ اللہ کی طرف سے تمہیں حکم دیا گیا ہے اور نہ ہی تم رسول ہو) ان کے پیغمبروں نے (اس بات کے جواب میں) کہا۔ کیا (تمہیں) اللہ تعالیٰ کے بارے میں (یعنی اس کی توحید میں) شک (اور انکار) ہے جو کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے (یعنی اس کا ان چیزوں کو پیدا کرنا خود اس کے وجود اور اس کے ایک ہونے کی دلیل ہے) پھر اس دلیل کے ہوتے ہوئے شک کرنا بڑے تعجب کی بات ہے اور تم جو توحید کی طرف دعوت دینے کی نسبت مستقل طور پر ہماری طرف کرتے ہو یہ بھی بالکل غلط ہے۔ اگرچہ توحید برحق ہونے کی وجہ سے اس قابل ہے کہ اگر کوئی اپنی رائے سے بھی اس کی دعوت کرے تو بھی مناسب اور زیبا ہے، لیکن جس معاملہ میں یہاں بحث ہے اس میں تو ہماری دعوت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے لہٰذا) وہ (ہی) تمہیں (توحید کی طرف بلا رہا ہے) تاکہ (اسے قبول کرنے کی برکت سے) تمہارے (پچھلے گناہ) معاف کردے اور (تمہاری عمر کی) متعین مدت تک تمہیں (خیر و خوبی کے ساتھ) زندگی دے (مطلب یہ کہ توحید علاوہ اس کے کہ اپنے آپ میں حق ہے، تمہارے لئے دونوں جہاں میں نفع بخش بھی ہے، دنیا میں تو خیر مذکورہ معنی کے مطابق ایک خاص مدت تک اور آخرت میں مغفرت۔ اور اس جواب میں دونوں باتوں سے متعلق جواب ہوگیا، توحید سے متعلق بھی ﴿ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ ﴾ الخ اور رسالت سے متعلق بھی ﴿ يَدْعُوْكُمْ ﴾ میں جیسا کہ ترجمہ کے بیان سے ظاہر ہے) انھوں نے (پھر دونوں معاملوں سے متعلق بات شروع کی، اور کہا کہ تم پیغمبر نہیں ہو) بلکہ (صرف ایک آدمی ہو جیسے ہم ہیں (اور آدمی ہونا رسالت کے خلاف ہے۔ اور جب پیغمبر نہیں ہو تو تم جو کچھ توحید کے بارے میں کہتے ہو۔ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے، بلکہ) تم (اپنی رائے سے اور اپنی طرف سے ہی) یوں چاہتے ہو کہ ہمارے باپ دادا جس چیز کی عبادت کرتے تھے (یعنی بت) اس سے ہمیں روک دو، تو (اگر رسالت کے دعویدار ہو تو ان دلیلوں کے علاوہ جو ﴿ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ کے مطابق بیان ہو چکے ہیں اور) کوئی صاف معجزہ دکھاؤ (جو ان سب سے زیادہ واضح ہو، اس میں نبوت پر تو کلام ظاہر ہے اور ﴿ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ﴾ میں توحید پر کلام کی طرف اشارہ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ شرک کے حق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے بزرگ اس کو کرتے تھے) ان کے رسولوں نے (اس کے جواب میں) کہا کہ (تمہاری بات کے کئی حصے ہیں: (۱) توحید کے انکار کی دلیل باپ دادا کا عمل (۲) نبوت کا انکار، نبی کے بشر نہ ہونے کے دعوی کی بنیاد پر (۳) گذشتہ دلیلوں کے علاوہ واضح دلیل کا مطالبہ تو پہلے امر کے متعلق تو ﴿ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ میں جواب ہوگیا، کیونکہ عقلی دلیل کے مقابلہ میں رسم اور عرف کوئی چیز نہیں

ہوتی۔ دوسرے امر کے متعلق ہم اپنے آدمی ہونے کو تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی) ہم بھی تمہاری طرح آدمی ہی ہیں، لیکن (آدمی ہونے اور نبوت میں کوئی مخالفت نہیں ہے، کیونکہ نبوت ایک اعلیٰ درجہ کا اللہ کا احسان ہے۔ اور) اللہ (کو اختیار ہے کہ) اپنے بندوں میں سے، جس پر چاہے احسان فرماوے (اور احسان کے انسان کے علاوہ کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی دلیل نہیں) اور (تیسرے امر سے متعلق یہ ہے کہ دعوی کے لئے جس میں نبوت کا دعوی بھی شامل ہے نفس دلیل اور مطلق دلیل جو نبوت کی صورت میں معجزہ ہوگا، ضروری ہے، جو کہ پیش کی جا چکی ہے۔ رہا دلیل اور خاص معجزہ کا معاملہ جس کو تم سلطان مبین یعنی صاف دلیل کہہ رہے ہو تو اول تو وہ مناظرہ کے قواعد کے لحاظ سے ضروری نہیں، دوسرے یہ بات ہمارے قبضہ کی نہیں کہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر تمہیں کوئی معجزہ دکھا سکیں (لہٰذا تمہارے سارے سوالوں کا جواب ہوگیا۔ پھر اگر اس پر بھی نہ مانو اور مخالفت کئے جاؤ تو خیر ہم تمہاری مخالفت سے نہیں ڈرتے، بلکہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں) اور سارے ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے (چونکہ ہم بھی ایمان والے ہیں اور ایمان کا تقاضا اللہ پر بھروسہ کرنا ہے، اس لئے ہم بھی اس کو اختیار کرتے ہیں) اور ہمارے لئے اللہ پر بھروسہ نہ کرنے میں کونسا امر سبب ہو سکتا ہے، حالانکہ اس نے (ہمارے حال پر بڑا فضل کیا کہ) ہمیں ہمارے (دونوں جہاں کے فائدوں کے) راستے بتا دیئے (جس کا اتنا بڑا فضل ہو، اس پر تو ضرور بھروسہ کرنا چاہئے) اور (باہری نقصان سے تو یوں بے فکر ہو گئے، رہا اندرونی نقصان کہ تمہاری مخالفت کا رنج وملال ہوتا تو) تم نے (دشمنی اور مخالفت کر کے) جو کچھ ہمیں اذیت پہنچائی ہے تو ہم اس پر صبر کریں گے (لہٰذا اس سے بھی) ہمیں نقصان نہ رہا اور اس صبر کا حاصل بھی وہی توکل یعنی اللہ پر بھروسہ ہے) اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھنے والوں کو (ہمیشہ) بھروسہ رکھنا چاہئے (اور یہ تمام حجتیں پوری کرنے کے بعد بھی کافر نرم نہ ہوئے، بلکہ) ان کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں گے۔ یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ (لوٹ آنا اس لئے کہا کہ رسولوں کے مبعوث ہونے کے اعلان سے پہلے کی ان کی خاموشی سے وہ لوگ یہی سمجھتے تھے کہ ان کا عقیدہ بھی ہمارے عقیدہ جیسا ہی ہوگا) لہٰذا ان رسولوں پر ان کے رب نے (تسلی کے لئے) وحی نازل فرمائی کہ (یہ بیچارے تمہیں کیا نکالیں گے) ہم (ہی) ان ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے اور ان کے (ہلاک کرنے کے) بعد تمہیں اس سرزمین میں آباد رکھیں گے (اور) یہ (آباد رکھنے کا وعدہ کچھ تمہارے ساتھ خاص نہیں، بلکہ) ہر اس شخص کے لئے (عام) ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اور میری وعید سے ڈرے (مراد یہ ہے کہ جو مسلمان ہو جس کی علامت حشر کے دن کھڑا ہونے کا خوف اور وعید کا خوف ہے، عذاب سے نجات دینے کا یہ وعدہ سب کے لئے عام ہے) اور (پیغمبروں نے جو یہ مضمون کافروں کو سنایا کہ تم نے دلیلوں کے فیصلہ کو نہ مانا اب عذاب کے ذریعہ فیصلہ ہونے والا ہے، جیسا کہ آیت ﴿اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ﴾ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے تو چونکہ) کافر لوگ (کھلی جہالت اور دشمنی وعناد میں مبتلا تھے، اس سے بھی نہ ڈرے، بلکہ وہ پوری بے باکی کے ساتھ) فیصلہ چاہنے لگے (جیسا کہ آیت ﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ﴾ وغیرہ

سے معلوم ہوتا ہے) اور (جب وہ فیصلہ آیا تو) جتنے سرکش (اور) ضدی (لوگ) تھے، وہ سب (اس فیصلہ میں) بے مراد ہوئے (یعنی ہلاک ہوگئے اور ان کی جو مراد تھی کہ خود کو حق پر سمجھ کر فتح و کامیابی چاہتے تھے، وہ حاصل نہ ہوئی)

فائدہ: کبھی وسوسہ ہو جاتا ہے کہ ﴿ اَلَمۡ یَاۡتِكُمۡ ﴾ الخ تو ان کے واقعہ کا علم ہونا اور ﴿ لَا یَعۡلَمُهُمۡ ﴾ سے اس کا علم نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول اجمال کے اعتبار سے اور دوسرا تفصیل کے اعتبار سے ہے، جیسا کہ ترجمہ کے بیان سے ظاہر ہے، لہٰذا ﴿ لَا یَعۡلَمُهُمۡ ﴾ کا مضمون آیت ﴿ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَیۡكَ ﴾ کی طرح ہوا، جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے۔ اور ﴿ لِیَغۡفِرَ لَكُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ ﴾ سے متعلق تحقیق سورۃ الانفال آیت ۳۸ ﴿ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ كَفَرُوۡۤا ﴾ الخ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمالی جائے۔ حاصل یہ کہ اسلام قبول کرنے سے گناہ تو سارے معاف ہو جاتے ہیں، لیکن حقوق اور زجر و تنبیہ معاف نہیں ہوتے۔ چنانچہ اسلام کی وجہ سے ذمی سے حدود کے ساقط نہ ہونے کا ذکر فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

﴿ مِّنۡ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ وَ یُسۡقٰى مِنۡ مَّآءٍ صَدِیۡدٍ ۝ یَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا یَكَادُ یُسِیۡغُهٗ وَیَاۡتِیۡهِ الۡمَوۡتُ مِنۡ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَیِّتٍ ؕ وَمِنۡ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِیۡظٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اس کے آگے دوزخ ہے اور اس کو ایسا پانی پینے کو دیا جائے گا جو کہ پیپ لہو ہوگا جس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیوے گا اور گلے سے آسانی کے ساتھ اتارنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور ہر طرف سے اس پر موت کی آمد ہوگی اور وہ کسی طرح مرے گا نہیں اور اس کو اور سخت عذاب کا سامنا ہوگا۔

ربط: اوپر رسالت کا انکار کرنے والے کے دنیاوی عذاب کا ذکر تھا۔ اب اس کے آخرت کے عذاب کا ذکر ہے۔

رسولوں کا انکار کرنے والوں کا عذاب:

(اوپر جس سرکش ضدی کا ذکر ہوا ہے دنیاوی عذاب کے علاوہ) اس کے آگے دوزخ (کا عذاب آنے والا) ہے اور اس کو (دوزخ میں) پینے کے لئے ایسا پانی دیا جائے گا جو کہ پیپ اور خون (کی طرح) ہوگا جس کو (انتہائی سخت پیاس کی وجہ سے وہ) گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا اور (وہ انتہائی گرم اور ناپسندیدہ ہونے کی وجہ سے) گلے سے آسانی کے ساتھ اتارنے کی کوئی صورت نہ ہوگی، اور اس پر ہر طرف سے موت آئے گی اور وہ کسی طرح مرے گا نہیں (بلکہ یوں ہی سسکتا رہے گا) اور (پھر یہ بھی نہیں کہ یہی مذکورہ عذاب ایک حالت پر رہے بلکہ) اس (شخص) کو اور (زیادہ) سخت عذاب کا سامنا (برابر) ہوا (کرے) گا (جس سے عادت پڑنے کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ كُلَّمَا نَضِجَتۡ جُلُوۡدُهُمۡ بَدَّلۡنٰهُمۡ جُلُوۡدًا غَیۡرَهَا ﴾

فائدہ: ﴿ یَّتَجَرَّعُهٗ ﴾ یعنی گھونٹ گھونٹ کر کے پینے اور ﴿ لَا یَكَادُ ﴾ یعنی گلے سے آسانی کے ساتھ نہ اترنے

کے ایک ساتھ جمع ہونے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ گلے سے پھنس کر اترے، لہٰذا اتر جانے کے اعتبار سے تجرع کا حکم صحیح ہوا اور بغیر پھنسے نہ اترنے کے اعتبار سے ﴿لَا یَکَادُ﴾ کا حکم صحیح ہوا۔ دوسری صورت یہ کہ پھنس کر رہ جائے، اترے نہیں۔ لہٰذا ﴿لَا یَکَادُ﴾ کا حکم تو ظاہر ہے اور تجرع کا حکم ارادہ وقصد کے اعتبار سے صحیح ہوا۔ یعنی پینا چاہے گا مگر پی نہ سکے گا۔ واللہ اعلم

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰۗؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ۧ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾ ع

ترجمہ: جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے ہیں، ان کی حالت باعتبار عمل کے یہ ہے جیسے کچھ راکھ ہو، جس کو تیز آندھی کے دن میں تیزی کے ساتھ ہوا اڑا لے جائے۔ ان لوگوں نے جو کچھ عمل کئے تھے اس کا کوئی حصہ ان کو حاصل نہ ہوگا۔ یہ بھی بڑی دور دراز کی گمراہی ہے۔ کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو بالکل ٹھیک ٹھیک پیدا کیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو سب کو فنا کردے اور ایک دوسری مخلوق پیدا کردے اور یہ خدا کو کچھ بھی مشکل نہیں۔ اور خدا کے سامنے سب پیش ہوں گے پھر چھوٹے درجہ کے لوگ بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے تو کیا تم خدا کے عذاب کا کچھ جزو ہم سے ہٹا سکتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہم کو راہ بتلاتا تو ہم تم کو بھی راہ بتلا دیتے۔ ہم سب کے حق میں دونوں صورتیں برابر ہیں خواہ ہم پریشان ہوں خواہ ضبط کریں ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اور جب تمام مقدمات فیصل ہوچکیں گے تو شیطان کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے سچے وعدے کئے تھے اور میں نے بھی کچھ وعدے تم سے کئے تھے، سو میں نے وہ وعدے تم سے خلاف کئے تھے اور میرا تم پر اور تو کچھ زور چلتا نہ تھا، بجز اس کے کہ میں نے تم کو بلایا تھا، سو تم نے میرا کہنا مان لیا تو تم مجھ پر ملامت مت کرو اور ملامت اپنے آپ کو کرو۔ نہ میں تمہارا مددگار ہوں اور نہ تم میرے مددگار ہو۔ میں خود تمہارے اس فعل سے بیزار ہوں کہ تم اس کے قبل مجھ کو شریک قرار دیتے تھے، یقیناً ظالموں کے لئے دردِ

ناک عذاب ہے۔

ربط: اوپر رسالت کا انکار کرنے والے کے عذاب کا ذکر تھا۔ چونکہ رسالت کا انکار کرنے والے بعض لوگ اپنے زعم کے مطابق کچھ اعمال ثواب اور اللہ کی قربت کے بھی کرتے تھے، جن میں سے بعض تو اپنے آپ میں بھی قربت نہ تھے، جیسے بت پرستی اور بعض ان کے اعتبار سے قربت نہ تھے، جیسے غلام کو آزاد کرنا، صلہ رحمی اور مہمانداری وغیرہ کہ یہ اعمال خود اپنے آپ میں تو قربت کا ذریعہ ہیں، لیکن شرط یعنی ایمان کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کے حق میں قربت کا ذریعہ نہیں رہے، لہٰذا ان اعمال پر نظر کرنے سے انہیں شبہ ہوسکتا تھا کہ یہ اعمال ہمارے کام آئیں گے اور عذاب سے بچالیں گے۔ اسی طرح یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ قیامت میں ہمارا دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جانا ہی محال ہے، پھر عذاب کی گنجائش کہاں ہے؟ اسی طرح یہ وسوسہ ممکن تھا کہ جن کے کہنے سے ہم اس طریقہ کو اختیار کئے ہوئے ہیں، وہ ہمارے کام آئیں گے۔ اسی طرح یہ احتمال ہوسکتا تھا کہ اللہ کے علاوہ جو معبود ہیں، وہ ہمیں بچالیں گے۔ اس لئے اب ان اعمال کا بالکل بے اثر ہونا آیت ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ الخ میں اور دوسرے قیامت واقع ہونے کا امکان آیت ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ﴾ الخ میں اور تیسرے بزرگوں وغیرہ کا کام نہ آنا آیت ﴿وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ﴾ الخ میں اور چوتھے اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کی معبودیت کی جو اصل جڑ ہے یعنی شیطان کا قیامت کے دن صاف جواب دیدینا بیان فرماتے ہیں۔ لہٰذا مجموعہ کا حاصل نجات کے تمام راستوں کا بند ہوجانا ہے۔

کافروں کی نجات کے احتمالی تمام راستوں کا بند ہونا:

(اگر ان کافروں کو اپنی نجات سے متعلق یہ زعم ہو کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے نفع بخش ہوں گے تو اس کا قاعدہ کلیہ تو یہ سن لو کہ) جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے ہیں، ان کی حالت (عمل کے اعتبار سے) یہ ہے (یعنی ان کے اعمال کی ایسی مثال ہے) جیسے کچھ راکھ ہو (جو اڑنے میں بہت ہلکی ہوتی ہے) جسے تیز آندھی کے دن میں تیزی کے ساتھ ہوا اڑا لے جائے (کہ اس صورت میں اس راکھ کا نام ونشان بھی نہ رہے گا۔ اس طرح) ان لوگوں نے جو کچھ عمل کئے تھے، ان کا کوئی حصہ (یعنی اثر اور نفع کی قسم سے) انہیں حاصل نہ ہوگا (اس راکھ کی طرح ضائع و برباد ہوجائے گا) یہ بھی بڑی دور دراز کی گمراہی ہے (کہ گمان تو یہ ہو کہ ہمارے اعمال نیک اور نفع دینے والے ہیں، اور پھر وہ برے اور نقصان دینے والے ظاہر ہوں، جیسے بتوں کی پوجا، یا نفع نہ دینے والے جیسے غلاموں کو آزاد کرنا اور صلہ رحمی وغیرہ اور چونکہ یہ حق سے بہت دور ہیں، اس لئے بعید کہا گیا۔ لہٰذا اس طریقہ سے تو نجات کا احتمال نہ رہا۔

اور اگر ان کا یہ زعم ہو کہ قیامت ہی کا وجود محال ہے اور اس صورت میں عذاب کا احتمال نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اے مخاطب!) کیا تجھے یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو بالکل ٹھیک ٹھیک (یعنی نفعوں اور مصلحتوں

پر مشتمل) پیدا کیا ہے (اور اس سے اس کا قادر ہونا ظاہر ہے، لہٰذا جب وہ قادر (مطلق ہے تو) اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کردے اور ایک دوسری نئی مخلوق پیدا کرے اور یہ اللہ کو کچھ بھی مشکل نہیں (لہٰذا جب نئی مخلوق پیدا کرنا آسان ہے تو تمہیں دوبارہ پیدا کردینا کونسا مشکل کام ہے، لہٰذا اس ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ یعنی آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے تو نئے پیدا کرنے کی قدرت پر استدلال کیا اور اس سے پہلے سے پیدا کئے ہوئے کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہونے پر استدلال کیا۔ غرض نجات کے طریقہ کا یہ زعم بھی باطل ہوا) اور (اگر یہ وسوسہ ہو کہ ہمارے بزرگ ہمیں بچالیں گے تو اس کی حقیقت سن لو کہ قیامت کے دن) اللہ کے سامنے سب پیش ہوں گے، پھر چھوٹے درجہ کے لوگ (یعنی عوام اور اتباع کرنے والے) بڑے (اونچے) درجہ کے لوگوں سے (یعنی خواص سے اور ان لوگوں سے جن کی یہ اتباع کرتے تھے، ملامت اور عتاب کے طور پر) کہیں گے کہ ہم (دنیا میں) تمہارے تابع تھے (یہاں تک کہ ہمیں دین کا جو راستہ تم نے بتایا ہم اس پر چل پڑے اور آج ہم پر مصیبت آئی ہوئی ہے) تو کیا تم اللہ کے عذاب کا کچھ حصہ ہم سے دور کرسکتے ہو؟ (یعنی اگر پوری طرح نہ بچاسکو تو کیا تھوڑا بہت بھی بچاسکتے ہو؟ جواب میں) وہ کہیں گے کہ (ہم تمہیں کیا بچاتے، خود ہی نہیں بچ سکتے ہیں۔ ہاں) اگر کوئی ہمیں بچنے کا راستہ بتاتا تو ہم تمہیں بھی (وہ) راستہ بتادیتے (اور اب تو) ہم سب کے حق میں دونوں صورتیں برابر ہیں، چاہے ہم پریشان ہوں (جیسا کہ تمہاری پریشانی ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ ﴾ سے ظاہر ہے۔ اور ہماری پریشانی تو ﴿ هَدٰىنَا اللّٰهُ ﴾ سے ظاہر ہی ہے) چاہے برداشت کریں (دونوں حالتوں میں) ہمارے لئے بچنے کی کوئی صورت نہیں (اس سوال وجواب سے ظاہر ہوگیا کہ کفر کے راستہ کے بزرگ بھی اتباع کرنے والوں کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ نجات کے اس طریقہ کا بھی احتمال نہ رہا)

اور (اگر اس کا بھروسہ ہو کہ اللہ کے علاوہ یہ دوسرے معبود کام آئیں گے تو اس کا احتمال اس حکایت سے معلوم ہوجائے گا کہ) جب (قیامت میں) تمام مقدموں کا فیصلہ ہوچکے گا (یعنی ایمان والے جنت میں اور کافر جہنم میں بھیج دیئے جائیں گے) تو (سارے جہنمی شیطان کے پاس جاکر کہ وہ بھی وہاں ہوگا، ملامت کریں گے کہ کم بخت تو تو ڈوبا ہی تھا تو نے اپنے ساتھ ہمیں بھی ڈبویا۔ اس وقت جواب میں) شیطان کہے گا کہ (مجھ پر تمہاری ملامت ناحق ہے، کیونکہ) تم سے اللہ تعالیٰ نے (جتنے وعدے کئے تھے، وہ سب) سچے وعدے کئے تھے (کہ قیامت ہوگی اور کفر سے ہلاکت ہوگی، اور ایمان سے نجات ہوگی) اور میں نے بھی تم سے کچھ وعدے کئے تھے (کہ قیامت نہ ہوگی اور تمہارا کفر کا طریقہ بھی نجات کا طریقہ ہے) تو میں نے تم سے وہ وعدے غلط (حقیقت کے خلاف) کئے تھے (اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے حق ہونے پر اور میرے وعدوں کے باطل ہونے پر قطعی دلیلیں قائم تھیں اور اس کے باوجود تم نے میرے وعدوں کو صحیح اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو غلط سمجھا تو تم خود اپنے ہاتھوں ڈوبے) اور (اگر تم یہ کہو کہ آخر سچے وعدوں کو جھوٹا سمجھنے اور جھوٹے وعدوں کو سچا سمجھنے کا سبب بھی میں ہی ہوا تو بات یہ ہے کہ واقعی میں بہکانے کے درجہ میں ضرور سبب بنا، لیکن یہ دیکھیں کہ میرے بہکانے

کے بعد تم آزاد و خود مختار تھے یا مجبور؟ تو ظاہر ہے کہ) میرا تمہارے اوپر اس کے سوا اور تو کوئی زور چلتا نہ تھا کہ میں نے تمہیں (گمراہی کی طرف) بلایا تھا تو تم نے (خود اپنے اختیار سے) میرا کہنا مان لیا (اگر نہ مانتے تو میں تمہیں زبردستی تو گمراہ نہ کر سکتا تھا جب یہ بات ثابت ہے) تو تم (ساری) ملامت مجھے مت کرو، اس طرح کہ اپنے آپ کو بالکل بری سمجھنے لگو) اور (زیادہ) ملامت اپنے آپ کو کرو (کیونکہ عذاب کی اصل علت تمہارا ہی فعل ہے اور میرا فعل صرف سبب ہے جو اصل مسئلہ سے بہت دور ہے اور لازمی نہیں ہے۔ لہٰذا ملامت کا تو یہ جواب ہے۔ اور اس بات سے مقصود مدد و تعاون مانگنا ہے تو میں کسی کی کیا مدد کروں گا، خود ہی مصیبت میں مبتلا ہوں اور امداد کا محتاج ہو رہا ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ کوئی میری مدد نہ کرے گا، ورنہ میں بھی تم سے اپنے لئے مدد چاہتا، کیونکہ مجھے زیادہ مناسبت تم ہی سے ہے۔ لہٰذا اب تو) نہ میں تمہارا مددگار ہو سکتا ہوں اور نہ تم میرے مددگار (ہو سکتے) ہو (ہاں! اگر میں تمہارے شرک کے طریقہ کو حق سمجھتا ہوتا تو بھی اس تعلق کی وجہ سے مدد کا مطالبہ کرنے کی کسی درجہ میں گنجائش تھی، لیکن) میں خود تمہارے اس فعل سے بیزار ہوں (اور اس کو باطل سمجھتا ہوں) کہ تم اس سے پہلے (دنیا میں) مجھے (اللہ کا) شریک قرار دیتے تھے (یعنی بتوں وغیرہ کی عبادت کے بارے میں میری ایسی اطاعت کرتے تھے جو اطاعت کہ خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے، لہٰذا بتوں کو شریک ٹھہرانا، اس معنی میں شیطان کو شریک ٹھہرانا ہے، لہٰذا مجھ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں، نہ تمہیں مجھ سے امداد طلب کرنے کا حق ہے۔ لہٰذا یقیناً ظالموں کے لئے دردناک عذاب (مقرر) ہے (اس لئے عذاب میں پڑے رہو۔ نہ مجھ پر ملامت کرنے سے کسی نفع کی امید رکھو اور نہ مدد چاہنے سے، جو تم نے ظلم کیا تھا تم بھگتو، جو میں نے کیا تھا، میں بھگتوں گا۔ اس لئے بات ختم کرو۔ یہ ابلیس کے جواب کا حاصل ہوا، اس لئے اس سے اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کا بھروسہ بھی ختم ہوا، کیونکہ جو ان معبودوں کی عبادت کا اصل بانی اور محرک ہے اور حقیقت میں اللہ کے علاوہ دوسروں کی عبادت سے زیادہ خوش وہی ہوتا ہے، چنانچہ اس بنا پر قیامت کے دن جہنم میں جہنمی لوگ اسی سے کہنا سننا کریں گے اور اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں میں سے کسی سے کچھ نہ کہیں گے، جب اس نے صاف جواب دیدیا تو دوسروں سے کیا امید ہو سکتی ہے۔ لہٰذا کافروں کی نجات کے سارے راستے بند ہو گئے۔ اور یہی مضمون مقصود تھا جیسا کہ عنوان میں ظاہر کیا گیا ہے۔

فائدہ: اوپر جو چھوٹے درجہ کے لوگوں کا یہ قول نقل فرمایا گیا ہے ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ﴾ الخ اگر یہ امر جائز رکھا جائے کہ قیامت میں بعض حقیقتیں کافروں سے پوشیدہ رہیں گی، جیسا کہ اکثر آیتوں کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ﴾ کہ اس درخواست سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس کی امید ہوگی، تب تو ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ﴾ میں سوال اپنے ظاہری معنی پر ہے اور بندہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور یہ جو آیا ہے کہ ﴿مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ یہ انکار محققین کے نزدیک گمراہ کرنے کے اعتبار سے ہے یعنی گمراہ کرنے میں اس سے زیادہ زور نہیں چلتا کہ بہکا دے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ زبردستی کسی کو گمراہ کر دے، لہٰذا اس سے یہ لازم نہیں

آتا کہ شیطان، انسان کو کوئی دوسرا نقصان نہ پہنچا سکیں۔ بلکہ نصوص اور مشاہدوں سے اس کا امکان اور واقع ہونا ثابت ہے کہ بعض بیماریوں میں بھی شیطان کو دخل ہوسکتا ہے، وہ بے ہوش کر سکتے ہیں، آدمی کو اٹھا کر لے جاسکتے ہیں، پتھر برسا سکتے ہیں، مگر چونکہ اکثر فرشتے محافظ رہتے ہیں اس لئے ایسے واقعات کثرت سے نہیں ہوتے۔ اور یہ جو آیا ہے ﴿ دَعَوْتُكُمْ ﴾ اس کا سچ ہونا واسطہ سے اور بغیر واسطہ دونوں طرح ہوسکتا ہے، چنانچہ شیطان کبھی تو خود بہکاتا ہے اور کبھی دوسرے شیطانوں کو اس کا حکم کرتا ہے، اور ایک وقت میں بغیر واسطہ کے کئی لوگوں کو بہکا سکنے کے ناممکن ہونے پر کوئی قابل ذکر دلیل قائم نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم

﴿ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے وہ ایسے باغوں میں داخل کئے جاویں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں ان کو سلام اس لفظ سے کیا جاوے گا۔ السلام علیکم۔

ربط: اوپر کافروں پر ہونے والے عذاب کا ذکر تھا۔ اب مضمون کو پورا کرنے کی غرض سے ایمان والوں کے ثواب کا ذکر ہے، کیونکہ ﴿ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴾ میں لفظ ﴿ جَمِيْعًا ﴾ میں سب شامل ہیں۔ کافروں اور مومنوں کی تفصیل سے یہ بات پوری ہوگئی۔

مومنوں کا ثواب:

اور جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے، وہ ایسے باغوں میں داخل کئے جائیں گے، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور ان میں اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) وہاں انہیں اس لفظ سے سلام کیا جائے گا: السلام علیکم (یعنی آپس میں بھی اور فرشتوں کی طرف سے بھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴾ اور دوسری جگہ ہے: ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ ﴾

﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے کلمۂ طیبہ کی کہ وہ مشابہ ہے ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ خوب گڑی ہوئی ہو اور اس کی شاخیں اونچائی میں جاری ہوں وہ خدا کے حکم سے ہر فصل میں اپنا پھل دیتا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے واسطے اس لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ وہ خوب سمجھ لیں۔ اور گندہ کلمہ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خراب درخت ہو، کہ زمین کے اوپر سے اکھاڑ لیا جاوے اس کو کچھ ثبات نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات سے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے اور ظالموں کو بچلا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ربط: سورت کے شروع سے یہاں تک رسالت اور آخرت کا ذکر ہو چکا۔ اب توحید کا بیان ہے۔ چنانچہ پہلے کلمۂ توحید کی فضیلت اور کفر و شرک کے کلمہ کی برائی و مذمت بیان کی گئی ہے، مثال کے ذریعہ ﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ﴾ الخ اور اثر کے ذریعہ ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ ﴾ الخ میں پھر مشرکوں کی مذمت و برائی ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا مقابلہ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ ﴾ الخ میں کفر کے ذریعہ کیا اور توحید کو ماننے والوں کی فضیلت اشارہ سے بیان کی گئی اور انہیں اللہ کی نعمتوں کے شکر کی تاکید ﴿ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ ﴾ الخ میں بیان کی گئی پھر اللہ کی بعض نعمتوں کی تعداد سمیت توحید کی دلیلیں ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ ﴾ الخ میں بیان ہوئیں۔

کلمۂ توحید کی فضیلت اور کلمۂ شرک کی برائی مثال اور اثر کے بیان کے ساتھ:

کیا آپ کو معلوم نہیں (یعنی اب معلوم ہو گیا) کہ اللہ تعالیٰ نے کلمۂ طیبہ کی کیسی (اچھی اور موقع کی) مثال بیان فرمائی ہے (یعنی توحید اور ایمان کے کلمہ کی) کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے (اس سے کھجور کا درخت مراد ہے) جس کی جڑ (زمین کے اندر) خوب گڑی ہوئی ہو اور اس کی شاخیں اونچائی میں جا رہی ہوں (اور) وہ (درخت) اللہ کے حکم سے ہر فصل میں (یعنی جب اس کی فصل آجائے) اپنا پھل دیتا ہو (یعنی خوب پھلتا ہو، کوئی فصل ماری نہ جاتی ہو، اسی طرح توحید کے کلمہ یعنی لا إله إلا الله کی ایک جڑ ہے یعنی اعتقاد یا عقیدہ جو مؤمن کے دل میں مضبوطی کے ساتھ جما ہوا ہے، اور اس کی کچھ شاخیں ہیں یعنی نیک اعمال جو ایمان کے نتیجہ میں کئے جاتے ہیں، جو اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کے لئے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں، پھر ان سے ہمیشہ کی رضا کا پھل ملتا ہے) اور اللہ تعالیٰ (اس قسم کی) مثالیں لوگوں کو (بتانے) کے واسطے اس لئے بیان فرماتے ہیں، تاکہ وہ (لوگ اس کے معنی کو جو مقصود ہیں) خوب سمجھ لیں (کیونکہ مثال کے ذریعہ مقصود کی خوب وضاحت ہو جاتی ہے) اور گندہ کلمہ (یعنی کفر و شرک کے کلمہ) کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خراب درخت ہو اس سے حنظل یعنی اندرائن مراد ہے) کہ وہ زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جائے (اور) وہ (زمین میں) کچھ جما ہوا نہ ہو (اس درخت کو اس کی بو اور مزہ اور رنگ کے اعتبار سے یا اس کے پھل کی بو اور مزہ اور رنگ کے اعتبار سے خراب قرار دیا۔ یہ مثال طیبہ کی صفت کے مقابلہ میں ہوئی، اور اوپر سے اکھاڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جڑ دور تک نہیں ہوتی۔ بلکہ اوپر

ہی رکھی ہوتی ہے، یہ ﴿ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ ﴾ کے مقابلہ میں فرمایا۔ اور ﴿ مَا لَهَا مِنۡ قَرَارٍ ﴾ اسی کی تاکید کے لئے فرمایا۔ اور اس کی شاخوں کا اونچا نہ جانا اور پھل کا میوہ کے طور پر کھانا مطلوب نہ ہونا ظاہر ہے، یہی حال کفر کے کلمہ کا ہے کہ اگرچہ کافر کے دل میں اس کی جڑ ہے یعنی وہ جما ہوا ہے، مگر حق کے سامنے اس کا کمزور اور مغلوب ہو جانا ایسا ہی ہے جیسے اس کی جڑ ہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ حُجَّتُهُمۡ دَاحِضَةٌ ﴾ اور شاید ﴿ مَا لَهَا مِنۡ قَرَارٍ ﴾ کی وضاحت سے کفر کی یہی کمزوری اور مغلوبیت بتانی مقصود ہو۔ اور چونکہ اس کے اعمال مقبول نہیں ہوتے، اس لئے فروع فی السماء بھی منفی معاملہ ہے۔ اور چونکہ اس کے اعمال پر اللہ کی رضا حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے پھل کی نفی بھی ظاہر ہے اور چونکہ کافر میں قبول اور رضا کا اصل کے اعتبار سے احتمال نہیں، اس لئے جس سے تشبیہ دی گئی اس کی جانب میں فروع اور پھل کا ذکر بالکل چھوڑ دیا ہو، برخلاف خود کفر کے کہ اس کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ اس کا وجود محسوس بھی ہے اور جہاد وغیرہ کے احکام میں معتبر بھی ہے، یہ تو دونوں کی مثال ہوگئی۔ آگے اثر کا بیان ہے کہ) اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات (یعنی جمی ہوئی جڑ والے کلمۂ طیبہ کی برکت) سے (جس کا ذکر اوپر ہوا) ایمان والوں کو دنیا اور آخرت (دونوں جگہوں) میں (دین میں اور امتحان میں) مضبوط رکھتا ہے، اور (اس خبیث کلمہ کی نحوست سے) ظالموں (یعنی کافروں) کو دونوں جگہ دین میں اور امتحان میں) بھٹکا دیتا ہے، اور (کسی کو ثابت رکھنے اور کسی کو بھٹکا دینے میں ہزاروں حکمتیں ہیں۔ چنانچہ) اللہ تعالیٰ (اپنی حکمت سے) جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

فائدہ: حنظل تنے دار نہیں ہوتا، اس کو شجرہ مجاز کے طور پر فرما دیا گیا اور شجرہ طیبہ اور شجرہ خبیثہ کی یہ تفسیریں حدیث میں آئی ہیں اس کو در منثور میں ترمذی، نسائی، بزار، ابی یعلی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن حبان سے نقل کیا اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ابن مردویہ نے انس سے مرفوعاً روایت کیا ہے، کھجور کا طیب ہونا تو ظاہر ہے اور حنظل کو بو، مزہ اور بعض نقصانوں کے اعتبار سے خبیث فرمایا، جن کا کتابوں میں ذکر ہے۔ اور ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ﴾ سے مراد یہ ہے کہ جنات اور انسانوں میں کے شیطانوں کے گمراہ کرنے اور بہکانے کا اس پر اثر نہیں ہوتا۔ اور وہ مرتے دم تک ایمان پر قائم رہتا ہے اور ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ فِي الۡاٰخِرَةِ ﴾ سے قبر میں منکر ونکیر کے سوال کا صحیح صحیح اور اطمینان کے ساتھ جواب دیدینا ہے۔ یہ تفسیر بہت ساری حدیثوں میں آئی ہے۔ البتہ اکثر حدیثوں میں مجموعی طور پر اس آیت کی یہ تفسیر آئی ہے جس کی وجہ سے بعض علماء نے اس کو دنیاوی زندگی میں جمے ہوئے کی تفسیر قرار دیا ہے اور آخرت سے قیامت کا زمانہ مراد لیا ہے، لیکن در منثور میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً خاص طور سے تفسیر نقل ہوئی ہے، جس میں آخرت سے مراد قبر ہونا قرار دیا گیا ہے جس کو طبرانی نے اوسط میں اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے اور اسی کے مناسب دنیا اور آخرت میں گمراہ کرنے کی تفسیر ہو جائے گی۔ چنانچہ دنیا میں ان کی گمراہی ظاہر ہے اور قبر میں حدیثوں کی صراحت کے مطابق ان سے جواب نہ بن پڑے گا، بلکہ حیرانی و پریشانی کے ساتھ اوٹ پٹانگ جواب دیں گے۔ ھاہ ھاہ لا ادری: یعنی ہائے

بارے میں نہیں جانتا۔ چنانچہ درمنثور میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ کافر کے جواب نہ دے سکنے کا ذکر کر کے انھوں نے کہا: فذلک قوله ویضل الله الظالمین: یعنی یہی وہ بات ہے جس کے لئے ویضل الله الظالمین فرمایا ہے۔ اسے ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے روایت فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور اس مقام پر ایک اشکال ہے کہ حضور ﷺ کو قبر کے سوال کا علم مدینہ میں ہوا ہے، چنانچہ اس کا بیان سورۂ مؤمن میں فرعون کے قصہ کے ختم پر آئے گا۔ پھر اس آیت کی تفسیر قبر کے سوال سے کرنا کیسے صحیح ہوگا، جبکہ یہ آیت مکی سورت کا جزء ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ آیت مدنی ہوگی۔ اور سورت کا مکی ہونا اس کے اکثر حصہ کے اعتبار سے ہے۔ اور یا یہ کہ یہ آیت عام ہے قبر اور قیامت دونوں کے لئے اور لفظ آخرت میں دونوں شامل ہیں، لیکن اس کی تفسیر کے ایک حصہ کا علم حضور کو مکہ میں دیا گیا اور وہاں دوسرا پوشیدہ رکھا گیا جو مدینہ میں بتا دیا گیا اور نصوص سے سوال کا قیامت کے دن ہونا بھی ثابت ہے جیسا کہ فرمایا ﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ مگر وہ سوال کافروں سے سخت حساب کے طور پر ہوگا اور ایمان والوں سے آسان حساب کے طور پر۔ اور اس میں ثابت قدم رکھ کر مدد فرمائی جائے گی اور حدیث میں جو نزلت فی عذاب القبر آیا ہے، اس سے مراد تخصیص نہیں، بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس پر بھی اس سے دلالت ہوئی ہے۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلَوْنَهَا ۚ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ ۚ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِیْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝ قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے بجائے نعمت الٰہی کے کفر کیا اور جنھوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں پہنچایا۔ وہ اس میں داخل ہونگے اور وہ رہنے کی بری جگہ ہے۔ اور ان لوگوں نے اللہ کے ساجھی قرار دیئے تاکہ اس کے دین سے گمراہ کریں۔ آپ کہہ دیجئے کہ چندے عیش کر لو، کیونکہ اخیر انجام تو تمہارا دوزخ میں جانا ہے۔ جو میرے خاص ایمان والے بندے ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ وہ نماز کی پابندی رکھیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس سے پوشیدہ اور آشکارا خرچ کیا کریں، ایسے دن کے آنے سے پہلے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی ہوگی۔

ربط: اوپر والی آیت کی تمہید میں بیان ہو چکا۔

کافروں اور مشرکوں کی مذمت اور مؤمنوں کی تعریف:

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا (یعنی ان لوگوں کا حال عجیب ہے) جنھوں نے اللہ کی نعمتوں کے (شکر کی)

بجائے کفر کیا (اس سے مکہ کے کافر لوگ مراد ہیں، جیسا کہ در منثور میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے) اور جنھوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں پہنچایا (یعنی انہیں بھی کفر کی تعلیم کی جس سے) وہ اس (جہنم) میں داخل ہوں گے اور وہ رہنے کی بری جگہ ہے (اس میں اشارہ ہوگیا کہ ان کا جہنم میں داخل ہونا مستقل طور پر اور ہمیشہ کے لئے ہوگا) اور (اوپر جو کہا گیا ہے کہ ان لوگوں نے نعمت کے شکر کی جگہ کفر کیا (اور اپنی قوم کو جہنم میں پہنچایا، اس کفر اور جہنم میں پہنچانے کا بیان یہ ہے کہ) ان لوگوں نے اللہ کے ساجھی و شریک قرار دیئے، تاکہ دوسروں کو بھی) اس کے دین سے گمراہ کریں (چنانچہ ساجھی قرار دینا کفر ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنا جہنم میں پہنچانا ہے) آپ (ان سب سے) کہہ دیجئے کہ کچھ تھوڑا سا عیش کرلو۔ کیونکہ آخر کار تمہارا انجام جہنم میں جانا ہے (عیش سے مراد کفر کی حالت میں رہنا ہے، کیونکہ ہر شخص کو اپنے مذہب میں لذت ہوتی ہے یعنی کچھ دن اور کفر کرلو۔ یہ ڈرانا اور دھمکی ہے، اور کیونکہ کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ تمہارا جہنم میں جانا تو ضروری ہے، اس لئے تمہارا کفر سے باز آنا مشکل ہے تو ٹھیک ہے کچھ دن اور گذار لو، پھر تو تمہیں اس مصیبت کا سامنا کرنا ہی پڑے گا۔ اور) جو میرے ایمان والے خاص بندے ہیں (انہیں نعمت کی ناشکری کے اس وبال پر تنبیہ کر کے اس سے محفوظ رکھنے کے لئے) ان سے کہہ دیجئے کہ وہ (اللہ کی نعمت کے اس طرح شکر گذار رہیں کہ) نماز کی پابندی رکھیں اور ہم نے انہیں جو کچھ دیا ہے، اس میں سے (شرعی قواعد کے مطابق) چھپا کر اور علانیہ طور پر (جیسا موقع ہو) خرچ کیا کریں۔ ایسے دن کے آنے سے پہلے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی ہوگی (مطلب یہ کہ بدنی اور مالی عبادتیں کرتے رہیں کہ نعمت کا یہی شکر ہے۔

فائدہ: اس میں مؤمنوں کی کئی طرح تعریف ہوگئی۔ ایک تو ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ان کے لئے فرمایا، پھر ان کی عزت بڑھاتے ہوئے عبادی فرمایا۔ پھر انہیں عنایت کے طور پر شکر کی ترغیب دے کر کفرانِ نعمت یعنی ناشکری کی ایک عظیم آفت سے بچایا، اوپر والی تمہید میں اشارہ سے یہی مراد ہے۔ اور خرید و فروخت اور دوستی کی نفی سورۃ البقرہ کی آیت ۲۵۴ میں بھی کی گئی ہے۔ وہاں ملاحظہ کرلیا جائے، اور دوستی کی نفی سے مقصود یہ ہے کہ یہ مستقل طور پر نفع دینے والی نہیں ہے۔ یہ مراد نہیں کہ ایمان ہوتے ہوئے بھی جبکہ محبت اللہ کے لئے ہو نفع دینے والی نہیں ہے۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۚ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۗ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴾ ع ۱۶

ترجمہ: اللہ ایسا ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس پانی سے پھلوں کی قسم سے

تمہارے لئے رزق پیدا کیا اور تمہارے نفع کے واسطے کشتی کو مسخر بنایا تا کہ وہ خدا کے حکم سے دریا میں چلے اور تمہارے نفع کے واسطے نہروں کو مسخر بنایا اور تمہارے نفع کے واسطے سورج اور چاند کو مسخر بنایا جو ہمیشہ چلنے ہی میں رہتے ہیں اور تمہارے نفع کے واسطے رات اور دن کو مسخر بنایا اور جو چیز تم نے مانگی تم کو ہر چیز دی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اگر شمار کرنے لگو تو شمار میں نہیں لا سکتے، سچ یہ ہے کہ آدمی بہت ہی بے انصاف بڑا ہی ناشکر ہے۔

ربط: اوپر والی تمہید میں بیان ہو چکا۔

توحید کا ثابت کرنا اور بعض نعمتوں کا بیان:

اللہ ایسا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمانوں سے پانی (یعنی مینہ، بارش) برسایا، پھر اس پانی سے پھلوں کی قسم سے تمہارے لئے رزق پیدا کیا۔ اور تمہارے فائدے کے لئے کشتی (اور جہاز) کو (اپنی قدرت کا) تابع کیا تا کہ وہ اللہ کے حکم (وقدرت) سے دریا میں چلے (اور تمہاری تجارت اور سفر کی غرض حاصل ہو) اور تمہارے فائدے کے لئے نہروں کو (اپنی قدرت کا) تابع کیا (تا کہ اس سے پیو اور آب پاشی کرو اور اس میں کشتی چلاؤ) اور تمہارے فائدے کے لئے سورج اور چاند کو (اپنی قدرت کا) تابع کیا، جو ہمیشہ چلنے ہی میں رہتے ہیں (تا کہ تمہیں روشنی اور گرمی وغیرہ کا فائدہ ہو) اور تمہارے فائدے کے لئے رات اور دن کو (اپنی قدرت کا) کا تابع کیا (تا کہ تمہیں معیشت یعنی روزگار اور آرام کا فائدہ حاصل ہو) اور جو چیز تم نے مانگی (اور وہ تمہارے حال کے مطابق ہوئی) تمہیں ہر چیز دی اور (مذکورہ نعمتیں ہی نہیں) اللہ تعالیٰ کی نعمتیں (تو اس قدر بے شمار ہیں کہ) اگر (ان کو) گننے لگو تو گن نہیں سکتے (مگر سچ یہ ہے کہ آدمی بہت ہی ناانصافی کرنے والا، بڑا ہی ناشکر ہے (کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر اور شکر نہیں کرتا بلکہ الٹا کفر و معصیت کرنے لگتا ہے، جیسا کہ اوپر آیا ہے ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا ﴾)

فائدہ: آسمان سے پانی نازل ہونے پر بعض کو یہ شبہ ہوا کہ کبھی کبھی اونچے پہاڑوں پر کھڑے ہونے سے نیچے پانی برستا ہوا نظر آتا ہے۔ اور یہ شخص خشک کھڑا رہتا ہے۔ اگر آسمان سے پانی برستا تو اس کے اوپر بھی برستا۔ مگر یہ شبہ انتہائی لغو ہے، ممکن ہے کہ وہ پانی آسمان سے بادلوں میں ملائکہ کی معرفت اس طرح آجائے کہ اوپر سے قطرے نہ ٹپکیں، پھر بادل سے قطرے ٹپکتے ہوں اور ہم بارش میں بخارات یعنی بھاپ کے دخل کا انکار نہیں کرتے، ممکن ہے کہ دونوں امر کا مجموعہ سبب ہوتا ہو یا کبھی ایک طریقہ ہو اور کبھی دوسرا۔ واللہ اعلم

اور ﴿ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ﴾ میں جو یہ قید لگائی ہے کہ وہ حال کے مطابق ہو، اس سے یہ شبہ جاتا رہا کہ بعض چیزیں ہم مانگتے ہیں اور وہ نہیں ملتی تو وہ چیزیں اللہ کی حکمت میں مانگنے والے کے مناسب نہ ہو گی اور بعض نے جواب دیا ہے کہ لفظ کل ''بہت زیادہ'' کے لئے ہے نہ کہ ''سب'' کے لئے جیسے ﴿ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ اور اگر ترجمہ کے بیان پر یہ شبہ ہو کہ ﴿ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ﴾ الخ میں تو تمام نعمتیں آگئیں پھر اس کے کیا معنی کہ

مذکورہ چیزوں میں ہی محدود نہیں الخ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ﴿ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ﴾ مانگی جانے والی چیزوں کے لئے عام ہے۔ جن نعمتوں کو مانگا نہیں جاتا وہ تو اس میں داخل نہیں، اس لئے ﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا ﴾ الخ میں وہ سب داخل کی گئیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار اس لئے ہیں کہ اول تو جو فائدے اس کو اس وقت حاصل ہیں اور جو نقصان اس سے دور رکھے گئے ہیں خود وہ بہت زیادہ ہیں، پھر ان فائدوں کے اسباب اور علتیں اور ان کے لئے پہلے سے لازمی چیزیں شروع سے حادثوں کے سلسلہ تک اور ان فائدوں کی مصلحتیں اور بعد کی حکمتیں کہ وہ بھی اپنے آپ میں نعمتیں ہیں، ان میں اور زیادہ کثرت ہے کہ عام حالات میں ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور ﴿ لَا تُحْصُوْهَا ﴾ کا یہی مطلب ہے اور اس کو بے شمار کہا گیا ہے، اور یہ جو فرمایا ہے ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ ﴾ اس سے مراد انسانوں کی جنس ہے اگرچہ بعض افراد کے اعتبار سے سہی، لہٰذا یہ شبہ بے کار ہے کہ ہر انسان تو ایسا نہیں۔

﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَي الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ ﴾ ع ۱۸

ترجمہ: اور جب کہ ابراہیمؑ نے کہا: اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دیجئے اور مجھ کو اور میرے خاص فرزندوں کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھئے۔ اے میرے رب! ان بتوں نے بہتیرے آدمیوں کو گمراہ کر دیا۔ پھر جو شخص میری راہ چلے گا وہ تو میرا ہے ہی اور جو شخص میرا کہنا نہ مانے سو آپ تو کثیر المغفرت کثیر الرحمت ہیں۔ اے ہمارے رب! میں اپنی اولاد کو آپ کے عظیم گھر کے قریب ایک میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں آباد کرتا ہوں۔ اے ہمارے رب! تاکہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کر دیجئے اور ان کو پھل کھانے کو دیجئے تاکہ یہ لوگ شکر کریں۔ اے ہمارے رب! آپ کو سب کچھ معلوم ہے جو ہم اپنے دل میں رکھیں اور جو ظاہر کر دیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ تمامی حمد خدا کے لئے ہے جس نے مجھ کو بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے حقیقت میں میرا رب! دعا کا بڑا سننے والا ہے۔ اے میرے رب! مجھ کو بھی نماز کا اہتمام کرنے والا رکھئے اور میری اولاد میں بھی بعضوں کو اے ہمارے رب اور میری دعا قبول کیجئے۔ اے ہمارے رب! میری مغفرت کر دیجئے اور

میرے ماں باپ کی بھی اور کل مؤمنین کی بھی حساب قائم ہونے کے دن۔

ربط: اوپر توحید اور اللہ کی نعمتوں کا ذکر تھا۔ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعض واقعات کا ذکر ہے، جن میں شرک کی مذمت اور اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتوں کا ذکر ہے جو مکہ والوں سے متعلق تھیں جس سے گذشتہ مضمون کی وضاحت ہوگئی، خاص طور سے اہل مکہ کے لئے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں تھے، لہٰذا انہیں تنبیہ ہوگئی کہ تمہارے بزرگ ابراہیم علیہ السلام شرک کو برا کہتے تھے اور تمہارے لئے بعض نعمتوں کی دعا کر گئے تھے کہ تم شکر کروگے جیسا کہ ﴿ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴾ سے معلوم ہوتا ہے مگر تم نے شکر کے بجائے کفر کیا جیسا کہ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا ﴾ میں بیان ہوا۔

ابراہیم علیہ السلام کا قصہ اللہ کی توحید اور انعام کے بیان کے ساتھ:

اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب ابراہیم (علیہ السلام) نے (حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ علیہما السلام کو اللہ کے حکم سے مکہ کے میدان میں لاکر بسانے کے وقت دعا کے طور پر) کہا کہ اے میرے رب! اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دیجئے (کہ اس کے رہنے والے امن کے حق دار ہیں یعنی اس کو حرم قرار دیدیجئے) اور مجھے اور میرے خاص فرزندوں کو بتوں کی عبادت سے (جو کہ اس وقت جاہل لوگوں میں عام ہے) بچائے رکھئے (جیسا کہ اب تک بچائے رکھا) اے میرے پروردگار! میں بتوں کی پوجا سے بچنے کی دعا اس لئے کرتا ہوں کہ) ان بتوں نے بہت سارے لوگوں کو گمراہ کر دیا (یعنی ان کی گمراہی کا سبب ہوگئے، اس سے ڈر کر آپ کی پناہ چاہتا ہوں اور میں جس طرح اولاد کے بچانے کی دعا کرتا ہوں اسی طرح انہیں بھی کہتا سنتا رہوں گا) پھر (میرے کہنے سننے کے بعد) جو شخص میری راہ پر چلے گا وہ تو میرا ہے ہی (اور اس کے لئے مغفرت کا وعدہ ہے ہی) اور جو شخص (اس بارے میں میرا کہنا نہ مانے تو (اس کو آپ ہدایت فرمائیے کیونکہ) آپ تو بہت مغفرت والے، بہت رحمت والے ہیں (ان کی مغفرت اور رحمت کا سامان بھی کر سکتے ہیں کہ انہیں ہدایت دیں، اس دعا سے مقصود مؤمنوں کے لئے بشارت اور غیر مؤمنوں کے لئے ہدایت طلب کرنا ہے) اے ہمارے رب! میں اپنی اولاد کو (یعنی اسماعیل علیہ السلام کو اور ان کے واسطہ سے ان کی نسل کو) آپ کے محترم گھر (یعنی خانہ کعبہ) کے قریب (جو کہ پہلے یہاں بنا ہوا تھا اور ہمیشہ سے لوگ اس کا احترام کرتے آئے تھے) ایک چٹیل میدان میں جو پتھریلا ہونے کی وجہ سے) کھیتی کے قابل (بھی) نہیں، آباد کرتا ہوں۔ اے ہمارے رب! (میں انہیں بیت الحرام یعنی کعبہ کے پاس اس لئے آباد کرتا ہوں) تا کہ وہ لوگ نماز کا (خاص) اہتمام رکھیں (اور چونکہ یہ اس وقت چٹیل میدان ہے) تو آپ کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دیجئے (کہ یہاں آکر رہیں سہیں تا کہ آبادی رونق والی ہوجائے) اور (چونکہ یہاں کھیتی وغیرہ نہیں ہے اس لئے) انہیں (محض اپنی قدرت سے) پھل کھانے کو دیجئے تا کہ یہ لوگ (ان نعمتوں کا) شکر کریں۔ اے ہمارے رب! (یہ دعائیں محض بندگی اور محتاجی ظاہر کرنے کے لئے ہیں، آپ کو اپنی حاجتوں کی اطلاع دینے کے لئے نہیں، کیونکہ) آپ کو تو سب کچھ معلوم ہے جو ہم اپنے دل میں رکھیں اور جو ظاہر کر دیں اور (ہمارے ظاہر و باطن کی ہی کیا

حد ہے) اللہ تعالیٰ سے (تو) کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں (کچھ دعائیں آگے آئیں گی، اور بیچ میں کچھ گذشتہ نعمتوں پر حمد وشکر کیا، تاکہ شکر کی برکت سے یہ دعائیں قبولیت کے قریب ہو جائیں، چنانچہ فرمایا کہ) ساری تعریفیں (حمد وثنا) اللہ ہی کے لئے (مناسب) ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق (دو بیٹے) عطا فرمائے۔ حقیقت میں میرا رب دعا کا بڑا سننے والا (یعنی قبول کرنے والا) ہے (کہ اولاد عطا کرنے سے متعلق میری یہ دعا ﴿ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ قبول کرلی۔ پھر اس نعمت کا شکر ادا کر کے آگے باقی دعائیں پیش کرتے ہیں کہ) اے میرے رب! (اپنی اولاد کو بیت الحرام خانہ کعبہ کے پاس بسانے سے متعلق میری یہ نیت ہے کہ وہ نمازوں کا اہتمام رکھیں، اس کو پورا کر دیجئے۔ اور جیسا میرا نماز کا اہتمام ان کے لئے مطلوب ہے، اسی طرح اپنے لئے بھی مطلوب ہے، اس لئے اپنے اور ان کے دونوں کے لئے دعا کرتا ہوں اور چونکہ مجھے وحی سے معلوم ہو گیا ہے کہ ان میں بعض غیر مؤمن بھی ہوں گے، لہٰذا دعا سب کے لئے نہیں کر سکتا ہوں، بس ان باتوں پر نظر کر کے یہ دعا کرتا ہوں کہ) مجھے بھی نماز کا (خاص) اہتمام کرنے والا رکھئے اور میری اولاد میں بھی بعض کو (نماز کا اہتمام رکھنے والا کیجئے) اے ہمارے رب! اور میری (یہ) دعا قبول کیجئے (اور) اے ہمارے رب! میری مغفرت کر دیجئے۔ اور میرے ماں باپ کی بھی اور سارے مؤمنوں کی بھی حساب قائم ہونے کے دن (یعنی قیامت کے دن سب کی مغفرت کر دیجئے جن کا میں نے ذکر کیا)

فائدہ: اس مقام پر ابراہیم علیہ السلام کی کئی دعائیں ہیں اور سوائے مغفرت کے سب قبول ہوئیں:

اول: مکہ کو امن والا بنانا، چنانچہ وہ اس طرح قبول ہوئی کہ وہ حرم قرار پا گیا جس میں قتل وغارت یہاں تک کہ وحشی جانوروں کا مارنا اور بعض پیڑ پودوں کا تلف کرنا بھی حرام ہو گیا۔ اور حدیث میں اسی کو فرمایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنوایا۔ اور میں نے ترجمہ میں "امن کے حق دار" سے تفسیر اس لئے کی کہ اگر کوئی امن میں بگاڑ پیدا کرے تب بھی ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا قبول نہ ہونا اس سے لازم نہیں آتا، اور ﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ ﴾ الخ کی دعا سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس وقت وہ شہر کی صورت میں ہو، بلکہ ایک ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص سنار کے پاس سونا چاندی لے کر جا کر کہے کہ: **اجعل هذا الخاتم حسنا**: یعنی اس انگوٹھی کو اچھا بنانا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انگوٹھی اس وقت تیار ہو، بلکہ ایسی ترکیب سے مقصود یہ بتانا ہے کہ زیادہ مطلوب دوسرے مفعول کا فائدہ ہے۔ لہٰذا ﴿ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا ﴾ اور ﴿ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ ﴾ میں ٹکراؤ نہیں ہے اور رہی یہ بات کہ انھوں نے دونوں لفظ کہے تھے یا ایک؟ تو دونوں کا احتمال ہے کہ پہلے ﴿ بَلَدًا اٰمِنًا ﴾ کہا ہو جس میں شہر آباد کرانے کی بھی دعا ہو، پھر ﴿ الْبَلَدَ ﴾ کہا جس میں زیادہ مقصود امن کی دعا ہو، یا ایک لفظ کہا ہو جس میں اس کے شہر ہونے کی بھی درخواست مقصود تھی اور وہاں امن ہونے کی درخواست زیادہ مقصود تھی۔ اس لئے اس کو نقل کرنے میں دونوں تعبیریں صحیح ہو گئیں۔ پہلی تعبیر دونوں کے مقصود ہونے کی بنا پر اور دوسری تعبیر امن ہونے کے زیادہ مقصود ہونے کی بنیاد پر۔

دوسری دعا: ﴿ اجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ ﴾ الخ یہ اس طرح قبول ہوئی کہ خاص ان کی صلب سے پیدا ہونے والے فرزند اس سے محفوظ رہے، لہٰذا اولاد کی اولاد کے شرک سے کوئی اشکال لازم نہیں آتا، رہی یہ بات کہ خاص اپنے لئے "مجھے بچایئے" کہنے کا کیا مطلب ہے، حالانکہ وہ تو شرک سے ہمیشہ سے ہی پاک تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مقصود ہمیشہ کی حفاظت کی دعا کرنا تھا، جیسا کہ ترجمہ کی وضاحت سے ظاہر ہے۔ پھر یہ کہ نبی اور معصوم ہونے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے حفاظت بھی یقینی تھی پھر اس کی طلب کا کیا مطلب ہے، اس کا جواب روح المعانی کی تحقیق کے مطابق یہ ہے کہ معصومیت کا لازم ہونا اللہ کی توفیق سے ہے، یہ طبعی وفطری امر نہیں ہے، اس لئے حفاظت طلب کرنا ضروری ہے۔

تیسری دعا: ﴿ لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ﴾ جن کی صراحت ﴿ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ ﴾ الخ میں ہے۔ اس کا قبول ہونا ظاہر ہے کہ آپ کی اولاد میں بہت سے عبادت گذار بلکہ سید العابدین ہوئے۔

چوتھی دعا: ﴿ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً ﴾ یہ بھی قبول ہوئی چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ جرہم نے وہاں آکر رہنا شروع کیا پھر مختلف زمانوں میں لوگ دنیا کے مختلف حصوں سے آکر وہاں بس گئے۔

پانچویں دعا: ﴿ وَارْزُقْھُمْ ﴾ الخ یہ دو صورتوں سے واقع ہوا: ایک طائف میں پیداوار کی کثرت، دوسرے دیگر شہروں اور علاقوں سے آنا۔

اب یہاں دو اشکال ہیں: ایک ﴿ مَنْ عَصَانِیْ ﴾ یعنی جو لوگ میرا کہنا نہ مانیں ان کے لئے مغرت کی دعا۔ اس کا جواب ترجمہ کی وضاحت سے ظاہر ہے۔ دوسرا اشکال والدین کے لئے دعا کرنا تو آپ کی سیرت لکھنے والوں نے آپ کی والدہ کا ایمان قبول کرنا تو نقل کیا ہے۔ اور باپ کے لئے دعا کرنے کی توجیہ سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۴ ﴿ وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰھِیْمَ ﴾ الخ کے تحت گذر چکی ہے کہ مقصود ہدایت کی دعا ہے۔

البتہ ایک وسوسہ باقی ہے کہ یہ دعا خود آپ کے بڑھاپے کی حالت میں ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت باپ زندہ نہ رہا ہوگا پھر ہدایت کی دعا کیسے مقصود ہوسکتی ہے؟ تو اگر اس کے مرنے کی خبر آپ کو پہنچ چکی ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ: اغفر لہ ان مات مؤمنا: یعنی اگر وہ مؤمن ہونے کی حالت میں مرا ہو تو اس کی مغفرت فرما پھر جب وحی کے ذریعہ کفر پر موت کا علم ہوا تو اس دعا سے بھی بے تعلق ہونے کا اظہار فرمایا ہو۔ واللہ اعلم

اور اگر والدہ کا ایمان ثابت نہ ہو تو یہی جواب اس کے سلسلہ میں بھی ہے۔ اور پھلوں کے ساتھ پانی نہ مانگنے کی وجہ حالانکہ اس کی بھی ضرورت تھی اور وہاں اس وقت پانی موجود بھی نہ تھا، یہ لکھی ہے کہ وادی میں پانی تو جمع ہو ہی جاتا ہے اور اسی وجہ سے ﴿ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ ﴾ یعنی جو کھیتی کے قابل نہیں، فرمایا اور جو بغیر پانی کے ہے، نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم

اور اس کے باوجود کہ اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کے علاوہ آپ کے اور بھی فرزند تھے جیسا کہ روضۃ الصفا میں ہے کہ آپ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد کسی کنعانی بی بی سے نکاح کیا اور اس سے چھ فرزند ہوئے، لیکن

دعا میں ان کا نام یا تو اس وجہ سے نہ لیا ہوگا کہ دعا کے وقت صرف یہی دو ہوں۔ یا اس وجہ سے کہ یہ دونوں سب سے اشرف تھے، اور جاننا چاہئے کہ ان سب دعاؤں کا ایک جلسہ میں ہونا ضروری نہیں، لہٰذا یہ شبہ نہ رہا کہ اسماعیل علیہ السلام کے بچپن میں جو کہ ﴿ اَسْكَنْتُ ﴾ یعنی آباد کرتا ہوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسحاق علیہ السلام کہاں تھے؟

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۥ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۝ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۝ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۭ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جو کچھ یہ ظالم لوگ کر رہے ہیں اس سے خدا تعالیٰ کو بے خبر مت سمجھو ان کو صرف اس روز تک مہلت دے رکھی ہے جس میں ان لوگوں کی نگاہیں پھٹی رہ جاویں گی دوڑتے ہونگے اور اپنے سر اوپر اٹھا رکھے ہونگے ان کی نظر ان کی طرف ہٹ کر نہ آوے گی اور ان کے دل بالکل بدحواس ہونگے۔ اور آپ ان لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن ان پر عذاب آپڑے گا پھر یہ ظالم لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ایک مدت قلیل تک ہم کو مہلت دیجئے ہم آپ کا سب کہنا مان لیں گے اور پیغمبروں کا اتباع کریں گے۔ کیا تم نے اس کے قبل قسمیں نہ کھائی تھیں کہ تم کو کہیں جانا ہی نہیں ہے، حالانکہ تم ان لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں رہتے تھے جنھوں نے اپنی ذات کا نقصان کیا تھا، اور تم کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیونکر معاملہ کیا تھا اور ہم نے تم سے مثالیں بیان کیں۔ اور ان لوگوں نے اپنی سی بہت ہی بڑی بڑی تدبیریں کیں تھیں اور ان کی تدبیریں اللہ کے سامنے تھیں اور واقعی ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جاویں۔ پس اللہ تعالیٰ کو اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا نہ سمجھنا، بیشک اللہ تعالیٰ بڑا زبردست پورا بدلہ لینے والا ہے۔ جس روز دوسری زمین بدل دی جاوے گی اس زمین کے علاوہ اور آسمان بھی اور سب کے سب ایک زبردست اللہ کے روبرو پیش ہونگے۔ اور تو مجرموں کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھے گا۔ ان کے کرتے قطران کے ہونگے اور آگ ان کے چہروں پر لپٹی ہوگی تاکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے کئے کی سزا دے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی جلد حساب لینے والا ہے۔

ربط: اوپر ﴿مِنْ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ﴾ الخ میں کافروں کے عذاب کا ذکر تھا۔ اب پھر وہی مضمون ہے اور درمیان میں جو توحید و رسالت کا ذکر تھا، اس سے نسبت ظاہر ہے کہ اس کے انکار سے یہ عذاب ہوتا ہے۔

کفار کے عذاب کے ذکر کی طرف واپسی:

اور (اے مخاطب!) جو کچھ یہ (کافر) لوگ کر رہے ہیں تم اس سے اللہ تعالیٰ کو (جلدی عذاب نہ دینے کی بنا پر) بے خبر مت سمجھو (کیونکہ) انہیں صرف اس دن تک کی مہلت دے رکھی ہے جس میں ان لوگوں کی نگاہیں (حیرت اور ہیبت کے مارے) پھٹی رہ جائیں گی (اور وہ حساب کی جگہ کی طرف طلب کے مطابق) دوڑتے ہوں گے (اور حیرت کی زیادتی کی وجہ سے) اپنے سر اوپر اٹھا رکھے ہوں گے (اور) ان کی نظر ان کی طرف لوٹ کر نہ آئے گی (یعنی ایسی ٹکٹکی بندھے گی کہ آنکھ نہ جھپک سکیں گے) اور ان کے دل (ہولناکی کی شدت کی وجہ سے) بالکل بدحواس ہوں گے اور (جب وہ دن آ جائے گا، پھر مہلت نہ ہوگی اس لئے) آپ ان لوگوں کو اس دن (کے آنے) سے ڈرایئے جس دن ان پر عذاب آ پڑے گا۔ پھر یہ ظالم لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! تھوڑی سی مدت کے لئے ہمیں (اور) مہلت دید یجئے (اور دنیا میں لوٹا دیجئے) ہم (اس مدت میں) آپ کا سب کہنا مان لیں گے اور پیغمبروں کا اتباع کریں گے (جواب میں ارشاد ہوگا کہ کیا ہم نے تمہیں دنیا میں طویل مہلت نہیں دی تھی اور) کیا تم نے (اس مدت کے لمبی ہونے کے سبب ہی) اس سے پہلے (دنیا میں) قسمیں نہ کھائی تھیں کہ تمہیں (دنیا سے) کہیں جانا ہی نہیں ہے (یعنی وہ قیامت کا انکار کرنے والے تھے اور اس پر قسم کھاتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ﴾: یعنی انھوں نے اپنے ایمان ویقین کی پوری قوت کے ساتھ قسمیں کھائیں کہ جو کوئی مر جائے گا اسے اللہ تعالیٰ پھر کبھی نہیں اٹھائے گا) حالانکہ (انکار نہ کرنے کے تمام اسباب جمع تھے۔ چنانچہ) تم ان (پہلے) لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں رہتے تھے جنھوں نے (کفر اور قیامت کا انکار کر کے) اپنی ذات کا نقصان کیا تھا، اور تمہیں (مسلسل ملنے والی خبروں سے) یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا معاملہ کیا تھا (کہ ان کے کفر اور انکار پر انہیں سزائیں دیں، اس سے تمہیں معلوم ہو سکتا ہے کہ انکار کرنا غیظ و غضب کا سبب ہے، لہٰذا تصدیق واجب ہے اور ان کے رہنے کی جگہوں میں رہنے سے ہر وقت ان کے حالات کی یاد تازہ ہو سکتی تھی، لہٰذا انکار کی کسی بھی وقت گنجائش نہیں تھی) اور ان واقعات کے سننے کے علاوہ جو کہ عبرت کے لئے کافی تھے) ہم نے (بھی) تم سے مثالیں بیان کیں (یعنی آسمانی کتابوں میں ہم نے بھی ان واقعات کو مثال کے طور پر بیان کیا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تم بھی اسی طرح غضب اور عذاب کے مستحق ہو گے، لہٰذا واقعات کو پہلے خبروں کے طور پر سننا پھر ہمارا انہیں بیان کرنا اور پھر ان کی طرح ان کے کاموں پر تنبیہ کر دینا ان سب اسباب کا تقاضا یہ تھا کہ قیامت کا انکار نہ کرتے) اور (ہم نے جن پہلے لوگوں کو ان کے کفر اور انکار پر سزائیں دیں) ان لوگوں نے سچے اور حق دین کو مٹانے میں) اپنی بہت سی ہی بڑی بڑی تدبیریں کی تھیں اور ان کی یہ (یہ سب) تدبیریں اللہ کے سامنے تھیں (اس

کے علم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں) اور واقعی ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ (عجب نہیں) ان سے پہاڑ بھی (اپنی جگہ سے) ٹل جائیں (مگر پھر بھی حق ہی غالب رہا اور ان کی ساری تدبیریں ضائع ہو گئیں اور وہ ہلاک کیے گئے، اس سے بھی معلوم ہو گیا کہ حق وہی ہے جو پیغمبر فرماتے تھے اور اس کا انکار غضب اور عذاب کا سبب ہے۔ جب ان کے قیامت میں عذاب میں مبتلا ہونے کا پتہ چل گیا) تو (اے مخاطب!) اللہ تعالیٰ کو اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا نہ سمجھنا (چنانچہ قیامت کے دن ان کا انکار کرنے والوں کے عذاب کا وعدہ تھا تو وہ پورا ہو گیا جیسا کہ اوپر بیان ہوا) بیشک اللہ تعالیٰ بڑا زبردست (اور) پورا بدلہ لینے والا ہے (کہ اسے کوئی بدلہ لینے سے نہیں روک سکتا۔ لہٰذا اس کی قدرت بھی کامل ہے پھر مشیت کا تعلق اوپر معلوم ہوا، پھر وعدہ خلافی کا کیا احتمال رہا اور یہ بدلا اس دن کا ہوگا جس روز اس زمین سے علاوہ دوسری زمین بدل دی جائے گی اور آسمان بھی ان آسمانوں کے علاوہ دوسرے آسمان سے بدل دیئے جائیں گے۔ کیونکہ پہلی بار کے صور پھونکنے سے سب زمین و آسمان ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔ پھر دوسری بار میں نئے سرے سے زمین و آسمان بنیں گے) اور سب کے سب ایک زبردست اللہ کے سامنے پیش ہوں گے (اس سے قیامت کا دن مراد ہے یعنی قیامت میں بدلہ لیا جائے گا) اور (اے مخاطب! اس دن) تم مجرموں (یعنی کافروں) کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھو گے (اور ان کے لباس تارکول کے ہوں گے (یعنی ان کے سارے بدن پر تارکول لپٹا ہوگا، تاکہ اس میں آگ جلدی اور تیزی سے لگے) اور آگ ان کے چہروں پر (بھی) لپٹی ہوگی (یہ سب کچھ اس لئے ہوگا) تاکہ اللہ تعالیٰ ہر (مجرم) شخص کو اس کے کیے کی سزا دیں (اور اگرچہ ایسے مجرم بے شمار ہوں گے، مگر) یقیناً اللہ تعالیٰ (کو ان کا حساب و کتاب کچھ دشوار نہیں کیونکہ وہ) بڑی جلد حساب لینے والا ہے (سب کا حساب شروع کر کے، بہت جلدی ہی فیصلہ کر دے گا)

فائدہ: ﴿ وَّسَكَنۡتُمۡ فِىۡ مَسٰكِنِ ﴾ میں بعد والے کافروں کو خطاب ہے جن سے پہلے کسی امت کو عذاب دیا جا چکا ہے، لہٰذا اس میں تسلسل لازم نہیں آتا کہ ساکن یعنی وہ آباد لوگوں کے لئے ظلم کرنے والوں کے رہنے کی جگہوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور وہ ظلم کرنے والے بھی وہاں کے رہنے والے ہوں اور اس طرح سلسلہ چلتا رہے اور ﴿ النَّاسَ ﴾ کا ﴿ اَنۡذِرِ ﴾ کے لئے مفعول ہونا اور ﴿ يَاۡتِيۡهِمُ ﴾ کی ضمیر کا مرجع ﴿ النَّاسَ ﴾ ہونا اور ﴿ يَقُوۡلُ ﴾ اور اس کے جواب کا ﴿ يَاۡتِيۡهِمُ ﴾ پر مرتب ہونا اس بات کا قرینہ ہونا کہ بعد والوں میں بھی صرف اس امت کے کافر لوگ مراد ہیں اور ان کا ان لوگوں کی جگہوں پر رہنا جن کو عذاب دیا گیا ہے اس معنی میں ہے کہ کچھ گاؤں ملک شام میں تھے اور عرب کے لوگ تجارت کے سفر میں آتے جاتے ان کو دیکھتے تھے اور ٹھہرنے کا وقت آ جاتا تو ٹھہرتے بھی تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيۡنٍ ﴾ اور فرمایا ﴿ وَاِنَّكُمۡ لَتَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهِمۡ مُّصۡبِحِيۡنَ ۝ وَبِالَّيۡلِ ﴾ اور یا پھر اس معنی میں ہے کہ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں سارے کافر لوگ غرق ہو گئے تھے تو جہاں عرب لوگ رہتے تھے یہ بھی ان میں سے بعض کے رہنے کی جگہیں تھیں۔ واللہ اعلم

اور آسمانوں اور زمین کی تبدیلی اور ان کی جگہ دوسرے آسمانوں اور زمین کا ہونا ذات اور صفات دونوں کے اعتبار سے صحیح ہوسکتی ہے، کیونکہ پرانے مادہ کا لوٹانا اور اس میں نئی ہیئت کا فائدہ پہنچایا جائے گا، لہٰذا اگر ہیئت کو ذات کا جز کہا جائے تو اس کو ذات کی تبدیلی کہنا صحیح ہے اور اگر ذات سے باہر کہا جائے تو صفات کی تبدیلی کہنا صحیح ہے۔ اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیدائش کو دہرانے کے علاوہ آسمانوں اور زمین میں کوئی اور تبدیلی بھی ہوگی جن میں بعض تبدیلیوں کے وقت محشر کے وقت والے لوگ زمین پر نہیں بلکہ پل صراط پر ہوں گے، جیسا کہ مسلم کی حدیثوں میں صراحت ہے، باقی اس تبدیلی کی حکمت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے:

زباں تازہ کردن باقرار تو ❁ نینگیختن علت از کار تو

یعنی ہمارا کام صرف تیرے اقرار سے زبان کا مزہ تازہ کرنا ہے۔ تیرے کام کی علت تلاش کرنا ہمارا مقصود نہیں ہے۔

اور یہ جو فرمایا ہے کہ ان تدبیروں سے پہاڑوں کا ٹل جانا عجب نہ تھا۔ یہ کسی چیز کی قوت بیان کرنے کے لئے ایک مثال ہے۔ ویسے اپنے آپ میں یہ امر کچھ بھی محال نہیں، کیونکہ پہاڑوں کو توڑنے اور اڑانے کی بہت سی تدبیریں استعمال میں آئی ہیں۔ واللہ اعلم

﴿هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾

ع ۱۱ / ۱۹

ترجمہ: یہ لوگوں کے لئے احکام کا پہنچانا ہے اور تا کہ اس کے ذریعہ سے ڈرائے جاویں اور تا کہ اس بات کا یقین کرلیں کہ وہی ایک معبود برحق ہے اور تا کہ دانشمند لوگ نصیحت حاصل کریں۔

ربط: اوپر سورت کے شروع سے یہاں تک توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین کا ذکر تھا۔ اب سورت کو ایسی آیت پر ختم کیا جارہا ہے جو قرآن کی تعریف کے ساتھ ان سارے مضامین کی جامع ہے۔

قرآن کی تعریف کے ساتھ پوری سورت کا خلاصہ:

یہ (قرآن) لوگوں کے لئے احکام کا پہنچانا ہے (تا کہ پہنچانے والے یعنی رسول ﷺ کی تصدیق کریں) اور تا کہ اس کے ذریعہ سے (عذاب سے) ڈرائے جائیں اور تا کہ اس بات کا یقین کرلیں کہ وہی ایک برحق معبود ہے، اور تا کہ دانش مند لوگ نصیحت حاصل کرلیں۔

فائدہ: ﴿هٰذَا بَلٰغٌ﴾ میں رسالت کی تصدیق اور ﴿وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ﴾ میں آخرت کی تصدیق اور ﴿لِيَعْلَمُوْٓا﴾ میں توحید کی تصدیق اور ﴿لِيَذَّكَّرَ﴾ میں بدنی اور مالی عبادتیں آگئیں جن کا ذکر ﴿لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ الخ میں تھا اور پوری سورت کا یہی حاصل ہے، سبحان اللہ کیا اچھا خاتمہ ہے، اے اللہ! اپنے فضل سے انہی عقائد و اعمال پر ہمارا بھی خاتمہ فرمانا۔
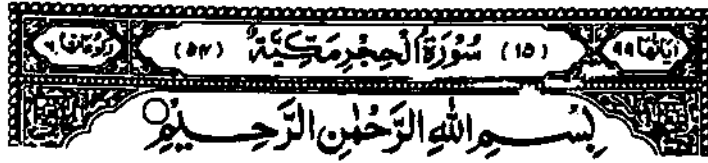
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں۔

﴿ الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾

ترجمہ: ﴿الٓرٰ﴾ یہ آیتیں ہیں ایک کامل کتاب اور قرآن واضح کی۔

خلاصہ: اس سورت کا خلاصہ یہ مضامین ہیں: قرآن کا حق ہونا، کافروں کو عذاب، رسالت کی تحقیق، توحید کا اثبات بعض انعاموں کا ذکر، اطاعت کرنے والوں کی جزا، مخالفت کرنے والوں کی سزا، جزا وسزا کے نمونہ کے طور پر چند قصے۔ قیامت کا حق ہونا، رسول اللہ ﷺ کو تسلی، چنانچہ اپنے اپنے موقع پر معلوم ہوگی۔ اور ان سب کا آپس میں بھی اور گذشتہ سورت کے مضامین کے ساتھ بھی ربط ظاہر ہے اور اس سورت کے شروع اور گذشتہ سورت کے خاتمہ کے قرآن کی فضیلت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ربط واضح طور پر ظاہر ہے۔

قرآن کا حق ہونا:

﴿الٓرٰ﴾ (کے معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ ایک کامل کتاب اور واضح قرآن کی آیتیں ہیں (یعنی اس کی دونوں صفتیں ہیں: کامل کتاب ہونا بھی اور واضح قرآن ہونا بھی)

﴿ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کافر لوگ بار بار تمنا کریں گے کہ کیا خوب ہوتا اگر وہ مسلمان ہوتے۔ آپ ان کو ان کے حال پر رہنے دیجئے کہ وہ کھالیں اور چین اڑالیں اور خیالی منصوبے ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں، ان کو ابھی حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے۔ اور ہم نے جتنی بستیاں ہلاک کی ہیں ان سب کے لئے ایک معین وقت نوشتہ ہوتا رہا ہے۔ کوئی امت اپنی میعاد مقرر سے نہ پہلے ہلاک ہوئی ہے اور نہ پیچھے رہی ہے۔

ربط: اوپر قرآن کے حق ہونے کا ثبوت تھا، جس سے مختصر طور پر اس کے تمام مضامین کے حق ہونے پر تنبیہ ہوگئی، اب

بعض مقصود مضامین ہیں تاکہ قرآن کا حق ہونا سننے کے بعد انہیں اچھی طرح سنیں اور یقین کریں۔

کافروں کی حسرت اور عذاب کا بیان:

(جب قیامت کا دن ہوگا اور کافروں پر طرح طرح کا عذاب ہوگا۔ ان اوقات میں) کافر لوگ بار بار تمنا کریں گے کہ کیا اچھا ہوتا اگر وہ (یعنی ہم، دنیا میں) مسلمان ہوتے (بار بار اس لئے کہ جب کوئی نئی شدت واقع ہوگی اور معلوم ہوگا کہ اس کی علت کفر ہے تو ہر بار اسلام نہ لانے پر تازہ حسرت ہوگی) آپ (دنیا میں ان کے کفر پر غم نہ کیجئے اور) انہیں ان کے حال پر رہنے دیجئے کہ وہ (خوب) کھالیں اور چین اڑالیں۔ اور خیالی منصوبے انہیں غفلت میں ڈالے رکھیں، انہیں ابھی (مرنے کے ساتھ ہی) حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے (اور دنیا میں جو انہیں جلدی سزا نہیں ملتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سزا کا مقررہ وقت نہیں آیا) اور ہم نے (کفر کی وجہ سے) جتنی بستیاں ہلاک کی ہیں، ان سب کے لئے ایک معین وقت لکھا ہوا رہا ہے (اور ہمارا قاعدہ ہے کہ کوئی امت اپنی مقررہ میعاد سے نہ پہلے ہلاک ہوئی ہے اور نہ پیچھے رہی ہے (بلکہ مقررہ وقت پر ہلاک ہوئی ہے۔ لہٰذا جب اسی طرح ان کا وقت آجائے گا، انہیں بھی سزا دی جائے گی)

﴿وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝﴾

ع ۱

ترجمہ: اور ان کفار نے یوں کہا کہ اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے! تم مجنون ہو، اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتے؟ ہم فرشتوں کو صرف فیصلہ ہی کے لئے نازل کیا کرتے ہیں اور اس وقت ان کو مہلت بھی نہ دی جاتی۔ ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں۔ اور ہم نے آپ کے قبل بھی پیغمبروں کو اگلے لوگوں کے بہت سے گروہوں میں بھیجا تھا۔ اور کوئی رسول ان کے پاس ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انھوں نے استہزاء نہ کیا ہو۔ اسی طرح ہم یہ استہزاء ان مجرمین کے قلوب میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن پر ایمان نہیں لاتے اور یہ دستور پہلوں سے ہی ہوتا آیا ہے۔ اور اگر ہم ان کے لئے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں پھر یہ دن کے وقت اس میں چڑھ جاویں تب بھی یوں کہہ دیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی تھی بلکہ ہم لوگوں پر تو بالکل جادو کر رکھا ہے۔

ربط: اوپر کافروں کے برے انجام اور بری حالت کا ذکر تھا۔ اب رسالت کے انکار سے متعلق ان کے بعض اقوال مع

جواب اور ان کے عناد کا ذکر ہے۔

رسالت کی بحث:

اور ان (مکہ کے) کافروں نے (رسول اللہ ﷺ سے) یوں کہا کہ اے وہ شخص جس پر (اس کے زعم کے مطابق) قرآن نازل کیا گیا ہے تم (نعوذ باللہ) مجنون ہو (اور نبوت کا غلط دعوی کرتے ہو، ورنہ) اگر تم (اس دعوی میں) سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتے؟ (جو ہمارے سامنے تمہارے سچا ہونے کی گواہی دیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا﴾ (اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ) ہم فرشتوں کو (جس طرح وہ درخواست کرتے ہیں) صرف فیصلہ ہی کے لئے نازل کیا کرتے ہیں اور (اگر ایسا ہوتا تو) اس وقت انہیں مہلت بھی نہیں دی جاتی (بلکہ جب ان کے آنے پر بھی ایمان نہ لاتے، جیسا ان سے یہ امر یقینی ہے تو فوراً ہلاک کر دیئے جاتے، جیسا سورۃ انعام آیت ۸ میں اس کی وجہ بیان کی جاچکی ہے۔ اور یہ جو قرآن کے نازل کئے جانے کا انکار کرتے ہیں تو یہ انکار بھی محض باطل ہے) ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور (یہ دعوی بغیر دلیل کے نہیں ہے، بلکہ اس کا معجزہ ہونا اس پر دلیل ہے، پھر اس کے معجزہ ہونے کی ایک دلیل تو دوسری سورتوں میں بیان ہوئی ہے کہ اس جیسی کوئی ایک سورت بنالائے۔ اور اس کے معجزہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ہم اس امر کے واقع ہونے سے پہلے خبر دیتے ہیں کہ) ہم اس (قرآن) کے محافظ (اور نگہبان) ہیں (اس میں کوئی شخص کمی زیادتی نہیں کر سکتا جیسا کہ دوسری کتابوں میں ہوتا رہا ہے، کہ کسی مخالف کے نہ ہونے کے باوجود اس کے نسخوں میں کمی زیادتی کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ اور اس میں مخالفوں کی کوششوں کے باوجود یہ بات نہیں ہوئی، لہٰذا یہ ایک کھلا معجزہ ہے کہ جو شخص بلاغت کے اعتبار سے قرآن اور غیر قرآن میں تمیز نہیں کر سکتا وہ بھی اس فرق کا تو انکار نہیں کر سکتا، لہٰذا اس دلیل کے باوجود کہ یہ ایک اعجاز ہے، انکار کرنا محض عناد و دشمنی ہے) اور اے محمد! ﷺ، آپ ان کے جھٹلانے کی وجہ سے غم نہ کیجئے، کیونکہ یہ معاملہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے، چنانچہ) ہم نے آپ سے پہلے بھی پیغمبروں کو اگلے لوگوں کے بہت سے گروہوں میں بھیجا تھا۔ اور (ان کی حالت یہ تھی کہ) کوئی رسول ان کے پاس ایسا نہیں آیا جس کا انھوں نے مذاق نہ اڑایا ہو (جو کہ جھٹلانے کی بدترین قسم ہے، لہٰذا جس طرح ان لوگوں کے دلوں میں یہ مذاق اڑانے کی بات آئی تھی) اسی طرح ہم یہ مذاق اڑانے کی بات ان مجرموں یعنی مکہ کے کافروں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں (جس کی وجہ سے) یہ لوگ قرآن پر ایمان نہیں لاتے اور یہ طریقہ پہلے لوگوں سے ہی چلتا آیا ہے (کہ نبیوں کو جھٹلاتے رہے ہیں، لہٰذا آپ رنجیدہ نہ ہوں) اور (ان کی دشمنی کی یہ کیفیت ہے فرشتوں کا آسمان سے آنا تو دور، اس سے بڑھ کر) اگر (خود ان کو آسمان پر بھیج دیا جائے، اس طرح سے کہ) ہم ان کے لئے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں، پھر یہ دن کے وقت (جس میں اونگھ اور نیند وغیرہ کا بھی شبہ نہ ہو) اس (دروازہ) میں (سے

آسمان پر) چڑھ جائیں تب بھی یوں کہہ دیں کہ ہماری نظر بندی کردی گئی تھی (جس کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو آسمان پر چڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور واقع میں نہیں چڑھ رہے ہیں۔ اور نظر بندی کے سلسلہ میں کچھ بھی واقعہ خاص نہیں) بلکہ ہم لوگوں پر تو جادو کر رکھا ہے (اگر ہمیں اس سے بڑھ کر بھی کوئی عادت کے خلاف واقعہ دکھایا جائے گا وہ بھی واقع میں عادت کے خلاف نہ ہوگا)

فائدہ: بعض عالموں نے ﴿اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ کی وجہ قرآن کی ترتیب اور نظم کے اعجاز کو سمجھا ہے۔ پھر اس کے بارے میں یہ وسوسہ ہوا ہے کہ قرآن کے نظم کے اعتبار سے بلاغت والا ہونے سے یہ تو لازم آتا ہے کہ اس میں زیادتی نہ ہو، ورنہ وہ عاجز کرنے والی نہ ہوگی، اور اگر پوری سورت کم یا ضائع کردی جائے تو نظم و ترتیب کے اعجاز سے یہ کمی کیسے معلوم ہوسکتی ہے؟ لیکن احقر نے اس کو مستقل معجزہ قرار دے کر جو وضاحت کی ہے، اس میں اس وسوسہ کی گنجائش نہیں رہی، کیونکہ اگر ایسی کمی کی جاتی تو اس میں دنیا بھر کے تمام نسخوں کا متفق ہونا ممکن نہیں تھا، بلکہ کسی میں وہ کمی ہوتی اور کسی میں نہ ہوتی۔ مطلب یہ کہ نسخوں میں اختلاف ہوتا جیسا کہ دوسری آسمانی کتابوں میں دیکھا جا رہا ہے کہ وہ معجزہ یعنی عاجز کرنے والی نہیں تھیں، اگرچہ اصل میں اللہ کی جانب سے تھیں۔ اور اس کے باوجود کہ مکہ کے کافروں کے وقت اس پیشین گوئی کا وقوع ایسا واضح جیسا اب ہوا ہے، اس وجہ سے نہیں ہوا تھا کہ قرآن کو نازل ہوئے تھوڑا ہی زمانہ ہوا تھا۔ لیکن ایک حیثیت سے اس کے قریب قریب اس وقت بھی واقع ہوگیا تھا کہ اس کے باوجود کہ حفاظت کا ظاہری سامان یعنی کتابت اور ترتیب و تدوین وغیرہ کم تھی، پھر عبارت نثر تھی اس کے باوجود یاد رکھنے والوں میں اختلاف نہ تھا، اور اگر اتفاق سے یا بھول سے کوئی لفظ کسی کو غلط یاد ہو جاتا تو اس کی تنبیہ کے ساتھ ہی اصلاح ہو جاتی اور اسی طرح اگر کوئی یاد کا دعوی کرتا تو وہ دعوی نہ چل سکتا یہ مجموعی حالت کسی عبارت یا خطبہ میں نہیں تھی اس لئے معجزہ ہونے کی اس وجہ کا بھی ان کافروں کے مقابلہ میں بیان کرنا غیر مفید نہیں ہوا۔ اور کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہے تو صحابہ سے لے کر اس وقت تک اس کی حفاظت کا سامان کیوں کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سامان بھی اللہ کی حفاظت کا ظہور ہے۔

اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ اگر کسی دوسری کتاب کی بھی حفاظت اور نگہداشت کی جائے تو کیا اس کا اللہ کی جانب سے ہونا ثبوت کے درجہ کو پہنچ جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کمال حفاظت کے باوجود بھی اس قدر محفوظ ہرگز نہیں رہ سکے گی کہ اس میں کسی طرح کی کمی وزیادتی کا بالکل احتمال نہ ہوسکے، لہٰذا قرآن کی ظاہری حفاظت پر ایسی کامیابی، غیبی حفاظت کی دلیل ہے جس پر ﴿اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ سے اصل دلالت ہوتی ہے، خوب سمجھ لو۔

اور بعض علم والوں کو بعد کے زمانہ کے اعتبار سے یہ وسوسہ ہوا ہے کہ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ خود یہ آیت ہی کسی نے ملادی ہو۔ لہٰذا اس کا یقینی پیش گوئی ہونا کیسے ثابت ہوگا؟ مگر یہ بھی بالکل لغو بیکار بات ہے، اس لئے کہ تواتر سے یہ بات

ثابت ہے کہ یہ آیت دوسری آیتوں کے زمانہ میں ہی جناب رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی پھر بعد میں ملائے جانے کا احتمال کیسے ہوسکتا ہے۔

اور احقر نے جو ﴿ لَوْ فَتَحْنَا ﴾ الخ کی وضاحت میں ان کے آسمانوں پر پہنچنے کو فرشتوں کے آسمان سے نازل ہونے سے بڑھ کر کہا ہے، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ آسمان پر چڑھنا انسانی عادت کے بالکل خلاف ہے، اور وہ نازل ہونا فرشتوں کی عادت کے خلاف نہیں اور وہ کافر بھی اس نازل ہونے کو مانتے تھے۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے اوپر نازل ہونے کا انکار کرتے تھے۔

﴿ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ۝ وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ۝ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ ۝ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْزُونٍ ۝ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ۝ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ ۝ وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ۝ وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ ۝ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور بیشک ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے پیدا کئے اور دیکھنے والوں کے لئے اس کو آراستہ کیا اور اس کو ہر شیطان مردود سے محفوظ فرمایا، ہاں مگر کوئی بات چوری چھپے سن بھاگے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ ہو لیتا ہے۔ اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں بھاری پہاڑ ڈال دیئے اور اس میں ہر قسم کی چیز ایک معین مقدار سے اگائی۔ اور ہم نے تمہارے واسطے اس میں معاش کے سامان بنائے اور ان کو بھی معاش دی کہ جن کو تم روزی نہیں دیتے۔ اور جتنی چیزیں ہیں ہمارے پاس سب کے خزانے ہیں اور ہم اس کو ایک معین مقدار سے اتارتے رہتے ہیں۔ اور ہم ہی ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو کہ بادل کو پانی سے بھر دیتی ہیں، پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں اور تم اتنا پانی جمع کر کے نہ رکھ سکتے تھے۔ اور ہم ہی ہیں کہ زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہم ہی رہ جاویں گے اور ہم تمہارے اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور ہم تمہارے پچھلوں کو بھی جانتے ہیں۔ اور بیشک آپ کا رب ہی ان سب کو محشور فرماوے گا۔ بیشک وہ حکمت والا ہے علم والا ہے۔

ربط: اوپر رسالت سے متعلق مضمون ہدایت سے بھرا ہوا تھا۔ اب توحید سے متعلق ہے کہ وہ لوگ اس کا بھی انکار کرتے تھے۔

توحید کا بیان:

اور بیشک ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے پیدا کئے اور دیکھنے والوں کے لئے اس (آسمان) کو (ان ستاروں سے) سجا دیا (کہ دیکھنے میں اچھا معلوم ہوتا ہے) اور اس (آسمان) کو (ان ستاروں کے ذریعہ سے) ہر شیطان مردود سے محفوظ فرمایا (کہ وہاں تک ان کی رسائی نہیں ہونے پاتی) البتہ اگر کوئی کسی بات کو چوری چھپے سن بھاگے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ ہولیتا ہے (اور اس کے اثر سے وہ شیطان ہلاک یا بدحواس ہو جاتا ہے۔ اور رجیم یعنی مردود اس معنی کے لحاظ سے مستقبل کے اعتبار سے فرمایا۔ اور اس طرح وہ آسمانی خبر کسی اور تک نہیں پہنچتی۔ اس سے آسمان کی حفاظت بھی مقصود ہے) اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس (زمین) میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دیئے۔ اور اس (زمین) میں ہر قسم کی (ضرورت کی نباتاتی) چیز ایک معین مقدار سے اگائی۔ اور ہم نے تمہارے واسطے اس (زمین) میں روزی کے سامان (کھانے، پینے اور پہننے کی قسم کے) بنائے۔ اور (نہ صرف تمہیں روزی کا یہ سامان دیا بلکہ) انہیں بھی روزی دی کہ جن کو تم روزی نہیں دیتے (یعنی تمام مخلوقات جو ظاہر میں بھی تمہارے ہاتھ سے کھانے پینے کا سامان نہیں پاتے) اور جتنی چیزیں (رزق اور روزی کی قسم سے) ہیں، ہمارے پاس سب کے خزانے کے خزانے (بھرے پڑے) ہیں اور ہم (حکمت کے مطابق) اس (چیز) کو ایک معین مقدار سے اتارتے رہتے ہیں، اور ہم ہی ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو کہ بادل کو پانی سے بھر دیتی ہیں، پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں پھر وہ پانی تمہیں پینے کو دیتے ہیں، اور تم اتنا پانی جمع کر کے نہ رکھ سکتے تھے (کہ ہمیشہ کے لئے بارش سے بے نیاز ہو جاتے۔ لہٰذا اگر بارش نہ ہوتی تو بڑی مصیبت میں پڑتے) اور ہم ہی ہیں کہ زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں۔ اور (سب کے مرنے کے بعد) ہم ہی باقی رہ جائیں گے۔ اور ہم تم سے پہلے والوں کو بھی جانتے ہیں اور ہم تم سے بعد والوں کو بھی جانتے ہیں، اور بیشک آپ کا رب ہی ان سب کو (قیامت میں) جمع فرمائے گا (یہ اس لئے فرمایا کہ اوپر توحید ثابت ہوئی ہے اس میں توحید کا انکار کرنے والے کی سزا کی طرف اشارہ کر دیا؟ بیشک وہ حکمت والا ہے (ہر شخص کو اس کے مناسب بدلہ دے گا اور) علم والا ہے (سب کے اعمال کی اس کو پوری خبر ہے)

فائدہ: درمنثور میں ﴿ بُرُوْجًا ﴾ کی تفسیر ستاروں سے، مجاہد اور قتادہ سے، اور بڑے بڑے ستاروں سے ابوصالح سے منقول ہے۔ مجاز اور تشبیہ کے طور پر ان کو بروج کہہ دیا گیا ہے اور یہ سب سے آسان اور سب سے بہتر تفسیر ہے۔

اور استراق سمع یعنی چوری چھپے سن لینے کے بارے میں بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو حدیث مرفوعاً نقل کی ہے، اس میں وضاحت ہے کہ فرشتے بادل میں آ کر آسمانی خبروں کا ذکر کرتے ہیں، اور شیطان کچھ سن لیتے ہیں۔ اور دوسری حدیث میں جو ہے کہ قالوا ماذا قال ربکم قالوا الحق فیسمعها مسترقوا السمع اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آسمان میں سے سن لیتے ہیں، بلکہ ف صرف ''بعد'' کے لئے ہے یعنی آسمان میں ہونے والے ذکر بعد میں سنتے ہیں

چاہے بادل میں ہی سہی۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان سے بالکل روک دیئے گئے اور بادلوں میں سے کچھ سن لیتے ہیں۔ اب یہ اشکال نہ رہا کہ جب انہیں رسول اللہ ﷺ کی ولادت یا بعثت کے بعد روک دیا گیا تو پھر اس آیت میں "چوری چھپے سن کر بھاگنے پر روشن شعلہ پیچھے ہو لینے کی بات کہنے کا کیا مطلب ہے؟ رہا یہ سوال کہ پھر انہیں آسمان سے روک دینے سے کیا فائدہ ہوا؟ جبکہ سننے کا دوسرا ذریعہ موجود رہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ آسمانوں میں بڑے بڑے امور کا تذکرہ ہوتا ہو، اس کو بالکل بند کر دیا کہ بڑے بڑے علوم کے انکشاف کا وحی کے سوا کوئی راستہ نہ رہے۔ اور بادلوں میں جزئی واقعات کا تذکرہ ہوتا ہو کہ وہ علوم مقصود نہیں۔ اور آیت ﴿إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ﴾ آسمانوں کے اعتبار سے ہو۔ اور استراق السمع یعنی چوری چھپے سن لینا بادلوں کے اعتبار سے ہو۔ لہٰذا ﴿إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ﴾ میں استثناء منقطع ہوگا۔ اور شاید کہ بادلوں میں سے بھی ناقص علم حاصل ہوتا ہے جیسا کہ ﴿خَطِفَ الْخَطْفَةَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے اور چونکہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے آسمانوں کی خبریں بھی سن لیتے تھے، اس لئے اس کا بند کرنا رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی خصوصیت سے ہے۔

رہا یہ امر کہ پہلے وہاں تک کیوں رسائی ہو جاتی تھی تو شاید اس میں رسول اللہ ﷺ کی عزت اور شرف کا اظہار ہے۔ اور ممکن ہے کہ نبوت کا ختم ہونا اس کا سبب ہو، کیونکہ اس کے باوجود کہ وحی اور غیر وحی کی باتوں میں ملاوٹ پہلے بھی نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ جس نبی کی نبوت قطعی دلیلوں سے ثابت ہو جاتی تھی، وہ جس کے بارے میں وحی نہ ہونے کی بات کہہ دیتے وہ یقینی طور پر غیر وحی ہوتا تھا، لیکن نبوت کے سلسلہ کے ختم ہونے کے بعد ممکن تھا کہ کاہن وغیرہ لوگ اس میں خلط ملط کرنا چاہتے ہوں جس کی وجہ سے عام لوگ گمراہی میں پڑ جاتے ہوں، مگر چونکہ نبوت ختم نہیں ہوئی تھی، اس لئے آئندہ نبی کے آنے پر اس تبدیلی میں تمیز ہو سکتی تھی، اس لئے راستہ بند کرنے کی ضرورت نہیں تھی جب نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کو ہوا، پھر ایسی ملاوٹ کا دور ہونا مشکل و محال تھا، اس لئے ایسے بڑے علوم سے متعلق راستہ بند کر دیا ہو۔ واللہ اعلم

اور جاننا چاہئے کہ قرآن وحدیث میں یہ دعویٰ نہیں ہے کہ اس سبب کے بغیر شہاب پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف یہ دعویٰ ہے کہ چوری چھپے سننے کے وقت شہاب سے شیطانوں کو مارا جاتا ہے لہٰذا ممکن ہے کہ شہاب کبھی صرف طبعی طور پر ہوتا ہو اور کبھی اس غرض کے لئے ہوتا ہو اور اس میں ستارے کو یہ دخل ہو کہ ستارے کی گرمی سے خود شیطانوں کے مادہ میں یا بخارات بھاپوں کے مادہ میں فرشتوں کے فعل کے واسطہ سے آگ پیدا ہو جاتی ہو، جس کی وجہ سے شیطانوں کو ہلاکت یا عقل کے فساد و بگاڑ کا صدمہ پہنچتا ہو۔ اس بیان سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس بحث میں نہ کوئی اشکال عقلی رہا نہ نقلی، جیسا کہ علوم وفنون کے ماہروں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔

اور ہواؤں کے بارے میں جو فرمایا کہ بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں، یہ اس اعتبار سے فرمایا کہ جو بھاپ، بادل کا مادہ ہے، اس کو ہوا انتہائی سرد درجہ میں پہنچا دیتی ہے جہاں اس میں پانی پن پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا ہوا، پانی میں پانی پن پیدا ہونے

کا سبب ہوگئی۔

اور اس کے ساتھ جو فرمایا ﴿ فَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ اس میں یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ کچھ پانی وہاں پیدا ہو چکا تھا پھر اللہ تعالیٰ کی عادت کے مطابق آسمان سے بھی اس میں کبھی امداد کے لئے اور کبھی ہمیشہ کے لئے پانی بھیج دیا جاتا ہو۔ اس تقریر میں یہ آیتیں اصل میں مشاہدوں اور تجربوں کے مخالف نہیں رہیں۔ خوب سمجھ لو۔ وللہ الحمد علی ما الھمنی ربی والھمنی واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

اور یاد رہے کہ شہاب ثاقب دن کے وقت بھی ہوتا ہے، لیکن سورج کی روشنی کی وجہ سے نظر نہیں آتا، لہٰذا یہ وسوسہ نہیں رہا کہ کیا شیطان صرف رات ہی کے وقت چوری چھپے سننے کی کوشش کرتے ہیں؟

﴿ وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۚ﴿۲۶﴾ وَالۡجَآنَّ خَلَقۡنٰهُ مِنۡ قَبۡلُ مِنۡ نَّارِ السَّمُوۡمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيۡتُهٗ وَنَفَخۡتُ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِىۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِيۡنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ۙ﴿۳۰﴾ اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ يٰۤاِبۡلِيۡسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمۡ اَكُنۡ لِّاَسۡجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّكَ رَجِيۡمٌ ۙ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَيۡكَ اللَّعۡنَةَ اِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ۙ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغۡوَيۡتَنِىۡ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَلَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَىَّ مُسۡتَقِيۡمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِىۡ لَيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡغٰوِيۡنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوۡعِدُهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبۡعَةُ اَبۡوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنۡهُمۡ جُزۡءٌ مَّقۡسُوۡمٌ ﴿۴۴﴾ ﴾

ع ۳

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی تھی، پیدا کیا اور جن کو اس کے قبل آگ سے کہ وہ ایک گرم ہوا تھی، پیدا کر چکے تھے۔ اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب آپ کے رب نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں ایک بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی ہوگی پیدا کرنے والا ہوں۔ سو میں جب اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی جان ڈال دوں تو تم سب اس کے روبرو سجدہ میں گر پڑنا۔ سو سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے کہ اس بات کو قبول نہ کیا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس! تجھ کو کون امر باعث ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ کہنے لگا کہ میں ایسا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جس کو آپ نے

بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی ہے پیدا کیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ تو آسمان سے نکل، کیونکہ بیشک تو مردود ہوگا۔ اور بیشک تجھ پر لعنت رہے گی قیامت کے دن تک۔ کہنے لگا تو مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک۔ ارشاد ہوا تو تجھ کو معین وقت کی تاریخ تک مہلت دی گئی۔ کہنے لگا اے میرے رب! بسبب اس کے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں میں دنیا میں ان کی نظر میں معاصی کو مرغوب کر کے دکھاؤں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا بجز آپ کے ان بندوں کے جو ان میں منتخب کئے گئے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ یہ ایک سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچتا ہے۔ واقعی میرے ان بندوں پر تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا، ہاں مگر جو گمراہ لوگوں میں سے تیری راہ پر چلنے لگے۔ اور ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے جس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لئے ان لوگوں کے الگ الگ حصے ہیں۔

ربط: اوپر توحید کا ذکر انعام کے انداز میں تھا، اس سے پہلے کافروں کو عذاب اور ان پر وبال ومصیبت کا ذکر تھا۔ اب آدم علیہ السلام کے قصہ میں اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کے ضمن میں توحید اور ظاہری انعام اور سجدوں کے حکم میں باطنی انعام اور ابلیس کی نافرمانی اور اس کے برے انجام کے ضمن میں انکار کرنے والوں کے عذاب اور وبال کا ذکر ہے۔

آدم علیہ السلام کا قصہ جو توحید وانعام پر اور کفر کے سخت برا ہونے پر مشتمل ہے:

اور ہم نے انسان (یعنی اس نوع کی پہلی اصل یعنی آدم علیہ السلام) کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا جو کہ سڑے ہوئے گارے سے بنی تھی (یعنی پہلے گارے کا خوب خمیر اٹھایا یہاں تک کہ اس میں بو آنے لگی، پھر وہ خشک ہوگیا کہ وہ خشک ہونے کی وجہ سے کھن کھن بولنے لگا جیسا کہ مٹی کا برتن چٹکی مارنے سے بجا کرتا ہے، پھر اس خشک گارے سے آدم کا پتلا بنایا کہ وہ قدرت پر زیادہ دلالت کرنے والا ہے) اور جنوں (یعنی اس نوع کی اصل یعنی جنوں کے پہلے باوا) کو اس (یعنی آدم علیہ السلام) سے پہلے آگ سے پیدا کر چکے تھے کہ وہ (انتہائی لطافت کی وجہ سے) ایک گرم ہوا تھی (مطلب یہ کہ چونکہ اس آگ میں دھوئیں کے اجزاء نہیں تھے، اس لئے وہ ہوا کی طرح نظر آتی تھی، کیونکہ آگ کا نظر آنا بھاری اجزاء کے ملنے سے ہوتا ہے، اس کو دوسری آیت میں اس طرح فرمایا ہے: ﴿ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ ﴾ یعنی جنوں کو خالص آگ سے پیدا کیا) اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے (ارشاد) فرمایا کہ میں ایک انسان کو (یعنی اس کے پتلے کو) بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی ہوئی ہوگی تو جب میں اس (یعنی اس کے جسمانی اعضاء) کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی (طرف سے) جان ڈال دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا۔ تو (جب اللہ تعالیٰ نے اسے بنالیا تو) سارے کے سارے فرشتوں نے (آدم علیہ السلام کو) سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے کہ اس نے اس بات کو قبول نہ کیا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو (یعنی سجدہ نہ کیا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابلیس! تیرے لئے کیا وجہ ہوئی کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ کہنے لگا کہ میں ایسا نہیں کہ آدمی

کو سجدہ کروں جس کو آپ نے بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی ہے (یعنی ایسے حقیر و ذلیل مادہ سے بنایا ہے کیونکہ میں آگ کے نورانی مادہ سے پیدا ہوا ہوں تو نورانی ہو کر اندھیرے والے کو کیسے سجدہ کروں) ارشاد ہوا تو (اچھا پھر) آسمان سے نکل، کیونکہ بیشک تو (اس حرکت سے) مردود ہو گیا، اور بیشک تجھ پر قیامت کے دن تک (میری) لعنت رہے گی (جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ﴿عَلَيْكَ لَعْنَتِيٓ﴾ یعنی قیامت تک تو میری رحمت سے دور رہے گا، نہ مقبول ہوگا، نہ تجھ پر رحمت ہوگی اور نہ ہی تجھے توبہ کی توفیق ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ جس پر قیامت تک رحمت نہ ہو تو پھر قیامت میں تو رحمت کے لائق ہونے کی کوئی گنجائش ہی نہیں، لہٰذا جس وقت تک گنجائش اور احتمال وامکان تھا اس کی نفی کر دی اور اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس میں تو مہلت مانگنے سے پہلے ہی مہلت دینے کا وعدہ ہو گیا کہ اس سے مقصود قیامت تک کی عمر دینا نہیں ہے جس سے یہ شبہ ہو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ تو دنیاوی زندگی میں ملعون ہے، چاہے تیری وہ زندگی قیامت تک ہی لمبی کیوں نہ ہو) کہنے لگا (کہ اگر مجھے آدم کی وجہ سے دھتکارا گیا ہے) تو پھر مجھے (مرنے سے) قیامت کے دن تک مہلت دیجئے (تا کہ ان سے اور ان کی اولاد سے خوب بدلہ لوں) ارشاد ہوا (جب تو مہلت مانگتا ہے) تو (جا) تجھے معین وقت کی تاریخ تک مہلت دی گئی، کہنے لگا: اے میرے رب! اس سبب سے کہ آپ نے مجھے (تکوینی حکم سے) گمراہ کیا ہے، میں قسم کھاتا ہوں کہ میں دنیا میں ان (یعنی آدم اور ان کی اولاد) کی نظر میں گناہوں کو پسندیدہ بنا کر دکھاؤں گا، اور ان سب کو گمراہ کروں گا، سوائے آپ کے ان بندوں کے جو ان میں سے چن لئے گئے ہیں (یعنی آپ نے انہیں میرے اثر سے محفوظ رکھا ہے) ارشاد ہوا کہ (ہاں) یہ (چن لیا جانا جس کا طریقہ نیک اعمال اور پوری اطاعت ہے) ایک سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچتا ہے (یعنی اس پر چل کر ہمارا مقرب، قریبی بن جاتا ہے) واقعی میرے ان (مذکورہ) بندوں پر تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا) ہاں! مگر جو گمراہ لوگوں میں تیرے راستہ پر چلنے لگے (تو چلے) اور (جو لوگ تیرے راستہ پر چلیں گے) ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے، جس کے سات دروازے ہیں، ہر دروازہ (میں سے جانے) کے لئے ان لوگوں کے الگ الگ حصے ہیں (کہ کوئی کسی دروازہ سے جائے گا، کوئی کسی دروازہ سے)

فائدہ: پہلے جن کی پیدائش کا ذکر آیت میں ہے، پھر ان میں بھی اولاد اور نسل کا سلسلہ چلنے لگا۔ اور غالب خیال یہ ہے کہ آگ سے پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ غالب جزیہ آگ ہے جیسا کہ انسان میں سارے عناصر ہیں، مگر غالب مٹی ہے اور اگر یہ شبہ ہو کہ جب اور عناصر مل گئے تو خالص آگ کہاں ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ پہلے خالص آگ لی گئی ہو، بعد میں دوسرے عناصر کے مل جانے کے بعد وہ خالص نہیں رہی۔

اور مختلف دلیلوں سے جنات کے متعلق یہ باتیں معلوم ہوئی ہیں، آگ سے پیدا ہونا، اولاد ہونا، نسل چلنا۔ عام طور سے ان کا نظر نہ آنا، ان کا مختلف شکلیں اختیار کر سکنا، مگر جن شکلوں کے اختیار کرنے سے دین کو نقصان ہونے کا اندیشہ ہوتا ہو، اس پر اللہ کی حکمت سے قادر نہ ہونا، اور جس میں دنیا کے نقصان کا اندیشہ ہو، اس پر کم قادر ہونا، شیطان کا بھی جنات کی

قسم سے ہونا، یعنی جس جن میں شرارت ہو، اس کو شیطان کہتے ہیں۔

اور روح اگر لطیف جسم ہو جیسا کہ جمہور کا مشہور قول ہے، تب تو نفخ یعنی جسم میں روح پھونکنے یا جان ڈالنے کے معنی حقیقی ہیں اور مادہ سے خالی جوہر ہو تو مطلق تعلق کو مجاز اور استعارہ کے طور پر نفخ کہہ دیا۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ جواب ﴿هٰذَا صِرَاطٌ﴾ الخ ابلیس کے قول کی تصدیق ہے کہ واقعی ایسا ہی ہوگا کہ یہی حکمت کا تقاضا ہے، مگر جواب میں جو ترتیب بدلی گئی کہ اس کے قول میں ﴿غْوِيَنَّ﴾ یعنی گمراہی کا ذکر پہلے تھا۔ اور ﴿مُخْلَصِيْنَ﴾ یعنی منتخب کئے ہوئے اور چنے ہوئے لوگوں کا بعد میں اور جواب میں اس کا الٹا ہے، اس میں یہ نکتہ ہے کہ جس کا اہتمام زیادہ ہوتا ہے، اس کو پہلے رکھتے ہیں، چنانچہ ابلیس کو تو اغوا یعنی گمراہ کرنے کا اہتمام زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو مخلصین یعنی چنے ہوئے لوگوں کی حفاظت کا۔ واللہ اعلم۔

اور ﴿لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ﴾ یعنی اس کے سات دروازے ہیں، کے سلسلہ میں بعض نے تو کہا ہے کہ سات طبقے مختلف قسم کے عذابوں کے ہیں، جو جیسے عذاب کا مستحق ہوگا، اسے ویسے ہی طبقہ میں داخل کیا جائے گا، چونکہ ہر طبقہ کا دروازہ بھی علاحدہ ہوگا، اس لئے ﴿سَبْعَةُ اَبْوَابٍ﴾ سے تعبیر فرما دیا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ سات دروازے ہی مراد ہیں، اور مقصود داخل ہونے والوں کی کثرت کا بیان کرنا ہے کہ ایک دروازہ کافی نہ ہوگا، تا کہ سننے سے ہول بھی زیادہ ہو۔ اور بعض الفاظ کی تفسیر اور ضروری مضامین جو اس مقام سے متعلق ہیں سورۂ بقرہ کی آیتوں ۳۰ سے ۳۹ اور سورۂ اعراف کی آیتوں ۱۱ سے ۲۴ میں گذر چکے ہیں۔

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: بیشک خدا سے ڈرنے والے باغوں اور چشموں میں ہونگے۔ تم ان میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو۔ اور ان کے دلوں میں جو کینہ تھا ہم وہ سب دور کردیں گے کہ سب بھائی بھائی کی طرح رہیں گے، تختوں پر آمنے سامنے بیٹھا کریں گے۔ وہاں ان کو ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہاں سے نکالے جاویں گے۔

ربط: اوپر آیتوں کے آخر میں جہنمی لوگوں کا ذکر تھا۔ اب جنت والوں کا ذکر ہے جیسا کہ قرآن کا طریقہ ہے۔

جنت والوں کی نعمتیں:

بیشک اللہ سے ڈرنے والے (یعنی ایمان والے) باغوں اور چشموں میں (رہتے) ہوں گے (چاہے شروع ہی سے اگر گناہ نہ کئے ہوں، یا معاف ہو گئے ہوں اور چاہے گناہوں کی سزا کے بعد، اور ان سے کہا جائے گا کہ) تم ان (باغوں اور چشموں) میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو (یعنی اس وقت بھی ہر ناگوار سے سلامتی ہے اور آئندہ بھی کسی برائی کا

اندیشہ نہیں) اور (دنیا میں طبعی تقاضہ کی وجہ سے) ان کے دلوں میں جو کینہ تھا، ہم وہ سب (ان کے دلوں سے جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی) دور کردیں گے کہ سب بھائی بھائی کی طرح (الفت ومحبت کے ساتھ) رہیں گے۔ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھا کریں گے، وہاں انہیں ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔

﴿ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝ ﴾

ترجمہ: آپ میرے بندوں کو اطلاع دے دیجئے کہ میں بڑا مغفرت اور رحمت والا بھی ہوں اور یہ کہ میری سزا دردناک سزا ہے۔

ربط: اوپر جہنم والوں اور جنت والوں کی وعید اور وعدہ کا ذکر تھا۔ اب اسی وعید اور وعدہ کی تاکید کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے لطف اور قہر کا مختصر طور پر بیان فرماتے ہیں۔

گذشتہ وعید اور وعدہ کی تاکید:

(اے محمد ﷺ) آپ میرے بندوں کو اطلاع دیدیجئے کہ میں بڑا مغفرت اور رحمت والا ہوں اور یہ کہ میری سزا (بھی) دردناک ہے (تاکہ اس کی خبر ہو جانے سے ایمان اور تقوی کی رغبت اور کفر وگناہوں سے ڈر وخوف ہو)

﴿ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓي اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۝ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ ۝ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور آپ ان کو ابراہیمؑ کے مہمانوں کی بھی اطلاع دیجئے جب کہ وہ ان کے پاس آئے، پھر انھوں نے السلام علیکم کہا۔ ابراہیم کہنے لگے کہ ہم تو تم سے خائف ہیں۔ انھوں نے کہا: کہ آپ خائف نہ ہوں ہم آپ کو ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں جو بڑا عالم ہوگا۔ ابراہیمؑ کہنے لگے کہ کیا تم مجھ کو اس حالت پر بشارت دیتے ہو کہ مجھ پر بڑھاپا آگیا، سو کس چیز کی بشارت دیتے ہو۔ وہ بولے کہ ہم آپ کو امر واقعی کی بشارت دیتے ہیں سو آپ ناامید نہ ہوں۔ ابراہیمؑ نے فرمایا کہ بھلا اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہوتا ہے بجز گمراہ لوگوں کے۔ فرمانے لگے کہ تو اب تم کو کیا مہم درپیش ہے اے فرشتو! فرشتوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں، مگر لوطؑ کا خاندان کہ ہم ان سب کو بچالیں گے بجز ان کی بی بی کے کہ اس کی نسبت ہم نے تجویز کر رکھا ہے کہ وہ ضرور اسی قوم مجرم میں رہ جاوے گی۔

ربط: اوپر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور آخرت میں قہر کا ذکر تھا۔ اب دنیا میں ایک رحمت اور قہر کا نظیر اور نمونہ کے طور پر دو قصوں کے ضمن میں ذکر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے خوشخبری اور لوط علیہ السلام کے لئے اور ان کی اتباع کرنے والوں کے لئے بھی نجات رحمت ہے اور قوم لوط کی ہلاکت قہر ہے۔

ابراہیم اور لوط علیہما السلام کے قصے رحمت اور قہر کی نظیر کے طور پر:

اور (اے محمد ﷺ) آپ ان (لوگوں) کو ابراہیم (علیہ السلام) کے مہمانوں (کے قصہ) کی بھی اطلاع دیجئے (وہ قصہ اس وقت واقع ہوا تھا) جب کہ وہ (مہمان جو کہ واقع میں فرشتے تھے) ان (یعنی ابراہیم علیہ السلام) کے پاس آئے اور السلام علیکم کہا (ابراہیم علیہ السلام ان کو مہمان سمجھ کر فوراً ان کے لئے کھانا تیار کر کے لائے، مگر چونکہ وہ فرشتے تھے، انھوں نے کھایا نہیں تب) ابراہیم (علیہ السلام دل میں ڈرے کہ یہ لوگ کھانا کیوں نہیں کھاتے؟ کیونکہ وہ فرشتے انسانوں کی شکل میں تھے، اس لئے انہیں آدمی ہی سمجھے اور کھانا نہ کھانے کی وجہ سے شبہ ہوا کہ یہ لوگ کہیں دشمن یا مخالف نہ ہوں اور) کہنے لگے کہ ہمیں تو تم سے ڈر لگ رہا ہے، انھوں نے کہا آپ ڈریں نہیں، کیونکہ ہم (فرشتے) ہیں، اللہ کی طرف سے ایک خوشخبری لے کر آئے ہیں، اور) آپ کو ایک فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں، جو بڑا عالم ہوگا (مطلب یہ کہ نبی ہوگا کیونکہ آدمیوں میں سب سے زیادہ علم نبیوں کو ہوتا ہے، اس فرزند سے مراد اسحاق علیہ السلام ہیں) ابراہیم (علیہ السلام) کہنے لگے کہ کیا مجھے اس حالت میں (فرزند کی) خوش خبری دیتے ہو کہ مجھے بڑھاپا آگیا ہے تو (ایسی حالت میں مجھے) کس چیز کی خوش خبری دیتے ہو؟ (مطلب یہ کہ یہ امر اپنے آپ میں عجیب ہے، نہ یہ کہ اللہ کی قدرت کے لئے محال ہے) وہ (فرشتے) بولے کہ ہم آپ کو واقعی امر کی خوش خبری دیتے ہیں (یعنی آپ کے یہاں فرزند یقیناً پیدا ہونے والا ہے) تو آپ ناامید نہ ہوں (یعنی آپ اپنے بڑھاپے پر نظر نہ کیجئے کہ عادت وطریقہ کے ایسے اسباب پر نظر کرنے سے ناامیدی اور مایوسی کے وسوسہ غالب ہوئے ہیں) ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ بھلا اپنے رب کی رحمت سے سوائے گمراہ لوگوں کے کون ناامید ہوتا ہے (یعنی میں نبی ہو کر گمراہوں کی صفت کیسے اختیار کر سکتا ہوں۔ مقصود صرف اس امر کا عجیب ہونا ہے، باقی اللہ کا وعدہ سچا ہے اور مجھے امید سے بڑھ کر اس کا پورا یقین ہے، اس کے بعد نبوت کی فراست سے آپ کو معلوم ہوا کہ ان فرشتوں کے آنے سے خوش خبری کے علاوہ کوئی اور بھی بڑی مہم مقصود ہے۔ اس لئے) فرمانے لگے کہ (جب علامتوں اور قرینوں سے مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ تمہارے آنے کا مقصود کچھ اور بھی ہے) تو اے فرشتو! (یہ بتاؤ کہ) اب تمہارے سامنے کیا معاملہ ہے؟ فرشتوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف (انہیں سزا دینے کے لئے) بھیجے گئے ہیں (قوم لوط مراد ہے) مگر لوط (علیہ السلام) کا خاندان کہ ہم ان سب کو (عذاب سے) بچالیں گے (یعنی انہیں بچنے کا طریقہ بتادیں گے کہ وہ ان مجرموں سے علاحدہ ہو جائیں) سوائے ان (یعنی لوط علیہ السلام) کی بیوی کے کہ اس کے بارے میں ہم نے طے کر رکھا ہے کہ وہ ضرور اس قوم میں رہ جائے گی (اور ان کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہوگی)

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مہمان کے عنوان سے تعبیر فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آدمیوں کی شکل میں تھے جو ابراہیم علیہ السلام کو مہمان ہی معلوم ہوئے اور دوسری آیتوں میں اسحاق علیہ السلام کی خوش خبری کے ساتھ یعقوب علیہ السلام کی خوش خبری کا بھی ذکر ہے، یہاں انہی آیتوں کی وجہ سے بیان میں اختصار فرمایا۔ اور ﴿ قَدَّرْنَآ ﴾ یعنی ہم نے طے کر رکھا ہے میں فرشتوں نے اپنی طرف مجاز کے طور پر نسبت کی۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل تھا، اس کی وجہ فرشتوں کا قرب اور خصوصیت ہے۔ اور سورۂ ہود کی آیت ۶۹ سے ۷۶ تک میں یہ قصہ گذر چکا ہے، اس سے متعلق کچھ ضروری مضامین کا وہاں بھی ذکر ہو چکا ہے۔ دیکھ لئے جائیں۔

﴿ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۝ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: پھر جب وہ فرشتے خاندانِ لوط کے پاس آئے کہنے لگے کہ تم اجنبی آدمی ہو۔ انھوں نے کہا نہیں، بلکہ ہم آپ کے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کیا کرتے تھے۔ اور ہم آپ کے پاس یقینی ہونے والی چیز لے کر آئے ہیں اور ہم بالکل سچے ہیں۔ سو آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر چلے جایئے اور آپ سب کے پیچھے ہو لیجئے اور تم میں سے کوئی پیچھا پھر کر بھی نہ دیکھے اور جس جگہ کا تم کو حکم ہوا ہے اس طرف سب چلے جانا۔ اور ہم نے لوطؑ کے پاس یہ حکم بھیجا کہ صبح ہوتے ان کی بالکل جڑ ہی کٹ جاوے گی۔ اور شہر کے لوگ خوب خوشیاں کرتے ہوئے پہنچے۔ لوطؑ نے فرمایا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں، سو مجھ کو فضیحت مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھ کو رسوا مت کرو۔ وہ کہنے لگے کیا ہم آپ کو دنیا بھر کے لوگوں سے منع نہیں کر چکے۔ لوطؑ نے فرمایا کہ یہ میری بیٹیاں موجود ہیں اگر تم میرا کہنا کرو۔ آپ کی جان کی قسم! وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔ پس سورج نکلتے نکلتے ان کو آوازِ سخت نے آ دبایا پھر ہم نے ان بستیوں کا اوپر کا تختہ تو نیچے کر دیا اور ان لوگوں پر کنکر کے پتھر برسانا شروع کیے۔ اس واقعہ میں کئی نشان ہیں اہل بصیرت کے لئے۔ اور یہ بستیاں ایک آباد سڑک پر ملتی ہیں۔ ان بستیوں میں اہل ایمان کے لئے بڑی عبرت ہے۔

ربط: اب اوپر کے قصہ کا باقی حصہ ہے۔

لوط علیہ السلام کی قوم کے مجرموں کو ہلاک کرنا اور مؤمنوں کو نجات دینا:

پھر جب وہ فرشتے لوط (علیہ السلام) کے خاندان کے پاس آئے (تو چونکہ انسانوں کی شکل میں تھے، اس لئے وہ) کہنے لگے: تم تو اجنبی آدمی (معلوم ہوتے) ہو (دیکھئے شہر والے تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں، کیونکہ یہ اجنبی لوگوں کو پریشان کیا کرتے ہیں) انھوں نے کہا: نہیں (ہم آدمی نہیں) بلکہ ہم (فرشتے ہیں) آپ کے پاس وہ چیز (یعنی وہ عذاب) لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کیا کرتے تھے اور ہم آپ کے پاس یقینی ہونے والی چیز (یعنی عذاب) لے کر آئے ہیں اور ہم (اس خبر کے دینے میں) بالکل سچے ہیں، تو آپ رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر (یہاں سے) چلے جائیے اور آپ سب کے پیچھے رہئے (تاکہ کوئی رہ نہ جائے، لوٹ نہ جائے اور آپ کے ڈر کی وجہ سے کوئی ان کی طرف توجہ نہ کرے، جس کی ممانعت آگے آرہی ہے) اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑکر بھی نہ دیکھے (یعنی سب جلدی جلدی چلے جائیں) اور جس جگہ (جانے) کا تمہیں حکم ہوا ہے (یعنی شام جیسا کہ السدی سے درمنثور میں منقول ہے) اس طرف سب چلے جانا (آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) اور ہم نے (ان فرشتوں کے واسطہ سے) لوط (علیہ السلام) کے پاس یہ حکم بھیجا کہ صبح ہوتے ہوتے بالکل ان کی جڑ ہی کٹ جائے گی (یعنی وہ سب بالکل ہلاک ہو جائیں گے۔ یہ فرشتوں کی گفتگو جس کا یہاں ذکر ہوا مقصود کے اہتمام کے لئے (بعد میں واقع ہوئی، کہ مقصود نجات اور ہلاکت کی خبر دینا ہے، لیکن اس کا ذکر پہلے فرمادیا۔ اور آگے جو قصہ آرہا ہے وہ پہلے واقع ہوا، اس کو پورا کرنے کی غرض سے بیان فرماتے ہیں یعنی) اور شہر کے لوگ وہ خبر سن کر کہ لوط علیہ السلام کے پاس حسین حسین لڑکے آئے ہیں) خوب خوشیاں مناتے ہوئے (لوط علیہ السلام کے گھر بری و فاسد نیت سے) پہنچے۔ لوط (علیہ السلام) نے (جو کہ اب تک وہ بھی انہیں آدمی سمجھ رہے تھے، ان کی بری نیت کی وجہ سے) فرمایا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں، تو (ان کو تنگ و پریشان کر کے) مجھے (عام لوگوں میں) رسوا مت کرو (کیونکہ مہمان کی توہین، میزبان کی توہین ہے، تو اگر ان مسافروں کا خیال نہیں کرتے تو میرا ہی خیال کرلو کہ تمہاری بستی کا ہوں) اور خود اس ناجائز فعل کے بارے میں بھی) اللہ سے ڈرو اور (ان مہمانوں کی نظر میں) میری عزت خراب مت کرو (کہ یہ یوں سوچیں گے کہ شہر والے ان کی کچھ بھی عزت وقعت نہیں کرتے) وہ کہنے لگے (کہ یہ رسوائی اور بے عزتی ہماری طرف سے نہیں آپ نے خود کرائی ہے کہ انہیں مہمان بنایا) کیا ہم نے آپ کو دنیا بھر کے لوگوں کو مہمان بنانے) سے (بار بار) منع نہیں کر چکے (نہ آپ انہیں مہمان بناتے، نہ اس رسوائی کی نوبت آتی) لوط (علیہ السلام) نے فرمایا کہ (آخر اس بیہودہ حرکت کی ضرورت ہی کیا ہے، جس کی وجہ سے مہمانداری سے بھی منع کیا جاتا ہے، شہوت کا تقاضا پورا کرنے کے لئے) یہ میری (بہو) بیٹیاں (جو تمہارے گھروں میں ہیں) موجود ہیں اگر تم میرا کہنا مان لو (تو یہ عورتیں کافی ہیں، مگر وہ کس کی سنتے تھے) آپ کی جان کی قسم! وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے، لہٰذا سورج نکلتے نکلتے انہیں سخت

آواز نے آدبایا، پھر (صیحہ یعنی سخت آواز کے بعد) ہم نے ان بستیوں (کی زمین کو الٹ کر ان) کا اوپر کا تختہ نیچے کر دیا (اور نیچے کا تختہ اوپر کر دیا) اور ان لوگوں پر کنکر کے پتھر برسانا شروع کیے، اس واقعہ میں بصیرت والوں کے لئے کئی (مضمونوں کی) نشانیاں ہیں (مثلاً ایک یہ کہ برے فعل کا نتیجہ برائی ہوتا ہے، دوسرے ایمان واطاعت سے نجات ہوتی ہے، تیسرے یہ کہ اللہ بڑی قدرت والا ہے کہ طبعی اسباب کے خلاف جو چاہے کرے وغیرہ۔ اور یہ بستیاں ایک آباد سڑک پر ملتی ہیں (یعنی عرب سے ملک شام کو جاتے ہوئے ان کے آثار معلوم ہوتے ہیں) ان بستیوں میں (ان کی اپنی اس حالت میں) ایمان والوں کے لئے عبرت ہے (کہ انہیں دیکھ کر ان مضامین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور جو مؤمن نہیں ہیں وہ ان واقعات کو طبعی اسباب یا اتفاق قرار دے لیتے ہیں نہ اللہ کو قادر سمجھتے ہیں اور نہ گناہوں کو اس کی سزا سمجھتے ہیں)

فائدہ: یہ قصہ سورۂ ہود کی ۷۷ سے ۸۳ تک کی آیتوں میں بھی گذر چکا ہے، اس سے متعلق بعض ضروری مضامین وہاں دیکھ لئے جائیں اور ﴿ مُّصْبِحِيْنَ ﴾ یعنی صبح ہوتے ہوتے اور ﴿ مُشْرِقِيْنَ ﴾ یعنی سورج نکلتے نکلتے یا تو اس لئے فرمایا کہ صبح سے سلسلہ شروع ہوا اور سورج نکلنے تک ختم ہو گیا۔ یا صبح کا مفہوم عام لیا جائے جس میں اشراق کا وقت بھی شامل ہو۔ دوسری آیت میں ﴿ بُكْرَةً ﴾ کا لفظ ہے جس کے معنی دن کے شروع کے ہیں، اگر عرف عام کا عرفی دن مراد لیا جائے تو ﴿ مُشْرِقِيْنَ ﴾ کا مترادف ہے اور اگر شرعی دن مراد لیا جائے تو ﴿ مُّصْبِحِيْنَ ﴾ کے قریب ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے جو جگہ جگہ مخلوقات کی قسم کھائی ہے اس سے ان چیزوں کا نفع کی کثرت کے اعتبار سے یا اس کی قدرت پر دلالت کے لحاظ سے عظیم ظاہر کرنا مقصود ہے۔ اور مکلف لوگوں کو اس طرح کی قسموں سے منع فرمانا اس لئے ہے کہ کہیں قسم کھانے والا اس چیز کو اتنا عظیم نہ سمجھ بیٹھے جیسا حق تعالیٰ کو معظم سمجھتا ہے، کیونکہ بعض لوگوں کا معاملہ ایسا ہو چکا ہے، جبکہ خود اللہ تعالیٰ میں ایسا کوئی احتمال ہی نہیں ہے کہ وہ کسی مخلوق کو معظم سمجھیں، کیونکہ وہ خود سب سے اعظم ہیں، یا یوں کہا جائے کہ ان چیزوں کی قسم ان کی ذات کے اعتبار سے نہیں، بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ یہ چیزیں اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ لہٰذا ان کی قسم سے مقصود اللہ کی قدرت کی قسم ہے اور اللہ کی صفتوں کا قسم کے لائق ہونے پر خود اس کی ذات کی طرح کوئی اشکال نہیں ہے۔ اور عام قسم کھانے والے اس لحاظ سے قسم نہیں کھاتے۔ پھر ان کے ذمہ دوسروں کو وہم میں ڈالنے سے بچنا بھی لازم کیا گیا ہے۔

﴿ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۝ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ﴾ ع ۵

ترجمہ: اور بن والے بڑے ظالم تھے۔ سو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور دونوں بستیاں صاف سڑک پر ہیں۔ اور حجر والوں نے پیغمبروں کو جھوٹا بتلایا اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں، سو وہ لوگ ان سے روگردانی کرتے رہے اور وہ لوگ پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں گھر بنا۔ تے تھے کہ امن میں رہیں۔ سو ان کو صبح کے وقت آواز نے آ پکڑا سو ان کے ہنر ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔

ربط: اوپر لوط علیہ السلام کی قوم پر ہونے والے عذاب کا ذکر تھا۔ اب ایکہ والوں اور حجر والوں کے عذاب کا ذکر ہے کہ سب کا مقصود مشترک ہے کہ دنیا میں ہونے والے قہر کا ذکر کرنا آخرت کے قہر کے نمونہ کے طور پر مقصود ہے، اور عذاب کے ان قصوں میں رسالت کے مسئلہ کو حق قرار دینے پر بھی دلالت ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

ایکہ والوں کا قصہ:

اور جنگل والے (یعنی شعیب علیہ السلام کی امت) بھی بڑے ظالم تھے تو ہم نے ان سے (بھی) بدلہ لیا (اور انہیں عذاب کے ذریعہ ہلاک کیا) اور (اس قوم کی) دونوں بستیاں صاف سڑک پر (واقع) ہیں (اور شام کو جاتے ہوئے راستہ میں نظر آتی ہیں) اور حجر والوں نے (بھی) پیغمبروں کو جھوٹا بتایا (کیونکہ جب صالح علیہ السلام کو جھوٹا کہا اور سارے پیغمبروں کا اصل دین ایک ہی ہے تو سب کو ہی جھوٹا بتایا) اور ہم نے انہیں اپنی (طرف سے) نشانیاں دیں (جس سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوتی تھی، مثلاً توحید کی دلیلیں اور اونٹنی کہ صالح علیہ السلام کا معجزہ تھا) تو وہ لوگ ان (نشانیوں) سے منہ ہی پھیرتے رہے۔ اور وہ لوگ پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں گھر بناتے تھے کہ (ان میں سب آفتوں سے) امن میں رہیں، تو انہیں صبح کے وقت (چاہے صبح سویرے ہی یا دن چڑھے دونوں احتمالوں کے ساتھ) سخت آواز نے آ پکڑا تو ان کے (دنیاوی) ہنر ان کے کچھ بھی کام نہ آئے (انہی پختہ و مضبوط گھروں میں عذاب سے کام تمام ہو گیا، اس آفت سے ان کے گھر نہیں بچا سکے بلکہ اس آفت کا انہیں احتمال بھی نہیں تھا۔ اور اگر ہوتا بھی تو کیا کرتے)

فائدہ: ایکہ جنگل کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ مدین کے پاس ایک جنگل تھا، اس لئے اہل مدین کا یہ بھی لقب ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ دو قومیں تھیں: ایک کے ہلاک ہونے کے بعد شعیب علیہ السلام دوسری قوم کی طرف بھیجے گئے اور روح المعانی میں ابن عساکر کی تخریج سے یہ مرفوع حدیث نقل کی گئی ہے کہ مدین اور اصحاب ایکہ دو امت تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کی طرف شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔ واللہ اعلم

اور حجر، حجاز اور شام کے درمیان ایک وادی ہے۔ اس میں قوم ثمود آباد تھی، اور سورۃ الاعراف آیت ۷۸ میں رجفہ اور صیحہ کے جمع ہونے کی توجیہ بیان کی گئی ہے اور قوم لوط کی بستیوں کا راستہ کے کنارہ واقع ہونا اوپر کی آیت میں آ چکا ہے۔ یہاں دوبارہ ذکر شاید اس لئے کیا گیا ہو کہ اہل ایکہ کی منزلوں کے راستہ پر واقع ہونے کو قوم لوط کی منزلوں کے راستہ پر واقع

ہونے سے تشبیہ دینا مقصود ہو، یعنی اس قوم کا راستہ پر واقع ہونا تو اوپر معلوم ہو چکا ہے، یہ قوم بھی اسی طرح راستہ پر واقع تھی، اس طرح دونوں راستہ ہی پر واقع ہیں۔ اس طرح حقیقی طور پر دہرانا نہیں ہوا اور جو ظاہری دہرانا ہے اس سے دہرانے کی تاکید مقصود نہیں ہوئی۔ بلکہ اس بعد والے کی تاکید اس کے ساتھ تشبیہ دینے سے مقصود ہوئی۔ خوب سمجھ لو۔

﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقُلْ اِنِّىْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ۝ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَي الْمُقْتَسِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَسْــَٔـلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کی درمیانی چیزوں کو بغیر مصلحت کے نہیں پیدا کیا۔ اور ضرور قیامت آنے والی ہے سو آپ خوبی کے ساتھ درگذر کیجئے۔ بلاشبہ آپ کا رب بڑا خالق بڑا عالم ہے۔ اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو مکرر پڑھی جاتی ہیں اور قرآنِ عظیم دیا۔ آپ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی اس چیز کو نہ دیکھئے جو کہ ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو برتنے کے لئے دے رکھی ہے اور ان پر غم نہ کیجئے اور مسلمانوں پر شفقت رکھئے۔ اور کہہ دیجئے کہ میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں جیسا ہم نے ان لوگوں پر نازل کیا ہے جنھوں نے حصے کر رکھے تھے یعنی آسمانی کتاب کے مختلف اجزاء قرار دیئے تھے۔ سو آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ان سب سے ان کے اعمال کی ضرور باز پرس کریں گے۔ غرض آپ کو جس بات کا حکم کیا گیا ہے اس کو صاف صاف سنا دیجئے اور ان مشرکوں کی پروا نہ کیجئے۔ یہ لوگ جو ہنستے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ دوسرا معبود قرار دیتے ہیں ان سے آپ کے لئے ہم کافی ہیں، سو ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔ اور واقعی ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں اس سے آپ تنگ دل ہوتے ہیں۔ سو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے اور نمازیں پڑھنے والوں میں رہئے۔ اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کو موت آجاوے۔

ربط: اوپر سورت کے شروع میں مکہ کے کافروں کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شدید عناد و دشمنی اور مخالفت کا بیان تھا، خاص طور سے آیت ﴿ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ ﴾ سے ﴿ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴾ تک۔ جیسا کہ اس کے ترجمہ سے ظاہر ہے۔ اور اسی کے ساتھ مختصر طور پر آپ کی تسلی کا مضمون بھی بیان فرمایا تھا۔ ﴿ وَلَقَدْ

﴿ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ ﴾ سے ﴿ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ تک۔ پھر درمیان میں خاص مناسبت سے دوسرے مضامین کا ذکر ہوا تھا۔ اب سورت کے خاتمہ پر اس عناد اور مخالفت کے بارے میں آپ کی تسلی کا مضمون تفصیل کے ساتھ اور زیادہ بہتر طریقوں سے بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ترجمہ کے بیان سے واضح ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ

کافروں کے عناد پر رسول اللہ ﷺ کی زیادہ بہتر طریقہ سے تسلی:

اور (اے محمد ﷺ آپ ان لوگوں کے عناد اور مخالفت کی وجہ سے غم نہ کیجئے، کیونکہ اس کا ایک دن فیصلہ ہونے والا ہے اور وہ قیامت کا دن ہے جس کی آمد کے بارے میں ہم آپ سے بیان کرتے ہیں کہ) ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بغیر مصلحت کے پیدا نہیں کیا (بلکہ اس مصلحت سے پیدا کیا کہ ان کو دیکھ کر دنیا کو بنانے والے کے وجود اور اس کی وحدت وعظمت پر استدلال کر کے اس کے احکام کی اطاعت کریں اور اس حجت کے قائم ہو جانے کے بعد بھی جو ایسا نہ کرے اسے عذاب دیا جائے) اور (دنیا میں پورا عذاب نہیں ہوتا تو وہ اور کہیں ہونا چاہئے۔ اس کے لئے قیامت مقرر ہے، لہٰذا) ضرور قیامت آنے والی ہے (وہاں سب کو بھگتنا پڑے گا) اس لئے آپ (کچھ غم نہ کیجئے، کیونکہ (بھلائی کے ساتھ (ان کی شرارتوں سے) درگذر کیجئے (درگذر کا مطلب یہ ہے کہ اس غم میں نہ پڑیئے، اس کا خیال نہ کیجئے اور خوبی وبھلائی یہ کہ شکوہ وشکایت بھی نہ کیجئے، کیونکہ) بلاشبہ آپ کا رب (چونکہ) بڑا پیدا کرنے والا (ہے، اس سے ثابت ہوا کہ) بڑا عالم (بھی) ہے (اس کو سب کا حال معلوم ہے، آپ کے صبر کا بھی اور ان کی شرارت کا بھی۔ اس لئے ان سے پورا پورا بدلہ لے گا۔ اور خالق ہونے کا ذکر استدلال کے طور پر کیا گیا۔ کیونکہ خالق ہونا عالم ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ﴾ یعنی کیا وہ جانتا نہیں جس نے پیدا کیا؟ اور آپ ان کے معاملہ کو نہ دیکھئے کہ غم کا سبب ہوتا ہے۔ ہمارا معاملہ اپنے ساتھ دیکھئے کہ ہماری طرف سے آپ کے ساتھ کس قدر لطف وعنایت ہے؟ چنانچہ) ہم نے آپ کو (ایک بڑی بھاری نعمت یعنی) سات آیتیں دیں جو (نماز میں) بار بار پڑھی جاتی ہیں اور وہ بوجہ جامع مضامین عظیمہ ہونے کے اس قابل ہے کہ اس کے دینے کو یوں کہا جائے کہ) قرآن عظیم دیا (مراد اس سے سورۂ فاتحہ ہے، جس کو عظیم ہونے کی وجہ سے ام القرآن کا لقب دیا گیا ہے، لہٰذا اس نعمت کی طرف اور نعمت دینے والے کی طرف نگاہ رکھئے کہ خوشی ومسرت کا ذریعہ ہو ان لوگوں کی دشمنی اور مخالفت کی طرف دھیان نہ دیجئے اور) آپ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی اس چیز کو نہ دیکھئے (نہ افسوس کے طور پر اور نہ ہی غیظ وغضب کے طور پر جو) ہم نے مختلف قسم کے کافروں (مثلاً یہود، نصاریٰ، مجوس اور مشرکوں) کو برتنے کے لئے دے رکھی ہے (اور بہت جلد ان سے جدا ہو جائے گی) اور ان (کی کفر کی حالت) پر (کچھ) غم نہ کیجئے (غیظ وغضب کے ساتھ نظر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ اللہ کے دشمن ہیں اس لئے اللہ کے واسطے بغض کی وجہ سے غصہ آئے کہ ایسی نعمتیں ان کے پاس نہ ہوتیں، اس کے جواب کی طرف ﴿ مَتَّعْنَا ﴾ میں اشارہ ہے کہ یہ کوئی بڑی

ذکر کے قابل دولت نہیں کہ جن لوگوں پر غضب ہوا ہے ان کے پاس نہ ہوتی یہ تو فنا ہونے والا سامان ہے اور افسوس کے ساتھ نظر کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں انہیں ایمان سے روک رہی ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو شاید ایمان لے آئیں۔ اس کا جواب ﴿ لَا تَحْزَنْ ﴾ میں ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ انتہائی عناد و دشمنی ان کی فطرت میں ہے۔ ان سے کسی طرح کی امید نہیں اور رنج و ملال امید کے خلاف پر ہوتا۔ اور جب امید ہی نہیں تو پھر رنج و ملال بلاوجہ ہے۔ اور حرص کے طور پر نظر کا تو احتمال ہی نہیں۔ غرض یہ کہ آپ کسی طرح بھی ان کافروں کے غم وفکر میں نہ پڑیئے) اور مسلمانوں پر شفقت رکھیے (یعنی مصلحت کی فکر اور شفقت کے لئے مسلمان ہی کافی ہیں کہ انہیں اس سے فائدہ بھی ہے) اور (چونکہ کافروں کے لئے مصلحت کی فکر کا کوئی نتیجہ نہیں، اس لئے ان کی طرف دھیان بھی نہ دیجئے، البتہ تبلیغ کرتے رہئے کہ یہ آپ کا منصبی فرض ہے اور اتنا) کہہ دیجئے کہ میں کھلم کھلا (تمہیں اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا ہوں (اور اللہ کی طرف سے تمہیں یہ بات پہنچاتا ہوں کہ جس عذاب سے ہمارا نبی ڈراتا ہے ہم تم پر کسی وقت ضرور نازل کریں گے) جیسے ہم نے (وہ عذاب گذشتہ زمانہ میں) ان لوگوں پر (مختلف اوقات میں) نازل کیا ہے جنھوں نے (اللہ کے احکام کے) حصے بخرے کر رکھے تھے، یعنی آسمانی کتاب کے مختلف حصے قرار دیئے تھے (ان میں سے جو ان کی مرضی کے مطابق ہوا، اسے مان لیا اور جو مرضی کے خلاف ہوا، اس سے انکار کر دیا۔ اس سے مراد گذشتہ زمانہ کے یہود و نصاریٰ ہیں، جن پر انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کی وجہ سے عذابوں کا ہونا جیسے بندر و خنزیر بنادیا جاتا، قتل و قید اور ذلت مشہور معروف تھا، مطلب یہ کہ عذاب کا نازل ہونا کوئی دور کی اور ناممکن بات نہیں۔ یہ پہلے بھی ہو چکا ہے اگر تم پر بھی ہو جائے تو تعجب کی کیا بات ہے، چاہے دنیا میں اور چاہے آخرت میں؟ اور جب ان لوگوں کا جن کو تشبیہ دی گئی اور جن سے تشبیہ دی گئی، عذاب کا مستحق ہونا اوپر کے بیان سے معلوم ہو گیا) تو (اے محمد ﷺ ہمیں) آپ کے پروردگار کی (یعنی خود اپنی قسم! ہم ان سب (اگلوں اور پچھلوں) سے ان کے اعمال کے بارے میں (قیامت کے دن) ضرور پوچھ گچھ کریں گے (پھر ہر ایک کو اس کے اعمال کے مناسب سزا دیں گے) غرض (کلام کا حاصل یہ کہ) آپ کو جس بات (کے پہنچانے) کا حکم کیا گیا ہے اس کو (تو) صاف صاف سنا دیجئے اور (اگر یہ نہ مانیں تو ان مشرکوں (کے نہ ماننے) کی (بالکل پروا نہ کیجئے (یعنی غم نہ کیجئے جیسا کہ اوپر آیا ہے ﴿ لَا تَحْزَنْ ﴾ اور نہ ہی طبعی طور پر خوف کیجئے کہ یہ مخالف بہت سارے ہیں، کیونکہ) یہ لوگ (جو آپ کے اور اللہ کے مخالف ہیں، چنانچہ آپ پر تو) ہنستے ہیں (اور) اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود قرار دیتے ہیں، ان (کے شر اور اذیت) سے آپ (کو محفوظ رکھنے) کے لئے (اور ان سے بدلہ لینے کے لئے) ہم کافی ہیں۔ تو انہیں ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (کہ ہنسنے، مذاق اڑانے اور شرک کا کیا انجام ہوتا ہے۔ غرض جب ہم کافی ہیں تو پھر خوف کس بات کا؟ اور واقعی ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ جو کفر کی اور مذاق اڑانے کی باتیں کرتے ہیں، اس سے آپ تنگ دل ہوتے ہیں (کہ یہ طبعی بات ہے) تو (اس کا علاج یہ ہے کہ)

آپ اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد کرتے رہیے، اور نماز پڑھنے والوں میں رہیے، اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے۔ یہاں تک کہ (اسی حالت میں) آپ کو موت (آجائے یعنی مرتے دم تک ذکر وعبادت میں مشغول رہیے، اس میں اس کے علاوہ کہ اس کا حکم دیا گیا ہے اور اس پر اجر دیا جائے گا، یہ بھی خاصیت ہے کہ اس طرف مشغولیت کو مختصر کردینے سے دوسری مشغولیت جو تنگ دلی کا سبب تھا دور ہوجاتا یا مغلوب ہوجاتا ہے۔

فائدہ: تسلی کے بعض مضامین مثلاً سزا وغیرہ کی خبر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان کی سزا چاہتے تھے۔ اس میں شاید کسی کو شفقت نہ ہونے کا شبہ ہو تو جواب یہ ہے کہ یہ امر اپنے ساتھ کسی معاملہ کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ چونکہ وہ حق تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کرتے تھے، اس لئے یہ غضب جس کا ذکر ہوا۔ اللہ کے سلسلہ میں بغض کا اثر تھا، اور شفقت تو یہ ہے کہ آپ ان کی ہدایت کے لئے کوشش کرتے تھے، نہ یہ کہ کفر کے باوجود ان کی مغفرت کے طالب تھے اور آخری آیت کے ترجمہ میں ''مختصر'' کی قید اس لئے ظاہر کی کہ کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ جب دل کی تنگی کا علاج عبادت میں مشغول ہونا ہے تو آپ تو ہمیشہ ہی عبادت میں مشغول رہتے تھے، پھر تنگی کیسے واقع ہوئی۔ اب اس قید سے جواب ظاہر ہوگیا کہ مطلق مشغولیت اس کا علاج نہیں ہے بلکہ اس کا مختصر ہونا ہے، اس لئے آپ کی مشغولیت تو ہمیشہ کی تھی، لیکن طبعی طور پر یا قصداً کہ خیر خواہی کا مقصد بھی عبادت ہے، آپ ان کے حال پر بھی توجہ دیتے تھے۔ اس لئے مقصود کے طور پر مختصر کی تعلیم فرمائی گئی کہ خیر خواہی کی حد ختم ہوچکی تھی۔ واللہ اعلم

اور ﴿كَمَآ اَنْزَلْنَا﴾ الخ میں مذکورہ تفسیر پر التفات کی صفت ہے۔ اور ان کی کتاب کو قرآن کہنے میں یہ نکتہ ہوسکتا ہے کہ اس محمدی قرآن کے انکار میں آپ کو تسلی ہوجائے کہ پہلے والے قرآن کا بھی انکار ہوچکا ہے، اور بعض مفسروں نے اس کو ﴿اٰتَيْنٰكَ﴾ سے متعلق قرار دے کر یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ہم نے آپ کو سبع مثانی بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں اس طرح دیں جیسے گذشتہ کتاب والوں پر نبیوں کے واسطہ سے کتاب نازل کی تھی، اور اس تشبیہ سے مقصود وحی کے نازل ہونے میں مشکل یا ناممکن کے خیال کو دور کرنا ہے۔ اور شاید علی الانبیاء یعنی ''نبیوں پر'' اس لئے نہیں فرمایا تا کہ اس امر کی طرف اشارہ ہوجائے کہ اللہ کی کتابیں نازل کرنے سے مقصود امت کو مکلّف بنانا ہوتا ہے، لہٰذا آپ پر بھی نزول اسی لئے ہوا ہے اور اگر دونوں توجیہوں پر قرآن کے اصطلاحی معنی رکھے جائیں اور ﴿الْمُقْتَسِمِيْنَ﴾ یعنی ''آسمانی کتاب کے ٹکڑے کرنے والوں کی'' صفت ﴿جَعَلُوْا﴾ الخ کے ساتھ قرآن کے نازل ہونے کے زمانہ میں موجود ان میں سے بعض کے اعتبار سے کہی جائے تب بھی کوئی عجیب بات نہیں۔

﴿سورۃ الحجر کی تفسیر ۱۳ ر جمادی الاخری بروز اتوار سنہ ۱۳۲۴ھ کو پوری ہوئی وللہ الحمد﴾
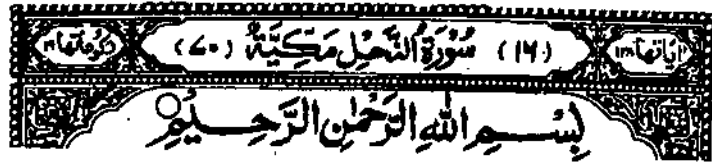
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

یہ سورت مکی ہے، آخری تین آیتوں کے علاوہ، اور اس میں ۱۲۸ آیتیں ہیں۔

ربط وتناسب: اس سورت میں یہ مضامین ہیں: احسان کے اظہار کے انداز میں توحید، جس کو ذہن کو جھنجوڑنے کی غرض سے وعید کی تمہید سے شروع کیا گیا اور گذشتہ سورت کے ختم پر بھی توحید اور غیر توحید پر وعید کا مضمون تھا، جیسا کہ ﴿ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ ﴾ اور ﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ﴾ الخ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور مضمون کے اس طرح مشترک ہونے سے اس کے انجام اور اس کے مشروع ہونے کی نسبت بھی معلوم ہوگئی اور اس توحید کے ضمن میں شرک کا رد اور شرک والوں کی مذمت اور بعض آیتوں میں نبوت اور قرآن کے انکار پر وعید اور اس کے مقابلہ میں قرآن کی تصدیق کرنے والوں کے لئے خوشخبری اور بعض آیتوں میں بعث کو بھی ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ مضمون آیت چالیس تک چلا گیا ہے، پھر آیت اکتالیس میں ہجرت کی فضیلت اور نبوت کا ثبوت اور انکار کرنے والوں کے لئے وعید بیان کر کے پھر توحید کی طرف لوٹے ہیں۔ پھر آیت باسٹھ کے بعد رسالت اور قرآن کا حق ہونا بیان فرما کر پھر توحید کی طرف واپس ہوئے ہیں۔ پھر آیت اکیاسی کے بعد قرآن کا حق ہونا، اس کی برکت اور اس کی تعلیمات میں سے بعض کی خوبی اور ان میں سے خاص طور پر عہد کو پورا کرنے کی زیادہ تاکید اور پھر مطلق نیک اعمال کی فضیلت کا ذکر ہے۔ پھر آیت ستانوے سے قرآن اور رسالت کی بحث اور انکار کرنے والوں پر وعید اور مجبور کرنے کی صورت میں زبانی انکار کا استثناء اور پھر آیت ایک سو آٹھ سے اس انکار کا ایمان کی برکت سے معاف ہوجانا بیان ہوا ہے۔ پھر آیت ایک سو دس سے کفر کے آخرت اور دنیا کے وبال کا ذکر ہوا ہے۔ اور پھر مشرکانہ رسموں کا باطل ہونا بیان کیا گیا ہے۔ پھر آیت ایک سو انیس میں توبہ کی ترغیب اور آخری آیتوں میں محمد ﷺ کی رسالت ثابت کی گئی ہے اور اس کی تقویت کے لئے ابراہیم علیہ السلام کی رسالت کا ذکر ہے اور رسالت کے منصب کے بعض آداب اور مخالفوں کی مخالفت پر آپ کو اتباع کے ساتھ صبر وتقوی کا ارشاد فرمایا ہے۔ اور اس کی فضیلت پر سورت کو ختم کردیا ہے۔ اب سورت کے تمام اجزاء کی مناسبت بالکل واضح ہے، واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

اب توحید کی دلیلوں سے سورت شروع ہوتی ہے جس میں زیادہ حصہ عقلی دلیلوں کا ہے جو آیت ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ ﴾ الخ سے دور تک یہ حصہ چلا گیا ہے اور اس سے پہلے آیت ﴿ یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ ﴾ میں اس توحید کی دلیل نقلی کی طرف

اشارہ ہے اور چونکہ توحید کا مضمون عظیم شان والا ہے، اس لئے سب سے پہلے ﴿ اَتٰۤى اَمۡرُ اللّٰهِ ﴾ میں وعید کا مضمون لایا گیا ہے۔ اور عقلی دلیلوں میں اپنے انعاموں کا بھی ذکر فرمایا ہے، تا کہ حکم کے آنے اور ڈرانے خوف دلانے اور نعمت کے ذکر سے ترغیب ہو جائے کہ دونوں کا توجہ میں خاص دخل ہے۔

﴿ اَتٰۤى اَمۡرُ اللّٰهِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ۝ ﴾

ترجمہ: خدا تعالیٰ کا حکم آ پہنچا۔ سو تم اس میں جلدی مت مچاؤ۔ وہ لوگوں کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

توحید کی تمہید وعید کے ساتھ:

اللہ تعالیٰ کا حکم (یعنی کفر و شرک کی سزا کا وقت قریب) آ پہنچا (اور اس کا آنا یقینی ہے) لہٰذا (اے انکار کرنے والو!) تم اس میں (منکروں والی) جلدی مت مچاؤ (جیسا کہ ان کا قول تھا کہ اگر عذاب کوئی چیز ہے تو جلدی آجانا چاہئے یعنی جلدی نہ آنا بہتر ہے تا کہ تمہیں اصلاح اور توبہ کی مہلت مل جائے۔ رہی اس کے آنے کی بات تو وہ یقینی ہے، پھر جلدی مچانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، جب کفر اور شرک پر عذاب ہونے کی بات سن لی تو اب توحید اختیار کرو۔ اور اس کی حقیقت سن لو کہ) وہ لوگوں کے شرک سے پاک اور برتر ہے (یعنی اس کا کوئی شریک نہیں)

﴿ يُنَزِّلُ الۡمَلٰۤـئِكَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ۝ ﴾

ترجمہ: وہ فرشتوں کو وحی یعنی اپنا حکم دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں نازل فرماتے ہیں یہ کہ خبردار کر دو کہ میرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ سو مجھ سے ڈرتے رہو۔

دلیل نقلی کے ذریعہ توحید کا ثابت ہونا:

وہ (اللہ تعالیٰ) فرشتوں (کی جنس یعنی جبرئیل) کو وحی یعنی اپنا حکم دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں (یعنی انبیاء پر) نازل فرماتے ہیں (اور وہ حکم) یہ (ہے کہ لوگوں کو خبردار کر دو کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس لئے مجھ سے ڈرتے ہو، یعنی میرے ساتھ شریک مت کرو، ورنہ سزا دی جائے گی۔

فائدہ: اس میں یہ امر ظاہر فرمادیا کہ توحید تمام نبیوں علیہم السلام کی شریعت میں مشترک ہے۔

﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَـقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ۝ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ ۝ وَالۡاَنۡعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمۡ فِيۡهَا دِفۡءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ۝ وَلَكُمۡ

فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کو حکمت سے بنایا وہ ان کے شرک سے پاک ہے۔ انسان کو نطفہ سے بنایا پھر وہ یکا یک کھلم کھلا جھگڑنے لگا۔ اور اسی نے چوپایوں کو بنایا ان میں تمہارے جاڑے کا بھی سامان ہے اور بھی بہت فائدے ہیں اور ان میں سے کھاتے بھی ہو۔ ور ان کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے جبکہ شام کے وقت لاتے ہو اور جبکہ صبح کے وقت چھوڑ دیتے ہو اور وہ تمہارے بوجھ بھی ایسے شہر کو لے جاتے ہیں جہاں تم بدوں جان کو محنت میں ڈالے ہوئے نہیں پہنچ سکتے تھے۔ واقعی تمہارا رب بڑی شفقت اور رحمت والا ہے۔ اور گھوڑے اور خچر اور گدھے بھی پیدا کئے تا کہ تم ان پر سوار ہو اور نیز زینت کے لئے بھی اور وہ ایسی چیزیں بناتا ہے جن کی تم کو خبر بھی نہیں۔

نعمتوں کے ضمن میں عقلی طریقہ سے توحید ثابت کرنا:

(اللہ تعالیٰ نے) آسمانوں کو اور زمین کو حکمت کے ساتھ بنایا وہ شرک سے پاک ہے (اور) انسان کو (یعنی اس نوع کے زیادہ تر لوگوں کو) نطفہ سے بنایا، پھر یکا یک کھلم کھلا (اللہ ہی کی ذات اور صفتوں میں) جھگڑنے لگا (یعنی ان میں بعض ایسے بھی ہوئے۔ مطلب یہ کہ ہماری تو یہ نعمتیں ہیں جبکہ انسان کی طرف سے یہ ناشکری ہے) اور اس نے چوپایوں کو بنایا، ان میں تمہارے جاڑے کا بھی سامان ہے (چنانچہ بعض جانوروں کی کھال کا کرتا اور بالوں کا کمبل بنتا ہے) اور بھی بہت سے فائدے ہیں (کسی کا دودھ بھی پیا جاتا ہے، کسی پر سوار ہوتے ہیں، کوئی ہل میں چلتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ جن میں بعض کا ذکر آگے آرہا ہے) اور ان میں سے (جو کھانے کی چیزیں ہیں، انہیں) کھاتے بھی ہو (جیسے گوشت اور چربی وغیرہ) اور ان کی وجہ سے تمہارا حسن و جمال بھی ہے، جبکہ (انہیں) شام کے وقت (جنگل سے) گھر لاتے ہو اور جبکہ صبح کے وقت (گھر سے جنگل کے لئے) چھوڑ دیتے ہو اور وہ تمہارے بوجھ بھی (لادکر) ایسے شہر کو لے جاتے ہیں، جہاں تم جان کو مشقت میں ڈالے بغیر (خود بھی) نہیں پہنچ سکتے تھے (اور بوجھ سمیت پہنچنا تو اور بھی مشکل تھا) واقعی تمہارا رب بڑی شفقت اور رحمت والا ہے (کہ اس نے تمہارے آرام کے لئے کیا کیا سامان پیدا کئے) اور گھوڑے اور خچر اور گدھے بھی پیدا کئے تا کہ تم ان پر سوار ہو اور زینت کے لئے بھی اور وہ (تمہارے فائدے کے لئے) ایسی ایسی چیزیں بناتا ہے جن کی تمہیں خبر بھی نہیں (اور اس سے تمہیں فائدہ پہنچ رہا ہے اور ایسی چیزیں بہت زیادہ ہیں مثلاً کسی تکلیف واذیت دینے والے جانور کی نسل بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے زمین میں کوئی ایسا زہریلا مادہ پیدا کر دیا جس سے وہ ہلاک ہو گیا اور عام لوگوں کو اس مادہ کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ وغیرہ)

فائدہ: ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ کے ترجمہ میں ''زیادہ تر'' اس لئے کہا گیا کہ آدم علیہ السلام اس سے مستثنیٰ ہیں اور اگر نطفہ مرد کی منی کے ساتھ مخصوص ہو جیسا کہ اکثر کتابوں میں لکھا ہے تو عیسیٰ علیہ السلام بھی مستثنیٰ ہیں، اور ان آیتوں سے حسن و جمال اور زینت اختیار کرنا جائز ثابت ہوتا ہے۔ اور جاننا چاہئے کہ جمال و زینت اور تکبر و فخر میں فرق یہ ہے کہ جمال اور زینت تو اپنا دل خوش کرنے کے لئے یا اللہ کی نعمتوں کے اظہار کے لئے ہوتا ہے اور دل میں نہ خود کو اس نعمت کا مستحق سمجھتا ہے اور نہ ہی اس کی وجہ سے دوسروں کو کم تر و حقیر سمجھتا ہے، بلکہ نعمت دینے والی حقیقی ذات کی طرف اس کی نسبت ہونا اس کے پیش نظر رہتا ہے، لہٰذا جس میں مستحق ہونے کا دعویٰ، اور دوسروں کو کم تر و حقیر سمجھنا اور اپنے اوپر گھمنڈ اور دوسروں پر اپنی شان کی بڑائی کا ارادہ ہو وہ تکبر اور حرام ہے۔

﴿وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ۝﴾ ع

ترجمہ: اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچتا ہے اور بعضے رستے ٹیڑھے بھی ہیں اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو مقصود تک پہنچا دیتا۔

ربط: اوپر توحید کی بعض دلیلوں کا ذکر ہوا ہے اور بعض دلیلوں کا ذکر آگے آئے گا، درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر ان دلیلوں کا روحانی نعمت ہونا بیان فرماتے ہیں کہ وہ دلیلیں صراطِ مستقیم سیدھے راستہ تک پہنچانے والی اور غلط راستہ سے بچانے والی ہیں۔

مذکورہ دلیلوں کا اثر بیان کرنے کے لئے جملہ معترضہ:

اور (مذکورہ دلیلوں سے پہلے والی سے بھی اور بعد والی سے بھی جو دین کا) سیدھا راستہ ثابت ہوتا ہے وہ خاص اللہ تک پہنچاتا ہے اور بعض راستے (جو کہ دین کے خلاف ہیں) ٹیڑھے (اور غلط) بھی ہیں (کہ ان کے ذریعہ اللہ تک پہنچنا ممکن نہیں، بعض لوگ تو سیدھے راستہ پر چلتے ہیں اور بعض غلط و ٹیڑھے پر) اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو (منزل) مقصود تک پہنچا دیتا (مگر وہ اس کو پہنچاتے ہیں جو اس سیدھے راستہ کا طالب بھی ہو۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ اس لئے تمہیں چاہئے کہ ان دلیلوں میں غور کرو، اور ان میں حق کو طلب کرو کہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو)

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ۝ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۝ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: وہ ایسا ہے جس نے تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا جس سے تم کو پینے کو ملتا ہے اور جس سے درخت ہیں جن میں تم چرنے چھوڑ دیتے ہو۔ اس سے تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے۔ بیشک اس میں سوچنے والوں کے لئے دلیل ہے۔ اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخر بنایا۔ اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں۔ بیشک اس میں عقل مند لوگوں کے لئے چند دلیلیں ہیں۔ اور ان چیزوں کو بھی جن کو تمہارے لئے اس طور پر پیدا کیا کہ ان کے اقسام مختلف ہیں۔ بیشک اس میں سمجھ دار لوگوں کے لئے دلیل ہے۔ اور وہ ایسا ہے کہ اس نے دریا کو مسخر بنایا تا کہ اس میں سے تازہ تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے گہنا نکالو جس کو تم پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ اس میں پانی چیرتی ہوئی چلی جارہی ہیں اور تا کہ تم خدا کی روزی تلاش کرو اور تا کہ شکر کرو۔ اور اس نے زمین میں پہاڑ رکھ دیئے تا کہ وہ تم کو لے کر ڈگمگانے نہ لگے اور اس نے نہریں اور راستے بنائے تا کہ منزل مقصود تک پہنچ سکو۔ اور بہت سی نشانیاں بنائیں اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں۔

ربط: مذکورہ جملہ معترضہ کے بعد توحید کی باقی دلیلیں بیان فرماتے ہیں۔

توحید کے لئے مفید باقی دلیلیں اور نعمتیں:

وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے (فائدہ) کے لئے آسمان سے پانی برسایا جس سے تمہیں پینے کو ملتا ہے اور جس (کی وجہ) سے درخت (پیدا ہوتے) ہیں جن میں تم (اپنے مویشیوں کو) چرنے کے لئے چھوڑ دیتے ہو (اور) اس (پانی) سے تمہارے (فائدہ کے) لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل (زمین سے) اگاتا ہے، بیشک اس میں سوچنے والوں کے لئے (توحید کی) دلیل (موجود) ہے اور (اللہ) نے تمہارے (فائدہ کے) لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو (اپنی قدرت کے) تابع بنایا اور (اسی طرح دوسرے) ستارے (بھی) اس کے حکم سے (قدرت کے) تابع ہیں، بیشک اس میں (بھی) عقل مند لوگوں کے لئے (توحید کی) چند دلیلیں موجود ہیں اور (اسی طرح) ان چیزوں کو بھی (قدرت کا) تابع بنایا جن کو تمہارے (فائدہ کے لئے) اس طرح پیدا کیا ہے کہ ان کی قسمیں (یعنی جنس اور نوع اور صنف) مختلف ہیں (اس میں تمام حیوانات، نباتات، جمادات اور بسیط اور مرکب شامل ہوگئے) بیشک اس میں بھی سمجھ دار لوگوں کے لئے (توحید کی) دلیل (موجود) ہے اور وہ (اللہ) ایسا ہے اس نے دریا کو (بھی) قدرت کے تابع بنایا تا کہ اس

میں سے تازہ تازہ گوشت (یعنی مچھلی نکال نکال کر) کھاؤ اور (تاکہ) اس میں سے زینت کی چیز (موتیوں کے زیور) نکالو جس کو تم (مرد وعورت سب) پہنتے ہو اور (اے مخاطب) اس دریا کا ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ) تم کشتیوں کو (چاہے چھوٹی ہوں یا بڑی ہوں جیسے جہاز، تم ان کو) دیکھتے ہو کہ اس (دریا) میں (اس کا) پانی چیرتی ہوئی چلی جارہی ہیں اور (اس لئے دریا کو قدرت کا تابع بنایا) تاکہ تم (اس میں تجارت کا مال لے کر سفر کرو اور اس کے ذریعہ سے) اللہ کی روزی تلاش کرو۔ اور تاکہ (ان سب فائدوں کو دیکھ کر (اس کا) شکر (ادا) کرو اور اس نے (زمین میں) پہاڑ رکھ دیئے تاکہ وہ (زمین) تمہیں لے کر ڈگمگانے (اور ہلنے) نہ لگے۔ اور اس نے (چھوٹی چھوٹی) نہریں اور راستے بنائے تاکہ (ان راستوں کے ذریعہ) اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکو، اور (ان راستوں کی پہچان کے لئے) بہت سی نشانیاں بنائیں (جیسے پہاڑ درخت وغیرہ جن سے راستہ پہچانا جاتا ہے ورنہ اگر ساری زمین کی سطح برابر ہوتی تو راستہ ہرگز نہیں پہچانا جاتا) اور لوگ ستاروں سے بھی راستہ معلوم کرتے ہیں (چنانچہ یہ امر ظاہر اور معلوم ہے)

فائدہ: آیت میں لفظ شجر کے معنی عام ہیں: گھاس، پودے اور بڑے درخت سب شامل ہیں، اور مشہور یہ ہے کہ موتی اور مونگا وغیرہ صرف دریائے شور یعنی نمکین پانی والے دریا میں پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس بات کی واقعی تحقیق ہو جائے تو آیت میں بحر سے خاص وہی مراد ہوگا، ورنہ اس میں دریائے شیریں یعنی میٹھے پانی والا بھی شامل ہوگا۔ اور سورۂ رحمٰن میں جو لفظ ﴿ مِنْهُمَا ﴾ آیا ہے اس میں دوسرے مفہوم کے لحاظ سے تو تاویل کی کوئی ضرورت نہیں اور اگلے معنی کے لحاظ سے قریب ہونے کی وجہ سے ﴿ مِنْهُمَا ﴾ کہہ دیا کیونکہ وہاں دوندیوں کے جمع ہونے کا ذکر ہے تو اس کی صورت یہ ہوگی جیسے دو شخص ایک ساتھ آئیں اور ان میں سے ایک کے پاس تجارت کا سامان ہو تو کہا جاتا ہے کہ دو آدمی آئے تھے جن کے پاس فلاں فلاں سامان تھا۔ اور ﴿ تَلْبَسُوْنَهَا ﴾ کے ترجمہ میں جو مرد اور عورت کا عام ہونا ظاہر کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ موتی مونگا پہننا مردوں کو بھی جائز ہے۔ لہٰذا ﴿ تَلْبَسُوْنَ ﴾ میں مردوں کے غلبہ کا لحاظ کیا گیا ہے۔

اور پہاڑوں کی جو حکمت زمین کے اپنی جگہ قائم رہنے کو فرمائی اس میں پہلی نظر میں شبہ ہوتا ہے کہ فلسفیوں کے اصول کے مطابق تو زمین کا فطری تقاضا سکون ہے اور علم کلام والوں کے نزدیک اگرچہ سکون کا تقاضا نہیں ہے مگر حرکت کا تقاضا بھی نہیں ہے۔ پھر پہاڑوں کے نہ ہونے کی صورت میں اس میں حرکت ہونے اور اپنی جگہ قائم نہ ہونے کی کیا وجہ ہے کہ جس کو روکنے کے لئے پہاڑ پیدا کئے گئے؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ وہ حرکت کا تقاضہ نہیں کرتی، مگر حق تعالیٰ نے کسی حکمت کے تحت اس کو ایسی حالت پر بنایا کہ پانی کے اندر ہونے کی وجہ سے جب پانی کو ہوا سے حرکت ہوتی ہے تو یہ بھی حرکت کرتی ہے جیسا کہ اندر کے بخارات یعنی گیسوں کی حرکت کی وجہ سے خود فلسفی بھی زمین کی حرکت کے قائل ہیں۔ اس کے بند کرنے کو اس پر پہاڑ پیدا کئے کہ پانی کی حرکت اسے حرکت نہ دے سکے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی حالت پر بنایا ہے کہ وہ بغیر غذا کے زندہ نہ رہتا پھر

غذا پیدا کر کے اسے زندہ رکھا۔

اب یہ سوال کہ زمین کو پہلے ہی سے ایسا کیوں بنایا؟ بالکل ایسا سوال ہے کہ کوئی شخص کہے کہ انسان کو پہلے سے غذا کا محتاج کیوں بنایا، کیونکہ ہم تمام حکمتوں کے علم کا دعویٰ نہیں کرتے اور ممکن ہے کہ حکمت یہ ہو کہ فرشتوں کو اپنی عظمت کی قدرت دکھانا مقصود ہو کہ ہم نے کس طرح حرکت پیدا کر دی۔ اور کس طرح اس کو سکون سے بدل دیا۔ جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔

اور احقر کہتا ہے کہ یوں بھی کہنا ممکن ہے کہ اگر زمین سے سارے اجزاء ایک دوسرے سے ملتے ہوئے ہوتے تو اس کے حجم یعنی موٹائی کا مرکز ثقل یعنی بھاری پن کے مرکز کے مطابق ہوتا اور یہ پانی میں غرق ہوتی اور جب اس کے ایک حصہ کو کھولنے کے لئے پانی سے نکالا جاتا تو پھر یہ پانی میں غرق ہونا چاہتی اور اس لئے اس میں حرکت ہوتی اور چونکہ پانی بھی دنیا کے مرکز کا طالب ہے۔ اس لئے کہ درجہ میں وہ اس کے ساتھ برابری کرتا تو لازمی طور پر بے قراری کی حرکت پیدا ہوتی۔ خوب سمجھ لو۔

اور لفظ تَمِیْد کے معنی مطلق حرکت کے ہوں تو جیسا کہ لغت قاموس سے معلوم ہوتا ہے تو برابری ثابت کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ پہاڑوں وغیرہ کے سبب سے اس کے ثقل یعنی بھاری پن کا مرکز حجم یعنی موٹائی کے مرکز سے اتنی دور ہو گیا کہ اس کا یہ حصہ پانی سے کھل گیا۔ لہٰذا پہاڑ اس حرکت کے لئے رکاوٹ ہو گئے اور پہلا جواب علم کلام والوں کے اصول کے مطابق ہے اور دوسرا جواب حکما یعنی فلسفیوں کے اصول سے زیادہ قریب ہے۔ اگرچہ اس کے مطابق اس وجہ سے نہیں کہ وہ پہاڑوں کے نہ ہونے کی حالت میں درمیان میں قائم رہنے کو طبعی قرار دیتے ہیں جبکہ واقعی امر اللہ کا حکم ہے۔

اور جاننا چاہئے کہ بعض نے ﴿ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ ﴾ الخ سے زمین کی حرکت کی نفی پر استدلال کیا ہے لیکن اصل بات یہی ہے کہ قرآن میں زمین کی اس حرکت سے جس پر حکما کے درمیان اختلاف ہے کہیں کوئی تعلق نہیں ہے نہ نفی کے اعتبار سے نہ اثبات کے لحاظ سے، اس کے لئے دوسری دلیلوں کی ضرورت ہے، اور تمید میں جس حرکت کی نفی ہے وہ عارضی حرکت ہے نہ کہ وہ جس کے بارے میں یہاں گفتگو کی جا رہی ہے۔

﴿ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ؕ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۙ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ۝ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ ۝ ﴾

ع ۱۲

ترجمہ: سو کیا جو پیدا کرتا ہو وہ اس جیسا ہو جاوے گا جو پیدا نہیں کر سکتا پھر کیا تم نہیں سمجھتے؟ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی

نعمتوں کو گننے لگو تو نہ گن سکو۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے پوشیدہ اور ظاہری احوال سب جانتے ہیں۔ اور جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور خود ہی مخلوق ہیں۔ مردے ہیں زندہ نہیں اور ان کو خبر نہیں کہ مردے کب اٹھائے جاویں گے۔ تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ان کے دل منکر ہو رہے ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں۔ ضروری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے سب احوال پوشیدہ و ظاہر جانتے ہیں۔ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

ربط: اوپر توحید کی دلیلیں بیان فرمانے کے بعد اب غیر حق یعنی باطل معبودوں کا ان صفتوں سے خالی ہونا جن کا اوپر ذکر ہوا اور اس بنا پر ان کا معبودیت کے قابل نہ ہونا اور دلیلوں کے قائم ہو جانے کے باوجود ایسا عقیدہ رکھنے والوں کی مذمت بیان فرماتے ہیں۔ اس طرح اوپر صراحت کے ساتھ توحید کا حق ہونا ثابت کیا گیا تھا۔ اور اب صراحت کے ساتھ شرک کو باطل قرار دیا گیا ہے اور ساتھ ہی شرک والوں کی مذمت کی گئی ہے۔

شرک کا باطل ہونا اور مشرکوں کی مذمت:

(جب اللہ تعالیٰ کا مذکورہ چیزوں کا خالق ہونا اور اس صفت میں اس کا تنہا ہونا ثابت ہو چکا) تو کیا جو پیدا کرتا ہو (یعنی اللہ تعالیٰ) وہ اس جیسا ہو جائے گا جو پیدا نہیں کر سکتا؟ (کہ تم دونوں کو معبود سمجھنے لگے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی توہین ہے کہ اس کو بتوں کے برابر کر دیا) پھر کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے؟ اور (اللہ تعالیٰ نے جو اوپر توحید کی دلیلیں بیان کرتے ہوئے اپنی نعمتیں بتائی ہیں، معاملہ انہی تک کیا محدود ہے، وہ تو اتنی زیادہ ہیں کہ) اگر تم اللہ تعالیٰ کی (ان) نعمتوں کو گننے لگو تو (کبھی) نہ گن سکو گے (مگر مشرک لوگ شکر اور قدر نہیں کرتے اور یہ جرم اتنا زبردست تھا کہ نہ معاف کرانے سے معاف ہوتا اور نہ ہی ان پر اصرار کرنے سے آئندہ نعمتیں ملتیں، لیکن) واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے، بڑی رحمت والے ہیں (کہ کوئی شرک سے توبہ کرے تو مغفرت کر دیتے ہیں اور نہ کرے تو بھی ساری نعمتیں زندگی بھر کے لئے رکتی نہیں) اور (یہاں نعمتوں کے عطا کر دیئے جانے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ کبھی سزا نہ ہوگی بلکہ آخرت میں سزا ہوگی، کیونکہ) اللہ تعالیٰ تمہارے پوشیدہ اور ظاہری سب حالات جانتے ہیں (لہٰذا ان کے مطابق سزا دیں گے، یہ تو اللہ تعالیٰ کے خالق اور نعمتیں دینے والا ہونے کا بیان تھا) اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں، وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے، اور وہ خود ہی مخلوق ہیں (اور اوپر یہ کلی قاعدہ ثابت ہو چکا ہے کہ خالق اور غیر خالق دونوں برابر نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ جن کی عبادت و پوجا کرتے ہیں وہ عبادت کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور) وہ (جن کی یہ پوجا کرتے ہیں) مردے (بے جان) ہیں (چاہے ہمیشہ کے لئے جیسے بت یا اس وقت جو مر چکے یا جو آئندہ مریں گے جیسے فرشتے اور جن اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ) زندہ (رہنے والے) نہیں (تو خالق تو کیا ہوتے) اور ان (جن کی وہ عبادت کرتے ہیں) کو (اتنی بھی) خبر نہیں کہ (قیامت میں) مردے کب

اٹھائے جائیں گے (یعنی بعض کو تو علم ہی نہیں اور بعض کو اس کا یقینی وقت معلوم نہیں، جبکہ معبود کے لئے تو سارے علم کا ہر طرح احاطہ لازمی ہے، خاص طور سے بعث یعنی مرنے کے بعد قیامت میں اٹھائے جانے کا علم کہ بعث کے بعد ہی عبادت کرنے یا نہ کرنے کی جزا و سزا ہوگی۔ چنانچہ اس کا علم ہونا تو معبود کے لئے لازمی ہے۔ لہٰذا وہ علم میں اللہ کے برابر تو کیا ہوں گے۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ) تمہارا سچا معبود ایک ہی معبود ہے تو (حق کی اس وضاحت پر بھی) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے (اور اسی لئے انہیں ڈر نہیں کہ توحید کو قبول کر لیں۔ معلوم ہوا کہ) ان کے دل ہی اس قابل نہیں ہیں، اس لئے وہ معقول بات کے منکر ہو رہے ہیں۔ اور (معلوم ہوا کہ) وہ (حق کو قبول کرنے سے) تکبر کرتے ہیں (اور) ضروری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر اور پوشیدہ سارے حالات جانتے ہیں (اور یہ بھی) یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے (لہٰذا جب ان کا تکبر معلوم ہے تو ان کو بھی ناپسند کریں گے اور سزا دیں گے)

فائدہ: ﴿ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ﴾ الخ کی جو تقریر احقر نے کی ہے اس کی وجہ سے اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس وقت کی حیات کا انکار کرنے والوں کا استدلال ختم ہو گیا۔ اور بعض نے ﴿ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴾ کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ وہ خود ہی تراشے اور گھڑے جاتے ہیں تو اس صورت میں صرف بتوں کا ذکر ہوگا اور اگر ﴿ يَدْعُوْنَ ﴾ کا مطلب لیا جائے تو ﴿ مَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ الخ کا نبیوں اور فرشتوں کے اعتبار سے صحیح ہونا اس طرح ہے کہ اگرچہ انہیں خود بعث کا تو علم ہے، لیکن بعث کے وقت کی تعیین کا علم نہیں ہے، جیسا کہ کئی آیتوں میں اس کی تصریح ہے۔

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَاۗقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْۗءَ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ ﴾

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز نازل فرمائی ہے؟ کہتے ہیں کہ وہ تو محض بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے چلی آ رہی ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ ان لوگوں کو قیامت کے دن اپنے گناہوں کا پورا بوجھ اور جن کو یہ لوگ بے علمی سے گمراہ کر رہے تھے، ان کے گناہوں کا بھی کچھ بوجھ اپنے اوپر اٹھانا پڑے گا۔ خوب یاد رکھو جس گناہ کو یہ

اپنے اوپر لادر ہے ہیں وہ برا بوجھ ہے۔ جو لوگ ان سے پہلے گذرے ہیں انھوں نے بڑی بڑی تدبیریں کیں، سو اللہ تعالیٰ نے ان کا بنا بنایا گھر جڑ سے ڈھا دیا پھر اوپر سے ان پر چھت آ پڑی اور ان پر عذاب ایسی طرح آیا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا۔ پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کرے گا اور یہ کہے گا کہ میرے شریک جن کے بارے میں تم لڑا جھگڑا کرتے تھے کہاں ہیں؟ جاننے والے کہیں گے کہ آج پوری رسوائی اور عذاب کافروں پر ہے جن کی جان فرشتوں نے حالت کفر پر قبض کی تھی۔ پھر کافر لوگ صلح کا پیغام ڈالیں گے کہ ہم تو کوئی برا کام نہ کرتے تھے۔ کیوں نہیں بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ سو جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہو، غرض تکبر کرنے والوں کا وہ برا ٹھکانا ہے۔

ربط: اوپر مشرکوں کی گمراہی کا بیان تھا۔ اب ان کے دوسروں کو گمراہ کرنے کا، اس کی وعید سمیت بیان ہے جو کہ نبوت اور قرآن کے انکار کے واسطہ سے تھا۔

مشرکوں کے گمراہ کرنے کا مع وعید کے بیان:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے (یعنی کوئی ناواقف شخص تحقیق کے لئے یا کوئی واقف شخص امتحان کے لئے ان سے پوچھتا ہے) کہ تمہارے رب نے کیا چیز نازل فرمائی ہے؟ (یعنی کیا قرآن صحیح ہے جس کو محمد ﷺ، اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا فرماتے ہیں؟ تو کہتے ہیں کہ (جناب وہ رب کا نازل کیا ہوا کہاں ہے) وہ تو محض بے سند باتیں ہیں، جو پہلے لوگوں سے (نقل ہوتی) چلی آ رہی ہیں (یعنی ملتوں والے پہلے سے توحید، نبوت اور آخرت کے دعوے کرتے آئے ہیں، انہی سے یہ بھی نقل کرنے لگے۔ اصل میں یہ دعوے اللہ کے نازل کئے ہوئے نہیں ہیں) اس (کہنے) کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان لوگوں کو قیامت کے دن اپنے گناہوں کا پورا پورا بوجھ اور جن کو یہ لوگ بے علمی کی وجہ سے گمراہ کر رہے تھے ان کے گناہوں کا بھی کچھ بوجھ اپنے اوپر اٹھانا پڑے گا (گمراہ کرنے سے مراد یہی ﴿اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ کہنا ہے، کیونکہ اس سے دوسرے آدمی کا عقیدہ خراب ہوتا ہے اور جو شخص کسی کو گمراہ کیا کرتا ہے، اس گمراہ کو تو گمراہی کا گناہ ہوتا ہی ہے اور اس گمراہ کرنے والے کو اس کے سبب بن جانے کے اس حصہ کو کچھ بوجھ فرمایا گیا۔ اور اپنے گناہ کا پوری طرح اٹھانا ظاہر ہے) خوب یاد رکھو کہ جس گناہ کو یہ اپنے اوپر لاد رہے ہیں، وہ برا بوجھ ہے (اور انھوں نے گمراہ کرنے کی جو یہ تدبیر نکالی ہے کہ دوسروں کو ایسی ایسی باتیں کر کے بہکاتے ہیں تو یہ تدبیریں حق کے مقابلہ میں نہیں چلیں گی۔ بلکہ ان کا وبال اور عذاب خود انہی کے اوپر پڑے گا۔ چنانچہ) جو لوگ ان سے پہلے گذرے ہیں، انھوں نے (نبیوں علیہم السلام کے مقابلہ اور مخالفت میں) بڑی بڑی تدبیریں کیں تو اللہ تعالیٰ نے ان (کی تدبیروں) کا بنا بنایا گھر، جڑ بنیاد سے ڈھا دیا، پھر (وہ ایسے ناکام ہوئے جیسے) ان پر اوپر سے (اس گھر کی) چھت آ پڑی (ہو، یعنی جس طرح چھت آ پڑنے سے سب دب کر رہ جاتے ہیں، اسی طرح وہ لوگ

ناکام (اور نقصان کے شکار ہوئے) اور (ناکامی کے علاوہ) ان پر (اللہ کا عذاب) اس طرح آیا کہ انہیں خیال بھی نہ تھا (کیونکہ اس تدبیر میں توقع تو کامیابی کی تھی لیکن توقع کے خلاف ان پر ناکامی سے بڑھ کر عذاب آ گیا جو ان کے ذہن میں دور تک بھی نہیں تھا، گذشتہ کافروں پر عذابوں کا آنا معلوم و معروف ہے، ان کی یہ حالت تو دنیا میں ہوئی) پھر قیامت کے دن (ان کے واسطے یہ ہوگا کہ) اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کرے گا اور (اس میں ایک رسوائی یہ ہوگی کہ ان سے اللہ) یہ کہے گا کہ (تم نے جو) میرے شریک (بنا رکھے تھے) جن کے بارے میں تم (نبیوں سے اور ایمان والوں سے) لڑا جھگڑا کرتے تھے (وہ اب) کہاں ہیں؟ (اس حالت کو دیکھ کر حق کے جاننے والے کہیں گے کہ آج پوری رسوائی اور عذاب کافروں پر ہے جن کی جان فرشتوں نے کفر کی حالت میں قبض کی تھی (یعنی وہ آخر وقت تک کافر رہے۔ ان علم والوں کا قول بیچ میں شاید اس لئے بیان فرمایا ہو کہ کافروں کی رسوائی کا عام اور علانیہ ہونا معلوم ہو جائے) پھر کافر لوگ (﴿ اَیۡنَ شُرَکَآءِیَ ﴾ کے جواب میں) صلح کا پیغام دینے لگیں گے (اور کہیں گے) کہ (شرک جو اعلیٰ درجہ کی برائی اور حق تعالیٰ کی مخالفت ہے، ہم اس کے مرتکب ہوتے ایسی ہماری کیا مجال تھی) ہم تو کوئی برا کام نہیں کرتے تھے (جن میں حق تعالیٰ کی ذرا بھی مخالفت ہو۔ اس کو صلح کا مضمون اس لئے کہا گیا کہ دنیا میں شرک کا بڑے جوش و خروش سے اقرار تھا، جو کہ یقینی مخالفت ہے، جیسا کہ اللہ نے نقل فرمایا ہے ﴿ لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَاۤ اَشۡرَکۡنَا ﴾ اور شرک کا اقرار مخالفت کا اقرار تھا۔ خاص طور سے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ تو خود کھلی مخالفت کا دعوی کرتے تھے، اور وہاں اس شرک کا انکار کر کے مخالفت کا انکار کریں گے۔ اس لئے اس کو صلح فرمایا۔ اور یہ انکار ایسا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿ وَ اللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشۡرِکِیۡنَ ﴾ حق تعالیٰ ان کے اس قول کو رد فرمائیں گے۔ کہ) کیوں نہیں (بلکہ واقعی تم نے مخالفت کے بڑے کام کئے) بیشک اللہ کو تمہارے سارے اعمال کی پوری خبر ہے، تو (اچھا) جہنم کے دروازوں میں (سے جہنم میں) داخل ہو جاؤ (اور) اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا۔ غرض (حق سے) تکبر (اور مخالفت اور مقابلہ) کرنے والوں کا وہ برا ٹھکانا ہے (یہ آخرت کے عذاب کا ذکر ہو گیا، چنانچہ آیتوں کا حاصل یہ ہوا کہ تم نے اپنے سے پہلے کافروں کا خسارہ، اور دنیا و آخرت کے عذاب کا حال سن لیا۔ اسی طرح حق کے مقابلہ میں تم جو تدبیریں کر رہے ہو اور مخلوق کو گمراہ کرنا چاہتے ہو، تمہارا یہی انجام ہوگا)

فائدہ: ﴿ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ﴾ کی تفسیر سورۃ الانعام کی آیت ۱۴۴ میں اور ﴿ وَ اللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشۡرِکِیۡنَ ﴾ سے متعلق تحقیق سورۂ انعام ہی کی آیت ۲۳ میں گذر چکی ہے۔

﴿ وَ قِیۡلَ لِلَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا مَاذَاۤ اَنۡزَلَ رَبُّکُمۡ ؕ قَالُوۡا خَیۡرًا ؕ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِیۡ ہٰذِہِ الدُّنۡیَا حَسَنَۃٌ ؕ وَ لَدَارُ الۡاٰخِرَۃِ خَیۡرٌ ؕ وَ لَنِعۡمَ دَارُ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿ۙ۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَہَا تَجۡرِیۡ مِنۡ

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِى اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ: اور جو لوگ شرک سے بچتے ہیں، ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز نازل فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بڑی خیر نازل فرمائی ہے۔ جن لوگوں نے نیک کام کیے ہیں، ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور عالم آخرت تو اور زیادہ بہتر ہے۔ اور واقعی وہ شرک سے بچنے والوں کا اچھا گھر ہے۔ وہ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں یہ داخل ہونگے، ان باغوں کے نیچے سے نہریں جاری ہونگی جس چیز کو ان کا جی چاہے گا وہاں ان کو ملے گی۔ اسی طرح کا عوض اللہ تعالیٰ سب شرک سے بچنے والوں کو دے گا۔ جن کی روح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک ہوتے ہیں وہ کہتے جاتے ہیں السلام علیکم تم جنت میں چلے جانا اپنے اعمال کے سبب۔

ربط: اوپر کافروں کے قرآن اور رسالت سے متعلق کفر اور گمراہ کرنے کے بعض اقوال کا مع وعید کے بیان ہوا تھا۔ اب اس کے مقابلہ میں اس سے متعلق مؤمنوں کے نیک اقوال و اعمال کا مع وعدہ و خوش خبری کے ذکر ہے۔

مؤمنوں کے اعمال کا مع مزید خوشخبری کے بیان:

اور جو لوگ شرک سے بچتے ہیں، ان سے (جو قرآن کے بارے میں) کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز نازل فرمائی ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ بڑی (خیر اور برکت کی) چیز نازل فرمائی ہے، جن لوگوں نے نیک کام کیے ہیں (جس میں یہ مذکورہ قول اور تمام نیک اعمال آگئے) ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے (وہ بھلائی ثواب کا وعدہ اور خوش خبری ہے) اور آخرت کا عالم تو (اس وجہ سے کہ وہاں یہ وعدہ پورا ہوگا) اور زیادہ بہتر (اور خوشی و مسرت کا سبب) ہے اور واقعی وہ شرک سے بچنے والوں کا اچھا گھر ہے، وہ گھر (کیا ہے؟) ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں، جن میں یہ داخل ہوں گے ان باغوں کے (درختوں اور عمارتوں کے) نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، جس چیز کو ان کا جی چاہے گا وہ) وہاں ان کو ملے گی (اور خالص انہی کی کیا خاص بات ہے جن کے قول کا یہاں ذکر ہے، بلکہ) اللہ تعالیٰ اسی طرح کا بدلہ اور شرک سے بچنے والوں کو سب کو دے گا، جن کی روح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ (شرک سے) پاک (صاف) ہوتے ہیں (مطلب یہ کہ مرتے دم تک توحید پر قائم رہتے ہیں اور) وہ (فرشتے) کہتے جاتے ہیں السلام علیکم۔ تم اپنے اعمال کے سبب روح قبض ہوجانے کے بعد) جنت میں چلے جانا۔

فائدہ: روح قبض ہوجانے کے بعد جنت میں جانا، روحانی طور پر جانا ہے۔ اور جسمانی طور پر جانا قیامت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ تم قیامت میں جنت میں جانا اور ہر حال میں اس سے مقصود خوش خبری سنانا ہے اور اعمال جو جنت میں داخل ہونے کا سبب فرمایا تو یہ عادت و سنت کے لحاظ سے سبب ہے۔ ورنہ اس کا حقیقی سبب اللہ کی

رحمت ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے، لہٰذا آیت اور حدیث میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔

﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٣٣﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٤﴾ ﴾

رکوع ۵

ترجمہ: یہ لوگ اسی بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجاویں یا آپ کے پروردگار کا حکم آجاوے۔ ایسا ہی ان سے پہلے جو لوگ تھے انھوں نے بھی کیا تھا۔ اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ذرا ظلم نہیں کیا، لیکن وہ آپ ہی اپنے اوپر ظلم کررہے تھے۔ آخر ان کے اعمال بد کی ان کو سزائیں ملیں اور جس عذاب پر وہ ہنستے تھے ان کو اسی نے آگھیرا۔

ربط: اوپر مؤمنوں سے پہلے کافروں کے گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کا ذکر تھا۔ مؤمنوں کا ذکر مضمون کو پورا کرنے کے مقابلہ کی مناسبت سے درمیان میں آگیا۔ اب پھر آگے کافروں کے اصرار اور عناد پر وعید ہے۔

کافروں کے اصرار پر وعید:

یہ لوگ (جو اپنے کفر، عناد اور جہالت پر اصرار کررہے ہیں اور حق کی دلیلوں کے واضح ہوجانے کے باوجود ایمان نہیں لاتے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف) اس بات کے انتظار میں ہیں کہ ان کے پاس (موت کے) فرشتے آجائیں، یا آپ کے پروردگار کا حکم (یعنی قیامت) آجائے (یعنی کیا موت کے وقت یا قیامت میں ایمان لائیں گے جب ایمان قبول نہیں کیا جائے گا، اگرچہ اس وقت تمام کافر لوگ حقیقت سامنے آجانے کی وجہ سے توبہ کریں گے۔ جیسا کہ یہ لوگ کفر کے اصرار پر کررہے ہیں) ایسا ہی ان سے پہلے جو لوگ تھے انھوں نے بھی (کفر پر اصرار) کیا تھا اور (اصرار کی بدولت سزا پائی، تو) ان پر اللہ تعالیٰ نے بالکل بھی ظلم نہیں کیا، لیکن وہ آپ ہی اپنے اوپر ظلم کررہے تھے (کہ جان بوجھ کر سزا کے کام کرتے تھے) آخر انہیں ان کے برے اعمال کی سزائیں ملیں اور جس عذاب (کی خبر ملنے) پر وہ ہنستے تھے، انہیں اسی (عذاب نے) آگھیرا (لہٰذا ایسا ہی تمہارا حال ہوگا)

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَي الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٦﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰي هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ

مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٣٧﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٤٠﴾ ع

ترجمہ: اور مشرک لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو خدا کے سوا کسی چیز کی نہ ہم عبادت کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اس کے بدون کسی چیز کو حرام کہہ سکتے۔ جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں ایسی ہی حرکت انھوں نے بھی کی تھی۔ سو پیغمبروں کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ اور ہم ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر بھیجتے رہے ہیں کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچتے رہو سو ان میں بعضے وہ ہوئے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعضے ان میں وہ ہوئے جن پر گمراہی کا ثبوت ہو گیا۔ تو زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔ ان کے راہ راست پر آنے کی اگر آپ کو تمنا ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ہدایت نہیں کیا کرتا جس کو گمراہ کرتا ہے اور ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔ اور یہ لوگ بڑے زور لگا لگا کر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا، کیوں نہیں زندہ کرے گا اس وعدہ کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لازم کر رکھا ہے لیکن اکثر لوگ یقین نہیں لاتے۔ تا کہ جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کیا کرتے تھے ان کے روبرو اس کا اظہار کر دے اور تا کہ کافر لوگ یقین کر لیں کہ واقعی وہی جھوٹے تھے۔ ہم جس چیز کو چاہتے ہیں بس اس سے ہمارا اتنا ہی کہنا ہوتا ہے کہ تو ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

ربط: اوپر کافروں کو ان کے کفر پر قیامت کے عذاب سے ڈرایا تھا۔ اس پر کافروں کو دو شبہے تھے: ایک یہ کہ یہاں یہ طریقہ جس کو تم کفر کہتے ہو حق تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ نہیں، جس کی وجہ سے اس پر عذاب کو حق قرار دیا جا سکے۔ دوسرے یہ کہ خود قیامت ہی کوئی چیز نہیں تا کہ اس کے مستحق ہونے کی بنیاد پر عذاب واقع ہو سکے۔ اب ان دونوں شبہوں کو مع ان کے جواب کے ارشاد فرمایا ہے اور چونکہ ایسے شبہات عناد و دشمنی کی بنیاد پر ہوتے تھے اور اسی وجہ سے رسولِ مقبول ﷺ کو سخت رنج و ملال ہوتا تھا، اس لئے درمیان میں تسلی کا مضمون بھی ہے اور چونکہ پہلے شبہ کا جواب تفصیل کے ساتھ سورۃ الانعام آیت ۱۴۸ میں گذر چکا ہے۔ جیسا کہ اس کی وضاحت بھی کی جا چکی ہے، اس لئے یہاں مختصر جواب پر اکتفا فرمایا ہے۔

کافروں کے خاص طور سے اپنے طریقہ کے حق ہونے اور قیامت کی نفی کے دعوی کا رد مع تسلی:

اور مشرک لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو (رضا کے طور پر یہ امر) منظور ہوتا (کہ ہم اللہ کے علاوہ کی عبادت، جو کہ ہمارے طریقہ کے اصول میں سے ہے اور بعض چیزوں کو حرام قرار دینا جو کہ ہمارے طریقہ کے فروع میں سے ہے، نہ کریں۔ مطلب یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے موجودہ طریقہ کو ناپسند اور اس کے خلاف کو پسند کرتے) تو اللہ کے سوا کسی چیز کی نہ ہم عبادت کرتے اور نہ ہی ہمارے باپ دادا۔ اور نہ ہی ہم اس کے (حکم کے) بغیر کسی چیز کو حرام کہہ سکتے (اس سے معلوم

ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا طریقہ پسند ہے، ورنہ ہمیں کیوں کرنے دیتے؟ اے محمد ﷺ آپ اس سے رنجیدہ نہ ہوں، کیونکہ یہ بے ہودہ بحث کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ) جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں، ایسی ہی حرکت انھوں نے بھی کی تھی (یعنی انھوں نے بھی اپنے پیغمبروں سے بے ہودہ بحثیں کی تھیں) تو پیغمبروں (کا اس سے کیا بگڑا؟ اور وہ جس طریقہ کی طرف بلاتے ہیں اس کا کیا نقصان ہوا؟ ان) کے ذمہ تو صرف (احکام کا) صاف صاف پہنچا دینا ہے (صاف صاف کا مطلب یہ کہ دعوی واضح ہو اور اس پر دلیل قائم ہو، اسی طرح آپ کے ذمہ بھی یہی کام تھا جو آپ کر رہے ہیں، پھر اگر عناد ودشمنی کے طور پر دعوی اور دلیل میں غور نہ کریں تو آپ کی بلا سے) اور (جس طرح ان کا معاملہ یعنی بحث و جھگڑا آپ کے ساتھ کوئی نئی بات نہیں، اسی طرح آپ کا معاملہ ان کے ساتھ یعنی توحید اور دین حق کی طرف بلانا کوئی نئی بات نہیں، بلکہ اس کی تعلیم بھی بہت پہلے سے چلی آئی ہے۔ چنانچہ) ہم (گذشتہ امتوں میں سے) ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر (اس بات کی تعلیم کے لئے) بھیجتے رہے ہیں کہ تم (خاص) اللہ کی عبادت کرو اور شیطان (کے راستہ یعنی کفر وشرک) سے بچتے رہو (اس میں چیزوں کو حرام قرار دینا بھی آ گیا، جس کے بارے میں بحث چل رہی ہے، کیونکہ وہ بھی شرک وکفر کا حصہ تھا) تو ان میں بعض وہ ہوئے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی (کہ انھوں نے حق کو قبول کرلیا) اور ان میں سے بعض وہ ہوئے جن پر گمراہی کا ثبوت ہوگیا (مطلب یہ کہ کافروں اور نبیوں میں یہ معاملہ اسی طرح چلا آ رہا ہے۔ اور ہدایت دینے وگمراہ کرنے کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی ہمیشہ سے یوں ہی جاری ہے کہ کافروں کی بحث اور ان کا جھگڑا بھی پرانے زمانہ سے چلا آ رہا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم بھی پرانے زمانہ سے چلی آ رہی ہے اور سب کا ہدایت نہ پانا بھی پرانے زمانہ سے چلا آ رہا ہے پھر آپ غم کیوں کریں؟ یہاں تک تسلی فرمائی گئی، جس میں آخر کے مضمون میں ان کے شبہ کا بھی مختصر جواب ہوگیا کہ ایسی باتیں کرنا گمراہی ہے جس کے گمراہی ہونے کی آگے تائید ہے۔ اور جواب کی زیادہ وضاحت ہے، یعنی اگر رسولوں کے ساتھ بحث و جھگڑے کا گمراہی ہونا تمہیں معلوم نہ ہو) تو (ٹھیک ہے) زمین میں چلو پھرو پھر (آثار سے) دیکھو کہ (پیغمبروں کے) جھٹلانے والوں کا کیسا (برا) انجام ہوا (لہٰذا اگر وہ گمراہ نہ تھے تو ان پر عذاب کیوں نازل ہوا؟ اور ان واقعات کو اتفاقیہ اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ عادت کے خلاف ہوئے اور انبیاء علیہم السلام کی پیش گوئی کے بعد ہوئے اور مؤمن اس سے بچے رہے۔ پھر اس کے عذاب ہونے میں کیا شک ہے؟ اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کے غم کی شدت کی وجہ سے آپ کو تسلی کا اہتمام زیادہ ہے، اس لئے پہلے لوگوں کی گمراہی کی خبر دینے پر فرع نکالنے کے طور پر آگے پھر آپ کو خطاب ہے کہ جس طرح پہلے بعض لوگ ہوئے جن پر گمراہی کا حق ہونا صادق آتا تھا، اسی طرح یہ لوگ بھی ہیں تو) اگر ان کے سیدھے راستہ پر آنے کی آپ کو کچھ تمنا ہو تو (نتیجہ کچھ نہیں، کیونکہ) اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ہدایت نہیں کیا کرتا جس کو (اس شخص کے عناد ودشمنی کی وجہ سے) گمراہ کرتا ہے (ہاں اگر وہ عناد کو چھوڑ دے تو ہدایت دیدیتا ہے، لیکن یہ عناد کو چھوڑیں گے نہیں، اس لئے انہیں ہدایت بھی نہیں ہوگی) اور (گمراہی اور عذاب کے بارے میں اگر ان کا یہ گمان ہو کہ

ہمارے شریک بھی عذاب سے بچالیں گے تو سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں) ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا (یہاں تک ان کے پہلے شبہ سے متعلق وضاحت ہوگئی۔ آگے دوسرے شبہ سے متعلق بیان ہے) اور یہ لوگ بڑے زور لگا لگا کر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مرجاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا (اور قیامت نہ آئے گی۔ آگے جواب ہے کہ) کیوں نہیں زندہ کرے گا؟ (یعنی ضرور زندہ کرے گا) اس وعدہ کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کر رکھا ہے، لیکن اکثر لوگ (صحیح دلیل قائم ہوجانے کے باوجود اس پر) یقین نہیں لاتے (اور یہ دوبارہ زندہ کرنا اس لئے ہوگا) تاکہ (دین کے سلسلہ میں) جس چیز میں یہ لوگ (دنیا میں) اختلاف کیا کرتے تھے (اور نبیوں کے فیصلہ سے سیدھے راستہ پر نہ آتے تھے) ان کے سامنے اس (کی حقیقت) کا (معاینہ کے طور پر) اظہار کردے اور تاکہ (حقیقت کے اس اظہار کے وقت) کافر لوگ (پورا) یقین کرلیں کہ واقعی وہی جھوٹے تھے (اور انبیاء اور مؤمن لوگ سچے تھے۔ چنانچہ عذاب کا آنا یقینی اور عذاب سے فیصلہ ہونا ضروری ہے۔ یہ ﴿لَا یَبۡعَثُ اللّٰہُ﴾ کا جواب ہوگیا۔ اور چونکہ وہ لوگ قیامت کے واقع ہونے کا انکار، اس کے محال ہونے کی بنا پر کرتے تھے، اس لئے آگے اپنی قدرت کاملہ کو ثابت کرکے اس کے محال ہونے کے خیال کو دور کرتے ہیں کہ ہماری قدرت ایسی عظیم ہے کہ) ہم جس چیز کو (پیدا کرنا) چاہتے ہیں، اس سے ہمارا بس اتنا ہی کہنا (کافی) ہوتا ہے کہ تو (پیدا) ہوجا (اور) وہ (موجود) ہوجاتی ہے (تو اتنی بڑی اور کامل قدرت کے سامنے بے جان چیزوں میں دوبارہ جان کا پڑجانا کونسی مشکل بات ہے، جب کہ پہلی بار جان ڈال چکے ہیں تو دوبارہ بھی ڈال سکتے ہیں۔ اب دونوں شبہوں کا جواب ہوگیا۔ وللہ الحمد)

فائدہ: ﴿کُنۡ فَیَکُوۡنُ﴾ کی بحث سورۃ البقرۃ آیت ۱۱۷ میں گذر چکی ہے، ملاحظہ فرمالی جائے۔ اور ﴿وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوۡلًا﴾ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان والوں کے لئے بھی پرانے زمانہ میں کچھ رسول بھیجے گئے ہیں، چاہے وہ ہندوستان ہی میں پیدا ہوئے اور رہے ہوں یا کسی اور ملک میں رہتے ہوں اور یہاں تبلیغ کے لئے ان کے نائب آئے ہوں۔ اور اگر آیت ﴿لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰىہُمۡ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ﴾ سے اس کے ٹکراؤ کا شبہ ہو تو وہ دو طرح سے دور ہوسکتا ہے: ایک یہ کہ ﴿کُلِّ اُمَّۃٍ﴾ میں لفظ کل کثرت ظاہر کرنے کے لئے ہو۔ احقر نے اسی لئے ہندوستان میں رسول کے آنے کے مضمون میں لفظ بظاہر بڑھایا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر امت اور قوم کے شروع کے زمانہ میں ایک رسول آگئے ہوں، اس طرح کہ اگر وہ لوگ اس شریعت کا سلسلہ قائم اور ہمیشہ باقی رکھنا چاہتے تو ممکن ہوتا اور ضرورت اتنے ہی سے پوری ہوسکتی ہے۔ اور آخر میں رسول کے آنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ چاہے پہلے والوں کی کوتاہی کی وجہ سے بعد والوں تک وہ سلسلہ نہ پہنچا ہو۔ اس طرح تمام امتوں میں بعثت کا حکم شروع کے اعتبار سے ہو اور ﴿مَّاۤ اَتٰىہُمۡ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ﴾ آخر کے اعتبار سے ہو اور اس صورت میں یہ احتمال ہے کہ بعض جگہ پہاڑوں اور جزیروں میں تبلیغ نہ ہوئی ہو۔ واللہ اعلم

﴿ وَ الَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا فِی اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا لَنُبَوِّئَنَّهُمۡ فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً ؕ وَ لَاَجۡرُ الۡاٰخِرَةِ اَكۡبَرُ ۘ لَوۡ كَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ۝ الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَ عَلٰی رَبِّهِمۡ یَتَوَكَّلُوۡنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن چھوڑ دیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا ثواب بدرجہا بڑا ہے، کاش! ان کو خبر ہوتی۔ وہ ایسے ہیں جو صبر کرتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

ربط: اوپر یہ بیان فرمایا کہ کافروں کا رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچانے کا معاملہ باطل بحث و جھگڑے کا ہے۔ آپ کو تسلی دی ہے کہ آگے کافروں کا ایمان والوں کے ساتھ جو ایذا و تکلیف پہنچانے کا معاملہ تھا یعنی انہیں وطن سے نکالنا وغیرہ، اس بارے میں ایمان والوں کو دونوں جہاں کی خوش خبری سنا کر تسلی دیتے ہیں، لیکن اس آیت میں ہجرت سے مدینہ کی ہجرت مراد نہیں ہے، کیونکہ یہ سورت مکی ہے، مدینہ کی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی، اس لئے اس سے حبشہ کی ہجرت مراد ہے۔ اور ﴿ لَنُبَوِّئَنَّهُمۡ ﴾ یعنی اچھا ٹھکانا دینے سے مراد مدینہ میں آباد کرنے کا وعدہ ہے جیسا کہ درمنثور میں قتادہ سے روایت ہے۔

مہاجروں کو خوش خبری:

اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن (مکہ) چھوڑ دیا (اور حبشہ کو چلے گئے) اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا، ہم انہیں دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے (یعنی انہیں مدینہ پہنچا کر خوب امن و راحت دیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کچھ دن کے بعد مدینہ پہنچادیا اور اس کو اصلی وطن قرار دیدیا گیا، اس لئے اس کو ٹھکانا کہا اور وہاں سے ہر طرح کی ترقی ہوئی، اس لئے حسنہ کہا گیا۔ اور حبشہ کا قیام عارضی تھا، اس لئے اس کو ٹھکانا نہیں فرمایا۔ اور آخرت کا ثواب تو (اس سے) بہت بڑا ہے (کہ خیر و بھلائی بھی ہے اور اَبقی یعنی باقی رہنے والا بھی) کاش (آخرت کے اس اجر کی) ان (بے خبر کافروں) کو (بھی) خبر ہوتی (اور اس کے حاصل کرنے کی رغبت سے مسلمان ہو جاتے) وہ (مہاجر، ان وعدوں کے اس لئے مستحق ہیں کہ وہ) ایسے ہیں جو (ناگوار واقعات پر) صبر کرتے ہیں۔ چنانچہ وطن کو چھوڑنا اگرچہ انہیں گوارا نہیں ہے، لیکن اس کے بغیر دین پر عمل نہیں کر سکتے تھے (دین کے لئے وطن چھوڑا اور صبر کیا) اور (وہ ہر حال میں) اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں (وطن چھوڑنے کے وقت یہ خیال نہیں کرتے کہ کھانا پینا کہاں سے ہوگا)

فائدہ: اگرچہ بعض کا حبشہ ہی میں انتقال ہو گیا تھا، لیکن ان میں سے اکثر مدینہ میں پہنچے، پھر یہ کہ اصل مطلب تو پریشانی کی نفی کرنا ہے تو یہ مرنے والوں پر بھی صادق ہے۔

﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ‌ فَسۡـئَلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَۙ ۝ بِالۡبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ‌ؕ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے آپ کے قبل صرف آدمی ہی رسول بنا کر معجزات اور کتابیں دے کر بھیجے ہیں کہ ان پر وحی بھیجا کرتے تھے، سو اگر تم کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ دیکھو۔ اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تا کہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان سے ظاہر کر دیں اور تا کہ وہ فکر کیا کریں۔

ربط: اوپر والی آیت سے پہلے کافروں کے بعض کفر والے شبہات کا جواب بیان کیا گیا تھا۔ اب رسالت سے متعلق ایک کفریہ شبہ کا جواب بیان کیا گیا ہے۔

رسالت کے متعلق کافروں کے شبہ کا جواب:

اور (یہ لوگ جو آپ کی رسالت کا اس بنا پر انکار کرتے ہیں کہ رسالت اور انسانیت کو ایک دوسرے کی ضد سمجھ رہے ہیں، بالکل بے معنی و بے کار بات ہے، کیونکہ) ہم نے آپ سے پہلے (بھی) صرف آدمی ہی رسول بنا کر معجزے اور کتابیں (یعنی دلیلیں اور احکام) دے کر بھیجے ہیں کہ ان پر وحی بھیجا کرتے تھے تو (اے مکہ والو! جو انکار کرتے ہو) اگر تمہیں علم نہیں تو (دوسرے) علم والوں سے پوچھ لو (جو تمہارے نزدیک مسلمانوں کی طرف داری نہ کریں) اور (اسی طرح آپ کو رسول بنا کر) آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تا کہ جو مضامین (آپ کے واسطہ سے) لوگوں کے پاس بھیجے گئے، ان کو آپ ان پر ظاہر کر دیں اور تا کہ وہ (ان میں) فکر کیا کریں (یعنی آپ اپنا کام کریں اور وہ اپنا کام کریں کہ سب سے مل کر ہدایت ہو، غرض یہ کہ جب آپ کی رسالت بھی پرانے طریقہ کے مطابق ہے تو پھر انکار کی کیا وجہ ہے اور ضد کے دعویٰ کی کیا دلیل ہے؟)

فائدہ: ﴿ اَهۡلَ الذِّكۡرِ ﴾ یعنی علم والوں سے مراد اہل کتاب ہیں، جو خود مشرکوں کی طرح اسلام قبول کرنے والوں کے مخالف تھے اور اگر کوئی کہے کہ اس مسئلہ میں تو مشرک ان کے بھی مخالف تھے، پھر ان کی بات کیسے حجت ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ یہ امر نقل کیا گیا ہے۔ مذہبی حیثیت سے قطع نظر کر کے تواتر و تسلسل کی حیثیت سے ان کا قول حجت ہو جائے گا اور تواتر میں عدالت شرط نہیں، اس لئے اہل کتاب کا مذہب کے اعتبار سے غیر عادل ہونا حجت کے لئے مضر نہیں ہو سکتا۔

﴿ اَفَاَمِنَ الَّذِيۡنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنۡ يَّخۡسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ يَاۡتِيَهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَشۡعُرُوۡنَۙ ۝ اَوۡ يَاۡخُذَهُمۡ فِىۡ تَقَلُّبِهِمۡ فَمَا هُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَۙ ۝ اَوۡ يَاۡخُذَهُمۡ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: جو لوگ بری بری تدبیریں کرتے ہیں کیا ایسے لوگ پھر بھی اس بات سے بے فکر ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں غرق کردے یا ان پر ایسے موقع سے عذاب آپڑے جہاں ان کو گمان بھی نہ ہو یا ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے، سو یہ لوگ خدا کو ہرا نہیں سکتے یا ان کو گھٹاتے گھٹاتے پکڑ لے۔ سو تمہارا رب شفیق مہربان بڑا ہے۔

ربط: اوپر آیت ۲۷ اور ۳۳ میں کافروں کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا تھا۔ اب دنیا کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔

دنیوی عذاب کے احتمال سے کافروں کے لئے وعید:

جو لوگ (دین حق کے باطل کرنے کو) بری بری تدبیریں کرتے ہیں (کہ کہیں اس میں شبہات واعتراض نکالتے ہیں اور حق کا انکار کرتے ہیں کہ یہ خود گمراہی ہے، کہیں دوسروں کو روکتے ہیں، یہ گمراہ کرنا ہے) کیا ایسے لوگ (کفر کی یہ کارروائیاں کرکے پھر بھی اس بات سے بے فکر (بیٹھے ہوئے) ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو (ان کے کفر کے وبال میں) زمین میں دھنسا دے۔ یا ان پر ایسے موقع سے عذاب آپڑے، جہاں انہیں گمان بھی نہ ہو (جیسے غزوۂ بدر میں ایسے بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھ سے انہیں سزا ملی کہ کبھی انہیں اس کا عقل سے احتمال بھی نہ ہوتا کہ یہ ہم پر غالب آسکیں گے) یا ان کو چلتے پھرتے (کسی آفت میں) پکڑ لے (جیسے کوئی مرض ہی اچانک آپکڑے) تو (اگر ان میں سے کوئی امر ہو جائے تو) یہ لوگ اللہ کو عاجز (بھی) نہیں کرسکتے، یا انہیں گھٹاتے گھٹاتے پکڑ لے (جیسے قحط پڑے یا وبا آجائے اور آہستہ آہستہ خاتمہ ہو جائے یعنی نڈر نہ ہونا چاہئے، اللہ کو سب قدرت ہے، مگر اس نے مہلت دے رکھی ہے) تو (اس کی وجہ یہ ہے کہ) تمہارا رب بڑا شفیق، بڑا مہربان ہے (اس نے اس لئے یہ مہلت دے رکھی ہے کہ اب بھی سمجھ جاؤ اور کامیابی اور نجات کا راستہ اختیار کرلو)

فائدہ: آفت کی قسمیں مختلف ہیں: اول انسان کے واسطہ سے دوسرے غیبی طور پر جو کبھی بھی آجائے۔ تیسرے غیبی اور معمولی طور پر جو خاص شخص کی حالت کے اعتبار سے ہو۔ چوتھے غیبی معمولی طور پر جو عام حالت کے اعتبار سے ہو ﴿يَخْسِفَ اللّٰهُ﴾ میں دوسری قسم اور ﴿يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ﴾ میں پہلی قسم اور ﴿أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ﴾ میں تیسری قسم اور ﴿أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ﴾ میں چوتھی قسم کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم

﴿ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ۞ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۞ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: کیا لوگوں نے اللہ کی ان پیدا کی ہوئی چیزوں کو نہیں دیکھا جن کے سائے کبھی ایک طرف کو کبھی دوسری طرف کو اس طور پر جھکے جاتے ہیں کہ خدا کے تابع ہیں اور وہ چیزیں بھی عاجز ہیں۔ اور اللہ ہی کی مطیع ہیں جتنی چیزیں چلنے والی

آسمانوں میں اور زمین میں موجود ہیں۔اور فرشتے اور وہ تکبر نہیں کرتے وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو کہ ان پر بالادست ہے اور ان کو جو کچھ حکم کیا جاتا ہے، وہ اس کو کرتے ہیں۔

ربط: اوپر سورت کے شروع سے دور تک توحید کا مضمون چلا آیا تھا۔اب پھر اسی کی طرف واپسی ہے۔

توحید کی طرف واپسی:

کیا (ان) لوگوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں کو نہیں دیکھا؟ (اور دیکھ کر توحید پر استدلال نہیں کیا؟) جن کے سائے کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف اس طرح جھکتے جاتے ہیں کہ (بالکل) اللہ کے (حکم کے) تابع ہیں (یعنی سایہ کے اسباب کہ آفتاب کا نورانی ہونا اور سایہ دار جسم کا موٹا ہونا ہے اور سایہ کی حرکت کا سبب کہ آفتاب کی حرکت ہے، پھر سایہ کے خواص یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہے) اور وہ (سایہ دار) چیزیں بھی (اللہ کے سامنے) عاجز (اور حکم کے تابع) ہیں اور (جس طرح یہ مذکورہ چیزیں جن میں اپنے ارادہ کی حرکت نہیں جیسا کہ ﴿ يَتَفَيَّؤُا ﴾ کی نسبت ظلال کی طرف اسی کی علامت ہے کیونکہ اپنے ارادہ سے حرکت کرنے والے میں سایہ کی حرکت خود اپنے ارادہ سے حرکت کرنے والے کی حرکت ہوتی ہے۔اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔اسی طرح اللہ (ہی کے حکم کی) اطاعت کرنے والی ہیں، جتنی بھی چیزیں (اپنے ارادہ سے) چلنے والی آسمانوں میں (جیسے فرشتے) اور زمین میں (جیسے حیوانات) موجود ہیں اور (خاص طور سے) فرشتے (بھی) اور وہ (فرشتے اعلیٰ درجوں اور بلند شان کے باوجود اللہ کی اطاعت سے) تکبر نہیں کرتے (اور اسی لئے خاص طور سے ان کا ذکر کیا گیا، اس کے باوجود کہ وہ ﴿ مَا فِي السَّمٰوٰتِ ﴾ میں داخل تھے) وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو کہ ان پر بالادست غالب ہے، اور انہیں جو کچھ (اللہ کی طرف سے) حکم کیا جاتا ہے، وہ اس کو کرتے ہیں۔

﴿ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْــَٔــرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْــَٔـلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾

ع ۱۳

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دو معبود مت بناؤ بس ایک معبود ہی ہے تو تم لوگ خاص مجھ ہی سے ڈرا کرو۔ اور اسی کی ہیں سب چیزیں جو کچھ کہ آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور لازمی طور پر اطاعت بجالانا اسی کا حق ہے تو کیا پھر بھی اللہ کے سوا اوروں سے ڈرتے ہو۔ اور تمہارے پاس جو کچھ بھی نعمت ہے وہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے، پھر جب تم کو تکلیف پہنچتی ہے تو اسی سے فریاد کرتے ہو۔ پھر جب تم سے اس تکلیف کو ہٹا دیتا ہے تو تم میں کی ایک جماعت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ہماری دی ہوئی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔ خیر چند روز عیش اڑالو اب جلدی تم کو خبر ہوئی جاتی ہے۔ اور یہ لوگ ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے ان کا حصہ لگاتے ہیں جن کے متعلق ان کو کچھ علم نہیں۔ قسم ہے خدا کی! تم سے تمہاری ان افتراء پردازیوں کی ضرور باز پرس ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں سبحان اللہ! اور اپنے لئے چاہتی چیز۔ اور جب ان میں کسی کو بیٹی کی خبر دی جاوے تو سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے۔ جس چیز کی اس کو خبر دی گئی ہے اس کو عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرے۔ آیا اس کو ذلت پر لئے رہے یا اس کو مٹی میں گاڑ دے۔ خوب سن لو ان کی یہ تجویز بہت ہی بری ہے، جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کی بری حالت ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے تو بڑے اعلیٰ درجہ کے صفات ثابت ہیں۔ اور وہ بڑے زبردست ہیں بڑے حکمت والے ہیں۔

ربط: اوپر توحید کو ثابت کیا گیا تھا، اب شرک کو باطل قرار دیا گیا ہے۔

شرک کی برائی اور اس کو باطل قرار دینا اور اس سے بندوں کو ڈرانا:

اور اللہ تعالیٰ نے (تمام مکلف لوگوں کو رسولوں کے واسطہ سے) فرمایا ہے کہ دو (یا زیادہ) معبود مت بناؤ، بس معبود ایک ہی ہے اور جب یہ بات ہے) تو تم لوگ خاص مجھ ہی سے ڈرا کرو (کیونکہ جب معبود ہونا میرے ساتھ خاص ہے تو جو امور اس کے لئے لازم ہیں یعنی کامل قدرت وغیرہ وہ بھی میرے ہی ساتھ خاص ہوں گے۔ تو انتقام سزا و عذاب وغیرہ کا خوف مجھ ہی سے ہونا چاہئے۔ اور شرک کے لئے انتقام کا تقاضا ہے، لہٰذا شرک نہیں کرنا چاہئے) اور سب چیزیں اسی کی (ملکیت) ہیں جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں اور لازمی طور پر اطاعت بجالانا اسی کا حق ہے (یعنی وہی اس امر کا مستحق ہے کہ سب اس کی اطاعت بجالائیں، جب یہ بات ثابت ہے) تو کیا پھر بھی اللہ کے سوا اوروں سے ڈرتے ہو (اور ان سے ڈر کر ان کو پوجتے ہو) اور (جس طرح ڈرنے کے قابل اللہ کے سوا کوئی نہیں، اسی طرح نعمت دینے والا اور امید کے قابل اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ چنانچہ) تمہارے پاس جو کچھ (کسی قسم کی) بھی نعمت ہے، وہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے، پھر جب تمہیں (ذرا بھی) تکلیف پہنچتی ہے تو (اس کو دور کرنے کے لئے) اس (اللہ) سے فریاد کرتے ہو (اور کوئی بت وغیرہ اس وقت یاد نہیں آتا، جس کی وجہ سے توحید کا حق ہونا تمہارے حال سے بھی ظاہر اور معلوم ہو جاتا ہے، لیکن) پھر

جب (اللہ تعالیٰ) تم سے اس تکلیف کو ہٹا دیتا ہے تو تم میں سے ایک جماعت (اور وہی بڑی جماعت ہے) اپنے رب کے ساتھ (پہلے ہی کی طرح) شرک کرنے لگتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہماری دی ہوئی نعمت (یعنی تکلیف دور کرنے) کی ناشکری کرتی ہے (جو عقل کے تقاضہ کے مطابق قبیح یعنی برا فعل ہے) ٹھیک ہے چند دن مزے کرلو (دیکھو) اب جلدی (مرتے ہی) تمہیں معلوم ہو جائے گا (اور ایک جماعت اس لئے کہا گیا کہ بعض لوگ اس حالت کو یاد کر کے توحید وایمان پر قائم ہو جاتے ہیں، جیسا کہ فرمایا: ﴿فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ﴾ اور (شرک کے امور میں سے ایک یہ ہے کہ) یہ لوگ ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے ان (معبودوں) کا حصہ لگاتے ہیں جن کے (معبود ہونے کے) متعلق انہیں کچھ علم (اور ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل وسند) نہیں (جیسا کہ اس کی تفصیل سورۃ الانعام آیت ۱۳۶ میں گذری ہے) اللہ کی قسم! تم سے تمہاری ان جھوٹی گھڑی ہوئی باتوں کے بارے میں (قیامت میں) ضرور پوچھا جائے گا (اور ان کا ایک شرک یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، سبحان اللہ (کیسی بے کار بات ہے) اور (اس پر مزید یہ کہ) اپنے لئے اپنی پسند کی چیز (یعنی بیٹے پسند کرتے ہیں) اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی (پیدا ہونے) کی خبر دی جاتی ہے (جس کو اللہ کے لئے تجویز کرتے ہیں) تو (اس قدر ناراض ہوتا ہے کہ) اس کا چہرہ سارے دن بے رونق رہتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے (اور) جس چیز کی اس کو خبر دی جاتی ہے (یعنی بیٹی کا پیدا ہونا) اس کی شرم کے مارے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے (اور دل میں اس الجھن میں رہتا ہے کہ) اس (نئی پیدا ہونے والی بیٹی) کو ذلت (کی حالت) کے ساتھ لئے رہے یا اس کو (زندہ یا مار کر) مٹی میں گاڑ دے خوب سن لو۔ ان کی یہ تجویز بہت ہی بری ہے (کہ اول تو اللہ کے لئے اولاد قرار دینا ہی کس قدر بری بات ہے۔ پھر اولاد بھی وہ جس کو خود اپنے لئے اس قدر ذلیل اور شرم کا سبب سمجھیں تو) جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ان کی بری حالت ہے (دنیا میں بھی کہ ایسی جہالت میں مبتلا ہیں اور آخرت میں بھی کہ عقوبت وذلت میں مبتلا ہوں گے) اور اللہ تعالیٰ کے لئے تو بڑے اعلیٰ درجہ کی صفتیں ثابت ہیں (نہ وہ جو کہ یہ مشرک بکتے ہیں) اور وہ بڑے زبردست ہیں (اگر ان کو دنیا میں شرک کی سزا دینا چاہیں تو کچھ مشکل نہیں، لیکن ساتھ ہی) بڑی حکمت والے (بھی ہیں کہ حکمت کے تقاضہ کے تحت سزا کو موت تک ٹال دیا جائے)

فائدہ: روح المعانی میں ہے کہ بنو خزاعہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے اور جیسے بیٹا ہونے کا عقیدہ بے معنی تھا اسی طرح فرشتوں کو لڑکیاں قرار دینے کا عقیدہ بھی ہے۔ واللہ اعلم

﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۝﴾

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے ظلم کے سبب دار وگیر فرماتے تو سطح زمین پر کوئی حرکت کرنے والا نہ چھوڑتے،

لیکن ایک میعاد معین تک مہلت دے رہے ہیں، پھر جب ان کا وقت معین آپہنچے گا اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

ربط: اوپر شرک کو رد کیا گیا تھا۔ اور اس آیت کے بعد ﴿ وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ ﴾ الخ میں پھر اسی سے متعلق مضمون ہے اور درمیان میں یعنی اس آیت ﴿ وَلَوْ يُؤَاخِذُ ﴾ الخ میں شرک کے انتہائی برا ہونے کی وجہ سے سزا کی جلدی کا تقاضا تھا، لیکن حکمت کے تقاضہ کی وجہ سے اس سزا کے مؤخر ہونے اور تاخیر کی اس مدت پر لازمی طور پر اس کے واقع ہو جانے کا ذکر ہے جس کی طرف اوپر والی آیت کے آخر یعنی ﴿ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ میں اشارہ بھی ہو چکا ہے۔

ظالموں کو وعدہ کے مطابق مقررہ وقت تک مہلت:

اور اگر اللہ تعالیٰ (ظالم) لوگوں پر ان کے ظلم (یعنی شرک اور کفر) کی وجہ سے (فوراً دنیا میں پوری) پکڑ کرتے تو زمین کی سطح پر کوئی (حس و) حرکت کرنے والا نہ چھوڑتے (بلکہ سب کو ہلاک کر دیتے) لیکن (فوری طور پر پکڑ نہیں فرماتے بلکہ) ایک مقررہ مدت تک مہلت دے رہے ہیں (تاکہ اگر کوئی توبہ کرنا چاہے تو گنجائش ہو) پھر جب ان کا (وہ) مقررہ وقت (نزدیک آپہنچے گا، اس وقت ایک گھڑی نہ (اس سے) پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے (بلکہ فوراً سزا ہو جائے گی)

فائدہ: شرط و جزا میں ملازمت ہونے کی وضاحت احقر کے نزدیک یہ ہے کہ ظالم تو اپنے ظلم کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ اور غیر ظالم اس لئے کہ اللہ کی حکمت کا اکثر اوقات کے اعتبار سے اس عالم میں سب کو آباد کرنے کا تقاضہ ہے ورنہ زمین پر نیکوں کی آبادی بغیر ظالموں کے اسی طرح ہوتی جیسے آسمانوں پر فرشتوں کی آبادی ہے، پھر زمین کی آبادی کو جدا کیوں کہا جاتا۔ اور اس مضمون کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے: لو لم تذنبوا لذهب الله بكم إلخ: یعنی اگر تم میں گنہگار نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہٹا کر ان کی جگہ دوسروں کو لے آتے۔ اس لئے نیک بھی نہ رہتے اور چونکہ حیوانات انسانوں ہی کے نفع کے لئے پیدا کئے جاتے ہیں یہ نہ ہوتے تو وہ بھی نہ ہوتے، یہ جواب اللہ کے فضل سے میرے ذہن میں آیا۔ الحمد للہ اور اکثر اوقات کی قید اس لئے لگائی کہ بعض اوقات دنیا میں صرف غیر ظالم ہی رہیں گے، جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگا۔

﴿ وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۖ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُونَ ۞ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کے لئے وہ امور تجویز کرتے ہیں جن کو خود ناپسند کرتے ہیں اور اپنی زبان سے جھوٹے دعوے کرتے جاتے ہیں کہ ان کے لئے ہر طرح کی بھلائی ہے۔ لازمی بات ہے کہ ان کے لئے دوزخ ہے اور بیشک وہ لوگ

سب سے پہلے بھیجے جائیں گے۔

ربط: آگے پھر شرک اور اہل شرک کی مذمت کی طرف واپسی ہے، جس کا زیادہ مقصود مذموم شرک کے باوجود ان کے نجات کا دعوی کرنے کی مذمت کرنا ہے۔

شرک کے حق کی ضد ہونے کے باوجود اہل شرک کے دعوی کی مذمت:

اور اللہ تعالیٰ کے لئے وہ امور تجویز کرتے ہیں جن کو خود (اپنے لئے) ناپسند کرتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر آیا ہے ﴿ وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ ﴾ اور (پھر اس پر) اپنی زبان سے جھوٹے دعوے کرتے جاتے ہیں کہ ان کے (یعنی ہمارے) لئے (قیامت واقع ہونے کی صورت میں) ہر طرح کی بھلائی ہے (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بھلائی کہاں سے آئی تھی، بلکہ) لازمی بات ہے کہ ان کے لئے (قیامت کے دن) دوزخ ہے اور بیشک وہ لوگ (دوزخ میں) سب سے پہلے بھیجے جائیں گے۔

فائدہ: ﴿ وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ ﴾ میں دو وجہ سے تکرار قرار نہیں دی جاسکتی: ایک تو یہ کہ ﴿ يَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ ﴾ سے عام ہے۔ چنانچہ اپنی ریاست میں کسی کی شرکت کا ناپسند ہونا بھی اس میں داخل ہے۔ دوسرے یہاں زیادہ مقصود ﴿ تَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ ﴾ کا رد ہے کہ ایک طرف تو ایسی باتیں کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف قیامت میں اپنے لئے بھلائی کی امید رکھتے ہیں۔ جیسا کہ تمہید میں بیان کیا گیا اور عنوان بھی اس پر دلالت کرتا ہے اور ترجمہ میں "واقع ہونے کی صورت میں" اس لئے بڑھایا کہ وہ لوگ قیامت کے منکر تھے، لہٰذا ان کا یہ کہنا اس مذکورہ بنیاد پر تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے: ﴿ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ﴾

﴿ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: بخدا آپ سے پہلے جو امتیں ہو گذری ہیں ان کے پاس بھی ہم نے رسولوں کو بھیجا تھا، سو ان کو بھی شیطان نے ان کے اعمال مستحسن کر کے دکھلائے پس وہ آج ان کا رفیق ہے اور ان کے واسطے دردناک سزا ہے۔ اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس واسطے نازل کی ہے کہ جن امور میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں آپ لوگوں پر اس کو ظاہر فرما دیں اور ایمان والوں کی ہدایت اور رحمت کی غرض سے۔

ربط: اوپر کافروں کی جہالت اور کفر کی باتوں کا ذکر تھا۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کو ان سے رنج و صدمہ ہوتا تھا، اب آپ کی تسلی فرماتے ہیں، جس کے ضمن میں رسالت اور قرآن کی حقانیت کا ثبوت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تسلی:

(اے محمد! ﷺ آپ ان کے کفر اور جہالت پر کچھ غم نہ کیجئے، کیونکہ (اللہ کی قسم آپ (کے زمانہ) سے پہلے جو امتیں گذر چکی ہیں۔ ان کے پاس بھی ہم نے رسولوں کو بھیجا تھا (جیسا کہ آپ کو ان کے پاس بھیجا ہے) تو (جس طرح یہ لوگ اپنی کفر کی باتوں کو پسند کرتے ہیں اور اس پر قائم ہیں اسی طرح ان کو شیطان نے ان کے (کفر والے) اعمال خوشنما کر کے دکھائے، لہٰذا وہ (شیطان) آج (یعنی دنیا میں) ان کا ساتھی ہے (یعنی ساتھ تھا کہ انہیں بہکانا سکھاتا تھا۔ لہٰذا دنیا میں تو انہیں یہ نقصان ہوا) اور (پھر قیامت میں) ان کے واسطے دردناک سزا (مقرر) ہے (غرض یہ بعد والے بھی ان پہلے والوں کی طرح کفر کر رہے ہیں اور انہی کی طرح انہیں سزا بھی ہوگی۔ تو آپ کیوں غم میں پڑتے ہیں) اور ہم نے آپ پر یہ کتاب (جس کا نام قرآن ہے اس واسطے نازل نہیں کی کہ سب کا ہدایت پر لانا آپ کے ذمہ ہوتا کہ بعض کے ہدایت پر نہ آنے سے آپ غم میں مبتلا ہوں، بلکہ) صرف اس واسطے نازل کی ہے کہ (دین کے) جن امور میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں (جیسے توحید، آخرت اور حلال وحرام کے احکام وغیرہ) آپ اس کو (عام) لوگوں پر ظاہر فرمائیں (قرآن کا یہ فائدہ تو عام ہے) اور (خاص طور سے) ایمان والوں کی ہدایت اور رحمت کی غرض سے (نازل فرمایا ہے تو یہ امور اللہ کے فضل سے آپ کو حاصل ہیں)

﴿ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَىْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۷۰﴾ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا۔ اس میں ایسے لوگوں کے لئے بڑی دلیل ہے جو سنتے ہیں اور تمہارے لئے مواشی میں بھی غور درکار ہے۔ ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون ہے اس کے درمیان میں سے صاف اور گلے میں آسانی سے اترنے والا دودھ ہم تم کو پینے کو دیتے ہیں۔ اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم لوگ نشہ کی چیز اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو، بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی دلیل ہے

جو عقل رکھتے ہیں۔ اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں میں گھر بنالے اور درختوں میں اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں ان میں، پھر ہر قسم کے پھلوں سے چوستی پھر، پھر اپنے رب کے رستوں میں چل جو آسان ہیں۔ اس کے پیٹ میں سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں کہ اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی دلیل ہے جو سوچتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری جان قبض کرتا ہے اور بعضے تم میں وہ ہیں جو ناکارہ عمر تک پہنچائے جاتے ہیں، جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑے علم والے، بڑی قدرت والے ہیں۔

ربط: اوپر سورت کے شروع سے ہی زیادہ تر توحید کا مضمون انعامات اور نعمتوں کے ذکر کے انداز میں چلا آتا ہے۔ اب پھر وہی مضمون ہے جو آگے آیت ﴿ یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰہِ ﴾ الخ تک چلا گیا ہے، جس میں چند چیزوں سے ترتیب کے ساتھ استدلال اور احسانوں کا اظہار کیا گیا ہے۔ جیسے پانی، نباتات، مویشیوں کے فائدے، شہد کی مکھی کے فائدے۔ انسان کے احوال یعنی ایجاد، موت، دینا، اور نوع کو باقی رکھنا، حواس اور عقل عطا کرنا۔ اور روزی روزگار کے اسباب عطا کرنا وغیرہ۔ اور درمیان درمیان میں آیت ﴿ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا، ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبْدًا، وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلَیْنِ ﴾ میں شرک کا باطل ہونا بیان کیا گیا ہے اور بعض آیتوں میں علم اور قدرت کی صفتوں کے کمال کے ثبوت پر استدلال کیا گیا ہے اور آیتوں کے ختم پر تسلی کا مضمون بیان فرمایا ہے اور سورت کے شروع سے ان آیتوں کے ختم تک جو کہ سورت کا دو تہائی ہے ایسے امور کا ذکر ہے جو قدرت کی دلیل ہونے کے علاوہ نعمتوں کی بھی وجہیں ہیں۔ اس لئے اس سورت کا نام سورۂ نعم "نعمتیں" بھی ہے۔ لفظ نعم نعمت کی جمع ہے۔

انعامات کے ضمن میں توحید کی طرف واپسی:

اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کیا (یعنی اس کی نباتات اگانے کی قوت کو جو اس کے خشک ہو جانے کے بعد کمزور ہو گئی تھی طاقت دی) اس (مذکورہ امر) میں بھی ایسے لوگوں کے لئے (توحید کی اور منعم ہونے کی) بڑی دلیل ہے (جو حق سے) ان باتوں کو سنتے ہیں اور (نیز) تمہارے لئے مواشی میں بھی غور درکار ہے (دیکھو) ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون (کا مادہ) ہے اس کے درمیان میں سے (دودھ کے مادہ کو جو کہ خون کا ایک حصہ ہے، ہضم ہو جانے کے بعد جدا کر کے تھن کے مزاج سے اس کا رنگ بدل کر اس کو صاف اور گلے میں آسانی سے اترنے والا دودھ بنا کر) ہم تمہیں پینے کو دیتے ہیں۔ اور کھجور اور انگوروں (کی حالت میں غور کرنا چاہئے کہ ان) کے پھلوں سے تم لوگ نشہ کی چیز اور عمدہ کھانے کی چیزیں (جیسے چھوارے، کشمش، شربت اور سرکہ) بناتے ہو، بیشک اس میں بھی توحید کی اور نعمت و انعام ہونے کی) ان لوگوں کے لئے بڑی دلیل ہے جو (صحیح و درست) عقل رکھتے ہیں اور

(یہ بات بھی غور کرنے کے قابل ہے کہ) آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں میں گھر (یعنی چھتہ) بنالے اور درختوں میں (بھی) اور جو لوگ عمارتیں بناتے ہیں، ان میں بھی چھتہ لگالے، چنانچہ ان سب موقعوں پر وہ چھتہ لگاتی ہے) پھر ہر قسم کے (مختلف) پھلوں سے (جو تجھے پسند ہوں) چوستی پھر۔ پھر (چوس کر چھتہ کی طرف واپس آنے کے لئے) اپنے رب کے راستے میں چل، جو (تیرے لئے چلنے اور یاد رہنے کے اعتبار سے) آسان ہیں (چنانچہ بہت دور دور سے بغیر راستہ بھولے ہوئے اپنے چھتے کو لوٹ آتی ہے، پھر جب چوس کر اپنے چھتے کی طرف لوٹتی ہے تو) اس کے پیٹ میں سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے (یعنی شہد) جس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں کہ اس میں لوگوں کی بہت سی بیماریوں[1] کے لئے شفا ہے۔ اس میں (بھی) ان لوگوں کے لئے (توحید اور نعمت وانعام ہونے کی) بڑی دلیل ہے، جو سوچتے ہیں اور (اپنی حالت بھی سوچنے کے قابل ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے تمہیں (پہلے) پیدا کیا پھر (عمر ختم ہونے پر) تمہاری جان قبض کرتا ہے (جن میں بعض تو ہوش وحواس میں چلتے ہاتھ پاؤں اٹھ جاتے ہیں) اور بعض تم میں وہ ہیں جو ناکارہ عمر تک پہنچائے جاتے ہیں (جس میں نہ جسمانی قوت رہے اور نہ ہی عقلی قوت رہے) جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتا ہے (جیسا کہ اکثر ایسے بوڑھوں کو دیکھا جاتا ہے کہ ابھی انہیں ایک بات بتائی اور ابھی بھول گئے اور پھر اسے پوچھ رہے ہیں) بیشک اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی قدرت والے ہیں (علم کی وجہ سے ہر ایک مصلحت جانتے ہیں اور قدرت سے ویسا ہی کر دیتے اس لئے پیدائش اور موت کی حالتیں مختلف کر دیں اس طرح یہ بھی توحید کی دلیل ہے)

فائدہ: انعام یعنی مویشیوں سے بھی خاص مویشی مراد ہیں، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری، اونٹ اور ﴿ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ ﴾ الخ کے ترجمہ کی جو وضاحت کی گئی، اس سے دودھ کے پیدا ہونے کی کیفیت کا آیت کے مطابق ہونا ظاہر ہو گیا۔ حاصل یہ کہ آیت سے یہ مراد نہیں کہ پیٹ میں ایک طرف گوبر ہوتا ہے دوسری طرف خون اور دونوں کے درمیان دودھ رہتا ہے، بلکہ پیٹ میں جو غذا ہوتی ہے اس میں وہ اجزاء جو آگے چل کر دودھ بنیں گے اور وہ اجزا جو گوبر بن جائیں گے سب ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جدا جدا کرتے ہیں، کچھ گوبر بن کر نکل جاتا ہے اور کچھ جگر کے عمل ہضم سے اخلاط بنتے ہیں جن میں خون بھی ہے۔ پھر اس خون میں وہ حصہ جو آگے چل کر دودھ بنے گا اور وہ حصہ جو دودھ نہ بنے گا، دونوں ملے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک حصہ کو الگ کر کے تھن تک پہنچاتے ہیں اور وہاں پہنچ کر دودھ بن جاتا ہے جیسا کہ خصیوں، فوطوں میں خاصیت رکھی ہے کہ وہاں پہنچ کر خون مادہ منی بن جاتا ہے۔ چنانچہ خون کے خاص اجزاء جو آخر میں تحلیل ہو کر دودھ بنتے ہیں، ایک بار تحلیل ہو کر غلاظت گوبر وغیرہ بننے والے اجزاء سے اور ایک بار خونی اجزاء سے جو تحلیل ہو کر دودھ نہیں بنتے الگ ہوتے ہیں۔ یہ تمیز یعنی الگ کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے، خوب سمجھ لینا چاہئے۔

(۱) "بہت سی" شفاء (نکرہ) کا ترجمہ ہے نکرہ تحت النفی تو عام ہوتا ہے، مگر کلام موجب میں عام نہیں ہوتا ۱۲ سعید احمد

اور پہلے کے الگ ہونے کے عمل کا تو پیٹ میں ہونا ظاہر ہے اور دوسرے کے الگ ہونے کے عمل کا مقام بطن یعنی پیٹ کو فرمانا یا تو اس اعتبار سے ہے کہ بطن سے مراد وہ حصہ ہے جو بدن کے اندر داخل ہو، اور یا اس اعتبار سے کہ یہ اجزاء جو دوسری بار الگ ہوئے ہیں کسی وقت تو پیٹ ہی میں ہوتے ہیں۔

اور ﴿ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا ﴾ الخ میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت نشہ پیدا کرنے والی چیزیں حرام نہیں تھیں، کیونکہ یہ آیت مکی ہے، اس لئے احسان کے اظہار میں شامل فرمایا، لیکن چونکہ حرام ہونے والی تھیں اس لئے اس کی صفت حسن وغیرہ نہیں فرمائی جیسا کہ رزق کی صفت بیان فرمائی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ چاہے آیت کے نازل ہونے کے وقت نشیلی چیزیں حرام بھی ہوگئی ہوں، اس احتمال کے ساتھ کہ شاید یہ آیت مدنی ہو، لیکن یہاں حسی احسان ظاہر کرنا مقصود نہیں ہے کہ حلال ہونے پر موقوف ہو، بلکہ معنوی احسان کا اظہار مقصود ہے یعنی توحید پر استدلال ہے اور یہ حرام ہونے کے باوجود بھی صحیح ہے کیونکہ یہ بھی قدرت کی دلیل ہے کہ تازہ رس اور شیرہ میں نشہ کی صفت نہیں تھی، پھر اس میں نئی کیفیت پیدا ہوگئی جو حرمت کی علت ہوگئی۔ اور پیدا ہونے والے (مخلوق) کے لئے پیدا کرنے والے (خالق) کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس طرح یہ پیدا کرنے والے کے وجود پر دلیل ہوگئی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں احسان ظاہر کرنا مقصود ہی نہیں، بلکہ اس میں عتاب ہے اور ﴿ رِزْقًا حَسَنًا ﴾ میں احسان ہے۔ اس طرح اس آیت میں عتاب اور احسان دونوں جمع ہیں، یعنی ہمارا یہ انعام ہے اور تم ایسی بیجا حرکت کرتے ہو۔

اور شہد کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ منہ کی رطوبت ہے یا معدہ کی۔ اگر پہلا قول ثابت ہے تو ﴿ كُلِىْ ﴾ کے معنی ہوں گے التقطی یعنی جمع کر اور ﴿ بُطُوْنِهَا ﴾ سے منہ مراد ہوگا کیونکہ منہ بھی پیٹ ہی کی طرح ہے اور اگر دوسرے قول کی تحقیق ہو تو دونوں لفظ اپنے ظاہری معنی پر رہیں گے۔

اور ﴿ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ﴾ میں ہر حالت میں بعض امراض کے اعتبار سے ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ خاصیت تو اکثر دواؤں میں ہے کہ بعض بیماریوں کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے پھر شہد کی کیا تخصیص ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شہد کی مکھی ایک زہریلا جانور ہے چنانچہ اس کے کاٹنے سے شدید تکلیف کا ہونا اس کی ظاہر دلیل ہے، اس طرح زہر کی کان سے تریاق اور شفا کا پیدا کرنا یہ قدرت کا عجیب کارنامہ ہے اور شہد کے رنگوں کا مختلف ہونا دیکھی بھالی بات ہے۔

اور ﴿ اَرْذَلِ ﴾ یعنی ناکارہ عمر ہر شخص کے مزاج کے اختلاف کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔

﴿ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ

اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ
لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ
وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّهُوَ
كَلٌّ عَلٰي مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَـمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ
وَهُوَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے تم میں بعضوں کو بعضوں پر رزق میں فضیلت دی ہے سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو اس طرح کبھی دینے والے نہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جاویں۔ کیا پھر بھی خدا تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں میں سے تمہارے لئے بیبیاں بنائیں اور ان بیبیوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تم کو اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں۔ کیا پھر بھی بے بنیاد چیز پر ایمان رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے رہیں گے اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے رہیں گے جو ان کو نہ آسمان میں سے رزق پہنچانے کا اختیار رکھتی ہیں اور نہ زمین میں سے اور نہ قدرت رکھتی ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں مت گھڑو۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ ایک غلام ہے مملوک کہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے خوب روزی دے رکھی ہے تو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے۔ کیا اس قسم کے شخص آپس میں برابر ہو سکتے ہیں۔ ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے لائق ہیں، بلکہ ان میں اکثر تو جانتے ہی نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ دو شخص ہیں جن میں سے ایک تو گونگا ہے کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ اپنے مالک پر ایک وبالِ جان ہے۔ وہ اس کو جہاں بھیجتا ہے کوئی کام درست کر کے نہیں لاتا۔ کیا یہ شخص اور ایسا شخص باہم برابر ہو سکتے ہیں جو اچھی باتوں کی تعلیم کرتا ہو اور خود بھی معتدل طریقہ پر ہو۔

ربط: اوپر بیان ہو چکا۔

گذشتہ مضمون کا بقیہ:

اور (توحید کے ثبوت کے ساتھ شرک کا قبیح ہونا ایک آپسی معاملہ کے ضمن میں سنو کہ) اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق (کے بارے) میں فضیلت دی ہے (مثلاً کسی کو مالدار غنی کر دیا اور غلاموں کا مالک بنا دیا، کہ ان کے ہاتھوں سے ان غلاموں کو بھی رزق پہنچتا ہے اور کسی کو غلام بنا دیا کہ اسے مالک ہی کے ہاتھ سے رزق پہنچتا ہے۔ اور کسی کو نہ ایسا

مالدار بنایا کہ دوسرے غلاموں کو دے اور نہ ہی غلام بنایا کہ اسے کسی مالک کے ہاتھ سے ملے) تو جن لوگوں کو (رزق میں خاص) فضیلت دی گئی ہے (کہ ان کے پاس مال بھی ہے اور غلام بھی ہیں) وہ (لوگ) اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو اس طرح کبھی دینے والے نہیں کہ وہ (مالک اور غلام) سب اس میں برابر ہو جائیں (کیونکہ اگر غلام رکھ کر دیا تو مال ان کی ملکیت ہی نہ ہوگا، بلکہ مالک یہی رہیں گے، اور اگر آزاد کر کے دیا تو مساوات یعنی برابری ممکن ہے، مگر وہ غلام نہ رہیں گے۔ لہٰذا غلامی اور برابری کا ایک ساتھ ہونا ممکن نہیں۔ اسی طرح یہ بت وغیرہ جب خود ان مشرکوں کے اعتراف کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں تو ملک ہونے کے باوجود معبود ہو کر اللہ کے برابر کیسے ہو جائیں گے، اس میں شرک کا انتہائی قبیح یعنی برا ہونا ثابت ہے، کہ جب تمہارے غلام تمہارے رزق میں شریک نہیں ہو سکتے تو اللہ تعالیٰ کی ملکیت اس کی خدائی میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں؟ کیا یہ مضامین سن کر پھر بھی (اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں جس عقل کی بنیاد پر یہ لازم آتا ہے کہ) اللہ تعالیٰ کی نعمت کا (یعنی اس بات کا کہ اللہ نے نعمت دی ہے) انکار کرتے ہیں (لازم ہونے کی وجہ سے ظاہر ہے، کیونکہ جو انعام میں یکتا و تنہا ہو اس کے لئے معبود ہونے میں یکتا و تنہا ہونا لازم ہے اور شرک سے لازم دور ہو گیا تو جس پر وہ لازم تھا وہ بھی دور ہو گیا۔ اور انعام میں یکتا و تنہا ہونا اس کے نعمت و انعام دینے والا ہونے کے لئے لازم ہے، لہٰذا اس کا بھی انکار ہو گیا۔ چنانچہ شرک کے لئے انعام دینے والے کے انعام کا انکار لازم ہے اور یہ خود اپنے آپ میں عقلی بنیاد پر قبیح ہے تو شرک کا قبیح ہونا دوسرے (امر کے عنوان سے جس کا قبیح ہونا مسلم ہے ظاہر ہو گیا) اور (قدرت کی دلیلوں اور نعمتوں کی وجوں میں سے ایک بڑی نعمت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل خود تمہارا وجود اور بقا شخصی و نوعی ہوتا ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے تم ہی میں سے (یعنی تمہاری جنس اور نوع سے) تمہارے لئے بیویاں بنائیں اور (پھر) ان بیویوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کئے کہ یہ نوع کی بقا ہے) اور تمہیں اچھی اچھی چیزیں کھانے (پینے) کو دیں (کہ یہ شخصی بقا ہے، اور چونکہ بقاء وجود پر موقوف ہے، اس میں اس کی طرف بھی اشارہ ہو گیا) کیا (یہ سب دلیلیں اور نعمتیں سن کر) پھر بھی بے بنیاد چیز پر ایمان رکھیں گے (یعنی بتوں وغیرہ پر، جن کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ ان کے خلاف ہی ساری دلیلیں ہیں) اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری (اور بے قدری) کرتے رہیں گے اور (اس ناشکری کا مطلب یہ ہے کہ) اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے رہیں گے جو نہ ان کو آسمان میں سے رزق پہنچانے کا اختیار رکھتی ہیں اور نہ زمین میں سے (یعنی نہ انہیں بارش کرنے کا اختیار نہ زمین میں سے کوئی چیز پیدا کرنے کا) اور نہ (اختیار حاصل کرنے کی) قدرت رکھتے ہیں (اس کی نفی سے بات اور بھی زیادہ پختہ ہو گئی اور بڑھ گئی کیونکہ کبھی کبھی دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص ایک وقت تو اختیار نہیں رکھتا، لیکن جدوجہد اور کوشش سے اختیار حاصل کر لیتا ہے۔ اس لئے اس کی بھی نفی فرما دی) تو (جب شرک کا باطل ہونا ثابت ہو گیا تو) تم اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں مت گھڑو (کہ اللہ تعالیٰ کی مثال دنیا کے بادشاہوں جیسی ہے کہ ان سے ہر شخص اپنی ضرورت کے لئے عرض نہیں کر سکتا، اس کے لئے اس کے نائب ہوتے ہیں کہ عوام اپنی حاجت ان سے عرض کرتے ہیں،

پھر وہ سلطانوں سے عرض کرتے ہیں، جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ان ارشادوں کی بنیاد پر کہا گیا ہے: ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ﴾ اور ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾) اللہ تعالیٰ (شرک کے باطل ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے) ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ (فرض کرو) ایک (تو) غلام (کسی کی ملکیت ومملوک) ہے کہ (مال واسباب میں سے بغیر اجازت) کسی چیز (کے استعمال وخرچ) کا اختیار نہیں رکھتا، اور (دوسرا) ایک شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے خوب روزی دے رکھی ہے تو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ (جس طرح جی چاہتا ہے جہاں چاہتا ہے) خرچ کرتا ہے (اسے کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں) کیا اس قسم کے دونوں شخص آپس میں برابر ہوسکتے ہیں (لہٰذا جب مجازی مالک اور مجازی ملکیت برابر نہیں ہوسکتے تو حقیقی مالک اور حقیقی ملکیت تو کب برابر ہوسکتے ہیں؟ اور عبادت میں شریک ہونا مساوات وبرابری پر موقوف ہے اور خود حقیقت میں بھی نہیں پائی جاتی) ساری تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں (کیونکہ ذات اور صفات کے لحاظ سے کامل وہی ہیں، لہٰذا معبود بھی وہی ہوسکتے ہیں، مگر پھر بھی مشرک لوگ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت نہیں چھوڑتے) بلکہ ان میں اکثر تو (سوچنے سمجھنے کی اہلیت اور کوشش نہ ہونے کی وجہ سے) جانتے ہی نہیں (اور اسی وجہ سے کہ علم نہ ہونے کا سبب نہ سوچنا ہے، معذور قرار نہیں دیئے جائیں گے) اور اللہ تعالیٰ (اس کی وضاحت کے لئے) ایک اور مثال بیان فرماتے ہیں کہ (فرض کرو) دو شخص ہیں ایک تو (غلام ہونے کے علاوہ) گونگا (بلکہ بھی) ہے (اور بہرا، اندھا اور بے عقل ہونے کی وجہ سے) کوئی کام نہیں کرسکتا، اور (اس وجہ سے) وہ اپنے مالک پر ایک وبال ہے (کہ وہ مالک ہی) اس کے سارے کام کرتا ہے اور) وہ (مالک) اس کو جہاں بھیجتا ہے، کوئی کام ٹھیک کرکے نہیں لاتا (یعنی خود تو کیا کرتا، دوسروں کے بتانے اور سمجھانے سے بھی اس سے کوئی کام ٹھیک نہیں ہوتا، تو) کیا یہ شخص اور ایسا شخص برابر ہوسکتے ہیں جو اچھی باتوں کی تعلیم کرتا ہو (جس سے اس کا بولنے والا، عقل والا اور علمی قوت والا ہونا ثابت ہوتا ہے) اور خود بھی (ہر معاملہ میں) صحیح راستہ پر (چلتا) ہو جس سے علمی اور انتظامی قوت معلوم ہوتی ہے۔ جب ماہیت اور بہت سارے اوصاف میں ایک جیسا ہونے کے باوجود مخلوق، مخلوق میں یہ فرق ہے تو خالق اور مخلوق کا معاملہ کیسے برابر ہوسکتا ہے؟[1] اور ﴿لَا يَقْدِرُ﴾ کے ترجمہ میں ''بغیر اجازت'' کی قید سے [2] فقہی شبہات دور ہوگئے اور اس بارے میں کسی کو وسوسہ نہ ہو کہ شاید اللہ کے علاوہ جن کی عبادت کی جاتی ہے، انہیں بھی اجازت ہوگئی ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ رب ہونے کے لئے کسی کو اجازت نہیں ہوئی اور نہ ہی ہوسکتی ہے۔

---

(۱) جو کہ آیت ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا﴾ میں واقع ہے۔

(۲) مثال کے طور پر اجازت ہونے کے بعد تو اسے تصرف کی قدرت حاصل ہوجاتی ہے اور قدرت سے مراد قدرت حکمی ہے نہ کہ حسی۔ پھر عرفی شبہات بھی نہیں ہوسکتے کہ اس کی قدرت کا تو مشاہدہ ہو رہا ہے پھر نفی کیسے کردی؟

﴿ وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَـيْـــًٔـا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصٰرَ وَالْاَفْـــِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَاۗءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ ع ۱۴

ترجمہ: اور آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں۔ اور قیامت کا معاملہ بس ایسا ہوگا جیسے آنکھ جھپکنا بلکہ اس سے بھی جلدی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور اس نے تم کو کان دیئے اور آنکھ اور دل تاکہ تم شکر کرو۔ کیا لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کے میدان میں مسخر ہو رہے ہیں۔ ان کو کوئی نہیں تھامتا بجز اللہ کے۔ اس میں ایمان والے لوگوں کے لئے چند دلیلیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے تمہارے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی اور تمہارے لئے جانوروں کی کھال کے گھر بنائے جن کو تم اپنے کوچ کے دن اور مقام کے دن ہلکا پاتے ہو اور ان کے اون اور ان کے روؤں اور ان کے بالوں سے گھر کا سامان اور فائدے کی چیزیں ایک مدت تک کے لئے بنائیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اپنی بعض مخلوقات کے سائے بنائے اور تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لئے ایسے کرتے بنائے جو گرمی سے تمہاری حفاظت کریں اور ایسے کرتے بنائے جو تمہاری لڑائی سے تمہاری حفاظت کریں۔ اللہ تعالیٰ تم پر اسی طرح اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے تاکہ تم فرمانبردار رہو۔ پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں تو آپ کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ وہ لوگ خدا کی نعمت کو پہچانتے ہیں، پھر اس کے منکر ہوتے ہیں اور زیادہ ان میں ناسپاس ہیں۔

ربط: آیت ﴿ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ ﴾ الخ کی تمہید میں گذر چکا ہے۔

گذشتہ مضمون کا تتمہ:

اور آسمانوں اور زمین کی (تمام) پوشیدہ باتیں (علم کے اعتبار سے) اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں (چنانچہ علم کی صفت میں وہ کامل ہیں) اور (قدرت میں ایسے کامل ہیں کہ غیب کی ان باتوں میں سے جو ایک عظیم امر ہے یعنی) قیامت (اس

کا) معاملہ بس ایسا (جھٹ پٹ) ہوگا جیسے آنکھ جھپکنا بلکہ اس سے بھی جلدی (قیامت کے معاملہ سے مراد، مردوں میں جان پڑنا مراد ہے اور اس کا جلدی ہونا ظاہر ہے کیونکہ آنکھ جھپکنا حرکت ہے اور حرکت ایک زمانہ کی ہوتی ہے اور جان پڑنا ایک آن یعنی لحہ کی ہوتی ہے اور آن ظاہر ہے کہ زمانہ سے کم وقت کی ہوتی ہے اور اس پر تعجب نہ کیا جائے کیونکہ) یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں (اور قدرت کو ثابت کرنے کے لئے ساعت یعنی گھڑی کی تخصیص شاید اس وجہ سے ہو کہ وہ خاص غیبی امور میں سے بھی ہے۔ چنانچہ وہ علم اور قدرت دونوں کی دلیل ہے واقع ہونے سے پہلے تو علم کی اور واقع ہونے کے بعد قدرت کی) اور (قدرت کی دلیلوں اور نعمت کی وجوہ میں سے یہ امر ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے (اصطلاح میں اس مرتبہ کو عقل ھیولانی کہتے ہیں) اور اس نے تمہیں کان دیئے اور آنکھ اور دل تا کہ تم شکر کرو (قدرت پر استدلال کے لئے) کیا لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کے (نیچے) میدان میں (قدرت کے) تابع ہو رہے ہیں (یعنی) انہیں (اس جگہ) اللہ کے سوا کوئی نہیں تھامتا (ورنہ ان کے جسموں کا بھاری ہونا اور روکنے والی ہوا کا رقیق ولطیف ہونا طبعی طور پر اس کا تقاضہ کرتی ہے کہ نیچے گر پڑیں، اس لئے) اس (مذکورہ امر) میں ایمان والوں کے لئے (اللہ کی قدرت کی) چند دلیلیں (موجود) ہیں (چند نشانیاں اس لئے فرمایا کہ پرندوں کو خاص وضع پر پیدا کرنا جس سے اڑنا ممکن ہو، ایک دلیل ہے۔ پھر زمین اور آسمان کے درمیان کی جگہ کو اس طرح پیدا کرنا جس میں اڑنا ممکن ہو، ایک اور دلیل ہے، پھر اپنے آپ میں اس اڑنے کا واقع ہونا ایک دلیل ہے اور جتنے اسباب کو اڑانے میں دخل ہے جس کی وجہ سے جسم کے بھاری ہونے اور روکنے والے نظام کے رقیق ہونے کا طبعی اثر ظاہر نہیں ہوا چونکہ وہ سب اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، پھر ان اسباب پر اڑنے کے عمل کا مرتب ہونا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے، اس لئے ﴿مَا يُمْسِكُهُنَّ﴾ الخ فرمایا گیا اور قدرت کی دلیلوں اور نعمت کی وجھوں میں سے ایک امر یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے (گھروں میں رہنے کی حالت میں) تمہارے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی اور (سفر کی حالت میں) تمہارے لئے جانوروں کی کھال کے گھر (یعنی خیمے) بنائے جن کو تم اپنے کوچ کے دن اور قیام (کرنے) کے دن ہلکا (پھلکا) پاتے ہو (اور اس وجہ سے اس کا لانا اور نسب کرنا سب آسان ہوتا ہے) اور ان (جانوروں) کے اون اور ان کے بالوں سے (تمہارے) گھر کا سامان اور فائدے کی چیزیں ایک مدت تک کے لئے بنائیں (مدت تک اس لئے فرمایا کہ عام طور سے یہ سامان روئی کے کپڑوں کے مقابلہ میں زیادہ دن چلتا ہے) اور (قدرت کی دلیلوں اور نعمت کی وجھوں میں سے ایک یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اپنی بعض مخلوقوں کے سائے بنائے (جیسے درخت اور مکان وغیرہ) اور تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ کی جگہیں بنائیں (یعنی غار وغیرہ جن میں گرمی، سردی، بارش، ایذا پہنچانے والے دشمن آدمی اور جانور سے محفوظ رہ سکتے ہو) اور تمہارے لئے ایسے کرتے بنائے جو گرمی سے تمہاری حفاظت

کریں اور ایسے کُرتے (بھی) بنائے جو تمہاری (آپس کی) لڑائی (میں زخم لگنے) سے تمہاری حفاظت کریں (اس سے زرہیں مراد ہیں) اللہ تعالیٰ تم پر اسی طرح (کی) اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے، تاکہ تم (ان نعمتوں کے شکریہ میں) فرماں بردار ہو (اور اس کے باوجود کہ مذکورہ نعمتوں میں سے بعض بندوں کی بنائی ہوئی بھی ہیں مگر (وہ سلیقہ اور ترکیب تو اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے، اس لئے نعمت دینے والا حقیقت میں وہی ہے) پھر (ان نعمتوں کے بعد بھی) اگر یہ لوگ (ایمان سے) منہ پھیریں تو (آپ غم نہ کریں، آپ کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ) آپ کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے (اور ان کے منہ پھیرنے کی وجہ ان نعمتوں کا نہ پہچاننا نہیں ہے) وہ لوگ اللہ کی نعمت کو (تو) پہچانتے ہیں (مگر پہچان کر) پھر (برتاؤ میں) اس کا انکار کرتے ہیں (کہ جو برتاؤ نعمت دینے والے کے ساتھ چاہئے تھا یعنی عبادت، وہ دوسروں کے ساتھ کرتے ہیں) اور ان میں زیادہ تر (ایسے ہی) ناشکرے ہیں۔

فائدہ: ﴿ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴾ میں ہیولانی عقل کے مرتبہ میں مطلق علم کی جو نفی کی گئی ہے اگر حکماء کے اس دعویٰ کی دلیل کے تمام مقدمات تسلیم کر لئے جائیں کہ اس وقت نفس کو اپنا علم حضوری ہوتا ہے تو اس ﴿ شَيْـًٔا ﴾ سے اس کی تخصیص عقلی دلیل سے ہو جائے گی، ورنہ اپنے عموم پر رہے گا اور متاع کا مفہوم اثاث کے مقابلہ میں عام ہے کہ اس میں تجارت اور زینت وغیرہ سب شامل ہیں۔ اور یہاں کُرتوں کی صفت میں گرمی کے بچاؤ کا ذکر فرمایا، کیونکہ سورت کے شروع میں ﴿ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ ﴾ میں سردی سے بچاؤ کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور اکثر ملکوں میں عام طور سے سردیوں میں پوستین اور اونی کپڑوں کا استعمال اور گرمیوں میں روئی کا استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے ترجیح یہ ہوئی کہ وہاں سردی کے بچاؤ کا ذکر ہوا اور یہاں گرمی کے بچاؤ کا۔

﴿ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جس دن ہم ہر ہر امت میں سے ایک ایک گواہ قائم کریں گے پھر ان کافروں کو اجازت نہ دی جاوے گی اور نہ ان کو حق تعالیٰ کے راضی کرنے کی فرمائش کی جاوے گی۔ اور جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ عذاب نہ ان سے ہلکا کیا جاوے گا اور نہ وہ کچھ مہلت دیئے جاویں گے۔ اور جب مشرک لوگ اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے

کہ اے ہمارے پروردگا! وہ ہمارے شریک یہی ہیں کہ آپ کو چھوڑ کر ہم کو پوجا کرتے تھے، سو وہ ان کی طرف کلام کو متوجہ کریں گے کہ تم جھوٹے ہو اور یہ لوگ اس روز اللہ کے سامنے اطاعت کی باتیں کرنے لگیں گے۔ اور جو کچھ افترا او پردازیاں کرتے تھے وہ سب گم ہو جاویں گی۔ جو لوگ کفر کرتے تھے اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے ان کے لئے ہم ایک سزا پر دوسری سزا بمقابلہ ان کے فساد کے بڑھا دیں گے۔

ربط: اوپر توحید اور نعمت کے ذکر میں کافروں کے شرک اور نعمت کے انکار کا ذکر فرمایا تھا۔ اب اس پر قیامت کے دن کے عذاب کی وعید فرماتے ہیں۔

کافروں کے لئے کفر پر وعید:

اور (وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے) جس دن ہم ہر ہر امت مں سے ایک ایک گواہ (کہ اس امت کا پیغمبر ہوگا) کھڑا کریں گے (جو ان کے برے اعمال کی گواہی دیں گے) پھر ان کافروں کو (عذاب اور معذرت کرنے کی) اجازت نہیں دی جائے گی، اور نہ ہی ان سے حق تعالیٰ کو راضی کرنے کی فرمائش کی جائے گی (یعنی ان سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم توبہ کر کے یا کوئی عمل کر کے اللہ کو خوش کر لو۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ آخرت جزا یعنی بدلہ کا گھر ہے عمل کا گھر نہیں) اور ظالم (یعنی کافر) لوگ عذاب کو دیکھیں گے (یعنی اس میں ڈالے جائیں گے) تو وہ عذاب نہ ان سے ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں (اس میں) کچھ مہلت دی جائے گی (کہ چند روز کے بعد وہ عذاب دیا جائے) اور جب مشرک لوگ اپنے شریکوں کو (جن کو اللہ کے سوا پوجتے تھے) دیکھیں گے، تو (جرم کے اقرار کے طور پر) کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! وہ ہمارے شریک یہی ہیں کہ آپ کو چھوڑ کر ہم ان کی پوجا کرتے تھے تو وہ شریک ڈریں گے کہ کہیں ہماری کمبختی نہ آجائے، اس لئے) وہ ان کی طرف کلام کو متوجہ کریں گے کہ تم جھوٹے ہو (ان کا اصل مطلب یہ ہوگا کہ ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں، جس سے اپنی حفاظت مقصود ہے۔ اب چاہے ان کا یہ مطلب صحیح ہو یا جیسا کہ اگر فرشتے اور انبیاء علیہم السلام وغیرہ مقبول اور مقرب یہ بات کہیں تو صحیح ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ﴾ الخ اور چاہے یہ غلط ہو جیسے خود شیطان کہنے لگیں اور چاہے انہیں صحیح اور غلط ہونے کی خبر ہی نہ ہو، جیسے بت اور درخت وغیرہ کہنے لگیں) اور یہ (مشرک اور کافر) لوگ اس دن اللہ کے سامنے اطاعت کی باتیں کرنے لگیں گے۔ اور جو کچھ (دنیا میں) جھوٹی باتیں گھڑا کرتے تھے (اس وقت) وہ سب گم ہو جائیں گی (اور ان میں) جو لوگ (خود بھی) کفر کرتے تھے اور (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ (یعنی دین) سے روکتے تھے ان کے لئے ہم ایک سزا پر (کہ کفر کے مقابلہ میں ہوگی) دوسری سزا ان کے فساد کے مقابلہ میں (کہ اللہ کے راستہ سے روکتے تھے) بڑھا دیں گے۔

فائدہ: ایسے مضامین کی آیتیں جگہ جگہ آچکی ہیں اور تفسیر سے متعلق ان کی ضروری باتیں بیان ہو چکی ہیں۔

﴿ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٨٩﴾ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ ﴾

ترجمہ: اور جس دن ہم ہر ہر امت میں ایک ایک گواہ جو ان ہی میں کا ہوگا ان کے مقابلہ میں قائم کریں گے اور ان لوگوں کے مقابلہ میں آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے کہ تمام باتوں کا بیان کرنے والا ہے اور مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت اور خوش خبری سنانے والا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی ہوئی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ تم کو اس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔

ربط: اوپر وعید کے بیان میں انبیاء علیہم السلام کے اپنی اپنی امت پر شہادت دینے کا ذکر فرمایا تھا۔ اب جناب رسول اللہ ﷺ کے اپنی امت پر گواہی دینے کا ذکر فرماتے ہیں، اور چونکہ شہادت انبیا علیہم السلام کی خصوصیات میں سے ہے، اس حیثیت سے اس شہادت سے محمد ﷺ کی رسالت بھی ثابت ہوگئی۔ اس لئے ﴿ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ ﴾ الخ میں اس رسالت پر استدلال فرماتے ہیں اور چونکہ آیت کے اس جز میں قرآن کا بیان کرنے والا اور ہدایت و رحمت ہونا بیان ہوا ہے، اس لئے آیت ﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ ﴾ الخ میں اس پر تنبیہ فرماتے ہیں کیونکہ کسی کتاب کا ایسی تعلیمات پر مشتمل ہونا اس کی مذکورہ صفتوں کے موصوف ہونے کی صاف دلیل ہے۔ لہٰذا اس بیان کی بنیاد پر ان آیتوں کا خلاصہ یہ ہوا جس کا اس عنوان میں ذکر ہوا ہے۔

رسالت اور قرآن کی فضیلت کے ضمن میں وعید:

اور (وہ دن یاد کرنے اور لوگوں کے ڈرنے کے قابل ہے) جس دن ہم ہر ہر امت میں سے ایک ایک گواہ جو انہی میں سے ہوگا، ان کے مقابلہ میں کھڑا کریں گے (اس سے اس امت کا نبی مراد ہے اور انہی میں کا ہونا عام ہے، چاہے نسب میں شرکت کے اعتبار سے ہو چاہے سکونت میں شرکت کے اعتبار سے ہو) اور ان لوگوں کے مقابلہ میں آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے اور (شہادت کی اس خبر دینے سے جو آپ کی رسالت کی خبر دینا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ) ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے جو (معجزہ ہونے کے علاوہ جو کہ رسالت کے ثابت ہونے کی بنیاد ہے، ساری خوبیاں جامع ہیں) کہ عام دین کی) تمام باتوں کا (عام لوگوں کے لئے بواسطہ یا بلا واسطہ) بیان کرنے والا ہے، اور (خاص) مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت، بڑی رحمت اور (ایمان پر) خوش خبری سنانے والا ہے (اور قرآن میں ان صفتوں کا جمع ہونا اس سے

ظاہر ہے کہ) بیشک اللہ تعالیٰ (اس قرآن میں) درمیانی راستہ اور احسان کا اور قرابت والوں کو دینے کا حکم فرماتے ہیں، اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور (کسی پر) ظلم (وزیادتی) کرنے سے منع فرماتے ہیں (اور مذکورہ) امر ونہی میں تمام اچھی اور بری چیزیں آگئیں، لہٰذا اس جامعیت سے اس کا بیان کرنے والا ہونا وغیرہ صاف ظاہر ہے۔ اور) اللہ تعالیٰ تمہیں (مذکورہ امور کی) اس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو (اور عمل کرو کہ اس کا ہدایت، رحمت اور خوش خبری ہونا اسی پر مرتب ہے)

فائدہ: مامورات یعنی جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان میں اعتدال یعنی درمیانی راستہ علمی اور عملی قوتوں کے لئے عام ہے، اس میں سارے عقائد اور ظاہری وباطنی اعمال غرض شریعت کے تمام امور داخل ہو گئے۔ پھر ان میں سے احسان کا ذکر اس وجہ سے کہ اس کا نفع غیر کی طرف پہنچنے والا ہے، خاص طور سے کہا گیا۔ پھر احسان میں سے قرابت داروں کے ساتھ احسان اور زیادہ فضیلت واہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے اس کے بعد اس کو لائے اور اسی طرح منہیات یعنی جن کاموں کے کرنے سے منع کیا گیا ہے ان میں منکر عام ہے شریعت کے خلاف تمام امور کو۔ پھر اس میں ﴿الْفَحْشَآءِ﴾ کو زیادہ قباحت یعنی برائی کی وجہ سے خاص طور سے ذکر فرمایا۔ اور اس کے سخت ہونے کی وجہ سے اس کو پہلے رکھا۔ اسی طرح ان منکر یعنی برے امور میں سے بغی کو اس وجہ سے کہ اس کا نقصان غیر تک پہنچنے والا ہے خاص طور سے ذکر فرمایا۔ لہٰذا اس طرح سے اس میں تمام اچھے اور برے امور شامل ہو گئے۔ اور ﴿لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ سے دین کی باتیں مراد ہیں اور تبیان یعنی بیان کرنے والا سے بواسطہ وبلاواسطہ عام مراد لینے سے یہ اشکال دور ہو گیا کہ اس میں دنیا کی تمام باتیں کہاں ہیں یا دین کی سب باتیں کہاں ہیں۔ اشکال دور کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ دنیا کی باتیں تو مراد نہیں اور دین کی بعض باتیں سنت واجماع اور قیاس سے ثابت ہیں اور ان تینوں کا حجت ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ لہٰذا ان دلیلوں سے ثابت ہونے والے امور بھی بالواسطہ قرآن سے ثابت ہیں۔ اور اس کی تائید صراحت کے ساتھ وہ حدیث کرتی ہے جو بخاری نے ابن مسعود سے روایت کی ہے: **قال لعن الله الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله تعالى فبلغ ذلک امرأة من بني أسد فجاء ته فقالت له انه بلغني انک لعنت كيت وكيت فقال ومالي لا العن من لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو في كتاب الله قالت والله لقد قرأت ما بين اللوحين فما وجدته فيه قال والله لئن قرأتيه لقد وجدتيه ما آتاكم الرسول فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا قالت بلى قال فانه نهى عنه:** یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لعنت کرے اپنے بالوں کے ساتھ مصنوعی بال جوڑنے والی پر اور جس سے مصنوعی بال جڑوائے جائیں اس پر اور چہرہ وغیرہ پر گندنا کرانے والی پر اور گندنا کرنے والی پر اور چہرہ سے بال اکھڑوانے والی پر حسن وزینت کے لئے دانتوں کے درمیان جگہ خالی کرانے والی پر اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کرانے والی پر۔ یہ بات بنواسد کی ایک خاتون کو معلوم ہوئی تو وہ آپ کے پاس آئیں اور کہا کہ

مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ایسا اور ایسا کرنے والی پر لعنت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: بھلا میں اس پر کیوں لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ کی کتاب میں لعنت کی گئی ہے، خاتون نے کہا: میں نے دونوں (قتیوں) کے درمیان جو کچھ ہے پورا قرآن پڑھا ہے، اس میں تو مجھے کہیں ایسا نہیں ملا، جو آپ کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر تم نے قرآن پڑھا ہوتا تو یہ بات تمہیں اس میں ضرور ملتی، کیا تم نے یہ نہیں پڑھا: ﴿ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ یعنی تمہیں رسول جو کچھ دیں اسے لے لو، اور جس سے وہ تمہیں روکیں اس سے رک جاؤ۔ خاتون نے کہا کیوں نہیں؟ یہ تو میں نے پڑھا ہے، آپ نے فرمایا تو یہ وہی بات ہے کہ اس سے رسول اللہ نے منع کیا ہے (متفق علیہ)

﴿ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۭ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِىَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۭ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم اس کو اپنے ذمہ کر لو اور قسموں کو بعد ان کے مستحکم کرنے کے مت توڑو اور تم اللہ تعالیٰ کو گواہ بھی بنا چکے ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ اور تم اس عورت کے مشابہ مت بنو جس نے اپنا سوت کاتے پیچھے بوٹی بوٹی کر کے نوچ ڈالا کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو محض اس وجہ سے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ جاوے۔ بس اسی سے اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کرتا ہے اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہے قیامت کے دن ان سب کو تمہارے سامنے ظاہر کر دے گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتے لیکن جس کو چاہتے ہیں بے راہ کر دیتے ہیں۔ اور جس کو چاہتے ہیں راہ پر ڈال دیتے ہیں۔ اور تم سے تمہارے سب اعمال کی ضرور باز پرس ہوگی۔ اور تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ مت بناؤ کبھی کسی اور کا قدم جمنے کے بعد نہ پھسل جاوے، پھر تم کو اس سبب سے کہ تم راہِ خدا سے مانع ہوئے تکلیف بھگتنا پڑے۔ اور تم کو بڑا عذاب ہوگا۔ اور تم لوگ عہدِ خداوندی کے عوض میں تھوڑا سا فائدہ مت حاصل کرو۔ بس اللہ کے پاس جو چیز ہے وہ تمہارے لئے

بدر جہا بہتر ہے اگر تم سمجھنا چاہو۔ اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جاوے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دائم رہے گا۔ اور جو لوگ ثابت قدم ہیں ہم ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجران کو ضرور دیں گے۔

ربط: اوپر ﴿ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ﴾ میں تمام شرعی امور کا حکم تھا۔ اب ان میں سے ایک خاص امر یعنی عہد پورا کرنے کا انتہائی اہتمام کے ساتھ حکم ہے، اور اس کی وجہ اس کی تخصیص کے علاوہ اس کے اپنے آپ میں بہت اعلیٰ شان والی ہونے کے علاوہ شاید یہ بھی ہو کہ اسلام کی ابتدا میں عہد کو پورا کرنے اور توڑنے کا اسلام پر ایک خاص اثر تھا کہ اسلام پر باقی رہنا بھی عہد کو پورا کرنے کی ایک بنیاد تھی، اور صلح و جنگ میں اعتبار کی بنیاد یہی تھا اور اس سے اسلام قبول کرنے والوں کو اپنے شخصی و جمہوری حقوق کے بارے میں پورا اطمینان ہوتا تھا جو اسلام کی قوت اور ترقی کا سبب تھا۔ اسی طرح عہد توڑنے میں اس کے برعکس مفاسد یعنی برائیاں مرتب ہوتی تھیں جس سے اسلام کو نقصان ہوتا تھا۔ اس وجہ سے یہ مضمون اہتمام کے قابل ہوا۔

عہد پورا کرنے کا حکم:

اور تم اللہ کے عہد کو (یعنی جس عہد کو پورا کرنے کا شرعی طور پر حکم ہے، اس کو) پورا کرو (اس سے وہ عہد نکل گیا جو شریعت کے خلاف ہو اور تمام شرعی عہد چاہے حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے متعلق ہوں، اس میں داخل ہو گئے) جبکہ تم اس کو (خاص کر کے یا عام کر کے) اپنے ذمہ کر لو (خاص کر کے یہ کہ واضح طور پر اس کو اپنے اوپر لازم کر لیا جائے اور عام کر کے یہ کہ ایمان لے آئے تو تمام واجب احکام کا لازم ہونا اس کے ضمن میں آ گیا) اور (خاص طور سے جن عہدوں میں قسم بھی کھائی ہو وہ زیادہ اہتمام کے قابل ہیں تو ان میں) قسموں کو پختہ کرنے کے بعد (کہ وہ اللہ کا نام لینے سے پختہ ہو جاتی ہیں) مت توڑو اور تم (ان قسموں کی وجہ سے ان عہدوں میں) اللہ تعالیٰ کو گواہ بھی بنا چکے ہو (یہ قیدیں ﴿ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا ﴾ اور ﴿ قَدْ جَعَلْتُمُ ﴾ واقعی ہیں۔ پورا کرنے کے تقاضہ پر تنبیہ کے لئے ان کی تصریح کی گئی) بیشک اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ تم کرتے ہو (چاہے عہد کو پورا کرنا یا اس کا توڑنا، لہٰذا تمہیں اسی کے مطابق جزا وسزا دے گا) اور تم (عہد کو توڑ کر مکہ میں رہنے والی) اس (دیوانی) عورت کی طرح مت بنو جس نے اپنا سوت کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے نوچ ڈالا کہ (اس کی طرح) تم (بھی) اپنی قسموں کو (ٹھیک و پختہ کرنے کے بعد توڑ کر) آپس میں فساد پیدا کرنے کا ذریعہ بنانے لگو (کیونکہ قسم اور عہد توڑنے سے موافقت رکھنے والوں کو بے اعتباری اور مخالفوں میں بھڑکاؤ پیدا ہوتے ہیں اور فساد کی اصل جڑ ہے اور توڑنا بھی محض اس وجہ سے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے (اپنے لوگوں کی کثرت یا دولت کی زیادتی میں) بڑھ جائے (یعنی جیسے کافروں کے دو گروہوں میں آپس میں مخالفت ہو اور تمہاری ایک سے صلح ہو جائے، پھر دوسری طرف پلہ جھکتا ہوا دیکھ کر اس صلح والے گروہ سے تعلق توڑ کر دوسرے لوگوں سے سازش کر لے یا مثلاً

کوئی اسلام قبول کر کے مسلمانوں میں شامل ہو، اور پھر کافروں کا زور دیکھا ہو تو اسلام کا عہد توڑ کر مرتد ہو جائے اور یہ جو ایک گروہ دوسرے سے بڑھا ہوا ہوتا ہے یا کسی دوسری جماعت کے شامل ہونے سے بڑھ جاتا ہے تو) اس (بڑھنے اور زیادہ ہونے) سے اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کرتا ہے (کہ عہد کو پورا کرتے ہیں یا پلا جھکتا دیکھ کر ادھر جا کر مل جاتے ہیں) اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہے (اور مختلف راہیں چلتے رہے) قیامت کے دن ان سب کی حقیقت کو تمہارے سامنے (عملاً) ظاہر کر دے گا (کہ حق والوں کو جزا اور باطل والوں کو سزا ہو جائے گی۔ آگے اس اختلاف کی حکمت جملہ معترضہ کے طور پر مختصر انداز میں بیان فرماتے ہیں) اور (اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی قدرت تھی کہ اختلاف پیدا نہ ہونے دیتے، چنانچہ) اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتے، لیکن (حکمت کے تقاضہ کے مطابق جس کی تفصیل اور تعیین کرنا یہاں ضروری نہیں) جس کو چاہتے ہیں گمراہ کر دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں راستہ پر ڈال دیتے ہیں (چنانچہ ہدایت کی باتوں میں سے ایک عہد کو پورا کرنا بھی ہے اور گمراہیوں کی باتوں میں سے عہد کو توڑنا بھی ہے) اور (یہ نہ سمجھنا کہ جس طرح گمراہوں کو دنیا میں پوری سزا نہیں ہوتی ایسے ہی آخرت میں کھلے آزاد رہیں گے، ہرگز نہیں، بلکہ قیامت میں) تم سے تمہارے سارے اعمال کے بارے میں ضرور پوچھ تاچھ ہوگی اور (جس طرح عہد اور قسم توڑنے سے حسی نقصان ہوتا ہے جس کا اوپر بیان ہوا ہے۔ اسی طرح اس سے معنوی نقصان بھی ہوتا ہے۔ آگے اس کا ذکر ہے یعنی) تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ مت بناؤ (یعنی قسموں اور عہدوں کو مت توڑو) کبھی (اس کو دیکھ کر) کسی اور کا قدم جمنے کے بعد پھسل نہ جائے (یعنی دوسرے بھی تمہاری تقلید کریں اور عہد توڑنے لگیں) پھر تمہیں اس سبب سے کہ تم (دوسروں کے لئے) اللہ کے راستہ سے روکنے والے بنے تکلیف بھگتنی پڑے (کیونکہ عہد پورا کرنا اللہ کا راستہ ہے اور تم اس کو توڑنے کا سبب بن گئے اور یہی معنوی نقصان ہے کہ دوسروں کو بھی عہد توڑنے والا بنایا) اور (وہ تکلیف یہ ہوگی کہ اس حالت میں) تمہیں بڑا عذاب ہوگا اور (جس طرح غالب گروہ میں شامل ہو کر مقام و مرتبہ حاصل کرنے کی غرض سے عہد توڑنا منع ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا۔ اسی طرح مال حاصل کرنے کی غرض سے جو عہد توڑا جائے، اس کی ممانعت فرماتے ہیں:) تم لوگ اللہ کے عہد کے بدلہ میں (دنیا کا) تھوڑا سا فائدہ مت حاصل کرو (اللہ کے عہد کے معنی تو آیت کے شروع میں معلوم ہوئے اور ثمن قلیل یا تھوڑی قیمت سے مراد دنیا ہے کہ بہت زیادہ ہونے کے باوجود بھی تھوڑی ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:) پس اللہ کے پاس جو چیز ہے (یعنی آخرت کا ذخیرہ) وہ تمہارے لئے (دنیا کے سامان سے) بہت زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھنا چاہو (لہٰذا آخرت کی متاع یعنی سامان زیادہ ہوا اور دنیا کا سامان تھوڑا) اور (تھوڑے اور زیادہ کے فرق کے علاوہ دوسرا فرق فنا ہونے اور باقی رہنے کا بھی ہے، چنانچہ) جو کچھ (دنیا میں) تمہارے پاس ہے، وہ (ایک دن) ختم ہو جائے گا (چاہے زائل ہونے کی وجہ سے یا موت کی وجہ سے) اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ رہے گا اور جو لوگ (عہد کو پورا کرنے وغیرہ میں دین کے احکام پر) ثابت قدم ہیں، ہم ان کے اچھے کاموں کے بدلہ میں ان کا

اجر (کہ وہی باقی رہنے والی مذکورہ نعمت ہے) انہیں ضرور دیں گے (لہٰذا عہد کو پورا کر کے فنا نہ ہونے والی بہت ساری دولت کو حاصل کرو، اور تھوڑی و فنا ہونے والی کے لئے عہد کو مت توڑو)

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝﴾

ترجمہ: جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے اور ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔

ربط: اوپر خالص عمل یعنی عہد کو پورا کرنے کا اجر و فضل اور عہد توڑنے کی مذمت فرمائی تھی، اب نیک اعمال اور نیک عمل کرنے والے کا عام ہونا بیان کیا گیا ہے یعنی چاہے کوئی بھی نیک عمل ہو اور چاہے عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت کوئی بھی ہو۔ اور چونکہ عہد کا توڑنا اور اسی طرح تمام غیر صالح یعنی برے اعمال کا سبب شیطان کا بہکانا ہے، اس لئے اس کے بعد کی آیت میں اس کی برائی سے بچنے کا طریقہ بیان فرماتے ہیں۔

اچھے اعمال کی فضیلت:

(اور اجر و ثواب صرف عہد کو پورا کرنے میں ہی محدود نہیں اور نہ ہی کسی عمل کرنے والے کی تخصیص ہے، بلکہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ) جو شخص کوئی نیک کام کرے گا چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو بس شرط یہ ہے کہ ایمان والا ہو (کیونکہ کافر کے نیک اعمال مقبول نہیں ہیں) تو ہم اس شخص کو (دنیا میں تو) لطف والی زندگی دیں گے اور (آخرت میں) ان کے اچھے کاموں کے بدلہ میں ان کا اجر دیں گے۔

﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۝ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ۝﴾

ترجمہ: تو جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ یقیناً اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ بس اس کا قابو تو صرف ان ہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں اور ان لوگوں پر جو کہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

برے اعمال کی دعوت دینے والے سے حفاظت:

(اور جب نیک عمل کی فضیلت معلوم ہوئی اور اس میں کبھی کبھی شیطان رکاوٹ اور بگاڑ پیدا کیا کرتا ہے۔ چنانچہ کبھی

عہد کو پورا کرنے کے معاملہ میں بہکاتا ہے، کبھی دوسرے نیک عمل مثلاً قرآن پڑھنے کے معاملہ میں بہکاتا اور بگاڑ پیدا کرتا ہے) تو (اے محمد ﷺ آپ اور آپ کے واسطہ سے دوسرے مخاطب سن لیں کہ) جب آپ (کیسا ہی کام کرنا چاہیں، یہاں تک کہ) قرآن (بھی) پڑھنا چاہیں تو شیطان مردود (کی برائی) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں (یعنی دل سے اللہ پر نظر رکھنا اصلی واجب ہے کہ یہی استعاذہ یعنی پناہ مانگنے کی حقیقت ہے اور قرآن پڑھنے میں زبان سے بھی کہہ لینا مسنون ہے اور ہم پناہ مانگنے کا حکم، جس کا حاصل اللہ پر نظر رکھنا ہے، اس لئے کرتے ہیں کہ) یقیناً اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا (یعنی اس کا وسوسہ ان پر مؤثر نہیں ہوتا) جو ایمان رکھتے ہیں۔ اور اپنے رب پر (دل سے) بھروسہ رکھتے ہیں، بس اس کا قابو تو صرف انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں (اور اس کی مخالفت کا ارادہ نہیں کرتے، اس لئے) اللہ پر ان کی نظر اور بھروسہ نہیں، کیونکہ بھروسہ کا ارادہ تو وہ مخالفت کے ارادہ کے وقت کرتا) اور ان لوگوں پر (قابو چلتا ہے) جو کہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں (لہٰذا یہاں لفظ ﴿مُشْرِكُوْنَ﴾ ﴿اٰمَنُوْا﴾ کے مقابلہ میں ہے اور ﴿يَتَوَلَّوْنَهٗ﴾ ﴿يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ کے مقابلہ میں)

فائدہ: حیاتِ طیبہ یعنی لطف والی زندگی سے یہ مراد نہیں کہ اسے فقر یا مرض کبھی نہیں ہوگا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اطاعت کی برکت سے اس کے دل میں ایسا نور پیدا ہوگا جس کی وجہ سے وہ شاکر و صابر یعنی شکر و صبر کرنے والا اور اللہ کی رضا پر راضی اور اس کے فیصلوں کو تسلیم کر کے رہے گا اور جمعیت کی اصل یہی رضا ہے۔ اور پناہ مانگنے میں قرآن کو خاص قرار دینے میں یہ نکتہ ہے کہ قرآن کی شان ہے ﴿لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ﴾ یعنی باطل نہ اس کے آگے سے آتا ہے اور نہ ہی پیچھے سے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے اعمال کے مقابلہ میں اس میں شیطانی تصرف اور وسوسہ کم ہوتا ہے۔ اسی لئے مشہور ہے: دیو بگریزد ازاں قوم کہ قرآں خوانند یعنی جو لوگ قرآن پڑھتے ہیں جنات ان سے بچتے ہیں۔ اور بعض آیتوں اور سورتوں میں شیطان کو بھگانے کی تاثیر خاص طور سے منقول ہے۔ لہٰذا اس تخصیص میں معاملہ بہت زیادہ بڑھ گیا کہ جب ایسے معاملہ میں بھی پناہ چاہنے کا حکم ہے تو دوسرے نیک اعمال میں تو اور بھی زیادہ ضروری ہے اور پناہ مانگنے سے جو اصل مقصود ہے یعنی توکل، اس کے اعتبار سے حکم اپنے حقیقی معنی یعنی واجب ہونے پر قائم ہے اور قابو کے ہونے یا نہ ہونے کی بات گناہ کا حاصل کرانا یا نہ کراسکنا ہے۔ فقط

﴿وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ

لَا يَهْدِيهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝

ترجمہ: اور جب ہم کسی آیت کو بجائے دوسری آیت کے بدلتے ہیں اور حالانکہ اللہ تعالیٰ جو حکم بھیجتا ہے اس کو وہی خوب جانتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ افتراء کرنے والے ہیں۔ بلکہ انہیں میں اکثر لوگ جاہل ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اس کو روح القدس آپ کے رب کی طرف سے حکمت کے موافق لائے ہیں تا کہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور ان مسلمانوں کے لئے ہدایت اور خوش خبری ہو جاوے۔ اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ بھی کہتے ہیں کہ ان کو آدمی سکھلا جاتا ہے جس شخص کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی ہے۔ جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے ان کو اللہ تعالیٰ کبھی راہ پر نہ لاویں گے اور ان کے لئے دردناک سزا ہوگی۔ پس جھوٹ افترا کرنے والے تو یہی لوگ ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور یہ لوگ ہیں پورے جھوٹے۔

ربط: اوپر اصولوں میں سے توحید کا اور پھر رسالت کو ثابت کرنے کے میں ضمن میں مختصر انداز میں تمام فروع کا اور تفصیل کے ساتھ بعض فروع کے مضمون کا ذکر تھا۔ اب دوسری اصل یعنی رسالت سے متعلق مخالفوں کے شبہات کا جواب مع وعید کے بیان ہوا ہے۔

نبوت پر شبہات کا جواب مع وعید:

اور جب ہم کسی آیت کو دوسری آیت کی جگہ بدلتے ہیں (یعنی ایک آیت کو الفاظ یا معنی کے طور پر منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم بھیج دیتے ہیں) اور حالانکہ اللہ تعالیٰ (پہلی بار یا دوسری بار) جو حکم بھیجتا ہے (اس کی مصلحت) کو وہی بہتر طور پر جانتا ہے (مکلف لوگوں کی حالت کے اعتبار سے پہلے ایک مصلحت تھی، پھر دوسری مصلحت ہوگئی) تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ (اللہ پر) جھوٹ گھڑ لیتے ہیں (کہ اپنے کلام کی نسبت اللہ کی طرف کر دیتے ہیں، ورنہ اللہ کے احکام منسوخ کیوں ہوئے؟ غرض وہ لوگ منسوخ ہونے کو اللہ کے کلام کی نفی کے لئے لازم مانتے ہیں، اگرچہ منسوخ نہ ہونے کو اللہ کے کلام کے ثبوت کے لئے لازم نہیں مانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ آپ جھوٹ گھڑنے والے نہیں ہیں) بلکہ انہی میں اکثر لوگ جاہل ہیں (کہ منسوخ ہونے کو اللہ کے کلام کی نفی کے لئے بغیر کسی دلیل کے لازم مانتے ہیں) آپ (جواب میں) فرما دیجئے کہ (یہ کلام میرا بنایا ہوا نہیں بلکہ) اس کو روح القدس (یعنی جبرئیل علیہ السلام) آپ کے رب کی طرف سے حکمت (کے تقاضہ) کے مطابق لاتے ہیں (لہٰذا یہ اللہ کا کلام ہے اور احکام کی تبدیلی حکمت کی وجہ سے ہے اور یہ کلام اس لئے بھیجا گیا ہے) تا کہ ایمان والوں کو (ایمان پر) ثابت قدم رکھے اور ان مسلمانوں کے لئے ہدایت اور خوش خبری (کا ذریعہ) ہو جائے (اس غرض کو بڑھانے سے اشارہ ہوگیا کہ یہ لوگ ایسی نفع کی چیز سے فائدہ نہیں اٹھاتے) اور

ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ (دوسری بات) یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو تو آدمی سکھا جاتا ہے (اس سے ایک عجمی رومی آدمی مراد ہے جو نصرانی غلام تھا وہ لوہار کا کام کرتا تھا اور اس کا نام بلعام یا مقیس تھا۔ وہ حضور ﷺ کی باتیں دل لگا کر سنتا تھا اس لئے حضور کبھی کبھی اس کے پاس جا بیٹھتے تھے۔ وہ کچھ انجیل وغیرہ جانتا تھا، اس لئے کافروں نے یہ بات کہنی شروع کی کہ حضور کو یہ سکھا دیتا ہے۔ جیسا کہ الدر المنثور میں ہے۔ اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ قرآن مجید تو لفظ اور معنی کے مجموعہ کا نام ہے تو اگر تمہیں معنی کے پختہ معجزہ ہونے کی سمجھ اور تمیز نہیں تو الفاظ کی معجزہ والی بلاغت کو تو سمجھ سکتے ہو، لہٰذا اگر فرض کر لیا جائے کہ مضامین وہ شخص سکھا دیتا ہے تو یہ تو سوچو کہ یہ الفاظ کہاں سے آ گئے؟ کیونکہ) جس شخص کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں، اس کی زبان تو عجمی ہے، اور یہ قرآن صاف عربی ہے (اور عربی بھی ایسی کہ عرب کے تمام بلیغ وفصیح زبان استعمال کرنے والے اس کا چیلنج قبول کرنے سے عاجز ہو گئے تو بیچارہ عجمی ایسی عبارت کیسے بنا سکتا ہے؟ پھر کیسے احتمال ہو سکتا ہے کہ وہ شخص آپ کو قرآن سکھاتا ہو۔ اور یہ احتمال کہ وہ آپ کو مضمون سکھلا دیتا ہو اور آپ اپنے الفاظ میں ادا کر دیتے ہوں پہلے ہی مفقود ہے، کیونکہ آپ کی بھی ایسی زبان نہیں، پھر دوسرے بلیغ زبان استعمال کرنے والے کیسے عاجز آ گئے؟ اس مقام پر مقصود صرف تعلیم یعنی سکھانے کے الزام کا دور کرنا ہے تو اوپر والا بیان اس کے لئے کافی ہے۔ آگے ان کے ڈرانا اور دھمکی ہے کہ) جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے (جیسے یہ لوگ قرآن کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں) انہیں اللہ تعالیٰ کبھی راستہ پر نہیں لائیں گے اور ان کے لئے دردناک سزا ہوگی (اور یہ جو آپ کو نعوذ باللہ جھوٹ گھڑنے والا کہتے ہیں تو) جھوٹ گھڑنے والے تو یہی لوگ ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے (چنانچہ نبی کو جھوٹ گھڑنے والا کہنا کتنا بڑا جھوٹ ہے) اور یہ لوگ پورے جھوٹے ہیں (کیونکہ مخلوق پر جھوٹ کا الزام لگانے کے مقابلہ میں خالق پر جھوٹ کا الزام لگانا زیادہ سخت وشدید ہے۔ جب اللہ کے کلام کا انکار کیا تو اللہ پر جھوٹ کا الزام لگایا کہ ان کی کہی ہوئی بات کے بارے میں یہ کہا کہ نہیں کہی)

فائدہ: اور لفظ عجمی کبھی کبھی ایسے کلام کے لئے بھی بولا جاتا ہے جو واضح نہیں ہوتا اور اس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا، چاہے وہ عربی ہی کیوں نہ ہو۔ آیت میں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ خود اس شخص کی زبان و بیان شافی اور واضح نہیں۔

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: جو شخص ایمان لائے پیچھے اللہ کے ساتھ کفر کرے مگر جس شخص پر زبردستی کی جاوے بشرطیکہ اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو، لیکن ہاں جو جی کھول کر کفر کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور ان کو بڑی سزا ہوگی۔ یہ اس سبب سے ہوگا کہ انھوں نے دنیوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں عزیز رکھا اور اسی سبب سے ہوگا کہ اللہ ایسے کافر لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے اور یہ لوگ بالکل غافل ہیں۔ لازمی بات ہے کہ آخرت میں یہ لوگ بالکل گھاٹے میں رہیں گے۔

ربط: اوپر توحید اور رسالت کا انکار کرنے والے کافروں کے حق میں وعیدوں کا ذکر ہوا ہے۔ اب ﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ ﴾ میں خاص ان کے لئے وعید ہے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائیں۔ اور ﴿ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ ﴾ میں مجبور کے استثناء کا ذکر ہے۔

مرتد لوگوں کے لئے وعید اور مجبوروں کا استثناء:

جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے (اس میں رسول کے ساتھ کفر کرنا بھی داخل ہے) سوائے اس شخص کے جس پر (کافروں کی طرف سے) زبردستی کی جائے (کہ مثلاً اگر تو کفر کا فلاں کام نہ کرے گا تو تجھے قتل کر دیں گے) شرط یہ کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (یعنی عقیدہ میں فتور نہ آئے اور اس قول یا فعل کو برا سمجھتا ہو تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے یعنی اس کے لئے کفر کا عمل کرنا یا کفر کا لفظ کہنا جائز ہے۔ اور اس کے لئے وہ وعید نہیں ہے جو آگے بیان ہوئی ہے) لیکن جو دل کھول کر کفر کرے (یعنی اس کو صحیح اور اچھا سمجھے) تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا اور انہیں بڑی سزا ہوگی (اور) یہ (غضب اور عذاب) اس وجہ سے ہوگا کہ انھوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کیا اور اس وجہ سے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایسے کافر لوگوں کو (جو کہ دنیا کو ہمیشہ آخرت پر ترجیح دیں) ہدایت نہیں دیتا۔ (یہ دو وجہیں الگ الگ نہیں ہیں، بلکہ وجہوں کا مجموعہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ چونکہ اللہ کی عادت جاری ہے کہ فعل کے پختہ ارادہ کے بعد فعل پیدا ہو جاتا ہے اور اس پیدا کرنے پر فعل کا صدور مرتب ہوتا ہے، لہٰذا برے فعل کے صادر ہونے کا سبب عادی کا مجموعہ ارادہ کرنا اور پیدا کرنا ہے۔ آیت کا لفظ ﴿ اسْتَحَبُّوا ﴾ میں ارادہ کی طرف اشارہ ہے اور ﴿ لَا يَهْدِي ﴾ میں خلق یعنی پیدائش کی طرف) یہ وہ لوگ ہیں کہ (دنیا میں ان کے کفر پر اصرار کی یہ حالت ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے اور یہ لوگ (انجام سے) بالکل غافل ہیں (اس لئے) لازمی بات ہے کہ آخرت میں یہ لوگ بالکل گھاٹے میں رہیں گے۔

فائدہ: مجبور کرنے کے احکام تفصیل کے ساتھ فقہ کی کتابوں میں ملاحظہ کئے جائیں۔

﴿ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ﴾

ربع

ترجمہ: پھر بیشک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے کہ جنھوں نے بتلائے کفر ہونے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور قائم رہے تو آپ کا رب ان کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے۔

ربط: اوپر کفر پر وعید تھی چاہے وہ کفر اصلی یعنی شروع ہی سے ہو یا مرتد ہوجانے کی وجہ سے ہو۔ اب فرماتے ہیں کہ اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں تو یہ کفر اور اس کی وعید سب معاف اور دور ہو جائیں گے۔

ایمان کے اثر سے کفر کا ختم ہوجانا:

پھر (اگر یہ لوگ کفر کے بعد ایمان لے آئیں تو) بیشک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے کہ جنھوں نے کفر میں بتلا ہونے کے بعد (ایمان لاکر) ہجرت کی۔ پھر جہاد کیا اور (ایمان پر) قائم رہے (یعنی پھر مرتد نہیں ہوئے، ایمان سے نہیں پھرے) تو آپ کا رب (ایسے لوگوں کے لئے) ان (اعمال) کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے (یعنی ایمان اور نیک اعمال کی برکت سے ان کے گذشتہ سب گناہ کفر و شرک وغیرہ معاف ہوجائیں گے اور اللہ کی رحمت سے ان کو جنت اور اس میں بڑے بڑے درجے ملیں گے)

فائدہ: اس کے باوجود کہ مغفرت اور مطلق رحمت صرف ایمان لانے سے ہوجاتی ہے، مگر کامل رحمت کے اعلیٰ درجات بھی ملیں اس کے لئے عام حالات میں دوسرے اعمال کی بھی ضرورت ہے اور اگر آیت میں محض رحمت مراد لی جائے تب بھی مغفرت و رحمت کے لئے ایمان و اعمال کے مجموعہ کے سبب ہونے سے شرط ہونا لازم نہیں آتا۔ خوب سمجھ لو۔

﴿ يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ﴾

ترجمہ: جس روز ہر شخص اپنی ہی طرفداری میں گفتگو کرے گا اور ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جاوے گا۔

ربط: اوپر کافروں کے حق میں وعید اور مؤمنوں کے حق میں وعدہ کا بیان ہے۔ اب اس وعدہ اور وعید کے ظہور کا وقت بتاتے ہیں۔

جزاء کے دن کا ذکر:

(یہ جزا و سزا جس کا ذکر ہوا۔ اس دن واقع ہوگی) جس دن ہر شخص اپنے ہی بارے میں گفتگو کرے گا (اور دوسرے کو نہ پوچھے گا) اور ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا بدلہ ملے گا (یعنی نیکی کے بدلہ میں کمی نہ ہوگی چاہے زیادتی ہوجائے اور بدی کے بدلہ میں زیادتی نہ ہوگی چاہے کمی ہوجائے) اور (اس کا یہی مطلب ہے کہ) ان پر ظلم نہ کیا جائے گا (تو پورا کہنے میں ایک

جگہ زیادتی کی نفی ہے اور ایک جگہ کمی کی)

فائدہ: اس سے شفاعت کی نفی کا شبہ نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ وہ اپنی رائے سے نہ ہوگی، وہ اللہ کے حکم سے ہوگی، لہٰذا گویا یہاں شفاعت کرنے والوں کی طرف اس کی نسبت ہی نہیں اور یہاں اس گفتگو کا ذکر ہے جو اپنی رائے سے ہو۔

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ امن واطمینان میں تھے ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر چہار طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں۔ سو انھوں نے خدا کی نعمتوں کی بے قدری کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان حرکات کے سبب ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا۔ اور ان کے پاس ان ہی میں کا ایک رسول بھی آیا، سو اس کو انھوں نے جھوٹا بتایا تب ان کو عذاب نے پکڑا جب کہ وہ بالکل ہی ظلم پر کمر باندھنے لگے۔

ربط: اوپر کفر پر آخرت کے عذاب کی وعید ہے۔ اب بتاتے ہیں کہ کفر پر دنیاوی آفتوں کا نزول بھی کوئی ناممکن نہیں۔

دنیا میں کفر کی بعض آفتیں اگر چہ وہ لازم نہ ہوں:

اور اللہ تعالیٰ (کفر کے وبال پر تنبیہ کرنے کے لئے) ایک بستی والوں کی عجیب حالت بیان فرماتے ہیں کہ وہ (بڑے) امن واطمینان میں رہتے تھے (اور) ان کے کھانے پینے کی چیزیں ہر طرف سے بڑی فراغت کے ساتھ پہنچا کرتی تھیں، تو (اس کے بجائے کہ اس حالت میں نعمت دینے والی حقیقی ذات کا احسان مانتے اور اطاعت کرتے) انھوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی (یعنی اللہ کے ساتھ کفر وشرک کیا) اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان حرکتوں کی وجہ سے ایک گھیرنے والے قحط اور خوف کا مزا چکھایا (کہ بھوک وفاقہ کی وجہ سے فراغت والا رزق جاتا رہا اور خوف سے امن واطمینان فوت ہوگیا) اور (اس سزا میں حق تعالیٰ کی طرف سے کچھ جلدی نہیں کی گئی، بلکہ پہلے ان کی اصلاح کے واسطے) ان کے پاس (اللہ کی طرف سے) انہی میں کا ایک رسول بھی آیا (جس کے سچے اور امانت دار ہونے کا پورا حال انہی میں سے ہونے کی وجہ سے انہیں معلوم تھا) تو اس (رسول) کو (بھی) انھوں نے جھوٹا بتایا تب انہیں (اللہ کے) عذاب نے پکڑا۔ جب کہ وہ بالکل ہی ظلم پر کمر باندھنے لگے۔

فائدہ: اس کی وضاحت کے سلسلہ میں مفسرین کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ یہ مضمون مکہ والوں کو سنانا مقصود ہے۔ اور ﴿قَرْيَةً﴾ یعنی بستی سے کوئی خاص معین بستی مراد نہیں ہے، کیونکہ گذشتہ کافروں میں ایسی حالت بہت سی بستیوں کی ہوچکی ہے کہ حسی نعمت امن ورزق بھی تھا، اور معنوی نعمت رسول کا آنا بھی ہوا اور پھر بھی کفر کا راستہ اختیار کیا اور پکڑے گئے،

چنانچہ مکہ والوں کو سناتے ہیں کہ اگر تم بھی ایسا کرو گے تو تمہارا بھی یہی حال ہوگا۔ چنانچہ جب وہ کفر سے باز نہ آئے تو کچھ دن بعد قحط بھی پڑا اور مسلمانوں کے لشکروں کا ہر وقت کا اندیشہ بھی ان کے لئے مصیبت بن گیا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ بستی سے مراد مکہ ہے اور یہ مضمون مدینہ والوں کو سنانا مقصود ہے کہ تم ایسے مت بننا۔ جن علماء کی یہ رائے ہے انھوں نے اس آیت کو مدنی کہا ہے یہ مقاتل کا قول ہے۔ یہ دونوں قول روح المعانی میں منقول ہیں اور دونوں ہی سمجھ میں آنے والے ہیں۔ اور احقر نے عنوان میں "لازم نہ ہونا" اس لئے کہا کہ بعض اوقات کفر پر دنیا میں سزا واضح اور کھلی ہوئی نہیں ہوتی، ویسے اللہ کا قہر اور ناراضگی خود بڑی سزا ہے مگر کھلی ہوئی نہیں ہے، اور چونکہ دنیاوی سزا کے ہمیشہ ہونے اور رہنے کا دعوی نہیں کیا گیا، اس لئے کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ مقصود صرف ڈرانا ہے تو نقصان کا احتمال بھی ڈرانے کے لئے کافی ہے۔ ہاں! آخرت کی سزا یقینی اور لازم ہے اور امن واطمینان میں یہ فرق ہے کہ امن کی حقیقت دشمنوں وغیرہ کے خوف کا دور ہونا ہے اور اس امن کا اثر اطمینان ہے یعنی دل کا سکون کہ جب خوف نہ ہوگا تو سکون ہوگا۔

﴿ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: سو جو چیزیں اللہ نے تم کو حلال اور پاک دی ہیں، ان کو کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ تم پر تو صرف مردار کو حرام کیا ہے اور خون کو اور خنزیر کے گوشت کو اور جس چیز کو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو، پھر جو شخص کہ بالکل بے قرار ہو جاوے۔ بشرطیکہ طالب لذت نہ ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ بخش دینے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا جھوٹا زبانی دعوی ہے، ان کی نسبت یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلانی چیز حلال ہے اور فلانی چیز حرام ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگا دو گے۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ لگاتے ہیں وہ فلاح نہ پاویں گے۔ یہ چند روزہ عیش ہے اور ان کے لئے دردناک سزا ہے۔ اور صرف یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جن کا بیان ہم اس کے قبل آپ سے کر چکے ہیں اور ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی، لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر زیادتی کیا کرتے تھے۔

ربط: اوپر کفر و شرک کا دنیاوی اور اخروی وبال بیان ہوا ہے۔ اب اس کی فرع کے طور پر شرک و کفر کی بعض رسموں سے کہ وہ اپنی مرضی سے حرام اور حلال کرنا ہے، وعید سمیت منع فرماتے ہیں۔ چاہے مسلمانوں کو اس معنی میں خطاب ہو کہ تم ان جیسے کام مت کرنا چاہے کافروں کو اس معنی میں خطاب ہو کہ ان کاموں کو چھوڑ دو۔

شرک کی بعض رسموں سے رکنے کا حکم:

(جب کفر و شرک کا اصل اور فرع کے اعتبار سے مذموم ہونا معلوم ہو گیا) تو جو چیزیں اللہ نے تمہیں حلال و پاک دی ہیں، انہیں (یہ سوچ کر حرام مت سمجھو کہ شرک کی رسم ہے، بلکہ انہیں) کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو، اگر تم (واقعی طور پر یا اپنے زعم میں) اسی کی عبادت کرتے ہو (جیسے مسلمان واقعی اللہ کی عبادت کرتے تھے اور کافر بھی اس کے ذاتی طور پر مقصود ہونے کا دعوی کرتے تھے ﴿مَا نَعۡبُدُهُمۡ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ﴾۔ لہٰذا دونوں خطابوں پر آیت کے معنی واضح ہو گئے) تم پر تو (ان تمام چیزوں میں سے جن کے بارے میں تم بات کرتے ہو) صرف مردار کو اور خون کو اور خنزیر کے گوشت (وغیرہ) کو حرام کیا ہے۔ اور جس چیز کو اللہ کے سوا کسی اور کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو، پھر جو شخص کہ (فاقہ کے مارے) بالکل مجبور ہو جائے بشرطیکہ وہ لذت طلب کرنے والا نہ ہو اور نہ ہی حد (ضرورت) سے تجاوز کرنے والا ہو (اگر وہ ان چیزوں کو کھائے تو اس کے لئے) اللہ تعالیٰ بخش دینے والا مہربانی کرنے والا ہے اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا جھوٹا زبانی دعوی ہے (اور اس پر کوئی صحیح دلیل قائم نہیں) ان کے بارے میں یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے (جیسا کہ سورۃ الانعام آیت ۱۳۶ میں ان کے دعوے آچکے ہیں) جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگا دو گے (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مطابق تو نہیں کہا، بلکہ اس کے خلاف فرمایا ہے) بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، وہ فلاح نہ پائیں گے (چاہے دونوں جہاں میں یا آخرت میں) یہ (دنیا میں) چند دن کا عیش ہے اور (آگے مرنے کے بعد) ان کے لئے دردناک سزا ہے اور (یہ مشرک لوگ ابراہیمی ملت کا دعوی کرنے والے ہیں تو پاکیزہ چیزیں ان کی شریعت میں تو حرام نہیں تھیں، البتہ بہت دن بعد (ہم نے یہودیوں پر صرف وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جن کا بیان ہم اس سے پہلے (سورۂ انعام میں) آپ سے کر چکے ہیں۔ اور (ان کے حرام کرنے میں بھی) ہم نے ان پر (صورت کے لحاظ سے بھی) کوئی زیادتی نہیں کی لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر (نبیوں کی مخالفت کر کے) زیادتی کیا کرتے تھے (چنانچہ پاکیزہ چیزوں کو مقصود بنا کر تو حرام کبھی نہیں کیا گیا اور ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں کسی عارض کی وجہ سے بھی نہیں ہوئی، پھر تم نے یہ حکم کہاں سے گھڑ لیا؟)

فائدہ: ایسی آیتیں کئی جگہ آئی ہیں، وہاں تفسیر ملاحظہ کر لی جائے۔

﴿ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنۢ بَعۡدِ ذَٰلِكَ وَأَصۡلَحُوٓا إِنَّ رَبَّكَ مِنۢ بَعۡدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٩﴾﴾

ع ۱۵ / ۲۱

ترجمہ: پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنھوں نے جہالت کی وجہ سے برا کام کرلیا پھر اس کے بعد توبہ کرلی اور اپنے اعمال درست کرلئے تو آپ کا رب اس کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے۔

ربط: اوپر اللہ پر جھوٹ باندھنے کی مذمت اور اس پر وعید ہے۔ اب ایمان وتوبہ کا اس کے لئے معافی کا ذریعہ ہونے کا بیان فرماتے ہیں جیسا کہ ابھی اوپر بھی اسی مناسبت سے ایسی ہی آیت آچکی ہے۔

برے عمل کا توبہ سے ساقط ہونا:

پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنھوں نے جہالت کی وجہ سے برا کام (چاہے کچھ بھی ہو) کرلیا پھر اس کے بعد توبہ کرلی (اس طریقہ کے مطابق جو توبہ کے لئے مقرر ہے) اور (آئندہ کے لئے) اپنے اعمال درست کرلئے تو آپ کا رب اس (توبہ) کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا، بڑی رحمت کرنے والا ہے۔

فائدہ: جہالت کے معنی کے لئے سورۃ النساء کی آیت ۱۷ کی تفسیر اور ﴿ اَصْلَحُوْآ ﴾ کی قید کے سبب کے لئے نہ کہ شرط ہونے کے لئے۔ اسی سورۃ النحل کی آیت ۹۷ کی تفسیر مع فائدہ ملاحظہ فرمالیجئے۔

﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؁ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؁ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ؁ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؁ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَي الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؁﴾

ترجمہ: بیشک ابراہیمؑ بڑے مقتدا تھے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے، بالکل ایک طرف کے ہو رہے تھے اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکرگزار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو منتخب کرلیا تھا اور ان کو سیدھے رستہ پر ڈال دیا تھا۔ ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبیاں دی تھیں۔ اور وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں ہونگے۔ پھر ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی کہ آپ ابراہیمؑ کے طریقہ پر جو کہ بالکل ایک طرف ہو رہے تھے، چلیے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ بس ہفتہ کی تعظیم تو صرف ان ہی لوگوں پر لازم کی گئی تھی جنھوں نے اس میں خلاف کیا تھا۔ بیشک آپ کا رب قیامت کے دن میں باہم فیصلہ کردے گا جس بات میں یہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

ربط: اوپر کفر وشرک کے اصول وفروع یعنی توحید کے انکار، رسالت کے انکار، حلال کو حرام کرنے اور حرام کو حلال کرنے کو باطل قرار دیا گیا اور کہا گیا ہے کہ مکہ کے مشرک ان مضامین کے پہلے مخاطب تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں تھے اور خود کو ان کے طریقہ پر بتاتے تھے، انہیں سمجھانے کے لئے مذکورہ مضامین کی تقویت کی غرض سے۔

﴿ كَانَ أُمَّةً ﴾ میں ابراہیم علیہ السلام کا مخلوق کا دینی رہنما ہونا بیان فرماتے ہیں جس کا حاصل نبوت اور رسالت ہے۔ اور ﴿ لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾ میں مع آگے پیچھے کے مضامین کے ان کا مشرک نہ ہونا بیان فرمایا ہے کہ یہ توحید ہے اور ﴿ إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ ﴾ میں اشارہ ہے کہ پاکیزہ چیزیں ان کے یہاں حرام نہیں تھیں۔ اور ﴿ قَانِتًا ﴾ کا عام لفظ استعمال کر کے ان کے یہاں اپنی مرضی سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہ کرنا بیان کیا ہے اور ﴿ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ، وَاٰتَيْنٰهُ ﴾ میں اسی طریقہ کی اور دوسرے طریقہ والے کی فضیلت اور درمیان میں ﴿ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ﴾ میں جناب رسول اللہ ﷺ کا اس طریقہ پر ہونا اور رسالت کا ثابت ہونا بیان فرماتے ہیں، تا کہ ان کو ابراہیمی ملت کے مخالف اپنے طریقہ کو ترک کرنے کی اور ابراہیم علیہ السلام کے موافق حضور ﷺ کے طریقہ کے اختیار کرنے کی ترغیب ہو، جس کے لئے خاص طور سے محمد ﷺ کی رسالت کے انکار سے باز آنا بھی ہے۔

محمد ﷺ کی ملت کی اتباع کی ترغیب کے واسطے ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت کا بیان جو باہم دیگر ہم آہنگ ہیں:

بیشک ابراہیم (علیہ السلام۔ جن کو تم بھی مانتے ہو) بڑے دینی رہنما (یعنی بلند ارادوں والے تھے، ایک عظیم امت جن کی اتباع کرتی تھی) پھر نبوت کے مسئلہ میں کلام کے کیا معنی اور (اللہ تعالیٰ کے پورے) فرماں بردار تھے (اپنی نفسانی خواہش سے کوئی عقیدہ یا عمل نہیں کرتے تھے، پھر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے میں بغیر دلیل کے اپنی نفسانی خواہش کے پیروی کیوں کرتے ہو؟ اور وہ) بالکل ایک (اللہ کی) طرف ہو رہے تھے اور (ایک کی طرف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے (بلکہ خالص توحید پسند تھے، پھر تم شرک کیوں کرتے ہو، اور وہ) اللہ کی نعمتوں کے (بڑے) شکر گذار تھے (پھر تم شرک و کفر کر کے ناشکری کیوں کرتے ہو؟ جیسا کہ اوپر آیا ہے ﴿ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ ﴾ غرض ابراہیم علیہ السلام کی یہ شان اور طریقہ تھا اور وہ ایسے مقبول تھے کہ) اللہ تعالیٰ نے انہیں منتخب کر لیا تھا اور انہیں سیدھے راستہ پر چلا دیا تھا اور انہیں ہم نے دنیا میں بھی خوبیاں (نبوت۔ انتخاب اور ہدایت وغیرہ) دی تھیں اور وہ آخرت میں بھی (اعلیٰ درجہ کے) اچھے لوگوں میں ہوں گے (لہٰذا ایسے مقبول کا جو طریقہ ہوگا وہ بالکل مقبول ہوگا اس کو اختیار کرنا چاہئے اور وہ اب محمد ﷺ کے طریقہ میں محدود ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر فرماتے ہیں کہ) پھر ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر جو کہ بالکل ایک (اللہ کی) طرف ہو رہے تھے اس حیثیت سے کہ وہی آپ کی شریعت ہے) چلئے اور (چونکہ ان کی اتباع کا دعوی کرنے والے مشرک اور اہل کتاب کچھ نہ کچھ شرک میں مبتلا تھے، اس لئے دوبارہ فرماتے ہیں کہ وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے (تا کہ مشرکوں کے ساتھ یہود و نصاری کے موجودہ طریقہ کی بھی نفی ہو جائے اور جس طرح دوبارہ اہتمام کے لئے شرک کی نفی فرمائی کہ ایسی رسموں میں زیادہ مبتلا تھے باوجودیکہ ﴿ قَانِتًا ﴾

کے عموم میں اسی طرح اہتمام کے لئے صراحت کے ساتھ پاکیزہ چیزوں کے حرام ہونے کی نفی کی طرف دوبارہ قریبی اشارہ فرماتے ہیں کہ) بس ہفتہ کی تعظیم (یعنی اس دن مچھلی کے شکار کی ممانعت جو پاکیزہ چیزوں کے حرام ہونے کی ایک شکل ہے، وہ) تو صرف انہی لوگوں پر لازم کی گئی تھی جنھوں نے (آخر میں) اس میں (عملی شکل میں) اختلاف کیا تھا کہ کسی نے مانا اور عمل کیا اور کسی نے نہ مانا (خلاف روزی کی۔ اس سے یہودی مراد ہیں، یعنی پاکیزہ چیزوں کے حرام کرنے میں یہ صورت دوسری صورتوں کی طرح صرف یہود کے ساتھ مخصوص تھی، ابراہیمی ملت میں نہیں تھی۔ آگے احکام میں اختلاف کرنے سے متعلق فرماتے ہیں کہ) بیشک آپ کا رب قیامت کے دن ان میں آپس میں (عملی طور پر) فیصلہ کردے گا، جس بات میں یہ (دنیا میں) اختلاف کیا کرتے تھے۔

فائدہ: ﴿ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ ﴾ میں صرف پاکیزہ چیزوں کو حرام کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اشارہ کو دہرانے میں اس کی تخصیص شاید اسی لئے ہو کہ اس میں شرک کا شائبہ تھا کہ اس حرام کرنے کا سبب بتوں کی تعظیم تھی، جو حرام کو حلال کرنے کے برخلاف کہ اس میں اپنے آپ میں مستقل غلطی تھی، اس میں بتوں کی تعظیم کا دخل نہیں تھا اور پھر پاکیزہ چیزوں کو حرام کرنے کی صورتوں میں سے مناسبت یعنی ہفتہ کے ذکر سے صرف مچھلی کو حرام کرنے کو مثال میں لانا شاید اس لئے ہو کہ دوسری پاکیزہ چیزوں کے حرام ہونے کا اوپر ﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا ﴾ الخ میں ذکر آچکا تھا۔ واللہ اعلم

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۚ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝ ﴾ ع ۲۲

ترجمہ: آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ بلائیے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔ آپ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو اس کے راستہ سے گم ہوا اور وہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ اور اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے۔ اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے۔ اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا خاص خدا ہی کی توفیق سے ہے اور ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ تدبیریں کیا کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہوجیے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیزگار ہوتے ہیں اور جو نیک کردار ہوتے ہیں۔

ربط: اوپر ﴿ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ﴾ الخ میں حضور ﷺ کی رسالت ثابت کرنے سے یہ مقصود تھا کہ انہیں جن کی

طرف بھیجا گیا ہے، وہ اس رسالت کے حقوق ادا کریں یعنی تصدیق اور اتباع کریں۔ اب خود رسول اللہ ﷺ کو رسالت کی ادائیگی کے حقوق و آداب کی تعلیم ہے جن میں سے انتقام میں عدل و انصاف کی رعایت میں خاص طور سے اور آپ کی اتباع کرنے والوں کو بھی عام طور سے خطاب ہے، کیونکہ انتقام میں عام حالات میں اتباع کرنے والوں کا شریک ہونا ضروری ہے۔ آیت میں مذکورہ تبلیغ و دعوت اور باقی احکام کے برخلاف کہ نبی سے انفرادی طور پر یعنی اکیلے بھی یہ صادر ہوسکتا ہے، اس لئے اس میں خطاب خاص ہے۔

آدابِ تبلیغ: انتقام کے معاملہ میں رخصت اور عزیمت کے احکام:

آپ اپنے رب کے واسطہ (یعنی دین) کی طرف (لوگوں کو) علم کی باتوں (کے ذریعہ سے، جن سے اصل مقصود کو ثابت کیا جاتا ہے) اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے (جن سے رغبت و شوق دلانا، ڈرانا اور دل کو نرم کرنا مقصود ہوتا ہے) بلایئے اور (بحث کا موقع آپڑے تو) ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے (کہ جن میں سختی اور اکڑ پن نہ ہو) بحث کیجئے (بس اتنا کام آپ کا ہے، پھر آپ اس تحقیق میں نہ پڑیئے کہ کس نے مانا اور کس نے نہیں مانا، کیونکہ یہ کام اللہ کا ہے۔ لہٰذا) آپ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو اس کے راستہ سے بھٹک گیا اور وہی سیدھے راستہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ اور (اگر کبھی کافر لوگ علمی بحث کی حد سے گذر کر عملی لڑائی تک پہنچ جائیں اور ہاتھ یا زبان سے تکلیف پہنچائیں تو اس میں آپ کو مع آپ کی اتباع کرنے والوں کے بدلہ لینا بھی جائز ہے، کہ یہ رخصت ہے اور صبر کرنا بھی جائز ہے کہ یہ عزیمت ہے، لہٰذا (اگر پہلی صورت اختیار کرو یعنی بدلا لینے لگو تو اتنا ہی بدلا لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے (اس سے زیادتی مت کرو) اور اگر (دوسری صورت اختیار کرو، یعنی ان کے تکلیف پہنچانے پر) صبر کرو تو وہ (صبر کرنا) صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے (کہ مخالف پر بھی) اچھا اثر پڑتا ہے اور دیکھنے والوں پر بھی اور آخرت میں عظیم اجر کا سبب ہے) اور (اس کے باوجود کہ صبر کرنا عام طور سے سب کے لئے عزیمت ہے، لیکن خاص طور سے آپ کے لئے شان کی عظمت کی وجہ سے دوسروں سے زیادہ عزیمت ہے۔ اس لئے آپ کو خصوصیت کے ساتھ حکم ہے کہ) آپ صبر کیجئے اور (چونکہ) آپ کا صبر کرنا خاص اللہ ہی کی (خاص) توفیق سے ہے (اس لئے آپ تسلی رکھیں کہ صبر میں آپ کو دشواری نہ ہوگی) اور ان (لوگوں کی مخالفت) پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ (مخالفت میں) تدبیریں کیا کرتے ہیں، اس سے تنگ نہ ہوں (اس سے آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، کیونکہ آپ کی صفت تقویٰ و احسان ہیں، اور) اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے (یعنی ان کا مددگار ہوتا ہے) جو پرہیزگار ہوتے ہیں اور نیک کردار ہوتے ہیں۔

فائدہ: حکمت یعنی علم کی بات اور موعظت حسنہ یعنی اچھی نصیحت اور جدال یعنی اچھے طریقہ سے بحث کی تفسیر سے خود ان میں فرق معلوم ہوگیا اور یہ تفسیر زیادہ بہتر اور عربی الفاظ کے معنی سے زیادہ قریب ہے۔ اس کے مقابلہ میں کہ اصطلاحی

برہان، خطابت اور جدال پر محمول کیا جائے، جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے۔ اس میں تکلف کے علاوہ ایک کمی یہ ہے کہ حکمت اور موعظت اور جدال کے مخاطب الگ الگ قسم کے لوگ ہوں گے حالانکہ آگے کے ذوق سے یہ بات سمجھ سے دور معلوم ہوتی ہے۔ اور جاننا چاہئے کہ حکمت میں اصل قطعی دلیلیں ہیں، جن کو برہان کہتے ہیں اور بظاہر قرآن میں کثرت سے خطاب، عادت اور ظن وگمان کی دلیلوں کا استعمال کیا گیا ہے۔ تو اصل یہ ہے کہ ایسے کسی معاملہ پر ظن وگمان والا استدلال نہیں کیا گیا جس پر برہانی یعنی عقلی دلیل قائم نہ ہو، بلکہ وہ سب دعوے عقلی دلیل والے ہیں لیکن مخاطب لوگوں کی عقل وسمجھ کی رعایت اور ان کی آسانی کے لئے الفت ومحبت والے عنوان اختیار کئے گئے ہیں، لہٰذا اس سے کوئی شبہ نہ کرے کہ قرآن نے تلاش وجستجو وغیرہ کو حجت مانا ہے اور اس بنا پر قرآن والے، مخالفوں کی ایسی دلیلوں پر بے تکلف کلام کرنے کا حق رکھتے ہیں جب تک کہ وہ کوئی عقلی دلیل پیش نہ کریں۔ خوب سمجھ لو۔

اور ﴿ اِلَّا بِاللّٰہِ ﴾ کے ترجمہ میں توفیق کو خاص کے ساتھ اس لئے مقید کیا گیا کہ اللہ کی توفیق کے بغیر تو کوئی شخص بھی صبر بلکہ کوئی نیک عمل بھی نہیں کرسکتا، پھر آپ کی اس میں کیا تخصیص ہے؟ اس قید سے تخصیص کی وجہ معلوم ہوگئی یعنی توفیق کے مختلف مرتبے ہیں: مطلق نفس توفیق تو مشترک ہے لیکن نبیوں علیہم السلام کے ساتھ خاص اور زیادہ عنایت ہوتی ہے اور اس کا ان کے اعمال میں اثر ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
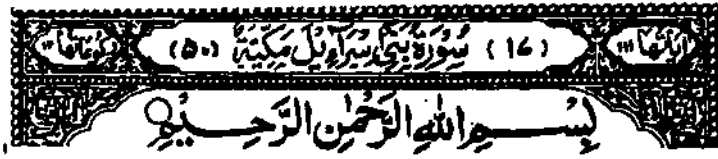
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں۔

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ ﴾

ترجمہ: وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندہ کو شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں کررکھی ہیں، لے گیا، تاکہ ہم ان کو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھاویں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے، بڑے دیکھنے والے ہیں۔

تعارف:

اس سورت میں زیادہ مضامین توحید سے متعلق ہیں جو انعامات اور رسالت کے ضمن میں بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ معراج کے قصہ سے اس کی ابتدا کی گئی جو کہ عظیم معجزہ یعنی عادت کے خلاف واقعہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی پاکی کے ساتھ رسالت پر دلالت کرتی ہے اور اس مضمون سے اس کی ابتدا سورۂ نحل کے ختم والے مضمون سے بھی مناسبت رکھتی ہے اور رسالت کی تقویت کے لئے موسیٰ اور نوح علیہما السلام کا ذکر لایا گیا۔ اور اس کی تصدیق کی ترغیب کے لئے نوح علیہ السلام کے طوفان سے نجات، اور جھٹلانے پر ڈرانے کے لئے بنی اسرائیل کے فساد کا اور ان کی سزا کا قصہ سنایا گیا۔ پھر قرآن کو جو کہ رسالت کی دلیل ہے ہدایت دینے والا بتایا گیا۔ اس کے بعد عذاب میں توقف کی وجہ سے جو رسالت پر شبہ تھا اس پر کلام کیا گیا۔ عذاب کا وقت بتایا گیا۔ گذشتہ بستیوں کا عذاب سنایا گیا، دنیا کی مذمت کی گئی جس کی محبت ایمان کے راستہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔ آگے قرآن کے بعض احکام بتائے گئے ہیں جن کے الفاظ کے معجزہ کا درجہ رکھنے اور معنوی خوبی سے رسالت پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد توحید کو ثابت کیا گیا ہے۔ پھر قرآن اور رسالت کی بحث ہے اور رسالت پر جو بعث سے متعلق خبر دینے پر شبہ تھا، اس کا جواب ہے۔ پھر انکار اور اعتراض پر جو مسلمانوں کو غصہ آجاتا تھا اس میں نرمی کا حکم ہے۔ پھر داؤد علیہ السلام کی رسالت سے محمد ﷺ کی رسالت کی تقویت ہے۔ پھر شرک کا باطل ہونا بیان کیا گیا ہے، اس کے بعد انکار پر وعید ہے۔ آگے رسالت سے متعلق ایک شبہ کا جواب ہے۔ آگے مخالفت کا نقصان ظاہر کرنے کے لئے ابلیس کا نقصان بیان کیا گیا ہے اس کے بعد توحید کی دلیلیں ہیں۔ آگے مخالفت پر قیامت کی وعید ہے، پھر کچھ رسالت سے

متعلق مضمون ہے، اس کے بعد قرآن کے بعض آثار اور انکار کرنے والوں کی ناشکری پر رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے، اس کے بعد سورت کے آخر تک رسالت سے متعلق بحث ہے اور ساتھ ساتھ کچھ وعید کے مضامین بھی چلتے رہے ہیں۔ اس بیان سے اس سورت کے حصوں کا آپس میں ربط اور اس کی ابتدا کی گذشتہ سورت کے آخری حصہ سے مناسبت اور دونوں سورتوں میں توحید اور رسالت کے مشترک ہونے مع کمی وزیادتی سے قطع نظر: ظاہر ہے۔

معراج کا مختصر قصہ:

اس کی ذات پاک ہے جو اپنے بندہ (محمد ﷺ) کو رات کے وقت مسجدِ حرام (یعنی خانہ کعبہ کی مسجد) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک لے گیا جس کے آس پاس (کہ ملک شام ہے) ہم نے (دینی اور دنیاوی) برکتیں کر رکھی ہیں (دینی برکت یہ ہے کہ وہاں کثرت سے نبی دفن ہیں) اور (دنیاوی برکت یہ ہے کہ وہاں درختوں، نہروں اور پیداوار کی کثرت ہے۔ غرض اسی مسجد اقصیٰ تک عجیب طریقہ سے اس واسطے لے گیا) تاکہ ہم انہیں (بندہ کو) اپنی (قدرت کی) کچھ عجیب نشانیاں دکھائیں (جن میں بعض تو خود وہاں سے متعلق ہیں، مثلاً اتنا لمبا سفر بہت تھوڑی مدت میں طے کرنا، سارے نبیوں علیہم السلام کو دیکھنا، ان کی باتیں سننا وغیرہ۔ اور بعض آگے سے متعلق ہیں۔ مثلاً آسمانوں پر جانا اور بہت ساری عجیب عجیب نشانیاں دیکھنا) بیشک اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے، بڑے دیکھنے والے ہیں (چونکہ رسول مقبول ﷺ کے اقوال کو سنتے اور احوال کو دیکھتے تھے، اس لئے انہیں اس طرح معزز اور مقرب بنایا)

فائدہ: اس مقام پر چند تنبیہیں اور چند تحقیقیں ہیں اور چند اشکالات کو دور کیا گیا ہے:

پہلی تنبیہ: لفظ سبحان، پاکی بیان کرنے اور تعجب کے اظہار کے لئے استعمال ہوتا ہے، چونکہ یہ لے جانا عجیب عمل تھا اور عجیب ہونے کی وجہ سے اللہ کی عظیم قدرت پر دلالت کرتا ہے، اس لئے سورت کا اس سے شروع کرنا مناسب ہوا۔ اور اسی لئے احقر نے ترجمہ میں لفظ "عجیب طور پر" کو ظاہر کر دیا اور یہ جانا براق کے ذریعہ تھا جیسا کہ صحیح حدیثوں میں ہے، جس کی رفتار بھی بجلی کی طرح بہت عجیب تھی۔

دوسری تنبیہ: مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اس لے جانے کو اسراء کہتے ہیں اور آگے آسمانوں پر جانے کو معراج کہتے ہیں، اور کبھی کبھی دونوں لفظ مسجد اقصیٰ تک اور پھر آسمانوں پر لے جانے کے لئے بولے جاتے ہیں۔

تیسری تنبیہ: یہاں ﴿ بِعَبْدِهٖ ﴾ کہنے میں دو فائدے ہیں: ایک تو آپ کی قربت اور قبولیت کا اظہار اور دوسرے یہ کہ اس عجیب معجزہ کی وجہ سے کوئی آپ کے بارے میں اللہ یا معبود ہونے کا شبہ نہ کر سکے۔

چوتھی تنبیہ: اس کے باوجود کہ اسریٰ رات کے وقت چلنے کو ہی کہتے ہیں، لیلاً یعنی رات کے وقت کی وضاحت اس لئے ہے کہ عرف اور محاوروں کے اعتبار سے رات کے کچھ حصہ پر دلالت ہو اور زیادہ دلالت قدرت پر کرے کہ رات کے

تھوڑے حصہ میں اتنا لمبا سفر طے کرلیا گیا، اور تبعیض یعنی تھوڑے سے حصہ پر دلالت کی وضاحت عبد القاہر سے اور اس کی توجیہ سیبویہ اور ابن مالک سے روح المعانی میں اس طرح نقل کی گئی ہے: **الیل و النہار إذا عرفا کانا معیار التعمیم وظرفا محدودا بخلاف المنکر فلما عدل عن تعریفہ علم انہ لم یقصد استغراق السری**: یعنی لفظ لیل ونہار جب معرفہ ہوتے ہیں تو عموم کے لئے معیار اور ظرف محدود ہوتے ہیں، اس کے برخلاف جب نکرہ ہوتے ہیں پس جب آیت میں نکرہ لایا گیا تو معلوم ہوا کہ رات بھر چلنا نہیں ہوا۔

پانچویں تنبیہ: لفظ مسجد حرام کبھی صرف حرم کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور یہاں دونوں معنی صحیح ہوسکتے ہیں، کیونکہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ آپ اس وقت حطیم میں تشریف رکھتے تھے اور بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ ام ہانی کے گھر میں تھے۔ اس لئے آیت سے دونوں معنی مراد لئے جاسکتے ہیں اور دونوں حدیثوں میں تطبیق کی وجہ بہت آسان ہے کیونکہ ام ہانی کے گھر سے حطیم میں آنا اور وہاں سے آگے جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

چھٹی تنبیہ: بیت المقدس کا نام مسجد اقصیٰ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ عربی میں اقصیٰ کے معنی ہیں: بہت دور، چونکہ وہ مسجد مکہ معظمہ سے بہت دور ہے، اس لئے اس کو اقصیٰ کہا گیا۔

ساتویں تنبیہ: اس کے باوجود کہ عجیب نشانیوں کا مشاہدہ آپ کو لے جائے بغیر بھی ممکن تھا، اس لئے جانے میں اور اسی طرح سوار کرنے میں آپ کی عزت واکرام اور آپ کا اظہار شان ہے، اس لئے آپ کو اس طرح لے گئے۔

آٹھویں تنبیہ: رات کی تخصیص میں یہ حکمت لکھی ہے کہ یہ وقت عام طور سے خلوت وتنہائی کا ہوتا ہے، اس وقت میں بلانا زیادہ خصوصیت کی دلیل ہے۔

نویں تنبیہ: یہاں مسجد اقصیٰ سے مراد صرف اسی مسجد کی زمین ہے کہ حقیقت میں مسجد اصل کے لحاظ سے زمین ہی ہوتی ہے، اور عمارت تو اس کے تابع ہونے کے اعتبار سے مسجد ہوتی ہے، اس مراد لینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ امر تاریخ سے ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور حضور ﷺ کے زمانہ کے درمیان میں اس کی عمارت منہدم کردی گئی تھی جیسا کہ جلدی ہی آیت ﴿ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ کی تفسیر میں بیان ہوگا۔ اس لئے ظاہری طور پر شبہ ہوتا ہے کہ جب اس وقت مسجد اقصیٰ کا وجود ہی نہیں تھا تو پھر وہاں تک لے جانے کے کیا معنی ہیں۔ لہٰذا اس مراد کی تعیین سے وہ شبہ جاتا رہا، اگر اس حدیث پر شبہ ہو کہ اعتراض کرنے والے کافروں نے آپ سے بیت المقدس کی ہیئت اور کیفیت معلوم کی تھی اس کے کیا معنی ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اول تو منہدم عمارت کی ہیئت وکیفیت دریافت کرنا بھی ممکن ہے۔ اس کے علاوہ اس زمین کے آس پاس لوگوں نے کچھ عمارتیں بیت المقدس کے نام سے بنائی تھیں۔ ان سے متعلق سوال کرنا بھی ممکن ہے۔

ضمیمہ: یہ جو کچھ اوپر بیان ہوا تفسیر حقانی سے نقل کیا گیا تھا۔ بعد میں اس سے متعلق ایک دوست کا خط آیا جس سے مسجد کی عمارت کا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد تک باقی ہونا معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اس خط کو مع اپنے جواب کے جوں کا توں نقل

کیا جاتا ہے:

سوال: حضرت والا نے نویں تنبیہ میں فرمایا ہے کہ یہاں مسجد اقصیٰ سے صرف اس مسجد کی زمین مراد ہے...... بندہ نے اس سے متعلق بعض وجوں سے تاریخ کی مختلف کتابوں کو دیکھا سب سے زیادہ معتبر تاریخ محمد بن جریر الطبری کو دیکھا، اس میں خلافت فاروقی ۱۵ھ کے واقعات چوتھی جلد میں یہ عبارت درج ہے، جوں کا توں پیش کرتا ہوں۔

قال لما شخص عمر من الجابية إلى ايلياء فدنا من باب المسجد قال ارقبوا لي كعبا فلما انفرق به الباب قال لبيك اللهم لبيك بما هو احب إليك ثم قصد المحراب محراب داؤد عليه السلام وذلك ليلاً فصلى فيه ولم يلبث ان طلع الفجر فأمر المؤذن بالإقامة فتقدم وصلى بالناس وقرأبهم ص وسجد فيها ثم قال وقرأ بهم في الثانية صدر بني إسرائيل ثم ركع ثم انصرف فقال علي بكعب فأتي به فقال اين ترى أن نجعل المصلى فقال إلى الصخرة فقال ضاهيت والله اليهودية يا كعب وقد رأيتك وخلعك نعليك فقال احببت أن أباشره بقدمي فقال قد رأيتك بل نجعل قبلته صدره كما جعل رسول الله صلى الله عليه وسلو قبلة مساجدنا صدورها اذهب إليك فانا لم نؤمر بالصخرة ولكنا أمرنا بالكعبة فجعل قبلته صدره ثم قام من مصلاه إلى كناسة قد كانت الروم قد دفنت بها بيت المقدس في زمان بني إسرائيل فلما صار إليهم ابرزوا بعضها وتركوا سائرها وقال يا أيها الناس اصنعوا كما أصنع وجثا في أصلها وحثا في فرج من فروج قبائه وسمع التكبير من خلفه وكان يكره سوء الرعة في كل شيء فقال ما هذا فقالوا كبر كعب وكبر الناس بتكبيره فقال علي به فأتي به فقال يا أمير المؤمنين أنه حدثنا علي ما صنعت اليوم بني منذ خمس مائة فقال وكيف فقال ان الروم إنما روا على بني اسرائيل فاديلوا عليهم مدفنوه ثم اديلوا فلم يفرغوا له حتى اغارت عليهم فارس فبغوا على بني اسرائيل ثم اديلت الروم عليهم إلى أن وليت فبعث الله نبيا على الكناسة فقال أبشري اوَرِى شلم عليك الفاروق ينقيك مما فيك إلخ

اس سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک مسجد کے دروازہ کا باقی ہونا، داؤد علیہ السلام کی محراب کا موجود ہونا، صخرہ کا اپنے مقام پر رہنا اور مسجد کو کوڑا گھر بنانا اور اس کو پاٹ دینا اور اس کے کچھ حصہ کا ظاہر رکھنا اور باقی کا کوڑے کا ڈھیر بناڈالنا ثابت ہوتا ہے۔ بالکل منہدم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اور پھر عمر فاروق کے اس کو صاف کرنے کا بیان ہے نہ کہ منہدم کی تعمیر۔ مولوی شبلی صاحب نے الفاروق حصہ دوم ص ۹۶ پر لکھا ہے: سب سے پہلے مسجد میں گئے، محراب داؤد کے پاس پہنچ کر سجدہ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ اور طبری سے کہیں کہیں سے کچھ باتیں لی ہیں اور تفسیر عزیزی میں ﴿ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ ﴾ کی تفسیر میں کوڑے کا ڈھیر بنانے اور خنزیر وغیرہ ڈلوانے کا ذکر کیا ہے۔ بہر حال بیت المقدس کی مسجد کی

عمارت کا باقی رہنا لیکن ویران حالت پر رکھ چھوڑنا اور کوڑے اور گندگی کا ڈھیر بنانا ثابت ہوتا ہے نہ کہ منہدم ہونا۔ اس صورت میں معراج والی حدیث پوری کی پوری اپنی حالت پر رہتی ہے، اور آپ نے ام ہانی کی جو حدیث نقل فرمائی ہے وہ بھی اپنی جگہ رہتی ہے، کیونکہ اس میں دروازوں کا موجود ہونا ثابت ہوتا ہے، اگر کافروں کو وہ دروازے معلوم نہ ہوتے تو رسول اللہ کا ایک ایک کو شمار کر کے بتانا اور ان کا یقین کرنا پردہ کے پیچھے چلا جاتا ہے، اس سلسلہ میں آپ کی جو رائے ہو اس سے باخبر فرمائیں۔

جواب: جزاکم اللہ تعالیٰ۔ میری خود تاریخ پر نظر نہیں ہے، میں نے سب کچھ تفسیر حقانی سے نقل کیا تھا اور وہی حوالہ بھی دیا تھا۔

دسویں تنبیہ: ﴿الَّذِیْ بٰرَكْنَا﴾ تعریف کے طور پر بڑھایا ہے اور اس سے خود اس مسجد کا مبارک ہونا اچھی طرح معلوم ہوگیا کیونکہ جب اس کے آس پاس مسجد نہ ہونے کے باوجود برکت ہے تو خود اس میں تو ضرور برکت ہوگی، کیونکہ آس پاس دو قسم کی برکتیں ہیں: ایک دنیاوی تو اس سے تو دینی برکت ضرور زیادہ ہے اور دوسری دینی کہ نبیوں کا مدفن ہے تو دفن ہونا صرف جسم کا ڈھانپ دینا ہے اور قبلہ ہونا جیسا کہ اکثر نبیوں علیہم السلام کا وہ قبلہ رہا ہے روح کا ڈھانپنا ہے اور یہ برکت کا زیادہ سبب ہوگا۔ خاص طور سے جبکہ وہاں نبی رہ کر عبادت کریں کہ جسم کا ڈھانپنا بھی ہو جائے گا کیونکہ وہ قبلہ ہونے کے ساتھ ساتھ اکثر انبیاء کے عبادت کرنے کی جگہ رہا ہے، لہٰذا اس طرح خود اس مسجد کے مبارک تر ہونے پر دلالت ہوگئی، چنانچہ بعض کتابوں میں جو لکھا ہے کہ جس جگہ رسول اللہ ﷺ کا جسم رکھا ہے وہ عرش سے بھی افضل ہے اس کو جزوی فضیلت ماننا مناسب ہے۔ واللہ اعلم

گیارہویں تنبیہ: ﴿لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ میں نشانیوں کا مطلب جو کہ عرف میں عظمت اور کمال پر دلالت کرتا ہے اور آسمانی نشانیاں خاص طور سے جبکہ آسمانوں پر انبیاء بھی تھے جیسا کہ معراج سے متعلق حدیثوں میں ہے زمینی نشانیوں سے زیادہ عظیم اور زیادہ کامل ہیں، اس طرح اس مطلب سے اشارہ ہوتا ہے کہ آپ کو مسجد اقصیٰ سے آگے لے گئے اسی لئے روح المعانی میں یہ تفسیر کی ہے: لنریہ من آیتنا أی لنرفعه إلی السماء حتی یری ما یری من العجائب: یعنی تاکہ ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں یعنی انہیں آسمان کی طرف اٹھائیں تاکہ وہ عجیب عجیب نشانیوں میں دیکھیں جو دیکھیں۔ مگر تصریح نہ کرنے میں شاید یہ نکتہ ہو کہ وہ اور زیادہ عجیب ہے اور اس کا انکار جلدی سے کیا جاسکتا ہے اور قطعی نص کا انکار کفر ہے لہٰذا تصریح نہ کرنا کمزوروں کے لئے رحمت ہے۔

بارہویں تنبیہ: لفظ ''من'' کے معنی ''بعض'' اس وجہ سے لئے گئے کہ واقع میں ایسا ہی ہوا تھا، چنانچہ حدیثوں میں ہے: اسمع صریف الأقلام: یعنی مجھے قلموں کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی، اور بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلم چلتے ہوئے دیکھے نہیں۔

تیرھویں تنبیہ: اسری میں غائب کی ضمیر ہے، اس سے کلام شروع کیا گیا اور ﴿ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ پر ختم کیا گیا کہ اس میں بھی ضمیر غائب ہی کی ہے، درمیان میں متکلم کی ضمیر لائی گئی کہ یہ تعظیم پر بھی دلالت کرتی ہے، اس میں یہ نکات ہیں۔

پہلا نکتہ: کلام کی تجدید اور سننے والے کے لئے نشاط۔

دوسرا نکتہ: برکتوں، نشانیوں اور دکھانے کا مفہوم ہونا۔

تیسرا نکتہ: اسری کے بعد قربت کے زیادہ ہونے کی طرف اشارہ اور قربت کے وقت اصل کلام کرنا ہے۔

چودھویں تنبیہ: ﴿ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ کا ایک فائدہ متن میں بیان کئے گئے فائدہ کے علاوہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جھٹلانے والوں کے لئے وعید ہے کہ تمہارے جھٹلانے اور مخالفت کو دیکھتے اور سنتے ہیں، اس لئے خوب سزا دیں گے۔

پندرھویں تنبیہ: ﴿ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا ﴾ کے بعد اس کے بڑھانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ رسول مقبول ﷺ نے عجیب عجیب نشانیاں دیکھیں، لیکن اس کے باوجود وہ علم میں ہمارے برابر نہیں ہوگئے، کیونکہ انہیں ہم نے دکھایا اور ہم خود سننے والے دیکھنے والے ہیں۔ دوسرے یہ کہ انھوں نے بعض نشانیوں کو دیکھا اور ہم مطلق طور پر سننے والے اور دیکھنے والے ہیں۔

تحقیقات:

پہلی تحقیق: یہاں مسجد اقصی تک جانے کا ذکر ہے۔ اندر جانے کی تصریح حدیثوں میں ہے کہ آپ اندر تشریف لے گئے اور انبیاء علیہم السلام سے ملے اور آپ نماز میں ان کے امام بنے۔

دوسری تحقیق: آگے آسمانوں کی طرف جانے کی تصریح اس آیت میں نہیں ہے۔ اگرچہ اس کی طرف اشارہ ہے اور اس سے زیادہ کھلا ہوا اشارہ سورۃ النجم میں ہے: ﴿ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ ﴾ یعنی آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو دوسری بار سدرۃ المنتہی کے پاس دیکھا اور پہلی بار کے دیکھنے کا ذکر اس سے پہلے ﴿ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ﴾ میں ہوا ہے۔ اس طرح اس سے ظاہر ہوا کہ آپ سدرۃ المنتہی تک پہنچے تھے کیونکہ لفظ "عند" "رای" کا متعلق ہے، لہٰذا سدرۃ کے پاس دیکھنے سے ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیکھنے والا اور جس کو دیکھا گیا دونوں سدرہ کے پاس ہوں گے۔ پھر حدیثوں میں تو اس کی اس قدر تصریح ہے کہ انکار کی گنجائش ہی نہیں۔

تیسری تحقیق: جمہور اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ معراج بیداری کی حالت میں جسم کے ساتھ ہوئی اور اس کی دلیل اجماع ہے اور اس اجماع کی سند یہ امور ہو سکتے ہیں۔

اول: حق تعالیٰ نے جس اہتمام کے ساتھ اسراء و معراج کے قصہ کو بیان کیا ہے اس سے اس کا انتہائی عجیب ہونا معلوم

ہوتا ہے۔اگر یہ اسرا و معراج، نیند، خواب کی حالت میں یا روحانی طور پر ہوتیں تو یہ کوئی عجیب بات نہیں۔

دوسرے: لفظ ﴿ بِعَبْدِهٖ ﴾ سے بھی واضح طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ جاء نبی عبد فلان کے حقیقی اور ذہن میں آنے والے معنی یہی ہیں کہ وہ جاگنے کی حالت میں جسم اور روح سمیت آیا، لہٰذا روح، جسم اور اس فعل کے مجموعہ کا صادر ہونا بیداری کے ساتھ ہوتا ہے، سوائے اس کے کہ اس کے خلاف صراحت کردی جائے۔

تیسرے: اگر یہ خواب کی حالت میں یا روحانی طور پر ہوتی تو جس وقت کافروں نے جھٹلایا تھا، یا بیت المقدس اور اپنے قافلہ کے حالات کے بارے میں سوال کئے تھے جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے، جن میں سے بعض کو صحاح نے اور بعض کو سنن بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے، جیسا کہ درمنثور میں ہے، تو اس وقت بہت اطمینان کے ساتھ جواب دیدیتے کہ میں نے بیداری کی حالت میں یہ سب کچھ دیکھنے کا دعویٰ کب کیا ہے جو تم ایسی باتیں کرتے ہو؟ اور بیت المقدس کی ہیئت وکیفیت بیان کرنے کی فکر میں نہ پڑتے جیسا کہ حدیثوں میں ہے کہ آپ کو فکر ہوئی تو حق تعالیٰ نے سب کو آپ کے سامنے کھول کر رکھ دیا، اور آپ نے بتا دیا (مسلم) اور بعض کو آیت ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا ﴾ الخ سے شبہ ہوا ہے کہ ایک تو وہاں یہ احتمال ہے کہ بدر کا واقعہ یا مکہ کے عمرہ کا خواب مراد ہو جیسا کہ بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں، جن کا ذکر مختصر طور پر ﴿ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ ﴾ میں اور ﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا ﴾ میں آیا ہے۔ اور اگر معراج ہی کا واقعہ مراد ہو تو رؤیا رویت کے معنی میں ہے، کیونکہ رأی کے دونوں مصدر ہیں، جیسے قربیٰ اور قرابت۔ یا بعض کے قول کے مطابق رات کی رویت کو رؤیا کہتے ہیں چاہے بیداری کی حالت میں ہی کیوں نہ ہو، یا تشبیہ کے طور پر رؤیا کہہ دیا ہو، اور تشبیہ کی وجہ یا تو عجیب نشانیوں کا دیکھنا ہو یا رات کے وقت کا واقع ہونا ہے جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عالم الغیب کا انکشاف چاہے بیداری کی حالت میں ہو مگر اس میں اس دنیا سے غائب ضرور ہوتا ہے، اگرچہ دونوں قسم کے غائب ہونے میں بہت بڑا فرق ہے مگر خود غائب ہونے کی شرکت سے یہ بیداری نیند کی مانند ہوجائے گی واللہ اعلم۔

اور بعض کو شریک کی حدیث سے جس کے آخر میں ثم استیقظت ہے شبہ ہوگیا ہے، تو چونکہ شریک محدثین کے نزدیک حدیث کے حافظ نہیں ہیں اور انھوں نے دوسرے حافظوں کے خلاف بیان کیا ہے، اس لئے وہ زیادتی مقبول نہیں ہے، جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔ یا اس سے کئی واقعے مراد ہیں، کیونکہ علماء نے لکھا ہے کہ روحانی معراج کئی بار ہوئی ہے، یعنی اس معراج سے پہلے آپ کو خواب میں عروج و معراج ہوئی ہیں جس کی حکمت یہ لکھی ہے کہ آہستہ آہستہ اس سب سے اعظم معراج کی استعداد اور برداشت ہوسکے اور ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ نیند کی مذکورہ بالا مشابہت کی بنیاد پر اس غائب ہونے کے سلسلہ کے ختم ہونے کو نیند سے بیداری سے تشبیہ دیدی گئی اور استیقظت کا لفظ استعمال کردیا گیا۔ اور بعض کو

حضرت معاویہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کے اقوال سے شبہ پڑ گیا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو اس وقت تک آپ کے نکاح میں نہیں آئی تھیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت تک اسلام بھی نہ لائے تھے۔ اللہ ہی بہتر جانے انھوں نے کس سے سن کر کہا ہے یا اجتہاد کے طور پر کہا ہے، یا کسی دوسرے واقعہ کے سلسلہ میں کہا ہے۔ اور جب احتمال پیدا ہو گیا تو استدلال باطل ہو گیا۔ اس کے علاوہ حضرت عائشہ کے قول ما فقد جسد محمد: کی یہ توجیہ بھی ہوسکتی ہے کہ لفظ فقد ان کے معنی تلاش کرنے کے ہیں، جیسا کہ تنویر المقابیس میں سورۃ یوسف میں ﴿ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَیْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴾ (تطلبون) ﴿ قَالُوْا نَفْقِدُ ﴾ نطلب ﴿ صُوَاعَ الْمَلِكِ ﴾ مطلب یہ کہ آپ کی معراج سے واپسی اس قدر جلدی ہوئی کہ کسی کو آپ کے جسم کے غائب ہونے کا پتہ بھی نہیں چلا جو تلاش کرنے کی نوبت آتی کہ آپ کہاں تشریف لے گئے۔ اور اگر چہ اس مضمون کو ما فقد محمد سے بھی تعبیر کر سکتے تھے لیکن جسم کی طرف نسبت کرنے سے جسم کے ساتھ معراج کے تعلق کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ آپ کا غائب ہونا ایسا تھا کہ اگر تلاش ہوتی تو جسم کی تلاش ہوتی تو اس کے برخلاف اس میں جسم کے ساتھ معراج کے اثبات کی تائید ہوتی نہ کہ نفی، اور اگر ما فقد جسد محمد میں فقدان کے مشہور معنی لئے جائیں تب بھی جسمانی معراج کے خلاف نہیں، کیونکہ فقدان کے معنی صرف غائب اور گم ہونے کے نہیں بلکہ اس کے معنی گم کرنا ہیں، جس کے لئے ایک کا گم کرنے والا اور دوسرے کا مفقود ہونا ضروری ہے، لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو اس رات کسی نے گھر سے غائب اور گم نہیں پایا۔ اور یہ بات صحیح ہے، کیونکہ جس وقت آپ تشریف لے گئے اس وقت گھر والے سب سوئے ہوئے تھے اور ان کے جاگنے سے پہلے واپسی ہو گئی۔ غرض اس کی نوبت نہیں آئی کہ کسی نے حضور کے گھر میں نہ دیکھا ہو۔

چوتھی تحقیق: بیت المقدس تک جانے کا انکار کرنے والا کافر ہے اور اس کی تاویل کرنے والا بدعتی ہے اور اس سے آگے جانے کا انکار کرنے والا اور تاویل کرنے والا بدعتی ہے۔ اور اس کے باوجود کہ سورۂ نجم میں تقریباً تصریح ہے، لیکن لفظ عند میں احتمال ہے کہ وہ راٰہ کے مفعول کا حال ہو، اس لئے آپ کے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے میں نص نہیں ہے۔

پانچویں تحقیق: اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس رات میں آپ نے حق تعالیٰ کو دیکھا یا نہیں، اس میں سلف یعنی پہلے کے عالموں کا اور خلف یعنی بعد کے عالموں کا سب کا اختلاف ہے اور روایتوں میں تاویل کا احتمال ہے، کیونکہ دیکھنے کو ثابت کرنے والی روایتوں میں احتمال ہے کہ دل کی بصیرت سے دیکھنا مراد ہو اور دیکھنے کی نفی سے کسی خاص قسم کے دیکھنے کی نفی مراد ہو۔ مثلاً قیامت کے دن جنت میں جو انکشاف ہوگا یہ انکشاف اس سے کم ہوا اگر چہ رویت یعنی دیکھنا صادق آجائے، جیسے بغیر چشمہ کے دیکھنا بھی دیکھنا ہے اور چشمہ سے اور زیادہ انکشاف ہوتا ہے۔ غرض اس مسئلہ میں کچھ کہنے کی بجائے خاموش رہنا بہتر ہے۔

اشکالات کا حل:

پہلا اشکال: بعض لوگوں کو وسوسہ ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ ﴿ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھائیں۔ اور آپ کے لئے ﴿ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ﴾ فرمایا جس میں لفظ "من" استعمال کرنے کی وجہ سے مطلب یہ ہوتا تاکہ ہم آپ کو "اپنی کچھ" نشانیاں دکھائیں تو ایسا کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ﴿ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ بھی تمام نشانیاں نہیں ہیں، اور ممکن ہے کہ یہ جو بعض نشانیاں رسول اللہ ﷺ کو دکھائی گئیں وہ ابراہیم علیہ السلام والی بعض سے اعظم ہوں۔

دوسرا اشکال: ظاہری باتوں تک محدود نظر رکھنے والے بعض لوگ شبہ کرتے ہیں کہ افلاک یعنی آسمانوں میں کٹنا پھٹنا، جڑنا اور بھرنا محال ہے، لیکن اس شبہ کی ساری دلیلیں باطل ہیں جیسا کہ اپنے موقع پر اس کا ذکر ہوا ہے۔

تیسرا اشکال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس قدر تیز رفتار سے چلنا کیسے ممکن ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ بعض ستاروں کے بہت بڑے بڑے ہونے کے باوجود ان کی رفتار بہت تیز ہے اور رفتار کی تیزی کی عقل کے اعتبار سے کوئی حد نہیں ہے۔

چوتھا اشکال: بعض کہتے ہیں کہ آسمان کے نیچے ہوا نہیں ہے اور حرارت بہت زیادہ وشدید ہے۔ وہاں عناصر سے بنا ہوا جسم محفوظ وسلامت نہیں رہ سکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ محال ممکن نہیں ہوتا، لیکن مستبعد اور دشوار واقع ہوسکتا ہے۔

پانچواں اشکال: بعض کہتے ہیں کہ خود آسمان ہی موجود نہیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ یعنی اپنے دعوی کی دلیل لاؤ، تمہارے دعوی کی کوئی دلیل نہیں۔ اور بغیر دلیل کے دعوی کا کوئی اعتبار نہیں۔

﴿ وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا تاکہ تم میرے سوا کوئی کارساز مت قرار دو۔ اے ان لوگوں کی نسل جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ سوار کیا تھا! وہ نوحؑ بڑے شکر گذار بندہ تھے۔

ربط: اوپر اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام کمزوریوں، برائیوں، عیبوں وغیرہ سے پاک ہونے کی اور جناب رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی دلیل بیان فرمائی تھی۔ اب موسیٰ علیہ السلام کا صاحب کتاب ہونا بیان فرماتے ہیں کہ اس سے محمد ﷺ کی تائید ہوتی ہے اور درمیان میں اس کتاب کے ہدایت دینے والا ہونے کا ذکر فرماتے ہیں کہ وہ مطلق احکام کی اطاعت کی حامل ہے۔ اور اس کتاب کا ایک بہت ہی اہمیت وشان والا مضمون بیان فرماتے ہیں جو حق تعالیٰ کی پاکی اور توحید کی تائید کرتا ہے۔ اور مخاطب لوگوں کو نوح کی کشتی والوں کی اولاد کے عنوان سے پکار کر نوح علیہ السلام کا شکر یعنی شکر کرنے والا ہونا

بیان فرماتے ہیں کہ اس عنوان سے اپنا احسان جتاتے ہیں جس کا تقاضا پاکی، توحید اور اطاعت ہے اور ان کے شاکر ہونے سے تنزیہ یعنی پاکی توحید اور اطاعت کی ترغیب اور ان کے نام کی تصریح سے نبوت کے ساتھ مشہور ہونے کی وجہ سے محمد ﷺ کی نبوت کی تائید ذہنوں میں بٹھائی ہے۔

توحید و رسالت کی تقویت بلیغ انداز میں اطاعت کی ترغیب کے ساتھ:

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (یعنی توریت) دی اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت (کا ذریعہ) بنایا (جس میں دوسرے احکام کے ساتھ ساتھ توحید کا یہ عظیم الشان حکم بھی تھا) کہ تم میرے سوا (اپنا) کوئی کارساز (کام بنانے والا) قرار مت دو۔ اے ان لوگوں کی نسل جن کو ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا (ہم تم سے خطاب کر رہے ہیں، تاکہ اس نعمت کو یاد کرو کہ اگر ہم انہیں کشتی پر سوار کر کے نہ بچاتے تو آج تم ان کی نسل کہاں سے ہوتے؟ اور نعمت کو یاد کر کے اس کا شکر کرو جس کا بڑا امر توحید ہے۔ اور) وہ نوح (علیہ السلام) بڑے شکر گذار بندہ تھے (لہٰذا جب انبیاء شکر کرتے رہے تو تم کیسے اسے چھوڑ سکتے ہو؟)

﴿ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے نبی اسرائیل کو کتاب میں یہ بات بتلادی تھی کہ تم سرزمین میں دو بار خرابی کرو گے اور بڑا زور چلانے لگو گے، پھر جب ان دو بار میں سے پہلی بار کی میعاد آوے گی ہم تم پر اپنے ایسے بندوں کو مسلط کریں گے جو بڑے جنگجو ہونگے پھر وہ گھروں میں گھس پڑیں گے اور یہ ایک وعدہ ہے جو ضرور ہو کر رہے گا۔ پھر ہم ان پر تمہارا غلبہ کر دیں گے اور مال اور بیٹوں سے ہم تمہاری امداد کریں گے اور ہم تمہاری جماعت بڑھا دیں گے۔ اگر اچھے کام کرتے رہو گے تو اپنے نفع کے لئے اچھے کام کرو گے اور اگر تم برے کام کرو گے تو بھی اپنے ہی لئے۔ پھر جب پچھلی بار کی میعاد آوے گی ہم پھر دوسروں کو مسلط کریں گے تاکہ تمہارے منہ بگاڑ دیں اور جس طرح وہ لوگ مسجد میں گھسے تھے یہ لوگ بھی اس میں گھس پڑیں اور جس جس پر ان کا زور چلے سب کو برباد کر ڈالیں۔ عجب نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم فرماوے اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کا جیل خانہ بنا رکھا ہے۔

ربط: اوپر ﴿ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴾ میں ہدایت کی اتباع اور اللہ کے احکام کی اطاعت کی ترغیب تھی اور ﴿ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴾ میں اس کی مزید تائید تھی۔ اب ان بنی اسرائیل کے احکام کی مخالفت کا بیان کر کے جن کی ہدایت کے لئے وہ کتاب آئی تھی اس مخالفت اور معصیت سے ڈرانے اور عبرت دلانے کا مضمون ہے۔

مخالفت و معصیت سے ڈرانا:

ان آیتوں میں مختصر انداز میں دو واقعوں کا بیان ہے کہ ایک بار بنی اسرائیل معاصی یعنی گناہوں میں زیادہ مشغول ہوئے تو ان کے اوپر دشمن مسلط ہو گئے اور ان کو تباہ کر دیا، پھر جب شرارت کم ہوئی تو پھر سنبھل گئے، مگر کچھ عرصہ بعد پھر ویسی ہی شرارت کی اور پھر اسی طرح تباہ ہوئے، اس طرح تاریخ میں ان پر چھ حادثوں کا واقع ہونا معلوم ہوتا ہے۔

پہلا واقعہ: سلیمان علیہ السلام کی وفات کے تھوڑے دنوں بعد بیت المقدس کے حاکم نے بے دینی اختیار کی، تب اس پر مصر کا بادشاہ چڑھ آیا اور بیت المقدس سے بہت سا سامان و اسباب اور چاندی سونا وغیرہ لوٹ کر لے گیا، مگر اس نے شہر اور مسجد کو منہدم نہیں کیا۔

دوسرا واقعہ: تقریباً چار سو سال کے بعد بعض میں بت پرستی اور بعض میں نا اتفاقی پیدا ہونے کی نحوست کی وجہ سے مصر کا ایک اور بادشاہ چڑھ آیا اور شہر کی کچھ عمارتوں اور مسجد کو بھی نقصان پہنچایا۔

تیسرا واقعہ: چند سال بعد بابل کے بادشاہ بخت نصر نے چڑھائی کی اور شہر کو فتح کر کے بہت سے قیدی پکڑ کر اپنے ساتھ لے گیا اور مال و دولت لوٹ لے گیا۔ اور پہلے بادشاہ کے خاندان میں سے ایک شخص کو اپنا نائب مقرر کر کے چلا گیا۔

چوتھا واقعہ: اس نئے بادشاہ نے جو کہ بت پرست اور بدعمل تھا، اور حضرت داؤد علیہ السلام کی نصیحت نہ مانتا تھا، بخت نصر سے بغاوت کی تو وہ پھر چڑھ آیا اور اس قدر قتل و غارت گری اور کشت و خون کیا کہ جس کی حد نہیں، اس نے شہر اور مسجد میں آگ لگا دی اور بالکل میدان کر دیا۔ یہ واقعہ مسجد کی تعمیر کے تقریباً چار سو پندرہ سال بعد گذرا ہے۔ اس کے بعد یہود جلاوطن ہو کر ستر سال تک بابل میں نہایت ذلت و خواری کے ساتھ رہے، پھر بابل کے بادشاہ کا ایران کے بادشاہ کے ہاتھوں خاتمہ ہوا تو ایران کے بادشاہ نے پھر یہود پر رحم کر کے انہیں ان کے ملک شام میں پہنچا دیا اور سامان بھی واپس دے دیا، پھر یہود نے ایران کے بادشاہوں کی مدد سے مسجد کو گذشتہ نمونہ پر تیار کیا اور شہر پناہ وغیرہ کو بھی نئے سرے سے بنایا۔ اس وقت تک یہود اپنے برے اعمال و افعال پر نادم تھے اور توبہ کرتے تھے۔

پانچواں واقعہ: مگر اس کے بعد پھر وہی پرانی شرارتیں سوجھیں تو ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ ایک بادشاہ جس نے انطاکیہ آباد کیا تھا حضرت مسیح علیہ السلام سے ایک سو ستر سال پہلے بیت المقدس پر چڑھ آیا اس نے چالیس ہزار یہود کو قید اور چالیس ہزار کو قتل کیا اور مسجد کی بڑی بے حرمتی کی، مگر اسے ڈھایا نہیں، پھر اسی بادشاہ کے جانشینوں میں سے ایک بادشاہ نے

شہر اور مسجد کو ویران کر دیا اور کچھ عرصہ بعد روم کے بادشاہوں کی اس جگہ حکومت ہو گئی، انھوں نے مسجد کو درست کیا، اس کے آٹھ سال بعد عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

چھٹا واقعہ: پھر یہود نے روم کے بادشاہوں سے بغاوت اختیار کی، آخر رومیوں نے پھر شہر اور مسجد کی وہی حالت بنادی، اس وقت کے رومی بادشاہ کا نام طیطس تھا، جو نہ یہودی تھا اور نہ عیسائی۔ کیونکہ اس کے بہت دن بعد قسطنطین اول عیسائی ہوا۔ یہ حادثہ عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کے چالیس برس بعد ہوا۔ اور اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک یہ مسجد ویران پڑی رہی۔ یہاں تک کہ آپ نے تعمیر کرائی۔ یہ ان واقعات کا مختصر ذکر ہے، اب قرآن میں مختصر انداز میں جن دو واقعوں کا ذکر ہے اس کے باوجود کہ ان کی یقینی تعیین تو مشکل ہے، لیکن زیادہ مناسب اور حقیقت سے زیادہ قریب یہ ہے کہ ان میں جو بڑے واقعات ہیں جن میں شرارت بھی زیادہ کی اور سزا بھی سخت ملی ان پر محمول کیا جائے تو ان میں ایک چوتھا اور ایک چھٹا واقعہ ہے۔ ان واقعات کی تفصیل تفسیر حقانی میں بیان کی گئی ہے۔ میں نے اس تفصیل سے مختصر کر کے یہاں بیان کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ﴿ مَرَّتَيْنِ ﴾ سے مراد دو شریعتوں کی مخالفت ہو۔ اگر چہ ہر شریعت کی مخالفت کئی کئی بار ہو۔ اس طرح اس میں سارے واقعات داخل ہو جائیں گے کہ بعض واقعات موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی مخالفت کی سزا تھی اور بعض عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی مخالفت کی۔ ان کے بعد پھر ﴿ اِنْ عُدْتُّمْ ﴾ الخ میں محمد ﷺ کی شریعت کی مخالفت پر وعید ہے اور اس طرح کلام نہایت جامع اور ترتیب کے ساتھ ہو جائے گا۔ اور بعض نے بہت صحیح کہا ہے کہ قرآن کا جو اصل مقصود ہے کہ جب بھی معاصی یعنی گناہوں کی کثرت ہوئی سزا دی گئی، اس کے لئے واقعات کی تعیین کی کوئی ضرورت نہیں۔

آیتوں کی تفسیر: اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں) (توریت میں یا بنی اسرائیل کے دوسرے نبیوں کے صحیفوں میں) یہ بات (پیشین گوئی کے طور پر) بتادی تھی کہ تم (شام کی) سرزمین میں دو بار (گناہوں کی کثرت کے ذریعہ) خرابی کرو گے (ایک بار موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی مخالفت اور دوسری بار عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی مخالفت) اور دوسروں پر بھی بڑا زور چلانے لگو گے (یعنی زیادتیاں کرو گے، چنانچہ ﴿ لَتُفْسِدُنَّ ﴾ میں اللہ کے حقوق اور ﴿ لَتَعْلُنَّ ﴾ میں بندوں کے حقوق ضائع کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ بھی لکھا تھا کہ دونوں بار سخت سزائیں مبتلا کئے جاؤ گے) پھر جب ان دو بار میں سے پہلی بار (کی شرارت کی سزا) کی میعاد آئے گی (تو ہم تمہاری سزا کے لئے) تم پر اپنے ایسے بندوں کو مسلط کریں گے جو بڑے جنگجو ہوں گے پھر وہ (تمہارے) گھروں میں گھس پڑیں گے (اور تمہیں قتل اور قید اور برباد کریں گے) اور (یہ سزا کا وعدہ) ایک وعدہ ہے جو ضرور ہو کر رہے گا، پھر (جب تم نادم ہو گے اور توبہ کرو گے تو) پھر (دوبارہ ان پر تمہارا غلبہ کر دیں گے (چاہے واسطہ سے ہی سہی کہ جو قوم ان پر غالب آئے گی، وہ تمہاری حمایت کرنے والی ہو گی۔ اس طرح تمہارے وہ دشمن اس قوم سے اور تم سے دونوں سے مغلوب ہوں گے) اور ہم مال اور بیٹوں سے (جو کہ قید اور

برباد کردیئے گئے تھے) تمہاری امداد کریں گے (یعنی یہ چیزیں تمہیں واپس ملیں گی اور ان سے تمہیں قوت پہنچے گی) اور ہم تمہاری جماعت (یعنی اتباع کرنے والوں کو) بڑھادیں گے (لہٰذا عزت و مرتبہ، مال و اولاد اور اتباع سب میں ترقی ہوگی جیسا کہ ﴿الْكَرَّةَ﴾ اور ﴿أَمْوَالٍ﴾ اور ﴿بَنِينَ﴾ اور ﴿نَفِيرًا﴾ اس پر دلالت کرتے ہیں اور اس کتاب میں نصیحت کے طور پر یہ بھی لکھا تھا کہ) اگر (اب آئندہ کے لئے) اچھے کام کرتے رہو گے تو اپنے ہی نفع کے لئے اچھے کام کرو گے (یعنی دنیا و آخرت میں تمہیں ہی اس کا نفع حاصل ہوگا) اور اگر (پھر) تم برے کام کرو گے تو بھی اپنے ہی لئے برائی کرو گے یعنی پھر سزا ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جس کا آگے بیان ہے کہ) پھر جب (ان دو بار میں سے) بعد والی بار کی (سزا کی) میعاد آئے گی (اور تم عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی مخالفت اور شرارت کرو گے) ہم پھر دوسروں کو مسلط کریں گے تاکہ (تمہیں مار مار کر) تمہارے منہ بگاڑ دیں اور جس طرح وہ (پہلے) لوگ مسجد (بیت المقدس) میں (لوٹ مار کے ساتھ) گھسے تھے، یہ (بعد والے) لوگ بھی اس میں گھس پڑیں اور جس جس چیز پر ان کا زور چلے، سب کو (ہلاک و) برباد کرڈالیں (اور اس کتاب میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر اس دوسری بعثت کے بعد جب محمد ﷺ کی شریعت کا زمانہ ہو تو تم مخالفت اور معصیت یعنی گناہ سے باز آکر محمد ﷺ کی شریعت کا اتباع کرلو تو) عجب نہیں (یعنی امید، وعدہ کے معنی میں ہے) کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمادے (اور تمہیں نحوست اور ذلت سے بچادے) اور اگر تم پھر وہی (شرارت) کرو گے تو ہم بھی پھر وہی (سزا کا برتاؤ) کریں گے (چنانچہ حضور کے وقت میں انھوں نے آپ کی مخالفت کی پھر قتل، قید اور ذلیل ہوئے۔ یہ تو دنیا کی سزا ہوگئی) اور (آخرت میں) ہم نے جہنم کو (ایسے) کافروں کا جیل خانہ بنا (ہی) رکھا ہے۔

فائدہ: ﴿الْكِتٰبِ﴾ کے ترجمہ کی تفسیر میں جو احقر نے "توریت میں یا دوسرے نبیوں کے صحیفوں" میں ہونے کی بات لکھی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض علماء کے مطابق یہ مضمون اب توریت میں نہیں ہے لہٰذا یا تو تحریف ہوئی ہے یعنی اس میں تبدیلی کردی گئی ہے یا اس سے دوسری الہامی کتابیں مراد ہیں کہ ان میں اب تک یہ مضامین کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اور ﴿لِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ﴾ میں لام کے داخل ہونے اور اس کے ﴿لِيَسُوْٓءٗا﴾ پر عطف ہونے کی وجہ سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو یہ مقصود تھا کہ مسجد ویران اور تباہ ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تکوینی طور پر مقصود ہونے سے جس کا حاصل تعلق وارادہ ہے شرعی طور پر مقصود ہونا لازم نہیں آتا، جس کا حاصل رضا ہے اب کوئی شبہ نہیں رہا۔

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝﴾ ع

ترجمہ: بلاشبہ یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور ان ایمان والوں کو جو کہ نیک کام کرتے ہیں یہ خوش خبری دیتا ہے کہ ان کو بڑا بھاری ثواب ملے گا۔ اور یہ بھی بتلاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے

ان کے لئے ایک دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔

ربط: سورت کے شروع میں معراج کے معجزہ کے ذریعہ آپ کی رسالت پر استدلال تھا۔ اب قرآن کی تعریف ہے جو کہ رسالت کی بڑی دلیل ہے۔ اور جس طرح اوپر اللہ تعالیٰ کی پاکی کا بھی مضمون تھا ایسے ہی ﴿ لِلَّتِیۡ ہِیَ اَقۡوَمُ ﴾ اس مضمون پر مشتمل ہے۔

قرآن کی تعریف جو توحید و رسالت پر دلالت کرتا ہے:

بلاشبہ یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے (یعنی اسلام) اور (اس طریقہ کو ماننے اور نہ ماننے والوں کی جزا و سزا بھی بتاتا ہے، چنانچہ) ان ایمان والوں کو جو کہ نیک کام کرتے ہیں، یہ خوش خبری دیتا ہے کہ انہیں بہت بڑا ثواب ملے گا۔ اور یہ بھی بتاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ہم نے ان کے لئے ایک دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔

فائدہ: اگر اجر کبیر سے مراد مطلق جنت ہے تب تو ﴿ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ ﴾ کا قید کا سبب ہونے سے اس کا شرط ہونا لازم نہیں آتا۔ اور اگر جنت کے اعلیٰ درجے مراد ہیں تو شرط ہونا بھی صحیح ہے اور ﴿ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ میں آخرت کی تخصیص اس لئے ہے کہ اس میں ہر اس چیز کا ظہور ہو جائے گا جس پر ایمان لانا واجب ہے۔

﴿ وَیَدۡعُ الۡاِنۡسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَہٗ بِالۡخَیۡرِ ؕ وَ کَانَ الۡاِنۡسَانُ عَجُوۡلًا ۝ وَجَعَلۡنَا الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ اٰیَتَیۡنِ فَمَحَوۡنَاۤ اٰیَۃَ الَّیۡلِ وَجَعَلۡنَاۤ اٰیَۃَ النَّہَارِ مُبۡصِرَۃً لِّتَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَلِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ وَ الۡحِسَابَ ؕ وَکُلَّ شَیۡءٍ فَصَّلۡنٰہُ تَفۡصِیۡلًا ۝ وَکُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰہُ طٰٓئِرَہٗ فِیۡ عُنُقِہٖ ؕ وَنُخۡرِجُ لَہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ کِتٰبًا یَّلۡقٰىہُ مَنۡشُوۡرًا ۝ اِقۡرَاۡ کِتٰبَکَ ؕ کَفٰی بِنَفۡسِکَ الۡیَوۡمَ عَلَیۡکَ حَسِیۡبًا ۝ؕ مَنِ اہۡتَدٰی فَاِنَّمَا یَہۡتَدِیۡ لِنَفۡسِہٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیۡہَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ؕ وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیۡنَ حَتّٰی نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور انسان برائی کی ایسی درخواست کرتا ہے جس طرح بھلائی کی درخواست۔ اور انسان جلد باز ہے۔ اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا سو رات کی نشانی کو تو ہم نے دھندلا بنایا اور دن کی نشانی کو ہم نے روشن بنایا کہ اپنے رب کی روزی تلاش کرو اور تا کہ برسوں کا شمار اور حساب معلوم کرلو۔ اور ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور ہم نے انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے۔ اور قیامت کے دن ہم اس کا نامۂ اعمال اس کے واسطے نکال کر سامنے کر دیں گے جس کو وہ کھلا ہوا دیکھ لے گا اپنا نامۂ اعمال پڑھ لے۔ آج تو خود اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔ جو شخص راہ پر چلتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے راہ پر چلتا ہے اور جو شخص بے راہی کرتا ہے سو وہ بھی اپنے ہی نقصان کے لئے بے راہ ہوتا

ہے۔اور کوئی شخص کسی کا بوجھ نہ اٹھاوے گا۔اور ہم سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے۔

ربط: اوپر توحید اور رسالت اور قرآن کے حق ہونے کا ثابت ہونا اور جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کا عذاب کا مستحق ہونا بیان ہوا تھا، اس پر کافروں کو یہ شبہ تھا کہ اگر یہ چیزیں حق ہیں اور ان کا انکار عذاب کا سبب ہے تو جس عذاب کا وعدہ کیا جارہا ہے وہ ہم پر دنیا ہی میں کیوں نہیں آجاتا؟ جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ یعنی اگر یہ آپ کی طرف سے حق ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھروں کی بارش فرمادیں یا ہمارے اوپر کوئی دردناک عذاب لے آیئے (سورۃ الانفال آیت ۳۲) ﴿وَ قَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾ یعنی اور انھوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمارے اوپر ہمارے حصہ کا عذاب جلدی سے قیامت کے دن سے پہلے ہی نازل کردیجئے (سورۂ ص آیت ۱۶) آگے اس شبہ پر کلام ہے کہ اول ﴿وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ﴾ میں کافروں کا عذاب کی طلب میں جلد بازی کرنے کا ذکر فرمایا، پھر ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ﴾ سے ﴿رَسُوْلًا﴾ تک حساب وکتاب اور جس عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے اس کا معین وقت پر واقع ہونا بیان فرمایا اور درمیان میں رات ودن کی پیدائش کی حکمت سے جو کہ اوقات کی حد مقرر کرتا ہے، نظیر کے طور پر اس طرف اشارہ فرمایا کہ جس طرح معمولی واقعات کا اوقات کے ساتھ حساب کیا جاتا ہے اسی طرح عذاب وغیرہ کے واقعات بھی، جن میں سے وہ جو دنیا میں واقع ہونے والے ہیں اپنے وقت پر ہوجائیں گے اور باقی قیامت کے دن میں جس کا وعدہ کیا گیا ہے ہوجائیں گے۔اور اس مجموعہ سے ان کے شبہ کا جواب ہوگیا، اور ممکن ہے کہ درمیان میں آیت ﴿وَجَعَلْنَا الَّيْلَ﴾ الخ توحید کے بیان کے لئے جس کا ذکر اوپر بھی ہوا ہے۔اور ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ﴾ سے یا تو قرآن کی تعریف کرنا مقصود ہے جس کا اوپر ذکر ہوچکا ہے اور مفید مضامین بھی اس میں بیان ہورہے ہیں۔اور اگر لوح محفوظ مراد ہو تو حساب وکتاب کے لوح محفوظ میں لکھا ہونے سے اس کے وقت کے مقرر ہونے کا بیان ہے۔

عذاب کے نہ آنے پر دشمنی رکھنے والوں کے شبہ کا جواب:

اور (کوئی) انسان (جیسے کفار ہیں) برائی (یعنی عذاب) کی ایسی درخواست (تقاضے سے) کرتا ہے، جیسی بھلائی کی درخواست (تقاضے اور جلدی کے ساتھ کرتا ہے) اور انسان (کچھ فطری طور پر ہی) جلد باز (ہوتا) ہے (مگر جنھوں نے اپنی تہذیب یعنی اصلاح کرلی ہے، وہ منع کی ہوئی جلد بازی سے بچتے ہیں اور جو ہدایت پائے ہوئے نہیں ہیں وہ انجام کے بارے میں نہیں سوچتے اور عذاب مانگتے ہیں۔اور اس کے نہ آنے سے اس کا انکار کرتے ہیں) اور ہم نے جس طرح تمام واقعات کا حساب وقت پر رکھا ہے، اسی طرح عذاب بھی اپنے وقت پر ہوگا، آخرت میں تو ضرور، اور ممکن ہے کہ کچھ دنیا میں بھی ہوجائے۔چنانچہ دنیا کے واقعات کا حساب لیا جانا (دیکھو کہ) ہم نے رات اور دن کو (اپنی قدرت کی) دو نشانیاں بنایا

تورات کی نشانی (یعنی خود رات) کو تو ہم نے دھندلا بنایا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا (کہ اس میں سب چیزیں بغیر تکلف کے دکھائی دیں) تا کہ (دن میں) اپنے رب کی روزی تلاش کرو اور تا کہ (دونوں رات اور دن کے آنے جانے اور رنگوں ومقدار کے اختلاف اور شروع اور ختم کے اختلاف سے) برسوں کی گنتی اور (دوسرے چھوٹے چھوٹے) حساب معلوم کرلو جیسا کہ سورۂ یونس آیت ۵ میں بیان ہوا ہے) اور ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے (چاہے لوح محفوظ میں، اس صورت میں ﴿كُلَّ شَيْءٍ﴾ عام ہے اور یا قرآن میں، اس صورت میں مراد (معلوم ہونی) ضروری ہے۔ پہلی صورت میں مطلب کی وضاحت یہ ہے کہ لوح محفوظ میں ہر چیز کا الگ الگ وقت معین لکھا ہے اور دوسری صورت میں یہ وضاحت ہوگی کہ دیکھو قرآن میں کیسے مفید مضامین ہدایت دینے والے اور شبہات میں سکون کا سبب بننے والے بیان ہوئے ہیں) اور ہم نے ہر (عمل کرنے والے) انسان کا عمل (نیک ہو یا بد) اس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے (یعنی ہر شخص کا عمل اس کے ساتھ لازم ہے) اور (پھر) قیامت کے دن ہم اس کا نامۂ اعمال اس کے (دیکھنے کے) واسطے نکال کر سامنے کر دیں گے جس کو وہ کھلا ہوا دیکھ لے گا (اور اس سے کہا جائے گا کہ لے) اپنا نامۂ اعمال (خود) پڑھ لے۔ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کے لئے کافی ہے (یعنی اس کی ضرورت نہیں کہ تیرے اعمال کی کوئی اور گنتی کرے۔ اپنا نامۂ اعمال خود ہی پڑھتا جا اور یاد کر کے اپنے بارے میں سوچتا اور فیصلہ کرتا جا۔ مطلب یہ کہ اگر چہ ابھی عذاب نہیں آیا، لیکن یہ بلا ٹلے گی نہیں۔ ایک وقت ایسا ہوگا کہ اپنے سارے اعمال جمع کئے ہوئے لکھے ہوئے اور ڈھکے چھپے خود اپنی ہی کھلی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ اور اس پر عذاب کے مستحق ہونے کی حجت قائم ہو جائے گی اور) جو شخص (دنیا میں) (سیدھے) راستہ پر چلتا ہے، وہ اپنے نفع کے لئے راستہ پر چلتا ہے (اس وقت اس کو اس کا نفع نظر آئے گا) اور جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے تو وہ بھی اپنے ہی نقصان کے لئے گمراہ ہوتا ہے (وہ اس وقت اس کا خمیازہ بھگتے گا، کسی دوسرے کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ ہمارا قانون ہے کہ) کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور یہ جو کچھ سزا اور عذاب ہوگا حجت پوری ہونے کے بعد ہوگا، کیونکہ ہمارا قانون اور معمول ہے کہ) ہم (کبھی) سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو (ہدایت کے لئے) نہیں بھیج لیتے (بشرطیکہ) اس شخص کو بواسطہ یا بلاواسطہ اس رسول کی خبر پہنچ چکی ہو اور پھر بھی نہ مانے۔ اس وقت البتہ سزا تجویز کرتے ہیں۔

فائدہ: مذکورہ بیان کی بنیاد پر کہ مقصود واقعات کی گنتی کرنا ہوتا ہے۔ لفظ ﴿لِتَبْتَغُوْا﴾ لانے کا مقصد نعمت کو یاد دلانا ہے۔ اور اس طرف اشارہ ہے کہ جس وقت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کے آنے سے پہلے پہلے تو ہماری طرف سے نعمتیں مل رہی ہیں، اور اس طرف اشارہ ہے کہ رات ودن کی حکمت حساب میں محدود نہیں، بلکہ ایک حکمت اپنے رب کی روزی تلاش کرنا بھی ہے۔ اور ﴿نُخْرِجُ﴾ یعنی "نکال کر" فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ عالم غیب میں نامۂ اعمال فرشتوں کے ہاتھوں میں محفوظ تھا۔ اور قتادہؒ سے منقول ہے کہ بغیر پڑھا ہوا آدمی بھی نامہ اعمال پڑھ لے گا جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔ اور ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ﴾ الخ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن قوموں تک رسول کی خبر بالکل نہیں پہنچی انہیں کفر اور گناہوں کی

وجہ سے عذاب نہیں دیا جائے گا، چنانچہ بعض علماء کی یہی رائے ہے اور جو بعض اس بات کے قائل ہیں کہ جن عقیدوں اور اعمال کی برائی عقل سے ادراک یعنی سمجھ میں آسکتی ہے اور کسی وجہ سے ادراک یعنی سمجھ کو تحریک بھی ہوئی اور غور وفکر وسمجھ کا وقت بھی ملا، اگرچہ غور وفکر نہ ہونے کی وجہ سے بات سمجھ میں نہ آئی ہو یا یہ کہ سمجھ میں آ گئی ہو اور پھر ایسے عقائد واعمال کے مرتکب ہوئے ہوں انہیں عذاب نہیں ہوگا تو ان بعض کا قول بھی اس آیت کے مطابق اس طرح ہوسکتا ہے کہ یہ صورت بھی رسول کے بھیجے جانے کی طرح ہے، کیونکہ رسول کے بھیجے جانے سے بھی یہی فائدہ ہے لہٰذا آیت میں اصلی مقصود یہی مشترکہ فائدہ ہوگا، چنانچہ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک عقل یا نقل سے تنبیہ نہ کردیں۔ واللہ اعلم

﴿ وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ﴿١٦﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ ٱلْقُرُونِ مِنۢ بَعْدِ نُوحٍ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِۦ خَبِيرًۢا بَصِيرًا ﴿١٧﴾ ﴾

ترجمہ: اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں تب ان پر حجت تمام ہوجاتی ہے پھر اس بستی کو تباہ وغارت کرڈالتے ہیں۔ اور ہم نے بہت سی امتوں کو نوحؑ کے بعد ہلاک کیا ہے۔ اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کا جاننے والا دیکھنے والا کافی ہے۔

ربط: اوپر ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ ﴾ الخ میں رسول کی بعثت کے بغیر عذاب نہ ہونا فرمایا۔ اب رسولوں کو مبعوث کرنے کے بعد جبکہ اطاعت نہ کریں عذاب کا ہونا بیان فرماتے ہیں، تاکہ سننے والوں کو تنبیہ ہوجائے کہ ہماری طرف رسول مقبول ﷺ مبعوث ہوچکے ہیں۔ نہ ماننے سے ہم عذاب کے مستحق ہوجائیں گے۔ اگرچہ متعین وقت سے پہلے نہ ہو، جیسا کہ ان پر بھی متعین وقت پر آیا تھا۔ اور اوپر شبہ کے جواب میں یہ مضمون بھی بیان ہوا تھا۔

رسولوں کی نافرمانی پر عذاب کا مستحق ہونا:

اور جب ہم کسی بستی کو (جو کہ کفر اور معصیت کے سبب حکمت کے تقاضہ کے مطابق ہلاکت کے قابل ہو) ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو (اس کے رسولوں کی بعثت یعنی بھیجنے سے پہلے سے ہلاک نہیں کرتے، بلکہ کسی رسول کی معرفت) اس (بستی) کے خوش حال (یعنی امیر ورئیس) لوگوں کو (خاص طور سے اور دوسرے عوام کو عام طور سے ایمان وطاعت کا) حکم دیتے ہیں پھر (جب) وہ لوگ (کہنا نہیں مانتے، بلکہ) وہاں نافرمانی کرتے ہیں تب ان پر حجت پوری ہوجاتی ہے پھر ہم اس بستی کو تباہ وبرباد کرڈالتے ہیں اور (اسی طریقہ کے مطابق) ہم نے نوح (علیہ السلام) کے (زمانہ کے) بعد بہت سی امتوں کو (ان کے کفر اور معصیت کے سبب) ہلاک کیا ہے (جیسے عاد وثمود وغیرہ، اور نوح علیہ السلام کی قوم کا ہلاک ہونا

مشہور و معروف ہی ہے۔ اس لئے ﴿ مِنۢ بَعۡدِ نُوۡحٍ ﴾ یعنی نوح کے بعد پر اکتفا کیا گیا۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ سورت کے شروع میں یعنی آیت ﴿ ذُرِّیَّۃَ مَنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ﴾ یعنی جن کو ہم نے نوح کے بعد کشتی میں سوار کیا تھا، میں ان کی قوم کی ہلاکت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس لئے گویا اس کو نوح کی قوم کی ہلاکت کا ذکر قرار دے کر نوح کے بعد بیان فرمایا گیا) اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کا جاننے والا، دیکھنے والا کافی ہے (چنانچہ جیسا گناہ ہوتا ہے ویسی ہی سزا دیتا ہے)

فائدہ: بعض مفسروں نے ﴿ اَمَرۡنَا ﴾ کے معنی کثیر نا کیے ہیں یعنی انہیں بہت کثیر دیتے ہیں، کیونکہ جس طرح ''بہت زیادہ ہوا'' کے معنی میں آتا ہے اسی طرح ''بہت زیادہ دکھایا'' کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس طرح یہ فعل لازم اور متعدی دونوں ہے، جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔ اس وقت یہ معنی ہوں گے کہ ہم امیر لوگوں کو گنتی اور سامان کے اعتبار سے بڑھا دیتے ہیں، جس کو استدراج کہتے ہیں، یہاں تک کہ انہیں خوب غفلت ہوجاتی ہے اور اپنے کاموں اور خیالوں میں مشغول و غافل ہوجاتے ہیں، جیسا کہ اس آیت میں ہے ﴿ حَتّٰۤی اِذَا فَرِحُوۡا بِمَاۤ اُوۡتُوۡۤا اَخَذۡنٰہُمۡ بَغۡتَۃً ﴾ یعنی انہیں جو کچھ دیا جاتا ہے جب خوشی کے ساتھ اس میں مشغول اور غافل ہوجاتے ہیں تو ہم انہیں اچانک پکڑ لیتے ہیں۔ دونوں تفسیروں کے مجموعہ کا حاصل یہ ہوا کہ ہم حجت پوری کرنے کے لئے رسولوں کو بھیجنے اور مہلت دینے کو مقدم کر دیتے ہیں۔ اور جس حکمت سے وہ لوگ ہلاکت کے قابل ہوتے ہیں اس کی تعیین و تفتیش ضروری نہیں، جیسے دوسرے عام واقعات کی حکمت اور اثر کا بھی احاطہ نہیں ہوسکتا، لہٰذا اس پر یہ امر لازم نہیں آیا کہ اگر رسولوں کو بھیجنے سے پہلے وہ ہلاکت کے قابل نہیں تھے تو گویا ہلاک کرنے کے لئے یہ طریقہ نکالا جو بظاہر رحمت کے خلاف ہے۔ اور اگر ہلاکت کے قابل تھے تو پہلی تفسیر پر رسولوں کو بھیجے بغیر ہلاکت کے قابل ہونے کا قائل ہونا پڑتا ہے، اشکال کے حل کا حاصل دوسری صورت کا اختیار کرنا ہے کہ اللہ کی حکمت کے تقاضہ کے مطابق ان کا ہلاک ہونا مناسب تھا۔ مگر اس وقت ان کی ہلاکت اللہ تعالیٰ کی عادت کے تقاضہ کے مطابق رسولوں کو بھیجے جانے پر موقوف رکھا گیا۔ اور ہلاکت کا سبب گناہ کرنا اور فاسق ہونا ہے نہ کہ محض ارادہ۔ اب ہلاکت کے خود مقصود ہونے کا شبہ بھی نہ رہا۔ جیسا کہ ﴿ اِذَاۤ اَرَدۡنَاۤ ﴾ کے شرط اور ﴿ اَمَرۡنَا ﴾ کے جزا ہونے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے ﴿ قَرۡیَۃً ﴾ کے ترجمہ میں اس کی قید لگا دی کہ ''جو کہ کفر و معصیت کی وجہ سے الخ اور ﴿ مُتۡرَفِیۡہَا ﴾ یعنی خوشحال کی تخصیص ان کے با اثر ہونے کی وجہ سے ہے کہ ان کی اطاعت کا بھی، معصیت کا بھی اور نعمت افراد و دولت کی زیادتی کا بھی دوسروں پر اتباع کے سلسلہ میں اثر پڑتا ہے، اس لئے ان کو زیادہ سمجھا جاتا ہے۔ اور دوسرے غافل عناد رکھنے والے اور احمق بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اور نوح علیہ السلام کے ذکر کی تخصیص خود ترجمہ کے بیان سے ظاہر ہے۔

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝ ﴾

ترجمہ: جو شخص دنیا کی نیت رکھے گا ہم ایسے شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے جس کے واسطے چاہیں گے فی الحال ہی دے دیں گے پھر ہم اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے، وہ اس میں بدحال راندہ ہو کر داخل ہوگا اور جو شخص آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے جیسی سعی کرنی چاہئے ویسی ہی سعی بھی کرے گا بشرطیکہ وہ شخص مؤمن بھی ہو سو ایسے لوگوں کی یہ سعی مقبول ہوگی۔ آپ کے رب کی عطا میں سے تو ہم ان کی بھی امداد کرتے ہیں اور ان کی بھی اور آپ کے رب کی عطا بند نہیں۔ آپ دیکھ لیجئے ہم نے ایک کو دوسرے پر کس طرح فوقیت دی ہے۔ اور البتہ آخرت درجوں کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے۔

ربط: اوپر آیت ﴿ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ ﴾ الخ میں اس شبہ کا جواب تھا کہ اگر ہمارا طریقہ عذاب کے لائق ہوتا تو وہ عذاب دنیا ہی میں کیوں نہیں آجاتا؟ اب اس شبہ کا جواب ہے کہ اگر ہمارے بعض اعمال جن کے بارے میں دورائیں ہیں عذاب کے لائق بھی ہوں، لیکن ہم جو ایسے اعمال کرتے ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ اچھے اور نیک ہیں، جیسے مہمانوں کی خاطر تواضع، مظلوموں کی مدد، اور سوال کرنے والوں کو دینا وغیرہ، یہ نجات کا ذریعہ ہو جائیں گے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ تمہارے اعمال دو حال سے خالی نہیں: یا تو ان اعمال سے دنیوی نفع مقصود ہے جو کہ واقعہ ہے، چنانچہ انکار آخرت اس کی دلیل ہے، تب تو ﴿ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ ﴾ میں داخل ہو، جس کا انجام جہنم ہے اور اگر تم کو نفع آخرت مقصود ہے، جیسا کہ یہ محض فرضی صورت ہے تو اس میں ﴿ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ﴾ کی قید ہے جو تم میں نہیں پائی جاتی۔ اس لئے وہ بھی نجات کا ذریعہ نہیں ہو سکتا، لہٰذا ہر حال میں تم عذاب کے مستحق رہے اور ساتھ ہی ساتھ دنیا کی رسوائی اور آخرت کی ترجیح کا بھی ذکر ہے۔

اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان اور آخرت کی نیت کا

شرط ہونا اور دنیا کا حقیر ہونا اور آخرت کا افضل ہونا:

جو شخص (اپنے نیک اعمال سے صرف) دنیا (کے نفع) کی نیت رکھے گا (چاہے اس لئے کہ آخرت کا منکر ہے یا اس لئے کہ آخرت کی نیت نہیں کی) ہم ایسے شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے (اور پھر سب کے لئے نہیں بلکہ) جس کے لئے چاہیں گے فی الحال ہی دیدیں گے (یعنی دنیا ہی میں کچھ جزا مل جائے گی) پھر (آخرت میں کچھ بھی نہ ملے گا بلکہ وہاں)

ہم اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے۔ وہ اس (جہنم) میں بہر حال رحمت سے محروم ہو کر داخل ہوگا اور جو شخص (اپنے اعمال میں) آخرت (کے ثواب) کی نیت رکھے گا اور اس (آخرت) کے لئے جیسی کوشش کرنی چاہئے ویسی کوشش بھی کرے گا (اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عمل شرعی قواعد کے مطابق کیا، کیونکہ آخرت کے لئے وہی کوشش کرنی چاہئے جس کا حکم ہوا ہو۔ ان کے اعمال کے برخلاف جو نفسانی خواہش کے مطابق ہوں وہ مقبول نہیں۔ غرض شریعت کے مطابق عمل کیا) شرط یہ ہے کہ وہ شخص مؤمن بھی ہو تو ایسے لوگوں کی یہ کوشش (جس کا اوپر ذکر ہوا، اللہ کے نزدیک) مقبول ہوگی (غرض کوشش یعنی عمل کے قبول ہونے کی تین شرطیں ہوئیں: (۱) نیت کا صحیح ہونا جس پر ﴿ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ ﴾ دلالت کرتی ہے (۲) عمل کا صحیح یعنی شریعت کے مطابق ہونا جس پر ﴿ سَعْيَهَا ﴾ دلالت کرتا ہے (۳) عقیدہ کا صحیح ہونا جس پر ﴿ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ﴾ دلالت کرتا ہے، لہٰذا قبولیت کی شرطیں یہ ہیں اور ان کے بغیر کوئی بھی عمل قبول نہیں۔ اور کافروں پر دنیاوی نعمتوں کا ہونا ان کے اعمال کی قبولیت کی علامت نہیں ہے، کیونکہ دنیاوی نعمتیں مقبول لوگوں کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ) آپ کے رب کے (اس دنیاوی) عطیہ میں سے تو ہم ان (مقبول لوگوں) کی بھی امداد کرتے ہیں اور ان (غیر مقبول لوگوں) کی بھی (امداد کرتے ہیں) اور آپ کے رب کی (اس دنیاوی عطا کو کوئی روکنے والا نہیں (چنانچہ) آپ دیکھ لیجئے ہم نے (اس دنیاوی عطا میں کفر و ایمان کی قید کے بغیر) ایک کو دوسرے پر کس طرح فوقیت دی ہے (یہاں تک کہ اکثر کافر لوگ مؤمنوں سے زیادہ نعمت رکھتے ہیں۔ لہٰذا یہ چیز وقعت کے قابل نہیں) اور یقیناً آخرت (جو مقبول لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے، وہ) آخرت کے درجوں کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے (اس کا اہتمام کرنا چاہئے جو مذکورہ شرطوں کے ساتھ مشروط ہے)

فائدہ: سورۂ ہود کی آیت ۱۵ ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ ﴾ الخ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اعمال کا بدلہ دنیا میں ضرور ملتا ہے اور اس آیت میں اس کے لئے مشیت یعنی اللہ کی مرضی کی قید ہے۔ یہ اشکال اس آیت کے ترجمہ و تفسیر کے مطالعہ سے دور ہو جائے گا، کیونکہ وہاں ﴿ نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ ﴾ کی تفسیر میں ایسی قیدیں ہیں جن سے اعمال کی جزا پوری دینے کا لازم ہونا نہیں رہتا، بلکہ بعض صورتوں میں پورے دیئے جاتے ہیں، لہٰذا ﴿ مَا نَشَاۗءُ ﴾ انہی صورتوں پر صادق آئے گا۔ اور دونوں آیتوں کا مضمون ایک ہی ہو جائے گا۔

ع ۲

﴿ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ۭ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود مت تجویز کرو ورنہ تو بدحال بے یارومددگار ہو کر بیٹھ رہے گا۔ اور تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو اور تم ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو۔ اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں کے دونوں بڑھاپے کو پہنچ جاویں سو ان کو کبھی ''ہوں'' بھی مت کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا۔ اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحمت فرمایئے جیسا انھوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کیا ہے، تمہارا رب تمہارے مافی الضمیر کو خوب جانتا ہے اگر تم سعادت مند ہو تو وہ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کر دیتا ہے۔

ربط: اوپر اعمال کی قبولیت کی شرطیں بتائی ہیں۔ اب بعض ضروری اعمال بتاتے ہیں کہ آخرت کو طلب کرنے والا انہیں اختیار کرے اور چونکہ بڑی شرط توحید اور ایمان تھی اس لئے ان احکام کو توحید سے شروع کیا اور توحید ہی پر ختم کیا اور دونوں جگہ زیادہ اہتمام کے لئے ایک ہی جیسے الفاظ فرمائے ﴿لَا تَجْعَلْ﴾ الخ لہٰذا اس میں ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ کی کسی حد تک تفصیل ہوگئی، اور احکام کے درمیان میں ﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ﴾ الخ اور ﴿الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ﴾ الخ کے عام عنوان میں نیت کو شرط قرار دینا بھی داخل ہوگیا۔ لہٰذا یہ ﴿اَرَادَ الْاٰخِرَةَ﴾ کے مناسب ہوگیا۔ اور باقی احکام بتانے سے شرعی قانون کی تعمیل ہوگئی، اس سے ﴿سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا﴾ کی وضاحت ہوگئی۔ اور مختلف قسم کے ان احکام میں کئی قسم کے امر یعنی کرنے کا حکم اور کئی نہی یعنی نہ کرنے کا حکم یا ممانعت ہیں۔ جو اپنے حسن وخوبی کی وجہ سے بصیرت رکھنے والوں کے لئے محمد ﷺ کی رسالت کی دلیلیں بھی ہوسکتی ہیں جن کے بارے میں اوپر کلام تھا۔

پہلا حکم توحید:

(اے مخاطب!) اللہ (برحق) کے ساتھ کوئی اور معبود تجویز مت کرو (یعنی شرک مت کرو) ورنہ تو بہرحال سب بے یارومددگار ہو کر بیٹھ رہو گے اور (آگے پھر اس کی تاکید ہے کہ) تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ اس (معبود برحق) کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔

دوسرا حکم: ماں وباپ کے حقوق کی ادائیگی:

اور تم (اپنے) ماں باپ کے ساتھ اچھے سلوک کیا کرو، اگر (وہ) تمہارے پاس (ہوں اور) ان میں سے ایک یا دونوں بوڑھاپے (کی عمر) کو پہنچ جائیں (جس کی وجہ سے خدمت کے محتاج ہوجائیں اور جبکہ فطری طور پر ان کی خدمت کرنا بھاری معلوم ہو) تو (اس وقت بھی اتنا ادب کرو کہ) ان کو کبھی (ہاں سے) ''ہونہہ'' بھی مت کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے خوب ادب کے ساتھ بات کرنا اور ان کے سامنے نرمی اور انکساری کے ساتھ جھکے رہنا۔ اور (ان کے لئے حق تعالیٰ سے) یوں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحمت فرمایئے جیسے انھوں نے مجھے بچپن (کی عمر میں پالا

ہے اور صرف اس ظاہری عزت و تعظیم پر اکتفا مت کرنا، دل میں بھی ان کا ادب اور اطاعت کی نیت و ارادہ رکھنا، کیونکہ) تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دل میں کیا ہے (اور اس وجہ سے تمہارے لئے ایک ہلکا سا حکم بھی سناتے ہیں کہ) اگر تم (حقیقت میں دل ہی سے) سعادت مند ہو اور غلطی یا مزاج کی سختی یا دل تنگی کی وجہ سے کوئی ظاہری بھول و غلطی ہو جائے تو اور پھر نادم ہو کر معذرت کر لو) تو وہ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کر دیتا ہے۔

فائدہ: ﴿ارْحَمْهُمَا﴾ میں جو دعا کے لئے فرمایا ہے، ظاہری حکم مستحب کے درجہ میں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ واجب کے درجہ میں ہے، لیکن عمر بھر میں ایک بار دعا کرنے سے بھی واجب ادا ہو جائے گا اور شرعی دلیلوں سے یہ دعا کرنا مقید ہے ماں باپ کے ایمان والا ہونے کے ساتھ، البتہ اگر کفر کی حالت میں زندہ ہوں اور رحمت کی دعا، ہدایت کی دعا کے معنی میں کی جائے تو جائز ہے۔

﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝﴾ ع ۳

ترجمہ: اور قرابت دار کو اس کا حق دیتے رہنا اور محتاج اور مسافر کو بھی دیتے رہنا اور بے موقع مت اڑانا۔ بیشک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں۔ اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔ اور اگر تم کو اس رزق کے انتظار میں جس کی اپنے پروردگار کی طرف سے توقع ہو ان سے پہلو تہی کرنا پڑے تو ان سے نرمی سے بات کہہ دینا اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لینا چاہئے اور نہ بالکل ہی کھول دینا چاہئے ورنہ الزام خوردہ تہی دست ہو کر بیٹھ رہو گے۔ بلاشبہ تیرا رب جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور وہی تنگی کر دیتا ہے، بیشک وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے دیکھتا ہے۔

تیسرا حکم: دوسرے حقوق والوں کے حقوق کی ادائیگی:

اور رشتہ دار کو اس کا حق (مالی و غیر مالی) دیتے رہنا، اور محتاج اور مسافر کو بھی (ان کے حقوق دیتے رہنا)

چوتھا حکم: فضول خرچی کی ممانعت:

اور (مال کو) بے موقع مت اڑانا (کیونکہ) بیشک بے موقع اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں (یعنی انہی جیسے ہوتے ہیں) اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے (کہ حق تعالیٰ نے اس کو عقل کی نعمت و دولت دی مگر اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اس کو استعمال کیا۔ اسی طرح فضول خرچی کرنے والوں کو مال و دولت دیئے مگر وہ ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرتے ہیں۔

پانچواں حکم: اچھے طریقہ سے جواب دینا:

اور اگر (کسی وقت تمہارے پاس ان لوگوں کو دینے کے لئے نہ ہو اور اس لئے) تمہیں اس رزق کے انتظار میں جس کی اپنے پروردگار سے توقع ہو (اس کے نہ آنے تک) ان سے پہلو بچانا پڑے تو (اتنا خیال رکھنا کہ) ان سے نرمی کی بات کہہ دینا (یعنی دل جوئی کے ساتھ ان سے وعدہ کر لینا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ کہیں سے آ جائے گا تو دیدیں گے، اور دل دکھانے والا جواب مت دینا)

چھٹا حکم: خرچ کرنے میں درمیانی راستہ اپنانا:

اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لینا چاہئے (کہ انتہائی بخل یعنی کنجوسی کی وجہ سے بالکل ہی ہاتھ روک لیا جائے) اور نہ ہی بالکل کھول دینا چاہئے (کہ فضول خرچی کی جائے) ورنہ ملامت زدہ خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ رہو گے (اور کسی کے فقر ومحتاجی پر رحم کر کے خود کو پریشانی میں ڈالنا بیکار ہے، کیونکہ) بلاشبہ تمہارا رب جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور وہی (جس پر چاہے) تنگی کر دیتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں (کی حالت اور ان کی مصلحت) کو خوب جانتا ہے، دیکھتا ہے (تم اس فکر میں کیوں پڑتے ہو کہ گنجائش نہ ہونے کے باوجود کچھ نہ کچھ ضرور دینا چاہئے)

فائدہ: اسراف اور تبذیر کا حاصل ایک ہی ہے یعنی معصیت اور گناہ کے کام میں خرچ کرنا، چاہے وہ خود معصیت ہو، جیسے شراب، جوا، زنا یا کسی دوسری وجہ سے معصیت ہوگئی ہو جیسے مباح کام میں شہرت اور فخر کی وجہ سے خرچ کرنا۔ اور بعض نے یہ فرق کیا ہے کہ اسراف میں جہالت تعداد کے لحاظ سے ہے کہ حقوق العباد کی مقداروں سے بڑھ جائے۔ اور تبذیر میں جہالت کیفیت کے لحاظ سے ہے کہ موقع ومحل کو نہ سمجھے اور حق عام ہے مالی بھی اور غیر مالی بھی۔ جیسا کہ حسن معاشرت یعنی بھلے طریقہ سے رہنا سہنا، اچھے معاملات رکھنا وغیرہ، اور چونکہ شیطان بہت سارے ہیں اگرچہ ابلیس ایک ہی ہے، اس لئے ﴿اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ﴾ میں جمع کا لفظ استعمال کیا اور شیطان جو واحد لایا گیا اس سے خاص ابلیس مراد ہے کہ ناشکری میں اصل وہی ہے یا اس سے جنس شیطان مراد ہے کہ اس میں سارے شیطان شامل ہیں اور آخر میں جو ﴿اِنَّ رَبَّکَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ﴾ الخ فرمایا۔ اس سے یہ مقصود نہیں کہ کوئی کسی کی فکر ہی نہ کرے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دوسرے کو نفع پہنچانے کے لئے خود کو دینی نقصان پہنچانا یا ایسا دنیاوی نقصان برداشت کرنا جس کا انجام دینی نقصان ہو، منع ہے۔ اگر ایسی حالت میں بہت جوش ہو تو اس آیت پر غور کر لے ﴿اِنَّ رَبَّکَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ﴾۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝﴾

ترجمہ: اور اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل مت کرو ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، بیشک ان کا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔ اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور وہ بری راہ ہے۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق پر۔ اور جو شخص ناحق قتل کیا جاوے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے سو اس کو قتل کے بارہ میں حد سے تجاوز نہ کرنا چاہئے چاہے وہ شخص طرفداری کے قابل ہے۔

ساتواں حکم: اولاد کے قتل سے روکنا:

اور اپنی اولاد کو غریبی و مفلسی کے اندیشہ سے قتل مت کرو (کیونکہ) ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی (ہاں! اگر تم رازق یعنی رزق دینے والے ہوتے تو ایسی باتیں سوچتے) بیشک ان کا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

فائدہ: جاہلیت کے زمانہ میں بعض لوگ بیٹیوں کو فقر و محتاجی کے خوف سے مار ڈالتے تھے جیسا کہ قتادہ سے درمنثور میں نقل کیا گیا ہے۔ لہٰذا اولاد سے مراد بیٹیاں ہوں گی اور اولاد کا لفظ استعمال کرنے کا مقصد خاص تعلق کے اظہار کے لئے ہے کہ رحم و نرمی کا جوش ہو۔

آٹھواں حکم: زنا سے روکنا:

اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو (یعنی زنا کے خیالات اور اس کی طرف میلان پیدا کرنے والی چیزوں سے بھی بچو) بلاشبہ وہ (اپنے آپ ہی میں) بڑی بے حیائی کی بات ہے، اور (فساد و بگاڑ کے اعتبار سے بھی) برا راستہ ہے (کیونکہ اس سے دشمنی) فتنے اور نسب کا ضائع کرنا جیسے برے نتیجے سامنے آتے ہیں)

نواں حکم: ناحق قتل سے مطلقاً روکنا:

اور جس شخص (کے قتل کرنے) کو اللہ تعالیٰ نے (شرعی قواعد کے لحاظ سے) حرام فرمایا ہے، اس کو قتل مت کرو، مگر حق کے ساتھ (قتل کرنا صحیح ہے یعنی جب قتل کے واجب یا مباح ہونے کا کوئی شرعی سبب پایا جائے اس وقت وہ ﴿حَرَّمَ اللّٰہُ﴾ میں داخل نہیں) اور جو شخص ناحق قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے (حقیقی یا حکمی) وارث کو (قصاص لینے کا شرعی طور پر) اختیار دیا ہے تو اس کو قتل کے بارے میں (شرعی) حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے (یعنی جو شخص قاتل نہ ہو اس کو قتل نہ کرے کیونکہ) وہ شخص (زیادتی نہ کرنے کی صورت میں تو شرعی طور پر) طرف داری کے قابل ہے (اور زیادتی کرنے سے پھر دوسرا فریق طرف داری کے قابل ہو جائے گا، اس لئے زیادتی کر کے طرف داری و حمایت سے خارج نہیں ہونا چاہئے)

فائدہ: ولی سے وہ شخص مراد ہے جسے قصاص کا حق ہو، اگر کوئی وارث موجود ہو تو وہ، ورنہ سلطان کہ حکمی وارث سے یہی مراد ہے۔

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جاوے اور عہد کو پورا کیا کرو بیشک عہد کی باز پرس ہونے والی ہے۔ اور جب ناپ کر دو تو پورا ناپو اور صحیح ترازو سے تول کر دو یہ اچھی بات ہے اور انجام بھی اس کا اچھا ہے۔ اور جس بات کی تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد مت کیا کر۔ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے اس سب کی پوچھ ہو گی۔

دسواں حکم: یتیم کے مال میں ناحق تصرف سے روکنا:

اور یتیم کے مال کے پاس مت جاؤ (یعنی اس میں تصرف مت کرو) سوائے ایسے طریقہ کے جو کہ (شرعی طور پر) اچھا ہو (یعنی ایسے طریقہ سے تصرف کی اجازت ہے) یہاں تک کہ وہ بالغ ہونے کی عمر کو پہنچ جائے۔

فائدہ: یہی الفاظ سورۂ انعام آیت ۱۵۲ میں بھی آئے ہیں۔ وہاں اس کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

گیارہواں حکم: عہد پورا کرنے کا حکم:

اور (شرعی) عہد کو پورا کیا کرو، بیشک (ایسے) عہد کے بارے میں (قیامت میں) پوچھ گچھ ہونے والی ہے۔

فائدہ: عہد میں اللہ تعالیٰ کے تمام احکام اور بندوں کے درمیان آپس میں جو عہد اور معاملات طے ہوں داخل ہو گئے، چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے: كل عقد تقدم لأجل توثيق الأمر وتوكيده فهو عهد: یعنی ہر معاملہ جو کسی امر کی توثیق اور اس کو استوار کرنے کے لئے طے کیا جائے وہ عہد ہے۔ اور تفسیر خازن میں ایسی تفسیر کی ہے جس میں وعدہ بھی شامل ہے۔ وہ یہ ہے: قيل أراد بالعهد ما يلتزمه الإنسان على نفسه: یعنی کہا گیا ہے کہ عہد سے مراد یہ ہے کہ جسے آدمی خود اپنے اوپر لازم کرتا ہے، لیکن وعدہ دین کے طور پر واجب ہو گا قضا کے طور پر نہیں اور "شرعی" کی قید سے غیر شرعی نکل گئے، اور وعدہ کو پورا کرنے کے واجب ہونے میں دوسری دلیلوں سے عذر نہ ہونے کی بھی قید ہے، کہ عذر کی صورت میں واجب نہیں رہتا۔

بارہواں و تیرہواں حکم: ناپ تول پورا کرنے کا حکم:

اور (ناپنے کی چیزوں کو) جب ناپ کر دو تو پورا ناپو اور (تولنے کی چیزوں کو) صحیح ترازو سے تول کر دو، یہ (اپنے آپ میں بھی) اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے (آخرت میں ثواب ملے گا اور دنیا میں اعتبار قائم ہوتا ہے)

چودہواں حکم: غیر دلیل کی پیروی سے روکنا:

اور جس بات کی تمہیں تحقیق نہ ہو، اس پر عمل مت کیا کرو (کیونکہ) کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کے بارے میں (قیامت کے دن) پوچھ گچھ ہوگی (کہ آنکھ کا استعمال کہاں کیا، کان کا کہاں استعمال کیا بغیر دلیل کی بات کا خیال کیوں جمایا، اس لئے بغیر تحقیق کی بات پر یقین کر کے اس پر عمل مت کیا کرو)

فائدہ: علم اصول اور علم کلام میں ہر امر کی تحقیق کا درجہ جدا جدا ثابت ہو چکا ہے لہٰذا جس امر میں جس درجہ کی تحقیق ضروری ہے، اس درجہ کی تحقیق کے بغیر اس پر عمل جائز نہیں، چاہے قول کے لحاظ سے ہو، جیسے نقل یا حکایت یا فتوی اور چاہے فعل کے اعتبار سے ہو کہ اس کام کو کیا جائے، چنانچہ قطعیات یعنی قطعی احکام و امور میں قطعی دلیل تحقیق کا درجہ ہے اور ظنی امور میں ظنی دلیل کا۔ اس طرح اس سے شرعی قیاس کی نفی لازم نہیں آتی۔ خوب سمجھ لو۔

﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝﴾

ترجمہ: اور زمین پر اتراتا ہوا مت چل تو نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے۔

پندرہواں حکم: اترانے کی ممانعت:

اور زمین پر اتراتے مت چلو (کیونکہ) تم (زمین پر زور سے پاؤں رکھ کر) نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ (بدن کو تان کر) پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتے ہو (پھر اترانا بے کار ہے)

فائدہ: یعنی زور سے پاؤں رکھنے کے لئے کم سے کم اتنی قوت تو ہونی چاہئے اور بدن کو تاننے کے لئے کم سے کم اتنی قدرت ضروری ہے، اور جب اس سے بھی عاجز ہو تو پھر قدرت اور قوت کی وضع کیوں بنائی۔ اور جن چیزوں پر انسان قادر ہے ان پر بھی حقیقت میں قدرت نہیں رکھتا، لہٰذا تکبر ہر امر میں مذمت کے قابل ہوا۔ اب اس بیان پر یہ شبہ نہیں رہا کہ اس سے اختیاری امور میں تکبر کے جواز کا وہم ہوتا ہے۔

﴿كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ۝﴾

ترجمہ: یہ سارے برے کام تیرے رب کے نزدیک ناپسند ہیں۔

ربط: اوپر جن جزئی امور سے روکا گیا ہے ممنوع چیزوں میں تو خود وہ چیزیں جن کا ذکر کیا گیا اور جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے ان میں مذکور چیزوں کی ضد اب کلی عنوان سے ان سب کا برا ہونا بیان کرتے ہیں۔

جن چیزوں سے روکا گیا ہے ان کا برا ہونا:

یہ سارے برے کام (جن کا ذکر کیا گیا) آپ کے رب کے نزدیک (بالکل) ناپسند ہیں۔

فائدہ: جو کہ منہیات یعنی جن چیزوں سے روکا گیا، میں تو صراحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور مامورات یعنی جن کا حکم دیا گیا میں دلالت کے لحاظ سے جیسے ﴿ اَوْفُوْا ﴾ سے اس کی ضد یعنی پورا نہ کرنے کے حرام ہونے پر دلالت نکلتی ہے جیسا کہ سورۃ انعام کی آیت ۱۵۱ میں ﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ﴾ یعنی "آپ فرما دیجئے کہ آؤ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہارے رب نے تمہارے اوپر کیا حرام کیا ہے!" کے بعد ارشاد ہوا ہے ﴿ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ یعنی "اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک مت بناؤ اور والدین کے ساتھ احسان کا سلوک کرو" حالانکہ شریک نہ بنانا اور احسان حرام نہیں، مگر یہ جن ضدوں پر دلالت کرتے ہیں یعنی شرک اور برا سلوک وہ حرام ہیں۔

﴿ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِـهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝ ﴾ ع

ترجمہ: یہ باتیں اس حکمت میں کی ہیں جو خدا تعالیٰ نے آپ پر وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہیں اور اللہ برحق کے ساتھ کوئی اور معبود تجویز مت کرنا ورنہ تو الزام خوردہ اور راندہ ہو کر جہنم میں پھینک دیا جاوے گا۔ کیا تمارے رب نے تم کو بیٹوں کے ساتھ خاص کیا ہے اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنائی ہیں بیشک تم بڑی بات کہتے ہو۔ اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ اچھی طرح سے سمجھ لیں۔ اور ان کو نفرت ہی بڑھتی جاتی ہے۔ آپ فرمایئے کہ اگر اس کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا یہ لوگ کہتے ہیں تو اس حالت میں عرش والے تک انھوں نے راستہ ڈھونڈ لیا ہوتا۔ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بہت زیادہ برتر ہے۔ تمام ساتوں آسمان اور زمین اور جتنے ان میں ہیں اس کی پاکی بیان کرر ہے ہیں۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو، لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں۔ وہ بڑا علیم ہے بڑا غفور ہے۔

احکام مذکورہ کی تعریف اور توحید پر اختتام:

ربط: اوپر مضامین مذکورہ بیان فرما کر اب ان پر عمل کرنے کی ترغیب کے لئے ان کا عین علم و حکمت ہونا بیان فرماتے ہیں، اور ان مضامین کو اسی مضمون توحید پر ختم فرماتے ہیں جس سے ان کا آغاز فرمایا تھا۔

(اے محمد ﷺ) یہ باتیں (جو مذکور ہوئیں) اس حکمت میں کی ہیں جو خدا تعالیٰ نے آپ پر وحی کے ذریعہ سے بھیجی

ہیں، اور (اے مخاطب) اللہ برحق کے ساتھ کوئی اور معبود تجویز مت کرنا، ورنہ تو الزام خوردہ اور راندہ ہو کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

توحید کی تاکید:

ربط: اوپر توحید کا بیان تھا اور اس کو دہرایا گیا تھا۔ اب بھی وہی مضمون ہے۔

(جب اوپر شرک کا قبیح یعنی برا ہونا اور باطل ہونا سن لیا) تو کیا (پھر بھی ایسی) باتوں کے قائل ہوتے ہو جو توحید کے خلاف ہیں؟ مثلاً یہ کہ) تمہارے رب نے تمہیں تو بیٹوں کے ساتھ خاص کیا ہے اور خود (اپنے لئے) فرشتوں کو بیٹیاں بنالی ہیں (جیسا کہ بعض جاہلوں کا خیال تھا۔ اس میں انکار کی دو وجہیں ہیں: ایک تو اللہ کے لئے اولاد قرار دینا پھر اولاد بھی وہ جو اپنے لئے بے کار سمجھی جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف دو ناقص باتوں کی نسبت کرنا لازم آیا) بیشک تم بڑی (سخت) بات کہتے ہو اور (افسوس تو یہ ہے کہ) ہم نے (اس مضمون یعنی توحید کے ثابت کرنے اور شرک کے باطل کرنے کو) اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ (اس کو) اچھی طرح سمجھ لیں (جیسا کہ بار بار اور مختلف طریقوں سے بیان کرنے کا تقاضا بھی ہے کہ سمجھ میں آجائے۔ اور (اس کے باوجود) ان کو (اس توحید سے نفرت ہی بڑھتی جاتی ہے۔ آپ (شرک کو باطل قرار دینے کے لئے ان سے) فرمایئے کہ اگر اس (معبود برحق) کے ساتھ اور معبود (بھی رب اور خدا ہونے میں شریک) ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو اس حالت میں انھوں نے عرش والے (یعنی حقیقی معبود) تک (مخالفانہ طور پر پہنچنے کا) راستہ (کبھی کا) ڈھونڈ لیا ہوتا (یعنی مخالفت اور مقابلہ ہوتا پھر دنیا کا موجودہ نظام کیسے باقی رہتا۔ حالانکہ دنیا کا نظام قائم ہے، اس سے معلوم ہوا کہ فساد کا سبب یعنی کئی معبودوں کا ہونا موجود نہیں ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ) یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بہت زیادہ برتر ہے (وہ ایسا پاک ہے کہ) تمام ساتوں آسمان اور زمین اور جو بھی (انسان اور جن اور فرشتے) ان میں (موجود) ہیں (سب کے سب قول کے اعتبار سے یا حال کے اعتبار سے) اس کی پاکی بیان کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرشتے اور انسانوں و جنات میں سے ایمان والے قول و حال دونوں کے اعتبار سے اور کافر صرف حال کے اعتبار سے) اور (بات ان تک ہی کیا محدود آسمانوں اور زمین اور جتنی بھی چیزیں ہیں، ان میں) کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی (قول یا حال کے اعتبار سے) بیان نہ کرتی ہو، لیکن (اے مشرکو!) تم لوگ ان (عقل والوں اور مذکورہ چیزوں) کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ہو (حال کے اعتبار سے بیان کی جانے والی پاکی کو تو اس لئے نہیں سمجھتے کہ اس کی حقیقت استدلال ہے اور وہ غور و فکر پر موقوف ہے اور تم غور و فکر نہیں کرتے اور قول کے اعتبار سے بیان کی جانے والی کو بعض چیزوں میں تو اس لئے نہیں سمجھتے کہ ان کا تعلق کشف کے امور سے ہے اور مؤمنوں کی قولی تسبیح کو اس لئے نہیں سمجھتے کہ سننے کے باوجود اس کے معنی اور اس کی حقیقت کے بارے میں غور نہیں کرتے اور تمہاری اس مذمت کے قابل غفلت ہونے پر جو عذاب نہیں ہوتا اس سے توحید کی حقیقت میں شبہ نہ کرنا، کیونکہ عذاب میں توقف کی وجہ یہ ہے کہ)

وہ بڑا غصہ کو برداشت کرنے والا ہے (ورنہ تمہارا عقیدہ تو لازمی طور پر سزا کے لائق ہے، ہاں اگر توبہ کرلو تو وہ) بڑا مغفرت کرنے والا (بھی) ہے (سب معاف کردے گا)

فائدہ: ﴿ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ ﴾ کا مضمون عادت کے مطابق ایک دوسرے کے لئے لزوم پر مبنی ہے اور ایسی عظیم قدرت والی ہستیوں میں ہمیشہ کی صلح بھی عام طور سے ناممکن ہے اور اس کا قناعت کرنے والا ہونا اس لئے معتبر نہیں کہ یہ اپنے آپ میں عقلی دلیل پر مبنی ہے۔ یہاں معاملہ کو عام سمجھ سے قریب کرنے کے لئے بیان کا یہ طریقہ اختیار کرلیا گیا۔ چنانچہ توحید کی عقلی دلیل سورۃ البقرہ آیت ۱۶۴ کی تفسیر میں گذر چکی ہے اور آیت ﴿ تُسَبِّحُ لَهُ ﴾ الخ کی تسبیح میں عموم مجاز کے طور پر حقیقی یعنی زبان سے کی جانے والی تسبیح اور حکمی یعنی حال کے اعتبار سے کی جانے والی تسبیح دونوں شامل ہیں۔ چنانچہ اطاعت کرنے والے عقل والوں کی زبان سے کی جانے والی تسبیح تو ظاہر ہے اور عقل نہ رکھنے والوں کی تسبیح حدیثوں سے ثابت ہے اور کشف سے اس کی تائید ہوتی ہے اور عقل والے گنہ گاروں کی صرف حال کے اعتبار سے اس معنی میں ہے کہ ان کا وجود اور ان کے تابع رہنے والوں کا وجود ایجاد کرنے والے کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس طرح کی حال کے اعتبار والی تسبیح موجودات کی دوسری قسموں میں بھی عام ہے۔ لہٰذا حال اور قول کے اعتبار میں جو تردید ہے، وہ اس معنی میں ہے کہ اس سے کبھی خالی نہیں ہو سکتی اور نہ سمجھنے کا خطاب موقع و محل کے لحاظ سے مشرکوں کو ہے اور ﴿ تَسْبِيْحَهُمْ ﴾ کی ضمیر میں غلبہ کے طور پر مذکر و مؤنث یعنی مرد و عورت سب شامل ہیں اور ان کا یہ سمجھنا ہر تسبیح کے اعتبار سے ہے جیسا کہ ترجمہ میں وضاحت کی گئی اور یہی ملامت کی بنیاد ہے جیسا کہ ﴿ لَا تَفْقَهُوْنَ ﴾ سے ﴿ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴾ کے موقع و محل کے لحاظ سے نہ سمجھنے کی مذمت ہے۔ ورنہ بعض قسموں کا نہ سمجھنا ملامت کا سبب نہیں ہوتا۔ مؤمنوں کے برخلاف کہ وہ سب کی تسبیح کو سمجھتے ہیں چاہے ہر تسبیح کرنے والے کی ہر تسبیح کو جیسے اہل کشف چاہے بعض تسبیح کرنے والوں کی ایک تسبیح کو اور بعض کی دونوں تسبیحوں کو جیسے عام مؤمن کو جمادات اور پوشیدہ چیزوں کی صرف حال کے اعتبار والی تسبیح کو سمجھتے ہیں کہ ان کے وجود سے جس کا مشاہدہ کرتے ہیں باوجود دلیل سے ثابت ہے، بنانے والے کے وجود پر استدلال کرتے ہیں اور اطاعت کرنے والے عقل والوں کی دونوں تسبیحوں کو سمجھتے ہیں اور بعض لوگوں کو جو وسوسہ ہوا ہے کہ تسبیح کے لئے علم کی اور علم کے لئے زندگی کی ضرورت ہے اور یہ صورت حال جمادات میں نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اتنا علم اور اتنی زندگی جمادات کو بھی حاصل ہو تو جو ہمیں محسوس نہ ہو اس میں ناممکن کیا ہے۔

﴿ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ وَّ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ

الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا۝

ترجمہ: اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ اور ہم ان کے دلوں پر حجاب ڈالتے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے دیتے ہیں۔ اور جب آپ قرآن میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ لوگ نفرت کرتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں جس وقت یہ لوگ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے یہ سنتے ہیں اور جس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں جب کہ یہ ظالم یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ محض ایسے شخص کا ساتھ دے رہے ہو جس پر جادو کا اثر ہو گیا ہے۔ آپ دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسے کیسے القاب تجویز کرتے ہیں سو یہ لوگ گمراہ ہو گئے تو راستہ نہیں پا سکتے۔

ربط: اوپر فرمایا تھا کہ قرآن میں توحید کے مضمون کے بار بار آنے کے باوجود انہیں نصیحت حاصل نہیں ہوتی۔ اب اس نصیحت کے نہ ہونے کی وجہ غور و فکر نہ ہونے کو قرار دیتے ہیں، جس کے ساتھ نفرت بھی ہوتی تھی اور وہ مذاق بھی اڑاتے تھے، اور اس سے ان کے رسالت اور قرآن کے انکار پر بھی دلالت ہوگئی اور گذشتہ مضمون یعنی ان کے توحید کے انکار کی خبر دینے کے ساتھ بھی مناسبت ہوگئی۔

قرآن سننے کے وقت کافروں کا معاملہ:

اور جب آپ (تبلیغ کے لئے) قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک رکاوٹ پیدا کر دیتے ہیں، اور (وہ رکاوٹ یہ ہے کہ) ہم ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں، اس سے کہ وہ اس (قرآن کے مقصود) کو سمجھیں، اور ان کے کانوں میں (اس کے ہدایت کے غرض سے سننے سے) ڈاٹ دیدیتے ہیں (یعنی ایک طرح کا پردہ جس میں نہ سمجھنا اور سمجھنے کا ارادہ نہ ہونا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ آپ کی نبوت کی شان کو نہیں سمجھ سکتے) اور جب آپ قرآن میں صرف اپنے رب (کی صفتوں اور کمالوں) کا ذکر کرتے ہیں (اور ان کے معبودوں سے ان کاموں کی نفی کرتے ہیں) تو وہ لوگ (اسی نہ سمجھنے کی وجہ سے اس سے) نفرت کرتے ہوئے پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں (آگے اس پر وعید ہے کہ) جس وقت یہ لوگ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو ہم خوب جانتے ہیں، جس غرض سے یہ (قرآن کو) سنتے ہیں (یعنی ان کی غرض یہی اعتراض اور طعن کرنا ہے) اور جس وقت یہ لوگ (قرآن سننے کے بعد) آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں (ہم اس کو بھی خوب جانتے ہیں) جبکہ (اس سرگوشی میں) یہ ظالم یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ (یعنی تمہاری برادری میں سے جو ان کے ساتھ ہو گئے ہیں) محض ایسے شخص کا ساتھ دے رہے ہیں جس پر جادو کا (خاص) اثر

(جنون) ہو گیا ہے (یعنی یہ جو عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں، یہ سب دماغ کا خلل ہے۔ اے محمد ﷺ ذرا) آپ دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسی کیسی باتیں کرتے ہیں تو (ایسی ایسی باتیں اور ایسی ایسی مخالفتیں کر کے) یہ لوگ (بالکل ہی) گمراہ ہو گئے تو (اب حق کا) راستہ نہیں پاسکتے (کیونکہ ایسے معاملوں سے صلاحیت ضائع ہو جاتی ہے۔ غرض قرآن کا بھی مذاق اڑانا، اور رسول کا بھی مذاق اڑانا تو اس سے بڑھ کر کیا گمراہی ہوگی؟)

فائدہ: صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ آپ پر ایک دفعہ جادو چل گیا تھا، بعض لوگوں نے اس آیت سے اس حدیث کو جھٹلایا ہے کہ یہ قول تو کافروں کا تھا اور باطل تھا، اس کا جواب ترجمہ کی وضاحت سے ظاہر ہو گیا کہ جادو کا اثر کہنے سے ان کا مقصود کنایہ کے طور پر مجنون کہنا تھا، جس کے خیالات اور کہی ہوئی باتیں سب ہذیان بے کار اور وہم ہوتی ہیں۔ اور وہ وحی کے بارے میں ایسی باتیں کہتے تھے، لیکن قرآن میں اس کی پرزور نفی ہے۔ اور آپ کے اوپر جو جادو ہوا تھا، اس سے روز کے جزوی معاملوں میں ایک طرح کی بھول ہو جاتی تھی۔ باقی دنیاوی معاملوں میں بھی کوئی خلل نہیں آتا تھا جبکہ دینی امور میں تو ایسی بھول بھی نہیں ہوتی تھی، ورنہ اس کے اثر کے ختم ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ ان معاملوں کے بارے میں تنبیہ فرما دیتے جیسا کہ اجتہادی خطاؤں میں تنبیہ فرما دی جاتی تھی، لہٰذا آیت میں جادو کے خاص اثر یعنی جنون کی نفی ہے اور حدیث میں مطلق جادو کا اثبات آیا ہے اور خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی، لہٰذا آیت اور حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

﴿وَقَالُوٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۞ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۞ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۗ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۗ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ۞ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۞﴾ ع ۵

ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو کیا ہم از سرنو پیدا اور زندہ کئے جاویں گے۔ آپ فرما دیجئے کہ تم پتھر یا لوہا یا اور کوئی مخلوق ہو کر دیکھ لو جو تمہارے ذہن میں بہت ہی بعید ہو، اس پر پوچھیں گے کہ وہ کون ہے جو ہم کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ آپ فرما دیجئے کہ وہ وہ ہے جس نے تم کو اول بار میں پیدا کیا تھا اس پر آپ کے آگے سر ہلا ہلا کر کہیں گے کہ یہ کب ہوگا۔ آپ فرما دیجئے کہ عجب نہیں یہ قریب ہی آ پہنچا ہو۔ یہ اس روز ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تم کو پکارے گا اور تم اس کی حمد کرتے ہوئے حکم کی تعمیل کر لو گے اور تم یہ خیال کرو گے کہ تم بہت ہی کم رہے تھے۔

ربط: اوپر ان کافروں کے توحید رسالت اور قرآن کے انکار کا جواب تھا۔ اب ان کے بعثت کے انکار کا جواب ہے اور اس سے نبوت پر بھی شبہ کرتے تھے کہ ایسے معاملات کی خبر دینے والا رسول کس طرح ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس طرح ان آیتوں

میں بعث (مرنے کے بعد زندہ ہونے) اور رسالت دونوں سے متعلق شبہات کا حل ہے۔

بعث کا انکار کرنے والوں سے کلام:

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم (مرنے کے بعد) ہڈیاں اور (ہڈیوں کا بھی) چورا (یعنی ریزہ ریزہ) ہو جائیں گے تو کیا (اس کے بعد قیامت میں) ہم نئے سرے سے پیدا اور زندہ کئے جائیں گے (یعنی اول تو مرنے کے بعد زندہ ہونا ہی مشکل ہے کہ جو زندہ ہونے کا محل تھا، اس میں قابلیت نہیں رہی، پھر خاص طور سے ایسی حالت میں کہ وہ محل ایک جگہ جمع بھی نہ رہے) آپ (جواب میں) فرما دیجئے کہ (تم ہڈیوں ہی سے زندگی کو دشوار سمجھتے ہو اور ہم کہتے ہیں کہ) تم پتھر یا لوہا یا اور کوئی ایسی مخلوق ہو کر دیکھ لو جو تمہارے ذہن میں (زندگی کی قبولیت سے) بہت ہی دور ہو (دیکھو زندہ کئے جاؤ گے یا نہیں اور لوہے پتھر کا زندگی سے دور رہنا ظاہر ہے کہ ان میں کبھی حیوانی زندگی نہیں آئی۔ بخلاف انسانی اجزا کے کہ ان میں ایک بار زندگی قائم رہ چکی ہے جب زندگی سے اتنی دور کی چیزوں کا زندہ کرنا ممکن ہے تو زندگی سے قریب والی چیزوں کا زندہ کرنا تو بدرجۂ اولیٰ ممکن ہے۔ اور ﴿ كُوْنُوْا ﴾ سے مقصود امر نہیں ہے بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اگر تم لوہا اور پتھر بھی ہو جاؤ تب بھی اس قدرت کے محل رہو گے) اس پر (یعنی جب قبول کرنے والے کی قبولیت کی صلاحیت ثابت ہوگئی تو اب فاعل کی تحقیق کرنے کے لئے آپ سے) پوچھیں گے کہ وہ کون ہے جو ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟ آپ فرما دیجئے کہ وہی جس (کی اتنی بڑی قدرت ہے کہ اس) نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا (جب تم بالکل بے جان تھے اب اس کی قدرت کہاں گئی، خاص طور سے ایسی چیز پر کہ اس میں قابلیت بھی زیادہ ہے؟ غرض قبولیت کی صلاحیت بھی پوری ہے اور فاعل بھی کامل ہے تو پھر فعل میں کیا دشواری ہے؟) اس پر (جب قبول کرنے والے اور فعل انجام دینے والے دونوں کی تحقیق ہو چکی تو واقع ہونے کے زمانہ کی تحقیق کے لئے) آپ کے آگے (انکار کے طور پر) سر ہلا ہلا کر کہیں گے کہ (اچھا یہ بتائیے) یہ (زندہ ہونا) کب ہوگا؟ آپ فرما دیجئے کہ کیا عجیب ہے کہ (اس کا وقت) قریب ہی آپہنچا ہو (آگے اس کے واقع ہونے کے وقت کی حالت کا بیان ہے کہ) یہ اس دن ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں (زندہ کرنے اور حشر کے میدان میں جمع ہونے کے لئے فرشتہ کے ذریعہ سے) پکارے گا، اور تم (مجبور ہو کر اس کی حمد و ثنا) کرتے ہوئے حکم کی تعمیل کر لو گے (یعنی زندہ بھی ہو جاؤ گے اور حشر کے میدان میں بھی حاضر ہو جاؤ گے) اور (اس دن کی ہولناکی اور ہیبت دیکھ کر یہ حال ہوگا کہ دنیا اور قبر میں رہنے کے مقابلہ میں) تم یہ خیال کرو گے کہ تم (قبر اور دنیا میں) بہت ہی کم (مدت) رہے تھے (کیونکہ اس دن کے مقابلہ میں قبر اور دنیا میں پھر بھی راحت تھی اور راحت کا زمانہ شدت کے زمانہ کے مقابلہ میں کم معلوم ہوتا ہے)

فائدہ: ﴿ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ ﴾ کی تفسیر میں روح المعانی میں عبد بن حمید سے ابن جبیر کا قول نقل کیا گیا ہے کہ قبروں سے سبحانک اللھم وبحمدک کہتے ہوئے نکلیں گے کہ چاہے کافر کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور بعض نے کہا

ہے کہ اتباع سے کنایہ ہے یعنی حمد بیان کرنے والوں کی طرح اس کی اتباع کریں گے اور یہ فرشتہ جس کے ذریعہ سے پکارا جائے گا اسرافیل علیہ السلام ہیں، ان کے صور پھونکنے میں یہی حکم ہوگا اور "مجبور ہوکر" اس لئے کہا کہ زندگی میں تو بالکل بھی اختیار نہیں اور حشر کے میدان میں جمع ہونے پر پورا اختیار نہیں۔

﴿ وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور آپ میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ ایسی بات کہا کریں جو بہتر ہو۔ شیطان ان لوگوں میں فساد ڈلوا دیتا ہے واقعی شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔ تم سب کا حال تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے، اگر وہ چاہے تم پر رحمت فرمادے یا اگر وہ چاہے تو تم کو عذاب دینے لگے اور ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔

ربط: اوپر کافروں کی جہالت کا ذکر تھا جس میں مسلمانوں کو غصہ آنے کا خیال تھا۔ اس لئے اب جواب میں نرمی برتنے کی تعلیم ہے۔

کفار سے حجت بازی میں اکھڑپن چھوڑنے کی تعلیم:

اور آپ میرے (مسلمان) بندوں سے کہہ دیجئے کہ (اگر کافروں کو جواب دیں تو) ایسی بات کیا کریں جو (اخلاق کے اعتبار سے) بہتر ہو (یعنی اس میں برا بھلا کہنا، گالی گلوچ، اکھڑپن اور اشتعال نہ ہو، کیونکہ) شیطان (سخت جواب دلا کر) لوگوں میں فساد ڈلوا دیتا ہے۔ واقعی شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے (اور ہمارے اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ سختی سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ ہدایت اور گمراہی بالکل اللہ کی مشیت سے متعلق ہیں تو (تم سب کا حال تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے (کہ کون کس قابل ہے؟ لہٰذا) اگر وہ چاہے تو تم (میں سے جس) پر (چاہے) رحمت فرمادے (یعنی ہدایت کردے) یا اگر وہ چاہے تو تم (میں سے جس کو چاہے) عذاب دینے لگے (یعنی اس کو ہدایت کی توفیق نہ دے اور اس پر عذاب ہو) اور ہم نے آپ (تک) کو ان (کی ہدایت) کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا (جب آپ نبوت کے باوجود ذمہ دار نہیں بنائے گئے تو دوسرے امتی تو کیوں کر ذمہ دار ہوسکتے ہیں، پھر اس قدر پیچھے پڑنے اور سختی سے کام لینے کی کیا ضرورت ہے)

فائدہ: اس سے مراد بغیر ضرورت کے سختی کرنا ہے، جیسا کہ اکثر بحث ومباحثہ اور لڑائی جھگڑے میں ہوجاتی ہے ورنہ ضرورت اور مصلحت کے موقع پر اس سے زیادہ قتال تک کی اجازت ہے۔ خوب کہا گیا ہے:

بے حکم شرع آب خوردن خطا ست ❁ وگر خوں بفتوی بریزی رواست

شریعت کے حکم کے بغیر پانی بھی پیوگے تو غلط ہوگا اور اگر فتوی کے تحت خون بھی بہاؤ گے تو جائز ہوگا۔

﴿ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ وَّ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور آپ کا رب خوب جانتا ہے ان کو جو کہ آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں۔ اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور ہم داؤد کو زبور دے چکے ہیں۔

ربط: اوپر ﴿ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ ﴾ اور ﴿ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا ﴾ میں کافروں کے رسالت کے انکار پر دلالت تھی۔ رسالت کے انکار کی وجوہ میں سے ان کا ایک یہ بھی خیال تھا کہ رسول فرشتہ ہونا چاہئے یا اگر انسان ہو تو کوئی امیر ورئیس ہو، جیسا کہ ان کا قول نقل کیا گیا ہے ﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰي رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴾ اب اس شبہ کا جواب ہے۔ اور داؤد علیہ السلام کے ذکر سے آپ کی رسالت کی تائید اور رسولوں میں آپ کے افضل ہونے کی طرف مختصر انداز میں اشارہ فرماتے ہیں۔

رسالت کا اثبات اور رسول اللہ ﷺ کی فضیلت:

اور آپ کا رب ان کو (بھی) خوب جانتا ہے جو کہ آسمانوں میں ہیں اور (ان کو بھی جو کہ) زمین میں ہیں (آسمان والوں سے مراد فرشتے اور زمین والوں سے جن اور انسان ہیں، مطلب یہ کہ ہم خوب واقف ہیں کہ ان میں سے کس کو نبی بنانا مناسب ہے اور کس کو نہیں، لہٰذا اگر آپ کو نبی بنا دیا تو کیا تعجب ہے) اور (اسی طرح اگر آپ کو فضیلت دی تو کیا تعجب ہے، کیونکہ) ہم نے (پہلے بھی) بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور (اسی طرح اگر آپ کو قرآن دیا تو کیا تعجب ہے، کیونکہ آپ سے پہلے) ہم داؤد (علیہ السلام) کو زبور دے چکے ہیں۔

فائدہ: زبور کی تخصیص میں یہ نکتہ ہے کہ اس میں حضور ﷺ کے ملک وسلطنت والا ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ ارشاد ہے: ﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴾ چنانچہ تفسیر حقانی میں اس مضمون کا حوالہ زبور ۳۷ کے درس ۹ اور ۱۱ پر کیا ہے۔

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا قرار دے رہے ہو ذرا ان کو پکارو تو سہی سو وہ نہ تم سے تکلیف کو دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا۔ یہ لوگ کہ جن کو مشرکین پکار رہے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف ذریعہ

ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ واقعی آپ کے رب کا عذاب ہے بھی ڈرنے کے قابل۔

ربط: اوپر چند آیتوں میں شرک کے باطل ہونے کا بیان تھا۔ اب ان میں سے بعض خاص صورتوں کا رد ہے، اور وہ خاص صورتیں یہ ہیں کہ بعض لوگ فرشتوں اور جنات کی عبادت کرتے تھے، پھر وہ جنات مسلمان ہوگئے اور فرشتے تو مؤمن ہیں ہی، لیکن یہ لوگ پھر بھی ان کی عبادت پوجا کرتے رہے، اس بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں جیسا کہ بخاری نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث الجن اور ابن جریر نے حدیث الملائکہ روایت کی ہیں، اور اس میں یہ بھی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، جیسا کہ درمنثور میں ہے۔

شرک کو باطل قرار دینے کی طرف واپسی:

آپ (ان لوگوں سے) فرما دیجئے کہ جن کو تم اللہ کے سوا (معبود) قرار دے رہے ہو (جیسے فرشتے اور جنات) ذرا ان کو (تکلیف دور کرنے کے لئے) پکارو تو سہی تو (یقیناً) وہ نہ تم سے تکلیف کو دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کو بدل دینے کا (اختیار رکھتے ہیں، مثلاً شدید کو ہلکا ہی کردیں، اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اگرچہ جنات اور فرشتے مطلق اختیار تو رکھتے ہیں لیکن اپنے اختیار میں حق تعالیٰ کے محتاج ہیں، لہٰذا جس چیز کا اختیار نہیں دیا گیا، اس پر اختیار نہیں رکھتے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ) یہ لوگ کہ جن کو مشرک لوگ (نفع حاصل کرنے یا مضرت دور کرنے کے لئے) پکار رہے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف (پہنچنے کا) ذریعہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان میں کون اللہ سے زیادہ قریب ہوتا ہے (یعنی خود ہی طاعت وعبادت میں مشغول ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہوسکیں) اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور (نافرمانی کی صورت میں) اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں (اور) واقعی آپ کے رب کا عذاب ہے بھی ڈرنے کے قابل (مطلب یہ کہ جب وہ خود عبادت کرنے والے ہیں تو معبود کیسے ہوں گے، اور جب وہ خود ہی نفع یعنی رحمت میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں تو دوسروں کو کیا نفع پہنچا سکتے ہیں، اسی طرح جب وہ خود ہی نقصان یعنی عذاب سے بچنے میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں تو اوروں سے نقصان کو کیا دور کرسکتے ہیں، پھر ان کو معبود و مددگار بنانا بالکل باطل ہوگا)

﴿ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور ایسی کوئی بستی نہیں جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا اس کو سخت عذاب نہ دیں یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔

ربط: اوپر ﴿ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ ﴾ سے ﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ ﴾ تک کی آیتوں میں خود کافروں کے

عذاب کے مستحق ہونے اور اس میں کسی وجہ سے عذاب کے رکے رہنے کا ذکر تھا۔ اب پھر اس کے واقع ہونے کا یقینی ہونا بیان فرماتے ہیں۔ بعض پر دنیا میں بھی اور بعض پر آخرت میں۔ مقصود یہ کہ عذاب ٹلے گا نہیں، اگر یہاں نہیں تو وہاں ضرور ہوگا، اور اس سے پہلے کی آیت کے خاتمہ پر ﴿ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴾ میں عذاب کو ڈرنے کے قابل بتایا تھا۔ اب اس عذاب کے واقع ہونے کو بتاتے ہیں۔ دونوں وجہیں مناسبت کی ہوسکتی ہیں۔

کافروں کو ہلاکت وعذاب سے ڈرانا:

اور (کافروں کی) ایسی کوئی بستی نہیں جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا (قیامت کے دن) اس (کے رہنے والوں) کو (دوزخ کا) سخت عذاب نہ دیں۔ یہ بات کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے (لہٰذا اگر کوئی کافر یہاں کسی آفت میں ہلاک ہونے سے بچ گیا تو قیامت کے دن بڑی آفت سے کوئی نہ بچے گا)

فائدہ: ہلاک ہونے میں آفت کی قید اس لئے ظاہر کردی کہ طبعی یا فطری موت سے تو سب مرتے ہیں، اس میں کفر کی تخصیص نہیں ہے۔

﴿ وَمَا مَنَعَنَآ أَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ إِلَّآ أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ إِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ أَرَيْنٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝ ﴾ ع ۶

ترجمہ: اور ہم کو خاص معجزات کے بھیجنے سے صرف یہی امر مانع ہوا کہ پہلے لوگ ان کی تکذیب کر چکے ہیں۔ اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی تھی جو کہ بصیرت کا ذریعہ تھی، سو ان لوگوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا۔ اور ہم ایسے معجزات کو صرف ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں۔ اور آپ وہ وقت یاد کیجئے جبکہ ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کا رب تمام لوگوں کو محیط ہورہا ہے۔ اور ہم نے جو تماشا آپ کو دکھلایا تھا اور جس درخت کی قرآن میں مذمت کی گئی ہم نے تو ان دونوں چیزوں کو ان کے لئے موجب گمراہی کردیا۔ اور ہم ان کو ڈراتے رہتے ہیں لیکن ان کی بڑی سرکشی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

ربط: اوپر چند آیتوں میں رسالت سے متعلق کلام تھا، چنانچہ آیت ﴿ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ ﴾ الخ کی تمہید میں قریب ہی بیان ہوا ہے۔ اب بھی رسالت ہی سے متعلق ان کے ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ کا منشا بعض خاص فرمائشی معجزوں کا واقع نہ ہونا تھا۔ آیت میں ان کے واقع نہ ہونے کی حکمت کے بیان کے ذریعہ جواب دیا گیا ہے۔

کافروں کے مطالبات کے پورے نہ ہونے کی حکمت:

اور ہمیں خاص (فرمائشی) معجزے بھیجنے سے صرف اس امر نے روکا کہ پہلے لوگ ان (کے ہم جنس فرمائشی معجزوں) کو

جھٹلا چکے ہیں (اور طبیعتیں ان کی اور ان کی ایک ہی جیسی ہیں، لہٰذا یہ بھی جھٹلائیں گے) اور (نمونہ کے طور پر ایک قصہ بھی سن لو کہ) ہم نے قوم ثمود کو (ان کی فرمائش کے مطابق معجزہ کے طور پر صالح علیہ السلام کی) اونٹنی دی تھی (جو عجیب طور پر پیدا ہوئی اور) جو کہ (معجزہ ہونے کی وجہ سے اپنے آپ میں) بصیرت یعنی دل کی بینائی کا ذریعہ تھی تو ان لوگوں نے (اس سے بصیرت حاصل نہیں کی، بلکہ) اس کے ساتھ بڑا ظلم کیا (کہ اس کو قتل کر ڈالا، لہٰذا یہ بھی ایسا ہی کریں گے) اور ہم ایسے معجزوں کو صرف (اس بات سے ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں (کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو ابھی ہلاک کر دیئے جاؤ گے یعنی فرمائشی معجزوں سے اصل مقصود یہ ہوگا کہ اس پر ایمان کا اثر کم ہی ہوتا ہے، لہٰذا وہ واقع ہوتے تو یہ ایمان نہ لاتے اور ہم اپنے ڈرانے کے وعدے کو پورا کرتے تو یہ ہلاک ہو جاتے۔ جیسے ثمود اور مائدہ یعنی دسترخوان والوں کے ساتھ ہوا۔ اور ابھی بہت سی حکمتوں سے ان کے ہلاک ہونے کا مقررہ وقت نہیں آیا) اور (ہم جو کہتے ہیں کہ یہ ایمان نہ لائیں گے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں یہ بات پہلے سے معلوم ہے اور اس سے پہلے ہم آپ کو اپنے اس معلوم ہونے کی اطلاع بھی دے چکے ہیں، چنانچہ) آپ وہ وقت یاد کیجئے جب ہم نے آپ سے کہا تھا (کبھی وحی غیر متلو یعنی اس وحی کے ذریعہ کہا ہوگا جس کی تلاوت نہیں کی جاتی، یعنی اس کے بارے میں قرآن میں یہاں ارشاد فرمایا گیا ہے لیکن اس بات کو قرآن میں شامل نہیں کیا گیا) کہ آپ کے رب نے (اپنے علم سے) تمام لوگوں (کے ظاہری احوال موجودہ کو بھی اور مستقبل کے بھی) گھیرے میں لے رکھا ہے (اور مستقبل کے ان احوال میں ان کا ایمان نہ لانا بھی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کو وہ بھی معلوم ہے) اور (جیسا کہ ان کے پہلے واقعات پر قیاس کرنے سے ان کے ایمان نہ لانے کی حالت کا پتہ چلتا ہے، اس طرح خود ان کے واقعات پر قیاس کرنا بھی ان کے ایمان نہ لانے پر دلیل ہے، چنانچہ) ہم نے (معراج کے واقعہ میں) جو کچھ (بیداری کی حالت میں) آپ کو دکھایا تھا اور جس درخت کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے (یعنی زقوم جو کافروں کی خوراک ہے) ہم نے ان دونوں چیزوں کو ان لوگوں کے لئے گمراہی کا ذریعہ بنا کر رکھ دیا (یعنی ان دونوں باتوں کو سن کر معراج کو تو اس لئے جھٹلایا کہ ایک رات میں اتنی دور جانا یا خاص طور سے کسی بھی طرح آسمان پر جانا ممکن نہیں، اور زقوم کے درخت کو اس لئے کہ وہ دوزخ میں بتایا جاتا ہے تو اس کے بارے میں کہتے تھے کہ آگ سے تو درخت جل جاتا ہے نہ کہ اس میں پیدا ہو۔ خلاصہ یہ کہ ان میں ایک خلاف عادت و معمول امر تو دنیا ہی میں واقع ہوا اور ایک امر اگرچہ دنیا میں خلاف عادت ہے لیکن وہ آخرت میں واقع ہوگا کہ وہاں کے اعتبار سے خلاف عادت ہونا ضروری نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ وہاں کی یہی عادت ہو مگر آخر کار ان امور کو جھٹلایا۔ لہٰذا اس قیاس سے بھی عام مخاطب لوگ بہت جلدی سمجھ سکتے ہیں کہ اگر فرمائشی معجزے آتے تو یہ ضرور جھٹلاتے، اور یہ دونوں قیاس دیکھنے والوں اور سننے والوں کی سمجھ سے قریب کرنے کے لئے ہیں۔ ورنہ اصل دلیل تو وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے جس کی طرف ﴿ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ﴾ میں اشارہ ہے) اور ہم (اگرچہ ان کو ایسی طلب کی ہوئی نشانیوں کے واقع کرنے سے نہیں ڈراتے لیکن شرعی قوانین کی نشانیوں کے ذریعہ سے) ان کو (آخرت کے عذاب سے) ڈراتے

رہتے ہیں، لیکن ان کی سرکشی بڑھتی چلی جاتی ہے (حالانکہ یہ ڈرانا اصل میں ہدایت ہی کے لئے ہے، جب انہیں ہدایت کے لئے وضع کئے گئے امر سے ہدایت نہیں ملتی تو ایسے امر سے جسے ہدایت کے لئے وضع نہیں کیا گیا یعنی ایسی طلب کی ہوئی نشانیوں سے تو جن کو ڈرانے اور عذاب کے لئے وضع کیا گیا ہے، انہیں کیا ہدایت ہوتی، جیسا کہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ان کے ظاہر ہونے پر ایمان لے آتے، اس لئے ظاہر نہ ہونا مصلحت ہوا۔

فائدہ: زقوم کے درخت کے سلسلہ میں مذکورہ طریقہ سے جھٹلانے کے علاوہ ایک اور طریقہ سے مذاق بھی اڑایا کرتے تھے جس کا بیان اس مقام کے مقابلہ میں زیادہ تحقیق کے ساتھ سورۃ الدخان آیت ۴۳ سے ۵۰ تک آئے گا، وہاں ملاحظہ فرمایا جائے۔

﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو سوان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے کہا کہ کیا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جس کو آپ نے مٹی سے بنایا ہے۔ کہنے لگا کہ اس شخص کو جو آپ نے مجھ پر فوقیت دی ہے تو بھلا بتایئے تو خیر اگر آپ نے مجھ کو قیامت کے زمانہ تک مہلت دیدی تو میں بجز قدرے قلیل لوگوں کے اس کی تمام اولاد کو اپنے بس میں کرلوں گا۔ ارشاد ہوا: جا جو شخص ان میں سے تیرے ساتھ ہولے گا سو تم سب کی سزا جہنم ہے سزا پوری۔ اور ان میں سے جس جس پر تیرا قابو چلے اپنی چیخ پکار سے اس کا قدم اکھاڑ دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھالانا اور ان کے مال اولاد میں اپنا ساجھا کرلینا اور ان سے وعدہ کرنا۔ اور شیطان ان لوگوں سے بالکل جھوٹے وعدے کرتا ہے۔ میرے خاص بندوں پر تیرا ذرا قابو نہ چلے گا اور آپ کا رب کافی کارساز ہے۔

ربط: اوپر ﴿ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ ﴾ میں کافروں کا حضور ﷺ کا مذاق اڑانا اور مخالفت کے ساتھ پیش آنا بیان کیا گیا تھا۔ اور ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ ﴾ الخ میں فرشتوں کی پوجا و بندگی اور اطاعت بجالانے کا ذکر تھا۔ جن کو کافروں نے معبود بنا رکھا تھا۔ اور ﴿ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ ﴾ الخ میں کافروں کی جانب سے نقصان دینے والی نشانیوں کی فرمائش کا بیان ہے۔ اب ابلیس و آدم کا قصہ جو ان سب مضامین کے مناسب ہے بیان کرتے ہیں کہ اس سے پہلے مضمون کی وجہ بھی معلوم ہوگئی کہ حسد ہے۔ جس طرح ابلیس کو بھی یہی حسد آدم علیہ السلام کی مخالفت کا سبب ہوا تھا

اور ساتھ ساتھ تسلی بھی کردی گئی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ شیطان سے اپنے بندوں کی حفاظت کرتے ہیں، اسی طرح کافروں کے شر سے آپ کو بچالیں گے۔ اور اس سے دوسرے مضمون کی بھی تقویت ہوگئی کہ اس مقام پر فرشتوں کی مثال بیان کی گئی ہے۔ اور تیسرے مضمون کا سبب بھی معلوم ہوگیا کہ شیطان ان سے ایسے کام کراتا ہے جیسا کہ اس نے کہہ دیا تھا کہ میں گمراہ کروں گا اور اس کے ساتھ ہی ایسے کام کرنے والوں کے لئے وعید کا بھی اشارہ ہے، جیسا کہ شیطان کے جواب میں کہہ دیا گیا تھا کہ تیری اتباع کرنے والے کی سزا جہنم ہے۔

آدم وابلیس کا قصہ:

اور (وہ وقت ذکر کے قابل ہے) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے (کہ اس نے نہ کیا اور) کہا کہ میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جس کو آپ نے مٹی سے بنایا ہے؟ (اس پر وہ اللہ کی رحمت سے محروم، مردود ہوا، اس وقت) کہنے لگا کہ آپ نے اس شخص کو جو مجھ پر فضیلت دی ہے (اور اس بنا پر سجدہ کراتے ہیں تو ذرا دیکھئے تو سہی (اس میں کیا فضیلت ہے؟ اس کی وجہ سے جس طرح میں مردود ہوا ہوں) اگر آپ نے (میری درخواست کے مطابق) مجھے قیامت کے (قریب) زمانہ تک (موت سے) مہلت دیدی تو (میں بھی) تھوڑے سے لوگوں کے سوا (کہ وہ باقی مخلص ہیں) اس کی تمام اولاد کو اپنے بس میں کرلوں گا (یعنی گمراہ کروں گا) ارشاد ہوا: اچھا تو جا (جو تجھ سے ہو سکے وہ کرنا) ان میں سے جو شخص تیری پیروی کرے گا (تو تم سب کی یعنی تیری اور ان کی) پوری سزا جہنم ہے، اور ان میں سے جس جس پر تیرا قابو چلے، اپنی چیخ پکار سے (یعنی بہکاوے اور وسوسہ) سے اس کے قدم (سیدھے راستہ سے) اکھاڑ دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے (مطلق لشکر مراد ہے) چڑھا لانا (کہ سب مل کر گمراہ کرنے میں خوب زور لگادیں) اور ان کے مال اور اولاد میں حصہ دار بن جانا (یعنی مال اور اولاد کو گمراہی کا ذریعہ بنا دینا، چنانچہ یہی دیکھا جاتا ہے) اور ان سے (جھوٹے جھوٹے) وعدے کرنا (کہ قیامت میں گناہ پر پکڑ نہ ہوگی اور یہ نفس میں شرکت ہے جیسا کہ اس سے پہلے مال اور اولاد میں شرکت کا ذکر ہے۔ یہ سب الفاظ ڈرانے اور خوف زدہ کرنے کے ہیں) اور (آگے جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ) شیطان ان لوگوں سے بالکل جھوٹے وعدے کرتا ہے (جن کی تفصیل کے طور پر جھوٹ ہونا نصوص میں بیان ہوا ہے۔ آگے پھر اس سے خطاب کا بیان ہے کہ) میرے خاص بندوں پر تیرا بالکل قابو نہ چلے گا (جیسا کہ تجھے خود بھی اقرار ہے) اور (اے محمد ﷺ اس کا قابو کیوں کر چلے کہ) آپ کا رب (ان کا) کام بنانے کے لئے کافی ہے (یہ سب اس کے قول ﴿ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ ﴾ الخ کا جواب تھا۔ اور اس سے پہلے کے ﴿ قَالَ ءَاَسْجُدُ ﴾ اور ﴿ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ ﴾ الخ کا جواب پوری طرح ظاہر ہونے کی وجہ سے بیان نہیں کیا گیا، کیونکہ جس کو حکم دیا گیا ہو اس کو حکمت کی تفتیش کرنے کا منصب حاصل نہیں ہوتا اور شیطان کو حکم دیا گیا تھا یعنی وہ مامور تھا۔ اس لئے اس کا قول

﴿ ءَاَسْجُدُ ﴾ اور ﴿ هٰذَا الَّذِیْ ﴾ جواب کے قابل نہیں اور ﴿ بِخَیْلِكَ وَ رَجِلِكَ ﴾ سے مراد محاوروں میں مطلق لشکر ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ شیطان سوار بھی ہوتے ہوں۔ اگر چہ ناممکن بھی نہیں۔ اور یہ بات کہ شیطان کو شروع ہی میں کیسے معلوم ہو گیا کہ میں انسان کو بہکانے پر قادر ہوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غالباً اس کو انسان کے مختلف قوی کی ترکیب سے یہ خیال حاصل ہوا۔

﴿ رَبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ۝ وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَی الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰی فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ۝ ﴾

ترجمہ: تمہارا رب ایسا ہے کہ تمہارے لئے کشتی کو دریا میں لے چلتا ہے تا کہ تم اس کے رزق کو تلاش کرو، بیشک وہ تمہارے حال پر بہت مہربان ہے۔ اور جب تم کو دریا میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بجز خدا کے اور جتنوں کی تم عبادت کرتے تھے سب غائب ہو جاتے ہیں، پھر جب تم کو خشکی کی طرف بچالاتا ہے تم پھر روگردانی کرنے لگتے ہو اور انسان ہے بڑا ناشکرا۔ تو کیا تم اس بات سے بے فکر ہو بیٹھے ہو کہ تم کو خشکی کی جانب میں لا کر زمین میں دھنسا دے یا تم پر کوئی ایسی تند ہوا بھیج دے جو کنکر پتھر برسانے لگے، پھر تم کسی کو اپنا کارساز نہ پاؤ یا تم اس سے بے فکر ہو گئے کہ خدا تعالیٰ پھر تم کو دریا ہی میں دوبارہ لے جاوے، پھر تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے پھر تم کو تمہارے کفر کے سبب غرق کر دے، پھر اس بات پر کوئی ہمارا پیچھا کرنے والا تم کو نہ ملے۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں توحید کو ثابت کرنے اور شرک کو باطل کرنے کا مضمون ہے۔ اب ایک خاص طرز پر پھر اس کی طرف لوٹ رہے ہیں اور وہ خاص طرز توحید کے سلسلہ میں بعض حکمتوں کا بیان ہے کہ توحید پر دلالت کے ساتھ نعمتیں دینے والے کے حقوق کی ادائیگی کی ترغیب بھی ہے کہ ان نعمتوں میں اعظم یعنی سب سے بڑی توحید ہے اور وہ شرک کے باطل ہونے کے خاص طرز میں مصیبت کے وقت میں ان کے اعتراف کا اظہار ہے کہ اس وقت اللہ کے سوا کسی سے مدد نہیں مانگتے۔

توحید کی طرف واپسی:

تمہارا رب ایسا (نعمتیں دینے والا) ہے کہ تمہارے (نفع کے) لئے کشتی کو دریا میں لے چلتا ہے تا کہ تم اس کا رزق تلاش کرو (چنانچہ اکثر تجارت کے لئے سمندری سفر ہوتا ہے) بیشک وہ تمہارے حال پر بہت مہربان ہے (کہ تمہارے

فائدے کے لئے ایسا ایسا سامان بنایا) اور جب تمہیں دریا میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے (جیسے موج دلہر اور ہوا کے طوفان سے غرق ہونے، ڈوبنے کا خوف) تو (اس وقت) سوائے اللہ کے جس جس کو پکارا کرتے تھے سب غائب ہو جاتے ہیں (دل میں ان کا خیال بھی نہیں آتا، اور فریادرسی سے بھی کہ وہ امداد نہیں کر سکتے، جس سے حال اور قول کے اعتبار سے خود تمہارے اعتراف سے شرک کا باطل ہونا لازم آتا ہے) پھر جب تمہیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو تم پھر (پہلے ہی کی طرح) منہ پھیرنے لگتے ہو اور (واقعی) انسان ہے بڑا ناشکرا کہ ایسی جلدی نعمتیں دینے والے کا انعام اور اپنا گڑگڑانا بھول جاتا ہے اور تم جو منہ پھیرنے لگے) تو کیا تم اس بات سے بے فکر ہو بیٹھے ہو کہ تمہیں خشکی کی طرف لا کر زمین میں دھنسا دے؟ (کہ یہ بھی سمندر میں غرق کرنے ہی کی طرح ہے) یا تم پر کوئی ایسی تیز ہوا بھیج دے جو کنکر پتھر برسانے لگے (جیسے قوم عاد پر ہوا آئی تھی اور یہ عذاب اوپر سے ہے جیسا کہ پہلا نیچے سے تھا) پھر تم (اللہ کے مقابلہ میں) کسی کو اپنا کام بنانے والا نہ پاؤ، یا تم اس سے بے فکر ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ پھر دوبارہ تمہیں دریا میں لے جائے، پھر تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے، پھر تمہارے (پچھلے یا ہمیشہ کے) کفر کے سبب غرق کر دے (یعنی اگر خشکی میں غرق ہونا یا دھنسانا سمجھ میں نہ آئے تو یہ بھی تو احتمال ہے کہ کوئی ایسا کام آپڑے کہ پھر سمندر کا سفر کرنا پڑے اور وہاں غرق کر دے) پھر اس بات پر (یعنی غرق کر دینے پر) کوئی ہمارا پیچھا کرنے والا (یعنی بدلا لینے والا) تمہیں نہ ملے۔

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ وَحَمَلْنَٰهُمْ فِي ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَفَضَّلْنَٰهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی۔

ربط: اوپر بعض انعاموں کے انداز میں توحید کا ذکر تھا۔ اب بعض دوسرے انعاموں کے انداز میں توحید کا ذکر ہے۔

توحید کی غرض سے بعض انعاموں کا ذکر:

اور ہم نے آدم کی اولاد کو (بعض خاص صفتیں عطا فرما کر) عزت دی اور ہم نے انہیں خشکی اور دریا میں (جانوروں اور کشتیوں پر) سوار کیا اور انہیں اچھی اچھی چیزیں عطا فرمائیں اور (ان معاملوں میں) ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی (کیونکہ دوسرے حیوانات اس سے خالی ہیں، لہٰذا اس نعمت کی قدر کریں اور توحید وطاعت بجالائیں۔

فائدہ: انسان میں بعض خاص خاص صفتیں ایسی ہیں جو دوسرے حیوانوں میں نہیں ہیں، جیسے صورت کا حسن یا خوبصورتی جس میں قد وقامت کا مستقیم ہونا بھی آ گیا۔ اور عقل اور نئی نئی صنعتوں کی ایجاد وغیرہ اور اس میں تمام قسم کی نعمتیں آ گئیں، اس لئے بنی آدم سے مراد آدم کی اولاد کے سب لوگ ہیں، اور چونکہ اوپر ﴿كَرَّمْنَا﴾ مختصر انداز میں تھا جس

سے شبہ ہوسکتا ہے کہ ان صفتوں کے سبب یہ سب سے افضل ہے۔ حالانکہ یہ امر واقع کے خلاف تھا، کیونکہ یہ امور فرشتوں پر افضل ہونے کے مدار ہیں، وہ آدم کی تمام اولاد میں نہیں پائے جاتے، اس لئے ﴿ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ ﴾ میں یہ ابہام دور کردیا کہ عزت دینے سے مراد بعض مخلوقات پر فضیلت دینا ہے، یعنی حیوان اور جو حیوانوں سے کم درجہ کے ہیں، لہٰذا یہ آیت فرشتوں اور انسان کی ان امور میں فضیلت کے بارے میں خاموش ہے جن میں بات چل رہی ہے جس پر استدلال آیت سے نہیں ہوسکتا۔ واللہ اعلم

﴿ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ ﴾

ترجمہ: جس روز ہم تمام آدمیوں کو ان کے نامۂ اعمال سمیت بلادیں گے، پھر جس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جاوے گا تو ایسے لوگ اپنا نامۂ اعمال پڑھیں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جاوے گا۔ اور جو شخص دنیا میں اندھا رہے گا سو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور زیادہ راہ گم کردہ ہوگا۔

ربط: اوپر آیت ﴿ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا ﴾ الخ میں بعث کو ثابت کرنے کا مضمون تھا۔ اب بعث کے اس دن کے بعض واقعات کا ذکر ہے اور اس کے ضمن میں مخالفت پر وعید بھی ہے۔

قیامت کے بعض واقعات:

(اس دن کو یاد کرنا چاہئے) جس دن ہم تمام آدمیوں کو ان کے اعمال نامہ سمیت (حشر کے میدان میں) بلائیں گے (اور وہ نامۂ اعمال اڑا دیئے جائیں گے اور پھر کسی کے داہنے اور کسی کے بائیں ہاتھ میں آجائیں گے) پھر جس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا (اور یہ ایمان والے ہوں گے) تو ایسے لوگ اپنا نامۂ اعمال (خوش ہوکر) پڑھیں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا (یعنی ان کے ایمان و اعمال کا پورا پورا ثواب ملے گا، کم نہ ہوگا۔ چاہے زیادہ مل جائے۔ اور عذاب سے بھی نجات ہوگی، چاہے شروع ہی سے یا کچھ وقفہ کے بعد) اور جو شخص دنیا میں (نجات کا راستہ دیکھنے سے) اندھا رہے گا، تو وہ آخرت میں بھی (نجات کی منزل تک پہنچنے سے) اندھا رہے گا، اور (بلکہ دنیا کے مقابلہ میں وہاں اور) زیادہ راستہ سے بھٹکا ہوا ہوگا (کیونکہ دنیا میں تو گمراہی کا تدارک ممکن تھا۔ اور وہاں یہ بھی ممکن نہ ہوگا، تو ایسے شخص کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا)

فائدہ: قرآن مجید کی کئی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نامۂ اعمال کافروں کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، چنانچہ اس کے بارے میں یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴾ اور ﴿ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ﴾ چنانچہ ان کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ داہنے ہاتھ میں ایمان والوں کو دیا جائے گا، چاہے گناہ گار ہوں یا غیر گنہ گار۔ پھر خوش ہوکر جو

نامۂ اعمال پڑھے گا بلکہ دوسروں کو بھی بلا کر پڑھوائے گا جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿هَآؤُمُ اقۡرَءُوۡا كِتٰبِيَهۡ﴾ یہ ایمان کی خوشی ہوگی کہ ہمیشہ کے عذاب سے نجات کے لئے لازم ہے، اگرچہ بعض اعمال پر سزا بھی ہو جائے اور ﴿وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا﴾ میں جو اعمال کے ثواب کا ذکر ہے اس سے مطلق نیک اعمال مراد ہیں، اگرچہ بعض ہی سہی اور اعمال کی یہ قبولیت کافروں کے لئے بالکل نہ ہوگی کیونکہ قبولیت کی شرط یعنی ایمان موجود نہیں ہے اور قرآن میں داہنے اور بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دینے کی کیفیت کا ذکر نہیں ہے، لیکن بعض آیتوں میں مختصر انداز میں آیا ہے، جیسا کہ مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت ہے۔ اور بعض روایتوں میں اور زیادہ تفصیل ہے کہ سب اعمال نامے نیچے جمع ہوں گے، اس وقت ایک ہوا آئے گی جو اڑا کر کسی کے داہنے ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں پہنچا دے گی۔ اسے العقیلی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، اور یہ دونوں حدیثیں روح المعانی میں ہیں۔ واللہ اعلم

﴿وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَفۡتِنُوۡنَكَ عَنِ الَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ لِتَفۡتَرِىَ عَلَيۡنَا غَيۡرَهٗ ‌ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوۡكَ خَلِيۡلًا ۝ وَلَوۡلَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ لَقَدۡ كِدۡتَّ تَرۡكَنُ اِلَيۡهِمۡ شَيۡــًٔـا قَلِيۡلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقۡنٰكَ ضِعۡفَ الۡحَيٰوةِ وَضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيۡنَا نَصِيۡرًا ۝ وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَسۡتَفِزُّوۡنَكَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِيُخۡرِجُوۡكَ مِنۡهَا وَاِذًا لَّا يَلۡبَثُوۡنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۝ سُنَّةَ مَنۡ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنۡ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحۡوِيۡلًا ۝﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ آپ کو اس چیز سے بچلانے ہی لگے تھے جو ہم نے آپ پر وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہے تاکہ آپ اس کے سوا ہماری طرف غلط بات کی نسبت کر دیں اور ایسی حالت میں آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو آپ ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو حالت حیات میں اور بعد موت کے دہرا عذاب چکھاتے، پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے۔ اور یہ لوگ اس سرزمین سے آپ کے قدم بھی اکھاڑنے لگے تھے، تاکہ آپ کو اس سے نکال دیں اور اگر ایسا ہو جاتا تو آپ کے بعد بہت کم ٹھہرنے پاتے۔ جیسا کہ ان صاحبوں کے باب میں قاعدہ رہا ہے جن کو آپ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا تھا اور آپ ہمارے قاعدے میں تغیر نہ پاویں گے۔

ربط: اوپر آیت ﴿وَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ﴾ الخ اور بعض دوسری آیتوں میں کافروں کے رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانے کا ذکر ہوا ہے۔ اب آپ کے ساتھ ان کے دشمنی سے پیش آنے کا ذکر ہے۔ دین کے اعتبار سے بھی جس کا ﴿وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَفۡتِنُوۡنَكَ﴾ میں ذکر ہے اور دنیا کے اعتبار سے بھی جس کا ﴿وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَسۡتَفِزُّوۡنَكَ﴾ میں ذکر ہے۔ لہٰذا اس مضمون کا رسالت سے تعلق ہے اور دور تک بلکہ سورت کے آخر تک تقریباً زیادہ تر رسالت سے متعلق ذکر چلا گیا ہے، جیسا

کہ ہر جگہ ربط کے بیانوں سے معلوم ہوگا۔

دینی اور دنیاوی امور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کافروں کی دشمنی:

ایک قصہ کی طرف آیت ﴿ وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَفۡتِنُوۡنَكَ ﴾ الخ میں اشارہ ہے: اور ایک قصہ کی طرف ﴿ وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَسۡتَفِزُّوۡنَكَ ﴾ الخ میں لیکن قصوں کی تعیین میں اقوال مختلف ہیں اور اس بنا پر ان آیتوں کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے، کیونکہ بعض قصے مکہ میں واقع ہوئے اور بعض مدینے میں۔ چنانچہ مکہ میں جو قصے واقع ہوئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ قریش نے رسول مقبول ﷺ سے درخواست کی کہ اگر آپ ہماری طرف رسول ہوکر آئے ہیں تو ان غریبوں اور عوام کو اپنے پاس سے بالکل ہٹا دیجئے کہ ہم آپ کی اتباع کرنے والے اور ساتھی ہو جائیں۔ اور دوسرا یہ ہے کہ مکہ والوں نے دارالندوہ میں مشورہ کیا تھا کہ آپ کو مکہ سے زبردستی نکال دینا چاہئے، جس کا ذکر سورۂ انفال کی آیت ﴿ وَاِذۡ يَمۡكُرُ بِكَ ﴾ الخ میں ہے۔ اور مدینہ میں جو قصے واقع ہوئے ان میں ایک یہ ہے کہ قبیلہ ثقیف نے آپ سے درخواست کی کہ ہمیں ایمان لانے کے لئے ایک سال کی مہلت دیدیجئے۔ ذرا اس سال ہم بتوں کے چڑھاوے کی آمدنی وصول کرلیں، پھر مسلمان ہو جائیں گے۔ اور دوسرا یہ کہ یہود نے آپ سے شرارت کی غرض سے عرض کیا کہ اگر آپ نبی ہیں تو جو اکثر نبیوں کے رہنے کی جگہ ہے، یعنی ملک شام آپ بھی وہاں جا کر رہئے۔ چنانچہ آپ کو کچھ خیال ہوگیا۔ یہ سب روایتیں درمنثور لباب النقول میں ہیں۔ لہٰذا پہلی آیتیں تو پہلے یا تیسرے قصہ سے متعلق ہیں اور بعد والی آیتیں دوسرے یا چوتھے قصہ سے متعلق ہیں۔ اب تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

تفسیر: اور یہ (کافر) لوگ (اپنی چالوں اور فریبوں کی وجہ سے) آپ کو اس چیز سے پھسلانے (اور ہٹانے) ہی لگے تھے جو ہم نے آپ پر وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہے (یعنی اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ آپ ہمارے حکم کے خلاف کریں کہ مسلمانوں کو ہٹا دیں یا مسلمان ہونے کے لئے ایک سال کی مہلت دیدیں کہ دونوں ہی امر شریعت کے خلاف ہیں۔ اور ان کی یہ کوشش اس لئے تھی) تاکہ آپ (وحی کے) اس (حکم) کے سوا ہماری طرف (عمل کے طور پر) غلط بات کی نسبت کردیں (کیونکہ نبی کا فعل شریعت کے خلاف نہیں ہوتا، لہٰذا نعوذ باللہ اگر آپ اس درخواست کے مطابق عمل کرتے تو اس کی نسبت اللہ کا حکم ہونے کا دعویٰ لازم آتا اور یہ جھوٹا الزام ہوتا) اور ایسی حالت میں آپ کو گہرا دوست بنا لیتے اور (ان کی یہ تدبیر اور شرارت ایسی تیز تھی کہ) اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا اور معصوم نہ کیا ہوتا جو کہ نبوت کے لئے لازم ہے) تو آپ کچھ نہ کچھ ان کی طرف جھک جاتے (اور) اگر ایسا ہوتا کہ کچھ جھکاؤ اور میلان ہو جاتا) تو ہم آپ کو اس وجہ سے کہ مقربان را بیش بود حیرانی یعنی قریب والوں کو پریشانی زیادہ ہوتی ہے دنیا میں زندگی کی حالت میں اور (برزخ یا آخرت میں) موت کے بعد دوہرا عذاب چکھاتے۔ پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی بھی مددگار نہ پاتے (مگر چونکہ آپ کو

معصوم اور ثابت قدم بنایا اس لئے کسی قدر جھکاؤ اور میلان بھی نہیں ہوا۔ اور زندگی میں اور موت کے بعد کے دوسرے عذاب سے بھی بچ گئے) اور یہ (کافر) لوگ اس سرزمین (مکہ یا مدینہ) سے آپ کے قدم اکھاڑنے ہی لگے تھے (چاہے زبردستی یا دھوکا و فریب سے) تاکہ آپ کو اس سے نکال دیں۔ اور اگر ایسا ہوجاتا (یعنی آپ کو نکال دیتے) تو آپ کے (جانے کے) بعد (یہاں) یہ بھی بہت کم ٹھہر پاتے۔ جیسا کہ ان لوگوں کے بارے میں (ہمارا) قاعدہ رہا ہے جن کو آپ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا تھا (کہ جب ان کی قوم نے ان کو وطن سے نکالا تو انہیں بھی رہنا نصیب نہ ہوا) اور آپ ہمارے (اس قاعدہ میں) تبدیلی نہ پائیں گے۔

فائدہ: ﴿ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ ﴾ الخ میں حضور ﷺ کی پاکبازی میں انتہائی مبالغہ ہے کہ اول تو پہلے درجوں و مرتبوں کے اعتبار سے ٹھہرنا اور رہنا جیسا کہ ﴿ شَيْئًا قَلِيْلًا ﴾ اس پر دلالت کرتا ہے، ایک ہلکا سا معاملہ اور وسوسہ کا درجہ ہے جو برا نہیں۔ پھر اس کا بھی قرب کہ اور بھی ہلکا ہے مگر آپ کے لئے یہ بھی نہیں تھا۔ اور یہ عتاب کا اشارہ نہیں بلکہ محبوبیت کا اظہار ہے کہ آپ ایسے محبوب ہیں کہ ہم نے آپ کو تھوڑے سے میلان کے قرب سے بھی بچا لیا۔ اور ﴿ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ﴾ میں اذاً سے وہی مراد ہے جس کی وہاں نفی تھی، اس لئے بندہ نے کچھ جھکاؤ اور میلان سے تفسیر کی اور اگر پچھلی آیتوں میں مدینہ کا قصہ ہے تب تو چونکہ آپ کو نہیں نکالا گیا اس لئے یہود کے نکالے جانے اور نہ نکالے جانے کے متعلق کوئی اشکال نہیں، اگرچہ مستقل حکم کے ذریعہ انہیں نکالا گیا۔ اور اگر مکہ کا قصہ ہے تو وہاں سے چونکہ آپ نکلے ہیں، اس لئے اس کی دو طرح سے توجیہ کی گئی ہے، بعض نے کہا ہے کہ یہ وعید اخراج یعنی نکالے جانے پر تھی مگر انہوں نے نکالا نہیں بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے خود تشریف لے گئے۔ اس لئے ﴿ لَّا يَلْبَثُوْنَ ﴾ الخ یعنی نہ ٹھہرنے کی بات ضروری نہیں، اور بعض آیتوں میں جو ﴿ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ ﴾ یعنی رسول کو نکالتے تھے، آیا ہے، وہ سبب کی طرف مجازی نسبت ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ نکالنا عام ہے اور وہ آیت کے نازل ہونے کے بعد واقع ہوا اور یہ آیت مکہ میں نازل ہونے کی صورت میں ہے۔ اور نہ ٹھہرنا اس طرح ہوا کہ غزوۂ بدر میں بڑے بڑے رئیس مارے گئے جو مکہ کے کل باشندوں کے درجہ میں تھے اور چونکہ ہر حال میں نکلنے سے پہلے رائے کی تبدیلی ضرور ہوتی ہے کہ اگر طبعی طور پر نہیں تو عقلی طور پر ہی سہی۔ اور اسی وجہ سے نکلنے والا زبردستی کے نکالے جانے میں بھی مزاحمت اور ٹکراؤ کی کوشش چھوڑ دیتا ہے۔ اور اسی لئے ﴿ لِيُخْرِجُوْكَ ﴾ سے پہلے ﴿ يَسْتَفِزُّوْنَ ﴾ لائے ہیں۔ واللہ اعلم

﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝ وَقُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ

الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ ﴾

ترجمہ: آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے ہونے تک نمازیں ادا کیا کیجئے اور صبح کی نماز بھی۔ بیشک صبح کی نماز حاضر ہونے کا وقت ہے۔ اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی سو اس میں تہجد پڑھا کیجئے، جو کہ آپ کے لئے زائد چیز ہے۔ امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔ اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے رب! مجھ کو خوبی کے ساتھ پہنچائیو اور مجھ کو خوبی کے ساتھ لے جائیو۔ اور مجھ کو اپنے پاس ایسا غلبہ دیجیو جس کے ساتھ نصرت ہو۔ اور کہہ دیجئے کہ حق آیا اور باطل گیا گذرا ہوا۔ واقعی باطل چیز تو یوں ہی آتی جاتی رہتی ہے۔ اور ہم ایسی چیز یعنی قرآن نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں شفا اور رحمت ہے اور ناانصافوں کو اس سے اور الٹا نقصان بڑھتا ہے۔

ربط: اوپر کافروں کی مخالفت اور دشمنی کا ذکر تھا جو اپنے آپ میں رسول اللہ ﷺ کے تعلق خاطر کا سبب ہو سکتا تھا۔ اب ﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ﴾ الخ میں عبادت میں مشغولیت اور ﴿ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ ﴾ الخ میں آرزو و خواہش اور خود کو اللہ کے حوالہ کر دینے کا حکم ہے اور ﴿ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ ﴾ میں بعض آخرت کی بشارتوں کا کھلا وعدہ اور ﴿ جَاۗءَ الْحَقُّ ﴾ میں بعض دنیاوی بشارتوں کا اشارہ کے طور پر وعدہ فرماتے ہیں۔ تاکہ ان امور میں مشغول ہونے سے وہ دلی تعلق جو رنج و ملال کا سبب ہوتا نہ ہو یا نہ رہے، پھر تسلی کی زیادتی کے لئے ﴿ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ ﴾ الخ میں نبوت پر استدلال کے ساتھ ﴿ لَا يَزِيْدُ ﴾ الخ میں کافروں میں استعداد کا برا ہونا بیان فرما دیا، تاکہ ان کے ایمان سے مایوسی کی وجہ سے ہونے والی تکلیف و پریشانی کے کم ہونے کا سبب ہو جائے۔ اور اس طرح اس مضمون کا تعلق بھی رسالت سے ہوا۔

نبی ﷺ کے رنج و ملال کو کم کرنے والے احکام و وعدے اور خاص خبریں:

سورج کے ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے تک نمازیں ادا کیا کیجئے (اس میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء چار نمازیں آگئیں جیسا کہ حدیث میں اس کی تفصیل بیان کی گئی) اور صبح کی نماز بھی (ادا کیا کیجئے) بیشک صبح کی نماز (فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے (جیسا کہ حدیثوں میں ہے کہ عصر اور فجر کے وقت ان فرشتوں کی بدلی ہوتی ہے جو انسان پر حفاظت کے لئے یا اعمال لکھنے کے لئے مقرر ہیں، اور چونکہ صبح کا وقت نیند سے اٹھنے کا ہے اس لئے اس کا حکم بھی الگ کیا اور ایک خاص بزرگی بھی بیان کی) اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی (نماز ادا کیجئے) تو اس میں تہجد پڑھا کیجئے جو کہ آپ کے لئے (پانچوں وقت کی نمازوں کے علاوہ) زائد چیز ہے۔ چاہے زائد فرض ہو یا نفل کہ وہ زائد ہوتا ہی ہے۔ دونوں قول ہیں۔ آگے خوش خبری ہے کہ) امید (یعنی وعدہ) ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں (جو کہ شفاعت کبریٰ کا مقام ہے) جگہ دے گا اور (یہ تو عبادت کا حکم اور آخرت کی بشارت کا وعدہ تھا۔ آگے خود کو اللہ کے حوالہ کرنے کا حکم ہے کہ) آپ یوں

دعا کیجئے کہ اے رب! (مکہ جانے کے بعد) مجھے (جہاں لے جانا ہو) خوبی (یعنی راحت) کے ساتھ پہنچانا اور (جب مکہ سے لے جانا ہو تو) مجھے خوبی (یعنی راحت کے ساتھ) لے جانا اور مجھے اپنے پاس سے ایسا غلبہ دینا جس کے ساتھ (آپ کی) مدد ہو (جس سے وہ غلبہ بڑھتا ہی جائے۔ ورنہ عارضی غلبہ تو کافروں کو بھی ہو جاتا ہے، مگر ان کی مدد اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی، اس لئے وہ غلبہ جلد زائل ہو جاتا ہے۔ اس میں خود کو حوالہ کرنے کا حکم ہو گیا) اور آگے دنیاوی بشارت ہے کہ ان دعاؤں کے قبول ہونے کی خبر دینے کے طور پر یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (بس اب دین) حق (غالب ہونے کو) آیا اور باطل (دین) گیا گذرا ہوا (اور) واقعی باطل چیز تو یوں ہی آتی جاتی رہتی ہے (یعنی آپ ان مضامین میں نظر کیجئے اور کوئی غم نہ کیجئے، چنانچہ ہجرت کے بعد مکہ فتح ہوا اور سب وعدے پورے ہو گئے) اور (تسلی کی زیادتی کے لئے یوں سمجھئے کہ) ہم ایسی چیز یعنی قرآن نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں تو شفا اور رحمت (کا سبب) ہے (کیونکہ وہ اس کو مانتے ہیں اور عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان پر حق تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے اور فاسد عقیدوں اور برے اعمال سے شفا ہوتی ہے) اور ناانصافی کرنے والوں کو اس سے اور زیادہ نقصان ہوتا ہے (کہ وہ مانتے نہیں عذاب اور غضب کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں جبکہ ان کی یہ حالت ہے تو پھر ان سے قبول اور مخالفت کی امید پر رنج و ملال بے فائدہ ہے)

فائدہ: تہجد کی نماز پہلے سب پر فرض تھی، پھر امت سے فرضیت منسوخ ہو گئی، لیکن حضور ﷺ کے بارے میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ آپ پر فرض رہی تھی۔ ابن ابی حاتم نے ضحاک سے روایت کیا ہے: **نسخ قيام الليل إلا عن النبي صلى الله عليه وسلم**: یعنی تہجد کی نماز نبی ﷺ کے علاوہ اوروں سے منسوخ ہو گئی۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: **في ذلك يعني خاصة للنبي صلى الله عليه وسلم أمر بقيام الليل وكتب عليه**: یعنی تہجد کے بارے میں خاص نبی ﷺ کو حکم دیا گیا اور آپ پر فرض کی گئی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ پر بھی فرض نہیں رہی تھی، اس کو ابن جریر نے مجاہد سے روایت کیا ہے۔ یہ سب روایتیں درمنثور میں ہیں، پہلے قول کے تحت نافلة کے معنی لغوی ہوں گے یعنی آپ کے لئے زاید فرض ہے اور ان دونوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ پہلے صرف امت کے لئے حکم منسوخ ہوا ہو اور پھر آپ کے لئے بھی ہو گیا ہو اور یہی صحیح ہے کہ آپ پر بھی فرض نہ تھی۔ اور دوسرے قول کے تحت لفظ لک کی تخصیص یہ ہو گی کہ زاید فضیلت امت کے برخلاف آپ ہی کے ساتھ خاص ہے کہ ان کے لئے کبھی سیئات یعنی برائیوں کا کفارہ بھی ہوتی ہے اور آپ خود معصوم ہیں اور مقام محمود کی یہ تفسیر آئی ہے۔ اور شفاعت کبریٰ وہ ہے کہ جس میں تمام مخلوقات کے حساب و کتاب شروع ہونے کی شفاعت ہو گی اور بعض روایتوں میں جو مقام محمود کی تفسیر میں **شفاعة لامتي** یعنی "میری امت کے لئے شفاعت" آیا ہے، اس سے غیر امت کی نفی مراد نہیں۔ اور **أدخلني وأخرجني** کی تفسیر ہجرت کے ساتھ ترمذی میں آئی ہے۔ اور ﴿ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ ﴾ میں فتح مکہ کی طرف اشارہ شیخین کی حدیث میں آیا ہے کہ آپ فتح مکہ کے موقع پر یہ آیت پڑھ کر بتوں کو گرا رہے تھے اور باطل کو جزہوق فرمایا، اس سے مراد عام ہے یعنی اب یا پھر بعد میں، یا خود اپنے آپ

میں چاہے ظہور نہ ہوا ہو۔ اس وضاحت سے باطل کا تھوڑا بہت رہ جانا شبہ کا سبب نہ رہا۔

﴿ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ۝ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝ ﴾ ع ۹

ترجمہ: اور آدمی کو جب ہم نعمت عطا کرتے ہیں تو منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ پھیر لیتا ہے اور جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ناامید ہو جاتا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ ہر شخص اپنے طریقہ پر کام کر رہا ہے سو تمہارا رب خوب جانتا ہے جو زیادہ ٹھیک راستہ پر ہو۔

ربط: اوپر کافروں کی مخالفتوں کا اور قرآن سے ان کے فائدہ نہ اٹھانے کا بیان تھا اور اس کے ساتھ مؤمنوں کے اس سے نفع اٹھانے کا ذکر تھا۔ اب ﴿ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا ﴾ الخ میں کافروں کی اس مخالفت اور قبول نہ ہونے کی علت کا کہ تکبر، سخت دلی اور حق تعالیٰ سے بے تعلقی کا بیان ہے۔ اور ﴿ قُلْ كُلٌّ ﴾ الخ میں الفاظ کے عموم سے کافروں اور مؤمنوں دونوں کے اعمال اور اقوال کے فرق کی علت اور جزاء کا مختصر طور پر ذکر ہے۔

جاہلوں کے اعمال خاص طور سے اور عمل کرنے والوں کے حالات عام طور سے:

اور (کوئی) آدمی (یعنی کافر ایسا ہوتا ہے کہ اس) کو جب ہم نعمت عطا کرتے ہیں تو (ہم سے اور ہمارے احکام سے) منہ موڑ لیتا ہے اور رخ پھیر لیتا ہے۔ اور جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو (رحمت سے بالکل) ناامید ہو جاتا ہے (اور یہ دونوں امر اللہ تعالیٰ سے لاتعلق ہونے کی دلیل ہیں اور یہی لاتعلقی ہدایت کی طرف متوجہ نہ ہونے اور حق میں غور نہ کرنے کا اصل سبب ہے، اور اسی سے کفر وغیرہ پیدا ہوتا ہے) آپ فرما دیجئے کہ (مؤمنوں اور کافروں اور برے لوگوں اور اچھے لوگوں میں سے) ہر شخص اپنے طریقہ پر کام کر رہا ہے (یعنی جو اس کی صحیح عقل یا انتہائی بری جہالت کا تقاضہ ہے، اس میں علت کی طرف اشارہ ہے کہ صحیح عقل یا انتہائی بری جہالت اچھے اور برے اعمال کی علت ہے) تو تمہارا رب خوب جانتا ہے جو زیادہ ٹھیک راستہ پر ہو (اور اس طرح جو ٹھیک راستہ پر نہ ہو، ہر ایک کو اس کے مطابق جزا دے گا۔ یہ نہیں کہ شرعی دلیل کے بغیر جس کا دل چاہے خود کو ٹھیک راستہ پر سمجھنے لگے)

﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ آپ سے روح کو پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

ربط: اوپر سے کئی آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفار کے معاملہ کا ذکر چلا آ رہا ہے جو کہ رسالت سے متعلق

بخشیں ہیں۔ اب بھی کافروں کے اس سوال کا جواب ہے جو انھوں نے آپ سے رسالت کے امتحان کی غرض سے کیا تھا جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ یہود نے آپ سے امتحان کے طور پر روح کے بارے میں سوال کیا تھا۔ اور نسائی اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ یہود سے مشورہ کر کے قریش نے یہ سوال کیا تھا اور اس بنا پر اس آیت کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہو گیا کہ قریش تو مکہ میں تھے اور یہود کا سوال مدینہ میں تھا۔

سوال کا جواب:

اور یہ لوگ آپ سے (امتحان کے طور پر) روح (کی حقیقت) کے بارے میں پوچھتے ہیں (جواب میں) آپ فرما دیجئے کہ روح (سے متعلق بس مختصر طور پر اتنا جان لو کہ وہ ایک چیز ہے جو) میرے رب کے حکم سے بنی ہے اور (رہی صحیح تفصیلی حقیقت تو) تمہیں (تمہاری سمجھ کے مطابق (بہت تھوڑا علم) دیا گیا ہے (اور وہ بھی صرف ضرورتوں کا، اور چونکہ اس کا علم ضروریات سے نہیں ہے۔ اور نہ ہی تمہاری سمجھ میں آسکتا ہے، اس لئے پوشیدہ رکھا گیا)

فائدہ: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوال اسی روح سے متعلق تھا جس سے انسان زندہ رہتا ہے کیونکہ جب مطلق روح بولتے ہیں تو یہی سمجھی جاتی ہے اور جواب سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نصوص میں اس کی حقیقت ظاہر نہ کرنے کی وجہ بتائی ہے۔ اور اس کے نیا پیدا ہونے کا ضروری عقیدہ ظاہر کر دیا گیا ہے۔ رہا یہ امر کہ اس کا انکشاف کسی دوسرے طریقہ سے ہو سکتا ہے یا ہوتا ہے؟ تو آیت میں اس کا اثبات یا نفی دونوں ہی صورتوں میں سے کسی کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا دونوں امر کا احتمال ہے اور کوئی بات نص سے ٹکراتی نہیں ہے، حجۃ اللہ البالغہ میں اس کی صراحت ہے۔ اور یہاں جو علم کو بہت تھوڑا فرمایا سو یہ اللہ کے علم کے مقابلہ میں ہے اور دوسری آیت میں جو علم کو خیر کثیر فرمایا تو وہ دنیا کے سامان کے مقابلہ میں ہے۔ لہٰذا دونوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قلت یعنی تھوڑا ہونا علم کی صفت ہے اور کثرت یعنی زیادہ ہونا خیر کی صفت ہے اور علم اگرچہ تھوڑا ہو پھر بھی خیر کثیر ہے۔ اس صورت میں ٹکراؤ کا شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔

﴿ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝

ترجمہ: اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر ہم نے آپ پر وحی بھیجی ہے سب سلب کر لیں پھر اس کے لئے آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی بھی نہ ملے۔ مگر آپ کے رب ہی کی رحمت ہے بیشک آپ پر اس کا بڑا فضل ہے۔

ربط: اوپر ﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ ﴾ الخ میں قرآن کا نازل ہونا عموماً اور ﴿ قُلِ الرُّوْحُ ﴾ الخ میں جواب کا نازل ہونا خاص طور سے محمد ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں۔ اب وحی کے ان علموں کو باقی رکھنے کے احسان کے اظہار اور تسلی کے ساتھ نبوت کی تقریر پر بھی دلالت سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ چنانچہ یہ مضمون بھی رسالت سے متعلق ہے۔

وحی کی بقاء سے احسان کا اظہار:

اور اگر ہم چاہیں تو آپ پر جس قدر وحی بھیجی ہے، سب چھین لیں (یعنی نہ ذہن میں رہے نہ ہی باہر کہیں رہے) پھر اس (وحی) کے (واپس لانے کے) لئے آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی بھی حمایتی نہ ملے۔ مگر (یہ) آپ کے رب ہی کی رحمت ہے (کہ ایسا نہیں کیا) بیشک آپ پر اس کا بڑا فضل ہے (مطلب یہ کہ آپ نبوت سے متعلق اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو یاد کر کے خوش رہئے اور کسی کی مخالفت کا غم نہ کیجئے)

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝﴾

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات سب اس بات کے لئے جمع ہو جاویں کہ ایسا قرآن بنالاویں تب بھی ایسا نہ لاسکیں گے۔ اگرچہ ایک دوسرے کا مددگار بھی بن جاوے۔

ربط: اوپر خاص مضمونوں کے ذریعہ رسالت کا بیان تھا۔ اب مضمون قرآن کے اعجاز سے اس کی تقریر ہے۔

قرآن کا اعجاز:

آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات سب اس بات کے لئے جمع ہو جائیں کہ ایسا قرآن بنالائیں تب بھی ایسا نہ لاسکیں گے، اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں (اور یہ رایوں کا اجتماع ہے تو بغیر مدد کے تو درجۂ اولیٰ میں عاجز رہیں گے، اگرچہ ظاہری اجتماع کو عزم وارادہ کے پختہ ہونے میں پھر بھی دخل ہوگا پھر اگر بالکل اجتماع نہ ہو تو اولیٰ سے اولیٰ درجہ میں بھی عاجزی ہوگی)

فائدہ: شاید جنات کا ذکر اس لئے کیا ہوگا کہ وہ جنات کی عبادت کیا کرتے تھے، مطلب یہ ہوگا کہ جن کو تم پوجتے اور معبود مانتے ہو اگر وہ بھی آجائیں تب بھی نہ بنا سکو گے۔ یا پھر یوں کہا جائے کہ چونکہ جن بھی مکلف ہیں اس لئے ان کا ذکر کیا گیا۔

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کا عمدہ مضمون طرح طرح سے بیان کیا ہے، پھر بھی اکثر لوگ بے انکار کئے ہوئے نہ رہے۔

ربط: اب آپ کی رسالت کی وضاحت کے لئے قرآن کا کافی ہونا اور کافروں کا عناد کہ اس سب کے باوجود اس کو نہیں مانتے بیان کیا گیا ہے اور اسی کے قریب قریب اوپر کے مضمون ہیں۔

قرآن کے مکمل ہدایت ہونے کے باوجود کافروں کی گمراہی:

اور ہم نے لوگوں کو (سمجھانے کے) لئے اس قرآن میں ہر قسم کا عمدہ مضمون طرح طرح سے بیان کیا ہے، پھر بھی اکثر لوگ انکار کئے بغیر نہ رہے۔

﴿ وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ ﴾

ع ۱۰

ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لاویں گے جب تک آپ ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کردیں یا خاص آپ کے لئے کھجور اور انگوروں کا کوئی باغ نہ ہو، پھر اس باغ کے بیچ بیچ میں جگہ جگہ بہت سی نہریں آپ جاری کردیں۔ یا جیسا آپ کہا کرتے ہیں آپ آسمان کے ٹکڑے ہم پر نہ گرادیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے نہ لاکر کھڑا کردیں۔ یا آپ کے پاس کوئی سونے کا بنا ہوا گھر نہ ہو یا آپ آسمان پر نہ چڑھ جاویں۔ اور ہم تو آپ کے چڑھنے کا بھی یقین نہ کریں جب تک کہ آپ ہمارے پاس ایک نوشتہ نہ لاویں جس کو ہم پڑھ بھی لیں۔ آپ فرمادیجئے کہ سبحان اللہ! میں بجز اس کے کہ آدمی ہوں اور پیغمبر ہوں اور کیا ہوں۔

ربط: آگے بھی رسالت کی وضاحت کے لئے نبوت سے متعلق مشرکوں کے ایک شبہ کا جواب ہے کہ انھوں نے محض عناد کی غرض سے کچھ بے سر پیر کی فرمائشیں کی تھیں، اس شبہ کو آیت میں دور کیا گیا ہے۔ اسے ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جیسا کہ اللباب میں ہے اور اوپر بھی رسالت کی وضاحت کا بیان تھا۔

عناد رکھنے والوں کے مطالبات کا جواب:

اور یہ لوگ (اس کے باوجود کہ قرآن کے معجزہ ہونے سے آپ کی نبوت ثابت ہو چکی ایمان نہیں لاتے، بلکہ یوں) کہتے ہیں کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے، جب تک آپ ہمارے لئے (مکہ کی) زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کردیں۔ یا خاص آپ کے لئے کھجور اور انگوروں کا کوئی باغ نہ ہو، پھر اس باغ کے بیچ بیچ میں جگہ جگہ بہت سی نہریں آپ جاری کردیں یا جیسا آپ کہا کرتے ہیں، آپ آسمان کے ٹکڑے ہم پر نہ گرادیں (جیسا کہ اس آیت میں ﴿ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾) یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو (ہمارے) سامنے لاکر نہ کھڑا کردیں (کہ ہم کھلم کھلا دیکھ لیں) یا آپ کے پاس کوئی سونے کا بنا ہوا گھر نہ ہو یا آپ آسمان پر (ہمارے سامنے) نہ

چڑھ جائیں۔ اور ہم تو آپ کے (آسمان پر) چڑھنے کا بھی کبھی یقین نہ کریں گے جب تک کہ (وہاں سے) آپ ہمارے پاس ایک لکھی ہوئی کتاب نہ لے آئیں، جس کو ہم بھی پڑھ لیں (اور اس میں آپ کے آسمان پر پہنچنے کی تصدیق سند کے طور پر لکھی ہوئی ہو) آپ (ان سب خرافات کے جواب میں) فرمادیجئے کہ سبحان اللہ! میں اس کے سوا کہ آدمی ہوں (مگر) پیغمبر ہوں اور کیا ہوں؟ (کہ ان فرمائشوں کا پورا کرنا میری قدرت میں ہو۔ لہٰذا بشر ہونا ذاتی طور پر جس کے عاجز ہونے کا تقاضہ ہے، اس کی تحقیق ہے۔ اور عرض کے طور پر قدرت کے لئے کسی امر کا تقاضا نہیں اور رسالت اگرچہ میری صفت ہے، مگر وہ اس کا تقاضا نہیں اور اگر اس کا تقاضا کہا جائے تو بالکل غلط ہے، کیونکہ اس کا تقاضا صرف اس قدر ہے کہ اس پر کوئی صحیح دلیل قائم ہو جو اعتراض سے محفوظ ہو۔ اس کو کتنی بار تمہارے سامنے پیش کر چکا ہوں اور اب تک اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا، اس لئے عرض کے طور پر قدرت کا بھی کوئی تقاضا نہ رہا، لہٰذا ان نشانیوں کو بشر یا رسول سے تو کوئی تعلق نہ رہا۔ اب رہ گیا یہ امر کہ حق تعالیٰ ضرورت نہ ہونے کے باوجود ظاہر کر دیں تو اس کی حکمت کو وہ جانیں کسی کو اس فرمائش کا حق نہیں۔ چنانچہ بعض حکمتیں معلوم بھی ہو گئی ہیں کہ فرمائش کے پورا کرنے پر ایمان نہ لاتے تو صفایا ہی ہو جاتا جیسا کئی بار گذر چکا ہے)

﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝﴾

ترجمہ: اور جس وقت ان لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکی اس وقت ان کو ایمان لانے سے بجز اس کے اور کوئی بات مانع نہیں ہوئی کہ انھوں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ فرمادیجئے اگر زمین پر فرشتے ہوتے کہ اس میں چلتے بستے تو البتہ ہم ان پر آسمان سے فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے۔

ربط: اوپر رسالت کے متعلق بعض شبہات کا جواب تھا۔ اب بھی رسالت ہی سے متعلق بعض اور شبہات کا جواب ہے۔ ایک شبہ یہ تھا کہ رسول کو بشر یعنی آدمی نہیں ہونا چاہئے، فرشتہ ہونا چاہئے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ رسول میں اور جن کی طرف رسول بھیجا جائے، ان میں مناسبت ہونا ضروری ہے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اگر وہ فرشتے ہوتے تو رسول بھی فرشتہ ہوتا۔ جن لوگوں کی طرف رسول بھیجے گئے جب وہ بشر ہیں تو رسول بھی بشر ہی ہونا چاہئے۔

رسالت سے متعلق بعض شبہات کا جواب:

اور جس وقت ان لوگوں کے پاس ہدایت (یعنی رسالت کی صحیح دلیل، مثلاً قرآن کا اعجاز) پہنچ چکی (جس کا تقاضا یہ تھا کہ ایمان لے آتے) اس وقت ان کو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی اور (ذکر کے قابل) بات رکاوٹ نہیں بنی کہ انھوں نے (بشر اور رسول کو ایک دوسرے کی ضد سمجھا جس کے سبب یہ) کہا، کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ (یعنی ایسا

نہیں ہوسکتا) آپ (ہماری طرف سے جواب میں) فرمادیجئے کہ اگر زمین پر فرشتے (رہتے) ہوتے کہ اس میں (زمین کے دوسرے رہنے والوں کی طرح) چلتے پھرتے اور بستے (اور حکمت کے تقاضے اور فرشتوں کی خاصیت کے بدل جانے کی وجہ سے آسمان پر نہ آتے) تو یقیناً ہم ان پر آسمان سے فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے۔

فائدہ: اگر یہ وسوسہ ہو کہ جب مناسبت کی ضرورت سے ہم جنس کی رعایت ہوتی تو پھر رسول کے جو کہ بشر ہوتا ہے، فرشتہ کیوں آتا ہے؟ اور اس سے فیض کیسے ہوتا ہے؟ جواب یہ کہ چونکہ رسول میں ملکیت یعنی فرشتے والی شان بھی ہوتی ہے اس لئے اس کو فرشتہ اور بشر دونوں سے مناسبت ہوتی ہے کہ بشر وحی کو فرشتہ سے لے کر پہنچادے بشر کے عوام کے برخلاف کہ ان میں فرشتہ والی شان نہیں ہوتی، اس لئے ہم جنس ہونا مناسبت کی شرط ہے اور اگر یہ وسوسہ ہو کہ اگر فرشتہ آدمی کی شکل اختیار کر کے آجاتا تو عوام کو بھی مناسبت ہوجاتی۔ اس کے دو جواب ہیں: ایک تو وہ جو سورۂ انعام کی آیت ۹ ﴿ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا ﴾ میں گذر چکا ہے۔ دوسرا یہ کہ شکل بدلنے سے فرشتہ کی خاصیت نہیں بدلتی اس لئے پھر بھی مناسبت نہ ہوتی۔ اور اگر یہ وسوسہ ہو کہ پھر آپ کی بعثت جنات کی طرف کس طرح ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ میں صفت جامع ہے یعنی انسانوں کو بھی فیض پہنچا اور جنات کو بھی ممکن ہے، اور ﴿ يَّمْشُوْنَ مُطْمَىِٕنِّيْنَ ﴾ کی قید اس لئے لگائی کہ اگر انہیں عروج کی اجازت ہوتی تو رسول بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

﴿ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہے۔ وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے خوب دیکھتا ہے۔ اور اللہ جس کو راہ پر لاوے وہی راہ پر آتا ہے اور جس کو وہ بے راہ کردے تو خدا کے سوا آپ کسی کو بھی ایسوں کا مددگار نہ پاویں گے۔ اور ہم قیامت کے روز ان کو اندھا گونگا بہرا کر کے منہ کے بل چلائیں گے۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وہ جب ذرا دھیمی ہونے لگے گی تب ہم ان کے لئے اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔ یہ ہے ان کی سزا اس سبب سے کہ انھوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا اور یوں کہا تھا کہ جب ہم ہڈیاں اور بالکل ریزہ ریزہ ہوجاویں گے تو کیا ہم ازسرنو پیدا کر کے اٹھائے جاویں گے۔ کیا ان لوگوں کو اتنا معلوم نہیں کہ جس اللہ نے آسمان اور زمین پیدا کئے وہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ ان

جیسے آدمی دوبارہ پیدا کردے اور ان کے لئے ایک میعاد معین کر رکھی ہے کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں، اس پر بھی بے انصاف لوگ بے انکار کئے نہ رہے۔

ربط: ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ﴾ میں رسالت کی قطعی دلیل کا اور بعد کی آیتوں میں اس سے متعلق شبہات کے جوابوں کا بیان تھا۔ چونکہ عناد رکھنے والے ان جوابوں کے بعد بھی نہیں مانتے اس لئے اب آخری خطاب اور اس کے ساتھ قیامت کے دن کے عذاب کی وعید اور اس کے ضمن میں قیامت سے متعلق شبہ کا جواب ارشاد ہے۔

آخری جواب: جہنم کی وعید اور سخت دن کا اثبات:

جب یہ لوگ دلیلوں کے قائم ہونے اور شبہات کے دور ہونے کے بعد بھی نہیں مانتے تو) آپ (آخری بات) کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان (کے اختلاف میں) کافی گواہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں واقعی رسول ہوں، تم نہیں مانتے تو مت مانو، ایک دن بھگتو گے۔ کیونکہ) وہ اپنے بندوں (کے حالات) کو خوب جانتا، خوب دیکھتا ہے (وہ تمہارے عناد کو بھی دیکھتا اور جانتا ہے۔ اور تمہیں اس کی سزا دے گا) اور (واقعی بات یہ ہے کہ) اللہ جس کو (سیدھے) راستہ پر لا دے وہی راہ پر آتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو اللہ کے سوا (جن جن کی مدد کا انہیں بھروسہ ہے، ان میں سے) آپ کسی کو بھی ایسے لوگوں کا مددگار نہ پائیں گے (اور اللہ کی مدد سے کفر کی وجہ سے محروم رہے، یعنی جب تک اللہ کی طرف سے دستگیری نہ ہو، نہ ہدایت ہوسکتی ہے، نہ عذاب سے بچ سکتا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ ہدایت کے اسباب کے جمع ہونے کے باوجود ذلیل وخوار ہونے کی وجہ سے ہدایت کو نہ پہنچ سکے) اور ہم قیامت کے دن انہیں اندھا، گونگا، بہرا کر کے منہ کے بل چلائیں گے (پھر) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے (اور وہاں کے عذاب کی شدت کی یہ حالت ہوگی کہ) وہ (یعنی اس کی آگ) جب ذرا دھیمی ہونے لگے گی تو ہم ان کے لئے اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔ یہ ہے ان کی سزا۔ اس سبب سے کہ انھوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا۔ اور یوں کہا تھا کہ کیا جب ہم ہڈیاں (اور ہڈیاں بھی کیسی کہ) بالکل ریزہ ریزہ ہوجائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے (قبروں سے) پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے؟ کیا ان لوگوں کو اتنا معلوم نہیں کہ جس اللہ نے آسمان اور زمین پیدا کئے، وہ اس بات پر (بدرجۂ اولیٰ) قادر ہے کہ وہ ان جیسے آدمی دوبارہ پیدا کر دے اور انکار کرنے والوں کو شاید یہ وسوسہ ہو کہ ہزاروں مر گئے، مگر اب تک عام بعثت کا یہ وعدہ پورا نہیں ہوا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے (دوبارہ پیدا کرنے کے) لئے ایک میعاد معین کر رکھی ہے کہ اس (میعاد کے آنے کے وقت دوبارہ پیدا کرنے) میں ذرا بھی شک نہیں، اس پر ناانصافی کرنے والے لوگ انکار کئے بغیر نہیں رہے۔

فائدہ: صحیحین کی حدیث میں صراحت ہے کہ کافر لوگ منہ کے بل چلیں گے، لہٰذا ﴿عَلٰی وُجُوْهِهِمْ﴾ میں تو مجازی معنی یقیناً نہیں۔ اور اسی کے قرینہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ﴿عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا﴾ میں بھی مجازی معنی نہیں، جیسا کہ

دوسری آیت میں ہے: ﴿ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ﴾ الخ پھر دوسری آیتوں سے جو ان کا سننے والا اور دیکھنے والا ہونا یا ان کا سر اونچا ہونا معلوم ہوتا ہے جیسے: ﴿ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ﴾ ﴿ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ ﴾ اس میں کئی جواب ہوسکتے ہیں۔ لیکن سب سے آسان اور سمجھ سے زیادہ قریب یہ ہے کہ خاص حشر کے وقت ذلت کے لئے یہ حالت ہوگی، بعد میں سننا، دیکھنا اور سروں کو اٹھانا دوسری مصلحتوں مثلاً خوف کی شدت اور حیرت وغیرہ کی وجہ سے ہوگا۔ اور یخلقھم کی جگہ ﴿ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ﴾ اس لئے فرمایا کہ یہ نئی پیدائش ان کو اور تمام آدمیوں کو جو کہ ان کی طرح ہیں جن کا ذکر ہوا بلکہ تمام مخلوقات کو عام ہوگی۔ یا ﴿ مِثْلَهُمْ ﴾ سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو آسمانوں اور زمین کے مقابلہ میں چھوٹے، حقیر ہونے میں ان کی طرح ہوں۔ اور اس کے عموم میں یہ بھی داخل ہیں۔

﴿ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا۠ ﴾ ع ۱۱

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مختار ہوتے تو اس صورت میں تم خرچ کرنے کے اندیشہ سے ضرور ہاتھ روک لیتے اور آدمی ہے بڑا تنگ دل۔

ربط: اوپر کافروں کا آپ کی نبوت کا انکار کرنا اور آپ سے دشمنی رکھنا بیان ہوا ہے۔ اب فرع کے طور پر فرماتے ہیں کہ اگر نبوت تمہارے اختیار میں ہوتی تو تم رسول مقبول ﷺ کو ہرگز نہ دیتے مگر وہ خاص فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے اس لئے تمہاری ناگواری اور دشمنی رکاوٹ نہیں ہوسکتی، اور اس سے ان کے اس قول کا جواب بھی نکل آیا جو کہا کرتے تھے ﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ﴾ جس کا جواب اس جگہ ان لفظوں میں دیا ہے ﴿ اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ﴾ لہٰذا دونوں آیتوں کا مضمون قریب قریب ہوگیا۔ چنانچہ یہاں بھی لفظ رحمت آیا ہے جس کی تفسیر نبوت ہے۔

نبوت عطا کرنے کا اختیار بندوں کو نہیں دیا گیا:

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت (یعنی نبوت) کے خزانوں (یعنی کمالوں) کے مختار ہوتے (کہ جس کو چاہتے دیتے اور جس کو نہ چاہتے نہ دیتے جیسا کہ تمہارے بیجا بیانوں سے ظاہر ہوتا ہے، مثلاً یہ کہنا ﴿ لَوْلَا نُزِّلَ ﴾ الخ اور نشانیوں کا مطالبہ کرنا اور بشریت اور نبوت میں ضد کا دعویٰ وغیرہ) تو اس صورت میں تم (اس کے) خرچ کرنے کے اندیشہ سے ضرور ہاتھ روک لیتے (کبھی بھی کسی کو نہ دیتے، باوجودیکہ وہ ایسی چیز ہوتی کہ دینے سے بھی نہ گھٹتی مگر خود اس کے دینے ہی کو خرچ کرنے جیسا سمجھ کر کسی کو بھی نہ دیتے جیسے بعض لوگ علم کی بات انتہائی بخل کی وجہ سے نہیں بتایا کرتے) اور آدمی بڑا تنگ دل ہے (کہ ایسی نہ گھٹنے والی چیز کے دینے سے بھی بچتا ہے، جس کی وجہ بخل اور نبی سے دشمنی کے ساتھ شاید یہ بھی ہوتی کہ اگر کسی کو نبی بنالیا تو پھر احکام کی پابندی کرنی پڑے گی۔ جیسے اتفاق کر کے کسی کو بادشاہ قرار دے لینے پر

بھی یہی ہوتا ہے)

فائدہ: یہ تفسیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذہن میں ڈالی ہوئی باتیں ہیں جو موقع ومحل کے لحاظ سے بہت مناسب ہیں، اس میں نبوت کو رحمت کے ساتھ تعبیر کرنا ایسا ہوگا جیسے آیت ﴿ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ﴾ میں بالاجماع نبوت کو رحمت سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور نبوت دینے کو انفاق کہنا ایسا ہوگا جیسا بعض مفسرین نے ﴿ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ میں انفاق کی تفسیر انوار کے اضافہ سے کی ہے۔

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآىِٕرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ۝ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۝ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰي مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کھلے ہوئے نو معجزے دیئے جب کہ وہ بنی اسرائیل کے پاس آئے تھے، سو آپ بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھئے تو فرعون نے ان سے کہا کہ اے موسیٰ! میرے خیال میں تو ضرور تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ موسیٰ نے فرمایا: تو خوب جانتا ہے کہ یہ عجائبات خاص آسمانوں اور زمین کے پروردگار ہی نے بھیجے ہیں جو کہ بصیرت کے لئے ذرائع ہیں اور میرے خیال میں ضرور تیری کمبختی کے دن آگئے ہیں۔ پھر اس نے چاہا کہ بنی اسرائیل کا اس سرزمین سے قدم اکھاڑ دے سو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو کہہ دیا کہ تم اس سرزمین میں رہو سہو، پھر جب آخرت کا وعدہ آجاوے گا تو سب کو جمع کر کے حاضر لا کریں گے۔ اور ہم نے اس قرآن کو راستی ہی کے ساتھ نازل کیا اور اور وہ راستی ہی کے ساتھ نازل ہو گیا۔ اور ہم نے آپ کو صرف خوشی سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور قرآن میں ہم نے جا بجا فصل رکھا تا کہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اس کو اتارنے میں بھی تدریجاً اتارا۔ کہہ دیجئے کہ تم اس قرآن پر خواہ ایمان لاؤ یا ایمان نہ لاؤ جن لوگوں کو قرآن سے پہلے علم دیا گیا تھا، یہ قرآن جب ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے، بیشک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہی ہوتا ہے۔ اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن ان کا خشوع اور

بڑھا دیتا ہے۔

ربط: اوپر محمد ﷺ کی رسالت اور رسالت کی دلیل یعنی قرآن کے معجزہ ہونے کو ثابت کرنے کا اور کافروں کے عناد کا بیان تھا۔ اب نظیر کے طور پر موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور ان کے معجزوں کا ذکر اور فرعون کے عناد کا بیان ہے، جس سے طلب کی گئی نشانیوں کے ظاہر نہ ہونے کی حکمت بھی سمجھ میں آ گئی کہ یہ فرعون کی طرح ضرور انکار کرتے اور سزا کے مستحق ہوتے اور تسلی کے لئے فرعون کی دشمنی کا اور بنی اسرائیل کے صبر کے انجام کا بیان ہوا ہے۔ تاکہ عناد رکھنے والے ان لوگوں کے انجام کو اس پر قیاس کر لیا جائے اور مسلمانوں کو ثابت قدم رہنا آسان ہو اور مذکورہ نظیر بیان کر کے آیت ﴿ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ ﴾ الخ سے پھر اصل مقصود یعنی رسالت کے بیان کی تحقیق اور رسالت کی دلیل کی طرف لوٹتے ہیں اور ﴿ قُلْ اٰمِنُوْا ﴾ الخ میں تسلی کے لئے کوئی اندیشہ نہ رکھنے کی تصریح ہے۔ لہٰذا تمام تر کلام سے مقصود رسالت کی تحقیق ہے۔

رسالت کی تحقیق:

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کھلے ہوئے نو معجزے دیئے (جن کا ذکر سورۃ الاعراف آیت ۱۳۰ میں ہے) جبکہ وہ بنی اسرائیل کے پاس آئے تو آپ (چاہے) بنی اسرائیل سے پوچھ لیجئے (اور چونکہ آپ فرعون کی طرف بھی بھیجے گئے تھے اور فرعون اور فرعون والوں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے وہ عجائبات ظاہر ہوئے تھے، اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دوبارہ ایمان لانے کے لئے یاددہانی کی اور ان واضح نشانیوں سے ڈرایا) تو فرعون نے ان سے کہا کہ اے موسیٰ! میرے خیال میں تو ضرور تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے (جس سے تمہاری عقل خبط ہو گئی ہے کہ ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو (اپنے دل میں) خوب جانتا ہے (اگرچہ شرم وحیا کی وجہ سے زبان سے اقرار نہیں کرتا) کہ یہ عجیب عجیب نشانیاں خاص آسمان اور زمین کے پروردگار ہی نے بھیجی ہیں جو کہ بصیرت کے لئے کافی ذرائع ہیں اور میرے خیال میں ضرور تیری کمبختی کے دن آ گئے ہیں (اب یا تو فرعون کی یہ حالت تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر بھی بنی اسرائیل کو مصر سے جانے کی اجازت نہ دیتا تھا اور) پھر (یہ ہوا کہ) اس نے (اس اندیشہ سے کہ کہیں موسیٰ علیہ السلام کے اثر سے بنی اسرائیل زور نہ پکڑ جائیں خود ہی) چاہا کہ اس سرزمین سے بنی اسرائیل کے قدم اکھاڑ دے (یعنی انہیں شہر سے نکال دے) تو ہم نے (اس سے پہلے کہ وہ کامیاب ہو، خود) اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا اور اس (کے غرق کرنے) کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ (اب) تم اس سرزمین (کے جہاں سے فرعون تم کو نکالنا چاہتا تھا مالک ہو، تم ہی اس) میں رہو سہو (چاہے فوری طور پر اس وقت یا کچھ دن بعد، مگر یہ مالک ہونا اس دنیا کی زندگی تک ہی ہے) پھر جب آخرت کا وعدہ آ جائے گا تو ہم سب کو جمع کر کے (قیامت کے میدان میں ملکیت کی شکل میں اور محکوم کے طور پر) لا کر حاضر کریں گے اور (جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو معجزے دیئے اسی طرح آپ کو معجزے دیئے جن میں عظیم شان

والا معجزہ قرآن ہے کہ) ہم نے اس قرآن کو حق ہی کے ساتھ نازل کیا اور وہ حق ہی کے ساتھ (آپ پر) نازل ہو گیا (یعنی لکھنے والے کے پاس سے چلا تھا ویسا ہی جس کے پاس بھیجا گیا اس تک پہنچ گیا۔ اور درمیان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ چنانچہ یہ پوری طرح ہی حق ہے) اور (جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنایا تھا لیکن ہدایت ان کے اختیار میں نہ تھی، اسی طرح) ہم نے آپ کو (بھی) صرف (ایمان پر ثواب کی) خوش خبری سنانے والا اور (کفر پر عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے (اگر کوئی ایمان نہ لائے تو کچھ غم نہ کیجئے) اور قرآن (میں حق کی صفت کے ساتھ رحمت کے تقاضہ سے ایسی ہی اور بھی صفتوں کی رعایت کی گئی ہے کہ اس سے ہدایت اور زیادہ آسان ہو۔ چنانچہ ایک تو یہ کہ اس) میں ہم نے (آیتوں وغیرہ کا جگہ جگہ فاصلہ رکھا تا کہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں (جس سے وہ اچھی طرح سمجھ سکیں، کیونکہ لمبی اور مسلسل تقریر بعض اوقات سمجھ میں نہیں آتی یا یاد نہیں رہتی) اور (دوسرے یہ کہ) ہم نے اس کو اتارنے میں بھی (واقعات کے مطابق) آہستہ آہستہ اتارا (تا کہ معانی و مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجائیں۔ اب ان سب امور کا تقاضہ یہ تھا کہ یہ لوگ ایمان لے آتے، لیکن اگر اس پر بھی ایمان نہ لائیں تو آپ اس کی پروا نہ کیجئے بلکہ صاف) کہہ دیجئے کہ تم اس قرآن پر چاہے ایمان لاؤ یا ایمان نہ لاؤ (مجھے دو وجہ سے کوئی پروا نہیں: اول تو یہ میرا کیا نقصان کیا، دوسرے یہ کہ تم ایمان نہ لائے تو کیا ہوا، دوسرے لوگ ایمان لے آئے۔ چنانچہ) جن لوگوں کو قرآن (کے نازل ہونے) سے پہلے (دین کا) علم دیا گیا تھا (یعنی اہل کتاب کے انصاف پسند علماء) یہ قرآن جب ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب (وعدہ خلافی جیسے عیب سے) پاک ہے۔ بیشک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہی ہونا ہے (تو جس کتاب کے جس نبی پر نازل کرنے کا وعدہ پچھلی کتابوں میں کیا تھا اس کو پورا فرما دیا) اور ٹھوڑیوں کے بل (جو) گرتے ہیں (تو) روتے ہوئے (گرتے ہیں) اور یہ قرآن (یعنی اس کا سننا) ان کا (دلی) خشوع (یعنی عاجزی اور ڈر و خوف) اور بڑھا دیتا ہے (کیونکہ ظاہر اور باطن کا ایک دوسرے کے مطابق ہونا اس کیفیت کو قوی کر دیتا ہے۔

فائدہ: یہ سجدہ میں گرنا شکر کے طور پر ہے کہ پچھلی کتابوں میں لکھا ہوا وعدہ پورا ہوا یا اس کی تعظیم اور اس کے اجلال (تعظیم) کی وجہ سے ہے کہ قرآن کو سن کر ہیبت طاری ہوتی ہے یا مجاز کے طور پر پوری اتباع اور خشوع سے کنایہ ہے۔ اور سجدہ چہرے کے بل ہوتا ہے مگر ٹھوڑیوں کے بل کہنا مبالغہ کے لئے ہے کہ اپنے چہرے کو زمین اور خاک سے اس قدر لگائے دیتے ہیں کہ ٹھوڑی لگنے کے قریب ہو جاتی ہے۔

اور ترمذی کی حدیث میں یہود کے آپ سے نو نشانیوں کے بارے میں سوال کرنے اور جواب میں احکام بیان کرنے کا ذکر ہے، لیکن جس انداز سے مضامین چل رہے ہیں، اس لحاظ سے آیت میں حدیث والے مضمون کا مراد لینا دشوار ہے کہ بظاہر کلام معجزوں کے سلسلہ میں ہے۔ احقر کے نزدیک حدیث کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے ان معجزوں کو بیان کرنے

کے بعد جواب میں یہ احکام بھی بیان کر دیئے اور روایت کرنے والے نے احکام کو زیادہ اہمیت دیتے ہوئے معجزوں کا مضمون حذف کر دیا۔ واللہ اعلم

اور ﴿ مَثْبُوْرًا ﴾ کہنا شفقت کے طور پر ہو تو نرم انداز کی گفتگو کے خلاف نہیں ہے، اور چونکہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے تابع رہے اس لئے ﴿ اِذْ جَآءَهُمْ ﴾ میں بنی اسرائیل کی تخصیص کی۔

﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو گے سو اس کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں۔ اور نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھئے اور نہ بالکل ہی چپکے چپکے پڑھئے اور دونوں کے درمیان ایک طریقہ اختیار کیجئے۔ اور کہہ دیجئے کہ تمام خوبیاں اسی اللہ کے لئے ہیں، جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ اس کا کوئی سلطنت میں شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے۔ اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیا کیجئے۔

ربط: اوپر کئی آیتوں میں توحید کا بیان تھا، اب سورت کے ختم پر پھر بعض تحقیقات اور بعض تعلیمات اسی سے متعلق ہیں۔ اور چونکہ سورت کے شروع میں بھی اللہ تعالیٰ کی پاکی پر دلالت تھی لہٰذا اس کا ختم پر ہونا لطف اور رعایتوں کے جس کو بڑھا دیتا ہے۔ اور ان آیتوں کے نزول کے اسباب سے متعلق یہ قصے ہیں:

اول: آپ نے ایک دن دعا میں یا اللہ، یا رحمٰن فرمایا، مشرکوں نے سنا تو اعتراض کیا کہ ہمیں تو دو معبودوں کے پکارنے سے منع فرماتے ہیں اور خود دو معبودوں کو پکارتے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ ﴾ الخ

دوسرے: آپ نماز میں ذرا اونچی آواز سے قرآن پڑھتے تو مشرک لوگ قرآن، حق تعالیٰ اور جبرئیل علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرتے۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا ﴿ وَلَا تَجْهَرْ ﴾ الخ

تیسرے: یہود و نصاریٰ اللہ کی اولاد قرار دیتے تھے اور عرب شرک کرتے تھے اور صابی اور مجوسی کہتے تھے کہ اللہ کے مخصوص لوگ نہ ہوں تو نعوذ باللہ اس کی قدر کم ہو جائے، اس پر یہ نازل ہوئی ﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ الخ جیسا کہ مختلف سندوں سے اللباب میں ہے۔

توحید کی تعلیم و تحقیق:

آپ فرما دیجئے کہ چاہے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو گے (بہتر ہے، کیونکہ) اس کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں (اور اس میں شرک سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ جس کے یہ نام ہیں وہ تو ایک ہی نام ہے۔ نام کئی ہیں،

شرک جب ہوتا جب خود ذات کئی ہوتیں) اور اپنی جہری یعنی اونچی آواز والی نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھئے (کہ مشرک لوگ سن سن کر خرافات بکیں اور نماز کے دوران دل میں فکر و پریشانی پیدا ہو۔ اور نہ ہی بالکل آہستہ آہستہ پڑھئے (کہ نمازیوں کو بھی نہ سنائی دے، کیونکہ اس سے ان کی تعلیم میں کمی پڑتی ہے) اور دونوں کے درمیان (ایک بیچ کا) طریقہ اختیار کر لیجئے (کہ نفع بھی نہ جاتا رہے اور نقصان و پریشانی بھی نہ ہو) اور کافروں پر رد کرنے کے لئے اعلانیہ طور پر) کہہ دیجئے کہ تمام خوبیاں اس اللہ (پاک) کے لئے (خاص) ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کی بادشاہی میں شریک ہے، اور نہ (اس میں کسی قسم کی) کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے۔ اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیجئے (اس میں تیسرے قصہ کے تمام عقائد باطل ہو گئے)

فائدہ: بندہ نے نماز میں جو جہری یعنی اونچی آواز والی نماز کی قید لگائی ہے، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس میں بلند آواز سے پڑھنے میں مشرکوں کے سننے اور بکنے کا اندیشہ تھا اور ﴿ وَلَا تَجْهَرْ ﴾ کی توضیح میں جو احقر نے کہا ہے کہ دل میں نماز کی حالت میں کوئی فکر و پریشانی ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ تبلیغ کے وقت اس نقصان کا اعتبار نہیں، کیونکہ وہاں سنائے بغیر مقصد حاصل ہی نہیں ہوتا، لہٰذا ضرورت کے تحت لازم ہوا۔ وہاں اس نقصان کو برداشت کیا جائے گا، برخلاف نماز کے کہ یہاں سنانے سے غرض دل کا حاضر ہونا ہے، اس سے منع کیا گیا۔

لطیفہ: جس سے مخلوق کو کسی قدر قوت پہنچا کرتی ہے، وہ کبھی تو اپنے سے چھوٹا ہوتا ہے جیسے اولاد، کبھی وہ برابر کا ہوتا ہے جیسے شریک ساجھی وساتھی اور کبھی بڑا ہوتا ہے جیسے مددگار اور حمایت کرنے والا۔ حق تعالیٰ نے اسی ترتیب سے تینوں کی نفی فرما دی، کیونکہ وہ خود ایسے قوی ہیں کہ انہیں کسی سے قدرت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسرا لطیفہ: سورت کو تسبیح سے شروع کیا اور حمد و تکبیر پر ختم کیا۔ اس طرح سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر پر سورت شروع اور ختم ہوئی۔ واللہ اعلم

(۱۸) سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ (۶۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

سورۃ الکہف مکی سورت ہے، مگر ﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ ﴾ مدنی ہے، اس میں ایک سو گیارہ آیتیں ہیں۔

تمہید: اس سورت میں یہ مضامین ہیں: توحید اور رسالت کی بحثیں، فنا، دنیا کا حقیر ہونا، آخرت کی جزا و سزا، تکبر اور جھگڑے کی مذمت، رسالت، توحید اور بعثت پر دلالت کرنے والے بعض قصے، چنانچہ ربط کے بیانوں میں تفصیل کے ساتھ معلوم ہوگا۔ اور ان سب کی ترتیب ظاہر ہے کہ ان مضامین کو ایمان حاصل کرنے میں دخل ہے، اور گذشتہ سورت کا ختم اور اس سورت کا شروع حمد سے ہونا دونوں میں مناسبت کے لئے کافی ہے۔ واللہ اعلم

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ مَّاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا ۝ وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآىِٕهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا صَعِیْدًا جُرُزًا ۝ ﴾

ترجمہ: تمام خوبیاں اس اللہ کے لئے ثابت ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل فرمائی اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی، بالکل استقامت کے ساتھ موصوف بنایا تا کہ وہ ایک سخت عذاب سے جو کہ منجانب اللہ ہوگا ڈرائے اور ان اہل ایمان کو جو نیک کام کرتے ہیں یہ خوشخبری دے کہ ان کو اچھا اجر ملے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور تا کہ ان لوگوں کو ڈرائے جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے نہ تو اس کی کوئی دلیل ان کے پاس ہے اور نہ ان کے باپ دادوں کے پاس تھی بڑی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے، وہ لوگ بالکل جھوٹ بکتے ہیں۔ سو شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان دیدیں گے۔ ہم نے زمین پر کی چیزوں کو اس کے لئے باعث رونق بنایا تا کہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں زیادہ اچھا عمل کون کرتا ہے اور ہم زمین پر کی تمام چیزوں کو ایک صاف میدان کر دیں گے۔

تحقیق رسالت اور جس کے ذریعہ رسالت ہے (قرآن) اور رسالت والے کو تسلی:

تمام خوبیاں اس اللہ کے لئے ثابت ہیں جس نے اپنے (خاص) بندہ (محمد ﷺ) پر یہ کتاب نازل فرمائی اور اس (کتاب) میں (کسی قسم کا) ذرا بھی ٹیڑھاپن نہیں رکھا (نہ لفظی جیسے فصاحت میں خلل یا گھٹیا پن، یا غیر معیاری ہونا اور معنوی جیسے حکمت کے خلاف اور ایک دوسرے کی ضد، بلکہ اس کو) بالکل صاف وسیدھی بات کہنے والی بنایا (اور اس لئے نازل کیا) تاکہ وہ (کتاب کافروں کو عام طور سے) ایک سخت عذاب سے ڈرائے جو کہ (اللہ کی جانب سے ان کے لئے آخرت میں ہوگا) اور ان ایمان والوں کو جو نیک کام کرتے ہیں، یہ خوش خبری دے کہ انہیں (آخرت میں) اچھا اجر ملے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور تاکہ (کافروں میں سے خاص طور سے) ان لوگوں کو (عذاب سے) ڈرائے جو یوں کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے (خاص طور سے ان کو علاحدہ اس لئے فرمایا کہ عرب میں یہ بلا بہت تھی کہ وہاں کے مشرک، یہود و نصاری سب ہی اس میں مبتلا تھے) اس کی نہ تو ان کے پاس کوئی دلیل ہے اور نہ ان کے باپ دادا کے پاس تھی۔ بہت بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے (اور) وہ لوگ بالکل ہی جھوٹ بکتے ہیں (جس میں عقلی ممانعت کی وجہ سے سچا ہونے کا عقلی احتمال بھی نہیں۔ اور آپ جو ان کے کفر پر اتنا غم کرتے ہیں) تو (معلوم ہوتا ہے کہ) اگر یہ لوگ اس (قرآنی) بات پر ایمان نہ لائیں تو شاید آپ ان کے پیچھے غم سے اپنی جان دے دیں گے (یعنی اتنا غم نہ کیجئے کہ ہلاکت کے قریب پہنچادے۔ اس کی وجہ یہ ہے یہ عام ابتلاء ہے، اس میں کفر اور ایمان دونوں ہی چیزیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ) ہم نے زمین کے اوپر کی چیزوں کو اس (زمین) کے لئے رونق کا ذریعہ بنایا تاکہ ہم (اس کے ذریعہ سے) لوگوں کی آزمائش کریں کہ (دیکھیں) ان میں زیادہ اچھا عمل کون کرتا ہے (اور کون نہیں کرتا، یعنی کون اس کی رونق و زینت کے اسباب میں مشغول ہو کر حق تعالیٰ سے غافل ہو جاتا ہے اور کون اس پر فریفتہ نہ ہو کر حق تعالیٰ کی طرف مشغول ہوتا ہے، غرض یہ آزمائش کا عالم ٹھہرا، لہٰذا تکوینی طور پر ضروری ہوا کہ کوئی کفر میں مبتلا ہو اور کوئی اسلام ایمان قبول کرے، ایسی صورت میں غم کرنا بے کار ہے، آپ اپنا کام کئے جایئے) اور (آپ ان کے کفر کے نتیجہ کی فکر میں نہ پڑیئے کہ اس کا پورا کرنا ہمارا کام ہے۔ چنانچہ ایک دن وہ ہوگا، کہ) ہم زمین کے اوپر کی تمام چیزوں کو ایک صاف میدان (یعنی فنا) کر دیں گے (یعنی قیامت آنے والی ہے جس میں فنا کے بعد پھر وجود ہوگا اور اس وجود میں جزا و سزا سب واقع ہو جائے گی، مطلب یہ کہ آپ تبلیغ کرتے رہیے، لیکن یہ نہ سوچئے کہ ان کے نہ ماننے سے ان پر عذاب ہوگا، اس کا تعلق ہم سے ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ﴾۔

﴿ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي

﴿الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۙ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۟﴾ ع۱۲

ترجمہ: کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور پہاڑ والے ہماری عجائبات میں سے کچھ تعجب کی چیز تھے۔ وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب کہ ان نوجوانوں نے اس غار میں جا کر پناہ لی پھر کہا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو اپنے پاس سے رحمت کا سامان عطا فرمایئے اور ہمارے لئے کام میں درستی کا سامان مہیا کر دیجئے۔ سو ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال تک نیند کا پردہ ڈال دیا، پھر ہم نے ان کو اٹھایا تا کہ ہم معلوم کر لیں کہ ان دونوں گروہ میں کونسا گروہ ان کے رہنے کی مدت سے زیادہ واقف تھا۔

ربط: اوپر رسالت کی بحث تھی، اب ایک قصہ کا بیان ہے جس میں اصحابِ کہف کا واقعہ ہے جو کہ اس اعتبار سے رسالت کی دلیلوں میں سے ہے کہ آپ نے یہ مضامین ظاہر میں کسی سے نہیں سنے، اور پھر جواب دیدیا۔ چنانچہ قریش کے کافروں نے یہود کی تعلیم سے نبوت ہی کے امتحان کے لئے آپ سے یہ تین سوال کئے تھے: ایک روح سے متعلق جس کا جواب گذشتہ سورت میں گذر چکا۔ دوسرے اصحابِ کہف کا قصہ جس کا ذکر آگے آرہا ہے اور تیسرے ذوالقرنین کا قصہ جو اس سورت کے آخر میں آئے گا جیسا کہ ابن جریر کی روایت سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللباب میں ہے۔ اور اس روایت میں اصحابِ کہف کے بارے میں یہود کا یہ قول بھی ہے: فانہ کان لھم امر عجیب: اور یہ عجب نہیں کہ اس تمہید میں اس واسطے ﴿ اَمْ حَسِبْتَ ﴾ سے ﴿عَجَبًا﴾ تک فرمایا گیا ہو، چنانچہ سب سے پہلے اس قصہ کی تمہید ہے، پھر قصہ کا بیان ہے، پہلے مختصر انداز میں اور پھر تفصیل کے ساتھ۔

اصحابِ کہف کے قصہ کی تمہید:

کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور پہاڑوں والے (کہ دونوں ایک ہی جماعت کو دیئے گئے دو الگ الگ نام ہیں) ہماری (قدرت کی) عجیب نشانیوں میں سے کچھ تعجب کی چیز تھے (جیسا کہ یہود کے قول: کان لھم امر عجیب: سے یا ان کے اس فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کے لئے اس کو زیادہ عجیب سمجھ کر اس خیال سے اختیار کیا کہ معمولی واقعہ کا جواب تو کچھ سن سنا کر کچھ قیاس و اندازے اور رائے سے دینا ممکن ہے اور عادت کے خلاف معاملہ میں بغیر صحیح نقل اور پورے علم کے ممکن نہیں، اور اگرچہ روح اور ذوالقرنین کے مضمون کو بھی عجیب سمجھا ہو، مگر اسے اور زیادہ عجیب سمجھا ہوگا۔ اس لئے اس حکم میں اس کی تخصیص ہوئی۔ غرض یہ کہ آپ کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے کہ یہ قصہ عجیب ہونے کے باوجود اپنے آپ میں قدرت کی دوسری نشانیوں جیسے آسمان اور زمین کے پیدا کرنے وغیرہ سے زیادہ عجیب نہیں، جن کا پیدا کرنا بالکل غائب اور غیر موجود کی جگہ میں تصرف تھا۔ جبکہ اس واقعہ میں تو صرف موجود کے محل میں

تھا۔ پھر ان مخالفوں سے تعجب ہے کہ اس کو تو عجیب سمجھتے ہیں اور قدرت کی دوسری نشانیوں سے عبرت نہیں پکڑتے کہ (دنیا کو بنانے والے کے حقوق یعنی توحید اور طاعت پوری طرح بجالائیں۔ جس کے لئے لازم امور میں سے رسالت کی تصدیق بھی ہے۔ یہ تو تمہید تھی۔ آگے مختصر طور پر وہ قصہ بیان فرماتے ہیں)

اصحابِ کہف کا قصہ مختصر انداز میں:

وہ وقت ذکر کے قابل ہے جب ان نوجوانوں نے (ایک بے دین بادشاہ سے بھاگ کر) اس غار میں (جس کا قصہ آرہا ہے) جا کر پناہ لی، پھر (اللہ تعالیٰ سے دعا کے طور پر) کہا اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے پاس سے رحمت کا سامان عطا فرمایئے، اور ہمارے (اس) معاملہ کے درست ہونے کا سامان کر دیجئے (غالباً رحمت سے مقاصد کے حصول کی طرف اشارہ ہے اور معاملہ کے درست ہونے کے سامان سے مقدموں کے صحیح ہونے کی طرف) تو (ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کی حفاظت کے ساتھ ان کی فکر و پریشانیوں کو اس طرح دور کیا کہ) ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر برسوں تک کے لئے نیند کا پردہ ڈال دیا (یعنی ایسی گہری نیند سوئے کہ ان کے کانوں میں کوئی آواز نہیں پہنچتی تھی، اور اس میں اس کے مقابلہ میں زیادہ مبالغہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، کیونکہ آنکھ تو گہری نیند کے بغیر بھی دیکھنا بند کر دیتی ہے) پھر (برسوں کے بعد) ہم نے انہیں (نیند سے) اٹھایا تا کہ ہم (ظاہری طور پر بھی) معلوم کر لیں کہ ان (کے) دونوں گروہوں میں (سے جن میں سے ایک کا کہنا تھا کہ ہم ایک دن رہے یا ایک دن سے بھی کم اور دوسرے کا کہنا تھا تمہارا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ تم کس قدر رہے) کونسا گروہ ان کے رہنے کی مدت کی صحیح گنتی کرتا ہے؟ (چنانچہ جس گروہ نے یہ کہا تھا کہ تمہارا رب زیادہ بہتر جانتا ہے، وہی زیادہ صحیح گنتی کرنے والا تھا۔ اگرچہ مختصر طور پر ہی سہی، کیونکہ ایک دن یا اس سے بھی کم کے مقابلہ میں مدت کے لمبی ہونے کا حکم تو صحیح تھا، چاہے تعیین نہ سہی)

فائدہ: ظاہر ہے وہ غار پہاڑ میں تھا، اس لئے ان کو اصحابِ کہف اور اصحابِ رقیم دونوں کہتے ہیں اور بعض نے رقیم مرقوم یعنی لکھے ہوئے کے معنی میں لیا ہے اور کہا ہے کہ لوگوں نے غار میں ان کے دوبارہ جانے کے وقت ان کے نام لکھ کر غار کے منہ پر لٹکا دیئے تھے، اس لئے انہیں اصحاب الرقیم کہتے ہیں، لیکن چونکہ یہ لکھنا کسی قوی روایت میں نقل نہیں کیا گیا اس لئے میں نے قرآن کی تفسیر اس کی بنیاد پر نہیں لکھی۔ البتہ اگر یہ رقیم مرقوم کے معنی میں لے کر اس کا نام یہ رکھنے کی وجہ یہ کہی جائے کہ اس حال کو عجیب سمجھ کر دوسرے تاریخی واقعات کی طرح اس وقت لوگوں نے اس کو کتاب میں لکھ لیا تھا تو یہ وجہ زیادہ سمجھ میں آنے والی ہے، اور بندہ نے جو ﴿أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ﴾ الخ کی تفسیر کی ہے وہ تفسیر کبیر میں مجاہد سے نقل کی گئی ہے۔ اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ ہر قول یعنی بات کا کہنے والا الگ ہو۔ اور ایک ہی ہوں تو حزبین کا کوئی ہونا حکمی ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۚ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ۝ هٰۤؤُلَاۤءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ۚ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۚ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۗ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝ ﴾ ع۲

ترجمہ: ہم ان کا واقعہ آپ سے ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں، وہ لوگ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے۔اور ہم نے ان کی ہدایت میں اور ترقی کردی تھی۔اور ہم نے ان کے دل مضبوط کردیے جب کہ وہ پختہ ہو کر کہنے لگے کہ ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم تو اس کو چھوڑ کر کسی معبود کی عبادت نہ کریں گے کیونکہ اس صورت میں ہم نے یقیناً بڑی ہی بیجا بات کہی۔ یہ جو ہماری قوم ہے انھوں نے خدا کو چھوڑ کر اور معبود قرار دے رکھے ہیں یہ لوگ ان معبودوں پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے؟ تو اس شخص سے زیادہ کون غضب ڈھانے والا ہوگا جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگادے۔اور جب تم ان لوگوں سے الگ ہوگئے ہو اور ان کے معبودوں سے بھی، مگر اللہ سے تو تم غار میں چل کر پناہ لو تم پر تمہارا رب اپنی رحمت پھیلاوے گا اور تمہارے لئے تمہارے اس کام میں کامیابی کا سامان درست کرے گا۔اور اے مخاطب! جب دھوپ نکلتی ہے تو اس کو دیکھے گا کہ وہ داھنی جانب کو بچی رہتی ہے اور جب وہ چھپتی ہے تو بائیں طرف ہٹی رہتی ہے اور وہ لوگ اس غار میں ایک فراخ موقع میں تھے، یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے اور جس کو وہ بے راہ کردیں تو آپ اس کے لئے کوئی مددگار راہ بتلانے والا نہ پاویں گے۔

ربط: یہاں تک اس قصہ کو مختصر طور پر بیان کرنے کے بعد آگے اس کی تفصیل ہے۔

اصحابِ کہف کے قصہ کی تفصیل:

ہم ان کا قصہ آپ سے ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں (یہ اس لئے کہا کہ لوگوں نے اس کو مختلف طریقوں سے مشہور کر رکھا تھا، اس لئے فرمایا کہ ٹھیک وہ ہے جو قرآن میں ہے) وہ (یعنی اصحابِ کہف) چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر (عیسوی دین کی تعلیم کے مطابق) ایمان لائے تھے اور ہم نے (ان کی ہدایت میں (ایمان لانے کے بعد) اور زیادہ ترقی کردی تھی (کہ انہیں ثابت قدمی، صبر، توکل وبھروسہ اور دنیا میں زہد وتقوی یعنی برے یا گناہ کے کاموں سے بچنے کی صفتیں بھی عنایت کی تھیں) اور (ہدایت کی اسی زیادتی میں سے یہ تھی کہ) ہم نے ان کے دل (صبر اور ثابت قدمی سے)

مضبوط کردیئے، جب وہ (دین کے معاملہ میں) اپنی جگہ قائم ہوکر (آپس میں یا کہ بادشاہ اور لوگوں کے سامنے) کہنے لگے کہ ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم تو اسے چھوڑ کر کسی کو معبود کے طور پر نہ پکاریں گے، کیونکہ (اگر خدانخواستہ ہم نے ایسا کیا تو) اس صورت میں ہم یقیناً بڑی بیجا بات کریں گے (اللہ کی عبادت کو بیجا بات اس لئے قرار دیا کہ عبادت میں لازمی طور پر ان کے معبود ہونے کا اعتراف واقرار ہوتا ہے یا خود ان کے سامنے گڑگڑانے اور اپنی مجبوری ظاہر کرنے کے الفاظ زبان سے بھی نکلتے ہیں) یہ جو ہماری قوم ہے، انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبود قرار دے رکھے ہیں (کیونکہ یہ قوم اپنے بادشاہ سمیت بت پرست یعنی بتوں کی پجاری تھی تو) یہ لوگ ان معبودوں (کے معبود ہونے) پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے (جیسا کہ توحید کے ماننے والے توحید پر کھلی اور روشن دلیل رکھتے ہیں) تو (توحید کے دلیل سے ثابت ہونے کے باوجود) اس شخص سے زیادہ غضب ڈھانے والا کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے (کہ معاذ اللہ! اس کے شریک بھی ہیں) اور (پھر آپس میں کہا کہ) جب تم ان لوگوں سے (عقیدہ میں) الگ ہو گئے ہو اور اللہ کے سوا ان کے (دوسرے) معبودوں (کی عبادت) سے بھی (الگ ہو گئے ہو) تو (اس حالت میں مصلحت یہ ہے کہ) تم (کسی) غار میں چل کر پناہ لو (تاکہ امن وامان اور اطمینان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرسکو) تم پر تمہارا رب اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے لئے تمہارے اس کام میں کامیابی کا سامان کردے گا (یہ امید وہی ہے جس کی دعا ان سے اوپر نقل کی گئی ہے ﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴾) اور اے مخاطب! (وہ غار ایسی وضع پر ہے کہ) جب دھوپ نکلتی ہے تو تم اس کو دیکھو گے (کہ غار سے) داہنی طرف بچی رہتی ہے (یعنی غار کے دروازے سے الگ رہتی ہے) اور جب وہ چھپتی ہے تو (غار کے) بائیں طرف ہٹی رہتی ہے (یعنی اس وقت بھی دروازہ پر نہیں پڑتی تاکہ دھوپ سے انہیں تکلیف نہ ہو) اور وہ لوگ اس غار کی ایک کھلی جگہ میں تھے (یعنی ایسے غاروں میں جو کہ دور تک چلے جایا کرتے ہیں کہیں کھلے اور چوڑے اور کہیں تنگ جگہیں ہوتی ہیں تو وہ ان میں سے کھلی جگہ میں تھے تاکہ جی نہ گھبرائے اور ہوا بھی لگے) یہ (یعنی ان لوگوں کا اپنی کمزوری، تعداد میں کمی اور مخالفوں کی قوت اور کثرت کے باوجود ہدایت پانا) اللہ تعالیٰ کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے ہے (کہ وہ کس طرح اپنے بندوں کو ظاہری اسباب کے خلاف ہمت وحوصلہ اور ثابت قدمی دے دیتے ہیں، بس معلوم ہوا کہ) جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیں وہی ہدایت پاتا ہے۔ اور جس کو وہ گمراہ کردیں تو آپ اس کے لئے کوئی مددگار راہ بتانے والا نہ پائیں گے۔

فائدہ: غار کے داہنی اور بائیں جانب یا تو اس میں داخل ہونے والے کے اعتبار سے ہے یا اس سے نکلنے والے کے اعتبار سے ہے، لہٰذا صورت میں اس غار کا رخ شمال کی طرف ہوگا اور دوسری صورت میں جنوب کی طرف۔ اور اس کا رخ مشرق کی طرف ہوتا تو سورج کے نکلتے وقت ان پر دھوپ پڑتی اور مغرب کی طرف ہونے میں سورج کے غروب ہونے کے وقت۔ اور اس سے مقصود اس جگہ کا محفوظ ہونا بیان کرنا ہے۔

﴿ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖۗ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ۖۗ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝ وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚۗ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور اے مخاطب! تو ان کو جاگتا ہوا خیال کرتا ہے حالانکہ وہ سوتے تھے اور ہم ان کو داہنی طرف اور بائیں طرف کروٹ دے دیتے تھے اور ان کا کتا دلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا۔ اگر تو ان کو جھانک کر دیکھتا تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا اور تیرے اندر ان کی دہشت سما جاتی۔ اور اسی طرح ہم نے ان کو جگا دیا تا کہ وہ آپس میں پوچھ پاچھ کریں ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کس قدر رہے ہو گے، بعضوں نے کہا کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم رہے ہونگے۔ دوسرے بعضوں نے کہا یہ تو تمہارے خدا ہی کو خبر ہے کہ تم کس قدر رہے۔ اب اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو پھر وہ تحقیق کرے کہ کونسا کھانا حلال ہے، سو اس میں سے تمہارے پاس کچھ کھانا لے آدے اور کام خوش تدبیری سے کرے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔ اگر وہ لوگ کہیں تمہاری خبر پا جاویں گے تو تم کو یا تو پتھروں سے مار ڈالیں گے یا تم کو اپنے طریقہ میں پھر کر لیں گے اور ایسا ہوا تو تم کو فلاح نہ ہو گی۔ اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کر دیا تا کہ وہ لوگ اس بات کا یقین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ اور یہ کہ قیامت میں کوئی شک نہیں۔ وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ اس زمانہ کے لوگ ان کے معاملہ میں باہم جھگڑ رہے تھے، سو ان لوگوں نے یہ کہا کہ ان کے پاس کوئی عمارت بنوا دو۔ ان کا رب ان کو خوب جانتا تھا۔ جو لوگ اپنے کام پر غالب تھے انھوں نے کہا کہ ہم تو ان کے پاس ایک مسجد بنا دیں گے۔

مذکورہ قصہ کا بقیہ حصہ:

اور اے مخاطب! اگر تم (اس وقت جبکہ وہ غار میں گئے اور ہم نے ان پر نیند مسلط کر دی) ان کو دیکھتے تو (اس وجہ سے کہ ان پر ظاہر میں خواب کے اثرات جیسے بدن کا ڈھیلا ہونا، اور سانس کی رفتار کی تبدیلی وغیرہ معلوم نہیں ہوتے تھے اور صرف آنکھ کا بند ہونا نیند کی یقینی علامت نہیں ہے، اس لئے) انہیں جاگتا ہوا خیال کرتے۔ حالانکہ وہ سوتے تھے اور (اس سونے

کے لمبے زمانہ میں) ہم ان کو (کبھی) داھنی اور (کبھی) بائیں طرف کروٹ دیتے تھے اور (اس حالت میں) ان کا کتا (جو کسی ضرورت سے ان کے پاس تھا اور ساتھ چلا آیا تھا) غار کے منہ پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے (بیٹھا) تھا (اور اللہ کے دیئے ہوئے ان کے رعب اور جلال کی یہ حالت تھی کہ) تم انہیں جھانک کر دیکھتے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے اور تمہارے اندر ان کی دہشت سما جاتی (غالباً یہ سب امور ان کی حفاظت کے اسباب ہیں، کیونکہ آدمی جس کو جاگتا ہوا سمجھتا ہے اچانک اسے نقصان پہنچانے کی ہمت نہیں کرتا، اسی طرح کروٹیں دینے سے ان کے بدن مٹی کے اثر سے محفوظ رہے، اسی طرح کتا بھی اجنبی آدمی کو آنے جانے سے روکتا ہے۔ اور اگر وہ سوتا بھی ہوتا ہے تو اجنبی آدمی کے آنے کے وقت اکثر اس کی آنکھ کھل جاتی ہے اور دروازہ پر پڑا رہنا اس جانور کی عادت کے مطابق ہے کہ پہرہ کے واسطہ اکثر دروازہ پر پڑ جاتا ہے۔ اسی طرح ان کی صورتوں کو ہیبت ناک بنا دینا یہ بھی حفاظت کے واسطہ ہے کہ ہر شخص کی ہمت وہاں جانے کی نہ ہو۔ اس آیت میں عام لوگوں کو خطاب ہے، لہٰذا اس سے حضور ﷺ کا مرعوب ہونا لازم نہیں آتا) اور (جس طرح ہم نے انہیں اپنی خاص قدرت سے اتنے دنوں تک سلایا) اسی طرح (اس لمبی نیند کے بعد اپنی قدرت سے) ہم نے انہیں جگا دیا تاکہ وہ آپس میں پوچھ تاچھ کریں (جس سے آخر میں انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا پتہ چلے، چنانچہ) ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم (اس نیند کی حالت میں) کس قدر رہے ہو گے؟ (جواب میں) بعض نے کہا کہ (شاید) ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے (اس اندازہ کے لئے سورج وغیرہ کے دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اکثر لوگ جب سو کر اٹھتے ہیں وقت کا اندازہ نیند بھرنے نہ بھرنے سے متعلق رائے سے کیا کرتے ہیں) بعض دوسروں نے کہا (کیونکہ اگر یہ بات پہلے ہی لوگوں نے کہی ہوتی تو بات یوں ہوتی، ہمارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم کس قدر رہے۔ غرض انھوں نے کہا) کہ (اس کی چھان بین کی کیا ضرورت ہے) یہ تو (ٹھیک ٹھیک) تمہارے رب ہی کو خبر ہے کہ تم کس قدر رہے (اس جواب میں بھی اس بات کے قائل ہونے کی ضرورت نہیں کہ ان کے بال اور ناخن وغیرہ بڑھے ہوئے تھے۔ اس کی وجہ سے شبہ ہوا۔ اس لئے اس بحث میں پڑنے کو بے کار سمجھ کر اس گفتگو سے روک دیا۔ اور بال اور ناخن وغیرہ میں دونوں احتمال ہیں) اب (اس قصہ کو چھوڑ کر ضروری کام کرنا چاہئے۔ وہ یہ کہ) اپنے میں سے کسی کو اپنی رقم دے کر (جو کہنے والے کے پاس ہوگی، کیونکہ اپنے گھروں سے کچھ خرچ بھی لے کر چلے تھے) شہر کی طرف بھیجو، پھر وہ (وہاں پہنچ کر) دیکھے کہ کونسا کھانا حلال ہے (اس کو طبرانی نے سعید بن جبیر سے روایت کیا اور اس کو ترجیح دی، کیونکہ ان کے غار میں جا کر چھپنے کے زمانہ میں بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا گوشت کثرت سے بکتا تھا) تو اس میں سے تمہارے پاس کچھ کھانا لے آئے اور (سب) کام ہوشیاری سے کرے (کہ نہ اس کو کوئی پہچانے ایسی حالت بنا کر جائے اور نہ کسی کو یہ معلوم ہو کہ یہ بت کے ذبیحہ کے بارے میں اس لئے معلوم کرتا ہے کہ اس کو حرام سمجھتا ہے) اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے (کیونکہ) اگر وہ لوگ (یعنی شہر والے جن کو وہ اس زمانہ کے مشرک سمجھے ہوئے تھے) تمہاری خبر پا جائیں گے تو

تمہیں یا تو پتھروں سے مار ڈالیں گے (یہ مطلق قتل سے کنایہ ہے یا اس زمانہ میں سخت سزا کی یہی صورت ہوگی۔ غرض تمہیں ہلاک کر دیں گے) یا (زبردستی) تمہیں اپنے طریقہ میں پھیر لیں گے اور ایسا ہوا تو تمہیں فلاح نہ ہوگی (وجہ یہ کہ اگرچہ جبر اور زبردستی کی حالت میں جبکہ دل کو ایمان پر اطمینان ہو زبان سے کفر کے الفاظ کہنا جائز ہے، لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ شروع میں جبر و زبردستی کی وجہ سے کفر کیا تھا، پھر شیطان کے بہکانے کی وجہ سے دنیاوی مصلحتوں کو دیکھتے ہوئے اس میں نرمی اختیار کرتا ہے، پھر آہستہ آہستہ اس کی برائی کا خیال دل سے نکل جاتا ہے اور دل کھول کر کفر کرنے لگتا ہے، چنانچہ ایسے واقعات دیکھے گئے ہیں کہ ایک شخص نیا مسلمان ہوا، مگر پھر کافروں نے اس پر دباؤ ڈال کر اپنے میں شامل کر لیا، شروع میں تو تنگی رہی پھر عادت ہوگئی اور ویسا ہی ہوگا، نعوذ باللہ من ذالک۔ یا فلاح سے مراد کامل فلاح ہو۔ یعنی جبر و زبردستی کی صورت میں کفر کی بات کہہ دینا رخصت ہے، لیکن عزیمت کے ثواب سے تو جو کہ کامل فلاح ہے، محرومی رہے گی۔ غرض ان میں سے ایک شخص کھانا لینے چلا گیا۔ وہاں جا کر سکہ دکھایا تو کئی سو برس پرانا سکہ دیکھ کر دکاندار کو چوری کا شبہ ہوا۔ تب مجبور ہو کر اس نے اپنا سارا قصہ بیان کیا، یہاں تک کہ اس کا چرچا ہوا، جب پرانے لوگوں نے کہا کہ ہاں! ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ چند نوجوان اس طرح غائب ہو گئے تھے۔ واقعی وہ لوگ یہی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس اطلاع کے قصہ کو مع ایک حکمت کے بیان فرماتے ہیں) اور (ہم نے جس طرح اپنی قدرت سے ان کو سلایا اور جگایا) اسی طرح ہم نے (اپنی قدرت اور حکمت سے اس زمانہ کے) لوگوں کو ان (کے حال) کی خبر دیدی، تاکہ (دوسرے فائدوں کے علاوہ ایک فائدہ یہ بھی ہو کہ) وہ لوگ (اس واقعہ سے استدلال کر کے) اس بات کا یقین (یا زیادہ یقین) کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور (وہ وعدہ) یہ (ہے) کہ قیامت (کے ہونے) میں کوئی شک نہیں (یقین یا زیادہ یقین دو باتیں اس لئے کہیں کہ یہ لوگ جن کو یہ علم دینا مقصود تھا، اگر کافر تھے تب تو یقین حاصل ہو گیا اور اگر مؤمن تھے تو زیادہ یقین ہو گیا، اور اس یقین کے حاصل ہونے کی وضاحت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ سے مرنے کے بعد اٹھائے جانے کی خبر دیتے آئے ہیں، اور سنی ہوئی دلیلیں بھی اس پر قائم ہیں۔ غرض یقین حاصل ہونے کی ساری شرطیں موجود لیکن صرف ایک رکاوٹ کی وجہ سے کافروں کو یقین نہیں ہوتا تھا۔ اور وہ رکاوٹ عادت کے خلاف ہونا تھا، اس واقعہ سے عادت کے خلاف کے واقع ہونے کا امکان ثابت ہو گیا۔ خاص طور سے اس لمبی نیند اور اس سے جاگنے کو موت اور موت کے بعد اٹھائے جانے کو ایک طرح کی مشابہت بھی ہے، لہٰذا وہ رکاوٹ دور ہوگئی اور شرطیں پہلے سے جمع تھیں لہٰذا معاملہ یقینی ہو گیا۔ چونکہ یقین کے حصول کی پوری علت کا آخری حصہ یہی رکاوٹ کا دور ہونا تھا اس لئے اس کو علت فرمایا گیا اور زیادہ یقین کا پیدا ہونا تو اور بھی زیادہ ظاہر ہے۔ اب یہ شبہ نہ رہا کہ اس واقعہ سے بعث یعنی مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا امکان تو معلوم ہو سکتا ہے، لیکن بعث کا واقعی اور یقینی ہونا معلوم نہیں ہو سکتا۔ اس وضاحت سے رکاوٹ دور ہونے کی وجہ سے بعث کے یقینی ہونے کے علم کا سبب ہو گیا۔ پھر اسی زمانہ میں یا بعد کے زمانہ میں ان لوگوں نے وہیں غار میں وفات پائی اور وفات کی خبر پر اس زمانہ کے

لوگوں میں ان کے سلسلہ میں ایک اختلاف ہوا، جسے آگے بیان فرماتے ہیں کہ) وہ وقت بھی ذکر کرنے کے قابل ہے جب اس زمانہ کے لوگ ان کے معاملہ میں آپس میں جھگڑ رہے تھے اور وہ معاملہ ان کی لاشوں کی حفاظت کی غرض سے اس غار کا منہ بند کرنا تھا یا نشانی کے طور پر یادگار قائم کرنا تھا) تو ان لوگوں نے کہا کہ ان کے (غار کے) پاس کوئی عمارت بنا دو (پھر اختلاف ہوا کہ کیا عمارت ہو؟ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ، اس اختلاف کے وقت) ان کا رب ان کے مختلف احوال) کو خوب جانتا تھا (آخرکار) جو لوگ ان کے معاملہ میں (اپنے چاہے ہوئے کام پر) غالب (اور قادر) تھے (یعنی حکومت کے ذمہ دار لوگ کہ وہ اس وقت صحیح دین پر تھے) انھوں نے کہا کہ ہم تو ان کے پاس ایک مسجد بنائیں گے (تاکہ مسجد اس بات کی بھی علامت رہے کہ یہ لوگ ایک اللہ کی عبادت کرنے والے تھے، اس لئے کوئی خود انہیں معبود نہ بنا لے، جیسا کہ دوسری کوئی عمارت بنانے میں خود ان کی پوجا کا سلسلہ شروع کرنے کا احتمال ہے)

فائدہ: لہٰذا مسجد بنانا اس مصلحت کے لئے اور دوسرے مفاسد یعنی بگاڑ اور برائی کے دروازے بند کرنے کے لئے تھا تو اگر کسی زمانہ میں مسجد بنانے میں بھی کوئی ایسا بگاڑ پیدا ہونے لگے تو وہ بھی ناجائز ہوگا جیسا کہ شرعی قواعد گواہ ہیں، لہٰذا یہ آیت مسجد بنانے کے سلسلہ میں اپنے آپ میں اس کے مباح ہونے سے زیادہ پر دلالت نہیں کرتی۔ اور شاید اس تنازعہ کے ذکر کرنے میں بھی ان لاشوں کی حفاظت اور پھر مسجد کی تعمیر سے اس کو معبود بنانے سے محفوظ رکھنا مقصود ہو تا کہ معلوم ہو جائے کہ انھوں نے ہم پر اعتماد و بھروسہ کیا اور اطاعت کی تو ہم نے ہر طرح سے کیسی حفاظت کی۔

﴿ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۬ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ ﴾

رکوع ۳

ترجمہ: بعضے لوگ تو کہیں گے وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا ہے اور بعضے کہیں گے کہ وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے، یہ لوگ بے تحقیق بات ہانک رہے ہیں اور بعضے کہیں گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب ان کا شمار خوب جانتا ہے ان کو بہت قلیل لوگ جانتے ہیں، سو آپ ان کے بارے میں بجز سرسری بحث کے زیادہ بحث نہ کیجئے اور آپ ان کے بارے میں ان لوگوں میں سے کسی سے بھی کچھ نہ پوچھئے۔ اور آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں

اس کو کل کر دوں گا مگر خدا کے چاہنے کو ملا دیا کیجئے اور جب آپ بھول جاویں تو اپنے رب کا ذکر کیا کیجئے اور کہہ دیجئے کہ مجھ کو امید ہے کہ میرا رب مجھ کو دلیل بننے کے اعتبار سے اس سے بھی نزدیک تر بات بتلا دے۔ اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو برس تک رہے اور نو برس اوپر اور رہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ خدا تعالیٰ ان کے رہنے کی مدت کو زیادہ جانتا ہے تمام آسمانوں اور زمین کا علم غیب اسی کو ہے۔ وہ کیسا کچھ دیکھنے والا اور کیسا کچھ سننے والا ہے۔ ان کا خدا کے سوا کوئی مددگار نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے حکم میں شریک کرتا ہے۔

ربط: یہاں تک اصحابِ کہف کا قصہ موقع ومحل کے تقاضہ کے مطابق ختم ہو چکا۔ چونکہ اس قصہ کو نقل کرنے والے اس کے بعض حصوں میں اختلاف رکھتے تھے اس لئے اس کو سن کر اہل اختلاف کی جانب سے ان اختلافات کے اظہار کا موقع تھا خاص طور سے ان حصوں میں جن کا ذکر اوپر مختصر انداز میں ہوا ہے، جیسے ﴿ فِتْيَةٌ ﴾ یعنی چند نوجوان کہ ان کی تعداد کی وضاحت نہیں ہے اور ﴿ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴾ میں برسوں کی تعداد کی تعیین نہیں ہے۔ اس لئے آگے خاص طور سے ان دونوں اختلافوں کا وضاحت کے ساتھ ذکر کر کے ایک سے تو کلام کے شروع میں یہ کہہ کر ﴿ سَيَقُوْلُوْنَ ﴾ الخ اور دوسرے کے آخر میں معنی کے طور پر ﴿ وَلَبِثُوْا ﴾ سے ﴿ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ ﴾ تک اور دوسرے اختلافوں کو قیاس پر چھوڑ کر ساتھ ساتھ اور درمیان درمیان میں رسول اللہ ﷺ کو یہ تعلیم فرماتے ہیں کہ اس طرح کے اختلافات کے وقت خطاب کا انداز کہنے اور منع کرنے کے سلسلہ میں کیا ہو۔ مذکورہ انداز کا حاصل یہ ہے کہ بات کرنے والے اور مخاطب کے مجموعہ میں تین تین امر ہیں: (۱) دعویٰ (۲) سوال (۳) اعتراض۔ لہٰذا واقعہ کے خلاف ان کے دعویٰ کی غلطی کے اظہار کے لئے صحیح قرآنی نقل پیش کر کے ﴿ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ ﴾ یعنی آپ فرما دیجئے کہ میرا رب بہتر جانتا ہے۔ اور ﴿ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ ﴾ یعنی اللہ بہتر جانتا ہے کہہ دینے کو کافی فرمایا۔ اور ان کے سوال کے بارے میں جبکہ اس کا جواب وحی میں نقل نہ ہوا ہو اور جواب دینے کے قابل بھی ہو اور اس بنیاد پر جواب کا وعدہ کر لیا جائے ﴿ لَا تَقُوْلَنَّ ﴾ الخ میں اس دعویٰ کو اللہ کی مشیت یعنی مرضی پر چھوڑنے کا عام انداز میں حکم فرمایا، اور مذکورہ سوال میں یہ قیدیں اس لئے لگائی گئیں کہ جس کا جواب وحی میں نقل کیا جا چکا ہوگا اس میں جواب کے وعدہ کی جگہ خود جواب ہی آ چکا ہے، اسی طرح جو جواب کے قابل نہ ہو اس میں بھی جواب کا وعدہ نہ ہوگا، اس لئے یہ دونوں صورتیں بحث میں داخل نہیں۔ اب رہا ایسا اعتراض جو محض عناد ودشمنی کے طور پر ہو اس کا جواب دینے کی زیادہ کوشش کرنے سے ﴿ لَا تُمَارِ ﴾ الخ یعنی "سرسری جواب دینے کے علاوہ زیادہ بحث نہ کیجئے" میں منع فرمایا، یہ تین معاملے تو مخالفوں کی جانب سے ہوئے، اب رہے یہی تینوں معاملے جو آپ کی طرف سے ہو تو دعویٰ کے ثبوت میں تو صحیح نقل پیش کرنے کو جس کی صحت خود اس کے معجزہ ہونے سے ثابت ہے اور اس سے زائد کوشش نہ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ چنانچہ ﴿ لَا تُمَارِ ﴾ الخ میں یہ بھی داخل ہے اور استفہام کے غیر ضروری ہونے کی وجہ سے اس سے ﴿ لَا تَسْتَفْتِ ﴾ الخ میں ممانعت فرمائی۔ اب رہا اعتراض تو ﴿ لَا تُمَارِ ﴾ الخ میں اس کی بھی ممانعت آ گئی یہ اگلی آیتوں

کا حاصل ہے جس میں ربط کی وجہ سے اور ان کی تعداد اور وہاں رہنے کا ذکر نہ کرنے کی تخصیص کی وجہ اور پہلے معاملہ میں ان کی تعداد کا ذکر اور بعد میں ان کے وہاں رہنے کا ذکر کرنا ہے یعنی ان کا ایک جگہ ذکر نہ کرنا اختلاف سے متعلق طرز عمل اور اختلاف کے ذکر کے مقصود ہونے کے قصہ سے کلام کے مجموعہ کے اختلافات کا احاطہ کرنے کی غرض سے ہے۔ اللہ کا شکر ہے جس نے اس مقام سے متعلق امور سمجھا دیئے۔

مخالفوں کے ساتھ بات چیت کی تعلیم:

(جس وقت آپ اصحابِ کہف کا قصہ بیان کریں گے تو) بعض لوگ تو کہیں گے کہ وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا ہے۔ اور بعض کہیں گے کہ وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے (اور) یہ لوگ بغیر تحقیق کے بات ہانک رہے ہیں، اور بعض کہیں گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے، آپ (اختلاف کرنے والوں سے) کہہ دیجئے کہ ان کی گنتی میرا رب ہی بہتر جانتا ہے (کہ کیا آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرانے والے ان اقوال میں سے کوئی قول صحیح ہے یا سب غلط ہیں) ان (کی تعداد) کو (صحیح صحیح) بہت کم لوگ جانتے ہیں (اور چونکہ اس کی تعیین سے کوئی ذکر کے قابل فائدہ نہیں تھا، لہٰذا آیت میں اس اختلاف کا کوئی واضح فیصلہ نہیں فرمایا، لیکن روایتوں میں ابن عباسؓ اور ابو مسعود کے قول آئے ہیں کہ: انا من القلیل کانوا سبعة: یعنی ”ہم ان بہت کم لوگوں میں سے ہیں، اور وہ سات تھے“ جیسا کہ الدر المنثور میں ابو حاتم وغیرہ سے روایت ہے۔ اور آیت میں بھی اشارہ ہے کہ اس قول کا صحیح ہونا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس آخری قول کو نقل کرنے کے بعد اس کو رد نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم) تو (اگر وہ لوگ اس پر بھی اختلاف سے باز نہ آئیں تو) آپ (لوگوں سے) ان (اصحابِ کہف کی تعداد وغیرہ کے) بارے میں سوائے سرسری بات کے زیادہ بحث نہ کیجئے (سرسری بات سے مراد یہ ہے کہ آپ وحی کے مطابق ان کے سامنے قصہ بیان کر دیجئے اور زیادہ سوال و جواب نہ کیجئے، یہ بات اس لئے کہی کہ آخر وحی کی تلاوت سے اس کے خلاف پائے جانے والے قول کا غلط ہونا تو بیان کر دیا، خاص طور سے ﴿ رَجۡمًۢا بِالۡغَيۡبِ ﴾ یعنی بغیر تحقیق کے بات ہانکنے اور ﴿ قُلۡ رَّبِّیۡۤ اَعۡلَمُ ﴾ یعنی آپ فرما دیجئے کہ میرا رب زیادہ بہتر جانتا ہے وغیرہ سے۔ مگر چونکہ اس میں زیادہ بحث اور جرح نہیں ہے، اس لئے یہ بحث سرسری قرار دی گئی اور اس ممانعت کے مضمون میں ان کے اعتراض کے جواب میں زیادہ مشغول ہونا اور اپنے دعوی کو ثابت کرنے کی زیادہ کوشش کرنا یا ان پر اعتراضات کرنا یہ سب آ گیا) اور (جس طرح زیادہ بحث کرنے سے منع کیا گیا ہے اسی طرح آپ کو ان سے کچھ پوچھنے سے بھی منع کر دیا گیا ہے، لہٰذا) آپ ان (اصحابِ کہف) کے بارے میں ان لوگوں میں سے کسی سے بھی کچھ نہ پوچھئے (کیونکہ وحی میں ضروری باتوں کی تعلیم ہو چکی اور غیر ضروری کے چکر میں پڑنا ہی بے کار ہے) اور اگر یہ لوگ آپ سے جواب کے قابل کوئی بات دریافت کریں اور آپ جواب کا وعدہ کریں تو اس کے ساتھ ان شاء اللہ یا اس جیسے معنی والی کوئی بات ضرور ملا لیا کریں بلکہ جواب کے وعدہ

کی کیا تخصیص ہے ہر امر میں اس کا لحاظ رکھئے۔ لہٰذا آپ کسی کام کے بارے میں یوں نہ کہا کیجئے کہ (مثال کے طور پر) کل کردوں گا، مگر ساتھ میں ان شاء اللہ (یعنی اگر اللہ نے چاہا تو) کہہ دیا کیجئے (اور آئندہ ایسا نہ ہو جیسا کہ اس سے پہلے ہو گیا کہ آپ سے روح، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے وحی کے بھروسہ "ان شاء اللہ" کے بغیر وعدہ فرمالیا کہ کل جواب دوں گا۔ چنانچہ پندرہ روز تک وحی نازل نہ ہوئی۔ اور آپ کو بڑا غم ہوا، اس کے بعد جواب کے ساتھ یہ حکم بھی نازل ہوا جیسا کہ ابن عباس سے اللباب میں نقل کیا گیا ہے) اور جب آپ (اتفاق سے ان شاء اللہ کہنا بھول جائیں (اور پھر بعد میں یاد آئے تو (اس وقت ان شاء اللہ تعالیٰ کہہ کر) اپنے رب کا ذکر کرلیا کیجئے (یعنی جب یاد آئے کہہ لیا کیجئے اور یہ حکم برکت کے فائدہ کے اعتبار سے ہے، جو کہ وعدوں میں مقصود ہے، تعلیق کے لئے اور اثر کو باطل کرنے کے اعتبار سے نہیں ہے جو کہ طلاق، غلام کو آزاد کرنے اور قسم وغیرہ میں مقصود ہے، لہٰذا اس میں ساتھ ہی ساتھ کہنا اثر کو باطل کرنے میں مفید ہوگا اور الگ کہنا مفید نہ ہوگا) اور (ان لوگوں سے یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (تم نے نبوت کے امتحان کے لئے جو اصحاب کہف کا قصہ مجھ سے پوچھا تھا، جس کا جواب دینا میری نبوت کی دلیلوں میں سے ہے تو یہ نہ سمجھا جائے کہ اس سوال کا جواب دیدینا میرے نزدیک کوئی بہت بڑی دلیل اور ناز وفخر کی بات ہے جیسا کہ تم نے اس قصہ کو عجیب ترین سمجھ کر پوچھا ہے، اور اس کے جواب کو بہت بڑی دلیل سمجھتے ہو تو چونکہ یہ قصہ کوئی بہت عجیب نشانی نہیں جیسا کہ قصہ کی تمہید میں بھی فرمایا گیا ہے ﴿ أَمْ حَسِبْتَ ﴾ الخ اس لئے میرے نزدیک نبوت پر دلالت کرنے میں سب سے عظیم امر نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ میری نبوت ایسا یقینی امر ہے کہ اس پر استدلال کرنے کے لئے جس دلیل کو تم اعظم سمجھتے ہو میں اس سے بھی اعظم یعنی بڑی بڑی دلیلیں رکھتا ہوں۔ چنانچہ ان میں بعض دلیلیں تو الگ الگ وقت میں تمہارے سامنے پیش کر چکا ہوں جیسے قرآن کا اعجاز وغیرہ جو یقیناً اصل مقصود پر دلالت کے لحاظ سے اس سوال کے جواب سے زیادہ بہتر ہے کہ کوئی شخص اس پر کسی بھی طرح قادر نہیں۔ سوال کے جواب کے برخلاف کہ اگرچہ میرے اعتبار سے وہ معجزہ ہے کہ کتابوں کا عالم ہی ایسے سوالوں کا جواب دے سکتا ہے اور ایسی بعض دلیلوں کے بارے میں) مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے (نبوت کی) دلیل بننے کے اعتبار سے اس (قصہ) سے بھی نزدیک تر بات بتا دے (چنانچہ جن کا زمانہ اصحاب کہف سے بھی زیادہ پرانا تھا، اور جن کی خبروں کا پتہ نہ چل سکتا تھا وہ وحی کے ذریعہ بتائے گئے کہ وہ یقیناً اس قصہ کے جواب سے غیب کی خبریں دینے میں زیادہ عجیب وغریب ہیں) اور (جس طرح ان لوگوں کا ان کی تعداد میں اختلاف ہے، اسی طرح سونے کی مدت میں بھی اختلاف ہے۔ جس میں واقعی بات بتاتے ہیں کہ) وہ لوگ اپنے (اس) غار میں (نیند کی حالت میں) تین سو اور نو برس زیادہ رہے (اور اگر اس کو بھی سن کر اختلاف کریں تو) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے (غار میں) رہنے کی مدت کو (تو تم سے) زیادہ جانتا ہے (لہٰذا جو اس نے بتا دیا وہی صحیح ہے اور وہ اس قصہ کو زیادہ کیوں نہ جانتا، اس کی تو یہ شان ہے کہ) تمام آسمانوں اور زمین کا غیب کا علم اس کو ہے، وہ کیسا کچھ دیکھنے والا اور کیسا کچھ سننے والا ہے (لہٰذا ان کو چاہئے کہ ایسے

احاطہ کرنے والے علم والے کے ساتھ معلومات کے علم کے دعویٰ میں بحث نہ کریں ورنہ سزا کے مستحق ہوں گے اور سزا کے وقت) ان کا اللہ کے سوا کوئی بھی مددگار نہیں (جو اپنی رائے اور مرضی سے مدد کرے) اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے حکم میں شریک (کیا) کرتا ہے (کہ مشورہ میں شریک ہو کر کسی کو فائدہ پہنچانے کی رائے دے سکے۔ خلاصہ یہ کہ نہ اس سے کوئی ٹکرانے والا، مقابلہ کرنے والا اور نہ کوئی شریک ہے، لہٰذا ایسی عالی شان والی ذات کی مخالفت سے بہت بچنا چاہئے)

فائدہ: اصحاب کہف کی تعداد سات ہونے کے سلسلہ میں مدارک میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک لطیفہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ سو کر اٹھے، اس وقت کے بارے میں ارشاد ہے ﴿قَالَ قَآئِلٌ﴾ یعنی "کہنے والے نے کہا" تو ایک تو یہ کہنے والا ہوا! آگے ہے ﴿قَالُوْا لَبِثْنَا﴾ یعنی "انھوں نے کہا کہ ہم رہے" تو یہاں جمع کا لفظ استعمال ہوا جو کم سے کم تین کے لئے بولا جاتا ہے تو تین یہ ہوئے۔ پھر آگے ہے ﴿قَالُوْا رَبُّكُمْ﴾ یعنی تمہارا رب زیادہ بہتر جانتا ہے تو تین یہ ہوئے اور ظاہر میں سب کہنے والے الگ الگ معلوم ہوتے ہیں، اور جمع کے لئے کم سے کم تین سے بھی ہونے کے لئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اور یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ لطیفہ دلیل کی تائید کرنے والا تو بن سکتا ہے مستقل دلیل نہیں ہو سکتا، جیسا کہ ظاہر ہے۔

اور ان شاء اللہ کہنے سے متعلق تفصیلی مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھے جائیں۔ اس مقام کا حاصل اتنا ہے کہ آیت میں ان شاء اللہ تعالیٰ کہنے کا بیان حوالہ اور سپردگی کے طور پر ہے تو وقت کا فاصلہ ہونے میں اس میں رکاوٹ نہیں اور حکم میں تاثیر کے طور پر کہنے کا بیان نہیں ہے جس میں وقت کا فاصلہ رکاوٹ ہوتا ہے۔ اور ظاہر میں یہ ان شاء اللہ تعالیٰ زبان سے کہنا مستحب ہے، لیکن خواص کی اور پھر اخص الخواص یعنی رسول اللہ ﷺ کی شان سب سے بلند تھی، اس لئے آپ کے مستحب ترک کرنے پر بھی وحی میں دیر ہوگئی۔

اور ﴿لَبِثُوْا﴾ الخ سے ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کے رہنے کی مدت کی خبر دی ہے۔ اور بعض نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اس سے بھی مقصود ﴿سَيَقُوْلُوْنَ﴾ الخ کی طرح دوسرے لوگوں کا قول نقل کرنا اور ﴿قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ﴾ سے اس کا رد کرنا ہے۔ اور یقولون یہاں مقدر ہے یا اوپر کے اقوال پر عطف ہے۔ لیکن اس قول کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

اگر ﴿قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ﴾ کو دلیل کہا جائے جیسا کہ اس روایت میں اسی سے استدلال نقل کیا ہے تو یہ لازم آتا ہے کہ اوپر جو ﴿قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ﴾ کہا گیا ہے اس سے بھی سارے اقوال کا رد کرنا مقصود ہو۔ حالانکہ خود ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تیسرے قول کا صحیح ہونا ترجمہ کے دوران نقل کیا گیا ہے۔ چنانچہ ظاہر میں یہ روایت اور یہ استدلال ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں اور آگے کے کلام سے وہی ظاہر ہے جو اوپر نقل کیا گیا۔

اور ﴿اللّٰهُ اَعْلَمُ﴾ کی وضاحت خود ترجمہ سے ظاہر ہے۔ رہا یہ کہنا کہ اس وضاحت پر اللہ تعالیٰ نے تعداد کی تعیین تو

اشاروں میں فرمائی اور ان کے رہنے کی مدت صراحت کے ساتھ فرمائی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو، لمبی مدت تک سونے کا یہ واقعہ بعث کا نمونہ ہونے کی وجہ سے اللہ کی قدرت اور بعث کے امکان پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔ ان کے سات ہونے کے برخلاف، اور مکہ والوں کو اس مضمون کی زیادہ ضرورت تھی، اس لئے اس کی صراحت کر دی گئی۔ واللہ اعلم

اور اگر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایت کو شبہات سے پاک مان لیا جائے تو جس سے ﴿ وَلَبِثُوْا ﴾ الخ میں لوگوں کے قول کی نقل معلوم ہوتی ہے، تب بھی اس کی دلالت اس قدر ہوگی کہ اس سے خاص عدد یعنی تین سو نو میں کلام ہے، لیکن قصہ کے شروع میں ﴿ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴾ سے واضح طور پر برسوں تک سونا معلوم ہوتا ہے، لہٰذا معجزوں کا انکار کرنے والے موجودہ زمانہ کے بعض لوگوں کو اس روایت سے برسوں سونے کی نفی پر استدلال کرنا بالکل بے کار ہے اور سنین والی آیت میں معنوی تحریف کرنا اس سے بھی زیادہ برا اور بدترین جرم ہے۔

رہا یہ کہنا کہ مختصر الفاظ میں کیوں نہیں کہہ دیا: ثلث ماۃ وتسع سنین: میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عبارت میں لفظ سنین، ثلث ماۃ سے دور ہو جاتا، تو جس طرح تین سو نو سال کے معنی پر اب واضح دلالت ہے، اس وقت نہ ہوتی اور یہ دلالت کافروں کی تنبیہ کی وجہ سے اللہ کی قدرت پر اپنے آپ میں مقصود ہے اور اگر دونوں جگہ لفظ سنین آتا تو بات لمبی ہوتی۔

اور اگر کوئی کہے کہ اب نو سال کے معنی پر تسع کی دلالت صراحت کے ساتھ نہیں رہی، اگرچہ موقع ومحل کا قرینہ اس پر دلالت کرتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ مقصود میں یہ بات کوئی نقصان نہیں دیتی۔ دوسرے تسع بہت بڑے عدد پر بہت چھوٹی کسر ہے، اس لئے ﴿ وَازْدَادُوْا ﴾ کے لفظ سے اس کی زیادتی اور علاوہ یعنی کسر ہونے پر صراحت کے ساتھ دلالت فرما دی گئی۔ واللہ اعلم

اور تین سوالوں میں سے دو میں ﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ ﴾ لانا اور اس قصہ میں نہ لانا شاید اس وجہ سے ہو کہ روح کا معاملہ، حقیقت کے پوشیدہ ہونے کے اعتبار سے اور ذوالقرنین کا معاملہ زمانہ کے دور ہونے کے اعتبار سے اس قصہ کے برخلاف سوال کے قابل تھے کہ اس میں یہ دونوں امر نہیں ہیں۔ محسوس عالم میں واقع ہونے کی وجہ سے یہ پوشیدہ نہ ہوتا تو ظاہر ہے اور زمانہ کے دور نہ ہونے کا بیان ابھی آگے آتا ہے۔ اس لئے ﴿ يَسْئَلُوْنَ ﴾ کے نہ لانے سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ یہ بات سوال ہی کے زیادہ قابل نہ تھی، لہٰذا ﴿ يَسْئَلُوْنَ ﴾ کا نہ لانا اہل کتاب کے اس زعم کی عجیب نفی کے لئے مفید ہے، جس کو ﴿ اَمْ حَسِبْتَ ﴾ الخ اور ﴿ قُلْ عَسٰى ﴾ الخ کی آیتوں میں مفید ہے۔

اب اس قصہ سے متعلق چار امر اور رہ گئے:

ایک یہ کہ عیسوی مذہب میں تحریف ہو چکی تھی، پھر اصحابِ کہف کے قبول کرنے کے لئے وہ کیسے کافی ہوا؟ اس کا

جواب یہ ہے کہ ممکن ہے بعض علماء کے پاس اس وقت وہ مذہب محفوظ ہو۔

دوسرے یہ کہ ان کا زمانہ کونسا تھا؟ تفسیر حقانی میں تاریخ سے نقل کیا ہے کہ ۲۵۰ء میں وہ ظالم بادشاہ موجود تھا، اور ان کی نیند کے تین سو سال ملا دیئے جائیں تو ۵۵۰ء ہوئے ہیں اور جناب رسول اللہ ﷺ تقریباً ۵۷۰ء میں پیدا ہوئے ہیں تو اس حساب سے ان کی بیداری آپ کی ولادت مبارکہ سے بیس برس پہلے ہوئی۔

تیسری بات یہ کہ وہ لوگ اب مر چکے ہیں یا اب بھی زندہ سوئے ہوئے ہیں؟ تو اکثر روایتوں سے یہی ظاہر ہے کہ اس زمانہ کے قریب انتقال کر گئے۔ واللہ اعلم۔

چوتھا امر یہ کہ ان کا مقام کونسا تھا تو تفسیر حقانی میں اس کا نام ایشیائے کوچک کا ایک شہر افسوس اور طرسوس لکھا ہے، جو اب ویران قصبہ کی شکل میں حضرت سلطان کی حکومت میں ہے اور آبادی سے تین کوس کے فاصلہ پر وہ کئی میل لمبا غار ہے۔

﴿ وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ۝ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور آپ کے پاس جو آپ کے رب کی کتاب وحی کے ذریعہ آئی ہے وہ پڑھ دیا کیجئے اس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا اور آپ خدا کے سوا اور کوئی پناہ نہ پاویں گے۔ اور آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے۔ جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں اور دنیوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پاویں۔ اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا حال حد سے گذر گیا ہے۔ اور آپ کہہ دیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، سو جس کا جی چاہے ایمان لے آوے اور جس کا جی چاہے کافر رہے۔ بیشک ہم نے ایسے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے کہ اس آگ کی قناتیں ان کو گھیرے ہونگی۔ اور اگر فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جاوے گی جو تیل کی تلچھٹ کی

طرح ہوگا، مونہوں کو بھون ڈالے گا کیا ہی برا پانی ہوگا اور وہ دوزخ کیا ہی بری جگہ ہوگی۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے تو ہم ایسوں کا اجر ضائع نہ کریں گے جو اچھی طرح کام کو کرے۔ ایسے لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں ان کے نیچے نہریں بہتی ہونگی ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جاویں گے اور سبز رنگ کے کپڑے باریک اور دبیز ریشم کے پہنیں گے، وہاں مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہونگے۔ کیا ہی اچھا صلہ ہے۔ اور کیا ہی اچھی جگہ ہے۔

ربط: اوپر سے رسالت کی بحث چلی آرہی ہے اور اس کی وضاحت کے لئے اصحابِ کہف کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ اب بھی رسالت کے منصب کے حقوق اور آداب کا ذکر ہے، جس کا حاصل بے نیازی کے ساتھ تبلیغ کرنا اور تصدیق کرنے والوں کو ان کی کمزور مالی حالت کے باوجود جھٹلانے والوں پر ان کی خوشحالی کے باوجود ترجیح دینا ہے، چنانچہ اس کا شان نزول بھی یہی ہے کہ بعض مشرک رئیسوں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ ہمارے آنے کے وقت ان غریبوں اور محتاجوں کو ہٹا دیا کیجیے، جس کی تفصیل سورۃ الانعام کی آیت ۵۱ و ۵۲ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

تبلیغ کے کچھ آداب:

اور (آپ کا کام صرف اتنا ہے کہ) آپ کے پاس آپ کے رب کی جو کتاب وحی کے ذریعہ آئی ہے، اسے (لوگوں کے سامنے) پڑھ دیا کیجیے (اس سے زیادہ فکر نہ کیا کیجیے اور نہ سوچئے کہ اگر بڑے لوگ مخالف رہے اور ان کی دل جوئی نہ کی گئی تو دین کی ترقی کس طرح ہوگی؟ اس کی ترقی کا تو ہم وعدہ کر چکے ہیں) اور اس کی باتوں (یعنی وعدوں) کو کوئی بدل نہیں سکتا، یعنی مخالفوں کو یہ قدرت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیں اور وہ اس کو پورا نہ ہونے دیں۔ اور اگر چہ حق تعالیٰ تبدیلی پر قادر ہیں مگر دوسری دلیلوں سے معلوم ہے کہ وہ تبدیلی نہ کریں گے، پھر کسی کی مخالفت سے کیا فرق پڑتا ہے) اور (اگر آپ نے ان کی ایسی دل جوئی کی کہ اللہ کے احکام چھوٹ گئے تو پھر) آپ اللہ کے سوا کوئی پناہ (بھی) نہ پائیں گے (اور اگر چہ رسول اللہ ﷺ سے اس امر کا واقع ہونا شرعی دلیلوں کے مطابق محال تھا لیکن اس سے مقصود اس فعل کے اثرات بیان کرنے میں مبالغہ ہے) اور (جس طرح کافروں کے ان رئیسوں سے بے نیاز رہنے کا حکم ہے، اسی طرح آپ کو غریب و فقیر مسلمانوں کے حال پر اور زیادہ توجہ دینے کا حکم ہے، لہٰذا) آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ رکھا کیجیے (بیٹھا کیجیے) جو صبح و شام (یعنی ہمیشہ) اپنے رب کی عبادت صرف اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں (ان کی کوئی اور دنیاوی غرض نہیں ہے) اور دنیاوی زندگی کی رونق کے خیال سے آپ کی نگاہیں (یعنی توجہ) ان سے ہٹنے نہ پائیں (رونق کے خیال سے مراد یہ ہے کہ یہ رئیس لوگ مسلمان ہو جائیں تو اسلام کو زیادہ جمال و کمال حاصل ہو جائے گا۔ لہٰذا اس میں بتا دیا کہ اس ظاہری سامان سے اسلام کا جمال و کمال نہیں ہے بلکہ اس کا مدار اخلاص اور کامل طاعت پر ہے۔ چاہے فقیروں ہی سے ہو۔ اور غریبوں کو اپنے پاس سے ہٹا دینے کے لئے) ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے جس کے دل کو ہم نے

(اس کے عناد کی سزا میں) اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے (کہ وہ سچے دین کو قبول نہیں کرتا) اور اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا (نفسانی خواہش پر چلنے کا یہ) حال حد سے گذر گیا ہے اور آپ (کافروں کے ان رئیسوں سے صاف) کہدیجئے کہ (دین) حق تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے جو جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کافر رہے (اس سے ہمارا نہ کوئی فائدہ ہے، نہ نقصان ہے، ایمان نہ لانے سے ان کا اپنا ہی نقصان ہے اور ایمان لانے سے ان کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ چنانچہ آگے اللہ تعالیٰ نے اس کو ترتیب کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ ایمان نہ لانے کا نقصان تو یہ ہے کہ) بیشک ہم نے ایسے ظالموں کے لئے (سزا دینے کی غرض سے جہنم کی) آگ تیار کر رکھی ہے کہ اس کی لپٹیں انہیں گھیرے ہوں گی (یعنی وہ آگ کی ان لپٹوں سے نکل نہ سکیں گے) اور اگر پیاس کی وجہ سے) فریاد کریں تو ان کی فریاد ایسے پانی سے پوری کی جائے گی جو (بدصورتی میں تو) کیا ہی برا پانی ہوگا، اور وہ جہنم (بھی) کیا ہی بری جگہ ہوگی (یہ تو ایمان نہ لانے کا نقصان ہوا اور ایمان لانے کا فائدہ یہ ہے کہ) بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے تو ہم ایسے لوگوں کا اجر ضائع نہ کریں گے جو اچھی طرح کام کرے (لہٰذا) ایسے لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں، ان (کی رہائش گاہوں) کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ انہیں وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ہرے رنگ کے باریک اور موٹے ریشم کے کپڑے پہنائے جائیں گے (اور) وہاں گدوں پر تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ کتنا اچھا بدلہ ہے اور (جنت کتنی اچھی جگہ ہے)

فائدہ: ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ﴾ الخ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب تک لوگ نہ اٹھیں، آپ بیٹھے رہا کیجئے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ پہلے ہی کی طرح ان کے ساتھ دیر تک بیٹھنے کا سلسلہ جاری رکھئے، دیر تک کی قید لگادی۔ چنانچہ درمنثور میں اس کی تفسیر میں ابراہیم کا قول: لا تطردهم عن الذكر: یعنی "انہیں ذکر میں الگ تھلک نہ رکھئے" اور ابو جعفر کا قول: أمر ان يصبر نفسه مع أصحابه يعلمهم القرآن: یعنی "آپ کو حکم دیا گیا کہ خود کو اپنے ساتھیوں یعنی صحابہ کے ساتھ رکھیں انہیں قرآن کی تعلیم دیں" نقل کیا گیا ہے۔

اور بعض کو وسوسہ ہوا ہے کہ ان رئیسوں نے وعدہ کیا تھا کہ اگر ہماری خاص مجلس بن جائے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے تو یہ درخواست تو منظور کرنے کے قابل تھی، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ ایمان نہ لائیں گے۔ دوسرے اگر کوئی کافر اپنے ایمان کے لئے کسی مباح امر کی شرط لگائے تو اس کو پورا کرنا واجب نہیں ہو جاتا، کہاں یہ کہ کسی مکروہ امر کی شرط رکھے، مثلاً اگر کوئی کافر کہے کہ مجھے ہزار روپیہ دو تو میں مسلمان ہو جاؤں تو کسی مسلمان پر اس کی درخواست کا پورا کرنا واجب نہیں۔

اور ﴿يُحَلَّوْنَ فِيهَا﴾ میں بعض کو وسوسہ ہوا ہے کہ مردوں کے ہاتھوں میں کنگن برے معلوم ہوں گے۔ جواب یہ ہے کہ اس دنیا میں بھی جہاں اس کا عرف اور رواج ہے، برے نہیں سمجھے جاتے، البتہ شرعی ممانعت رکاوٹ ہے تو وہ ممانعت وہاں نہیں ہوگی۔

اور یہ جو فرمایا کہ ہرا لباس ہوگا، اس سے اس میں محدود کرنا مقصود نہیں، کیونکہ آیتوں میں وضاحت ہے کہ جس چیز کو جی چاہے گا وہ ملے گی۔

اور یہاں ﴿سُنْدُسٍ﴾ اور ﴿اِسْتَبْرَقٍ﴾ کو مطلق فرمایا جبکہ سورۂ رحمٰن میں ارشاد ہے: ﴿بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ﴾ یعنی استر دبیز ریشمی کپڑے کا ہوگا، اس سے اشارہ کے طور پر سمجھا جاسکتا ہے کہ ظہارئہ یا ابرہ یعنی اوپر کا حصہ سندس یعنی باریک ریشمی کپڑے کا ہوگا جیسا کہ دنیا میں بھی اکثر یہی رواج ہے۔ واللہ اعلم

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّ جَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۚ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝﴾ ع ۱۳

ترجمہ: اور آپ ان لوگوں سے دو شخصوں کا حال بیان کیجئے ان دو شخصوں میں سے ایک کو ہم نے دو باغ انگور کے دے رکھے تھے اور ان دونوں کا کھجور کے درختوں سے احاطہ بنا رکھا تھا اور ان دونوں کے درمیان میں کھیتی بھی لگا رکھی تھی۔ دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور کسی کے پھل میں ذرا بھی کمی نہ رہتی تھی۔ اور ان دونوں کے درمیان میں نہر چلا رکھی تھی۔ اور اس شخص کے پاس اور بھی تمول کا سامان تھا سو اپنے اس ملاقاتی سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے کہنے لگا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور مجمع بھی میرا زبردست ہے۔ اور وہ اپنے اوپر جرم قائم کرتا ہوا اپنے باغ میں پہنچا، کہنے لگا کہ میرا تو خیال نہیں ہے کہ یہ باغ کبھی بھی برباد ہو۔ اور میں قیامت کو نہیں خیال کرتا کہ آوے گی، اور اگر میں اپنے رب کے پاس پہنچایا گیا تو ضرور اس باغ سے بہت زیادہ اچھی جگہ ملے گی۔ اس سے اس کے ملاقاتی نے جواب کے طور پر کہا کہ کیا تو اس

ذات کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے پھر تجھ کو صحیح سالم آدمی بنایا۔ لیکن میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہ یعنی اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھیراتا۔ اور تو جس وقت اپنے باغ میں پہنچا تھا تو تو نے یوں کیوں نہ کہا کہ جو اللہ کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے (اور) بدون خدا کی مدد کے کوئی قوت نہیں اگر تو مجھ کو مال اور اولاد میں کمتر دیکھتا ہے۔ تو مجھ کو وہ وقت نزدیک معلوم ہوتا ہے کہ میرا رب مجھ کو تیرے باغ سے اچھا باغ دیدے اور اس پر کوئی تقدیری آفت آسمان سے بھیج دے جس سے وہ باغ ایک صاف میدان ہو کر رہ جاوے یا اس سے اس کا پانی اندر اتر جاوے۔ پھر تو اس کی کوشش بھی نہ کر سکے۔ اور اس شخص کے سامان تمول کو آفت نے آگھیرا پس اس نے جو کچھ اس باغ میں خرچ کیا تھا اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا پڑا تھا اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا۔ اور اس کے پاس کوئی ایسا مجمع نہ ہوا کہ خدا کے سوا اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود بدلا لے سکا۔ ایسے موقع پر مدد کرنا اللہ برحق ہی کا کام ہے اسی کا ثواب سب سے اچھا ہے اور اسی کا نتیجہ سب سے اچھا ہے۔

ربط: اوپر تبلیغ کے آداب کے بیان کے ضمن میں کافروں کی اس درخواست کو رد کیا گیا تھا کہ ہمارے آنے کے وقت مسلم فقیروں کو ہٹا دیا جائے۔ اب مال کے حقیر ہونے اور ایمان و اعمال کی فضیلت کے بیان سے ایک قصہ کے انداز میں اس درخواست کی بنیاد اور منشا کو ختم فرماتے ہیں جو کہ دنیا کے مالوں پر فخر و تکبر اور ناداری کی وجہ سے غریب مسلمانوں کو حقیر سمجھنا ہے۔ اور یہ قصہ قرآن میں بہت مختصر انداز میں آیا ہے جس میں قصہ والوں کا نام و نشان نہیں بتایا گیا، اس لئے بعض نے اس کو فرض کیا ہوا قصہ قرار دیا ہے، لیکن درمنثور میں ابو عمر و شیبانی کا قول قصہ میں مذکور نہر کی تعیین کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ یہ نہر شہر رملہ سے ملک شام کو جاتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ واقعی ہے اور چونکہ اصل مقصود اس کی تفصیل پر موقوف نہیں تھا، اس لئے اس کے مختصر انداز میں ہونے سے کوئی نقصان نہیں ہے۔ واللہ اعلم اور جس طرح اس قصہ سے کافروں کو غلط قرار دیا گیا، اسی طرح مؤمنوں کو تسکین اور تسلی بھی ہوگئی کہ غریبی اور ناداری کا غم نہ کریں اور عقبیٰ کی دولت کے حاصل ہونے پر شکر کریں۔ واللہ اعلم

مال کے حقیر ہونے اور اعمال کے افضل ہونے کے سلسلہ میں ایک قصہ:

اور آپ (دنیا کے ثابت نہ رہنے اور عقبیٰ کے ثابت رہنے کو ظاہر کرنے کے لئے) ان لوگوں سے دو آدمیوں کا (جن میں آپس میں ملاقات یا رشتہ داری کا تعلق تھا) حال بیان کیجئے (تا کہ کافروں کا زعم باطل ہو جائے، اور مسلمانوں کو تسلی ہو، تو) ان دو آدمیوں میں سے ایک کو (جو کہ بے دین تھا) ہم نے انگور کے دو باغ دے رکھے تھے، اور ان دونوں (باغوں کا کھجور کے درختوں سے احاطہ بنا رکھا تھا (یعنی ان باغوں کی باڑھ کھجور کے درختوں کی تھی) اور ان دونوں (باغوں) کے درمیان میں کھیتی بھی لگا رکھی تھی (اور) دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور کسی کے پھل میں ذرا بھی کمی نہ رہتی تھی (اکثر

باغوں کے برخلاف کہ کبھی کسی درخت میں اور کسی سال پورے باغ میں پھل کم آتا ہے) اور ان دونوں (باغوں) کے درمیان میں نہر چلا رکھی تھی اور اس شخص کے پاس اور بھی مال داری کا سامان تھا تو (ایک بار) اپنے اس (دوسرے ملاقاتی سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے کہنے لگا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور آدمیوں کا زور بھی زیادہ رکھتا ہوں (یعنی تو جو میرے طریقہ کو باطل اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ بتایا کرتا ہے اور اپنے طریقہ کو حق اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ کہتا ہے تو دونوں کا پھل دیکھ لے، اگر تیرا دعویٰ صحیح ہوتا تو حالت اس کے برعکس ہوتی۔ کیونکہ دشمن کو کوئی نہیں نوازتا اور دوست کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا) اور وہ (اتفاق سے اپنے ملاقاتی کو لے کر) اپنے اوپر (کفر کی فرد) جرم قائم کرتا ہوا اپنے باغ میں پہنچا (اور) کہنے لگا کہ (بقا اور نشو ونما کے اسباب جمع ہونے کے اعتبار سے) میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ (میری زندگی میں) کبھی برباد ہو جائے گا (یہ اس نے توحید کے مسئلہ میں کلام کیا یعنی تم جو دنیا کے بنانے والے اور اس کی قدرت وغیرہ کے قائل ہو تو میں نہیں سمجھتا کہ طبعی سامان واسباب کو کوئی معطل کر سکے، اور اسی باغ وغیرہ کا کارخانہ جس کی آبادی کے سارے سامان واسباب جمع ہیں کہ نہر بھی ہے، کام کرنے والے بھی ہیں، خرچ کرنے کو مال بھی اور اس مال کی حفاظت کا سامان بھی ہے تو ویرانی اور بربادی کا احتمال کیسے ہوگا؟ اور (اسی طرح) مجھے امید نہیں کہ قیامت کبھی آئے گی اور اگر (فرض کرلو، قیامت کبھی آئی بھی اور) مجھے اپنے رب کے پاس پہنچایا گیا (جیسا کہ تو کہا کرتا ہے) تو مجھے ضرور اس باغ سے بہت زیادہ اچھی جگہ ملے گی (یعنی وہاں کی جنت کو یہاں سے اچھا تو بتایا ہی کرتا ہے، اور وہ مقبول لوگوں کے لئے ہے اور میرے مقبول ہونے کی یہی دلیل ہے کہ مجھے یہاں کیسی عزت اور عیش وآرام میں رکھا جاتا ہے، لہٰذا اگر قیامت قائم ہوگی تو وہاں بھی مجھے جنت ہی ملے گی۔ اس طرح اس شخص نے چار دعوے کئے: (۱) کفر کا برانہ ہونا ﴿ اَنَا اَكْثَرُ ﴾ الخ میں (۲) توحید کا انکار ﴿ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ ﴾ الخ میں (۳) قیامت کا انکار ﴿ مَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ ﴾ الخ میں اور (۴) اللہ کے نزدیک اپنا عزت واکرام والا ہونا ﴿ لَئِنْ رُّدِدْتُّ ﴾ میں جو پہلے دعویٰ کی فرع ہے، اس کی یہ باتیں سن کر اس کے ملاقاتی نے (جو کہ دین دار وغریب تھا) جواب کے طور پر کہا: کیا تو (توحید اور قیامت کا انکار کر کے) اس ذات (پاک) کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے (پہلے) مٹی سے (جو کہ تیرا بہت دور کا مادہ، آدم علیہ السلام کے واسطہ سے) پیدا کیا، پھر (تجھے) نطفہ سے (جو کہ تیرا قریبی مادہ ہے، ماں کے رحم میں بنایا۔ یعنی تیرے جسم کے اعضا بنائے) پھر تجھے صحیح وسالم آدمی بنایا (یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ تمام اعضا درست بنائے، مطلب یہ کہ توحید اور قیامت کا انکار اللہ کے ساتھ کفر کرنا ہے، توحید میں تو عقل کے اعتبار سے بھی اور قیامت میں صرف کتابوں میں نقل کے اعتبار سے۔ ٹھیک ہے اگر تو کفر کرتا ہے تو کرتا رہ) لیکن میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہ یعنی اللہ تعالیٰ میرا (حقیقی) رب ہے اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا (اس جواب سے توحید کا بھی ثبوت ہو گیا جیسا کہ ﴿ لَآ اُشْرِكُ ﴾ میں واضح طور پر دلالت ہے اور دلالت کے لحاظ سے قیامت کا بھی ثبوت ہو گیا جیسا کہ ربط سے معلوم ہوا۔ کیونکہ جس کو زندہ رکھنے کی بھی قدرت نہ ہو وہ عاجز ومجبور ہے اور عاجز حقیقی رب ہونے

کے لائق نہیں) اور (جب توحید ثابت ہے جس کے لازمی امور میں سے کامل قدرت کا ثابت ہونا اور اس کے فروع میں سے طبعی اسباب کا بے کار ہوسکتا ہے تو اس بنا پر تیرے لئے واجب تھا کہ آگے بڑھ کر اسباب پیدا کرنے والے کی طرف نظر کرتا) تو جس وقت اپنے باغ میں پہنچا تھا تو نے یوں کیوں نہ کہا جو اللہ کو منظور ہوتا ہے، وہی ہوتا ہے (اور) اللہ کی مدد کے بغیر (کسی میں) کوئی قوت نہیں (چنانچہ اللہ جب تک چاہے گا یہ باغ قائم رہے گا، اگر وہ چاہے گا تو ویران ہوجائے گا۔ اس کی مشیت کے سامنے سارے اسباب بے کار ہیں اور ان کی مدد کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ اس سے بھی توحید کی تائید ہوگئی۔ اب دو مضمون رہ گئے: ایک پہلا والا یعنی کفر کے برا نہ ہونے پر مال وغیرہ کی کثرت سے استدلال اور ایک آخر والا جو اس کی فرع ہے یعنی ان چیزوں سے اللہ کے نزدیک عزت واکرام والا ہونے پر استدلال۔ آگے اس کا جواب ہے کہ) اگر تو مجھے مال اور اولاد میں (جو لفظ ﴿نَفَرًا﴾ کے عموم میں داخل ہے) کم تر دیکھتا ہے (اور اس سے اپنے اور اپنے طریقہ کے اللہ کے نزدیک برا نہ ہونے کا شبہ ہوگیا ہے) تو مجھے وہ وقت نزدیک معلوم ہوتا ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے اچھا باغ دیدے (چاہے دنیا میں یا مرنے کے بعد جس میں ہر طرح کے عیش ولذت کا سامان ہو اور اس میں اولاد اور افراد کی کثرت کا جواب بھی آگیا، کیونکہ اولاد وغیرہ سے مقصود دل کا سکون وراحت ہوتا ہے تو اس اچھے باغ میں راحت کا سبب ہوگا۔ چاہے اولاد وغیرہ کے واسطے سے یا کسی ویسی اور چیز کے واسطے سے جو اولاد (سے بھی زیادہ ہو) اور (تیرے) اس (باغ) پر آسمان سے کوئی آفت (یعنی کسی طبعی واسطہ کے بغیر غیبی حکم سے) بھیج دے (جس سے وہ باغ اچانک ایک صاف (چٹیل) میدان ہوکر رہ جائے، یا اس سے اس کا پانی (جو نہر میں جاری ہے) بالکل اندر (زمین میں) اتر (کر خشک ہو) جائے، پھر تو اس (کے لانے اور نکالنے) کی کوشش بھی نہ کرسکے (کہ ملنا تو بہت دور ہے۔ اس مؤمن نے اس کافر کی اولاد کے بارے میں کوئی بات نہیں کہی۔ میرے خیال میں اس کی بے تکلف توجیہ یہ ہے کہ اولاد کی راحت بھی مال کے ساتھ ہے، جب مال نہیں ہوتا تو اولاد الٹے جان کے لئے وبال ہوجاتی ہے۔ اور دکھ و پریشانی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اور کھیت کا بھی لفظوں میں ذکر نہیں۔ کیونکہ اس کا مدار پانی پر ہے جب وہ نہیں رہا تو کھیت بھی اجڑ جائے گا۔ یا یہ کہ کھیت باغ کے تابع تھا اور باغ دو تھے اور ہر جگہ ایک کا ذکر کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ باغ کی جنس مراد ہے جس میں دونوں شامل ہیں۔

حاصل یہ ہوا کہ تیرے شبہ کی وجہ یہ دولت وثروت ہے جو تیرے پاس ہے اور میرے پاس نہیں، تو اس کا منشا ومقصد سمجھنا ہی غلط ہے، کیونکہ ایک تو یہاں ہی ممکن ہے کہ معاملہ الٹا ہوجائے پھر کبھی نہ کبھی تو یہ فنا ہونے والی ہے اور آخرت کی نعمتیں کبھی فنا نہ ہوں گی، اس لئے اعتبار وہاں کا ہے یہاں کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور ﴿مِّنَ السَّمَآءِ﴾ کی مذکورہ تفسیر سے اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ اگر غیر معمولی طریقہ سے آفت نازل ہو تو طبعی اسباب کا بے کار ہونا بھی معلوم ہوجائے جس سے توحید کی زیادہ تائید ہو) اور (اس گفتگو کے بعد یہ واقعہ ہوا کہ) اس شخص کے مال ودولت کے سامان کو آفت نے آگھیرا (آیت سے یہ بات ظاہر نہیں کہ کیا آفت تھی؟ تاہم حقیقت سامنے نہ ہونے سے جیسا کہ لفظ ﴿أُحِيطَ﴾ سے جو مجہول کے لئے مَنی ہے

اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی عظیم آفت تھی۔ اور غیر معمولی امر عظیم ہونے میں اعظم یعنی سب سے بڑا ہے، لہٰذا اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ کوئی امر خلاف معمول اور خلاف عادت ہو، چنانچہ تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ ایک آگ تھی جو آسمان سے آئی، اور باغ وکھیت کو جلا دیا اور پانی کو خشک کر دیا اور بعض نے لفظ ﴿ حُسْبَانًا ﴾ کی تفسیر بھی آگ سے کی ہے جسے ابن ابی شیبہ اور ابن ابی حاتم نے الضحاک سے روایت کیا ہے جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اگر ﴿ مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ کی تفسیر یہ ہو تو اس مؤمن کا یہ خیال تھا جو پورا ہونا ضروری نہیں) لہٰذا اس نے جو کچھ اس باغ پر خرچ کیا تھا، اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا۔ اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا پڑا تھا (چاہے وہ بھی جلے ہوئے ہوں یا سب آدھے جلے ہوئے، اور حسرت میں باغ کی تخصیص یہ ہے کہ اس میں زیادہ خرچ کیا اور وہ محبوب بھی زیادہ تھا اور ہلاک ہونے پر حسرت کا ذکر نہیں فرمایا، کیونکہ وہ تو ظاہر ہے۔ اور اس میں انفاق یعنی خرچ کرنے کا ذکر اس لئے فرمایا کہ دوہری حسرت تھی، موجودہ حالت پر بھی اور ماضی کی یعنی گذری ہوئی حالت پر بھی بلا واسطہ بھی اور واسطہ سے بھی) اور کہنے لگا کہ کتنا اچھا ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا (مراد یہ ہے کہ میں کفر نہ کرتا۔ اس میں قیامت کا انکار وغیرہ سب آ گیا، چونکہ توحید سب سے اعظم ہے، اس لئے اس کی تخصیص کی۔ مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھ گیا کہ یہ آفت کفر کی وجہ سے آئی ہے، اس لئے اس پر نادم ہوا کہ اگر کفر نہ کرتا تو یا تو آفت نہ آتی، اور اگر آتی تو آخرت میں اس کا بدلہ ملتا۔ اب ﴿ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ﴾ یعنی دنیا اور آخرت سب کے نقصان کا معاملہ ہو گیا، یہ باتیں مؤمن کے ذریعہ اس کے کان میں پڑی ہوں گی، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ایمان لے آیا ہو اور مؤمن ہو گیا ہو، کیونکہ یہ ندامت نقصان کی وجہ سے ہے، کفر کے برا ہونے کی وجہ سے ندامت ہوئی ہو یہ بات ثابت نہیں) اور اس کے پاس اللہ کے سوا کوئی ایسا گروہ نہیں ہوا کہ اس کی مدد کرتا (کہ اس پر آفت نہ آنے دیتا یا آنے کے بعد ہٹا دیتا، گروہ پر اسے جو ناز وگھمنڈ تھا وہ سب جاتا رہا) اور نہ وہ خود (ہم سے) بدلا لے سکا، ایسے موقع پر کام کرنا اللہ برحق ہی کا کام ہے (اور آخرت میں بھی) اس کا ثواب سب سے اچھا ہے اور (دنیا میں بھی) اسی کا نتیجہ سب سے اچھا ہے (یعنی اگر اس کے مقبول لوگوں کا کوئی نقصان ہو جاتا ہے تو کافر کے برخلاف دونوں جہاں یعنی دنیا اور آخرت میں نیک پھل یا اچھا نتیجہ ملتا ہے اور یہ بالکل ہی گھاٹے میں رہ گیا۔

﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ وَعُرِضُوْا عَلٰي رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا

كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۢ ۚ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝

ع ۱۸

ترجمہ: اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت بیان فرمائیے کہ وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہوگئی ہوں پھر وہ ریزہ ریزہ ہوجائے کہ اس کو ہوا اڑائے لئے پھرتی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ مال اور اولاد حیات دنیا کی ایک رونق ہے اور جو اعمال صالحہ باقی رہنے والے ہیں، وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہے اور امید کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہے۔ اور اس دن کو یاد کرنا چاہئے جس دن ہم پہاڑوں کو ہٹادیں گے اور آپ زمین کو دیکھیں گے کہ کھلا میدان پڑا ہے اور ہم ان کو جمع کردیں گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے اور سب کے سب آپ کے رب کے روبرو کھڑا کرکے پیش کئے جاویں گے۔ دیکھو آخر تم ہمارے پاس آئے بھی جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا بلکہ تم یہی سمجھتے رہے کہ ہم تمہارے لئے کوئی وقت موعود نہ لائیں گے۔ اور نامۂ عمل رکھ دیا جاوے گا تو آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ ہوگا اس سے ڈرتے ہونگے اور کہتے ہونگے کہ ہائے ہماری کمبختی! اس نامۂ عمل کی عجیب حالت ہے کہ بے قلم بند کئے ہوئے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا گناہ اور جو کچھ انھوں نے کیا تھا، وہ سب موجود پائیں گے۔ اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔

ربط: اوپر جس طرح ایک جزئی مثال کے ذیل میں دنیا کا جلدی ہی زوال ہوجانا اور پھر اعمالِ صالحہ کا باقی رہنا اور پھر قیامت کے بعض واقعات کے ذکر سے آخرت کا اہتمام کے قابل ہونا اور مخالفت سے بچنے کا تقاضہ ہونا بیان فرماتے ہیں۔

دنیا کا فنا ہونا عقبیٰ کا باقی رہنا اور قیامت کی ہولناکی:

اور آپ ان لوگوں سے دنیاوی زندگی کی حالت بیان فرمائیے کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا ہو۔ پھر اس (پانی) کے ذریعہ سے زمین کی پیداوار خوب گھنی ہوگئی ہو پھر وہ (اس کے تروتازہ اور سرسبز ہونے کے بعد خشک ہوکر) ریزہ ریزہ ہوجائے کہ اس کو ہوا اڑائے لئے پھرتی ہو (یہی حال دنیا کا ہے کہ آج بڑی بھری ہوئی نظر آتی ہے، پھر اس کا نام ونشان بھی نہ رہے گا) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں (جب چاہیں ایجاد کریں، ترقی دیں، جب چاہیں فنا کردیں۔ جب خود اس دنیا کی زندگی کا یہ حال ہے اور مال اور اولاد دنیاوی زندگی کی ایک رونق ہے (اور اس کے تابع چیزوں میں سے) ہے (تو مال اور اولاد تو اس سے بھی زیادہ جلدی زائل ہونے والے ہیں) اور جو نیک اعمال (ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں، وہ آپ کے رب کے نزدیک (یعنی آخرت میں اس دنیا سے) ثواب کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہے اور امید کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہے) یعنی جو امیدیں نیک اعمال سے وابستہ ہوتی ہیں، وہ آخرت

میں پوری ہوں گی اور اس سے بھی زیادہ ثواب ملے گا۔ دنیاوی سامان کے برخلاف کہ اس سے خود دنیا ہی میں امیدیں پوری نہیں ہوتیں اور آخرت میں تو امکان ہی نہیں، اس لئے دنیا سے دلچسپی نہیں رکھنی چاہئے، اس پر فخر نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ آخرت کا اہتمام کرنا چاہئے اور اس دن کو یاد کرنا چاہئے جس دن ہم پہاڑوں کو (ان کی جگہ سے) ہٹا دیں گے (یہ شروع میں ہوگا پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے) اور (اس وجہ سے کہ پہاڑ اور درخت اور عمارتیں نہ رہیں گے) آپ زمین کو دیکھیں گے کہ میدان کھلا پڑا ہے اور ہم ان سب کو (قبروں سے اٹھا کر حساب کے میدان میں) جمع کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے (کہ وہ وہاں نہ لایا جائے) اور سب کے سب آپ کے رب کے سامنے (یعنی اس میدان میں جہاں حساب کتاب ہوگا) برابر کھڑے کر کے پیش کئے جائیں گے (یہ بھی امکان نہ رہے گا کہ کوئی کسی کے پیچھے چھپ جائے، اور ان میں جو لوگ قیامت کو جھٹلاتے تھے ان سے کہا جائے گا کہ) دیکھو آخر تم (دوبارہ پیدا ہو کر) ہمارے پاس ہی آئے، جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار (یعنی دنیا میں) پیدا کیا تھا (مگر تم پہلی بار پیدا کئے جانے کے مشاہدہ کے باوجود دوسری بار پیدا کئے جانے کے قائل نہ ہوئے) بلکہ تم یہی سمجھتے رہے کہ ہم تمہارے (دوبارہ پیدا کرنے کے) لئے کوئی وعدہ کا وقت نہ لائیں گے اور اعمال نامہ (چاہے داہنے ہاتھ میں یا بائیں ہاتھ میں دے کر اس کے سامنے کھلا ہوا) رکھ دیا جائے گا (جیسا کہ دوسری آیت میں ﴿ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴾) تو آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ (لکھا) ہوگا (اس کو دیکھ کر) اس سے (یعنی اس کی سزا سے) ڈرتے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ ہائے کم بختی! اس اعمال نامہ کی عجیب حالت ہے کہ لکھے بغیر نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا گناہ (چھوڑا) اور جو کچھ انھوں نے (دنیا میں) کیا تھا وہ سب (لکھا ہوا) موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا (کہ بغیر کیا ہوا گناہ لکھ لے یا کی ہوئی نیکی جب کہ شرطوں کے مطابق کی جائے نہ لکھے۔ مقصد یہ کہ مشرک رئیس جس چیز پر فخر کرتے ہیں انھوں نے اس کا حال اور اس کا انجام سن لیا اور جن غریبوں کو وہ حقیر سمجھتے ہیں ان کی باقی نیکیوں کا کبھی زائل نہ ہونے والی دولت ہونا معلوم کر لیا اگر انہیں اب بھی عقل نہ آئے تو ان کے چکر میں نہ پڑیئے)

﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ

ع

جَدَلًا ۝ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ۝ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝

ع

ترجمہ: اور جبکہ ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے۔ وہ جنات میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کے حکم سے عدول کیا۔ سو کیا پھر بھی تم اس کو اور اس کے چیلے چانٹوں کو دوست جانتے ہو، مجھ کو چھوڑ کر حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ یہ ظالموں کے لئے بہت برا بدل ہے۔ میں نے ان کو نہ تو آسمان اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت بلایا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت اور میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا بازو بناتا۔ اور اس دن کو یاد کرو کہ حق تعالیٰ فرماوے گا کہ جن کو تم ہمارا شریک سمجھا کرتے تھے ان کو پکارو پس وہ ان کو پکاریں گے سو وہ ان کو جواب ہی نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان میں ایک آڑ کر دیں گے۔ اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے پھر یقین کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور اس سے کوئی بچنے کی راہ نہ پاویں گے۔ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے واسطے ہر قسم کے عمدہ مضامین طرح طرح سے بیان فرمائے ہیں۔ اور آدمی جھگڑنے میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اور لوگوں کو بعد اس کے کہ ان کو ہدایت پہنچ چکی ایمان لانے سے اور اپنے پروردگار سے مغفرت مانگنے سے اور کوئی مانع نہیں رہا بجز اس کے کہ ان کو اس کا انتظار ہو کہ اگلے لوگوں کا سا معاملہ ان کو بھی پیش آئے یا یہ کہ عذاب روبرو ان کے سامنے آ کھڑا ہو۔ اور رسولوں کو تو ہم صرف بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا کرتے ہیں اور کافر لوگ ناحق کی باتیں پکڑ پکڑ کر جھگڑے نکالتے ہیں تا کہ اس کے ذریعہ سے حق بات کو بچلا دیویں اور انھوں نے میری آیتوں کو اور جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا اس کو دل لگی بنا رکھا ہے۔ اور اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جاوے پھر وہ اس سے روگردانی کرے اور جو کچھ اپنے ہاتھوں سمیٹ رہا ہے اس کو بھول جاوے۔ ہم نے اس کے سمجھنے سے ان کے دل پر پردے ڈال رکھے ہیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے اور اگر آپ ان کو راہ راست کی طرف بلاویں تو ایسی حالت میں ہرگز بھی راہ پر نہ آویں۔ اور آپ کا رب بڑا مغفرت کرنے والا بڑا رحمت والا ہے۔ اگر ان سے ان کے اعمال پر

دار و گیر کرنے لگتا تو ان پر فوراً ہی عذاب واقع کر دیتا۔ بلکہ ان کے واسطے ایک معین وقت ہے کہ اس سے اس طرف کوئی پناہ کی جگہ نہیں پا سکتے۔ اور یہ بستیاں جب انھوں نے شرارت کی تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کے ہلاک ہونے کے لئے وقت معین کیا تھا۔

ربط: اوپر آیت ﴿ وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ ﴾ الخ یعنی ''ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا حال حد سے گذر گیا ہے'' کے عام الفاظ سے کافروں کے رئیسوں کے اخلاق کے فساد و بگاڑ، بیجا فخر و گھمنڈ اور کفر و انکار کے عقیدوں کے بگاڑ و فساد پر دلالت ہوئی تھی اور اسی سلسلہ میں یہاں تک کلام چلا آیا ہے۔ اب بھی اسی کے تعلق سے تکبر کی وجہ سے ابلیس کا برا انجام اور ان لوگوں کا اس کے تابع ہونا اور قیامت میں اس اتباع کا کچھ کام نہ آنا اور عذاب میں مبتلا ہونا اور ان لوگوں کا قرآن اور رسالت کے سلسلہ میں بحث و جھگڑا کرنا اور صحیح دلیلوں سے منہ پھیرنا اور ان کے ایمان سے مایوسی ظاہر کرنا، حضور ﷺ کی تسلی کے لئے اور ان کے عذاب کے مستحق ہونے کے باوجود عذاب میں تاخیر کی حکمت یہ سب مضامین آگے دور تک چلے گئے ہیں۔

منکرین کی کفریات اور سزاؤں کا بیان:

اور (وہ وقت بھی ذکر کے قابل ہے) جب کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم (علیہ السلام) کے سامنے سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، وہ جنات میں سے تھا تو (اس لئے) اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی (جیسا کہ اس کے غالب عنصر یعنی آگ کا تقاضہ تھا۔ لیکن وہ معذور اس لئے قرار نہیں دیا جائے گا کہ وہ تقاضہ غالب کی بجائے مغلوب بھی ہو سکتا تھا جیسا کہ اکثر آدمی کی طبیعت گناہ اور نافرمانی کی طرف مائل ہوتی ہے، مگر اس کو روکنا ممکن ہے) تو (جب ابلیس ایسا ہے تو) کیا پھر بھی تم مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی پیروی کرنے والوں (اور اولاد وغیرہ) کو دوست بناتے ہو (یعنی میری طاعت اور اتباع کو چھوڑ کر عقیدہ کے طور پر ان کا اتباع کرتے ہو جو کہ کھلا شرک ہے؟) حالانکہ وہ (یعنی ابلیس اور اس کی جماعت) تمہارے دشمن ہیں (کہ ہر وقت تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش میں رہتے ہیں) یہ (ابلیس اور اس کی پیروی کرنے والوں کا دوست بنانا) ظالموں کے لئے بہت برا بدلا ہے (بدلا اس لئے کہا کہ دوست تو مجھے بنانا چاہئے تھا، لیکن میری جگہ انھوں نے شیطانوں کو دوست بنایا، چنانچہ ان کا دشمن ہونا تو ابلیس کی اتباع کرنے والوں کو دوست بنانے سے رکاوٹ اور اتباع کرنے والوں کو دوست بنانے کے لئے جو کہ حقیقت میں شریک بنانا ہے کوئی اس کا سبب بھی موجود نہیں۔ چنانچہ) میں نے ان کو نہ تو آسمان اور زمین پیدا کرتے وقت (اپنی مدد یا مشورہ کے لئے) بلایا اور نہ خود ان کو پیدا کرنے کے وقت (بلایا یعنی ایک کو پیدا کرنے کے وقت دوسرے کو نہیں بلایا۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی اللہ کا شریک ہوتا تو اگر وہ مستقل نہ ہوتا تو کم سے کم درجہ میں اتباع کرنے والا معاون و مددگار تو ہوتا اور اگر دوسری مخلوقات میں ان کی شرکت نہ ہوتی تو کم سے کم خود ان کے

ذاتی تعلقات کے بارے میں تو ان کی پوچھ ہوتی، جب یہ بھی نہیں تو انہیں شریک قرار دینا محض حماقت و بے وقوفی ہے) اور میں ایسا (عاجز مجبور) نہ تھا کہ (کسی کو اور خاص طور سے) گمراہ کرنے والوں (یعنی شیطان کو) اپنا (دوست و) مددگار بناتا (یعنی مددگار تو وہ ڈھونڈے جو قادر نہ ہو) اور (یہاں تو انہیں خدائی میں شریک سمجھ رہے ہو، لیکن وہاں حقیقت معلوم ہوگی تو) اس دن کو یاد کرو کہ حق تعالیٰ (مشرکوں سے) فرمائے گا کہ جن کو تم ہمارا شریک سمجھا کرتے تھے، ان کو (اپنی امداد کے لئے) پکارو، چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے تو وہ انہیں جواب ہی نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان میں ایک رکاوٹ حائل کردیں گے (تاکہ بالکل ہی مایوس ہوجائیں ورنہ بغیر رکاوٹ کے بھی مدد نہیں کرسکتے تھے) اور (اس وقت) مجرم لوگ جہنم کو دیکھیں گے، پھر یقین کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے بچنے کا کوئی راستہ نہ پائیں گے، اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کی ہدایت) کے واسطے ہر قسم کے (ضروری) مضامین طرح طرح سے بیان فرمائے ہیں۔ اور (اس پر بھی انکار کرنے والے) آدمی (کا حال یہ ہے کہ وہ ناحق) جھگڑنے میں سب سے بڑھ کر ہے (یعنی جن مخلوقوں سے جھگڑنے کا صدور ہوسکتا ہے جیسے جن اور حیوان بھی اگر ان میں اتنے سمجھ دار ہوجائیں) اور لوگوں کو ہدایت پہنچنے کے بعد (جس کا تقاضہ یہ تھا کہ ایمان لے آتے) ایمان لانے اور اپنے پروردگار سے (کفر وغیرہ کی) مغفرت مانگنے سے اور کوئی امر رکاوٹ نہیں رہا، سوائے اس کے کہ انہیں اس کا انتظار ہو کہ اگلے لوگوں جیسا معاملہ (ہلاکت وغیرہ) ان کو بھی پیش آئے۔ یا یہ کہ (اللہ کا) عذاب ان کے سامنے آکھڑا ہو (مطلب یہ کہ کیا اس لئے ایمان نہیں لاتے کہ ایسے امور واقع ہوں تب ایمان لائیں گے جیسا کہ ان کے حال سے ظاہر ہے اور کہہ بھی دیتے تھے کہ ایسے امور واقع کیوں نہیں ہوتے؟) اور (اگر وہ رسول کے ماننے کو انہی واقعات کے واقع ہونے پر معلق کرتے ہیں تو اس رسالت کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ رسولوں کو تو ہم صرف خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجتے ہیں (اور اس کے ثبوت کے لیے کافی دلیل عطا کرتے ہیں، اس سے زیادہ کی فرمائش بالکل بے کار ہے) اور (اس کی نسبت یوں کہا جائے گا کہ) کافر لوگ ناحق باتوں کے سہارے جھگڑتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ حق کو ہٹادیں، اور انھوں نے میری آیتوں کو اور جس (عذاب) سے انہیں ڈرایا گیا تھا اس کو دل لگی بنا رکھا ہے اور اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے، پھر وہ اس سے منہ پھیرے اور جو کچھ اپنے ہاتھوں (گناہ) سمیٹ رہا ہے اس (کے نتیجہ) کو (جو کہ ملنے والا ہے) بھول جائے، ہم نے اس (حق بات) کے سمجھنے سے اس کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں (اور اس کے سننے سے) ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے (اس وجہ سے ان کا یہ حال ہے کہ) اگر آپ ان کو سیدھے راستے کی طرف بلائیں تو ایسی حالت میں (ان کے دلوں اور کانوں کی یہ حالت ہے کہ) ہرگز بھی راستہ پر نہ آئیں (پھر آپ کیوں غم کرتے ہیں؟) اور (ان کو عذاب میں دیر کی وجہ سے عذاب واقع ہی نہ ہونے کا خیال ہو رہا ہے تو اس دیر کی وجہ یہ ہے کہ) آپ کا رب بڑا مغفرت کرنے والا (اور) بڑا رحمت والا ہے (لہٰذا مہلت اس لئے دی ہے کہ اگر یہ مسلمان ہوجائیں تو میں ان کی مغفرت کردوں گا۔

دوسرے خود رحمت کا بھی تقاضا ہے کہ ایمان نہ لانے پر بھی دنیا میں شدید عذاب سے مہلت دی جائے، ورنہ ان کے اعمال تو ایسے ہیں کہ) اگر ان کے اعمال پر انہیں پکڑنا چاہتا تو انہیں فوراً ہی عذاب دیدیتا (مگر ایسا نہیں کرتا) بلکہ ان کے (عذاب کے) واسطے ایک معین وقت (ٹھہرا رکھا ہے (یعنی قیامت کا دن) کہ اس سے اس طرف (یعنی پہلے) کوئی پناہ کی جگہ نہیں پاسکتے (اس طرح کہ اس کے آنے سے پہلے اس میں جا چھپیں اور اس سے محفوظ رہیں) اور (یہی قاعدہ پہلے کافروں کے ساتھ بھی برتا گیا، چنانچہ) جب ان بستیوں (کے رہنے والوں) نے (جن کے قصے بیان کئے گئے اور مشہور ہیں) شرارت کی تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا (لہٰذا کفر کا ہلاکت کا سبب ہونا ثابت ہوا) اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے وقت معین کیا تھا (اسی طرح ان کے لئے وقت معین ہے، پھر واقع نہ ہونا کیسے لازم آیا؟)

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِفَتٰىهُ لَآ أَبْرَحُ حَتّٰٓى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ۝ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝ قَالَ أَرَءَيْتَ إِذْ أَوَيْنَآ إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَآ أَنْسٰنِيهُ إِلَّا الشَّيْطٰنُ أَنْ أَذْكُرَهُ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ۝ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ قَالَ لَهُ مُوسٰى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلٰٓى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۝ قَالَ سَتَجِدُنِيٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۝ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْـَٔلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝﴾

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب کہ موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں برابر چلا جاؤں گا یہاں تک کہ اس موقع پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا آپس میں ملے ہیں یا یوں ہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا۔ پس جب دونوں دریاؤں کے جمع ہونے کے موقع پر پہنچے اس اپنی مچھلی کو دونوں بھول گئے اور مچھلی نے دریا میں اپنی راہ لی اور چل دی پھر جب دونوں آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ہمارا ناشتہ تو لاؤ ہم کو تو اس سفر میں بڑی تکلیف پہنچی۔ خادم نے کہا کہ لیجئے دیکھیے جب ہم اس پتھر کے قریب ٹھیرے تھے سو میں اس مچھلی کو بھول گیا اور مجھ کو شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کو ذکر کرتا اور اس مچھلی نے دریا میں عجیب طور پر اپنی راہ لی۔ موسیٰ نے فرمایا کہ یہی وہ موقع ہے جس کی ہم کو تلاش تھی سو دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے الٹے لوٹے۔ سو انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جن کو ہم نے اپنی خاص رحمت دی تھی اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے ایک خاص طور کا علم سکھلایا تھا۔ موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ میں آپ کے ساتھ رہ سکتا

ہوں اس شرط سے کہ جو علم مفید آپ کو سکھلایا گیا ہے اس میں سے آپ مجھ کو بھی سکھلا دیں؟ ان بزرگ نے جواب دیا کہ آپ سے میرے ساتھ رہ کر صبر نہ ہو سکے گا، اور ایسے امور پر آپ کیسے صبر کریں گے جو آپ کے احاطۂ واقفیت سے باہر ہیں۔ موسیٰ نے فرمایا کہ ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پاویں گے اور میں کسی بات میں آپ کے خلاف حکم نہ کروں گا۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ تو اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کی نسبت کچھ پوچھنا نہیں جب تک کہ اس کے متعلق میں خود ہی ابتداءً ذکر نہ کروں۔

ربط: اوپر کافر رئیسوں کی اس درخواست کی برائی تھی کہ ہماری تعلیم کی مجلس میں مسلم فقیر نہ رہنے چاہئیں۔ اب موسیٰ علیہ السلام کے ایک قصہ کے ذریعہ اس برائی کی اور زیادہ وضاحت ہے کہ انھوں نے تو اپنے سے چھوٹے کو بعض خاص علوم کے لئے استاذ بنانے سے بھی شرم نہیں کی اور تمہیں ان غریبوں کے تعلیم میں شریک ہونے سے بھی شرم آتی ہے اور اس مقصود کے ساتھ اس قصہ میں آپ کی نبوت پر بھی دلالت ہوگئی، جس کی وجہ ظاہر ہے۔

خضر علیہ السلام کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ:

اور وہ وقت یاد کرو جبکہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے خادم سے (جن کا نام یوشع تھا (بخاری) فرمایا کہ میں (اس سفر میں) برابر چلتا رہوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پہنچ جاؤں، یا یوں ہی لمبی مدت چلتا رہوں گا (یہ اسی طرح کا مضمون ہے کہ:

دست از طلب ندارم تا کام من برآید ❁ یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

یعنی میں مانگنے سے اس وقت تک باز نہ آؤں گا جب تک میرا مقصد حاصل نہ ہو جائے، یا تو میرا جسم معشوق تک پہنچ جائے یا جان جسم سے نکل جائے۔

اور اس سفر کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ایک بار موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں وعظ فرمایا تو کسی نے پوچھا کہ اس وقت انسانوں میں سب سے بڑا عالم کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا: "میں" ظاہر ہے مطلب یہ تھا کہ جن علوم کو اللہ کا قرب حاصل کرنے میں دخل ہے ان میں میرے برابر کوئی نہیں، اور یہ فرمانا صحیح تھا اس لئے کہ آپ بڑے عزم والے بھی تھے اور عزم والے نبیوں کی برابر کسی دوسرے کو یہ علم نہیں ہوتا، لیکن چونکہ ظاہر میں لفظ مطلق تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ آپ کو کلام کرنے میں احتیاط سے کام لینے کی تعلیم دی جائے۔ غرض ارشاد ہوا کہ ہمارا ایک بندہ تم سے بھی زیادہ علم رکھتا ہے، اس کا مطلب یہ تھا کہ بعض علوم میں وہ آپ سے زیادہ ہے، چاہے ان علوم کو قرب حاصل کرنے میں دخل نہ ہو، جیسا کہ آگے واضح ہوگا۔ لیکن اس بنیاد پر جواب میں خود کو مطلق طور سے سب سے زیادہ علم والا نہیں کہنا چاہئے تھا۔ غرض موسیٰ (علیہ السلام) کو ان سے ملنے کی خواہش ہوئی اور پوچھا کہ ان تک پہنچنے کی کیا صورت ہے؟ ارشاد ہوا کہ ایک بے جان مچھلی

اپنے ساتھ لے کر سفر کرو، جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہ شخص اسی مقام پر ملے گا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے یوشع علیہ السلام کو ساتھ لیا اور یہ بات فرمائی) پھر جب (چلتے چلتے) دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پہنچے، (وہاں کسی پتھر سے ٹیک لگا کر سو رہے اور وہ مچھلی اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو کر دریا میں جا پڑی، یوشع علیہ السلام نے جاگنے کے بعد دیکھا تو انہیں مچھلی نہیں ملی۔ سوچا کہ موسیٰ علیہ السلام جب جاگیں گے تو اس کا ذکر کروں گا۔ مگر انہیں بالکل یاد نہیں رہا۔ شاید بیوی بچوں اور وطن وغیرہ کے خیالات بہت زیادہ آئے ہوں گے کہ ذکر کرنا بھول گئے۔ ورنہ ایسی عجیب بات کو آدمی کم ہی بھولتا ہے، لیکن جو شخص ہر وقت خلاف معمول اور خلاف عادت واقعات دیکھتا ہو، اس کے ذہن سے کسی ادنی درجہ کی عجیب بات کا کسی خیال کے غلبہ کی وجہ سے ذہن سے نکل جانا کوئی عجیب بات نہیں۔ اور اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو بھی پوچھنے کا خیال نہ رہا، اس طرح) دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے اور مچھلی نے (اس سے پہلے زندہ ہو کر) دریا میں اپنی راہ لی اور چلدی، مگر جب دونوں (وہاں سے) آگے بڑھ گئے (اور دور نکل گئے) تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ، ہمیں تو اس سفر (یعنی آج کی منزل) میں بڑی تکلیف پہنچی اور اس سے پہلے کی منزلوں میں نہیں تھکے تھے جس کی وجہ ظاہر میں اس موقع سے جو مقصود تھا، آگے بڑھ آنا تھا) خادم نے کہا کہ ذرا دیکھئے تو جب ہم اس پتھر کے قریب ٹھہرے ہوئے تھے (اور سو گئے تھے اس وقت اس مچھلی کا ایک قصہ ہوا اور میرا ارادہ آپ سے ذکر کرنے کا ہوا لیکن میرا دھیان کسی دوسری طرف لگ گیا) اس کا ذکر کرنا بھول گیا اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کا ذکر کرتا اور (وہ قصہ یہ ہوا کہ) وہ مچھلی (زندہ ہونے کے بعد) دریا میں عجیب طریقہ سے چلی گئی (ایک عجیب طریقہ تو خود زندہ ہو جانا ہے دوسرا عجیب طریقہ یہ ہوا کہ وہ مچھلی دریا میں جہاں سے گذری تھی، وہاں کا پانی عام طریقہ کے خلاف اس طرح سرنگ کے طور پر ہو گیا تھا، شاید پھر مل گیا ہوگا) موسیٰ (علیہ السلام) نے (یہ بات سن کر) فرمایا کہ یہی وہ مقام ہے جس کی ہمیں تلاش ہے (وہاں ہمیں لوٹنا چاہئے) تو دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے الٹے لوٹے (شاید وہ عام راستہ نہ ہوگا۔ اس لئے نشان دیکھنے پڑے) تو (وہاں پہنچ کر) انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ (یعنی خضر) کو پایا جن کو ہم نے اپنی خاص رحمت (یعنی مقبولیت) دی تھی (مقبولیت کے معنی میں ولایت اور نبوت دونوں کا امکان ہے) اور ہم نے انہیں اپنے پاس سے ایک خاص قسم کا علم دیا تھا (یعنی علم حاصل کرنے کے طریقوں اور اسباب کے واسطہ کے بغیر اور اس سے مراد تکوینی راز و اسرار کا علم ہے جیسا کہ آئندہ کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے اور اس علم کو قربت حاصل کرنے میں کچھ دخل نہیں کہ جس علم کو قربت حاصل کرنے میں دخل ہے وہ اللہ کے راز و اسرار کا علم ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام بڑھے ہوئے تھے۔ غرض) موسیٰ (علیہ السلام) نے انہیں سلام کیا اور) ان سے فرمایا کہ میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں (یعنی آپ ساتھ رہنے کی اجازت دیجئے) اس شرط کے ساتھ کہ جو مفید علم آپ کو (اللہ کی جانب سے) سکھایا گیا ہے، اس میں سے آپ مجھے بھی

سکھادیں۔ان بزرگ نے جواب دیا: آپ سے میرے ساتھ رہ کر (میرے کاموں پر) صبر نہ ہو سکے گا (یعنی آپ مجھ پر روک ٹوک کریں گے اور معلم یعنی تعلیم دینے والے پر تعلیم سے متعلق متعلم یعنی تعلیم حاصل کرنے والے کی روک ٹوک کرنے سے ساتھ رہنا مشکل ہے) اور (بھلا) آپ ایسے امور پر (روک ٹوک کرنے سے) کیسے صبر کر سکیں گے جو آپ کی واقفیت کی حد سے باہر ہیں (یعنی وہ امور منشا معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ظاہر میں شرع کے خلاف نظر آئیں گے اور شریعت کے خلاف امور پر خاموش نہ رہ سکیں گے) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ (نہیں) ان شاء اللہ آپ مجھے صبر (یعنی ضبط وبرداشت) کرنے والا پائیں گے اور میں کسی معاملہ میں آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کروں گا (یعنی اگر آپ روک ٹوک سے منع کردیں گے تو میں روک ٹوک نہ کروں گا۔اس طرح کسی اور بات میں بھی آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کروں گا۔ ان بزرگ نے) فرمایا تو (ٹھیک ہے) اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو (اتنا خیال رہے کہ) مجھ سے کسی بات کے بارے میں نہ پوچھنا جب تک کہ اس کے سلسلہ میں، میں خود ہی ذکر نہ کروں۔

فائدہ: دو مختلف دریاؤں کے ملنے یعنی مجمع البحرین یا سنگم کے کئی مقام ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی کوئی مقام ہوگا۔ اس کی تعیین کی ضرورت نہیں کہ اس پر کوئی دینی معاملہ موقوف نہیں، اور اگر شبہ ہو کہ جب انہیں دو دریاؤں کے ملنے کا مقام بتادیا گیا تو وہاں پہنچنے کے بعد آگے کیوں بڑھ گئے اور اگرچہ مچھلی کے زندہ ہونے کا قصہ معلوم نہ ہوا تھا، لیکن یہ تو معلوم تھا کہ دریاؤں کے ملنے کا مقام آگیا۔ جواب یہ ہے کہ مجمع البحرین یا دریاؤں کے ملنے کے مقام سے کوئی خاص مقام مراد ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس کے آس پاس دور تک کو مجمع البحرین کہا جاسکتا ہے اور اسی دوری کی وجہ سے مچھلی میں جان پڑنا علامت مقرر کی گئی تھی۔اس علامت کو سن کر مخاطب لازمی طور پر اس مقام کو دور تک پھیلا ہوا سمجھے گا چاہے متکلم یعنی پوچھنے والے کے نزدیک متعین ہو۔اور اس مچھلی کا زندہ ہونا ظاہر میں صرف اللہ کی قدرت سے اس لئے ہوا کہ یہ علامت مقرر کی گئی تھی، اگرچہ پانی لگ جانے کے وقت زندہ ہوئی ہو، مگر اس سے اس پانی کا سبب ہونا لازم نہیں آتا یا سبب ہو تو خاص اس مچھلی کے لئے ہوا ہو اس کا ہمیشہ کے لئے یا ہر چیز کے لئے سبب ہونا لازم نہیں آتا۔ اور اگر شبہ ہو کہ یوشع علیہ السلام نبی ہوئے ہیں، پھر ان پر بھلا دینے کے بارے میں شیطان کا تصرف کیسے ہوا؟ جواب یہ ہے کہ جو تصرف گناہ ومعصیت تک لے جانے والا ہو۔نبیوں کا اس سے محفوظ ہونا ثابت ہے۔باقی دوسرے تصرفات ایسے ہیں جیسے کوئی کافر کسی نبی کو پتھر مار دے اور چوٹ لگ جائے۔

﴿ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْــــًٔا اِمْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۝ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ

نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ۖ لَّقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ۞ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۞

ترجمہ: پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو ان بزرگ نے اس کشتی میں چھید کر دیا۔ موسیٰ نے فرمایا کہ کیا آپ نے اس کشتی میں اس لئے چھید کیا کہ اس کے بیٹھنے والوں کو غرق کر دیں، آپ نے بڑی بھاری بات کی۔ ان بزرگ نے کہا کہ کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا؟ موسیٰ نے فرمایا کہ آپ میری بھول چوک پر گرفت نہ کیجئے اور میرے اس معاملہ میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ ڈالئے۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک لڑکے سے ملے تو ان بزرگ نے اس کو مار ڈالا، موسیٰ کہنے لگے کہ آپ نے ایک بے گناہ جان کو مار ڈالا بے بدلے کسی جان کے۔ بیشک آپ نے بڑی بے جا حرکت کی۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا؟

قصہ کا تتمہ:

(غرض آپس میں وعدہ ہو گیا) پھر دونوں (کسی طرف) چلے (اور شاید یوشع علیہ السلام بھی ساتھ ہوں گے۔ مگر چونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی اتباع میں ان کے ساتھ تھے، اس لئے آگے کے قصہ میں اصل کے طور پر ان کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی) یہاں تک کہ (چلتے چلتے کسی ایسے مقام پر پہنچے جہاں کشتی پر سوار ہونے کی ضرورت ہوئی، لہٰذا) جب دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو ان بزرگ نے اس کشتی (کا ایک تختہ نکال کر اس) میں سوراخ کر دیا (شاید پھر مرمت کر دی ہو اور شاید کشتی والے مختصر انداز میں ان کے بارے میں اچھا خیال و یقین رکھتے ہوں (اس لئے نہ روکا ہو) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا آپ نے اس کشتی میں اس لئے سوراخ کر دیا کہ اس میں بیٹھنے والوں کو غرق کر دیں (یعنی اس سے یہ نقصان کوئی محال نہ تھا۔ اور اگر چہ اس نقصان کا امکان تھا مگر جب تک کوئی غالب مصلحت نہ ہو، اس وقت تک نقصان کے امکان سے بھی بچنا واجب ہے۔ اور مصلحت کچھ معلوم نہیں ہوتی) آپ نے بہت بڑی (یعنی خطرہ والی) حرکت کی، ان بزرگ نے کہا کہ کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا (آخر وہی ہوا اور آپ اپنے وعدہ پر قائم نہ رہے) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ (مجھے یاد نہ رہا تھا، اس لئے) آپ میری بھول چوک پر نہ پکڑیئے اور میرے اس معاملہ (ساتھ رہنے) میں مجھ پر زیادہ سختی نہ کیجئے (کہ بھول چوک بھی معاف نہ کی جائے اس طرح بات گئی گذری ہوئی) پھر دونوں (کشتی سے اتر کر آگے) چلے یہاں تک کہ جب ایک (کم عمر) لڑکے سے ملے تو ان بزرگ نے اس کو مار ڈالا، موسیٰ (علیہ السلام گھبرا کر کہنے لگے، آپ نے ایک بے گناہ کو کسی جان کے بدلے کے بغیر مار ڈالا۔ آپ نے (یہ تو) بڑی بیجا حرکت کی (کیونکہ ایک تو نابالغ کو قتل کرنا جس کو قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جاتا پھر اس نے تو قصاص کا سبب بننے والا کوئی کام بھی

نہیں کیا تھا۔اس حیثیت سے یہ حرکت پہلی سے بھی بڑھ کر ہے، کیونکہ اگر چہ وہاں یقینی طور پر مال کا نقصان ہوا، لیکن جانی نقصان کا صرف امکان تھا اور یہاں جان کا یقینی نقصان ہوا۔اور وہ بھی ایسی جان کا جس پر کوئی الزام بھی نہیں اور الزام ہو تو بھی قصاص لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ لڑکا نابالغ تھا جیسا کہ مسلم میں مرفوع حدیث ہے۔لو ادرک الخ اور حضرت خضر علیہ السلام کے آگے آنے والے عذر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے والدین کے بگڑنے کا اندیشہ تھا ورنہ اگر یہ بالغ اور ڈاکو ہوتا جیسا کہ بعض کا کہنا ہے تو یہ عذر زیادہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا تھا اور خضر علیہ السلام کو یہی بیان کرنا چاہئے تھا) ان بزرگ نے فرمایا کہ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا؟

﴿ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: موسیٰ نے فرمایا کہ اگر اس مرتبہ کے بعد آپ سے کسی امر کے متعلق کچھ پوچھوں تو آپ مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھئے، بیشک آپ میری طرف سے عذر کو پہنچ گئے ہیں۔پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں پر گزر ہوا تو وہاں والوں سے کھانے کو مانگا۔تو انھوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا۔اتنے میں ان کو وہاں ایک دیوار ملی جو گرا ہی چاہتی تھی تو ان بزرگ نے اس کو سیدھا کر دیا۔موسیٰ نے فرمایا کہ اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اجرت ہی لے لیتے۔ ان بزرگ نے کہا یہ وقت ہماری اور آپ کی علاحدگی کا ہے، میں ان چیزوں کی حقیقت بتلائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ (خیر! اس بار اور جانے دیجئے، لیکن) اگر اس کے بعد آپ سے کسی معاملہ میں کچھ پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے، بیشک اب تو آپ کو میری طرف سے عذر پورا ہو چکا (یعنی آپ نے بہت درگذر کیا، اگر اب ساتھ نہ رکھیں گے تو آپ کا عذر معقول ہوگا، اور اس بار بولنے کا عذر نہ کرنے سے معلوم ہوا کہ بھول نہیں ہوئی تھی۔غرض) پھر دونوں (آگے) چلے یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں پر گذر ہوا تو وہاں کے لوگوں سے کھانے کو مانگا (کہ ہم مہمان ہیں) تو انھوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا۔اتنے میں انہیں وہاں ایک دیوار ملی، جو گری جا رہی تھی تو ان بزرگ نے اس کو (ہاتھ کے اشارہ سے عادت کے خلاف یعنی معجزہ کے طور پر) سیدھا کر دیا۔موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اگر آپ چاہتے تو اس (کام) پر کچھ اجرت ہی لے لیتے کہ اس وقت کام بھی چل جاتا اور اس میں ان لوگوں کے اخلاق کی اصلاح بھی ہوتی، ورنہ ایسے لوگوں کے ساتھ رعایت کرنے سے ان کی دوگنی بداخلاقی بڑھتی ہے) ان بزرگ

نے فرمایا کہ یہ وقت میری اور آپ کی علاحدگی کا ہے (جیسا کہ خود آپ نے شرط رکھی تھی) اب میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت بتائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہوسکا (یہ باتیں اگلی آیتوں میں آرہی ہیں)

فائدہ: اور عجب نہیں کہ ان راز واسرار کا بتانا اس درخواست کا پورا کرنا بھی ہو جو موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی ﴿ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴾ یعنی ''آپ کو جو مفید علم سکھایا گیا ہے، مجھے بھی سکھا دیں'' اگر چہ نمونہ ہی کے طور پر سہی اور زیادہ ساتھ رہنے پر شاید مناسب موقع پر وہ خود ہی بتاتے، اور ہر واقعہ پر بتاتے تو یہ علم زیادہ حاصل ہوتا، اور چاہے یہ موسیٰ علیہ السلام کے علم کی برابری عام لوگوں کے لئے مفید نہ ہو، کیونکہ اتباع کے قابل نہیں، تاہم اس معنی میں خاص لوگوں کے لئے ضرور مفید ہے کہ بعض حکمتیں تفصیل کے ساتھ کھل کر سامنے آتی ہیں، اگر چہ مختصر انداز کا عقیدہ کہ ہر واقعہ میں کئی کئی حکمتیں شامل ہوتی ہیں، قرب کے لئے کافی ہے اور جب خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو بولنے پر ٹوکا تو موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ تم شریعت کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہو۔ وجہ یہ ہے کہ غصہ دور ہو جانے کے بعد مختصر انداز میں سمجھ گئے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس بھیجا ہے تو ان کا فعل شریعت کے مطابق ہی ہوگا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کرنے کے بعد جو اعتراض فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک ایسے فعل کو خود اپنے اوپر لازم فرمایا تھا جسے اللہ نے ان پر واجب نہیں کیا اور اس لازم کئے ہوئے امر میں ان کا فائدہ تھا اور چھوڑنے میں خضر علیہ السلام کا کوئی نقصان نہیں تھا، خاص طور سے جب کہ انہیں یہ بھی علم ہو کہ وہ صبر نہ کرسکیں گے اور جو فعل شرعی طور پر واجب نہ ہو، بلکہ آدمی اپنی مصلحت کے لئے اس کو لازم کرے اور اس کو چھوڑنے میں دوسرے کا نقصان بھی نہ ہو تو ایسے فعل کا چھوڑنا شریعت کے لحاظ سے معصیت گناہ نہیں، لہٰذا وعدہ خلافی جس سے منع کیا گیا ہے وہ لازم نہیں آتا، اور جس طرح ایک بار ایسے وعدہ کی خلاف ورزی جائز ہے، کئی بار بھی جائز ہے، لہٰذا یہ سوال بھی نہیں ہوسکتا کہ کئی بار ایسا کیوں کیا؟ اور اس کا اصل سبب خوش طبعی تھا جو کبھی کبھی کامل لوگوں کو بھی ہوسکتا ہے۔

﴿ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ۝ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۝ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: وہ جو کشتی تھی سو چند غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے۔ سو میں نے چاہا کہ اس میں

عیب ڈال دوں اور ان لوگوں سے آگے کی طرف ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا۔ اور رہا وہ لڑکا سو اس کے ماں باپ ایماندار تھے سو ہم کو اندیشہ ہوا کہ ان دونوں پر سرکشی کا اثر نہ ڈال دے۔ پس ہم کو یہ منظور ہوا کہ بجائے اس کے ان کا پروردگار ان کو ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر ہو اور محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو۔ اور رہی دیوار سو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ جو اس شہر میں ہیں اور اس دیوار کے نیچے ان کا کچھ مال مدفون تھا۔ اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا سو آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جاویں اور اپنا دفینہ نکال لیں اور کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

قصہ کا تتمہ:

وہ جو کشتی تھی وہ چند غریب آدمیوں کی تھی جو (اس کے ذریعہ سے) دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے (اور اس پر ان کی گذر اوقات ہوتی ہے) تو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) ان لوگوں سے آگے کی طرف ایک (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر (اچھی) کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا (تو اگر ان کی کشتی میں عیب نہ ڈالا جاتا تو وہ اس کو بھی چھین لیتا۔ اور ان غریبوں کا نقصان ہوتا، لہٰذا اس کو توڑنے میں یہ مصلحت تھی) اور رہا وہ لڑکا تو اس کے ماں باپ ایمان والے تھے (اگر وہ بڑا ہوتا تو کافر ہوتا اور ماں باپ اس کو بہت زیادہ چاہتے تھے) تو ہمیں (تحقیق کے ساتھ) اندیشہ ہوا کہ وہ ان دونوں پر سرکشی اور کفر کا اثر نہ ڈال دے (یعنی محبت کی وجہ سے وہ بھی بددینی میں اس کا ساتھ دینے لگیں) اس لئے ہم نے چاہا کہ (اس کا تو قصہ تمام کر دیا جائے پھر) اس کی بجائے ان کا پروردگار انہیں ایسی اولاد دے (چاہے لڑکا ہو یا لڑکی) جو پاکیزگی (یعنی دین) میں اس سے بہتر ہو اور (ماں باپ کے ساتھ) محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو۔ رہا دیوار کا معاملہ تو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں (رہتے) ہیں اور اس دیوار کے نیچے ان کا کچھ مال دبا ہوا تھا (جو ان کے ماں باپ سے وراثت میں پہنچا ہے) اور ان کا باپ (جو مر گیا ہے، وہ) ایک نیک آدمی تھا، لہٰذا اس کے نیک ہونے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کی اولاد کے مال کو محفوظ فرمانا چاہا، اور دیوار گر جانے کی وجہ سے لوگ مال لوٹ لے جاتے اور ان لڑکوں کا جو سرپرست تھا شاید اسے اس خزانے کا علم ہوگا۔ وہ اس وقت یہاں موجود نہ ہوگا کہ انتظار کر لیتا) تو آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی (کی عمر) کو پہنچ جائیں اور اپنا مال نکال لیں۔ اور (یہ سارے کام میں نے اللہ کے الہام سے کئے ہیں، ان میں سے کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔ یہ ان باتوں کی حقیقت ہے جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا (جسے میں نے اب وعدہ کے مطابق بتا دیا، چنانچہ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام ان سے رخصت ہوئے۔ حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے شرما کر یہ کہہ دیا کہ اگر اب کی بار پوچھوں تو ساتھ نہ رکھنا، ورنہ اگر ساتھ رہتے تو اور بھی عجیب امور دیکھتے)

فائدہ: ترجمہ کے دوران جتنے مضامین روایت سے متعلق ہیں ساری حدیثیں صحیحین یعنی بخاری اور مسلم سے نقل کی

ہیں، سوائے ان جملوں کے جن میں مطلب، یعنی، شاید، امکان، احتمال، مراد، ظاہر میں، ہوگیا ہوگا اور عیب نہیں، تعجب کی بات نہیں اور یا کے الفاظ آئے ہیں۔

اور اس قصہ سے بعض لوگوں کو دھوکہ ہوگیا ہے کہ علم باطن، علم شریعت سے افضل ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ علم باطن کے دو شعبے ہیں: (۱) اللہ کی مرضی کا علم جو نفس سے متعلق ہیں (۲) تکوین کے راز و اسرار کا علم تو پہلا تو شریعت کا ایک جز ہے اور جز کبھی کل سے افضل نہیں ہوسکتا اور دوسرا چونکہ اللہ کی قربت میں کوئی دخل نہیں رکھتا اس لئے اس کے افضل ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں۔

دوسرا دھوکہ یہ ہے کہ خضر علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں، جبکہ خضر علیہ السلام کو علم باطن کا دوسرا شعبہ حاصل ہونا اس قصہ سے ثابت ہے، اور اوپر معلوم ہوگیا کہ وہ شریعت کے علم سے جو کہ موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا، افضل نہیں۔ رہا موسیٰ علیہ السلام کا ان کے پاس بھیجا جانا تو اس کی بنیاد فضیلت نہیں ہے بلکہ اس امر کی تعلیم اور ادب سکھانا ہے کہ آئندہ بات کرنے میں احتیاط رکھیں اور جہاں قید و شرط کا معاملہ ہو وہاں مطلق نہ بولا کریں۔

بعض کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ اگر پیر یا شیخ کوئی کام شریعت کے خلاف کرے تو اس پر انکار نہ کرے۔ چنانچہ اس قصہ میں حدیث میں آیا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تو اچھا ہوتا۔ اس سلسلہ میں یاد رکھنا چاہئے کہ خضر علیہ السلام کا کمال نص سے خود اللہ تعالیٰ کے حکم سے معلوم تھا، اس لئے خاموش رہنا جائز تھا۔ دوسرے کو ان پر قیاس کرنا غلط ہے۔

بعض کو دھوکہ ہوا ہے کہ الہام کی بنیاد پر شریعت کے خلاف عمل کرنا جائز ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو وہ نبی ہوں گے یا یہ کہ گذشتہ شریعت میں یہ حکم ہوگا۔ مگر اس شریعت میں یہ جائز نہیں۔

بعض اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ قصہ مشہور پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کا نہیں ورنہ ہماری کتابوں میں ہوتا، مگر حدیث میں تصریح ہے کہ یہ واقعہ انہی موسیٰ علیہ السلام کا ہے چونکہ اہل کتاب کی اصل کتابیں گم ہوگئی ہیں اور موجودہ کتابیں وہ ہیں جن میں تحریف ہوگئی ہے، ممکن ہے اصل کتابوں میں رہا ہو یا اگر نہ بھی ہو تو مثبت نفی پر مقدم ہے۔

اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ سفر کیا کہ بنی اسرائیل میں مشہور نہ ہوا؟ جواب یہ ہے کہ یا تو انہیں معلوم ہوا ہو اور شرم کی وجہ سے آپس میں اس کا ذکر کرنا بند کردیا ہو، یا خود موسیٰؑ نے ان کی بد دماغی کے خیال سے اطلاع نہ کی ہو کہ کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہوجائیں اور بنی اسرائیل نے یہ سمجھا ہو کہ کہیں اپنی عادت کے مطابق تشریف لے گئے ہوں گے۔

﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَن ذِي ٱلْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُوا۟ عَلَيْكُم مِّنْهُ ذِكْرًا ۝ إِنَّا مَكَّنَّا لَهُۥ فِى ٱلْأَرْضِ وَءَاتَيْنَٰهُ مِن كُلِّ شَىْءٍ سَبَبًا ۝ فَأَتْبَعَ سَبَبًا ۝﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ میں ان کا ذکر ابھی تمہارے سامنے

بیان کرتا ہوں، ہم نے ان کو روئے زمین پر حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان دیا تھا، چنانچہ وہ ایک راہ پر ہو لئے۔

ربط: اوپر اصحابِ کہف کا قصہ جس سوال کے جواب میں بیان ہوا ہے اسی کے ساتھ ذوالقرنین کے قصہ کے بارے میں اسی نبوت کے امتحان کی غرض سے سوال کیا گیا تھا۔ اب اس کا جواب بیان کیا گیا ہے، جس میں ان کے تین سفروں کا بھی بیان ہے۔

ذوالقرنین کا قصہ:

اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں (اس کے پوچھنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ان کی تاریخ قریب قریب گم تھی اور اسی لئے ان سے متعلق جن امور کی قرآن میں تصریح نہیں کہ وہ اصل مقصد سے زاید تھے ان کے بارے میں آج تک اختلافات پائے جاتے ہیں اور اس واسطے انھوں نے اس کو سوال کے لئے تجویز کیا تھا، لہٰذا اس کا جواب بھی نبوت کی پوری دلیل ہے) آپ فرما دیجئے کہ میں ابھی تمہارے سامنے اس کا قصہ بیان کرتا ہوں۔ آگے حق تعالیٰ کی طرف سے اس قصہ کا بیان شروع ہوا کہ وہ ذوالقرنین ایک ایسے جلیل القدر بادشاہ گذرے ہیں کہ) ہم نے انہیں زمین میں حکومت دی تھی اور ہم نے انہیں ہر قسم کا سامان (کافی) دیا تھا (جس سے وہ اپنے شاہی ارادوں کو پورا کر سکیں)

﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۥ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝﴾

ترجمہ: یہاں تک کہ جب غروب آفتاب کے موقع پر پہنچے تو آفتاب ان کو ایک سیاہ رنگ کے پانی میں ڈوبتا ہوا دکھلائی دیا اور اس موقع پر انھوں نے ایک قوم دیکھی۔ ہم نے یہ کہا کہ اے ذوالقرنین! خواہ سزا دو اور خواہ ان کے بارے میں نرمی کا معاملہ اختیار کرو۔ ذوالقرنین نے عرض کیا کہ لیکن جو ظالم رہے گا سو اس کو تو ہم لوگ سزا دیں گے، پھر وہ اپنے مالک حقیقی کے پاس پہنچایا جاوے گا پھر وہ اس کو سخت سزا دے گا۔ اور جو شخص ایمان لے آوے گا اور نیک عمل کرے گا تو اس کے لئے بدلے میں بھلائی ملے گی۔ اور ہم اپنے برتاؤ میں اس کو آسان بات کہیں گے۔

پہلا سفر:

وہ (مغرب کے ملک کی فتح کی غرض سے) ایک راستہ پر ہو لئے (اور اس راستہ پر سفر کرنا شروع کیا) یہاں تک کہ جب (سفر کرتے ہوئے اور درمیان کے شہروں اور ملکوں کو فتح کرتے ہوئے) سورج کے چھپنے کے موقع پر (یعنی مغرب کی سمت میں آبادی کے آخری حصہ پر) پہنچے تو سورج انہیں ایک سیاہ رنگ کے پانی میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا (اس سے شاید

سمندر مراد ہے کہ اس کا رنگ اکثر مقامات پر سیاہ ہوتا ہے اور اگر چہ سورج حقیقت میں غروب نہیں ہوتا، لیکن جہاں سمندر سے آگے نگاہ نہ جاتی ہو تو ظاہر میں سورج ہی چھپتا ہوا معلوم ہوگا) اور اس موقع پر انھوں نے ایک قوم دیکھی (جن کے کافر ہونے پر اگلی آیت ﴿أَمَّا مَنْ ظَلَمَ﴾ الخ دلالت کرتی ہے) ہم نے الہام کے طور پر یا اس زمانہ کی شریعت کے واسطہ سے) یہ کہا کہ اے ذوالقرنین! (اس قوم کے بارے میں تمہیں دو اختیار ہیں) چاہے (انہیں شروع ہی سے قتل وغیرہ کے ذریعہ سے) سزا دو اور چاہے ان کے بارے میں نرمی کا معاملہ اختیار کرو (یعنی پہلے ایمان کی دعوت دے لو اور شروع ہی میں قتل کرنا شاید اس لئے جائز ہو کہ انہیں کسی ذریعہ سے دعوت پہنچ چکی ہو، لیکن دوسری صورت کو ترجیح کی وجہ سے نرمی کا معاملہ اختیار کرنے سے تعبیر فرمایا) ذوالقرنین نے عرض کیا (کہ بہت اچھا پہلے ایمان کی دعوت ہی دوں گا) لیکن (ایمان کی دعوت کے بعد) جو (ان میں) ظالم (کافر) رہے گا تو اس کو تو ہم لوگ (قتل وغیرہ کی) سزا دیں گے (اور یہ سزا تو دنیا میں ہوگی) پھر (مرنے کے بعد) وہ اپنے حقیقی مالک کے پاس پہنچایا جائے گا، پھر وہ اس کو (جہنم کی) سخت سزا دے گا۔ اور جو شخص (میری ایمان کی دعوت کے بعد) ایمان لے آئے گا اور (دینی قواعد کے مطابق) نیک عمل کرے گا تو اس کے لئے (آخرت میں بھی) بدلے میں بھلائی ملے گی اور ہم (بھی دنیا میں) اپنے برتاؤ میں اس سے آسان (اور نرم) بات کہیں گے (یعنی اس کے ساتھ زبانی سختی سے بھی پیش نہیں آئیں گے اور عملی سختی تو بدرجۂ اولیٰ روا نہ رکھی جائے گی)

فائدہ: ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کوئی مقبول بزرگ بادشاہ ہیں، چاہے نبی ہوں یا ولی، کسی دوسرے نبی کی اتباع کرنے والے۔ پھر ولایت کی صورت میں یہ گفتگو الہام کے طور پر ہوئی ہو یا کسی نبی کے ذریعہ سے اور شاید ذوالقرنین کا لقب اس لئے ہوا ہو کہ قرن جانب کو کہتے ہیں اور دو قرنوں یعنی جانبوں کے لئے لفظ قرنین استعمال ہوتا ہے چونکہ انھوں نے زمین کے کئی جانبوں پر قبضہ وغلبہ حاصل کیا تھا۔ اس لئے ذوالقرنین لقب ہوگیا۔ واللہ اعلم

اور ذوالقرنین کے آئندہ کے دو سفروں میں سزا اور نرمی اختیار کرنے کا یہ مضمون بیان نہیں ہوا، شاید ایک جگہ ذکر کرنے کے بعد باقی موقعوں کو سننے والوں کے قیاس پر چھوڑ دیا ہو اور ان کے معاملہ میں بھی یہی گفتگو ہوئی ہو، یا خود گفتگو کو ان کے قیاس پر چھوڑ دیا ہو کہ یہی برتاؤ وہاں کر لیں گے۔

﴿ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَل لَّهُم مِّن دُونِهَا سِتْرًا ۝ كَذَٰلِكَ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝﴾

ترجمہ: پھر ایک راہ پر ہو لئے۔ یہاں تک کہ جب طلوع آفتاب کے موقع پر پہنچے تو آفتاب کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا جن کے لئے ہم نے آفتاب کے اوپر کوئی آڑ نہیں رکھی یہ قصہ اسی طرح ہے۔ اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا ہم کو اس کی پوری خبر ہے۔

دوسرا سفر:

پھر (مغربی ملک فتح کرنے کے بعد مشرقی ملکوں کو فتح کرنے کے ارادہ سے مشرق کی طرف) ایک (دوسری) راہ پر ہو لئے یہاں تک کہ جب (سفر طے کرکے) سورج نکلنے کے موقع پر (یعنی مشرقی سمت میں آبادی کی آخری حد پر) پہنچے تو سورج کو ایک ایسی قوم پر نکلتے دیکھا (یعنی وہاں ایک ایسی قوم آباد تھی) جن کے لئے ہم نے سورج سے بچنے کا کوئی سامان نہیں رکھا (ظاہر میں یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مکان وغیرہ بنانا نہیں جانتے تھے کہ سورج کی گرمی سے پناہ لے سکیں) ان کا یہ حال تھا اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ (سامان وغیرہ) تھا، ہمیں اس کی پوری خبر ہے۔

فائدہ: یہ مضمون کی تاکید اور تحقیق ہے کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں علم کی بنیاد پر کہہ رہے ہیں اور ہمارا علم واقعہ کے مطابق ہے اور ﴿ ذٰلِكَ ﴾ سے صرف مشرق کی طرف واقعہ کی طرف اشارہ ہو یا مغرب کے سفر کی طرف بھی ہو، شاید اس کے ذریعہ محمد ﷺ کی نبوت پر زیادہ تنبیہ ہو کہ دیکھو گذشتہ زمانہ کی پرانی خبروں کو کس طرح ٹھیک ٹھیک بیان فرماتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ ہم بتاتے ہیں۔

﴿ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝ قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ سَدًّا ۝ قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ رَدْمًا ۝ اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ۝ فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ۝ ﴾

ترجمہ: پھر ایک اور راہ پر ہو لئے۔ یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے درمیان میں پہنچے تو ان پہاڑوں سے اس طرف ایک قوم کو دیکھا جو کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں پہنچتے۔ انھوں نے عرض کیا کہ اے ذوالقرنین قوم یاجوج وماجوج اس سرزمین میں بڑا فساد مچاتے ہیں، سو کیا ہم لوگ آپ کے لئے کچھ چندہ جمع کر دیں، اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان میں کوئی روک بنا دیں؟ ذوالقرنین نے جواب دیا کہ جس مال میں میرے رب نے مجھ کو اختیار دیا ہے وہ بہت کچھ ہے، سو ہاتھ پاؤں سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان میں خوب مضبوط دیوار بنا دوں تو تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ۔ یہاں تک کہ جب ان کے دونوں سروں کے بیچ کو برابر کر دیا تو حکم دیا کہ دھونکو یہاں تک کہ جب ان کو لال انگارا کر دیا تو حکم دیا کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ کہ اس پر ڈال دوں۔ سو نہ تو یاجوج وماجوج اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں نقب دے سکتے تھے۔ ذوالقرنین نے کہا کہ میرے رب کی ایک رحمت ہے پھر جس وقت

میرے رب کا وعدہ آوے گا تو اس کو ڈھا کر برابر کر دے گا اور میرے رب کا ہر وعدہ برحق ہے۔

تیسرا سفر:

پھر (مغرب اور مشرق فتح کرنے کے بعد) ایک اور راستہ پر ہو لئے (چونکہ آبادی شمالی حصہ میں زیادہ ہے، اس لئے غالب گمان ہے کہ اس سے شمال کی سمت مراد ہو، مفسروں نے یہی سمت لکھی بھی ہے) یہاں تک کہ جب (سفر طے کر کے ایک ایسے مقام پر جو) دو پہاڑوں کے درمیان میں (تھا) پہنچے تو ان پہاڑوں میں سے اس طرف ایک قوم کو دیکھا جو (زبان کے انتہائی اجنبی اور سمجھ کے کم ہونے کی وجہ سے) کوئی بات نہیں سمجھ پاتے تھے (یعنی غیر زبان ہونے کی وجہ سے تو بات نہیں سمجھتے اور وحشی اور کم سمجھ ہونے کی وجہ سے سمجھداری کے قریب بھی نہیں پہنچے، ورنہ سمجھدار آدمی اشاروں قرینوں سے کچھ قریب قریب سمجھ لیتا ہے مگر کسی ترجمہ کرنے والے کے ذریعہ سے) انھوں نے (ذوالقرنین سے) عرض کیا کہ اے ذوالقرنین! اس سرزمین میں یاجوج ماجوج کی قوم کے لوگ (جو اس گھاٹی کے اس طرف رہتے ہیں کبھی کبھی آ کر) بڑا فساد مچاتے ہیں (یعنی ہمارے ساتھ قتل و غارت گری اور لوٹ مار کرتے ہیں، اور ہم میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں) تو کیا (آپ اجازت دیتے ہیں کہ) ہم لوگ آپ کے لئے کچھ چندہ جمع کر دیں تا کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان میں کوئی رکاوٹ بنا دیں (کہ وہ پھر آنے نہ پائیں) ذوالقرنین نے جواب دیا کہ جس مال میں میرے رب نے مجھے (تصرف کرنے کا) اختیار دیا ہے وہ بہت کچھ ہے تو (مال کی تو مجھے ضرورت نہیں ہاں) ہاتھ پاؤں سے میری مدد کرو (تو) میں تمہارے اور ان کے درمیان میں خوب مضبوط دیوار بنا دوں (اچھا تو) تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ (ان کی قیمت سرکار سے ملے گی اور ضرورت کی دوسری چیزیں بھی منگائی ہوں گی۔ مگر لوہے کی چادریں ضرورت کی سب سے اہم چیز تھی جو اس وحشی ملک میں سب سے کم پائی جاتی تھیں، اس لئے ان کا خاص طور سے ذکر کیا گیا۔ چنانچہ سب سامان جمع کیا گیا اور دونوں پہاڑوں کے درمیان بنیاد کھود کر اس کو پتھروں وغیرہ سے بھروانے کے بعد اوپر سے یہی لوہے کی چٹانیں رکھنی شروع کر دیں) یہاں تک کہ جب (چادریں ملاتے ملاتے) ان (دونوں) پہاڑوں کے دونوں سروں کے بیچ (کے حصے) کو (پہاڑوں) کے برابر کر دیا تو حکم دیا کہ (آگ) دہکاؤ (آگ دہکنی شروع ہوگئی) یہاں تک کہ جب (دہکاتے دہکاتے) اس کو لال انگارا کر دیا تو (اس وقت) حکم دیا کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ (جو پہلے سے تیار کرایا ہوگا) کہ اس پر ڈال دوں۔ چنانچہ تانبا لایا گیا (اور اوزاروں وغیرہ کے ذریعہ سے اوپر سے چھوڑ دیا گیا کہ وہ تمام درزوں میں گھس کر سب چادریں ایک ساتھ مل جانے سے لوہے کی ایک دیوار بن گئی۔ اس کی لمبائی چوڑائی کے بارے میں اللہ ہی کو بہتر معلوم ہے) تو (اس کی انتہائی اونچائی اور لمبائی چوڑائی کی وجہ سے) نہ تو یاجوج ماجوج اس پر چڑھ سکتے اور نہ ہی (اس کی انتہائی مضبوطی کی وجہ سے) اس میں سوراخ کر سکتے تھے (اور دیوار بنانے کے وقت وہ لوگ اس جگہ سے بہت دور تھے، کیونکہ اس طرف لمبی چوڑی زمین ہے جب) ذوالقرنین نے (اس دیوار کو تیار دیکھا، جس کا تیار ہونا معمولی کام نہ تھا تو شکر

کے طور پر) کہا کہ یہ (دیوار کی تیاری) میرے رب کی ایک رحمت ہے (مجھ پر بھی کہ میرے ہاتھ سے ایسا کام لیا اور اس دیوار کے اس طرف بسنے والوں کے لئے بھی کہ وہ یاجوج ماجوج کے شر سے محفوظ ہو گئے) پھر جس وقت میرے رب کا وعدہ آئے گا (یعنی اس کو ختم کرنے یا مٹانے کا وقت آئے گا) تو اس کو ڈھا کر (زمین کے) برابر کر دے گا۔ اور میرے رب کا ہر وعدہ سچا ہے (اور اپنے وقت پر ضرور پورا ہوتا ہے)

فائدہ: یہ مضمون جناب ذوالقرنین نے اس مختصر انداز میں اس بنا پر فرمادیا کہ ہر چیز مٹنے فنا ہونے والی ہے یا ممکن ہے کہ اگر وہ نبی ہوں تو وحی کے یا الہام کے ذریعہ یا کسی نبی کے خبر دینے سے اس کے ڈھادیئے جانے کا تفصیلی وقت معلوم ہو گیا ہو جو کہ قیامت کے قریب ہے، جیسا کہ حدیثوں میں صراحت اور وضاحت سے آیا ہے۔ اور یہ بات ذوالقرنین نے شاید اس لئے فرمادی ہو کہ آدمی کسی حال میں حق تعالیٰ سے غافل اور کسی سامان پر مغرور نہ ہو، بلکہ نعمت پر شکر کرنے اور اس کے فنا کے خیال اور امکان کو نظر میں رکھے۔

اور جاننا چاہئے کہ کتابیں لکھنے والوں نے یاجوج ماجوج سے متعلق اس دیوار کی تعیین کے بارے میں اپنے اپنے خیالات اور رائیں جمع کی ہیں، اور اس کی تصدیق کے لئے اپنی اپنی باتیں کہی ہیں، لیکن قرآن اور حدیث سے اس کی جو چند خوبیاں معلوم ہوتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کو بنانے والا کوئی اللہ کا مقبول بندہ ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ بڑی قدر والا عظیم شان والا بادشاہ ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ دیوار لوہے کی ہے۔ چوتھے یہ کہ اس کے دونوں سرے پہاڑوں سے ملے ہیں۔ پانچویں یہ کہ اس دیوار کے اس طرف یاجوج و ماجوج ہیں جو ابھی باہر نہیں نکل سکے۔ چھٹے یہ کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں اس میں تھوڑا سا سوراخ ہو گیا تھا۔ ساتویں یہ کہ وہ لوگ روزانہ اس کو چھیلتے ہیں اور وہ اللہ کے حکم سے ویسی ہی موٹی ہو جاتی ہے، اور قیامت کے قریب جب چھیل چکیں گے تو کہیں گے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ کل بالکل آر پار کر دیں گے، چنانچہ اس دن پھر وہ موٹی نہ ہوگی اور اگلے دن وہ اس کو توڑ کر نکل پڑیں گے۔ آٹھویں یہ کہ یاجوج و ماجوج کے آدمی ہونے کے باوجود ان کی قوم عام آدمیوں سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے اور وہ تعداد میں بھی بہت زیادہ ہیں۔ نویں یہ کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں نکلیں گے اور اس وقت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی وحی سے خاص خاص لوگوں کو لے کر طور پہاڑ پر چلے جائیں گے باقی لوگ اپنے اپنے طور پر قلعوں اور محفوظ مکانوں میں بند ہو جائیں گے۔ دسویں یہ کہ وہ اچانک غیر معمولی موت سے مر جائیں گے۔ شروع کی پانچ خوبیاں قرآن سے اور بعد والی پانچ صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتی ہیں۔ لہٰذا جو شخص ان سب خوبیوں کو پیش نظر رکھے گا اسے معلوم ہوگا کہ لوگوں نے جتنی دیواروں کا اپنی اپنی رائے سے پتہ دیا ہے یہ ساری خوبیاں ان میں سے کسی میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ لہٰذا وہ خیالات صحیح معلوم نہیں ہوتے اور حدیثوں کا انکار یا نصوص کی دور دراز کی تاویلیں خود دین کے خلاف ہیں۔

رہا مخالفوں کا یہ شبہ کہ ہم نے ساری زمین کو چھان ڈالا مگر کہیں اس کا پتہ نہیں چلا اور اس شبہ کے جواب کے لئے

ہمارے مصنف لوگوں نے پتہ لگانے کی کوششیں کی ہیں، لیکن اس کا صحیح جواب وہ ہے جو صاحب روح المعانی نے اختیار کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں اس کا موقع ومقام معلوم نہیں اور ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان بڑے سمندر حائل ہوں اور یہ دعوی کرنا کہ ہم ساری خشکی کا احاطہ کر چکے ہیں تسلیم کرنا ضروری نہیں۔ اور عقل کے لحاظ سے یہ جائز ہے کہ امریکہ کی طرح سمندر کے درمیان میں زمین کا کوئی حصہ ایسا ہو جہاں تک نہ پہنچے ہوں اور اس کے نہ پائے جانے سے اس کا موجود نہ ہونا لازم نہیں آتا اور سچے مخبر صادق یعنی خبر دینے والے نبی ﷺ نے جن کا سچا ہونا قطعی دلیلوں سے ثابت ہے، اس دیوار کی مع اس کی خوبیوں کے خبر دی ہے تو ہم پر واجب ہے کہ اس کی تصدیق کریں، جس طرح دوسرے ممکن امور کی خبر دی ہے اور تصدیق ضروری ہے، اور ایسے شک پیدا کرنے والوں کی فضول باتوں کی طرف دھیان دینے کا مقصد محض دین کی کمزوری اور یقین کی کمی ہے اور قرآن میں جنوب کے ذکر کا نہ ہونا شاید اس وجہ سے ہو کہ اس سفر کا اتفاق نہ ہوا ہو یا کسی اور وجہ سے ذکر نہ کیا ہو۔

﴿ وَ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۝ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۝ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝ ﴾

ع ۹

ترجمہ: اور ہم اس روز ان کی یہ حالت کریں گے کہ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جاویں گے اور صور پھونکا جاوے گا پھر ہم سب کو ایک ایک کر کے جمع کر لیں گے۔ اور دوزخ کو اس روز کافروں کے سامنے پیش کر دیں گے۔ جن کی آنکھوں پر ہماری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ سن نہ سکتے تھے سو کیا پھر بھی ان کافروں کا خیال ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز قرار دیں۔ ہم نے کافروں کی دعوت کے لئے دوزخ کو تیار کر رکھا ہے۔ آپ کہئے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کری کرائی محنت سب گئی گزری ہوئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی آیتوں کا اور اس سے ملنے کا انکار کر رہے ہیں۔ سو ان کے سارے کام غارت گئے تو قیامت کے روز ہم ان کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے۔ ان کی سزا وہی ہوگی یعنی دوزخ اس سبب سے کہ

انھوں نے کفر کیا تھا۔ اور میری آیتوں اور پیغمبروں کا مذاق بنایا تھا، بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے ان کی مہمانی کے لئے فردوس کے باغ ہونگے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نہ وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے۔

ربط: اوپر ذوالقرنین کے قصہ کے آخر میں اس دیوار کے فنا ہونے اور یاجوج ماجوج کے نکلنے کی طرف اشارہ کرنے والا قول ہے۔ اب حق تعالیٰ کی طرف سے مذکورہ خروج یعنی ان کے نکلنے کے وقت کی خاص حالت اور عام طور سے دنیا کا فنا ہوکر دوبارہ پیدا ہونا اور اس کے بعد جزاوسزا کا معاملہ اور جو امور واعمال جزاوسزا کے اسباب ہیں مختصر انداز میں ان کا بیان فرماتے ہیں۔ غرض خاص فنا کی مناسبت سے عام فنا اور اس کی مناسبت سے دوسری بقا اور اس کی مناسبت سے جزاوسزا کے اسباب کا ذکر کیا گیا ہے۔

فنا و بقا اور اللہ سے ملاقات کے دن جزاوسزا کا بیان:

اور ہم اس دن (یعنی جب اس دیوار کے ڈھائے جانے کا وقت آئے گا جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور جب یاجوج ماجوج نکلیں گے تو اس دن ہم) ان کی یہ حالت کریں گے کہ وہ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوجائیں گے (کیونکہ وہ بہت بڑی تعداد میں ہوں گے اور ایک دم نکل پڑیں گے) اور (یہ قیامت کے قریب کے زمانہ میں ہوگا، پھر کچھ مدت کے بعد قیامت کا سلسلہ شروع ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک بار صور پھونکا جائے گا جس سے سارا عالم فنا ہوجائے گا، پھر دوبارہ) صور پھونکا جائے گا (جس سے سب زندہ ہوجائیں گے، پھر ہم، سب کو ایک ایک کرکے (حشر کے میدان میں) جمع کرلیں گے اور اس دن جہنم کو کافروں کے سامنے پیش کریں گے، جن کی آنکھوں پر ہماری یاد سے (دنیا میں) یعنی دین حق کے دیکھنے اور سمجھنے سے) پردہ پڑا ہوا تھا، اور = جس طرح حق کو دیکھتے نہ تھے، اسی طرح اس کو) وہ سن بھی نہ سکتے تھے (یعنی حق بات کو ذرا بھی سمجھنا نہ چاہتے تھے) تو (جب یہ بات ثابت ہے کہ کفر پر ایسی سخت وعید کا استحقاق ہے تو) کیا پھر بھی ان کافروں کا خیال ہے کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو (یعنی جو میری ملکیت اور میرے محکوم ہیں، اختیار کے طور پر یا مجبوری کے طور پر ان کو) اپنا کام بنانے والا (یعنی معبود اور ضرورتیں پوری کرنے والا) قرار دیں (جو کہ کھلا کفر اور شرک ہے، یعنی کفر کا عذاب کا سبب ہونا معلوم ہوتے ہوئے بھی کفر کرتے ہیں، خیر وہ جانیں) ہم نے (تو) کافروں کی مہمانی کے لئے جہنم کو تیار کر رکھا ہے (مہمانی کا لفظ طنز کے طور پر فرمایا اور اگر ان کو اپنے ان اعمال پر ناز ہو جن کو وہ اپنے زعم میں اعمال حسنہ یعنی نیک اعمال سمجھتے ہیں، اور اس سبب سے خود کو کفر کے عذاب سے محفوظ اور نجات پانے والا سمجھتے ہوں تو اس بارے میں) آپ (ان سے) کہئے کہ کیا ہم تمہیں ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل گھاٹے میں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں ساری کوشش ومحنت بے کار ہوگئی (جو نیک عمل کی شکل میں کی تھی، اور وہ جہالت کی وجہ سے) اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کررہے ہیں (آگے ان کا مصداق ایسے عنوان سے بتاتے ہیں جس سے ان کی محنت ضائع ہونے کی وجہ بھی معلوم ہوتی ہے اور پھر ان اعمال کے ضائع ہونے کی تصریح بھی فرع کے طور پر فرماتے ہیں یعنی) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی آیتوں

(یعنی اللہ کی کتابوں) کا اور اس سے ملنے (یعنی قیامت کا) انکار کر رہے ہیں تو (اس لئے) ان کے سارے (نیک) کام غارت گئے تو قیامت کے دن ہم ان (کے نیک اعمال) کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے (بلکہ) ان کی سزا وہی ہوگی (جن کا اوپر ذکر کیا گیا) یعنی جہنم کیونکہ انھوں نے کفر کیا تھا (جیسا کہ اوپر بھی معلوم ہوا کہ کفر کا نتیجہ جہنم ہے) اور (اسی کفر کا ایک شعبہ یہ بھی تھا کہ) میری آیتوں اور پیغمبروں کا مذاق اڑایا تھا (آگے ان کے مقابلہ میں ایمان والوں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ) بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے ان کی مہمانی کے لئے فردوس (یعنی جنت) کے باغ ہوں گے۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے (نہ انہیں کوئی نکالے گا) اور نہ وہ وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے۔

﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ ﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر روشنائی ہو تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جاوے اگر چہ اس سمندر کی مثل ایک دوسرا سمندر مدد کے لئے ہم لے آویں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

ربط: اوپر آیت ﴿ اَفَحَسِبَ ﴾ الخ میں توحید کے انکار پر اور آیت ﴿ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴾ الخ میں رسالت کے انکار پر عذاب کے مستحق ہونے اور ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ الخ میں ان کی تصدیق اور اطاعت پر ثواب کے وعدہ کا ذکر تھا۔ اب بھی ﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ ﴾ الخ میں توحید کا اور ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ ﴾ الخ میں رسالت کا ثبوت ہے ﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا ﴾ الخ میں مؤمن کے ثواب کا الفاظ میں اور انکار کرنے والے کے عذاب کا مفہوم کے طور پر ذکر ہے اور اس مضمون پر سورت ختم ہے اور بالکل یہی مضمون سورت کے شروع میں بھی تھا چنانچہ آیتوں کے ملاحظہ کرنے سے واضح ہو سکتا ہے۔

توحید و رسالت مع تصدیق کرنے اور جھٹلانے کی جزا کے:

آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں (یعنی وہ کلمات اور عبارتیں جو اللہ کی صفتوں اور کمالات پر دلالت کرتی ہیں اور ان سے ان کی تعبیر کی جائے تو ایسے کلمات) لکھنے کے لئے سمندر (کا پانی) روشنائی (کی جگہ) ہو (اور اس سے لکھنا شروع کریں) تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے (اور باتیں پوری نہ ہوں) اگر چہ اس سمندر کی طرح ایک دوسرا سمندر اس کی مدد کے لئے ہم لے آئیں (تب بھی وہ باتیں ختم نہ ہوں اور دوسرا سمندر

بھی ختم ہو جائے، لہٰذا اس کے کمال تو کبھی بھی ختم ہونے والے نہیں ہیں اور کوئی بھی گھڑا ہوا معبود ایسا نہیں ہے، لہٰذا معبود اور رب ہونا اسی کے ساتھ خاص ہوا اور) آپ (یوں بھی) کہہ دیجئے کہ (تم جو میرے ساتھ انکار سے پیش آتے ہو تو میں ناممکن یا محال امر کا تو دعویٰ نہیں کرتا، بلکہ) میں تو تم ہی جیسا بشر، انسان ہوں (اس کا اقرار کرتا ہوں۔ فرشتہ وغیرہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا کہ جس سے وحشت ہو۔ اور) میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (برحق) ایک ہی معبود ہے (تو نہ وحی کا آنا کچھ عجیب ہے اور نہ ہی وہ مضمون کچھ وحشت ناک ہے جو وحی کیا جاتا ہے، بلکہ توحید خود عقلی دلیلوں سے بھی ثابت ہے) تو (جب توحید ورسالت ثابت ہوگئی تو) جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے (اور ان کا محبوب ومقرب بننا چاہے) تو (مجھے رسول مان کر میری شریعت کے مطابق) نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے (یعنی توحید ورسالت کا اعتقاد رکھے نفس نجات ہمیشہ کے لئے اس پر موقوف ہے، اور نیک عمل کرے کہ نجات کا کمال اکثر اس پر موقوف ہے اور شرک کے عموم میں شرک خفی یعنی ریا کا داخل ہونا بھی حدیث سے معلوم ہوا۔ لہٰذا اس جز کے اعتبار سے ﴿عَمَلًا صَالِحًا﴾ کے بعد یہ عام کے بعد خاص ہو جائے گا)

فائدہ: چونکہ اللہ کے کمالات میں علمی کمال بھی ہے تو اس سے اللہ کے علوم کا کبھی ختم نہ ہونے والا ہونا بھی معلوم ہوا۔ لہٰذا اس سے یہ یہود کے اس قول کا بھی جواب ہو گیا کہ ہمارا علم تو بہت زیادہ ہے جو انھوں نے روح کے جواب کے ضمن میں آنے والی آیت ﴿وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ سن کر کہا تھا جیسا کہ اللباب میں ہے واللہ اعلم بالصواب۔ جواب کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ کے علوم کے مقابلہ میں سب کم اور تھوڑا ہے۔

لطیفہ: آیت ﴿قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ﴾ الخ کی تفسیر لکھتے ہوئے مجھے اپنے ایک بزرگ یعنی جناب ماموں شوکت علی صاحب مرحوم ومغفور کا ایک مخمس یاد آیا جو اس آیت کے ترجمہ کے درجہ میں ہے، قارئین کی دلچسپی کے لئے اسے نقل کرتا ہوں:

اگر جملہ دریا شود روشنائی ❁ کند کلک اشجار مدحت سرائی
محال از ثنائے تو عہدہ برآئی ❁ ازل تا ابد اے تو فرماں روائی
کرا جز تو در ملک تو بادشاہی

یعنی اگر سارے سمندر روشنائی ہو جائیں، سارے درخت قلم بن کر حمد وثنا کریں، تب بھی تیری حمد وثنا کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ ازل سے ابد تک تیری ہی فرماں روائی ہے۔ تیرے سوا دنیا میں اور کس کی بادشاہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحمت فرمائے۔ واقعی بہت اچھا لکھا ہے۔

﴿بروز عید، میری خوش نصیبی سے نصف سے زائد قرآن کی تفسیر بروز بدھ ۱۵؍رجب سنہ ۱۴۲۴ھ کو پوری ہوئی اللہ تعالیٰ باقی تفسیر کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے اور عید بالائے عید ہو جائے﴾

(۱۹) سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ (۴۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ كٓهٰيٰعٓصٓ ① ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ② اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ③ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ④ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ⑤ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ⑥ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ⑦ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ⑧ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ⑨ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۚ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ⑩ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ⑪ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ⑫ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ⑬ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ⑭ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ⑮ ﴾

ترجمہ: كٓهٰيٰعٓصٓ یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کے مہربانی فرمانے کا اپنے بندہ زکریا پر۔ جبکہ انھوں نے اپنے پروردگار کو پوشیدہ طور پر پکارا۔ عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل پڑی اور آپ سے مانگنے میں اے میرے رب! ناکام نہیں رہا ہوں۔ اور میں اپنے بعد رشتہ داروں سے اندیشہ رکھتا ہوں اور میری بی بی بانجھ ہے سو آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے ایک ایسا وارث دیدیجئے کہ وہ میرا وارث بنے اور یعقوب کے خاندان کا وارث بنے اور اس کو اے میرے رب! پسندیدہ بنائیے۔ اے زکریا! ہم تم کو ایک فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا کہ اس کے قبل ہم نے کسی کو اس کا ہم صفت نہ بنایا ہوگا۔ زکریا نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میرے اولاد کس طور پر ہوگی حالانکہ میری بی بی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کے انتہائی درجہ کو پہنچ رہا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ حالت یوں ہی رہے گی تمہارے رب کا قول ہے کہ یہ مجھ کو آسان ہے اور میں نے تم کو پیدا کیا حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔ زکریا نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میرے لئے کوئی علامت مقرر فرما دیجئے، ارشاد ہوا کہ تمہاری علامت یہ ہے کہ تم تین رات

آدمیوں سے بات نہ کرسکو گے۔ پس حجرے میں سے اپنی قوم کے پاس برآمد ہوئے اوران کواشارہ فرمایا کہ تم لوگ صبح اور شام خدا کی پاکی بیان کیا کرو۔اے یحییٰ! کتاب کومضبوط ہوکرلو،اور ہم نے ان کولڑکپن میں سمجھ اور خاص اپنے پاس سے رقت قلب اور پاکیزگی عطافرمائی تھی اوروہ بڑے پرہیزگاراوراپنے والدین کے خدمت گزار تھےاوروہ سرکشی کرنے والے نافرمانی کرنے والے نہ تھے۔اوران کوسلام پہنچے جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن انتقال کریں گےاور جس دن زندہ ہوکراٹھائے جاویں گے۔

ربط:اس سورت کا خلاصہ تین مضمون ہیں:(۱)توحید کا ثابت کرنا۔چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کا بیان اور ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت اورآخری واقعہ کی بعض آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں (۲) نبوت کوثابت کرنا،اس کا ذکر دوطرح سے ہے:ایک بعض نبیوں کے قصوں کے بیان کے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا کہ نبوت کوئی عجیب وغریب چیز نہیں۔آپ سے پہلے دوسرے حضرات کوبھی یہ دولت عطا ہو چکی ہے۔دوسرے یہ کہ اس کے باوجود کہ آپ نے مخلوق میں سے کسی سے علم حاصل نہیں فرمایا۔گذشتہ زمانہ کی خبریں کس طرح صحیح صحیح بیان فرماتے ہیں جوآپ کے صاحب نبوت اور صاحب وحی ہونے کی دلیل ہے۔تیسرے آخرت کی بحثیں جن میں جزاوسزا کے ذکر کے ساتھ بعث کا انکار کرنے والوں کے بعض شبہات کا بھی جواب ہے۔گذشتہ سورت میں بھی زیادہ تر حصہ انہی مضامین کا تھا۔اور یہ مضامین آپس میں ملے ہوئے اورایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور گذشتہ سورت کے ختم پر جس طرح آپ کی رسالت کا ذکر ہے،اس سورت کے ختم پراسی طرح بعض گذشتہ نبیوں کی نبوت کا مضمون ہے۔چنانچہ اس تقریر سے وہ تمام ربط جو مقصود ہیں،واضح ہو گئے۔واضح رہے کہ اس سورت میں کئی نبیوں علیہم السلام کے قصے بیان کئے گئے ہیں۔

پہلا قصہ حضرت زکریاوحضرت یحییٰ علیہما السلام کا:

﴿ كٓهٰيٰعٓصٓ ﴾(اس کے معنی تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں) یہ(جو قصہ آگے آرہا ہے) آپ کے پروردگار کے اپنے (مقبول) بندہ زکریا(علیہ السلام کے حال) پر مہربانی فرمانے کا ذکر ہے۔جب انھوں نے اپنے پروردگار کو پوشیدہ طور پر پکارا(جس میں یہ) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں (بوڑھاپے کی وجہ سے) کمزور ہوگئیں اور (میرے) سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی(یعنی تمام بال سفید ہوگئے اوراس حالت کا تقاضہ یہ ہے کہ میں اس حالت میں اولاد کی درخواست نہ کروں،مگر چونکہ آپ کی قدرت ورحمت بڑی کامل ہیں) اوراے میرے رب!(میں اس قدرت ورحمت کو ظاہر ہوتا ہمیشہ دیکھتا رہا ہوں۔چنانچہ اس سے پہلے بھی) میں آپ سے (کوئی چیز) مانگ کرکبھی ناکام نہیں رہا ہوں (اس بنا پر مشکل سے مشکل مقصود طلب کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں) اور(اس طلب کی خاص وجہ یہ امر ہوگیا ہے کہ) مجھے اپنے (مرنے کے) بعد(اپنے) رشتہ داروں (کی طرف) سے (یہ) اندیشے ہیں (کہ میری مرضی کے مطابق شریعت اوردین

کی خدمت انجام نہیں دیں گے۔ایسی اولاد کی طلب کے لئے یہ ترجیح کا امر ہے جس میں خاص خاص صفتیں پائی جائیں جن سے دین کی خدمت میں دخل کی توقع ہو) اور (چونکہ میرے بوڑھاپے کے ساتھ) میری بیوی (بھی) بانجھ ہے (جس کے میرے مزاج کی صحت کے باوجود کبھی اولاد نہیں ہوئی۔اس لئے اولاد ہونے کے معمول کے اسباب بھی موجود نہیں ہیں۔لہٰذا (اس صورت میں) آپ مجھے خاص اپنے پاس سے (یعنی معمول کے اسباب کے واسطہ کے بغیر) ایک ایسا وارث (یعنی بیٹا) دیدیجئے کہ وہ (میرے خاص علوم میں (میرا اور میرے بزرگ یعقوب (علیہ السلام کے خاندان (کے وراثت والے علوم میں ان) کا وارث بنے (یعنی اس کو اگلے پچھلے علوم حاصل ہوں) اور (باعمل ہونے کی وجہ سے) اے میرے پروردگار! اسے (اپنا) پسندیدہ (اور مقبول) بنایئے (یعنی عالم بھی ہو اور اس علم پر عمل کرنے والا بھی ہو۔ فرشتوں کے واسطہ سے حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ) اے زکریا! ہم تمہیں ایک فرزند کی خوش خبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا کہ اس سے پہلے (خاص صفتوں میں) ہم نے کسی کو ایسی صفتوں والا نہیں بنایا (یعنی جس علم وعمل کی تم دعا کرتے ہو، وہ تو اس فرزند کو ضرور عطا کردیں گے اور اس سے بھی بڑھ کر کچھ خاص صفتیں بھی عطا کی جائیں گی۔جیسے اللہ کے خوف سے خاص درجہ کی نرم دلی وغیرہ چونکہ دعا کی اس قبولیت میں فرزند کے حاصل ہونے کی کوئی خاص کیفیت نہیں بتائی گئی تھی، اس لئے اس کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے) زکریا (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میرے اولاد کیسے ہوگی حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور (ادھر) میں بوڑھاپے کے انتہائی درجہ کو پہنچ چکا ہوں؟ (چنانچہ معلوم نہیں کہ ہم جوان ہوں گے یا مجھے دوسرا نکاح کرنا پڑے گا یا موجودہ حالت میں ہی اولاد ہوگی) ارشاد ہوا کہ (موجودہ) حالت یوں ہی رہے گی (اور اسی حالت میں اولاد ہوگی، اے زکریا!) تمہارے رب کا کہنا ہے کہ یہ (معاملہ) میرے لئے آسان ہے، اور (یہ کہا) میں تو اس سے بھی بڑا کام کرچکا ہوں۔مثلاً) میں نے تمہیں (ہی) پیدا کیا ہے حالانکہ (پیدائش سے پہلے) تم کچھ بھی نہیں تھے (اسی طرح خود معمول کے اسباب بھی کوئی چیز نہ تھے جب ایسی چیز کو جو بالکل موجود نہ ہو، وجود میں لانا آسان ہے تو ایک موجود سے دوسرے کو موجود کردینا کیا مشکل ہے، یہ سب ارشاد امید کو تقویت پہنچانے کے لئے تھا نہ کہ شبہ کو دور کرنے کے لئے، کیونکہ زکریا علیہم السلام کو کوئی شبہ نہ تھا، جب) زکریا (علیہ السلام) کو قوی امید ہوگئی تو انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب! (وعدہ پر تو اطمینان ہوگیا، اب اس وعدہ کے واقع ہونے کے قرب یعنی حمل قرار پانے کی بھی) کوئی علامت مقرر فرمادیجئے (تاکہ زیادہ شکر کروں اور خود واقع ہونا تو ظاہری محسوسات ہی میں سے ہے) ارشاد ہوا کہ تمہاری (وہ) علامت یہ ہے کہ تم تین رات (اور دن تک) لوگوں سے بات (چیت) نہ کرسکو گے (حالانکہ تندرست ہوگے، کوئی بیماری وغیرہ نہ ہوگی اور اسی وجہ سے اللہ کے ذکر کی قدرت ہوگی، چنانچہ اللہ کے حکم سے زکریا علیہ السلام کی بیوی حاملہ ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کی خبر کے مطابق زکریا علیہ السلام کی زبان بند ہوگئی) چنانچہ حجرے میں سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے اور (چونکہ زبان سے نہیں بول سکتے تھے، اس لئے) انہیں اشارہ سے فرمایا کہ تم لوگ صبح اور شام اللہ کی پاکی بیان کرو

(یہ تسبیح اور تسبیح کا حکم یا تو معمول کے مطابق تھا، جیسے زبان سے یاد دلانے کے لئے کہتے تھے، آج اشارہ سے کہا یا اس نئی نعمت کے شکر میں خود بھی کثرت سے تسبیح فرمائی اور دوسروں کو بھی اس طرح حکم فرمایا۔ غرض پھر یحیٰی علیہ السلام پیدا ہوئے اور شعور کی عمر کو پہنچے تو انہیں حکم ہوا کہ) اے یحیٰی! کتاب (یعنی توریت) کو (کہ اس وقت شریعت کی کتاب وہی تھی اور انجیل بعد میں نازل ہوئی) مضبوط ہو کر اختیار کرلو (یعنی خاص کوشش کے ساتھ اس پر عمل کرو) اور ہم نے انہیں (ان کے) لڑکپن ہی میں (دین کی) سمجھ اور خاص اپنے پاس سے نرم دلی اور (اخلاق کی) پاکیزگی (کی صفت) عطا فرمائی تھی۔ آیت کے لفظ حکم میں علم کی طرف اور حنان اور زکوۃ میں اخلاق کی طرف اشارہ ہوگیا) اور (آگے ظاہری اعمال کی طرف اشارہ فرمایا کہ) وہ بڑے پرہیزگار اور اپنے والدین کے خدمت گذار تھے (اس میں اللہ کے اور بندوں کے دونوں کے حقوق کی طرف اشارہ ہوگیا) اور وہ (مخلوق کے ساتھ) سرکشی کرنے والے (یا حق تعالیٰ کی) نافرمانی کرنے والے نہ تھے اور (اللہ کے نزدیک ایسے عزت واکرام والے تھے کہ ان کے حق میں اللہ کی طرف سے یہ ارشاد ہوتا ہے کہ) انہیں (اللہ تعالیٰ کا) سلام پہنچے۔ جس دن کے وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ انتقال کریں گے اور جس دن (قیامت میں) زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے۔

فائدہ: پوشیدہ دعا اس لئے کی گئی کہ وہ قبولیت سے زیادہ قریب ہوتی ہے، اور لفظ "نادیٰ" سے اعلان کا شبہ نہ ہو، کیونکہ ندا دعا کے معنی میں عام ہے اور فرزند طلب کرنے کی بجائے رشتہ داروں کی اصلاح کی دعا نہ کرنا اس کے باوجود کہ دین کی حفاظت کا ایک طریقہ یہ بھی تھا، شاید اس لئے ہو کہ جو شخص شروع میں نیک وصالح ہو عوام پر اس کے وعظ کا اثر زیادہ ہوتا ہے، اور ﴿ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ﴾ بڑھانا اسی امر پر نقل کی جانے والی دلیل ہے کہ مالی وراثت مراد نہیں ہے کیونکہ یقیناً آیت میں جن رشتہ داروں کا ذکر ہوا ہے وہ یحیٰی علیہ السلام کے مقابلہ میں ان لوگوں سے جن سے وراثت مل رہی ہے، ان سے زیادہ قریب تھے، پھر دور والے کو وراثت کیسے پہنچ سکتی ہے اور نبیوں علیہم السلام کی نظر سے مال ومتاع کا عظیم شان والا ہونا مالی وراثت کے مراد نہ ہونے پر عقلی دلیل ہے۔ ظاہر ہے وہ اس لئے اولاد نہیں مانگ سکتے تھے کہ میرا مال ودولت دوسرے رشتہ داروں کو نہ ملے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ہاں! وہ اپنے مال ودولت کا رشتہ داروں کو نہ ملنا اس لئے چاہ رہے تھے کہ وہ اس کو برے اور گناہ کے کاموں میں خرچ نہ کریں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر وراثت والے پر تو کوئی پکڑ نہیں کہ اس سے بچنے کی فکر ہو، اور لفظ میراث کے مالی میراث کے ساتھ یا اس کی کمائی ہوئی چیز کے ساتھ خاص ہونے کو دونوں کو یہ آیت رد کرتی ہے ﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ﴾۔

اور اس مسئلہ میں اہل سنت کے مذہب کی تائید خود شیعوں کی کتابوں میں موجود ہے چنانچہ روح المعانی میں یہ روایتیں نقل کی گئی ہیں، الکلینی نے الکافی میں ابوالبختری سے اور انھوں نے ابوعبداللہ جعفر الصادق سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: إن العلماء ورثة الأنبياء ولم يورثوا درهما ولا دينارا وإنما ورثوا أحاديث من أحاديثهم فمن أخذ بشيء منها فقد أخذ بحظ وافر اور الکلینی نے کافی میں ابوعبداللہ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ان

سليمان ورث داؤد وأن محمداً صلى الله عليه وسلم ورث سليمان عليه السلام: اور ظاہر ہے حضرت سلیمان سے حضرت محمد کو ملنے والی وراثت کسی بھی طرح مالی وراثت نہیں ہوسکتی۔ اور سورۃ آلِ عمران میں اس دعا کا مریم رضی اللہ عنہا کے پاس خلاف عادت امور کے ظاہر ہونے کے سبب ہونا اس مقام میں ذکر کئے گئے معاملہ کے خلاف نہیں، ممکن ہے اصل رغبت اس معاملہ سے ہوئی ہو اور اظہار ان کے معاملہ کے سبب ہوا ہو، اور اگر یہ شبہ ہو کہ زکریا علیہ السلام کی دعا میں ﴿ يَرِثُنِي ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ میرے بعد بھی رہے اور سورۃ انبیاء میں ﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا قبول ہوئی۔ حالانکہ یحییٰ علیہ السلام پہلے قتل کئے گئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو ﴿ يَرِثُنِي ﴾ ذات کی بقا اور آثار کی بقا کے لئے عام ہے یا ﴿ فَاسْتَجَبْنَا ﴾ بعض اجزاء کے اعتبار سے یا یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے قصہ کا پہلے ہونا ثابت نہیں اور اگر پہلے جواب پر شبہ ہو کہ آثار کا باقی رہنا تو خود حضرت زکریا علیہ السلام کا بھی کافی تھا، لہٰذا اس غرض سے تو ان کے دعا کرنے کی بات نہیں کہی جاسکتی، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ دعا سے مقصود یہ تھا کہ ان کے بعد قوم کی اصلاح کرنے والا ان کا کوئی جانشین باقی رہے کہ اپنی زندگی کی حالت میں تو خود ہی کافی تھے اور وفات کے بعد ان کے آثار کا باقی رہنا ظاہر ہے، تو ممکن ہے کہ یہ جواب دیا جائے کہ چند اصلاح کرنے والوں کی تعلیم اور اسی طرح ان کے بہت سارے آثار کا باقی رہنا ایک مصلح اور ایک آثار کے مقابلہ میں اصلاح میں زیادہ مؤثر اور دیر تک رہنے والا ہوتا ہے۔

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ڰ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ ﴾

ترجمہ: اور اس کتاب میں مریم کا بھی ذکر کیجئے۔ جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے علاحدہ ایک ایسے مکان میں جو مشرق کی جانب تھا، گئیں۔ پھر ان لوگوں کے سامنے انھوں نے پردہ ڈال لیا پس ہم نے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔ اور ان کے سامنے ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ کہنے لگیں کہ میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو خدا ترس ہے۔ فرشتے نے کہا کہ میں تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ وہ کہنے لگیں کہ میرے لڑکا کس طرح ہو جاوے گا حالانکہ مجھ کو کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ یونہی ہو جاوے گا۔ تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بات مجھ کو آسان ہے اور اس طور پر اس لئے پیدا کریں گے تا کہ ہم اس فرزند کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنادیں اور باعث رحمت بنائیں اور یہ ایک طے شدہ بات ہے۔

دوسرا قصہ: حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام کا:

اور (اے محمد ﷺ) اس کتاب (یعنی قرآن کے اس خاص حصہ یعنی سورت) میں مریم (علیہا السلام) کا بھی ذکر کیجئے (کہ اوپر جو قصہ بیان کیا گیا اس سے خاص مناسبت رکھتا ہے اور وہ اس وقت واقع ہوا) جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ (ہوکر) ایک ایسے مکان میں گئیں جو مشرق کی جانب تھا، پھر ان (گھر کے) لوگوں کے سامنے سے (درمیان میں) پردہ ڈال لیا، چنانچہ (اس حالت میں) ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام) کو بھیجا اور وہ (فرشتہ) ان کے سامنے (ہاتھ پاؤں اور حسن و جمال سے) ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا (چونکہ حضرت مریم نے اس کو آدمی سمجھا اس لئے گھبرا کر) کہنے لگیں کہ میں تجھ سے (اپنے اللہ) رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں، اگر تو (کچھ) اللہ سے ڈرنے والا ہے (تو یہاں سے ہٹ جا) فرشتے نے کہا کہ (میں آدمی نہیں ہوں کہ تم مجھ سے ڈرتی ہو بلکہ) میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں (اس لئے آیا ہوں کہ) تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا دوں (یعنی تمہارے منہ میں یا گریبان میں دم کردوں کہ اس کے اثر سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حمل رہ جائے گا اور لڑکا پیدا ہو) وہ (تعجب سے) کہنے لگیں (نہ کہ انکار کے طور پر) کہ (بھلا) میرے لڑکا کس طرح ہوجائے گا۔ حالانکہ) عام عادت کی شرطوں میں سے ایک مرد و عورت کا ملنا بھی ہے اور وہ بالکل نہیں ہوا، کیونکہ) مجھے کسی آدمی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا (یعنی نہ تو نکاح ہوا) اور نہ میں بدکار ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ (بس آدمی کے چھوئے بغیر) یوں ہی (لڑکا) ہوجائے گا (اور میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ) تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بات (کہ عام عادت والے اسباب کے بغیر پیدا کردوں) میرے لئے آسان ہے اور یہ (بھی فرمایا کہ ہم عادت والے اسباب کے بغیر) اس طرح اس لئے پیدا کریں گے تاکہ ہم اس فرزند کو لوگوں کے لئے (اللہ کی قدرت پر استدلال کے لئے (قدرت کی) ایک نشانی بنادیں۔ اور (اس کے ذریعہ سے لوگوں کے ہدایت پانے کے لئے اس کو) رحمت کا ذریعہ بنائیں اور یہ (اس بچہ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا) ایک طے کی ہوئی بات ہے (جو ضرور ہوگی)

فائدہ: حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا رہنا سہنا پہلے مسجد سے متعلق مکانوں میں تھا، لہٰذا اگر یہ اس وقت جوان تھیں تب تو اپنی خالہ حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کے پاس ان کے گھر میں آکر رہی ہوں گی اور اگر جوان نہ تھیں جیسا کہ بعض کا قول ہے تو غسل کے لئے گھر آئی ہوں گی اور غسل کو مفسروں نے روایت کے طور پر بھی نقل کیا ہے اور ﴿فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا﴾ بھی اس پر قرینہ ہے۔ واللہ اعلم

اور پہلی نظر میں فرشتہ کو نہیں پہچانا، مگر ان کی بات سن کر سمجھ داری کی وجہ سے یقین آگیا، لہٰذا یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے صرف ان کے دعویٰ کی وجہ سے کیسے قبول کرلیا، اور خاص اس غرض کے لئے فرشتے کے آنے اور بات کرنے سے حضرت مریم کا نبی ہونا لازم نہیں آتا اور کوئی شکل اختیار کرنے سے فرشتہ کی حقیقت کا ختم ہونا لازم نہیں آتا۔ اس حقیقت کے اعتبار سے یہ شکلیں ایسی ہیں جیسے ہمارے اعتبار سے مختلف لباس۔ اور شکل اختیار کرنے کے امکان پر یہ شبہ

نہیں ہوسکتا کہ ہر شخص میں احتمال ہے کہ شاید اس شخص کی شکل میں کوئی اور مخلوق ہو، کیونکہ ایسے امور بہت ہی کم واقع ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ احتمال بالکل بغیر دلیل کے پیدا ہوا ہے جو عقل اور اصل کے لحاظ سے اعتبار کے قابل نہیں اور شاید فرشتہ کی صورت میں ظاہر نہ ہونے میں یہ حکمت ہو کہ ڈر نہ جائیں اور خاص طور سے آدمی کی شکل اس لئے اختیار کی کہ جنس کو جنس سے انسیت ہوتی ہے اور مکان کی مشرقی جانب ہونا اتفاقیہ تھا نہ کہ کسی خاص مقصد کے تحت۔

﴿ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝ ﴾

ترجمہ: پھر ان کے پیٹ میں لڑکا رہ گیا، پھر اس حمل کو لئے ہوئے کسی دور جگہ میں الگ چلی گئیں۔ پھر دردِ زہ کے مارے کھجور کے درخت کی طرف آئیں کہنے لگیں: کاش میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور ایسی نیست ونابود ہوجاتی کہ کسی کو یاد بھی نہ رہتی۔ پس جبرئیل نے ان کی پائیں سے ان کو پکارا کہ تم مغموم مت ہو، تمہارے رب نے تمہاری پائیں میں ایک نہر پیدا کردی ہے۔ اور اس کھجور کے تنہ کو اپنی طرف ہلاؤ اس سے تم پر خرما تر وتازہ جھڑیں گے۔ پھر کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ پھر اگر تم آدمیوں میں سے کسی کو بھی دیکھو تو کہہ دینا کہ میں نے اللہ کے واسطے روزے کی منت مان رکھی ہے، سو میں آج کسی آدمی سے نہیں بولوں گی۔

حمل اور بچہ پیدا ہونے کا قصہ:

پھر (اس گفتگو کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماردی جس سے انہیں لڑکے کا حمل رہ گیا، پھر (جب انہیں بچہ پیدا ہونے کی علامتیں معلوم ہوئیں تو) اس حمل کو لئے ہوئے (اپنے گھر سے) کسی دور جگہ (جنگل پہاڑ میں) الگ چلی گئیں پھر (جب درد شروع ہوا تو) بچہ جننے کے درد کے مارے کھجور کے درخت کی طرف آئیں (کہ اس کے سہارے اٹھیں بیٹھیں۔ ظاہر ہے یہاں ایسی حالت تھی کہ نہ کوئی ساتھی نہ ہمدرد، درد سے بے چین۔ ایسے وقت راحت وضرورت کا جو سامان ہونا چاہئے وہ بھی نہیں، ادھر بچہ پیدا ہونے پر لوگوں کی طرح طرح کی باتیں بنانے کا خیال، آخر گھبرا کر) کہنے لگیں۔ کاش! میں اس (حالت) سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور ایسی بے نام ونشان ہوجاتی کہ کسی کو یاد بھی نہ رہتی، لہٰذا (اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے) جبرئیل (علیہ السلام) پہنچے اور ان کے احترام کی وجہ سے سامنے نہیں گئے۔ بلکہ جس مقام پر حضرت مریم تھیں اس سے نیچے اوٹ میں آئے اور انھوں) نے انہیں نیچے کی طرف سے پکارا (جس کو حضرت مریم نے پہچان لیا کہ یہ اسی فرشتہ کی آواز ہے جو پہلے ظاہر ہوا تھا) کہ تم (کوئی سامان نہ ہونے یا بدنامی کے خوف

سے) غم زدہ مت ہو(کیونکہ سامان کا تو یہ انتظام ہوا ہے کہ) تمہارے رب نے تمہاری (جگہ سے) نیچے کی طرف ایک نہر پیدا کر دی ہے (جس کے دیکھنے اور پانی پینے سے طبعی سکون و فرحت ہو۔ اور روح المعانی کی روایت کے مطابق انہیں اس وقت پیاس بھی لگی ہوئی تھی، اور طبی مسئلہ کے مطابق بچہ کی ولادت سے پہلے گرم چیزوں کا یا بعد میں مسہل چیزوں کا استعمال فضلات کو دور کرنے میں مددگار اور طبیعت کو تقویت پہنچانے والا بھی ہے۔ اور اگر پانی میں گرمی بھی ہو جیسا کہ بعض چشموں میں دیکھا جاتا ہے تو یہ اور زیادہ مزاج کے مطابق ہوگا، اور کھجور میں غذائیت زیادہ ہے، یہ خون پیدا کرنے والا، جسم کو موٹا کرنے والا اور گردہ، کمر اور جوڑوں کے لئے مقوی ہونے کی وجہ سے زچہ کے لئے بہترین غذا اور بہترین دوا ہے۔ اور حرارت کی وجہ سے جو اس کا نقصان ہے تو ایک تو تازہ میں حرارت کم ہے، دوسرے پانی سے اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ تیسرے نقصان اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ عضو میں کمزوری ہو ورنہ کوئی بھی چیز کچھ نہ کچھ نقصان سے خالی نہیں ہوتی اور طبیعت کی قوت کے ساتھ اطاعت کرنے والوں کے لئے عادت کے خلاف امور کا کرامت کی علامت اور اللہ کے نزدیک قبول ہونا روحانی خوشی کا سبب بھی ہے) اور اس کھجور کے تنے کو (پکڑ کر) اپنی طرف کو ہلاؤ۔ اس سے تم پر تازہ کھجور جھڑیں گے (کہ اس سے بھی پھل کے کھانے میں جسمانی لذت اور عادت کے خلاف پھل کے آنے میں روحانی لذت جمع ہے) پھر (اس پھل کو) کھاؤ اور (وہ پانی) پیو اور (بچہ کے دیکھنے سے) آنکھیں ٹھنڈی کرو، اور (کھانے پینے سے اور اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کی علامت سے خوش رہو) پھر (جب بدنامی کا موقع آئے یعنی کسی آدمی کو اس بچہ کے پیدا ہونے کی خبر ہو تو اس کا انتظام یہ ہوا ہے کہ) اگر تم کسی آدمی کو آتا اور اعتراض کرتا) دیکھو تو (تم کچھ مت بولنا بلکہ اس سے اشارہ سے) کہہ دینا کہ میں نے تو اللہ کے واسطے (ایسے) روزہ کی منت مان رکھی ہے (جس میں بولنا منع ہے) تو میں آج (دن بھر) کسی آدمی سے نہیں بولوں گی (اور اللہ کے ذکر اور دعا میں مشغول ہونا اور بات ہے۔ لہٰذا تم اتنا جواب دے کر بے فکر ہو جانا اللہ تعالیٰ اس نیک بخت بچہ کو عادت کے خلاف یعنی معجزہ کے طور پر بلا دے گا۔ جس سے پاکی اور معصومیت کی دلیل کا معجزہ ظاہر ہو جائے گا، غرض ہر غم کا علاج ہو گیا۔

فائدہ: یہ موت کی تمنا اگر دنیا کے غم سے تھی تب تو حال کے غلبہ کو اس کا عذر کہا جائے گا جس آدمی میں تمام وجہوں سے مکلف نہیں رہتا اور اگر دین کے غم سے تھا کہ لوگ بدنام کریں گے اور شاید مجھ سے اس پر صبر نہ ہو سکے تو بے صبری کے گناہ میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ اور موت کی وجہ سے اس گناہ سے حفاظت رہتی تو ایسی تمنا منع نہیں ہے، اور اگر شبہ ہو کہ حضرت مریم سے جو کہا گیا کہ تم کہہ دینا کہ میں نے نذر کی ہے تو انھوں نے نذر تو کی نہ تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے یہ حکم بھی معلوم ہو گیا کہ تم نذر کر لو اور اس کو ظاہر کر دینا۔ اور روزہ میں بولنا بند کرنے کا حکم ان کی شریعت میں تھا، ہماری شریعت میں منسوخ ہو چکا ہے، جیسا کہ ابو داؤد میں مرفوعاً روایت ہے: لايتم بعد احتلام ولا صمات يوم إلى الليل: اور اس کو سیوطی اور عزیزی نے حسن قرار دیا ہے اور بچہ کی پیدائش کی تکلیف میں پانی اور کھجور کا استعمال طب کے لحاظ سے بھی مفید

ہے۔اور کھانے و پینے کا حکم بظاہر مباح کے طور پر معلوم ہوتا ہے۔واللہ اعلم

اور مرد کے واسطہ کے بغیر حمل کا ٹھہرنا اور بچہ کا پیدا ہونا عادت کے خلاف یعنی معجزہ ہے اور عادت کے خلاف میں چاہے جتنا خلاف ہو کوئی حرج نہیں لیکن اس میں اس وجہ سے زیادہ خلاف بھی نہیں کہ طب کی کتابوں کی تصریح کے مطابق عورت کی منی میں منعقدہ کی قوت کے ساتھ عاقدہ کی قوت بھی ہے اس لئے رجا کی بیماری میں اعضاء کی کچھ ادھوری صورت بھی بن جاتی ہے جیسا کہ القانون میں اس کی تصریح ہے، اس لئے اگر یہی قاعدہ کی قوت اور بڑھ جائے تو زیادہ عجیب بات نہیں ہے۔

﴿فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا ۝ یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ۝ فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ۝ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ۫ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ۝ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ۝﴾

ترجمہ: پھر وہ ان کو گود میں لئے ہوئے اپنی قوم کے پاس لائیں، لوگوں نے کہا: اے مریم! تم نے بڑے غضب کا کام کیا۔اے ہارون کی بہن! تمہارے باپ کوئی برے آدمی نہ تھے اور نہ تمہاری ماں بدکار تھیں، پس مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کردیا۔وہ لوگ کہنے لگے کہ بھلا ہم ایسے شخص سے کیونکر باتیں کریں جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے۔وہ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھ کو کتاب دی اور اس نے مجھ کو نبی بنایا اور مجھ کو برکت والا بنایا، میں جہاں کہیں بھی رہوں اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں زندہ ہوں۔اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گذار بنایا اور اس نے مجھ کو سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔اور مجھ پر سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز مروں گا اور جس روز میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔

قوم کی طرف سے ملامت اور عیسیٰ علیہ السلام کے جواب سے قصہ کا تتمہ:

(غرض مریم علیہا السلام کی اس کلام سے تسلی ہوئی اور عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے) پھر وہ ان کو گود میں لئے ہوئے (وہاں سے بستی کی طرف چلیں اور) اپنی قوم کے پاس لائیں، لوگوں نے (جب دیکھا کہ ان کی شادی تو ہوئی نہیں تھی، یہ بچہ کیسے ہوگیا تو بدگمان ہوکر) کہا اے مریم! تم نے بہت برا کام کیا (یعنی نعوذ باللہ، بدکاری کی اور یوں تو بدکاری کوئی بھی کرے یہ برا ہی ہے، لیکن تمہارا ایسا کرنا غضب کی بات ہے، کیونکہ) اے ہارون کی بہن! (تمہارے خاندان میں کبھی کسی نے ایسا نہیں کیا۔چنانچہ) تمہارے باپ کوئی برے آدمی نہیں تھے (کہ ان سے یہ اثر تم میں آیا ہو) اور نہ ہی تمہاری ماں

بدکار تھیں (کہ ان سے یہ اثر تم میں آیا ہو، پھر ہارون جو تمہارے رشتہ کے بھائی ہیں، جن کا نام ہارون نبی کے نام پر رکھا گیا ہے، وہ کیسے نیک آدمی ہیں۔ غرض جس کا سارا خاندان پاک صاف ہو، اس سے یہ حرکت ہونا کتنا بڑا غضب ہے) تب مریم (علیہا السلام) نے (یہ ساری بات سن کر کچھ جواب نہ دیا، بلکہ) بچہ کی طرف اشارہ کردیا (کہ جو کچھ کہنا ہو، اس سے کہو۔ یہ جواب دے گا) وہ لوگ (سمجھے کہ یہ ہمارا مذاق اڑا رہی ہیں) کہنے لگے کہ بھلا ہم اس سے کیسے بات کریں جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے (کیونکہ بات اس سے کی جاتی ہے جو خود بات چیت کرتا ہو، جب یہ بچہ ہے اور بات چیت نہیں کرسکتا تو اس سے کیا بات کریں، مگر) وہ بچہ (خود ہی) بول اٹھا کہ میں اللہ کا (خاص) بندہ ہوں (نہ تو اللہ ہوں جیسا کہ جاہل عیسائی سمجھیں گے اور نہ ہی غیر مقبول ہوں جیسا کہ یہود سمجھیں گے۔ اور میرے بندہ ہونے اور پھر خاص ہونے کے یہ آثار ہیں کہ) اس نے مجھے کتاب (یعنی انجیل) دی (یعنی اگرچہ آئندہ دے گا مگر یقینی ہونے کی وجہ سے ایسا ہی ہے جیسے دیدی) اور اس نے مجھے نبی بنایا (یعنی بنائے گا) اور مجھے برکت والا بنایا (یعنی مجھ سے مخلوق کو دین کا نفع پہنچے گا) میں جہاں کہیں بھی ہوں (گا، مجھ سے برکت پہنچے گی، وہ نفع، دین کی تبلیغ ہے، چاہے کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔ انھوں نے تو نفع پہنچا ہی دیا) اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا، جب تک میں (دنیا میں) زندہ رہوں (اور ظاہر ہے کہ آسمان پر جانے کے بعد مکلّف اور پابند نہیں رہے اور یہ بندہ ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ خصوصیت کی اور دلیلیں ہیں) اور مجھے میری والدہ کا خدمت گذار بنایا (اور چونکہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اس لئے صرف والدہ کا ذکر کیا) اور اس نے مجھے سرکش بدبخت نہیں بنایا (کہ خالق کا حق ادا کرنے سے یا والدہ کا حق ادا کرنے سے سرکشی کروں یا حقوق اور اعمال ترک کر کے بدبختی خریدلوں) اور مجھ پر (اللہ کی جانب سے) سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا (کہ وہ زمانہ آسمان سے نازل ہونے کے بعد قیامت کے قریب کا ہوگا) اور جس دن میں (قیامت میں) زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا (اور اللہ کا سلام خاص بندہ ہونے کی دلیل ہے)

فائدہ: عیسیٰ علیہ السلام کی جو صفتیں اور احوال آیت میں بیان ہوئے ان سے حضرت مریم علیہا السلام کی پاکی اور پاکبازی ثابت ہوگئی جو عادت کے خلاف اس بولنے سے مقصود تھا، جس میں سب سے بڑھ کر مطلب پر دلالت ہونے میں نبوت کی صفت ہے، کیونکہ نبوت کے ساتھ نسب کا فساد و بگاڑ جو کہ اعلیٰ درجہ کی شرم کا سبب ہے، جمع نہیں ہوتا اور نبوت عطا کرنے کا ٹھوس ثبوت اس عادت کے خلاف بولنے سے ہوتا ہے، کیونکہ بے گناہ سے عادت کے خلاف امر کا ہونا مقبولیت کی دلیل ہے اور مقبول ہونا جھوٹا ہونے کے خلاف ہے۔

اور قادیانیوں نے ما دمت سے جو استدلال کیا ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو اس آیت کے مطابق آسمان پر بھی نماز اور زکوٰۃ کے مکلّف ہوں گے اور اس کا لازم ہونا باطل ہے۔ اس کا جواب ترجمہ کے ساتھ ''دنیا میں'' کی قید لگانے سے ہوگیا۔ فقط۔ اور اگر یہ ثابت ہو کہ نبیوں پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی تو ﴿ اَوْصٰنِیْ ﴾ سے مراد اس کا شریعت میں ہونا ہوگا۔

چاہے امت ہی کے لئے ہو۔

﴿ ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝ مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ ۖ سُبْحٰنَهُ ۚ إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ وَإِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا ۖ لٰكِنِ الظّٰلِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلٰلٍ مُبِينٍ ۝ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۝﴾ ع

ترجمہ: یہ ہیں عیسیٰ بن مریم، میں سچی بات کہہ رہا ہوں جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ اولاد اختیار کرے۔ وہ پاک ہے۔ وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بس اس کو اتنا فرمادیتا ہے کہ "ہو جا" سو وہ ہو جاتا ہے۔ اور بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، سو اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے، سو مختلف گروہوں نے باہم اختلاف ڈال لیا۔ سو ان کافروں کے لئے ایک بڑے دن کے آنے سے بڑی خرابی ہے، جس روز یہ لوگ ہمارے پاس آویں گے کیسے کچھ شنوا اور بینا ہو جاویں گے لیکن یہ ظالم آج صریح غلطی میں ہیں۔ اور آپ ان لوگوں کو حسرت کے دن سے ڈرایئے جبکہ اخیر فیصلہ کر دیا جاوے گا اور وہ لوگ غفلت میں ہیں اور وہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ تمام زمین اور زمین کے رہنے والوں کے ہم ہی وارث رہ جاویں گے اور یہ سب ہمارے پاس ہی لوٹائے جاویں گے۔

ربط: اب عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے مضمون پر توحید کی تفریع ہے اور اس کے ساتھ قیامت کے ذکر سے توحید کا انکار کرنے والوں کی مذمت ہے۔

توحید کی تفریع اور عناد رکھنے والے کافر کی مذمت:

یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم کے بیٹے (جن کی باتوں اور حالات کا ذکر ہوا۔ جس سے ان کا مقبول بندہ ہونا معلوم ہوتا ہے نہ یہ کہ جیسے عیسائیوں نے انہیں عبدیت یعنی بندوں سے نکال کر اللہ کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ اور نہ ہی وہ جیسا کہ یہودیوں نے مقبولیت سے نکال کر ان پر طرح طرح کی تہمتیں لگائی ہیں) میں یہ (بالکل) سچی بات کہہ رہا ہوں، جس میں یہ (کمی وزیادتی کرنے والے لوگ جھگڑ رہے ہیں) چنانچہ یہود و نصاریٰ کے اقوال اوپر معلوم ہوئے اور چونکہ یہود کا قول ظاہر میں بھی نبی میں عیب نکالنے کا سبب تھا جو کہ واضح طور پر باطل ہے، اس لئے عیسائیوں کے قول کے برخلاف اس جگہ اس کے رد کی طرف توجہ نہیں فرمائی، کہ ظاہر میں کمال کی زیادتی کو ثابت کرنے والا تھا کہ نبوت کے ساتھ حق تعالیٰ کی نبوت ثابت کرتے تھے۔ اس لئے آگے اس کو رد فرماتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں توحید کے انکار کی وجہ سے حق تعالیٰ کو عیب لگانا لازم آتا ہے، حالانکہ) اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ (کسی کو) اولاد اختیار کرے وہ (ایسی باتوں سے

بالکل) پاک ہے (کیونکہ اس کی شان یہ ہے کہ) وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے بس اتنا فرما دیتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے (اور ایسے کمال کے لئے اولاد ہونا عقل کے لحاظ سے عیب ہے) اور (آپ توحید کی وضاحت کے لئے لوگوں سے فرما دیجئے کہ مشرک بھی سن لیں کہ) بے شک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے تو (صرف) اس کی عبادت کرو (اور) یہی (خالص اللہ کی عبادت کرنا یعنی توحید اختیار کرنا دین کا) سیدھا راستہ ہے تو (توحید پر عقلی و نقلی دلیلوں کے قائم ہونے کے باوجود اس بارے میں) مختلف گروہوں نے آپس میں اختلاف ڈال لیا (یعنی توحید کا انکار کرکے طرح طرح کے مذہب گھڑ لیے) تو ان کافروں کے لئے ایک بڑے (بھاری) دن کے آنے سے بڑی خرابی (ہونے والی) ہے اس سے قیامت مراد ہے کہ وہ دن لمبے اور سخت ہونے کے اعتبار سے عظیم ہوگا) جس دن یہ لوگ (حساب کتاب اور جزا و سزا کے لئے) ہمارے پاس آئیں گے (اس دن) کیسے سننے والے اور دیکھنے والے ہوجائیں گے (کیونکہ قیامت میں یہ حقیقتیں سامنے آجائیں گی اور ساری غلطیاں دور ہوجائیں گی) لیکن یہ ظالم آج (دنیا میں کیسی) کھلی غلطی میں (مبتلا ہو رہے) ہیں اور آپ ان لوگوں کو حسرت کے دن سے ڈرایئے جبکہ (جنت اور جہنم کا) آخری فیصلہ کردیا جائے گا (جس کا ذکر حدیث میں ہے کہ جنت اور جہنم والوں کو موت دکھا کر اس کو ذبح کردیا جائے گا اور دونوں طبقوں کو اپنی اپنی جگہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنے کا حکم سنا دیا جائے گا، اس کو شیخین یعنی بخاری و مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس وقت کی حسرت کا بے حد ہونا ظاہر ہے) اور وہ لوگ (آج دنیا میں) غفلت میں (پڑے) ہیں اور وہ لوگ ایمان نہیں لاتے (لیکن آخر ایک دن مریں گے اور تمام زمین اور زمین پر رہنے والوں کے وارث (یعنی آخر کار مالک) ہم ہی رہ جائیں گے اور یہ سب ہمارے ہی پاس لوٹائے جائیں گے (پھر اپنے کفر اور شرک کی سزا بھگتیں گے)

فائدہ: ﴿اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا﴾ الخ سے اولاد اختیار کرنے کے امتناع پر استدلال کا بیان سورۃ البقرہ آیت ۱۱۴ کی تفسیر میں گذر چکا ہے اور حسرتیں مذکورہ وقت سے پہلے بھی ہوں گی۔ لیکن اس وقت کی حسرت سب سے اعظم ہوگی۔ اور ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ﴾ الخ سورۂ زخرف کی ان آیتوں کو دیکھتے ہوئے جو عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں آئی ہیں، ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس سے پہلے قال مانا جائے یعنی بچہ ہونے کی حالت میں وہ کہا جس کا ذکر اوپر ہوا اور پھر نبوت کے بعد یہ فرمایا ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ﴾ الخ۔ اور احزاب یعنی گروہوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوئے۔ واللہ اعلم

﴿وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِبْرٰهِیْمَ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْــٴًـا ۝ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا ۝ یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا ۝ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا ۝﴾

ترجمہ: اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے۔ وہ بڑے راستی والے اور پیغمبر تھے۔ جب کہ انھوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ! تم ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتے ہو جو نہ کچھ سنے اور نہ کچھ دیکھے اور نہ تمہارے کچھ کام آسکے۔ اے میرے باپ! میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا تو تم میرے کہنے پر چلو۔ میں تم کو سیدھا راستہ بتلاؤں گا۔ اے میرے باپ! تم شیطان کی پرستش مت کرو۔ بیشک شیطان، رحمٰن کا نافرمانی کرنے والا ہے۔ اے میرے باپ! میں اندیشہ کرتا ہوں کہ تم پر رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب نہ آپڑے۔ پھر تم شیطان کے ساتھ ہو جاؤ۔

تیسرا قصہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا:

(قصوں کے ربط کی وجہ سورت کی تمہید میں گذر چکی ہے) اور (اے محمد ﷺ) آپ اس کتاب (یعنی قرآن) میں (لوگوں کے سامنے حضرت) ابراہیم (علیہ السلام کے قصہ) کا ذکر کیجئے (تا کہ توحید اور رسالت کا مسئلہ ان کے سامنے اچھی طرح کھل کر آجائے) وہ (ہر قول وعمل میں) بڑے سچائی والے (تھے) اور وہ نبی تھے (اور یہ قصہ جس کا ذکر آگے کیا جارہا ہے، اس وقت ہوا تھا) جب انھوں نے اپنے باپ سے (جو کہ مشرک تھا) کہا کہ اے میرے ابا جان! آپ (ایسی چیز کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ کچھ سنتی ہے اور نہ ہی کچھ دیکھتی ہے اور نہ ہی تمہارے کچھ کام آسکتی ہے (اس سے بت مراد ہیں، حالانکہ اگر کوئی کچھ دیکھتا، سنتا اور کام بھی آتا ہو مگر واجب الوجود نہ ہو یعنی اس کا خود اپنا وجود نہ ہو دوسرے کا بخشا ہوا ہو اور ہمیشہ سے نہ ہو، کبھی پیدا ہوا ہو اور ہمیشہ نہ رہے یعنی اس کے کبھی ختم وفنا ہونے مرنے کا امکان ہو تب بھی عبادت کے لائق نہیں، کہاں یہ کہ ان صفتوں سے بھی خالی ہو وہ تو بالکل ہی عبادت کے لائق نہ ہوگا) اے میرے ابا جان! میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا (اس سے وحی مراد ہے جس میں غلطی کا امکان ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، بالکل حق ہے، جب یہ بات ہے) تو آپ میرے کہنے پر چلئے، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا (اور وہ توحید ہے) اے میرے ابا جان! آپ شیطان کی بندگی نہ کریں (یعنی شیطان کو اور اس کی عبادت کو تو آپ بھی برا سمجھتے ہیں اور بت پرستی میں یقیناً شیطان پرستی ہے کہ وہی یہ حرکت کراتا ہے اور کسی کی ایسی اطاعت کرنا کہ حق تعالیٰ کے مقابلہ میں اس کی تعلیم کو بھی حق سمجھے، یہی عبادت ہے، لہٰذا بت پرستی میں شیطان پرستی ہوتی ہے اور) بے شک شیطان (حضرت) رحمٰن کی نافرمانی کرنے والا ہے (تو وہ اطاعت کے لائق کیسے ہوسکتا ہے) اے میرے ابا جان! مجھے اندیشہ ہے (اور وہ اندیشہ یقینی ہے) کہ آپ پر رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب نہ آپڑے (چاہے دنیا میں یا آخرت میں) پھر آپ (عذاب میں) شیطان کے ساتھی ہو جائیں (یعنی جب آپ اطاعت میں اس کا ساتھ دیں گے تو خود سزا میں بھی اس کا ساتھ ہوگا، چاہے شیطان کو دنیا میں عذاب نہ ہوا ہو اور اس شیطان کے ساتھ اور عذاب میں اس کے ساتھ شرکت کو کوئی سمجھ دار اور اپنا بھلا چاہنے والا پسند نہ کرے گا)

فائدہ: اور عذاب کے ساتھ ﴿ مِّنَ الرَّحْمٰنِ ﴾ کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ وہ رحمٰن ہے مگر یوں نہ سمجھنا کہ کفر پر سزا نہ دے گا بلکہ رحمٰن ہونے کے باوجود اس پر سزا دے گا۔

﴿ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝ ﴾

ترجمہ: باپ نے جواب دیا کہ کیا تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہوا اے ابراہیم؟ اگر تم باز نہ آئے میں ضرور تم کو مار پتھروں کے سنگسار کروں گا اور ہمیش ہمیش کے لئے مجھ سے برکنار رہو۔ ابراہیم نے کہا: میرا اسلام لو، اب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی درخواست کروں گا، بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ اور میں تم لوگوں سے اور جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کررہے ہو ان سے کنارہ کرتا ہوں اور اپنے رب کی عبادت کروں گا امید ہے کہ اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہ رہوں گا۔ پس جب ان لوگوں سے اور جن کی وہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے ان سے علاحدہ ہوگئے تو ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمایا۔ اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا۔ اور ان سب کو ہم نے اپنی رحمت کا حصہ دیا اور ہم نے ان کا نام نیک اور بلند کیا۔

قصہ کا باقی حصہ:

(ابراہیم علیہ السلام کی یہ ساری نصیحتیں سن کر) باپ نے جواب دیا کہ اے ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو؟ (اور اس لئے مجھے بھی منع کرتے ہو؟ یاد رکھو) اگر تم (ان بتوں کی مذمت کرنے سے اور مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کرنے سے) باز نہ آئے تو میں ضرور تمہیں پتھروں سے مار ڈالوں گا (لہٰذا تم اس سے باز آجاؤ) اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے (کہنے سننے سے) الگ ہوجاؤ۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: (ٹھیک ہے) آپ کو میرا اسلام ہے (اب تم سے کہنا سننا بے کار ہے) اب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی (اس طرح) درخواست کروں گا (کہ تمہیں ہدایت کرے جس کے نتیجہ میں مغفرت ہوتی ہے) بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے (اس لئے اسی سے عرض کروں گا جس کا قبول فرمانا نہ فرمانا دونوں مختلف اعتبار سے رحمت اور مہربانی ہے) اور (تم اور تمہارے مذہب والے جب میری حق بات کو بھی نہیں مانتے تو میرا تمہارے ساتھ رہنا بھی فضول ہے، اس لئے) میں آپ لوگوں سے اور جن کی آپ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کررہے ہیں، ان سے (جسمانی طور پر بھی) کنارہ کرتا ہوں (جیسے دل سے پہلے ہی سے الگ ہوں یعنی اب

یہاں رہوں گا بھی نہیں) اور (اطمینان کے ساتھ علاحدہ ہوکر) اپنے رب کی عبادت کروں گا (کیونکہ یہاں رہ کر اس میں رکاوٹ ڈالی جائے گی) امید (یعنی یقین) ہے کہ اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہ رہوں گا (جیسا کہ بت پرست اپنے باطل معبودوں کی عبادت کر کے محروم رہتے ہیں۔ غرض اس گفتگو کے بعد ان سے اس طرح علاحدہ ہوئے کہ ملک شام کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے) لہٰذا جب ان لوگوں نے اور جن کی وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے۔ ان سے (اس طرح) علاحدہ ہو گئے (تو) ہم نے انہیں اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عطا فرمائے (جو کہ ساتھ رہنے کے لئے ان کی بت پرست برادری سے ہزار درجہ بہتر تھے) اور ہم نے (ان دونوں میں سے) ہر ایک کو نبی بنایا اور ہم نے ان سب کو (طرح طرح کے کمال دے کر) اپنی رحمت کا حصہ دیا اور (آئندہ نسلوں میں) ہم نے ان کا نام نیک اور بلند کیا (کہ سب ادب واحترام اور تعریف کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور اسحاق سے پہلے اسماعیل انہی صفتوں کے ساتھ عطا ہو چکے تھے)

فائدہ: اس جگہ اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ ایک تو وہ دوسروں سے پہلے عطا ہو چکے تھے بعد والوں کے ذکر کی وجہ سے پہلے والے کا ذکر خود ہی سمجھ میں آجاتا ہے۔ دوسرے ان کا ذکر مستقل طور پر آئندہ جلدی ہی آنے والا ہے۔ تیسرے ابراہیم علیہ السلام کے ذکر سے جس طرح عربوں کے دل کو کھینچا گیا اسی طرح اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کا ذکر اہل کتاب کے دل کو کھینچنے کے لئے مناسب ہے اور اسی نکتہ کی وجہ سے اس کے فوراً بعد موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر ان کے بعد اسماعیل علیہ السلام کا ذکر آئے گا۔ واللہ اعلم

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۤ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝﴾

ترجمہ: اور اس کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر کیجئے وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے خاص کئے ہوئے تھے اور وہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے۔ اور ہم نے ان کو کوہِ طور کی داہنی جانب سے آواز دی اور ہم نے ان کو راز کی باتیں کرنے کے لئے مقرب بنایا۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر عطا کیا۔ اور اس کتاب میں اسماعیل کا بھی ذکر کیجئے بلاشبہ وہ وعدے کے سچے تھے اور رسول بھی تھے نبی بھی تھے۔ اور اپنے متعلقین کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے رہتے تھے اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے۔ اور اس کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کیجئے بیشک وہ بڑے راستی والے نبی تھے اور ہم نے

ان کو بلند رتبہ تک پہنچایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے، منجملہ انبیاء کے آدم کی نسل سے اور ان لوگوں کی نسل سے جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ سوار کیا تھا اور ابراہیم اور یعقوب کی نسل سے اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت فرمائی اور ان کو مقبول بنایا۔ جب ان کے سامنے رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر جاتے تھے۔

چوتھا، پانچواں اور چھٹا قصہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کا:

اور اس کتاب (یعنی قرآن) میں موسیٰ (علیہ السلام) کا بھی ذکر کیجئے (یعنی ان کو سنایئے، ورنہ کتاب میں ذکر کرنے والا تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہے) وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے خاص چنے ہوئے (بندے) تھے اور وہ رسول بھی تھے۔ نبی بھی تھے۔ اور ہم نے انہیں طور پہاڑ کی جانب سے آواز دی اور ہم نے انہیں راز کی باتیں کرنے کے لئے قرب عطا کیا۔ اور ہم نے انہیں اپنی رحمت (اور عنایت) سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر عطا کیا (یعنی ان کی درخواست کے مطابق انہیں نبوت عطا کی، تاکہ ان کی مدد کریں)

اور اس کتاب میں اسماعیل (علیہ السلام) کا بھی ذکر کیجئے۔ بلاشبہ وہ وعدے کے (بڑے) سچے تھے اور وہ رسول بھی تھے۔ اور وہ اپنے تعلق رکھنے والوں کو (خاص طور سے) نماز اور زکوٰۃ کا (اور عام طور سے دوسرے احکام کا) حکم کرتے رہتے تھے اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے۔

اور اس کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا بھی ذکر کیجئے، بیشک وہ بڑی سچائی کے پابند نبی تھے۔ اور ہم نے انہیں (کمالوں میں) بلند مرتبہ تک پہنچایا (اور حضرت زکریا علیہ السلام سے ادیس علیہ السلام تک) جن کا شروع سورت سے یہاں تک ذکر ہوا) وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے (خاص) انعام فرمایا ہے (چنانچہ نبوت سے بڑھ کر کونسی نعمت ہوگی؟) دوسرے نبیوں (علیہم السلام کے علاوہ یہ خوبی ان سب میں جن کا ذکر ہوا مشترک ہے اور یہ سب) آدم (علیہ السلام) کی نسل سے (تھے) اور (ان میں بعض) ان لوگوں کی نسل سے (تھے) جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا چنانچہ سوائے ادریس علیہ السلام کے کہ وہ نوح علیہ السلام کے بھی بزرگوں میں ہیں، سب میں یہ خوبی ہے) اور (ان میں بعض) ابراہیم (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) کی نسل سے تھے۔ چنانچہ حضرت زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و موسیٰ علیہم السلام دونوں کی اولاد میں تھے اور اسحاق و اسماعیل و یعقوب علیہم السلام صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں تھے) اور (یہ سب حضرات) ان لوگوں میں سے (تھے) جنہیں ہم نے ہدایت فرمائی اور انہیں مقبول بنایا (اور اس مقبولیت اور خصوصی تعلق کے باوجود ان سب حضرات کی بندگی کی یہ حالت تھی کہ) جب ان کے سامنے (حضرت) رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں

تو (اپنی انتہائی بے بسی، انکساری اور اطاعت کے اظہار کے لئے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے (زمین پر) گر جاتے تھے۔

یہاں چند فائدے ہیں:

پہلا: رسول اور نبی کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں اور مختلف آیتوں میں غور وفکر کرنے سے احقر کے نزدیک جس امر کی تحقیق ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ رسول وہ ہے جو مخاطبوں کو نئی شریعت پہنچائے، خواہ وہ شریعت اس رسول کے اعتبار سے بھی نئی ہو جیسے توریت وغیرہ یا صرف جن لوگوں کی طرف بھیجی گئی ہے، ان کے اعتبار سے نئی ہو جیسے اسماعیل علیہ السلام کی شریعت کہ وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت تھی، لیکن قوم جرہم کو اس کا علم حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی سے حاصل ہوا۔ اور چاہے وہ رسول نبی ہو یا نبی نہ ہو جیسے فرشتے کہ ان کے لئے بھی رسول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جب کہ وہ نبی نہیں ہیں۔ یا جیسے نبیوں کے بھیجے ہوئے حضرات جیسا کہ سورۂ یٰس میں ہے ﴿إِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُونَ﴾

اور نبی وہ ہے جس پر وحی آتی ہو چاہے وہ نئی شریعت کی تبلیغ کرے یا قدیم شریعت کی، جیسے بنی اسرائیل کے زیادہ تر نبی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تبلیغ کرتے تھے، لہٰذا ایک لحاظ سے یہ عام ہے اور ایک لحاظ سے وہ عام ہے۔

لہٰذا جن آیتوں میں دونوں جمع ہیں اس میں تو کوئی اشکال نہیں کہ عام اور خاص کا ایک ساتھ جمع ہونا صحیح ہے اور جس موقع پر دونوں میں مقابلہ ہوا ہے جیسے ﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ﴾ الخ یعنی ہم نے آپ سے پہلے نہ کوئی رسول بھیجا نہ نبی، چونکہ عام اور خاص دونوں مقابل نہیں ہوتے اس لئے وہاں نبی کو عام نہ لیں گے۔ بلکہ شریعت کی تبلیغ کرنے والے کے ساتھ خاص کر لیں گے۔ لہٰذا معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے آپ سے پہلے نہ کوئی نئی شریعت والا نبی بھیجا اور نہ ہی پرانی وقدیم شریعت والا، لیکن اب چونکہ لفظ رسول سے فوری طور پر صاحب نبوت سمجھا جاتا ہے اس لئے اس پر کہ غیر نبی کے لئے استعمال کرنا اس وہم کی وجہ سے درست نہیں، جیسے اس وقت بعض باطل پرست اپنے لئے وحی اور رسالت بلکہ نبوت کے استعمال کو جائز قرار دیتے ہیں اور انھوں نے ان الفاظ کی تفسیر بھی بدل ڈالی ہے۔ نعوذ باللہ

دوسرا: موسیٰ علیہ السلام کے لئے وحی کو جو راز کہا تو یہ اس اعتبار سے کہا کہ اس وقت ان کے ساتھ سننے میں کوئی دوسرا آدمی شریک نہیں تھا، اگرچہ بعد میں موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے دوسروں کو بھی اس کی اطلاع ہوگئی۔

تیسرا: اور اس جانب کو ایمن یعنی داھنی طرف اس لئے کہا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے داھنی طرف تھی۔

چوتھا: اور ہارون علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کو عطا کئے جانے سے مراد یہ ہے کہ ان کی مدد کے لئے ان کو مقرر کیا، ورنہ ہارون علیہ السلام عمر میں ان سے بڑے ہیں۔

پانچواں: حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خوبیوں میں خاص طور سے وعدے کے سچے ہونا اس لئے ہے کہ یہ صفت خصوصیت کے ساتھ آپ پر غالب تھی۔ چنانچہ ان کی یہ خوبی مشہور ہے، جن میں سے ایک سب سے بڑی یہ ہے کہ بچپن

میں ذبح کے لئے ایسا سخت وعدہ ﴿ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴾ یعنی آپ مجھے ان شاء اللہ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ کو پورا کر دینا خود قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

چھٹا: اَھلہ سے اگر مطلق امت مراد ہو تب تو حکم عام ہو گیا اور اگر خاص گھر والے مراد ہوں تو خاص ہونے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں: یا تو ابتدا کے اعتبار سے گھر والوں کو دوسروں سے پہلے حکم فرمایا اور اہل تبلیغ کی یہی شان ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴾ اور یا اس اعتبار سے کہ دوسرے لوگ ان کی اتباع کریں۔

ساتواں: صلوۃ اور زکوۃ کی تخصیص اہتمام کے اعتبار سے ہے نہ کہ اس میں محدود ہونے کے اعتبار سے۔

آٹھواں: یہاں انبیاء علیہم السلام کی بعض صفتوں کا جو کہ مشترک بھی ہیں، جدا جدا فرمانا کلام میں لطف پیدا کرنے کے لئے ہے جس میں زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہیں۔

نواں: ادریس علیہ السلام کے قصہ میں رفعت، مکان اور علو سب معنی کے لحاظ سے ہیں، اور جو حسی علو کا قصہ مشہور ہے اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی تفسیر کو اس پر موقوف کرنے کی ضرورت نہیں، علو اور رفعت کا معنوی ہونا تو بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے، لیکن مکان کا معنوی ہونا بھی روح المعانی میں اس شعر سے ثابت کیا گیا ہے:

وکن فی مکان إذا ما سقطت ❁ تقوم ورجلک فی عافیۃ

(اور ہو تو بڑے مرتبہ میں جب بھی تو گر پڑے ÷ کھڑا ہو جائے گا اور تیرا پیر بعافیت ہوگا)

دسواں: چونکہ بعض انبیاء علیہم السلام کی شان میں بعض کافر منکر کمی و زیادتی سے کام لیتے تھے، اس لئے حق تعالیٰ نے ان سب حضرات کی دو قسم کی صفتیں بیان فرمائیں، ان کا مقبول اور کمال والا ہونا کہ یہ کمی کرنے کا علاج ہے اور ﴿ وَاِذَا تُتْلٰی ﴾ الخ میں ان کا اپنی بے بسی اور انکساری کا اظہار کرنا کہ یہ زیادتی کا وعدہ ہے۔ واللہ اعلم۔

اپنی کتاب میں بیان کئے ہوئے اپنے رازوں کو وہی زیادہ بہتر طور پر جانتا ہے اور ہمیں تو سمندر کے ایک قطرہ سے بھی کم دیا گیا ہے۔

﴿ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۝ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝ ﴾

ترجمہ: پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے نماز کو برباد کیا اور خواہشوں کی پیروی کی، سو یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے۔ ہاں مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کرنے لگا سو یہ لوگ جنت میں جاویں

گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جاوے گا۔ ان ہمیشہ رہنے کے باغوں میں جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے اس کے وعدہ کی ہوئی چیز کو یہ لوگ ضرور پہنچیں گے۔ اس میں وہ لوگ کوئی فضول بات نہ سننے پاویں گے بجز سلام کے۔ اور ان کو ان کا کھانا صبح وشام ملا کرے گا۔ یہ جنت ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اس کا مالک ایسے لوگوں کو بنادیں گے جو کہ خدا سے ڈرنے والا ہو۔

ربط: اوپر انبیاء علیہم السلام کے قصوں کو بیان کرنے کے بعد اب ان کی اتباع کرنے والوں اور بدعتی لوگوں کے حال اور دونوں کے انجام کو اس لئے بیان فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اتفاق کرنے والوں اور آپ کی مخالفت کرنے والوں کو رغبت ہو اور انہیں ڈر وخوف پیدا ہو، اور اس میں آخرت کا بھی ثبوت ہے جو توحید اور نبوت کے ساتھ قرآن میں اکثر جگہ بیان ہوتا ہے۔

اتفاق کرنے والوں اور مخالفت کرنے والوں کا حال اور انجام:

پھر ان (حضرات) کے بعد (جن کا اوپر ذکر ہوا بعض) ایسے نااہل لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے نماز کو برباد کیا (چاہے اعتقاد کے لحاظ سے کہ انکار کیا یا عمل کے اعتبار سے کہ اس کے ادا کرنے میں یا ضروری حقوق وآداب میں کوتاہی کی) اور (ناجائز نفسانی) خواہشوں کی پیروی کی (جو ضروری طاعت سے غافل کرنے والی تھیں) تو یہ لوگ (جلدی ہی آخرت میں) بربادی دیکھیں گے (چاہے ہمیشہ کی یا کچھ مدت کی) البتہ جس نے کفر اور معصیت سے) توبہ کرلی اور (کفر سے توبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ) ایمان لے آیا اور (معصیت سے توبہ کرنا یہ ہے کہ) نیک کام کرنے لگا، تو یہ لوگ (بغیر خرابی وبربادی دیکھے) جنت میں جائیں گے اور (جزا ملنے کے وقت) ان کا ذرا نقصان نہیں کیا جائے گا (یعنی ہر نیک عمل کی جزا ملے گی، یعنی) ہمیشہ رہنے کے ان باغوں میں (جائیں گے) جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے (اور) اس کے وعدہ کی ہوئی چیز انہیں ضرور ملے گی۔ اس (جنت) میں وہ لوگ کوئی فضول بات نہ سننے پائیں گے (کیونکہ وہاں فضول بات ہی نہ ہوگی) سوائے (فرشتوں اور ایک دوسرے کے) سلام (کرنے) کے (اور ظاہر ہے کہ سلام سے بہت ہی خوشی اور راحت ہوتی ہے، تو وہ فضول نہیں) اور انہیں صبح وشام کھانا ملا کرے گا (یعنی یہ تو متعین طور پر ہوگا اور اگر دوسرے وقت پر کچھ چاہیں گے تو وہ بھی ملے گا) یہ جنت (جس کا ذکر ہوا) ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اس کا مالک ایسے لوگوں کو بنائیں گے جو اللہ سے ڈرنے والے ہوں (جو ایمان اور نیک عمل کی بنیاد ہے)

فائدہ: ﴿يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ کی تفسیر میں ہمیشہ کی یا کچھ مدت کی دو قسمیں کافر اور گنہ گار کے اعتبار سے کی گئیں۔ اسی طرح ﴿يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ﴾ کی تفسیر میں جو بغیر بربادی کہا گیا، یہاں بھی ایمان پر ہمیشہ کی بربادی کی نفی اور نیک عمل پر مطلق بربادی کی نفی مراد ہے۔ اور ﴿لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ کافروں کے مقابلہ میں نیک وگنہ گار دونوں کے لئے عام ہے کہ ان کی

نیکیوں پر ثواب نہیں ملے گا، اگر چہ یہ ظلم نہیں مگر یہاں جواس کی تفسیر ہے، نقصان تو تحقیق شدہ ہے اور صبح وشام سے مراد صبح وشام کی مقدار ہے، ورنہ جنت میں تورات اور اندھیرا ہے ہی نہیں جس کے یہ سب فروع ہیں، اس کو الطبری نے قتادہ اور مجاہد سے روایت کیا ہے۔

﴿ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَ اصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۝ ﴾ ع

ترجمہ: اور ہم بدون آپ کے رب کے حکم کے وقتاً فوقتاً نہیں آسکتے۔ اسی کی ہیں ہمارے آگے کی سب چیزیں اور ہمارے پیچھے کی سب چیزیں اور جو چیز ان کے درمیان میں ہیں اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔ وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان سب چیزوں کا جو ان دونوں کے درمیان میں ہیں، تو اس کی عبادت کیا کر اور اس کی عبادت پر قائم رہ بھلا تو کسی کو اس کا ہم صفت جانتا ہے۔

ربط: اوپر اتفاق رکھنے والوں کی فضیلت اور اجر کا بیان کرتے ہوئے اطاعت کی ترغیب فرمائی تھی۔ اب اس کی تاکید اور تقویت کے لئے ﴿ وَمَا نَتَنَزَّلُ ﴾ الخ میں فرشتوں کا انتہائی فرماں بردار حکم کا تابع دار ہونا بیان فرما کر اور پھر ﴿ رَبُّ السَّمٰوٰتِ ﴾ الخ میں ساری دنیا کا فرماں بردار اور تربیت میں ہونا بیان فرما کر ﴿ فَاعْبُدْهُ ﴾ الخ میں فرع کے طور پر اطاعت کا حکم فرماتے ہیں، کیونکہ ﴿ وَمَا نَتَنَزَّلُ ﴾ کا شانِ نزول جیسا کہ بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے آرزو ظاہر فرمائی تھی کہ ذرا زیادہ آیا کرو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی جانب سے جواب کے طور پر ہے، جس کے مضمون سے ان کا اللہ کے حکم کے انتہائی تابع ہونا ظاہر ہے۔ اور اس تابع ہونے سے ترغیب، اطاعت کی تاکید اور تقویت ظاہر ہے کہ جب فرشتوں کی عظمت کے باوجود یہ کیفیت ہے تو ہم کیوں نہ اطاعت کریں۔

فرشتوں اور تمام مخلوق کا خاص حق تعالیٰ کا محکوم اور تربیت میں ہونا اور اس پر عبادت کے واجب ہونے کی تفریع:

اور (ہم آپ کی درخواست کا جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے جواب دیتے ہیں، وہ یہ ہے کہ) ہم (یعنی فرشتے) آپ کے رب کے حکم کے بغیر نہیں آسکتے۔ اسی کی (ملکیت) ہیں ہمارے آگے کی سب چیزیں (مکان ہو یا زمانہ، مکانی ہو یا زمانی) اور (اسی طرح) ہمارے پیچھے کی سب چیزیں اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں (آگے کا مکان یعنی جگہ تو وہ جو منہ کے سامنے ہو اور پیچھے کا وہ جو پیٹھ کی طرف ہو اور ان کے درمیان جس میں یہ شخص خود ہو اور آگے کا زمانہ جو مستقبل یعنی

آنے والا ہو اور پیچھے کا ماضی یعنی گذرا ہوا۔ اوران کے درمیان یعنی حال یا موجودہ زمانہ) اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں (چنانچہ یہ سب امور آپ کو پہلے سے معلوم ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہم تکوینی اور شرعی طور پر حکم کے تابع ہیں، اپنی رائے یا مرضی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ یا جس زمانہ میں ہم چاہیں کہیں آنا جانا نہیں کر سکتے، لیکن جب ہمارے بھیجنے کی مصلحت ہوتی ہے تو حق تعالیٰ بھیج دیتے ہیں یہ امکان نہیں کہ شاید کسی مصلحت کے وقت بھول جاتے ہوں) وہ آسمانوں اور زمین کا اوران سب چیزوں کا رب ہے جو ان دونوں کے درمیان میں ہیں، تو (جب وہ ایسا حاکم و مالک ہے تو اے مخاطب!) تم اس کی عبادت (اور اطاعت) کیا کرو اور (ایک آدھ بار نہیں بلکہ) اس کی عبادت پر قائم رہو (اور اگر اس کی عبادت نہیں کروگے تو کیا کسی دوسرے کی عبادت کروگے؟) کیا تم کسی کو[1] اس جیسا جانتے ہو؟ (یعنی کوئی اس جیسی صفتوں والا نہیں، تو عبادت کے لائق بھی کوئی نہیں، اس لئے اس کی عبادت کرنا ضروری ہوا)

فائدہ: بعض لوگوں نے جن کو حدیث پر یقین نہیں اس آیت کو جنت والوں کا قول قرار دیا ہے کہ جنت میں جا کر کہیں گے کہ ہمارا یہ جنت میں آنا ہمارے رب کے حکم سے ہوا ہے الخ۔ لیکن پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ صحیح شانِ نزول کے خلاف ہے، دوسرے تنزل کے معنی میں بار بار نازل ہونا ہے، تو یہ عمل جنت میں نہیں ہوگا، تیسرے اس صورت میں ﴿ بِاَمْرِ رَبِّكَ ﴾ کی بجائے بامر ربنا زیادہ مناسب اور بلاغت کے قریب ہوتا۔ خوب سمجھ لو۔

﴿ وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ ءَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ۝ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ۝ وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ۝ ﴾

ترجمہ: اور انسان یوں کہتا ہے کہ میں جب مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا۔ کیا انسان اس بات کو نہیں سمجھتا کہ ہم اس کو اس کے قبل وجود میں لا چکے ہیں اور یہ کچھ بھی نہ تھا۔ سو قسم ہے آپ کے رب کی ہم ان کو جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی، پھر ان کو دوزخ کے گرداگرد اس حالت سے حاضر کریں گے کہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے پھر ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو جدا کریں گے جو ان میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے سرکشی کیا کرتے تھے۔ پھر ہم ایسے لوگوں کو

(۱) اس مقام پر نفی تو معلوم کی ہے لیکن عنوان میں علم کی نفی کو اس لئے اختیار کیا گیا کہ معلوم کی نفی دلیل کے ساتھ ہو جائے کیونکہ اگر اللہ کا کوئی ہم صفت یعنی اس جیسا ہوتا تو وہ اشتہار (مشہور ہونے) کی صفت میں بھی اس جیسا ہوتا اور جب یہ ہوتا تو جس طرح سب کو اللہ تعالیٰ کا علم ہے اسی طرح اس کا علم بھی ہوتا اور اب علم نہیں تو معلوم ہوا کہ اس جیسا کوئی نہیں ہے۔

خوب جانتے ہیں جو دوزخ میں جانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور تم میں سے کوئی بھی نہیں جس کا اس پر گزر نہ ہو۔ یہ آپ کے رب کے اعتبار سے لازم ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ پھر ہم ان لوگوں کو نجات دیں گے جو خدا سے ڈرتے تھے۔

ربط: اوپر اطاعت کرنے والوں اور نافرمانی کرنے والوں کا دنیا میں حال اور آخرت میں انجام مختصر انداز سے بیان ہوا تھا۔ اب یہی حال اور انجام اور اس میں بعض کے اقوال کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، اور اس میں بعث اور آخرت کی بھی بحث ہوگئی جس کا اوپر مختصر طور پر ذکر تھا اور ربط کی یہ توجیہ یہاں سے سورت کے آخر تک جاری ہے۔

گمراہوں اور ہدایت پانے والوں کے حال اور آخرت میں انجام کی تفصیل:

اور (بعث کا انکار کرنے والا) آدمی یوں کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو پھر زندہ کر کے (قبر سے) نکالا جاؤں گا؟ (اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ) کیا (یہ) انسان اس بات کو نہیں سمجھتا کہ ہم اس کو اس سے پہلے (عدم سے) وجود میں لا چکے ہیں جب کہ وہ کچھ بھی نہیں تھا (جب ایسی حالت سے زندگی تک لایا جا سکتا ہے تو دوبارہ زندگی دینا تو اور زیادہ آسان ہے) تو آپ کے رب کی قسم ہے، ہم ان کو (قیامت میں زندہ کر کے حشر کے میدان میں جمع کریں گے اور (ان کے ساتھ) شیطانوں کو بھی (جو دنیا میں ان کے ساتھ رہ کر بہکاتے سکھلاتے تھے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ﴿قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ﴾) پھر ان (سب) کو دوزخ کے آس پاس اس حالت میں حاضر کریں گے (کہ ہیبت کے مارے) گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے پھر (ان کافروں کے) ہر گروہ میں سے (جیسے یہود و نصاریٰ، مجوس اور بت پرست) ان لوگوں کو الگ کر دیں گے جو ان میں اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ سرکشی کیا کرتے تھے (تا کہ ایسوں کو دوسروں سے پہلے جہنم میں داخل کریں) پھر (یہ نہیں کہ اس سے الگ کرنے میں ہمیں کسی تحقیقات کی ضرورت پڑے، کیونکہ) ہم (خود) ایسے لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو دوزخ میں جانے کے زیادہ (یعنی پہلے) مستحق ہیں (لہٰذا اپنے علم سے ایسے لوگوں کو الگ کر کے پہلے ان کو پھر دوسرے کافروں کو دوزخ میں داخل کریں گے، اور یہ ترتیب صرف اول ہونے میں ہے اور آخر میں نہ ہونے میں تو سب برابر ہیں اور جہنم کا وجود ایسا یقینی ہے کہ اس کا معائنہ سارے مؤمنوں اور کافروں کو کرایا جائے گا، چاہے کافروں کے لئے داخلہ کے لحاظ سے اور ہمیشہ کے عذاب کے واسطے اور مؤمنوں کو پل صراط پار کرنے کے لحاظ سے اور شکر و فرحت کی زیادتی کے واسطے معاینہ کی صورت اور غرض مختلف ہوگی کہ اس کو دیکھ کر جو جنت میں پہنچیں گے وہ اور زیادہ شکر کریں گے اور خوش ہوں گے) اور (بعض نافرمانوں کو محدود سزا کے لئے اس عام معائنہ کی خبر دی جاتی ہے جو کہ گناہوں سے پاک کرنا ہے کہ) تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا اس کے اوپر سے گذر نہ ہو (کسی کا داخلہ کے طور پر اور کسی کا عبور کے طور پر) یہ (وعدہ کے مطابق) آپ کے رب کے اعتبار سے لازم (قسم موکدہ کے طور پر) ہے جو (ضرور) پورا ہو کر رہے گا۔ پھر (اس گذرنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس میں مؤمن اور کافر برابر ہیں، بلکہ) ہم ان لوگوں کو نجات دیدیں گے جو اللہ سے ڈر کر ایمان لاتے تھے، چاہے پہلی بار میں نجات ہو جائے جیسے کامل مؤمنوں کو اور چاہے کسی قدر

عذاب وتکلیف سے گذرنے کے بعد جیسے ناقص مؤمنوں کو) اور ظالموں (یعنی کافروں) کو اس میں (ہمیشہ کے لئے) ایسی حالت میں رہنے دیں گے کہ (رنج وغم کے مارے) گھٹنوں کے بل گر گر پڑیں گے۔

﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ۞ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ۞ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ۞ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ۞ ﴾

ترجمہ: اور ظالموں کو اس میں ایسی حالت میں رہنے دیں گے کہ گھٹنوں کے بل گر گر پڑیں گے اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں مکان کس کا زیادہ اچھا ہے اور محفل کس کی اچھی ہے۔ اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے ایسے ایسے گروہ ہلاک کئے ہیں جو سامان اور نمود میں ان سے بھی اچھے تھے۔ آپ فرما دیجئے کہ جو لوگ گمراہی میں ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دیتا چلا جا رہا ہے یہاں تک کہ جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے جب اس کو دیکھ لیں گے خواہ وہ عذاب کو خواہ قیامت کو سو ان کو معلوم ہو جاوے گا کہ برا مکان کس کا ہے اور کم زور مددگار کس کے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کو ہدایت بڑھاتا ہے اور جو نیک کام ہمیشہ کے لئے باقی رہنے والے ہیں وہ تمہارے رب کے نزدیک ثواب میں بہتر ہیں اور انجام میں بھی بہتر ہیں۔

ربط: اوپر کی آیتوں کی تمہید میں گذر چکا۔

انکار کرنے والوں کے بعض اقوال کا رد:

اور جب ان (انکار کرنے والوں) کے سامنے ہماری (وہ) کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں (جن میں مؤمنوں کا حق پر ہونا اور کافروں کا باطل پر ہونا بیان ہوا ہے) تو یہ کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ (یہ بتاؤ ہم) دونوں گروہوں میں (یعنی ہم میں اور تم میں، دنیا میں) مکان کس کا زیادہ اچھا ہے اور محفل کس کی اچھی ہے (یعنی ظاہر ہے کہ گھریلو اور مجلسی ساز وسامان اور گھر والوں اولاد وغیرہ اور حمایت کرنے والوں میں ہم بڑھے ہوئے ہیں، یہ بات تو حس کے لحاظ سے ہے اور دوسری عزت کے لحاظ سے کہ محبوب کو نعمت دی جاتی ہے۔ ان دونوں باتوں سے ثابت ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب ومقبول ہیں اور تم پر غضب اور ذلت ورسوائی ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ ایک الزامی اور ایک تحقیقی جواب دیتے ہیں: پہلا جواب تو یہ ہے کہ لوگ ایسی بات کہتے ہیں) اور (یہ نہیں دیکھتے کہ) ہم نے ان سے پہلے بہت سے ایسے ایسے گروہ (ہیبت ناک سزاؤں کے ذریعہ کہ یقینی طور پر عذاب تھے)

ہلاک کئے ہیں جو سامان اور نام ونمود میں ان سے بھی (کہیں زیادہ) اچھے تھے (اس سے معلوم ہوا کہ دوسری بات غلط ہے، اس لئے کہ کسی حکمت اور مصلحت کے تحت دنیاوی نعمت اور غضب کا جمع ہونا ممکن ہے!

آگے دوسرا جواب ہے کہ اے پیغمبر! ﷺ آپ فرما دیجئے کہ جو لوگ گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں (یعنی تم) اللہ تعالیٰ انہیں ڈھیل دیتا جا رہا ہے (یعنی اس دنیاوی نعمت میں یہ حکمت ہے کہ مہلت دے کر حجت پوری کردے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ ﴾ الخ اور یہ مہلت چند دن کی ہے) یہاں تک کہ جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے جب اس کو دیکھ لیں گے چاہے (دنیا میں) عذاب کو، چاہے (دوسرے عالم میں) قیامت کو تو (اس وقت) انہیں معلوم ہو جائے گا کہ برا مکان کس کا ہے اور کمزور مددگار کس کے ہیں (یعنی دنیا میں جو اپنے ساتھ رہنے والوں کو اپنا مددگار سمجھتے ہیں اور فخر کرتے ہیں، وہاں معلوم ہوگا کہ ان میں کتنا زور ہے، کیونکہ وہاں تو زور میں اتنی کمی ہوگی کہ بالکل ہی زور نہ ہوگا، اسی کو اضعف یعنی سب سے کمزور فرمایا تھا) اور مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ) اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کو (دنیا میں تو) ہدایت بڑھاتا ہے (یعنی اصل سرمایہ یہ ہے کہ اگر اس کے ساتھ مال و دولت نہ ہو تو کوئی نقصان نہیں) اور (آخرت میں ظاہر ہوگا کہ) جو نیک کام ہمیشہ کے باقی رہنے والے ہیں وہ تمہارے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں، اور انجام میں بھی بہتر ہیں (لہٰذا انہیں ثواب میں بڑی بڑی نعمتیں ملیں گی، جن میں مکان اور باغ سب کچھ ہوں گے۔ اور ان اعمال کا انجام ان نعمتوں کا ہمیشہ رہنا ہے، لہٰذا کیفیت اور مقدار ہر لحاظ سے آخر میں مسلمانوں ہی کی حالت بہتر ہوگی اور آخر ہی کا اعتبار ہے)

فائدہ: آیتوں کا بینات یعنی کھلی کھلی ہونا یا تو اعجاز و معجزہ کے اعتبار سے ہے یا مطلب ثابت کرنے کے اعتبار سے، یا دونوں ہی اعتبار سے، اور ﴿ اَضْعَفُ جُنْدًا ﴾ یعنی کمزور مددگار سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ان کے پاس وہاں مددگار ہوں گے مگر کمزور ہوں گے کیونکہ یہاں جند ان کے اہل مجلس، ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور رہنے والوں کو کہا جو دنیا میں ایک فوج لشکر یا گروہ تھے، وہاں ان کا کمزور ہونا بیان کرنا مقصود ہے، اور اسی طرح اضعف سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس جند میں وہاں زور وقوت تو ہوں گے مگر کم ہوں گے، کیونکہ ضعف کی انتہا یہ ہے کہ بالکل قوت نہ رہے، تو زور وقوت سے خالی کے لئے بھی اضعف بولا جاتا ہے۔ چنانچہ احقر کے ترجمہ کی وضاحت سے یہ دونوں شبہے اس طرح دور ہو چکے ہیں۔

﴿ اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ۝ ﴾

ترجمہ: بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو مال اور اولاد ملیں گے،

کیا یہ شخص غیب پر مطلع ہوگیا ہے یا اس نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے لیا ہے۔ ہرگز نہیں ہم اس کا کہا ہوا بھی لکھے لیتے ہیں اور اس کے لئے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے، اور اس کی کہی ہوئی چیزوں کے ہم مالک رہ جاویں گے، وہ ہمارے پاس تنہا ہو کر آوے گا۔

ربط: آیت ﴿ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ﴾ کی تمہید میں بیان ہو چکا۔

انکار کرنے والوں کے بعض دیگر اقوال کا رد:

اور اس قول کا قصہ یہ ہے کہ خباب بن ارت صحابی لوہے کا کام کرتے تھے، ان کا کچھ قرضہ عاص بن وائل کے ذمہ تھا۔ ایک بار انھوں نے تقاضا کیا تو عاص نے جواب دیا کہ جب تک محمد ﷺ کے ساتھ کفر نہ کرے گا تیرے دام نہ دونگا، انھوں نے کہا کہ جب تو مر کر بھی زندہ ہوگا تب بھی کفر نہ کروں گا تو اس نے کہا: ٹھیک ہے جب یہ بات ہے کہ میں مر کر پھر بھی زندہ ہونے والا ہوں تو میرے پاس اس وقت آنا۔ میرے پاس اس وقت بھی مال و اولاد سب کچھ ہوگا، اس وقت تیرے دام دیدوں گا اس پر یہ آگے والی آیت نازل ہوئی۔ اس کو بخاری، مسلم، ترمذی، طبرانی اور ابن حبان وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

آیت و تفسیر: (اے محمد ﷺ) بھلا آپ نے اس شخص (کی حالت) کو بھی دیکھا جو ہماری آیتوں کے ساتھ (جن کا حق یہ ہے کہ ان پر ایمان لایا جاتا، جن میں بعث سے متعلق آیتیں بھی ہیں) کفر کرتا ہے اور (مذاق کے طور پر) کہتا ہے کہ مجھے (آخرت میں) مال اور اولاد ملیں گے (مطلب یہ کہ اس کی حالت بھی تعجب کے قابل ہے۔ آگے اس کا رد ہے کہ) کیا اسے غیب کا پتہ چل گیا ہے یا اس نے (اس بات کا) اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے لیا ہے (یعنی کیا اس دعوی کا علم بغیر اسباب کے واسطہ کے ہوگیا ہے کہ علم غیب ہے یا اسباب کے واسطہ سے ہوا ہے، پھر چونکہ وہ دعوی عقلی حکم تو ہے نہیں، بلکہ نقلی امر ہے اس لئے صرف دلیل نقلی جو کہ اللہ کی دی ہوئی خبر ہے اس کی دلیل ہو سکتی ہے تو دونوں ہی موجود نہیں ہیں، پہلی تو عقل کے لحاظ سے بھی ناممکن ہے اور دوسری کی واقعہ کے لحاظ سے نفی ہے) ہرگز نہیں (بالکل غلط کہتا ہے اور) ہم اس کا کہا ہوا بھی لکھے لیتے ہیں (اور وقت آنے پر یہ سزا دیں گے کہ) اس کے لئے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے اور اس کی کہی ہوئی چیزوں کے ہم مالک رہ جائیں گے (یعنی وہ تو مر جائے گا اور دنیا کے مال و اولاد پر اس کا کوئی اختیار نہ رہے گا، ہم ہی سب کے مالک رہیں گے اور قیامت میں ہم اس کو نہ دیں گے بلکہ) وہ ہمارے پاس (مال و اولاد سے) تنہا ہو کر آئے گا۔

﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ﷺ ﴾　ع

ترجمہ: اور ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر اور معبود تجویز کر رکھے ہیں تا کہ ان کے لئے وہ باعث عزت ہوں۔ ہرگز نہیں

وہ تو ان کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے اور ان کے مخالف ہو جاویں گے۔

ربط: آیت ﴿ وَيَقُولُ الْإِنسَانُ ﴾ کی تمہید میں بیان ہو چکا۔

انکار کرنے والوں کے بعض حالات کی مذمت:

اور ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبود تجویز کر رکھے ہیں، تا کہ ان کے لئے وہ (اللہ کے نزدیک) عزت کا سبب ہوں (جیسا کہ اس آیت میں نقل کیا گیا ہے ﴿ يَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ﴾۔ تو ایسا) ہرگز نہیں (ہوگا، بلکہ) وہ تو (قیامت میں خود) ان کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے (جیسا کہ سورۂ یونس آیت ۲۸ ﴿ قَالَ شُرَكَاؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴾ ہے) اور (الٹے) ان کے مخالف ہو جائیں گے (قول کے لحاظ سے بھی اور حال کے لحاظ سے بھی کہ عزت کی بجائے ذلت کے سبب ہو جائیں گے۔ ان معبودوں میں بت بھی ہوں گے، تو ان کا بولنا جیسا کہ ﴿ يَكْفُرُونَ ﴾ کا تقاضا ہے انسانی جسم کے اعضا کے بولنے کی طرح ناممکن اور عجیب نہیں)

﴿ أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَّا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾ ﴾

ترجمہ: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیاطین کو کفار پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو خوب ابھارتے رہتے ہیں، سو آپ ان کے لئے جلدی نہ کیجئے، ہم ان کی باتیں خود شمار کر رہے ہیں، جس روز ہم متقیوں کو رحمٰن کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے کوئی سفارش کا اختیار نہ رکھے گا مگر جس نے رحمٰن کے پاس سے اجازت لی ہے۔

ربط: اوپر جن گمراہیوں کا بیان ہوا ہے، اب حضور ﷺ کی تسلی کے لئے ان کا سبب کہ شیطان کا تسلط ہے، اور پھر ان کا اثر کہ ہولناک عذاب ہے، اور اس کے واقع ہونے کا وقت کہ قیامت کا دن ہے، بیان فرماتے ہیں۔ یہ خاص ربط ہے اور عام ربط اوپر گذر چکا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تسلی کی غرض سے گمراہی کے سبب اور گمراہی کے وبال اور وبال کے وقت کا بیان:

(آپ جو ان کی گمراہی سے غم کرتے ہیں تو) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر (آزمائش کے طور پر) چھوڑ رکھا ہے کہ وہ انہیں (کفر اور گمراہی پر) خوب ابھارتے (اور اکساتے) رہتے ہیں (پھر جو خود ہی اپنے اختیار سے اپنے بدخواہ کے بہکانے میں آ جائے، اس کا غم کیوں کیا جائے) تو (جب شیطان آزمائش کے طور پر مسلط ہوئے ہیں اور مستحق کی سزا کی جلدی میں آزمائش نہیں رہتی تو) آپ ان کے لئے (عذاب) جلدی (ہونے کی درخواست) نہ کیجئے ہم

ان کی باتیں (جن پر سزا ہوگی) خود گن رہے ہیں (اور وہ سزا اس دن واقع ہوگی) جس دن ہم متقیوں کو رحمٰن (کی نعمتوں کے گھر) کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے (اور کوئی ان کا سفارشی بھی نہ ہوگا، کیونکہ وہاں) کوئی سفارش کا اختیار نہ رکھے گا، مگر ہاں جس نے رحمٰن کے پاس (سے) اجازت لی ہے (وہ انبیاء اور نیک وصالح لوگ ہیں اور اجازت مؤمنوں کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا کافر شفاعت کے لائق نہیں ہوئے)

فائدہ: حضور ﷺ کا جلدی عذاب چاہنا ان کے ایمان لانے سے مایوسی کے بعد شاید اس وجہ سے ہو کہ ان کے کفر کا نقصان دوسروں تک نہ پھیلے، لہٰذا ایسی جلدی کرنا رحمت کی شان کے خلاف نہیں ہے اور ظاہر میں مجرموں سے کافر لوگ مراد ہیں تو مقابلہ میں متقیوں سے مراد مؤمن ہیں، پھر اگر یہ جمع کرنا جنت کی طرف لے جانے کے لئے ہے تب تو مطلق مؤمن مراد ہیں، اور اگر یہ جمع کرنا قبر سے حشر کے میدان کے لئے ہے تو کامل مؤمن مراد ہیں کہ ہمیشہ کا عزت واکرام انہی کے ساتھ خاص ہے اور ناقص مؤمن کا حال قیاس سے سمجھ میں آگیا کہ درمیانی قسم کا ہوگا۔ واللہ اعلم

﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۝ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کر رکھی ہے، تم نے یہ ایسی سخت حرکت کی ہے کہ اس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جاویں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں۔ اس بات سے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی شان نہیں ہے کہ وہ اولاد اختیار کرے۔ جتنے بھی کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدا تعالیٰ کے روبرو غلام ہو کر حاضر ہوتے ہیں۔ اس نے سب کو احاطہ کر رکھا ہے اور سب کو شمار کر رکھا ہے۔ اور قیامت کے روز سب کے سب اس کے پاس تنہا تنہا حاضر ہونگے۔

ربط: اوپر بعض گمراہیوں اور ان کی سزا کا بیان تھا، اب ایک خاص گمراہی اور اس کے باطل ہونے اور اس کی سزا کا بیان ہے۔

اولاد بنانے کے عقیدہ کا باطل ہونا اور اس کا انجام:

اور یہ (کافر) لوگ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے اولاد (بھی) اختیار کر رکھی ہے۔ چنانچہ عیسائی بہت زیادہ اور یہود کچھ کم اور عرب کے مشرک اس فاسد عقیدہ میں مبتلا تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) تم نے (جو) یہ (بات کہی تو) ایسی سخت حرکت کی ہے کہ اس کی وجہ سے کوئی بڑی بات نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں۔ اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں، اس وجہ سے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی شان نہیں کہ وہ

اولاد اختیار کرے (کیونکہ) جتنے بھی کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ تعالیٰ کے سامنے بندے بن کر حاضر ہوتے ہیں (اور) اس نے سب کو (اپنی قدرت میں) احاطہ کر رکھا ہے اور (اپنے علم سے) سب کی گنتی کر رکھی ہے (یہ حالت تو ان کی فی الحال ہے) اور قیامت کے دن سب کے سب اس کے پاس ایک ایک کر کے حاضر ہوں گے (کہ ہر شخص اللہ ہی کا محتاج اور محکوم ہوگا، لہٰذا اگر اللہ کے اولاد ہو تو اللہ ہی کی طرح وجود کا واجب ہونا اور اس کے لئے لازم امور کا واجب ہونا چاہئے اور اللہ کی یہ صفتیں ہیں جو اوپر بیان ہوئیں یعنی قدرت کا عام ہونا، علم کا عام ہونا اور اللہ کے علاوہ جو کچھ ہیں، ان کی صفتیں یہ ہیں محتاجی، عاجزی وانکساری اور اطاعت جو واجب ہونے کی ضد ہیں پھر دو ضد ایک جگہ کیسے جمع ہو سکتی ہیں۔

فائدہ: اس قول میں اور آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے ٹوٹنے پھوٹنے میں یہ تعلق ہے کہ اس قول کا جو اثر ہے وہ معقول یعنی عقل میں آنے والا ہے۔ اگر وہ محسوس ہوتا تو اس کے خارجی اثرات وعلامات ہوتے۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ۝ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝ ﴾

ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا، سو ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں اس لئے آسان کیا ہے کہ آپ اس سے متقیوں کو خوشخبری سنا دیں اور اس سے جھگڑالو آدمیوں کو خوف دلا دیں۔ اور ہم نے ان کے قبل بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا ہے کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان کی کوئی آہستہ آواز سنتے ہیں۔

ربط: اوپر کافروں کو آخرت کی سزاؤں کی وعید اور نیک لوگوں کو آخرت کی نعمتوں کا وعدہ سنایا تھا۔ اب ان آیتوں میں نیک لوگوں کو دنیاوی نعمتوں کا وعدہ اور ﴿ كَمْ أَهْلَكْنَا ﴾ الخ میں کافروں کو دنیاوی سزاؤں کی وعید سناتے ہیں اور چونکہ یہ وعدے اور وعیدیں خوش خبریاں اور ڈرانے کی باتیں ہیں، درمیان میں آیت ﴿ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ ﴾ الخ میں اسی خوش خبری اور ڈرانے کا پورے قرآن کی اصل غرض ہونا ارشاد فرماتے ہیں اور چونکہ اوپر کی آیتوں میں کلام کا رخ کافروں کی طرف زیادہ ہے، اس لئے مذکورہ مضمون کو ڈرانے کے مضمون پر ختم فرماتے ہیں۔ اور اسی مضمون پر سورت ختم ہے، لہٰذا سورت کا رحمت سے شروع ہونا اور ڈرانے پر ختم ہونا ایک خاص لطف دیتا ہے۔

ایمان والوں کو خوش خبری اور سرکشی کرنے والوں کو ڈرانا اور ان کا قرآن کے سب سے عظیم مقاصد ہونا:

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے، اللہ تعالیٰ (انہیں آخرت کی مذکورہ نعمتوں کے علاوہ دنیا میں یہ

نعمت دے گا کہ) ان کے لئے (مخلوق کے دلوں میں) محبت پیدا کردے گا، تو (آپ انہیں یہ خوش خبری دیدیجئے، کیونکہ) ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں اس لئے آسان کیا ہے کہ آپ کے ذریعہ تقوی اختیار کرنے والوں کو خوشخبری سنادیں اور جھگڑا کرنے والے والوں کو اس کے ذریعہ خوف دلائیں۔ اور (خوف کی ان چیزوں میں سے دنیاوی عذاب کا ایک یہ بھی مضمون ہے کہ) ہم نے ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو (عذاب وقہر کے ذریعہ ہلاک کردیا ہے (تو) کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں، یا ان (میں سے کسی) کی ذرا بھی آواز سنتے ہیں (یہ بے نام ونشان ہونے سے کنایہ ہے، تو کافر اس دنیاوی نعمت کے بھی مستحق ہیں، اگرچہ کسی مصلحت سے کس کافر کے لئے یہ واقع نہ ہو، مگر اندیشہ کے قابل تو ہے)

فائدہ: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کی یہ تفسیر حدیث میں آئی ہے اور اس کا نعمت ہونا بلکہ سب سے اعظم نعمت ہونا ظاہر ہے، کیونکہ نعمت کا مغز راحت اور امن ہے اور ظاہر ہے کہ محبوبیت اس کے اعظم ترین اسباب میں سے ہے، اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے کسی کو بغض نہ ہوگا بلکہ قرآن اور حدیث کا مقصود یہ ہے کہ عام مخلوق جن کا اس مؤمن سے نہ کوئی نفع وابستہ ہے نہ کوئی نقصان، وہ اس سے محبت کرتے ہیں، چنانچہ یہ دیکھا گیا ہے اور مفاد پرست لوگوں کا محبت کرنا جیسا کہ نفع پہنچانے والے کافروں سے بھی لوگوں کو محبت ہوتی ہے یا نقصان چاہنے والوں کا بغض جیسا کہ ظالموں کو مسلمانوں سے ہوتا ہے اعتبار کے قابل نہیں، کیونکہ وہ محبت اور بغض اپنے نفع ونقصان سے متعلق ہے، اگر دونوں سے قطع نظر کیا جائے تو مؤمن کی صفات میں یہ اثر ہے کہ اس سے عام دلوں کو میلان ہوتا ہے اور قوموں کی ہلاکت کا مضمون اس سے پہلے رکوع میں بھی آیا ہے، لیکن وہاں مقصود دوسرا تھا یعنی کافروں کے اس قول ﴿اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا﴾ الخ کا جواب دینا، لہٰذا تکرار نہ رہی اور ذرا سی بھی آواز کا نہ رہنا اس لئے فرمایا کہ پکڑ کے وقت مجرم خوف زدہ ہوتا ہے۔ دلیری سے بات کرنے کی تو مجال ہی نہیں ہوتی۔ البتہ آہستہ آہستہ باتیں کرسکتا ہے، لہٰذا جب ذرا سی بھی آواز نہ رہنے کے بارے میں فرمادیا تو زور کی آواز کا تو امکان بھی نہیں رہا۔

لطیفہ: اس سورت میں رحمت کا مادہ بار بار لایا گیا ہے چنانچہ لفظ رحمٰن ۱۵ بار اور رحمۃ چار بار آیا ہے، اس میں نکتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس سورت میں کافروں اور مؤمنوں کا حال زیادہ بیان کیا گیا ہے لہٰذا یہاں جہاں مؤمنوں کے ذکر میں یہ لفظ آیا ہے وہاں اشارہ اس طرف ہے کہ کافر لوگ ایسے بڑے رحمت والے کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کے احسانوں اور انعاموں سے بھی نہیں شرماتے۔ واللہ اعلم

﴿اس سورت کی تفسیر ۲۵ ررمضان المبارک سنہ ۱۴۲۴ھ کو تمام ہوئی﴾
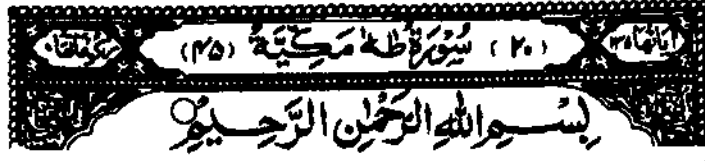
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝ ﴾

ترجمہ: ﴿ طٰهٰ ﴾ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں۔ بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لئے جو ڈرتا ہو، یہ اس کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے، وہ بڑی رحمت والا عرش پر قایم ہے۔ اسی کی ملک ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان میں ہیں اور جو چیزیں تحت الثریٰ میں ہیں۔ اور اگر تم پکار کر بات کہو تو وہ چپکے سے کہی ہوئی بات کو اور اس سے بھی خفی بات کو جانتا ہے۔ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔

ربط: اوپر کی سورت میں توحید، رسالت اور قیامت کا بیان تھا۔ اس سورت میں بھی یہی مضمون ہیں، چنانچہ شروع میں رسالت اور وحی سے متعلق مضمون ہے اور ﴿ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ ﴾ سے توحید سے متعلق ہے۔ اور ﴿ هَلْ اَتٰىكَ ﴾ سے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے ذریعہ توحید اور رسالت دونوں کا بیان ہوگیا، چنانچہ ﴿ اِنَّنِىْٓ اَنَا اللّٰهُ ﴾ میں توحید کی وضاحت ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت سے محمد ﷺ کی رسالت کی وضاحت ہے۔ ﴿ كَذٰلِكَ نَقُصُّ ﴾ کے ذریعہ وحی اور نازل ہونے کے مضمون کو پورا کیا گیا ہے، پھر ﴿ مَنْ اَعْرَضَ ﴾ سے اس وحی کی تصدیق کرنے والے اور اس کو جھٹلانے والے کے ذکر کے ساتھ قیامت کی تفصیل ہے، پھر ﴿ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ ﴾ الخ میں رسالت کا اور ﴿ فَتَعٰلَى اللّٰهُ ﴾ میں توحید کا ذکر اور ﴿ لَقَدْ عَهِدْنَآ ﴾ الخ میں ﴿ كَذٰلِكَ نَقُصُّ ﴾ کا پورا کرنا پھر ﴿ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ ﴾ سے توحید اور رسالت کے ماننے اور نہ ماننے کی جزا وسزا کا بیان ہے۔ اور ﴿ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ ﴾ سے وعید کی سزا کا بیان ہے اور ﴿ فَاصْبِرْ ﴾ الخ میں جھٹلانے والوں کے معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی تسلی اور ﴿ قَالُوْا لَوْ لَا يَاْتِيْنَا ﴾ سے سورت کے ختم تک رسالت سے متعلق جھٹلانے والوں کے ایک شبہ کا جواب ہے، اور چونکہ اوپر کی سورت قرآن کے ذکر پر ختم ہوئی ہے اور یہ سورت بھی قرآن کے ذکر سے شروع ہوتی ہے، اس لئے اس کے ختم اور اس کے شروع میں بھی خاص

مناسبت حاصل ہے۔

رسالت اور توحید کا اثبات:

﴿ طٰہٰ ﴾ (کے معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں) ہم نے آپ پر قرآن (مجید) اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں، بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لئے (اتارا ہے) جو (اللہ سے) ڈرتا ہو، اس (ذات) کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے (اور) وہ بڑی رحمت والا، عرش پر (جو حکومت کے تخت کی طرح ہے، اس طرح) قائم (اور جلوہ فرما) ہے (جو کہ اس کی شان کے لائق ہے، اور وہ ایسا ہے کہ) اس کی ملکیت ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں، اور جو چیزیں زمین میں ہیں۔ اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں (یعنی آسمان سے نیچے اور زمین سے اوپر) اور جو چیزیں تحت الثری میں ہیں (یعنی زمین کے اندر جو تر مٹی ہے جس کو ثری کہتے ہیں، جو چیز اس کے نیچے ہے۔ مراد یہ کہ زمین کی تہہ میں، یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت وسلطنت تھی) اور (علم کی یہ شان ہے کہ اے مخاطب!) اگر تم پکار کر بات کہو تو (اس کے سننے میں کیا شبہ ہے) وہ تو (ایسا ہے کہ) چپکے سے کہی ہوئی بات کو اور (بلکہ) اس سے بھی زیادہ پوشیدہ بات کو (یعنی جو ابھی دل میں ہے) جانتا ہے (وہ) اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود (ہونے کے لائق) نہیں، اس کے (بڑے) اچھے اچھے نام ہیں (جو اس کی صفتوں اور کمالوں پر دلالت کرتے ہیں، تو قرآن ایسی ذات کا نازل کیا ہوا ہے جس میں ساری اچھی صفتیں اور خوبیاں جمع ہیں، اور وہ یقینی طور پر حق ہے)

فائدہ: پہلی آیت میں تکلیف کا انکار چند صورتوں کے لئے عام ہے: اول یہ کہ کافروں کے انکار پر غم وملال نہ کیجئے، آپ کا کام تبلیغ اور یاد دلانا ہے جس کی قسمت میں ڈرنا اور ماننا ہے وہ قبول کرلے گا۔ دوسرے آپ رات کے وقت لمبی لمبی نمازیں پڑھتے تھے اور ہر رکعت میں دیر تک کھڑے ہو کر اتنا قرآن پڑھتے تھے کہ تھک جاتے تھے اور ٹانگیں دکھنے لگتی تھیں، اس لئے آسانی کا حکم دیا جیسے ارشاد ہوا ہے: ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ﴾ تیسرے اس لمبے قیام کے سلسلہ میں کافروں نے طعنے دیئے کہ قرآن کی وجہ سے محمد مصیبت میں پڑ گئے، اس سے منع فرمایا، چنانچہ دوسری اور تیسری صورت درمنثور میں نقل کی گئی ہے اور پہلی صورت میں لفظ کے عموم کی وجہ سے مقبول ہونے کا احتمال ہے اور عرش روایتوں اور آیتوں کے مطابق آسمانوں اور کرسی کے علاوہ ایک بہت بڑا جسم ہے جو ان سب سے بڑا ہے اور ان سب کے اوپر قبہ کی طرح ہے، اس کے پائے بھی ہیں اور اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ اپنی جگہ قائم وساکن ہے تاہم کبھی کبھی اس میں حرکت ہوجاتی ہے، چنانچہ روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر میں وہ سب نصوص جمع کی گئی ہیں۔

﴿ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّىْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝ اِنِّىْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ

بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ۝ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۝

ترجمہ: اور کیا آپ کو موسیٰ کی خبر پہنچی ہے، جب کہ انھوں نے ایک آگ دیکھی، سو اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ تم ٹھیرے رہو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید میں اس میں سے تمہارے پاس ایک شعلہ لاؤں یا آگ کے پاس راستہ کا پتہ مجھ کو مل جاوے۔ سو وہ جب اس کے پاس پہنچے تو آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں پس تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو، تم ایک پاک میدان یعنی طویٰ میں ہو اور میں نے تم کو منتخب فرمایا ہے سو جو کچھ وحی کی جا رہی ہے، اس کو سن لو۔ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تو تم میری ہی عبادت کیا کرو۔ اور میری ہی یاد کے لئے نماز پڑھا کرو۔ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے، میں اس کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں، تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ مل جاوے۔ سو تم کو قیامت سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پاوے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہشوں پر چلتا ہے۔ کہیں تم تباہ نہ ہو جاؤ۔

ربط: اوپر توحید اور رسالت کا بیان تھا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی اس کی تفصیل ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کی تفصیل:

اور (اے محمد ﷺ) کیا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام کے قصہ) کی خبر پہنچی ہے؟ (یعنی وہ سننے کے قابل ہے کہ اس میں توحید اور نبوت سے متعلق علوم ہیں جن کی تبلیغ نفع دینے والی ہوگی، جو کہ اس حالت میں واقع ہوا تھا) جب انھوں نے (مدین سے آتے ہوئے ایک رات کہ اس وقت سردی بھی تھی اور راستہ بھی بھول گئے تھے، طور پہاڑ پر) ایک آگ دیکھی (جو اصل میں نور تھا، مگر اس کی شکل آگ کی سی تھی) تو اپنے گھر والوں سے (کہ صرف بیوی تھیں یا خادم وغیرہ بھی) فرمایا کہ (تم یہاں ہی) ٹھہرے رہو (یعنی میرے پیچھے پیچھے مت آنا، کیونکہ یہ امکان ہی نہ تھا کہ وہ ان کے بغیر آگے سفر کرنے لگیں گے) میں نے ایک آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں اس میں تمہارے پاس کوئی انگارا (کسی لکڑی وغیرہ میں لگا کر) لاؤں (تاکہ سردی کا علاج ہو) یا مجھے (وہاں) آگ کے پاس راستہ کا پتہ (جاننے والا کوئی آدمی بھی) مل جائے تو جب وہ اس (آگ) کے پاس پہنچے تو (انہیں اللہ کی جانب سے) آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں۔ لہٰذا تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو (کیونکہ) تم ایک پاک میدان یعنی طویٰ میں ہو (یہ اس وادی کا یعنی میدان کا نام ہے) اور میں نے تمہیں (نبی بنانے کے لئے دوسرے لوگوں میں سے) منتخب فرمایا ہے تو (اس وقت) جو کچھ وحی کی جا رہی ہے، اس کو (غور سے) سن لو (اور وہ یہ ہے کہ) میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود (ہونے کے لائق) نہیں (اور جب میں ہی معبود ہونے کے لائق ہوں) تو تم میری ہی عبادت کیا کرو، اور میری ہی یاد کے لئے نماز پڑھا کرو (دوسری بات یہ سنو کہ) بلاشبہ

قیامت آنے والی ہے، اس کو (تمام مخلوقوں سے) پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں (اور قیامت اس لئے آئے گی) تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلا مل جائے تو (جب قیامت کا آنا یقینی ہے تو) تمہیں قیامت (کے لئے تیار رہنے) سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پائے (یعنی تم ایسے شخص کے اثر سے قیامت کے لئے تیاری کرنے سے بے فکر نہ ہو جانا) جو اس پر ایمان نہیں رکھتا، اور (اس وجہ سے) اپنی (نفسانی) خواہشوں پر چلتا ہے، کہیں تم (اس بے فکری کی وجہ سے) تباہ نہ ہو جاؤ۔

فائدہ: اصول میں بڑے مسئلے تین ہیں: (۱) توحید (۲) نبوت (۳) آخرت۔ یہاں تینوں کی تعلیم کی گئی۔ اور ﴿ فَاعۡبُدۡنِیۡ ﴾ میں تمام فروع آگئے، نماز کے شرف کی وجہ سے اس کا ذکر الگ سے بھی فرمایا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو یہ فرمانا ﴿ فَاعۡبُدۡنِیۡ ﴾ یا ﴿ فَلَا یَصُدَّنَّکَ ﴾ الخ قائم رہنے کی تاکید کے لئے ہے۔ اور دوسروں کو سنانے کے لئے بھی کہ جب خاص حضرات کو یہ احکام سنائے جاتے ہیں تو دوسرے تو کس گنتی میں ہیں۔ اور جوتیاں اتارنے کا حکم یا تو ان کے غیر طاہر ہونے کی وجہ سے ہے یا اس وجہ سے کہ اس مقام کا ادب واحترام ہو، یا اس وجہ سے کہ متبرک مقام کو قدم بھی چھولیں کہ اس کی زیادہ برکت حاصل ہو۔ اور ﴿ اِنَّکَ بِالۡوَادِ ﴾ الخ ہر حال میں علت ہو سکتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور قصہ سے متعلق قوسین یعنی بریکٹ کے درمیان کے مضامین روح اور درمنثور سے لئے گئے ہیں۔ اور اس ندا کی کیفیت وصفت کیا تھی یہ نہ کسی نص میں بیان ہوئی ہے اور نہ ہی قیاس سے اس کو سمجھا جا سکتا ہے، اس لئے اندازہ سے تعیین کرنا اٹکل بازی اور اندھیرے میں تیر چلانا ہے، البتہ یہ امر یقینی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو یقین کے ساتھ یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ نداء اللہ کی جانب سے ہے چاہے یہ یقین ضروری علم سے حاصل ہوا ہو یا کسی دلیل والے علم سے۔ واللہ اعلم

﴿ وَمَا تِلۡكَ بِيَمِيۡنِكَ يٰمُوۡسٰى ۝ قَالَ هِىَ عَصَاىَ‌ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيۡهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِىۡ وَلِىَ فِيۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰى ۝ قَالَ اَلۡقِهَا يٰمُوۡسٰى ۝ فَاَلۡقٰٮهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسۡعٰى ۝ قَالَ خُذۡهَا وَلَا تَخَفۡ سَنُعِيۡدُهَا سِيۡرَتَهَا الۡاُوۡلٰى ۝ وَاضۡمُمۡ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخۡرُجۡ بَيۡضَآءَ مِنۡ غَيۡرِ سُوۡٓءٍ اٰيَةً اُخۡرٰى ۝ لِنُرِيَكَ مِنۡ اٰيٰتِنَا الۡكُبۡرٰى‌ ۝ اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ ﴾

ترجمہ: اور یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ اے موسیٰ! انھوں نے کہا یہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کام ہیں۔ ارشاد ہوا کہ اس کو ڈال دو اے موسیٰ! سو انھوں نے اس کو ڈال دیا، یکایک وہ ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔ ارشاد ہوا کہ اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں، ہم ابھی اس کو اس کی پہلی حالت پر کر دیں گے۔ اور تم اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دے لو۔ وہ بلا کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا کہ یہ دوسری نشانی ہوگی۔ تاکہ ہم تم کو بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دکھلائیں۔

تفسیر: اور (حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی فرمایا کہ) اے موسیٰ! یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟

انھوں نے کہا کہ یہ میری لاٹھی ہے، میں (کبھی) اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور (کبھی) اس سے اپنی بکریوں پر (درختوں کے) پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کام (نکلتے) ہیں (جیسے کاندھے پر رکھ کر کچھ سامان اور چیزیں لٹکا لیتا ہوں، موذی جانوروں کو دور کرتا ہوں، وغیرہ وغیرہ) ارشاد ہوا کہ (اے موسیٰ!) اس (عصا) کو (زمین پر) ڈال دو۔ انھوں نے اس کو (زمین پر) ڈال دیا، وہ یکایک (اللہ کی قدرت سے) ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا (جس سے موسیٰ علیہ السلام ڈر گئے) ارشاد ہوا کہ اس کو پکڑ لو۔ اور ڈرو نہیں ہم ابھی پکڑتے ہی اس کو اس کی پہلی حالت پر کر دیں گے (یعنی یہ پھر عصا بن جائے گا اور تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ عادت کے خلاف یعنی ایک معجزہ تو یہ ہوا) اور (دوسرا معجزہ اور دیا جاتا ہے کہ) تم اپنا (داہنا) ہاتھ اپنی (بائیں) بغل میں دے لو (پھر نکالو) وہ بغیر کسی عیب (یعنی مرض برص یعنی سفید داغ وغیرہ) کے (نہایت) روشن ہو کر نکلے گا یہ (ہماری قدرت اور تمہاری نبوت کی) دوسری نشانی ہوگی (اور عصا یعنی لاٹھی ڈالنے اور ہاتھ کو بغل میں دینے کا یہ حکم اس لئے کیا گیا ہے) تاکہ ہم تمہیں اپنی (قدرت) کی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دکھائیں (تو اب یہ نشانیاں لے کر) تم فرعون کے پاس جاؤ، وہ بہت حد سے نکل گیا ہے (کہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے، تم اس کو توحید کی تبلیغ کرو اور اگر نبوت میں شک کرے تو یہی معجزہ دکھا دو)

فائدہ: اللہ تعالیٰ کا یہ پوچھنا ﴿ مَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ ﴾ الخ یعنی تمہارے داھنے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس لئے تھا کہ اس کی اس وقت کی حقیقت کہ یہ عصا یعنی لاٹھی ہے اور اس کے فائدے ان کے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائیں، پھر جو سانپ بن جائے گا تو اللہ کی قدرت پر ذات اور صفات دونوں کا انقلاب زیادہ دلالت کرے گا، اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں اس کی حقیقت اور فائدے دونوں بیان کئے، لہٰذا سوال و جواب دونوں ایک دوسرے کے مطابق ہیں، اور دوسرے معجزے میں یہ اہتمام نہ فرمانا شاید اس لئے ہو کہ عصا کا معجزہ زیادہ عظیم ہے کہ اس میں ذات اور صفت دونوں کی تبدیلی ہے، اور موسیٰ علیہ السلام کے ڈر جانے کے بارے میں بعض نے کہا کہ طبعی ہے جو کسی بھی طرح شان کے عظیم ہونے کے خلاف نہیں، اور بعض نے کہا ہے کہ جو حادثہ مخلوق کی جانب سے ہو اس میں تو نہ ڈرنا کمال ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نمرود کی آگ سے نہیں ڈرے اور جو امر خالق کی طرف سے ہو، اس میں ڈرنا ہی کمال ہے کہ وہ حقیقت میں حق تعالیٰ سے ڈرنا ہے۔ جیسے تیز ہوا کے وقت جناب رسول اللہ ﷺ کا گھبرا جانا حدیثوں میں آیا ہے تو چونکہ اس تبدیلی میں مخلوق کا واسطہ نہ تھا اس لئے اس سے ڈر گئے کہ یہ اللہ کا کوئی قہر نہ ہو اور دوسری آیت میں ﴿ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِيْنَ ﴾ فرما کر تسلی دینا اس طرف اشارہ کرتا ہے۔ واللہ اعلم

﴿ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ﴿٢٩﴾ هَارُونَ أَخِي ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ﴿٣١﴾ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ﴿٣٢﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ﴿٣٣﴾ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ﴿٣٤﴾ إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿٣٥﴾ ﴾

ترجمہ: تم فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت حد سے نکل گیا ہے۔ عرض کیا کہ اے میرے رب! میرا حوصلہ فراخ کر دیجئے اور میرا کام آسان فرما دیجئے اور میری زبان پر سے بستگی ہٹا دیجئے، تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ اور میرے واسطے میرے کنبہ میں سے ایک معاون مقرر کر دیجئے یعنی ہارون کو کہ میرے بھائی ہیں ان کے ذریعہ سے میری قوت مستحکم کر دیجئے اور ان کو میرے کام میں شریک کر دیجئے تا کہ ہم دونوں آپ کی خوب کثرت سے پاکی بیان کریں۔ اور آپ کا خوب کثرت سے ذکر کریں، بیشک آپ ہم کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

تفسیر: (جب موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ مجھے پیغمبر بنا کر فرعون کو سمجھانے کے لئے بھیجا جا رہا ہے تو اس عظیم منصب و مقام کی شکلوں کی آسانی اور مدد کے لئے درخواست کی اور) عرض کیا کہ اے میرے رب! میرا حوصلہ (اور زیادہ) بڑھا دیجئے (کہ تبلیغ کے عمل میں تنگی یا جھٹلانے اور مخالفت میں دل پریشان نہ ہو) اور میرا (یہ تبلیغ کا) کام آسان فرما دیجئے (کہ تبلیغ کے اسباب جمع اور تبلیغ کے عمل کی رکاوٹیں دور ہو جائیں) اور میری زبان کی گرہ (لکنت) ہٹا دیجئے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں، اور میرے واسطہ میرے خاندان میں سے ایک مددگار مقرر کر دیجئے یعنی ہارون کو کہ میرے بھائی ہیں ان کے ذریعہ سے میری قوت کو مضبوط کر دیجئے اور انہیں میرے (اس تبلیغ کے) کام میں شریک کر دیجئے (یعنی انہیں بھی نبی بنا کر تبلیغ کا حکم دیدیجئے کہ ہم دونوں تبلیغ کا کام کریں اور میرے دل کو قوت پہنچے) تا کہ ہم دونوں (مل کر تبلیغ اور دعوت کے وقت) خوب کثرت سے آپ کی (شرکت اور عیبوں سے) پاکی بیان کریں اور آپ (کی صفتوں اور کمال) کا خوب کثرت سے ذکر کریں، کیونکہ اگر دو شخص تبلیغ کریں گے تو ہر شخص کا بیان دوسرے کی تائید سے بھرا ہوا ہوگا) بیشک آپ ہمیں (اور ہمارے حال کو) خوب دیکھ رہے ہیں (اس حالت سے ہماری اس امر کی ضرورت آپ کو معلوم ہے کہ ہم ایک دوسرے کے مددگار ہوں)

فائدہ: جس گرہ کے کھولنے کی موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی ہے وہ یا تو پیدائشی لکنت تھی جیسا کہ بعض نے کہا ہے۔ یا پھر بچپن میں جب ایک بار انھوں نے فرعون کی ڈاڑھی پکڑ لی تھی اور فرعون نے بدلا لینا چاہا اور اس کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے سفارش کی کہ بچہ ہے، اسے کیا سمجھ ہے اور اس امر کے امتحان کے لئے ان کے سامنے آگ لائی گئی اس وقت انھوں نے ایک چنگاری اٹھا کر منہ میں رکھ لی تھی جس سے زبان کی روانی کم ہوگئی تھی جیسا کہ درمنثور میں سعید بن جبیر کی روایت ہے۔ اور یہ اشکال کہ پہلے تو ہاتھ جلا ہوگا، پھر منہ تک چنگاری کیسے لے گئے؟ اس کا جواب یہ ممکن ہے کہ شاید اس کوئلے کا ایک حصہ نہ جلا ہو۔ ادھر سے پکڑ کر جلتا ہوا حصہ منہ میں رکھ لیا ہو۔

پھر یہ کہ اس دعا سے مقصود کیا لکنت کا بالکل دور ہو جانا تھا یا صرف ضرورت کے مطابق سمجھانا؟ دونوں احتمال ہیں: اگرچہ گرہ کا نکرہ ہونا اور ﴿یَفْقَهُوْا﴾ یعنی لوگ سمجھ لیں کو غرض قرار دینا اور ﴿لَا یَكَادُ یُبِیْنُ﴾ کے ظاہری) الفاظ دوسرے احتمال کو ترجیح دیتے ہیں، لیکن پھر بھی یہ نص نہیں، کیونکہ پہلے دو قرینے تو بظاہر پہلے احتمال کے ساتھ بھی جمع ہو سکتے

ہیں۔ اور تیسرا قرینہ یعنی ﴿ لَا یَكَادُ ﴾ الخ فرعون کا قول ہے جو ممکن ہے عناد کے طور پر ہو کہ آپ کے حجت کے بیان کو عدم بیان کہہ دیا ہو، اور ہر حال میں ﴿ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰى ﴾ نص ہے کہ آپ کی درخواست جو کچھ بھی ہے، وہ سب منظور ہوگئی۔

اور دوسرے احتمال پر شبہ نہ کیا جائے کہ تھوڑی سی لکنت بھی زبان میں رہ جانا عیب ہے اور نبی عیب سے پاک ہوتے ہیں، یہ شبہ نہ ہو سکنے کی وجہ یہ ہے کہ ایسی لکنت جو بات سمجھانے میں رکاوٹ نہ ہو اور سننے والوں کو وہ ناگوار بھی نہ ہو اس کا عیب ماننا قبول نہیں، بلکہ روانی کا فرق رنگ اور جسم میں فرق کی طرح ہے۔

اور خاص خاندان والوں میں سے مددگار شاید اس لئے مانگا کہ انہیں فطری الفت بھی زیادہ ہوگی، اس لئے ان سے مدد زیادہ ہو سکتی ہے، اور احقر نے جو ﴿ اشْدُدْ، وَ اَشْرِكْهُ ﴾ کی تفسیر میں کہا ہے کہ انہیں نبی بنا کر الخ نبوت کی درخواست پر اس کی دلالت اس لئے ہے کہ حق تعالیٰ سے مددگار بنانے کی درخواست کی اور بغیر نبوت کے تو امداد کی یہ درخواست خود ہارون علیہ السلام سے بھی کر سکتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مقصود نبی بنوانا ہے اور ﴿ كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ۙ وَّ نَذْكُرَكَ كَثِیْرًا ﴾ کو اگر خلوت میں تسبیح اور ذکر پر محمول کیا جائے تو وہ بھی ایک اچھی وجہ ہے یعنی جب تقویت کے اسباب زیادہ ہوں گے تو طبیعت میں نشاط زیادہ ہوگا اور نشاط کی قوت کو ذکر کی کثرت میں خاص دخل ہے۔

﴿ قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰى ۞ وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ مَرَّةً اُخْرٰۤى ۞ اِذْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّكَ مَا یُوْحٰۤى ۞ اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ۬ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَیْنِیْ ۞ اِذْ تَمْشِیْۤ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ یَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ ؕ۬ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫۬ فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ ۙ۬ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ یّٰمُوْسٰى ۞ وَ اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ ۞ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰیٰتِیْ وَ لَا تَنِیَا فِیْ ذِكْرِیْ ۞ اِذْهَبَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۞ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰى ۞ ﴾

ترجمہ: ارشاد ہوا کہ تمہاری درخواست منظور کی گئی اے موسیٰ! اور ہم تو اور دفعہ اور بھی تم پر احسان کر چکے ہیں، جبکہ ہم نے تمہاری ماں کو وہ بات الہام سے بتلائی جو الہام سے بتلانے کی تھی، یہ کہ موسیٰ کو ایک صندوق میں رکھو پھر ان کو دریا میں ڈال دو۔ پھر دریا ان کو کنارہ تک لے آوے گا کہ ان کو ایسا شخص پکڑ لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور ان کا بھی دشمن ہے اور میں نے تمہارے اوپر اپنی طرف سے ایک اثر محبت ڈال دیا۔ اور تاکہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ، جبکہ تمہاری بہن چلتی ہوئی آئیں پھر کہنے لگیں کیا تم لوگوں کو ایسے شخص کا پتہ دوں جو اس کو پالے رکھے، پھر ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا

تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کو غم نہ رہے۔ اور تم نے ایک شخص کو جان سے مار ڈالا پھر ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی اور ہم نے تم کو خوب خوب محنتوں میں ڈالا۔ پھر مدین والوں میں کئی سال رہے پھر ایک خاص وقت پر تم آئے اے موسیٰ! اور ہم نے تم کو اپنے لئے منتخب کیا۔ تم اور تمہارے بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ۔ اور میری یادگاری میں سستی مت کرنا۔ دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت نکل چلا ہے۔ پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ نصیحت قبول کر لے یا ڈر جاوے۔

تفسیر: ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ! تمہاری (ہر) درخواست (جو کہ ﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ﴾ الخ میں کی گئی ہے) منظور کی گئی اور (یہ تو تمہاری خود اپنی کی ہوئی درخواست تھی) ہم تو دوسرے موقع پر (اس سے پہلے بغیر درخواست ہی) تم پر اور بھی احسان کر چکے ہیں، جب ہم نے تمہاری ماں کو وہ بات الہام کے ذریعہ بتائی جو (بہت اونچی شان والی ہونے کی وجہ سے) الہام کے ذریعہ بتانے کے (قابل) تھی (وہ) یہ کہ موسیٰ کو (جلادوں کے ہاتھ سے بچانے کے لئے) ایک صندوق میں رکھو، پھر ان کو (صندوق سمیت) دریا میں (جس کی ایک شاخ فرعون کے محل تک بھی گئی تھی) ڈال دو (پھر دریا انہیں صندوق سمیت) کنارہ (کے پاس) تک لے آئے گا کہ (آخر) انہیں ایک ایسا شخص پکڑے گا جو (کافر ہونے کی وجہ سے) میرا بھی دشمن ہے اور ان کا بھی دشمن ہے (چاہے فی الحال اس وجہ سے کہ سب بچوں کو قتل کرتا تھا۔ چاہے آئندہ کہ خاص طور پر ان کا دشمن ہوگا) اور جب صندوق پکڑا گیا اور تم اس میں سے نکالے گئے تو) میں نے تمہارے (چہرے کے) اوپر اپنی طرف سے محبت کا اثر ڈال دیا (تا کہ تمہیں جو بھی دیکھے پیار کرے) اور تا کہ تم میری (خاص) نگرانی میں پرورش پاؤ (یہ اس وقت کا قصہ ہے) جب کہ تمہاری بہن (تمہاری تلاش میں) چلتی ہوئی (فرعون کے گھر) آئیں پھر (تمہیں دیکھ کر اجنبی بن کر) کہنے لگیں (جبکہ تم کسی انا کا دودھ نہ پیتے تھے) کیا تم لوگوں کو اس کا پتہ دوں جو اس کو (اچھی طرح) پالے رکھے (چنانچہ ان لوگوں نے کیونکہ انہیں ضرورت تھی، منظور کیا اور تمہاری بہن تمہاری ماں کو بلا لائیں) پھر (اس تدبیر سے) ہم نے تمہیں تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور انہیں غم نہ رہے (جیسا کہ تھوڑی دیر تک جدائی کی وجہ سے غم زدہ رہیں) اور (بڑے ہونے کے بعد ایک اور احسان کیا کہ) تم نے (غلطی سے) ایک شخص (قبطی کو جان سے) مار ڈالا (جس کا قصہ سورۂ قصص میں ہے اور مارنے کے بعد عذاب و سزا کے خوف سے بھی اور انتقام کے خوف سے بھی غم ہوا) پھر ہم نے تمہیں اس غم سے نجات دی (عذاب و سزا کے خوف سے تو اس طرح کہ توبہ و استغفار کی توفیق دی اور اس کو قبول کیا اور انتقام کے خوف سے اس طرح کہ مصر سے مدین پہنچا دیا) اور (مدین پہنچنے تک) ہم نے تمہیں طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالا (اور پھر ان سے چھٹکارا دیا جن کا ذکر سورۂ قصص میں ہے کہ چھٹکارا دینا بھی احسان ہے اور خود آزمائش میں مبتلا کرنا بھی، کیونکہ وہ اچھے اخلاق اور بہترین مہارتوں کے حاصل کرنے کا سبب ہے یہ ایک مستقل احسان ہے) پھر (مدین پہنچے اور) مدین والوں میں کئی سال رہے پھر ایک خاص وقت پر (جو تمہاری نبوت اور

مجھ سے کلام کرنے کے لئے مقرر میرے علم میں تھا) تم (یہاں آئے۔ اور (یہاں آنے پر) میں نے تمہیں اپنے (نبی بنانے کے) لئے منتخب کیا (تو اب) تم اور تمہارے بھائی دونوں میری نشانیاں (یعنی معجزے کہ اصل دو معجزے ہیں عصا یعنی لاٹھی اور ید بیضا یعنی ہاتھ کا روشن چمکتا ہوا ہونا اور ہر ایک میں معجزہ ہونے کی کئی کئی وجہیں ہیں) لے کر (جس موقع کے لئے حکم ہوتا ہے) جاؤ اور میری یاد میں (چاہے تنہائی کے وقت میں یا تبلیغ کے وقت میں) سستی مت کرنا (اب جانے کا موقع بتایا جاتا ہے کہ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، وہ حد سے بڑھ گیا ہے پھر (اس کے پاس جا کر) اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ (سمجھانے بجھانے اور ترغیب دینے سے) نصیحت قبول کر لے (یا اللہ کے عذاب سے) ڈر جائے (اور مان جائے)

فائدہ: معجزہ ہونے کی کئی وجہیں اس طرح ہیں: (۱) کہ عصا کا اژدہا بن جانا (۲) پھر عصا بن جانا (۳) ہاتھ کا روشن ہونا (۴) پھر اصلی حالت پر آجانا۔ اور ﴿ لَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي ﴾ یعنی میرے ذکر میں سستی نہ کرنا اہتمام کے لئے فرمایا، ورنہ نبیوں میں اس کا احتمال نہیں۔ اور ﴿ لَعَلَّهُ ﴾ یعنی شاید کا لفظ دوسرے لوگوں کے اعتبار سے فرمایا نہ کہ اللہ کے علم کے اعتبار سے۔ اور دونوں کو حکم فرمانے کے لئے ہارون علیہ السلام کا وہاں موجود ہونا ضروری نہیں یا تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہو کہ ان سے کہہ دیں یا انہیں ان کے مقام پر وحی ہوئی ہو یا یہ وحی طور پہاڑ سے واپسی کے بعد دونوں کے جمع ہونے کے وقت ہوئی ہو۔ واللہ اعلم

اور بار بار ﴿ يٰمُوسٰى ﴾ فرمانا مہربانی اور عزت افزائی کے لئے ہے اور الہام جو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ہوا تھا۔ اس میں گنتی کی تعیین نہیں فرمائی تھی جیسا کہ قصہ سے معلوم ہوتا ہے، اور یہ الہام اگر فرشتہ کے ذریعہ سے ہوا ہو تب بھی نبوت لازم نہیں آتی، کیونکہ نبوت کے لئے تبلیغ لازم ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ساتھ جو نرم انداز سے گفتگو کرنے کا حکم ہوا تو وہ موقع نرمی سے گفتگو کرنے کا ہی تھا، اور آنحضرت ﷺ کو منافقوں کے ساتھ ﴿ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ﴾ یعنی سختی سے پیش آنے کا حکم فرمایا گیا تو ان کے ساتھ سخت برتاؤ ہی مناسب تھا۔ یہ توجیہ اس رائے کے برخلاف بالکل پاک صاف ہے جو بعض لوگ حکم کے اس اختلاف کو حضرت موسیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے مزاج مبارک پر محمول کرتے ہیں کہ وہ بے ادبی سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم

﴿ قَالَا رَبَّنَآ إِنَّنَا نَخَافُ أَن يَفْرُطَ عَلَيْنَآ أَوْ أَن يَطْغٰى ۝ قَالَ لَا تَخَافَآ إِنَّنِي مَعَكُمَآ أَسْمَعُ وَأَرٰى ۝ فَأْتِيٰهُ فَقُولَآ إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۖ قَدْ جِئْنٰكَ بِـَٔايَةٍ مِّن رَّبِّكَ ۖ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَآ أَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَن كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ قَالَ فَمَن رَّبُّكُمَا يٰمُوسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيٓ أَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُۥ ثُمَّ هَدٰى ۝ ﴾

ترجمہ: دونوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے یا یہ کہ وہ شرارت نہ کرنے لگے۔ ارشاد ہوا کہ تم اندیشہ نہ کرو میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ سوسنتا، دیکھتا ہوں، سوتم اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے فرستادے ہیں، سو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے اور ان کو تکلیفیں مت پہنچا ہم تیرے رب کی طرف سے نشان لائے ہیں اور ایسے شخص کے لئے سلامتی ہے جو راہ چلے۔ ہمارے پاس یہ حکم پہنچا ہے کہ عذاب اس شخص پر ہوگا جو جھٹلادے اور روگردانی کرے۔ وہ کہنے لگا کہ پھر تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ! موسیٰ نے کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب بناوٹ عطا فرمائی پھر رہنمائی فرمائی۔

تفسیر: (جب یہ حکم دونوں حضرات کو پہنچ چکا تو) دونوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! (ہم تبلیغ کے لئے تیار ہیں۔ لیکن) ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ (کہیں) وہ ہمارے اوپر (تبلیغ سے پہلے ہی زیادتی نہ کر بیٹھے (کہ تبلیغ ہی رہ جائے) یا یہ کہ (خاص تبلیغ کے وقت اپنے کفر میں) زیادہ شرارت نہ کرنے لگے (کہ تبلیغ کی بات نہ سنے نہ سننے دے، جس کی وجہ سے تبلیغ کی بات ہی صحیح طریقہ سے نہ کی جاسکے اور فریضہ انجام نہ دیا جاسکے) ارشاد ہوا کہ (اس امر سے بالکل) اندیشہ نہ کرو (کیونکہ) میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، سب سنتا، دیکھتا ہوں (میں تمہاری حفاظت کروں گا، اور اس کو تم سے مرعوب کردوں گا، جس کی وجہ سے تم پوری تبلیغ کرسکو گے، جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا ﴾) تو تم (بےخوف ہوکر) اس کے پاس جاؤ اور (اس سے) کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں (کہ ہمیں نبی بنا کر بھیجا گیا ہے) تو (تو ہماری اطاعت کر، عقیدہ کی اصلاح میں بھی، اس طرح کہ توحید کی تصدیق کر اور اخلاق کی اصلاح میں بھی کہ ظلم وغیرہ سے باز آ اور) بنی اسرائیل کو (جن پر تو ناحق ظلم کرتا ہے، اپنے ظلم سے نجات دے کر) ہمارے ساتھ جانے دے (کہ وہ جہاں چاہیں اور جس طرح چاہیں، رہیں) اور انہیں تکلیف مت پہنچا (اور) ہم (جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں، یہ یوں ہی نہیں، بلکہ ہم) تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے اپنی نبوت کی) نشانی (یعنی معجزہ بھی) لائے ہیں اور حق کی تصدیق اور اس کو قبول کرنے کا نتیجہ اس کلی قاعدہ سے معلوم ہوگا کہ) ایسے شخص کے لئے (اللہ کے عذاب سے) سلامتی ہے جو (سیدھے راستہ پر چلے (اور حق کو جھٹلانے اور رد کرنے کے معاملہ میں) ہمارے پاس یہ حکم پہنچا ہے کہ (اللہ کے قہر کا) عذاب اس شخص پر ہوگا جو (حق کو) جھٹلائے، اور (اس سے) منہ پھیرے (غرض یہ ساری باتیں اس سے جا کر کہو، چنانچہ دونوں حضرات تشریف لے گئے اور اس سے سب کہہ دیا تو) وہ کہنے لگا کہ پھر اے موسیٰ! (یہ تو بتاؤ کہ) تم دونوں کا رب کون ہے؟ (جس کا تم خود کو بھیجے ہوئے بتاتے ہو (جواب میں) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ہمارا (دونوں کا بلکہ سب کا) رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب بناوٹ عطا فرمائی۔ پھر (ان میں جو جاندار چیزیں تھیں انہیں ان کے فائدوں اور مصلحتوں کی طرف) رہنمائی فرمائی (چنانچہ ہر جاندار اپنی مناسب غذا، جوڑا اور رہنے کا ٹھکانا وغیرہ ڈھونڈ لیتا ہے، تو وہی ہمارا بھی رب ہے)

فائدہ: سورۂ قصص کی آیت ۳۵ میں ﴿ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ ﴾ کے ساتھ ﴿ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا ﴾ آیا ہے تو ذکر میں ملانے سے حکم میں شامل کرنا لازم نہیں آتا، اب یہ اشکال نہ رہا کہ ﴿ نَجْعَلُ سُلْطٰنًا ﴾ کے وعدہ کے بعد پھر خوف کیوں ہوا؟ اور اگر ﴿ يَسِّرْ لِيٓ أَمْرِي ﴾ کے ساتھ ﴿ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ ﴾ کو ملانے سے شبہ ہو کہ تبلیغ کے معاملہ کو آسان کرنے کے وعدہ کے بعد یہ خوف کیوں ہوا؟ تو جواب یہ ہے کہ تبلیغ کے معاملہ میں آسانی پیدا کرنے کے معنی بولنے والے میں پائی جانے والی رکاوٹیں دور کرنا، مخاطب میں پائی جانے والی رکاوٹیں دور کرنے کے لئے لازم نہیں۔ اور فرعون اگر بنانے والے کے وجود کا قائل تھا تب تو ﴿ أَعْطٰى ﴾ الخ کو صلہ میں لانا اس کے معلوم ہونے کی وجہ سے ہے اور اگر وہ دہریہ تھا تو اس کو صلہ میں لانا معلوم ہونے جیسا ہونے کی وجہ سے ہے اور فرعون کا صرف موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب بنانا یا تو اس لئے رہا کہ اسے قرینہ سے ان کا اصل ہونا معلوم ہو گیا یا پرانے تعلق کی وجہ سے ہو یا اس لئے کہ کلام بھی موسیٰ علیہ السلام ہی نے کیا تھا۔ ہارون علیہ السلام صرف تائید کے لئے ساتھ تھے۔ واللہ اعلم

اور ﴿ أَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ﴾ میں کسی چیز کے بناوٹ میں ناقص ہونے سے شبہ نہ کیا جائے، کیونکہ وہاں یہی مناسب ہے، چاہے اس کی مصلحتیں پوشیدہ ہوں، اور ﴿ أَنَّ الْعَذَابَ ﴾ کے ترجمہ میں قہر کی قید سے یہ شبہ جاتا رہا کہ عذاب تو گنہ گاروں کو بھی ہوگا، تو وہ عذاب گناہوں سے پاک کرنے کے لئے ہے نہ کہ قہر کی وجہ سے۔

﴿ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولٰى ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَّأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۭ فَأَخْرَجْنَا بِهٖٓ أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝ كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ ۭ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي النُّهٰى ۝ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى ۝ ﴾ ع

ترجمہ: فرعون نے کہا کہ اچھا تو پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا؟ موسیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں کا علم میرے پروردگار کے پاس دفتر میں ہے۔ میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ وہ ایسا ہے جس نے تم لوگوں کے لئے زمین کو فرش بنایا۔ اور اس میں تمہارے واسطے رستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے اقسام مختلفہ کے نباتات پیدا کئے۔ خود کھاؤ اور اپنے مواشی کو چراؤ۔ ان چیزوں میں اہل عقل کے واسطے نشانیاں ہیں۔ ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تم کو لے جاویں گے اور پھر دوبارہ اسی سے تم کو نکالیں گے۔

تفسیر: فرعون نے (اس پر شبہ کیا ﴿ أَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴾ اس لئے اس نے) کہا کہ اچھا تو پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا؟ (جو نبیوں کو جھٹلاتے تھے۔ ان پر کونسا عذاب نازل ہوا؟) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ (میں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ عذاب جس کا وعدہ کیا گیا ہے، دنیا ہی میں آنا ضروری ہے، بلکہ کبھی دنیا میں بھی آجاتا ہے اور آخرت

میں تو ضرور ہی ہوگا۔ چنانچہ) ان لوگوں (کی بداعمالیوں) کا علم میرے پروردگار کے پاس لکھی ہوئی کتاب میں (محفوظ) ہے (اگرچہ اس کو کسی چیز کے لکھنے اور کتاب رکھنے کی ضرورت نہیں، مگر بعض حکمتوں کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال معلوم ہیں، اور) میرا رب (ایسا جاننے والا ہے کہ) نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے (لہٰذا اسے ان کے اعمال کا صحیح صحیح علم ہے، مگر عذاب کے لئے وقت مقرر کر رکھا ہے، جب وہ وقت آئے گا تو وہ عذاب ان پر جاری کر دیا جائے گا۔ لہٰذا دنیا میں عذاب نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفر اور جھٹلانا، عذاب کی علت نہ ہو۔

یہاں تک موسیٰ علیہ السلام کا بیان ہو چکا۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنے رب ہونے کی شان کی کچھ تفصیل بیان فرماتے ہیں، جس کا ذکر مختصر انداز میں موسیٰ علیہ السلام کے اس کلام میں تھا ﴿رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی﴾ الخ ﴿عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ﴾ الخ ﴿لَا یَضِلُّ رَبِّیْ﴾ الخ چنانچہ ارشاد ہے کہ) وہ (رب) ایسا ہے جس نے تم لوگوں کے لئے زمین کو فرش (کی طرح) بنایا (کہ اس پر آرام کرتے ہو) اور اس (زمین) میں تمہارے (چلنے کے) واسطے راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اسی (پانی) کے ذریعہ سے مختلف قسم کے پیڑ پودے پیدا کئے (اور تمہیں اجازت دی کہ) خود (بھی) کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو (بھی) چراؤ۔ ان سب چیزوں میں (جن کا ذکر ہوا) عقل والوں کے (استدلال کے) واسطے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں (اور جس طرح نباتات یعنی پیڑ پودوں کو زمین سے نکالتے ہیں، اسی طرح) ہم نے تمہیں اسی زمین سے (شروع میں) پیدا کیا (چنانچہ آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے تو ان کے واسطے سے سب کا دور کا مادہ مٹی ہوئی) اور اسی میں ہم تمہیں (موت کے بعد) لے جائیں گے (چنانچہ کوئی بھی مردہ چاہے کسی بھی حالت میں ہو، آخر کار چاہے لمبی مدت کے بعد سہی مگر مٹی میں ضرور ملے گا) اور (قیامت کے دن) پھر دوبارہ اسی میں سے تمہیں نکالیں گے (جیسا کہ پہلی بار اس سے پیدا کر چکے ہیں)

فائدہ: شاید اللہ تعالیٰ نے یہ جملہ اس لئے بڑھا دیا کہ یہ سورت مکی ہے اور مکہ کے کافر توحید اور بعث کے منکر تھے، اور اس جملہ میں دونوں پر دلالت ہے۔ واللہ اعلم

﴿وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰی ۝ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ یٰمُوْسٰی ۝ فَلَنَاْتِیَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًی ۝ قَالَ مَوْعِدُكُمْ یَوْمُ الزِّیْنَةِ وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًی ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے اس کو اپنی سب ہی نشانیاں دکھلائیں سو وہ جھٹلاتا ہی کیا اور انکار ہی کرتا رہا۔ کہنے لگا کہ اے موسیٰ! تم ہمارے پاس اس واسطے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے اپنے جادو سے نکال باہر کردو۔ سو اب ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لاتے ہیں تو ہمارے اور اپنے درمیان میں ایک وعدہ مقرر کرلو جس کو نہ ہم خلاف کریں اور نہ تم خلاف کرو کسی ہموار

میدان میں۔ موسیٰ نے فرمایا: تمہارے وعدہ کا وقت وہ دن ہے جس میں میلا ہوتا ہے اور دن چڑھے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔

تفسیر: اور ہم نے اس (فرعون) کو اپنی (وہ) سب ہی نشانیاں دکھائیں (جو کہ موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی تھیں) تو وہ (پھر بھی) جھٹلاتا ہی رہا اور انکار ہی کرتا رہا (اور) کہنے لگا کہ اے موسیٰ! تم ہمارے پاس (یہ دعویٰ لے کر) اس واسطے آئے ہو (گے) کہ اپنے جادو (کے زور سے) ہمیں ہمارے ملک سے نکال باہر کرو (اور خود عوام کو فریب دے کر اور تابع بنا کر رئیس و سردار بن جاؤ) تو اب ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لاتے ہیں تو ہمارے اور اپنے درمیان میں ایک وعدہ مقرر کر لو، جس سے نہ ہم پھریں اور نہ ہی تم پھرو، کسی کھلے میدان میں (تاکہ سب دیکھ لیں) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: تمہارے (مقابلہ کے) وعدہ کا وقت وہ دن ہے، جس میں (تمہارا) میلا ہوتا ہے، اور (جس میں) دن چڑھے لوگ جمع ہو جاتے ہیں (اور ظاہر ہے کہ میلے کا موقع اکثر ہموار زمین پر ہی ہوتا ہے، اس سے ﴿مَكَانًا سُوًى﴾ کی شرط بھی پوری ہو جائے گی)

فائدہ: فرعون نے جو کہا ﴿اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا﴾ اگر اس سے وہ دل میں یہ سمجھتا ہوگا جیسا کہ ظاہر بھی ہے تو یہ کہنا اس لئے ہوگا کہ دوسرے سننے والوں میں موسیٰ علیہ السلام کے خلاف غیظ و غضب بھڑک جائے، کیونکہ وطن اور گھر بار کو چھوڑنا طبیعتوں پر بہت ناگوار گذرتا ہے۔ اور اس غیظ کی وجہ سے ان کی طرف میلان نہ ہونے پائے کہ آیتوں میں غور و فکر کر سکیں۔

﴿فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ۝ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۝ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۝ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَاۗءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ

جَهَنَّمَ ۖ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾ وَمَنْ يَّأْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿٧٥﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾ ع

ترجمہ: غرض فرعون لوٹ گیا، پھر اپنا مکر کا سامان جمع کرنا شروع کیا، پھر آیا۔ موسیٰ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ ارے کم بختی کے مارو! اللہ پر جھوٹ وافترا مت کرو، کبھی اللہ تعالیٰ تم کو کسی قسم کی سزا سے بالکل نیست و نابود ہی کردے اور جو جھوٹ باندھتا ہے وہ ناکام رہتا ہے۔ پس جادوگر باہم اپنی رائے میں اختلاف کرنے لگے اور خفیہ گفتگو کرتے رہے۔ کہنے لگے کہ بیشک یہ دونوں جادوگر ہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو سے تم کو تمہاری سرزمین سے نکال باہر کریں اور تمہارے عمدہ طریقہ کا دفتر ہی اٹھادیں۔ تو اب تم مل کر اپنی تدابیر کا انتظام اور صفیں آراستہ کرکے آؤ۔ اور آج وہی کامیاب ہے جو غالب ہو۔ انھوں نے کہا کہ اے موسیٰ! آپ پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں! تم ہی پہلے ڈالو، پس یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کی نظر بندی سے موسیٰ کے خیال میں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے چلتی دوڑتی ہوں، سو موسیٰ کے دل میں تھوڑا سا خوف ہوا۔ ہم نے کہا کہ تم ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے۔ اور یہ تمہارے داھنے ہاتھ میں جو ہے اس کو ڈال دو ان لوگوں نے جو کچھ بنایا ہے یہ سب کو نگل جاوے گا۔ یہ جو کچھ بنایا ہے جادوگروں کا سوانگ ہے اور جادوگر کہیں جاوے، کامیاب نہیں ہوتا۔ سو جادوگر سجدہ میں گر گئے، کہا ہم تو ایمان لے آئے ہارون اور موسیٰ کے پروردگار پر۔ فرعون نے کہا بدون اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ واقعی وہ تمہارے بھی بڑے ہیں کہ انھوں نے تم کو سحر سکھلا دیا ہے۔ سو میں تم سب کے ہاتھ پاؤں کٹواتا ہوں، ایک طرف کا ہاتھ اور ایک طرف کا پاؤں اور تم سب کو کھجوروں کے درختوں پر ٹنگواتا ہوں اور یہ بھی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ ہم دونوں میں کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔ ان لوگوں نے صاف جواب دے دیا کہ ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہ دیں گے بمقابلہ ان دلائل کے جو ہم کو ملے ہیں اور بمقابلہ اس ذات کے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے تجھ کو جو کچھ کرنا ہو کر ڈال، تو بجز اس کے کہ اس دنیوی زندگانی میں کچھ کرلے اور کر ہی کیا سکتا ہے، پس اب تو ہم اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے۔ تاکہ ہمارے گناہ معاف کردیں اور تو نے جو جادو میں ہم پر زور ڈالا اس کو بھی معاف کردیں۔ اور اللہ تعالیٰ بدرجہا اچھے ہیں، اور زیادہ بقاء والے ہیں جو شخص مجرم ہو کر اپنے رب کے پاس حاضر ہوگا سو اس کے لئے دوزخ ہے اس میں نہ مرے ہی گا اور نہ جئے ہی گا۔ اور جو شخص اس کے پاس مؤمن ہو کر حاضر ہوگا جس نے نیک کام بھی کئے ہوں سو ایسوں کے لئے بڑے اونچے درجے ہیں، یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اور جو شخص پاک ہو اس کا یہی انعام ہے۔

تفسیر: غرض (یہ سن کر) فرعون (دربار سے اپنی جگہ) لوٹ گیا، پھر اپنی تدبیروں (یعنی جادو) کا سامان جمع کرنا

شروع کیا۔ پھر (سب کو لے کر اس میدان میں جہاں کے بارے میں وعدہ ہوا تھا) آیا (اس وقت) موسیٰ (علیہ السلام) نے ان (جادوگر) لوگوں سے فرمایا: کم بختی کے مارو! اللہ تعالیٰ پر جھوٹی تہمت مت لگاؤ (کہ اس کے وجود اور توحید کا انکار کرنے لگو، یا اس کے ظاہر کئے ہوئے معجزوں کو جادو بتانے لگو) کبھی اللہ تعالیٰ تمہارا کسی قسم کی سخت سزا کے ذریعہ بالکل نام ونشان ہی مٹا دے اور جو جھوٹ گھڑتا ہے وہ (آخر) ناکام ہوتا ہے، تو وہ لوگ (جادوگر (یہ بات سن کر ان دونوں حضرات کے بارے میں) آپس میں اختلاف کرنے لگے اور خفیہ گفتگو کرتے رہے آخر میں سب متفق ہو کر) کہنے لگے کہ بیشک یہ دونوں جادوگر ہیں، ان کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہاری زمین سے نکال دیں اور تمہارے عمدہ (مذہبی) طریقہ کو ختم ہی کر دیں، تو اب تم مل کر اپنی تدبیر کا انتظام کرو اور صفیں لگا کر (ان کے مقابلہ میں) آؤ اور آج وہی کامیاب ہے جو غالب ہو (پھر) انھوں نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا کہ اے موسیٰ! (کہئے) آپ (اپنا عصا) پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں؟ آپ نے (نہایت لاپرواہی سے) فرمایا: بلکہ تم ہی پہلے ڈالو (چنانچہ انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور نظر بندی کر دی) تو یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کی نظر بندی سے موسیٰ (علیہ السلام) کو چلتی دوڑتی معلوم ہونے لگیں، تو موسیٰ (علیہ السلام) کے دل میں تھوڑا سا خوف ہوا (کہ جب یہ رسیاں اور لاٹھیاں بھی دیکھنے میں سانپ معلوم ہوتی ہیں اور میرا عصا بھی زیادہ سے زیادہ اژدہا بن جائے تو دیکھنے والے تو دونوں چیزوں کو ایک ہی سمجھیں گے، پھر حق و باطل میں امتیاز کیسے کریں گے؟ اور یہ خوف طبیعت کے تقاضے کے مطابق تھا، ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو لازمی طور پر وہ اس کے تمام اتار چڑھاؤ کا بھی انتظام کر دے گا اور اپنے رسول کی پوری مدد کرے گا، اور ایسا طبعی خوف جو وسوسہ کے درجہ میں تھا شان اور کمال کے خلاف نہیں۔ غرض یہ کہ جب یہ خوف ہوا اس وقت) ہم نے کہا کہ تم ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے اور (اس کی صورت یہ ہے کہ یہ) جو تمہارے داہنے ہاتھ میں (عصا) ہے اس کو ڈال دو، ان لوگوں نے جو کچھ (تماشہ) بنایا ہے (یہ عصا) سب کو نگل جائے گا، یہ جو کچھ بنایا ہے جادوگروں کا فریب ہے اور جادوگر کہیں بھی جائے (معجزہ کے مقابلہ میں کبھی بھی) کامیاب نہیں ہوتا (موسیٰ علیہ السلام کو تسلی ہوگئی کہ اب اچھی طرح فرق ہو سکتا ہے، چنانچہ انھوں نے عصا ڈالا اور واقعی وہ سب کو نگل گیا) تو (جب جادوگروں نے جادو سے اوپر کا یہ عمل دیکھا تو سمجھ گئے کہ بیشک یہ معجزہ ہے۔ چنانچہ فوراً ہی سارے) جادوگر سجدہ میں گر گئے (اور انھوں نے بلند آواز سے) کہا کہ ہم تو ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے، فرعون نے (یہ واقعہ دیکھ کر جادوگروں کو ڈرانے اور دھمکانے کی کوشش کی، اس نے) کہا کہ اس کے بغیر ہی کہ میں تمہیں اجازت دوں (یعنی میری مرضی اور میری اجازت کے بغیر ہی) تم موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لے آئے، واقعی (معلوم ہوتا ہے کہ) وہ (جادو میں) تمہارے بھی بڑے (اور استاذ) ہیں کہ انھوں نے تمہیں جادو سکھایا ہے (اور استاذ و شاگردوں نے مل کر یہ بناوٹی مقابلہ کیا ہے تا کہ تم ملک کے مالک بن جاؤ) تو (اب حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے) میں تم سب کے ہاتھ پاؤں کٹواتا ہوں، ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری

طرف کا پاؤں، اورتم سب کو کھجوروں پر سولی دلاتا ہوں (تا کہ سب دیکھ کر عبرت حاصل کریں) اور تمہیں ابھی یہ معلوم ہوجائے گا کہ ہم دونوں (یعنی مجھ میں اور موسیٰ کے رب) میں کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر تک رہنے والا ہے۔ ان لوگوں نے صاف جواب دیدیا کہ ہم ان دلیلوں کے مقابلہ میں تمہیں کبھی ترجیح نہ دیں گے جو ہمیں ملی ہیں، اور اس (ذات کے مقابلہ میں جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، تمہیں جو کچھ کرنا ہو دل کھول کر) کرڈالو۔ تم اس کے سوا کہ اس دنیاوی زندگی میں کچھ کرلو اور کیا کرسکتے ہو، لہٰذا اب تو ہم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تا کہ وہ ہمارے (پچھلے) گناہ (کفر وغیرہ) معاف کردیں اور تم نے جو ہمیں جادو کے لئے مجبور کیا اس کو بھی معاف کردیں اور اللہ تعالیٰ (ذات وصفات کے اعتبار سے بھی تجھ سے) بہت زیادہ (اچھے ہیں) اور (ثواب اور عقاب یعنی سزا کے اعتبار سے بھی) زیادہ باقی رہنے والے ہیں (اور تجھے نہ بہتر ہونا نصیب ہے نہ باقی رہنا، تو تیرے انعام کی کیا حیثیت ہے جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور تیرا کیا عذاب ہے جس کی اب وعید سناتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا جو ثواب اور عذاب باقی رہنے والا ہے، اس کا قانون یہ ہے کہ) جو شخص (بغاوت کا) مجرم بن کر (یعنی کافر ہو کر) اپنے رب کے پاس حاضر ہوگا تو اس کے لئے جہنم (مقرر) ہے۔ اس میں نہ ہی مرے گا اور نہ ہی جیئے گا (نہ مرنا تو ظاہر ہے اور نہ جینا یہ کہ جینے کا آرام نہ ہوگا) اور جو شخص اس کے پاس مؤمن ہو کر حاضر ہوگا اور اس نے نیک کام بھی کئے ہوں تو ایسے لوگوں کے لئے بڑے اونچے درجے ہیں یعنی ہمیشہ رہنے کے باغ، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور جو شخص (کفر ومعصیت سے) پاک ہے، اس کا یہی انعام ہے (لہٰذا اس قانون کے مطابق ہم نے کفر کو چھوڑ کر ایمان اختیار کرلیا)

فائدہ: فرعون کا یہ کہنا کہ ﴿عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ یعنی اس نے تمہیں جادو سکھایا ہے عوام کو فریب دینے کے لئے تھا۔ ورنہ موسیٰ علیہ السلام سے ان کا کوئی تعلق نہ ہونے کی حقیقت وہ بھی جانتا تھا۔ اور ﴿أَكْرَهْتَنَا﴾ الخ کہنا یا تو اس بنا پر ہو کہ بادشاہ کے حکم کے بعد آزادی سے رائے قائم کرنے اور فیصلہ کرنے کی گنجائش نہیں رہتی، اور یا اس وجہ سے ہو کہ کسی مصلحت کی وجہ سے جادوگروں کی رائے مقابلہ میں آنے کی نہ ہوگی، اور اس کی کہیں صراحت نہیں ملی کہ فرعون نے ان نو مسلموں کو یہ سزا دی یا نہیں، اور اس آیت میں نیک عمل نہ کرنے والے مؤمنوں کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا حال دوسری دلیلوں سے معلوم ہے۔

﴿وَلَقَدْ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ ۝ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِۦ فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۝ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُۥ وَمَا هَدَىٰ ۝ يَٰبَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ قَدْ أَنجَيْنَٰكُم مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَٰعَدْنَٰكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۝ كُلُوا مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ

وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ ہمارے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ پھر ان کے لئے دریا میں خشک راستہ بنا دینا۔ نہ تو تم کو کسی کے تعاقب کا اندیشہ ہوگا اور نہ کسی قسم کا خوف ہوگا۔ پس فرعون اپنے لشکروں کو لے کر ان کے پیچھے چلا تو دریا ان پر جیسے ملنے کا تھا آملا۔ اور فرعون اپنی قوم کو بری راہ لایا اور نیک راہ ان کو نہ بتلائی۔ اے نبی اسرائیل! ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اور ہم نے موسیٰ سے کوہ طور کی داہنی جانب آنے کا وعدہ کیا اور ہم نے تم پر من سلوی نازل فرمایا۔ ہم نے جو نفیس چیزیں تم کو دی ہیں ان کو کھاؤ اور اس میں حد سے مت گزرو کہیں یہ میرا غضب تم پر واقع ہو جاوے اور جس شخص پر میرا غضب واقع ہوتا ہے وہ بالکل گیا گزرا ہوا۔ اور میں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بخشنے والا بھی ہوں جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آویں اور نیک عمل کریں پھر راہ پر قائم رہیں۔

تفسیر: اور (جب فرعون اس پر بھی ایمان نہ لایا، ایک عرصہ تک مختلف معاملات و واقعات ہوتے رہے تو اس وقت) ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس وحی بھیجی کہ ہمارے (ان) بندوں کو (یعنی بنی اسرائیل) کو راتوں رات (مصر سے باہر) لے جاؤ (اور دور چلے جاؤ تاکہ فرعون کے ظلم اور سختیوں سے انہیں نجات ملے) پھر (راستہ میں جو دریا ملے گا تو) ان کے لئے دریا میں (عصا مار کر) خشک راستہ بنا دینا (یعنی عصا مار دینا اس سے خشک راستہ بن جائے گا) نہ تو تمہیں کسی کے پیچھا کرنے کا اندیشہ ہوگا (کیونکہ تعاقب یعنی پیچھا کرنے والے کامیاب نہ ہوں گے چاہے کتنا ہی تعاقب کرلیں) اور نہ ہی کسی اور قسم (غرق ہونے وغیرہ کا) خوف ہوگا (بلکہ امن و اطمینان کے ساتھ پار ہو جاؤ گے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام حکم کے مطابق انہیں راتوں رات نکال لے گئے اور صبح مصر میں خبر مشہور ہوئی) تو فرعون اپنے لشکروں کو لے کر ان کے پیچھے چلا (اور بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق دریا سے پار ہوگئے اور ابھی وہ راستہ میں اپنی اسی حالت میں تھے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۖ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ﴾ فرعونیوں نے جلدی میں کچھ آگا پیچھا نہیں سوچا اور ان راستوں پر ہولئے، جب سب اندر آگئے) تو (اس وقت چاروں طرف سے) دریا (کا پانی سمٹ کر) ان پر آملا، جیسے ملنے کو تھا (اور سب غرق ہو کر رہ گئے) اور فرعون اپنی قوم کو برے راستہ پر لایا، اور انہیں نیک راستہ نہیں بتایا (جس کا اسے دعوی تھا ﴿وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾ اور برا راستہ ہونا ظاہر ہے کہ دنیا کا بھی نقصان ہوا اور آخرت کا بھی کہ غرق ہوگئے اور جہنم میں داخل ہوں گے۔ پھر بنی اسرائیل کو نجات کی نعمت کے بعد دوسری نعمتیں عنایت ہوئیں، جیسے توریت اور من و سلوی وغیرہ۔ ہم نے یہ نعمتیں عطا کرکے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ) اے بنی اسرائیل! (دیکھو) ہم نے (تمہیں کیسی کیسی نعمتیں دیں کہ) تمہیں تمہارے (ایسے بڑے) دشمن سے نجات دی اور ہم نے تم سے

(یعنی تمہارے پیغمبر سے تمہارے فائدے کے لئے) طور پہاڑ پر داھنی جانب آنے کا (اور وہاں آنے کے بعد توریت دینے کا) وعدہ کیا اور ہم نے تم پر (تیہ کی وادی میں) من وسلویٰ نازل فرمایا (اور اجازت دی کہ) ہم نے جو نفیس و پاکیزہ چیزیں (کہ شرعی طور پر حلال ہیں اور طبعی طور پر لذیذ ہیں) تمہیں دی ہیں ان کو کھاؤ اور اس (کھانے) میں (شرعی) حد سے مت گذرو (مثلاً حرام طریقہ سے مال حاصل کیا جائے جیسا کہ الدر میں ہے یا کھا کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، کوئی گناہ کیا جائے کہ) کہیں تم پر میرا غضب واقع ہو جائے اور جس شخص پر میرا غضب واقع ہوتا ہے۔ وہ بالکل گیا گذرا ہوا اور (اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ) میں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بخشنے والا بھی ہوں جو (کفر و معصیت سے) توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں پھر (اسی) راستہ پر قائم (بھی) رہیں (یعنی اور نیک عمل کی پابندی کریں۔ یہ بات ہم نے بنی اسرائیل سے کہی تھی کہ نعمت کا یاد کرنا، شکر کا حکم دینا، معصیت سے روکنا اور وعدہ و وعید یہ سب خود بھی دینی نعمت ہیں)

فائدہ: طور کی جانب کو ایمن یعنی داھنی طرف اس لئے فرمایا وہ جانب اس طرف جانے والے کے داھنی طرف ہوتی ہے اور بعض نے ایمن لفظ یمن سے برکت کے معنی میں مانا ہے، یعنی مبارک جانب، اس کی توجیہ ظاہر ہے کیونکہ وحی کے مقام کے مبارک ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے، چنانچہ اس کو مقدس بھی کہا۔

﴿وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ۝ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ فَنَسِيَ ۝ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۝﴾ ع ۱۴

ترجمہ: اور اے موسیٰ! آپ کو اپنی قوم سے جلدی آنے کا کیا سبب ہوا۔ انھوں نے عرض کیا وہ لوگ بھی تو ہیں میرے پیچھے پیچھے۔ اور میں آپ کے پاس جلدی سے اس لئے چلا آیا کہ آپ خوش ہونگے۔ ارشاد ہوا کہ تمہاری قوم کو تو ہم نے تمہارے بعد ایک بلا میں مبتلا کر دیا۔ اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا۔ غرض موسیٰ غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف واپس آئے۔ فرمانے لگے کہ اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا کہ تم پر زیادہ زمانہ گزر گیا تھا؟ یا تم کو یہ منظور ہوا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب واقع ہو اس لئے تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا؟ وہ کہنے لگے کہ ہم نے جو آپ سے وعدہ کیا تھا اس کو اپنے اختیار سے خلاف نہیں کیا لیکن قوم کے زیور میں

سے ہم پر بوجھ لدرہا تھا ہم نے اس کو ڈال دیا۔ پھر اسی طرح سامری نے ڈال دیا۔ پھر اس نے ان لوگوں کے لئے ایک بچھڑا ظاہر کیا کہ وہ ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی سو وہ لوگ کہنے لگے کہ تمہارا اور موسیٰ کا بھی معبود تو یہ ہے۔ موسیٰ تو بھول گئے کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں دیکھتے تھے کہ نہ وہ اس کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی ضرر یا نفع پر قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر: اور (جب اللہ تعالیٰ کو توریت دینا منظور ہوا تو موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر آنے کا حکم فرمایا، اور ساتھ میں قوم کو یعنی ان میں سے بعض کو بھی آنے کا حکم ہوا، جیسا کہ فتح المنان میں سفر الخروج کے انیسویں باب سے نقل کیا گیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام شوق میں سب سے آگے تنہا جا پہنچے، اور دوسرے لوگ اپنی جگہ رہ گئے انھوں نے طور کا ارادہ ہی نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ) اے موسیٰ! آپ کو اپنی قوم سے جلدی آنے کا کیا سبب ہوا؟ انھوں نے (اپنے خیال کے مطابق) عرض کیا کہ وہ لوگ بھی تو میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں، اور میں آپ کے پاس (سب سے پہلے کلام وخطاب کے وعدہ کی جگہ) جلدی سے اس لئے چلا آیا کہ آپ (زیادہ) خوش ہوں گے (کیونکہ حکم پر عمل کرنے میں جلدی زیادہ خوشنودی کا سبب ہوتا ہے) ارشاد ہوا کہ تمہاری قوم کو ہم نے تمہارے (چلے آنے کے) بعد ایک مصیبت اور آزمائش میں مبتلا کر دیا اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا (جس کا بیان آگے آرہا ہے ﴿فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا﴾ الخ اور سامری کا گمراہ کرنا ظاہر ہے اور لفظ ﴿فَتَنَّا﴾ میں نسبت تخلیق کے اعتبار سے ہے، جس میں کوئی برائی نہیں) غرض موسیٰ (علیہ السلام میعاد پوری ہونے کے بعد) غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف واپس آئے (اور) فرمانے لگے کہ اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے ایک اچھا (اور سچا) وعدہ نہیں کیا تھا؟ (کہ ہم تمہیں احکام کی ایک کتاب دیں گے تو تمہارے لئے اس کتاب کا انتظار کرنا واجب تھا) کیا تم پر (مقرر میعاد سے کچھ) زیادہ زمانہ گذر گیا تھا (کہ اس کے ملنے سے ناامیدی ہوگئی، اس لئے اپنی طرف سے ایک عبادت ایجاد کرلی) یا (ناامیدی نہ ہونے کے باوجود) تمہیں یہ منظور ہوا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب واقع ہو، اس لئے تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا (کہ آپ کی واپسی تک بھی اسی توحید کے دین پر قائم رہیں گے) اس کی خلاف روزی کی۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے آپ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی، مطلب یہ نہیں کہ بالکل مجبور ہوگئے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس رائے کو ہم شروع میں بالکل خالی ذہن ہوکر اختیار کرتے۔ سامری کا فعل ہمارے لئے شبہ کی وجہ بن گیا۔ جس کی وجہ سے ہم نے وہ پہلے والی رائے اختیار نہیں کی بلکہ رائے بدل گئی، اگرچہ اس پر بھی عمل ہمارے اپنے اختیار ہی سے ہوا۔ چنانچہ آگے کہا گیا) لیکن (قبطی) قوم کے زیور ہمارے اوپر بوجھ بنے ہوئے تھے، اس لئے اس کو (سامری کے کہنے سے آگ میں) ڈال دیا پھر اسی طرح سامری نے (بھی اپنے ساتھ کے زیور) ڈال دیئے (آگے اللہ تعالیٰ قصہ کو پورا فرماتے ہیں) پھر اس (سامری) نے ان لوگوں کے لئے ایک بچھڑا (بناکر) ظاہر کیا کہ وہ ایک ڈھانچہ (ہر قسم کے کمال وخوبی سے خالی) تھا جس میں ایک (بے معنی) آواز تھی تو

(اس کے بارے میں وہ) احمق لوگ (ایک دوسرے سے) کہنے لگے کہ تمہارا اور موسیٰ کا بھی معبود تو یہ ہے (اس کی عبادت کرو) موسیٰ تو بھول گئے (کہ طور پر اللہ کو ڈھونڈنے گئے ہیں، حق تعالیٰ ان کی مذمت فرماتے ہیں کہ) وہ لوگ اتنا بھی نہیں دیکھتے تھے کہ (بواسطہ یا بلا واسطہ) نہ ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی نقصان یا نفع پر قدرت رکھتا ہے (ایسا ناکارہ معبود کیا ہوگا اور سچا معبود نبیوں کے واسطہ سے ضروری خطاب وکلام فرماتا ہے)

فائدہ: زیور لینے کا قصہ سورۃ الاعراف آیت ۱۴۸ میں گذر چکا ہے۔ اور ان زیوروں کو اپنے استعمال میں نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ کافروں کا وہ مال ان کی مرضی کے بغیر لیا گیا تھا اور اس کا حکم موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اس وقت تک معلوم نہ ہوا تھا، اس لئے سامری نے سب کو جمع کرنے کی رائے دی تا کہ محفوظ رہے، بعد میں حکم کی تحقیق کرلیں گے۔ اور سامری کی نسبت سامرہ کی طرف ہے جو ملک شام میں ایک گاؤں ہے، اور یہ شخص منافق تھا، اور بچھڑے میں آواز کی وجہ آگے آئے گی اور آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی موسیٰ علیہ السلام سے یہ بات طور پہاڑ پر پہنچتے ہی ہوئی اور اس گفتگو کے وقت گئوسالہ یعنی بچھڑے کا فتنہ واقع ہو چکا تھا۔ تو غالب خیال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پہنچنے میں جو دن لگے انہی دنوں میں یہ واقعہ ہوگیا اور اگر اس سے زیادہ مدت کسی صحیح روایت سے ثابت ہو جائے تو ﴿فَتَنَّا﴾ اور اضل کی فتنہ میں ڈالنے اور گمراہ کرنے کی ابتدا سے تاویل کی جائے گی۔ کہ اس نے لوگوں کی رائے بدلنا اور اس کا منصوبہ بنانا شروع کیا ہوگا۔ واللہ اعلم اور روایتوں کے مضامین درمنثور سے نقل کئے گئے ہیں۔

﴿ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۝ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ۝ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں سے ہارون نے پہلے بھی کہا تھا کہ اے میری قوم! تم اس کے سبب گمراہی میں پھنس گئے ہو اور تمہارا رب رحمٰن ہے سو تم میری راہ پر چلو اور میرا کہنا مانو۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم تو جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس آئیں اسی پر برابر جمے بیٹھے رہیں گے۔ کہا اے ہارون! جب تم نے دیکھا تھا کہ یہ گمراہ ہوگئے تو تم کو میرے پاس چلے آنے سے کون امر مانع ہوا تھا۔ سو کیا تم نے میرے کہنے کے خلاف کیا، ہارون نے کہا اے میرے ماں جائے! تم میری داڑھی مت پکڑو اور نہ سر پکڑو مجھ کو یہ اندیشہ ہوا کہ تم کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان میں تفریق ڈال دی اور تم نے میری بات کا پاس نہ کیا۔

تفسیر: اور ان لوگوں سے ہارون (علیہ السلام) نے (موسیٰ علیہ السلام کے لوٹنے سے) پہلے بھی کہا تھا کہ اے میری

قوم! تم اس (گئو سالہ، بچھڑے) کے سبب گمراہی میں پھنس گئے ہو (یعنی اس طریقہ کے صحیح و درست ہونے کا احتمال نہیں، یہ یقیناً گمراہی ہے) اور تمہارا (حقیقی) رب رحمٰن ہے (نہ کہ یہ بچھڑا) تو تم (دین کے معاملہ میں) میری اتباع کرو اور (اس بارے میں) میرا کہنا مانو (یعنی میرے قول کی پیروی کرو) انھوں نے جواب دیا کہ جب تک موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے پاس واپس (لوٹ کر) آئیں ہم تو برابر اس روش (بچھڑے کی عبادت) پر رہیں گے (غرض ہارون علیہ السلام کا کہنا نہیں مانا یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام بھی آگئے اور پہلے قوم سے بات کی جو اوپر بیان کی گئی۔ اس کے بعد ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور) کہا: اے ہارون! جب تم نے (ان کو) دیکھا تھا کہ یہ (بالکل) گمراہ ہوگئے (اور نصیحت بھی نہیں سنی) تو (اس وقت) تمہیں میرے پاس چلے آنے سے کس امر نے روکا تھا؟ (یعنی تمہیں اس وقت میرے پاس چلے آنا چاہئے تھا تا کہ ان لوگوں کو اور زیادہ یقین ہوتا کہ تم ان کے عمل کو بالکل ناپسند کرتے ہو، اور ایسے باغیوں سے جتنا زیادہ تعلق ختم کرلیا جائے بہتر ہے۔ تو کیا تم نے میری نافرمانی کی؟ (جب کہ میں نے کہا تھا: ﴿ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴾ جیسا سورۃ الاعراف آیت ۱۴۲ میں ہے، جو کہ کسی بھی صورت میں مفسدوں کا ساتھ نہ دینے پر عمومیت کے ساتھ دلالت کرتا ہے۔ اور اس عموم میں ساتھ نہ رہنا بھی داخل ہے) ہارون (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے ماں جائے! (یعنی میرے بھائی! میری داڑھی مت پکڑو اور نہ سر (کے بال) پکڑو (اور میرا عذر سن لو، میرے تمہارے پاس نہ آنے کی وجہ یہ تھی کہ) مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ (اگر میں چلا تو میرے ساتھ بچھڑے کو نہ پوجنے والے بھی چلیں گے اور اس حالت میں) تم کہنے لگو گے کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان میں پھوٹ ڈال دی (جو کبھی کبھی ساتھ رہنے کے مقابلہ میں زیادہ نقصان دیتی ہے، کہ فسادی لوگ خالی میدان پا کر، بے خوف ہوکر فساد و بگاڑ پھیلاتے ہیں) اور تم نے میری بات کا لحاظ نہیں کیا (کہ میں نے کہا تھا کہ ﴿ أَصْلِحْ ﴾ الخ یعنی ان کی اصلاح کرتے رہنا)

فائدہ: حاصل یہ ہے کہ یہاں دو اجتہاد ہیں: ایک یہ کہ ساتھ چھوڑنے میں زیادہ نفع تھا۔ دوسرا یہ کہ ساتھ چھوڑنے میں زیادہ نقصان تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا ذہن پہلے اختیار کی طرف گیا اور ہارون علیہ السلام کا ذہن دوسرے کی طرف گیا، اور ﴿ لَا تَتَّبِعْ ﴾ عموم کے سلسلہ میں بہت مضبوط نہیں ہے کیونکہ عقیدہ اور عمل میں پیروی نہ کرنا بھی اس پر عمل کے لئے کافی ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے اس قدر غضب اور داڑھی پکڑنے کی توجیہ سورۃ الاعراف آیت ۱۵۰ میں گذر چکی ہے۔ اور ان لوگوں کا ﴿ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَيْنَا ﴾ یعنی "جب تک موسیٰ ہمارے پاس لوٹ کر نہ آئیں گے" کہنا بچھڑے کی پوجا چھوڑنے کے وعدہ کے لئے نہیں ہے بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ دیکھیں گے وہ کیا کہتے ہیں۔ اور بعض مفسروں نے ﴿ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ ﴾ الخ کو ﴿ أَفَلَا يَرَوْنَ ﴾ کے مضمون کو پورا کرنے والا قرار دیا ہے اور مجموعہ کا مقصود ان لوگوں کو احمق قرار دینا بتایا ہے، یعنی وہ لوگ ایسے احمق تھے کہ نہ اپنے آپ ان کے دماغ میں یہ بات آئی کہ وہ بچھڑا ان کی کسی بھی بات کا جواب نہیں دے سکتا اور پھر ہارون علیہ السلام نے بھی سمجھایا، اس کے باوجود بھی نہ سمجھے۔ واللہ اعلم

اور ہارون علیہ السلام کے یا بن ام یعنی اے ماں جائے! کہنے سے ان کا باپ کی طرف سے سوتیلا ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ ممکن ہے زیادہ نرمی کا فائدہ اور شفقت حاصل کرنے کے لئے کہہ دیا ہو کہ بھائی، سگا بھائی یا باپ کا بیٹا کہنے میں اس درجہ کا دلی لگاؤ پیدا نہیں ہوتا۔

﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۝ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝﴾

ترجمہ: کہا کہ اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے۔ اس نے کہا کہ مجھ کو ایسی چیز نظر آتی تھی جو اوروں کو نظر نہ آتی تھی۔ پھر میں نے اس فرستادہ کے نقش قدم سے ایک مٹھی اٹھائی تھی سو میں نے وہ مٹھی ڈال دی اور میرے جی کو بات پسند آئی۔ آپ نے فرمایا: تو بس تیرے لئے اس زندگی میں یہ سزا ہے کہ تو یہ کہتا پھرے گا کہ مجھ کو کوئی ہاتھ نہ لگانا۔ اور تیرے لئے ایک اور وعدہ ہے جو تجھ سے ٹلنے والا نہیں اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ جس پر تو جما ہوا بیٹھا تھا ہم اس کو جلا دیں گے پھر اس کو دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے۔ بس تمہارا معبود تو صرف اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، وہ علم سے تمام چیزوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

تفسیر: پھر سامری کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے کہا کہ اے سامری! تمہارا کیا معاملہ ہے؟ (یعنی تم نے یہ حرکت کیوں کی؟) اس نے کہا کہ مجھے ایسی چیز نظر آئی تھی جو اوروں کو نظر نہیں آئی تھی (یعنی جس دن حضرت جبرئیل علیہ السلام نے گھوڑے پر سوار ہو کر دریا پار کیا ہے کہ مؤمنوں کی مدد اور کافروں کی ہلاکت کی مصلحت سے آئے ہوں گے۔ اور تاریخ طبری میں سدی سے سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جبرئیل علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہو کر یہ حکم لے کر آئے تھے آپ طور پر جائیں اس وقت سامری نے دیکھا تھا) پھر میں نے (اللہ کے) بھیجے ہوئے (کی سواری) کے پاؤں کے نشان سے ایک مٹھی (بھر کر مٹی) اٹھالی تھی (اور خود بخود میرے دل میں یہ بات آئی کہ اس میں زندگی حاصل کرنے کا اثر ہوگا) تو میں نے وہ مٹھی (بھر مٹی اس ڈھانچہ کے اندر) ڈال دی اور میرے جی کو یہی بات اچھی لگی۔ آپ نے فرمایا: تو بس تیرے لئے اس (دنیاوی) زندگی میں یہ سزا (تجویز کی گئی) ہے کہ تو کہتا پھرے گا کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگانا، اور تیرے لئے (اس سزا کے علاوہ حق تعالیٰ کے عذاب کا ایک اور وعدہ ہے جو تجھ سے ٹلنے والا نہیں (یعنی آخرت میں الگ عذاب ہوگا) اور تو اپنے اس (باطل) معبود کو دیکھ جس (کی عبادت) پر تو جما ہوا بیٹھا تھا (دیکھ) ہم اس کو جلا دیں گے، پھر اس (کی راکھ) کو دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے (تا کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے) لہٰذا تمہارا (حقیقی) معبود تو صرف

اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ (اپنے) علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

فائدہ (۱): درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهٖ ﴾ الخ کی وہی تفسیر نقل کی گئی ہے جو احقر نے ترجمہ میں لکھی ہے اور اسی میں حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ روایت ہے کہ جب فرعون بچوں کو قتل کرتا تھا تو سامری کی ماں اس کو کسی غار میں چھپا آئی تھی کہ قتل سے محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ اس کی پرورش کرائی۔ چنانچہ وہ جبرئیل علیہ السلام کو اس صورت سے پہچانتا تھا اور اس روایت پر شبہ نہ کیا جائے کہ اس کی نسبت تو سامرہ گاؤں کی طرف ہے اور لڑکوں کو قتل کرنے کا واقعہ مصر میں ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ یہ قتل بنی اسرائیل کے لڑکوں کے ساتھ خاص تھا کیونکہ ممکن ہے کہ اس کا باپ یا دادا وغیرہ کوئی سامرہ سے بنی اسرائیل کے پاس آ کر بس گیا ہو، اور ساتھ ساتھ رہتے انہی میں شمار کیا جانے لگا ہو۔ اور یہ بات کہ اسے یہ کیسے معلوم ہوا کہ اس گھوڑے کے پاؤں کے نشان کی جگہ کی مٹی میں یہ اثر ہے تو اس کی وجہ بھی اسی روایت میں ہے: القی فی روعه انه لایلقیها علی شیئ فیقول کن کذا إلا کان : جس کا ترجمہ میرے بیان میں ہے یعنی خود بخود میرے دل میں الخ یا بعض کے قول کے مطابق جہاں اس گھوڑے کا پاؤں پڑتا تھا ہریالی اگ آتی تھی، اس لئے استدلال کیا ہو۔ جیسا کہ کمالین میں ہے۔ اور اس تفسیر کو روح المعانی میں صحابہ وتابعین اور جمہور مفسروں سے نقل کیا ہے۔ اور اس میں بعض ظاہر پرستوں کو جو اشکالات ہوئے ہیں صاحب روح نے اس کا جواب دیا ہے اور ایسے اشکالات کی بنا پر سلف صالحین کی تفسیر کو چھوڑنے والوں کو غلط کہا ہے۔ فجزاه اللّٰه تعالیٰ خیر الجزاء۔ اور سامری کو جو یہ سزا دی گئی تو یہ ممکن ہے کہ وحی کی بنیاد پر دی گئی ہو یا اجتہاد کے طور پر۔ اور اس سزا کے سلسلہ میں مشہور قول یہ ہے کہ اگر اس کو کوئی چھوتا تھا تو اس کو بھی اور چھونے والے کو بھی دونوں کو بخار ہو جاتا تھا جیسا کہ المعالم میں ہے۔ اس ڈر کے مارے یہ بھاگا بھاگا پھرتا تھا اور کسی کو دور سے دیکھتا تھا تو کہتا تھا ﴿ لَا مِسَاسَ ﴾ الخ یعنی "مجھے ہاتھ نہ لگانا" اور دوسرے بھی اس سے بچتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کو کچھ جنون سا ہو گیا تھا، اس وحشت اور جنون میں لوگوں سے بھاگتا بھی تھا اور یہ لفظ بھی کہتا تھا۔ اور گئوسالہ کے بارے میں ایک اختلاف یہ ہے کہ وہ کھال گوشت، چربی اور ہڈی وغیرہ کا بن گیا تھا یا چاندی سونے ہی کا تھا؟ پھر اس حیوان کی آواز پیدا ہو گئی تھی، پہلے قول کو ماننے پر ﴿ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ﴾ یعنی اس کا جلایا جانا ذبح کے بعد ہوا ہوگا اور دوسرے قول کی صورت میں جلانا دو صورتوں سے ہو سکتا ہے یا تو توڑ کر اور ریت جیسا بنا کر جیسا کہ درمنثور میں ہے، یا کیمیا کے کسی طریقہ سے جیسا کہ صاحب روح نے کہا ہے۔ یا اس کا جلایا جانا معجزہ کے طور پر ہو۔ واللہ اعلم

اور ہر حالت میں یعنی چاہے وہ گوشت پوست کا ہو یا سونے چاندی کا بہرحال وہ عادت کے خلاف تھا، اور اگر اس پر شبہ ہو کہ عادت کے خلاف سے تو نبوت پر استدلال کیا جاتا ہے، پھر جھوٹے شخص کے ہاتھ پر اس کا ظہور کیسے ہو گیا؟ اس کا

جواب یہ ہے کہ مطلق عادت کے خلاف ہونا نبوت کی دلیل نہیں، بلکہ یہ اس وقت ہے جب اس کے ساتھ رسالت کا دعوی بھی کیا جائے، تو اگر وہ رسالت کا دعوی کرتا تو اللہ تعالیٰ کی عادت کے مطابق اس کے ہاتھ پر اس کا ظہور نہیں ہوتا، چنانچہ اس نے ایسے امر کا دعوی کیا جو عقل کے لحاظ سے بھی باطل ہے، یعنی بچھڑے کے معبود ہونے کا، تو اس صورت میں کسی شک وشبہ کا احتمال نہیں۔ لہٰذا اس کے ہاتھ پر خلاف عادت امر کا ظاہر ہو جانا ناممکن نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

اور ﴿ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ﴾ یعنی "تو اس پر جما بیٹھا تھا" میں سامری کو خاص کرنا اس کے بانی ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اور روح میں البحر الرائق کے حوالہ سے حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے سخی ہونے کے سبب قتل سے منع فرمادیا۔

فائدہ (۲): یہاں ایک شبہ ہے کہ بنی اسرائیل نے جو زیور قبطیوں سے لئے تھے اگر وہ ان کے مالک نہیں ہوئے تھے تو وہ واپس کیوں نہیں کئے؟ اور اگر مالک ہو گئے تھے تو اول تو ان کے لئے غنیمت کا حلال ہونا لازم آتا ہے جو احادیث کی رو سے امت محمدیہ کی خصوصیت ہے۔ دوسرے یہ کہ جب بنی اسرائیل ان کے مالک ہو گئے تھے تو انہیں تلف وضائع کرنے سے موسیٰ علیہ السلام کے ذمہ ان کا ضمان کیوں واجب نہیں ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مالک ہو گئے تھے چاہے ابتدائی طور پر ہی یا فرعون اور اس کی قوم کے لوگوں کی ہلاکت کے بعد اور غنیمت کے حلال ہونے کا خاص ہونا شاید جنگ کے وقت حاصل ہونے والے غنیمت کے ساتھ خاص ہو، اور یہی اس کا جواب ہوگا کہ بنی اسرائیل قبطیوں کے باغوں اور ملکیتوں کے مالک ہو گئے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَ اَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ واللہ اعلم۔ اور موسیٰ علیہ السلام پر ضمان نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ معصیت کے آلات کو تلف کرنے پر امام پر ضمان نہیں ہوتا۔

﴿ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ

الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ: اسی طرح ہم آپ سے واقعات گذشتہ کی خبریں بھی بیان کرتے رہتے ہیں اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا ہے۔ جو لوگ اس سے روگردانی کریں گے سو وہ قیامت کے روز بڑا بھاری بوجھ لادے ہونگے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بوجھ قیامت کے روز ان کے لئے برا ہوگا۔ جس روز صور میں پھونک ماری جاوے گی اور ہم اس روز مجرم لوگوں کو اس حالت میں جمع کریں گے کہ کرنجے[1] ہونگے، چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے ہونگے کہ تم لوگ صرف دس روز رہے ہوگے جس کی نسبت وہ بات چیت کریں گے، اس کو ہم خوب جانتے ہیں جبکہ ان سب میں کا زیادہ صاحب الرائے یوں کہتا ہوگا کہ نہیں تم تو ایک ہی روز رہے ہو۔ اور لوگ آپ سے پہاڑوں کی نسبت پوچھتے ہیں سو آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا، پھر زمین کو ایک ہموار میدان کر دے گا جس میں نہ تو ناہمواری دیکھے گا اور نہ کوئی بلندی دیکھے گا۔ اس روز سب کے سب بلانے والے کے کہنے پر ہولیں گے اس کے سامنے کوئی ٹیڑھا پن نہ رہے گا اور تمام آوازیں اللہ تعالیٰ کے سامنے دب جاویں گی سو تو بجز پاؤں کی آہٹ کے اور کچھ نہ سنے گا۔ اس روز سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو کہ جس کے واسطہ اللہ تعالیٰ نے اجازت دیدی ہو اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کرلیا ہو۔ وہ ان سب کے اگلے پچھلے احوال جانتا ہے اور اس کو ان کا علم احاطہ نہیں کرسکتا۔ اور تمام چہرے اس حی قیوم کے سامنے جھکے ہونگے اور ایسا شخص تو ناکام رہے گا جو ظلم لے کر آیا ہوگا۔ اور جس نے نیک کام کئے ہونگے اور وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا سو اس کو نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہوگا اور نہ کمی کا۔ اور ہم نے اس طرح اس کو عربی قرآن کر کے نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے طرح طرح سے وعیدیں بیان کی ہیں تاکہ وہ لوگ ڈر جاویں یا یہ قرآن ان کے لئے کسی قدر سمجھ پیدا کردے۔ سو اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے بڑا عالیشان ہے اور قرآن میں قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو چکے عجلت نہ کیا کیجئے اور آپ یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرا علم بڑھادے۔

ربط: اوپر موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں محمد ﷺ کی رسالت کا ثبوت بھی تھا جس کا بیان سورت کی تمہید میں اور قصہ کی تمہید میں گذر چکا ہے۔ آگے مختصر انداز میں قصوں کے بیان سے اور قرآن کے نازل کئے جانے سے بھی اس رسالت کا ثبوت ہے اور قرآن کے حق ہونے کے ذیل میں آخرت کی کچھ تفصیل جزا و سزا اور قرآن کی تصدیق کرنے والے اور جھٹلانے والے کی مناسبت سے ہے اور اسی مضمون کے خاتمہ پر آیت ﴿ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ ﴾ الخ میں قرآن کی تعریف اور اس کے نازل کرنے پر احسان کا اظہار اور اس سے متعلق بعض خاص آداب اور اس کے علوم کا مطلوب ہونا بیان فرمایا

(۱) کرنجا: نیلی آنکھوں والا ۱۲

ہے۔اس طرح اس مقام کی ابتدااور خاتمہ دونوں قرآن کے ذکر سے ہوئے۔

تفسیر: (جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا) اسی طرح ہم آپ سے گذشتہ دوسرے واقعات کی خبریں (اور حکایتیں) بھی بیان کرتے رہتے ہیں (تاکہ نبوت پر بہت ساری دلیلیں ہوجائیں) اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا ہے (یعنی قرآن، جس میں وہ خبریں ہیں اور وہ خود بھی مستقل طور پر معجزہ ہونے کی وجہ سے نبوت پر دلالت کرنے والا ہے۔اور وہ نصیحت نامہ ایسا ہے کہ) جولوگ اس (کے مضامین ماننے) سے منہ پھیریں گے تو وہ قیامت کے دن (عذاب کا) بڑا بھاری بوجھ لادے ہوں گے (اور) وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بوجھ قیامت کے دن ان کے لئے برا (بوجھ) ہوگا جس دن صور میں پھونک ماری جائے گی (جس سے مردے زندہ ہوجائیں گے) اور ہم اس دن مجرم (یعنی کافر) لوگوں کو (قیامت کے میدان میں) اس حالت میں جمع کریں گے کہ (نہایت بدصورت ہوں گے کہ آنکھوں سے) کرنجے ہوں گے (جو آنکھوں کے رنگوں میں سب سے بدتر ہے اور اس قدر خوفزدہ ہوں گے کہ) آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہوں گے (اور ایک دوسرے سے کہتے ہوں گے) کہ تم لوگ (قبروں میں) صرف دس دن رہے ہوگے (مطلب یہ کہ ہم تم یہ سمجھتے تھے کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا نہیں ہے، لیکن یہ گمان تو بالکل غلط نکلا، زندہ نہ ہونا تو دور رہا یہ بھی نہ ہوا کہ دیر ہی میں زندہ ہوتے، بلکہ بہت ہی جلد زندہ کرکے اٹھا دیئے گئے کہ مردہ حالت میں رہنے کی مدت بس دس دن کے برابر معلوم ہوتی ہے۔اس مقدار کے برابر معلوم ہونے کی وجہ اس دن کا بہت لمبا ہونا اور پریشانی ہے کہ اس کے مقابلہ میں قبر میں رہنے کی مدت اتنی کم معلوم ہوگی۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) جس (مدت) کے بارے میں وہ بات چیت کریں گے، اسے ہم خوب جانتے ہیں (کہ وہ کس قدر ہے) جب ان میں سے سب سے زیادہ صحیح رائے والا یوں کہتا ہوگا کہ نہیں تم ایک ہی دن (قبر میں) رہے ہو (اس کو صحیح رائے والا اس لئے فرمایا کہ اس دن کے لمبے اور ہولناک ہونے کے اعتبار سے بھی نسبت زیادہ قریب ہے، لہٰذا اس شخص کو شدت کی حقیقت کا زیادہ احساس ہوا اس لئے اس کی رائے پہلے شخص کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے اور یہ مقصود نہیں کہ یہ شخص مدت کی حد بیان کرنے میں بالکل صحیح ہے۔کیونکہ ظاہر ہے کہ دونوں مقداریں حد کے اعتبار سے صحیح نہیں اور نہ ہی کہنے والوں کا یہ مقصود تھا) اور (اے نبی ﷺ قیامت کا حال سن کر بعض) لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں (کہ قیامت میں ان کیا ہوگا؟) تو آپ (جواب میں) فرمادیجئے کہ میرا رب ان کو (ریزہ ریزہ کرکے) بالکل اڑادے گا، پھر زمین کو ایک ہموار میدان کردے گا کہ جس میں (اے مخاطب!) نہ تم ناہمواری دیکھو گے اور نہ ہی (پہاڑ ٹیلہ وغیرہ کی) کوئی بلندی دیکھو گے۔اس دن سب کے سب اللہ کی طرف سے مقرر) بلانے والے (یعنی صور پھونکنے والے فرشتہ) کے کہنے پر ہولیں گے (یعنی وہ صور پھونکنے کی آواز کے ذریعہ سب کو قبروں سے بلائے گا اور سب نکل پڑیں گے) اس کے سامنے (کسی کا) کوئی ٹیڑھا پن نہ رہے گا (کہ قبر سے زندہ ہوکر نہ نکلے، جیسے دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے سامنے

ٹیڑھے رہتے تھے کہ تصدیق نہیں کرتے تھے) اور (مصیبت کے ہوتے) تمام آوازیں اللہ کے سامنے دب جائیں گی۔ تو (اے مخاطب!) تم سوائے پاؤں کی آہٹ کے (کہ حشر کے میدان کی طرف چپکے چپکے چل رہے ہوں گے) اور کچھ (آواز) نہ سنو گے (چاہے اس وجہ سے کہ اس وقت بول ہی نہیں رہے ہوں گے، چاہے دوسرے وقت آہستہ آہستہ بولیں جیسا کہ اوپر آیا ہے ﴿ يَتَخَافَتُوْنَ ﴾ اور چاہے اس وجہ سے کہ بہت آہستہ بول رہے ہوں گے کہ جو ذرا فاصلہ سے ہو وہ بھی نہ سن سکے) اس دن (کسی کو کسی کی) سفارش نفع نہ دے گی، سوائے ایسے شخص کے کہ جس (کی سفارش کرنے) کے واسطے اللہ تعالیٰ نے (شفاعت یعنی سفارش کرنے والوں کو) اجازت دیدی ہو اور اس شخص کے واسطے (شفاعت یعنی سفارش کرنے والے کا) بولنا پسند کرلیا ہو (اس سے مؤمن مراد ہے کہ اس کو نبیوں اور نیک لوگوں کی سفارش نفع دے گی) اور شفاعت کرنے والوں کو اس کی سفارش کرنے کی اجازت ہوگی اور اس بارے میں شفاعت کرنے والے کا بولنا حق تعالیٰ کو پسند ہوگا اور کافروں کے لئے سفارش کرنے کی کسی کو اجازت نہ ہوگی لہٰذا نفع نہ ہوگا۔ شفاعت نہ ہونے کی وجہ سے ہے اس میں منہ پھیرنے والے کافروں کو ڈرایا گیا ہے کہ تم تو شفاعت سے بھی محروم رہو گے۔ اور) وہ (اللہ تعالیٰ) ان سب کے اگلے پچھلے حالات جانتا ہے۔ اور ان کا علم اس (کی معلومات) کا احاطہ نہیں کرسکتا (یعنی ایسا تو کوئی بھی امر نہیں کہ جو مخلوق کو معلوم ہو اور اللہ تعالیٰ کو معلوم نہ ہو۔ البتہ ایسے بہت سے امور ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں اور مخلوق کو معلوم نہیں۔ چنانچہ مخلوقات کے وہ سب احوال بھی اس کو معلوم ہیں جن پر شفاعت کے قبول ہوجانے یا قبول نہ ہونے کا فیصلہ ہے تو جو اس کے لائق ہوگا، اس کے واسطے شفاعت کرنے والوں کو سفارش کرنے کی اجازت ہوگی اور جو اس لائق نہ ہوگا اس کے لئے اجازت نہ ہوگی) اور (اس دن) تمام چہرے اس حی (جو بذاتِ خود، اور ہمیشہ سے ہمیشہ کے لئے زندہ ہے) اور قیوم (یعنی جو بذاتِ خود اور ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لئے قائم ہے) کے سامنے جھکے ہوں گے (اور سب تکبر کرنے والوں اور انکار کرنے والوں کا تکبر اور انکار ختم ہوجائے گا) اور (اس خوبی میں تو سب شریک ہوں گے، پھر آگے ان میں یہ فرق ہوگا کہ) ایسا شخص تو (ہر طرح) ناکام رہے گا جو ظلم (یعنی شرک) لے کر آیا ہوگا، اور جس نے نیک کام کئے ہوں گے اور وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا تو اسے (پورا ثواب ملے گا) نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہوگا اور نہ کمی کا (جیسے کوئی گناہ اس کے اعمال نامہ میں زیادہ لکھ دیا جائے یا کوئی نیکی کم لکھ دی جائے اور یہ پورے ثواب سے کنایہ ہے، لہٰذا اس کے مقابلہ میں کافروں سے ثواب کا سبب نہ ہونے کی وجہ سے ثواب کی نفی مقصود ہوگی، اگرچہ ظلم کافروں کے لئے بھی نہ ہوگا اور ان کی نیکیوں کا نہ لکھا جانا قبول کی شرط یعنی ایمان نہ ہونے کی وجہ سے کمی و ظلم نہیں ہے) اور ہم نے (جس طرح یہ مضامین جن کا ذکر کیا گیا صاف صاف بیان کئے ہیں) اسی طرح اس (سارے) کو عربی قرآن کرکے نازل کیا ہے (جس کے الفاظ واضح ہیں) اور اس میں ہم نے طرح طرح سے (قیامت اور عذاب کی) وعید بیان کی ہے (جس سے معنی بھی واضح ہوگئے۔ مطلب یہ کہ سارے قرآن کے مضامین ہم نے صاف صاف بتائے ہیں) تاکہ وہ (سننے والے) لوگ (اس کے ذریعہ سے بالکل) ڈر جائیں (اور ایمان

لے آئیں) یا (اگر بالکل نہ ڈریں تو یہی ہو کہ) یہ قرآن ان کے لئے کسی قدر (تو) سمجھ پیدا کر دے (یعنی اگر پورا اثر نہ ہو تو تھوڑا ہی سہی اور اسی طرح چند بار تھوڑا تھوڑا کر کے جمع ہو کر کافی مقدار ہو جائے اور کسی وقت مسلمان ہو جائیں) تو اللہ تعالیٰ جو حقیقی بادشاہ ہے، عالی شان والا ہے (کہ ایسا نفع دینے والا کلام نازل فرمایا) اور (جس طرح عمل کرنا اور نصیحت ماننا جن کا اوپر ذکر ہوا تبلیغ سے متعلق قرآن کے حقوق ہیں جن کا ادا کرنا تمام مکلف لوگوں پر فرض ہے۔ اسی طرح بعض آداب قرآن کو نازل کرنے سے متعلق بھی ہیں جن کی ادائیگی کا تعلق آپ سے ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ) قرآن (پڑھنے) میں اس سے پہلے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو جائے جلدی نہ کیا کیجئے (کہ اس میں آپ کو تکلیف ہوتی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام سے سننا اور اس کو پڑھنا دونوں کام ساتھ ساتھ کرنے پڑتے ہیں۔ لہٰذا ایسا نہ کیجئے اور اس کا اندیشہ نہ کیجئے کہ شاید یاد نہ رہے، یاد کرانا ہمارے ذمہ ہے) اور آپ (بھی یاد ہونے کے لئے ہم سے) یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرا علم بڑھا دے (اس میں جو علم حاصل ہے اس کے یاد رہنے کی اور جو حاصل نہیں ہے اس کے حصول کی اور جو حاصل ہونے والا نہیں اس میں حاصل نہ ہونے کی بھلائی سمجھنے کی اور سارے علوم کو اچھی طرح سمجھنے کی یہ سب دعائیں داخل ہیں۔ تو ﴿ لَا تَعْجَلْ ﴾ کے بعد اس کا آنا نہایت ہی مناسب ہوا۔ حاصل یہ کہ حفاظت و یاد کی تدبیروں میں سے جلدی کرنے کی تدبیر کو چھوڑ دیجئے اور دعا کی تدبیر کو اختیار کیجئے)

فائدہ: حدیثوں میں آیا ہے کہ آپ پہلے ایسا کرتے تھے۔

﴿ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰي شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۡ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰىهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًۢا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ڏ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ ﴾

ترجمہ: اور اس سے پہلے ہم آدم کو ایک حکم دے چکے تھے سو ان سے غفلت ہو گئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔ اور

وہ وقت یاد کرلو جبکہ ہم نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے، اس نے انکار کیا، پھر ہم نے کہا کہ اے آدم! یہ بلاشبہ تمہارا اور تمہاری بی بی کا دشمن ہے۔ سو کہیں تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ یہاں جنت میں تو تمہارے لئے یہ ہے کہ تم نہ کبھی بھوکے اور نہ ننگے ہوگے۔ اور نہ یہاں پیاسے ہوگے اور نہ دھوپ میں تپو گے۔ پھر ان کو شیطان نے بہکایا، کہنے لگا کہ اے آدم! کیا میں تم کو ہمیشگی کا درخت بتلا دوں اور ایسی بادشاہی جس میں کبھی ضعف نہ آوے۔ سو دونوں نے اس درخت سے کھالیا تو ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہوگیا سو غلطی میں پڑ گئے۔ پھر ان کو ان کے رب نے مقبول بنالیا سو ان پر توجہ فرمائی اور راہ پر قائم رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دونوں جنت سے اترو ایسی حالت سے کہ ایک کا دشمن ایک ہوگا۔ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو شخص میری اس ہدایت کا اتباع کرے گا تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ شقی ہوگا۔ اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہنے لگا کہ اے میرے رب! آپ نے مجھ کو اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو آنکھوں والا تھا۔ ارشاد ہوگا کہ ایسا ہی تیرے پاس احکام پہنچے تھے پھر تو نے ان کا کچھ خیال نہ کیا۔ اور ایسا ہی آج تیرا کچھ خیال نہ کیا جاوے گا۔ اور اسی طرح اس شخص کو ہم سزا دیں گے جو حد سے گزر جاوے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لاوے۔ اور واقعی آخرت کا عذاب ہے بڑا سخت اور بڑا دیرپا۔

ربط: اوپر آیت ﴿ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ یَحْمِلُ ﴾ الخ میں احکام سے منہ پھیرنے کے لئے وعید ارشاد فرمائی تھی۔ اب اس مضمون کی تاکید کے لئے آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ دیکھو جب ان کے انتہائی مقرب اور مقبول ہونے کے باوجود ایک احتیاط ترک کرنے کی وجہ سے ان کی شان اور عمل کے مطابق انہیں نقصان پہنچا تو عام مکلف لوگ تو کس گنتی میں ہیں، انہیں ذکر سے منہ پھیرنے کی سزا کونسی مشکل ہے۔ چنانچہ قصہ کے شروع میں ﴿ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ ﴾ اور آخر میں ﴿ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ ﴾ الخ کے عنوانات اس تاکید کے واضح قرینے ہیں، اور اس قصہ میں آیت ﴿ كَذٰلِكَ نَقُصُّ ﴾ الخ کی تکمیل اور وعدہ پورا کرنا بھی ہے۔

آدم علیہ السلام کے قصہ سے کلام کی تاکید:

اور اس سے (بہت) پہلے ہم آدم (علیہ السلام) کو ایک حکم دے چکے تھے (جس کا بیان آگے آتا ہے) تو ان سے غفلت (اور بے احتیاطی) ہوگئی اور ہم نے (اس حکم کے اہتمام میں) ان میں پختگی (اور ثابت قدمی) نہ پائی اور (اگر اس اجمال کی تفصیل مطلوب ہو تو) وہ وقت یاد کرلو جب ہم نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے (احترام اور تعظیم کا) سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے (کہ) اس نے انکار کیا، پھر ہم نے (آدم سے) کہا کہ اے

آدم! (یاد رکھو) یہ بلاشبہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا (اس وجہ سے) دشمن ہے (کہ تمہارے معاملہ میں مردود ہوا) اور کہیں تم دونوں کو جنت سے نہ نکل وادے (یعنی اس کے کہنے سے کوئی ایسا کام مت کر بیٹھنا کہ جنت سے نکال دیئے جاؤ) پھر مصیبت (روزی روٹی کمانے) میں پڑ جاؤ (اور ساتھ میں تمہاری بیوی بھی، مگر مصیبت کا زیادہ حصہ تمہیں بھگتنا پڑے اور) یہاں جنت میں تو تمہارے لئے یہ (آرام) ہے کہ تم نہ کبھی بھوکے ہوگے (جس سے تکلیف ہو یا اس کی تدبیر میں دیر اور پریشانی ہو) اور نہ ننگے ہوگے (کہ کپڑا نہ ملے یا ضرورت سے اتنی دیر بعد ملے کہ تکلیف ہونے لگے) اور نہ یہاں پیاسے ہوگے (کہ پانی نہ ملے یا دیر ہونے سے تکلیف ہو) اور نہ دھوپ میں تپو گے (کیونکہ جنت میں دھوپ ہی نہیں اور مکان بھی ہر طرح پناہ کے ہیں، اس حالت کے برخلاف کہ اگر جنت سے نکل کر دنیا میں گئے تو وہ ساری مصیبتیں ہوں گی۔ اس لئے ان امور کو نظروں کے سامنے رکھ کر خوب ہی ہوشیاری و بیداری سے رہنا) پھر انہیں شیطان نے بہکایا، کہنے لگا اے آدم! کیا میں تمہیں ہمیشہ والی (خاصیت) کا درخت بتادوں (کہ اس کے کھانے سے ہمیشہ خوش اور آباد رہو) اور ایسی بادشاہی جس میں کبھی کمزوری نہ آئے تو دونوں نے اس درخت سے کھالیا (جس سے منع کیا گیا تھا اور شیطان نے اس کو شجرۃ الخلد ہمیشگی کا درخت کہا تھا) تو (اس کے کھاتے ہی) ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور (اپنا بدن ڈھانپنے کے لئے) دونوں اپنے (بدن کے) اوپر جنت (کے درختوں) کے پتے چپکانے لگے اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا، تو (ہمیشگی کے داخلہ کا مقصد حاصل کرنے کے بارے میں غلطی میں پڑ گئے، پھر (جب انھوں نے معذرت کی تو) انہیں ان کے رب نے (زیادہ) مقبول بنالیا تو ان پر (مہربانی سے) توجہ فرمائی اور (سیدھے) راستہ پر (ہمیشہ) قائم رکھا (کہ پھر ایسی خطا نہیں ہوئی اور جب درخت کھالیا تو) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دونوں کے دونوں جنت سے اترو (اور دنیا میں) ایسی حالت میں (جاؤ) کہ (تمہارے فرزندوں میں ایک دوسرے کا دشمن ہوگا، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت (کا ذریعہ یعنی رسول یا کتاب) پہنچے تو (تم میں) جو شخص میری اس ہدایت کی اتباع کرے گا تو وہ نہ (دنیا میں) گمراہ ہوگا اور نہ ہی آخرت میں) بدبخت ہوگا اور جو شخص میری اس نصیحت سے منہ پھیرے گا تو اس کے لئے (قیامت سے پہلے دنیا اور قبر میں) تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا کر کے (قبر سے) اٹھائیں گے۔ وہ (تعجب سے) کہے گا کہ اے میرے رب! آپ نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو (دنیا میں) آنکھوں والا تھا (مجھ سے ایسی کیا خطا ہوئی؟) ارشاد ہوگا کہ (جیسی تجھے سزا ہوئی ہے) ایسا ہی (تو نے عمل کیا تھا، وہ یہ کہ) تیرے پاس (نبیوں اور عالموں کے واسطے سے) ہمارے احکام پہنچے تھے، پھر تو نے ان کا کچھ خیال نہ کیا اور ایسا ہی آج تیرا کچھ خیال نہ کیا جائے گا (جیسے تو نے خیال نہیں کیا تھا) اور (جس طرح کہ یہ سزا عمل کے لحاظ سے مناسب دی گئی) اسی طرح (ہر) اس شخص کو ہم (عمل کے مناسب) سزا دیں گے جو (اطاعت کی) حد سے گذر جائے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے، اور واقعی آخرت کا عذاب بڑا سخت اور بہت دیر تک رہنے والا ہے (کہ اس کی کہیں انتہا ہی نہیں تو اس سے بچنے کا بہت ہی اہتمام

وانتظام کرنا واجب ہے)

فائدہ: آدم علیہ السلام کے قصہ کی تفصیل اور مضامین کی توجیہ سورۂ بقرہ آیت ۳۰ سے ۳۹ تک اور سورۂ اعراف آیت ۱۱ سے ۲۵ میں گذر چکی ہے۔ اور لفظ ﴿ فَتَشْقٰى ﴾ میں آدم علیہ السلام کی تخصیص اس لئے ہے کہ اکثر روزگار کی مشقت مرد پر زیادہ ہوتی ہے۔ اور ﴿ لَا تَجُوْعَ ﴾ الخ کی جو تقریر ترجمہ میں کی گئی ہے، اس سے یہ فائدہ ہے کہ اگر جنت میں کسی قدر بھوک اور پیاس پائی بھی جائے تب بھی اشکال نہ رہے جیسا کہ احتمال ہے کہ شاید خفیف سی بھوک اور پیاس اس مصلحت سے لگے کہ کھانے اور پینے کی چیزوں سے لذت حاصل ہو۔ عصی اور غوی کا فرق ترجمہ کی تقریر سے ظاہر ہے۔ اور ﴿ اجْتَبٰهُ ﴾ کے ترجمہ میں زیادہ کی وضاحت سے یہ اشکال جاتا رہا کہ کیا کسی وقت وہ غیر مقبول بھی تھے؟ اور اس لغزش کے معصیت نہ ہونے کے باوجود اس پر عتاب کی تحقیق سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے اور کافر کا قیامت میں اندھا اٹھنا قبر سے نکلنے کے وقت ہوگا۔ پھر یہ اندھا پن دور ہو جائے گا، لہٰذا ﴿ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ ﴾ اور ﴿ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ﴾ وغیرہ آیتوں سے اس کا ٹکراؤ نہیں۔ اور یہ قول ﴿ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴾ اکثر افراد کا ہوگا۔ ورنہ بعض کافر ظاہر ہے دنیا میں بھی اندھے ہوتے ہیں اور بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ أعمی عن الحجة وبصيرا بالحجة یعنی دنیا میں تو میں بڑا تیز زبان والا تھا، یہاں بالکل گونگا ہو گیا نہ کوئی بات سوجھتی ہے نہ بولا جاتا ہے اور ﴿ مَعِيْشَةً ضَنْكًا ﴾ یعنی تنگی کا جینا قبر میں تو ظاہر ہے کہ قبر کافر پر تنگ ہوگی اور اس پر طرح طرح سے عذاب ہوگا اور دنیا میں تنگی دل کے اعتبار سے ہے کہ ہر وقت دنیا کی حرص میں، ترقی کی فکر میں، کمی کے اندیشہ میں، بے آرام رہتا ہے چاہے کوئی کافر بے فکر بھی ہو، لیکن اکثر کی حالت یہی ہے اور اگر ﴿ مَعِيْشَةً ضَنْكًا ﴾ کو تمام کافروں کے لئے عام لے لیا جائے اور دنیا میں بعض کافروں کو بالکل بھی تنگی نہ ہونا مان لیا جائے تو یہ جواب دیا جائے گا کہ آیت میں مطلق ﴿ مَعِيْشَةً ضَنْكًا ﴾ کا آیا ہے، اگر کسی کو صرف قبر میں ﴿ مَعِيْشَةً ضَنْكًا ﴾ ہو تو بھی یہ حکم صحیح ہے۔ خوب سمجھ لو۔

﴿ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۝۱۲۸ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ۝۱۲۹ فَاصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَاۗئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝۱۳۰ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ڏ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝۱۳۱ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْــَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝۱۳۲ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝۱۳۳ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ

قَبۡلِهٖ لَقَالُوۡا رَبَّنَا لَوۡلَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَيۡنَا رَسُوۡلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّذِلَّ وَ نَخۡزٰى ۝ قُلۡ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوۡا ۚ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ اَصۡحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِىِّ وَمَنِ اهۡتَدٰى ۝ ع

ترجمہ: کیاان لوگوں کواس سے بھی ہدایت نہیں ہوئی کہ ہم ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر چکے ہیں کہ ان کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ بھی چلتے ہیں۔اس میں تو اہل فہم کے لئے دلائل موجود ہیں۔اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے فرمائی ہوئی نہ ہوتی اور ایک میعاد معین نہ ہوتی تو عذاب لازمی طور پر ہوتا۔سو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے آفتاب نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب سے پہلے اور اوقات شب میں تسبیح کیا کیجئے اور دن کے اول و آخر میں تا کہ آپ خوش ہوں۔اور ہر گز ان چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جن سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ دنیوی زندگی کی رونق ہے۔اور آپ کے رب کا عطیہ بدر جہا بہتر ہے اور دیر پا ہے۔اور اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے۔ہم آپ سے معاوضہ نہیں چاہتے،معاوضہ تو آپ کو دیں گے،اور بہتر انجام تو پرہیز گاری ہی کا ہے۔اور وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے؟ کیاان کے پاس پہلی کتابوں کے مضمون کا ظہور نہیں پہنچا؟اور اگر ہم ان کو قبل قرآن آنے کے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ یوں کہتے کہ اے ہمارے رب! آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تھا کہ ہم آپ کے احکام پر چلتے قبل اس کے کہ ہم بے قدر ہوں اور رسوا ہوں؟ آپ کہہ دیجئے کہ سب انتظار کر رہے ہیں سو اور انتظار کر لو اب عنقریب تم کو معلوم ہو جاوے گا کہ راہ راست والے کون ہیں اور وہ کون ہے جو مقصود تک پہنچا۔

ربط: اوپر آدم علیہ السلام کے قصہ سے آیت ﴿مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡهُ﴾ کے مضمون کی تاکید تھی جیسا کہ قصہ کی آیتوں کی تمہید میں بیان کیا گیا۔اب بھی انہیں منہ پھیرنے والوں کے احوال واقوال کی برائی اور ان اقوال واحوال سے رسول اللہ ﷺ کو جو رنج ہوا کرتا تھا درمیان میں اس رنج کو دور کرنے کے لئے آپ کی تسلی کا مضمون ہے اور خاتمہ کے اس مضمون کو سورت کے شروع کے مضمون سے بھی خاص مناسبت ہے۔چنانچہ وہاں پہلی آیت میں بھی آپ کی شفقت کو دور کرنے کا یہی مضمون بیان ہوا تھا، جس میں اپنی عمومیت کے ساتھ کافروں کے اقوال سے ہونے والا رنج بھی شامل ہے۔ اور ﴿لِمَنۡ يَّخۡشٰى﴾ کے مفہوم کے مقابلہ میں نہ ڈرنے والوں کا ذکر نہ ہونے سے بھی معلوم ہوتا ہے لہٰذا جو وہاں مجمل ہے وہ یہاں مفصل ہے۔واللہ اعلم

کافروں کے اقوال واحوال کی برائی اور رسول اللہ ﷺ کی تسلی:

(یہ منہ پھیرنے والے جو منہ پھیرنے پر اصرار کر رہے ہیں تو) کیاان لوگوں کو (اب تک) اس سے بھی ہدایت نہیں

ہوئی کہ) ہم ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو (اس منہ پھیرنے ہی کی بدولت عذاب سے) ہلاک کر چکے ہیں۔ کہ ان (میں سے بعض) کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ بھی چلتے (پھرتے) ہیں (کیونکہ شام کو جاتے ہوئے مکہ والوں کے راستہ میں بعض ان قوموں کے رہنے کے مقامات آتے تھے) اس (امر) میں (جس کا ذکر کیا گیا) سمجھ رکھنے والوں کے (سمجھنے کے) لئے (اور منہ پھیرنے والوں کے اللہ کے نزدیک مذمت کے قابل ہونے کی کافی دلیلیں موجود ہیں اور (ان پر عذاب نہ آنے سے انہیں اپنے مسلک کے مذموم نہ ہونے کا جو شبہ ہوتا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ) اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے فرمائی ہوئی نہ ہوتی (یعنی یہ کہ بعض مصلحتوں کی وجہ سے انہیں مہلت ہوگی) اور (عذاب کے لئے) ایک معین میعاد نہ ہوتی (کہ وہ قیامت کا دن ہے) تو (ان کے کفر اور منہ پھیرنے کے تقاضہ سے) عذاب لازمی طور پر ہوتا (خلاصہ یہ کہ کفر تو عذاب کا تقاضا کرتا ہے، لیکن ایک رکاوٹ کی وجہ سے توقف ہو رہا ہے، اس لئے ان کا وہ شبہ اور عذاب واقع نہ ہونے سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔ غرض یہ کہ مہلت ہے، بالکل چھوڑ دینا نہیں ہے) تو (جب عذاب کا آنا یقینی ہے تو) آپ ان کی (کفر والی) باتوں پر صبر کیجئے (اور اللہ کے لئے بغض کی وجہ سے جو ان پر غیظ آتا ہے اور اس پر عذاب میں دیر کی وجہ سے پریشانی ہوتی ہے تو اس پریشانی کو چھوڑ دیجئے) اور اپنے رب کی حمد (ثنا و تعریف) کے ساتھ (اس کی) تسبیح کیجئے (اس میں نماز بھی آ گئی) سورج نکلنے سے پہلے (جیسے فجر کی نماز) اور اس کے چھپنے سے پہلے (جیسے ظہر اور عصر کی نماز) اور رات کے وقتوں میں (بھی) تسبیح کیا کیجئے (جیسے مغرب اور عشا کی نماز) اور دن کے شروع اور آخر میں (تسبیح کرنے کے واسطے اہتمام کے لئے دوبارہ کہا جاتا ہے، جس سے فجر اور مغرب کی نماز کا ذکر بھی اہتمام کے طور پر دوبارہ ہو گیا) تا کہ (آپ کو جو ثواب ملے) آپ (اس سے) خوش ہوں (مطلب یہ کہ آپ اپنی توجہ معبود حقیقی کی طرف رکھئے۔ ان کی فکر نہ کیجئے) اور ان چیزوں کی طرف ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے (جیسا کہ اب تک بھی نہیں دیکھا) جن سے ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو (جیسے یہود، عیسائی اور مشرکوں) کو ان کی آزمائش کے لئے نواز رکھا ہے کہ وہ (محض) دنیاوی زندگی کی رونق ہے (مطلب دوسروں کو سنانا ہے کہ جب معصوم کو منع کیا جا رہا ہے جن میں گناہ کا احتمال بھی نہیں تو غیر معصوم کو تو اس کا اہتمام ضروری کیوں نہ ہوگا۔ اور آزمائش یہ کہ کون احسان مانتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے) اور آپ کے رب کا عطیہ (جو آخرت میں ملے گا اس سے بہت زیادہ بہتر ہے اور دیر تک رہنے والا ہے (کہ کبھی فنا ہی نہ ہوگا۔ کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ نہ ان کے منہ پھیرنے کی طرف توجہ کی جائے اور نہ ہی ان کی ضرورتوں اور پریشانیوں کی طرف، سب کا انجام عذاب ہے) اور اپنے تعلق والوں (یعنی خاندان والوں کو یا مؤمنوں) کو بھی نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے (یعنی زیادہ توجہ کے قابل یہ امور ہیں) ہم آپ سے (اور اسی طرح دوسروں سے ایسے روزگار یا) رزق (کموانا نہیں چاہتے (جو ضروری طاعتوں میں رکاوٹ ہو) رزق تو آپ کو (اور اسی طرح دوسروں کو بھی) ہم دیں گے (یعنی اصلی مقصود رزق یا دولت کمانا نہیں بلکہ دین اور طاعت ہیں، رزق یا دولت کمانے کی اجازت یا امر اسی حالت میں ہے کہ اس

سے ضروری طاعت میں خلل نہ ہو) اور بہتر انجام تو پرہیز گاری ہی کا ہے، اس لئے ہم حکم دیتے ہیں کہ ﴿ لَا تَمُدَّنَّ ﴾ اور ﴿ وَأْمُرْ أَهْلَكَ ﴾ الخ اور منہ پھیرنے والوں کے بعض احوال واقوال جیسے اوپر معلوم ہوئے، اسی طرح ان کا ایک اور قول بھی بیان کیا جاتا ہے کہ) وہ لوگ (عناد کے طور پر) یوں کہتے ہیں کہ یہ (رسول) ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے؟ (آگے جواب ہے کہ) کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کے مضمون کا ظہور نہیں پہنچا؟ (اس سے قرآن مراد ہے کہ اس سے گذشتہ کتابوں کے مضمون یعنی پیشین گوئی کی سچائی کا ظہور ہو گیا۔ مطلب یہ کہ کیا ان کے پاس قرآن نہیں پہنچا۔ جس کی پہلے سے شہرت تھی کہ وہ نبوت پر کافی دلیل ہے) اور اگر ہم ان کو قرآن کے آنے سے پہلے (کفر کی سزا میں) کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے (اور پھر قیامت کے دن کفر کی اصلی سزا دی جاتی کہ وہ لازم ہی تھی) تو یہ لوگ (عذر کے طور پر) یوں کہتے کہ اے ہمارے رب! آپ نے ہمارے پاس (دنیا میں) کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تھا کہ ہم آپ کے احکام پر چلتے، اس سے پہلے کہ ہم (یہاں خود) ذلیل ہوں اور (دوسروں کی نظروں میں رسوا و بے عزت ہوں؟ تو اب عذر کی بھی گنجائش نہیں رہی۔ اگر وہ یوں کہیں کہ وہ عذاب کب ہوگا؟ تو) آپ کہہ دیجئے کہ (ہم) بس انتظار کر رہے ہیں تو (تھوڑا) اور انتظار کر لو۔ اب جلدی ہی تمہیں (بھی) معلوم ہو جائے گا کہ سیدھے راستہ والے کون ہیں؟ اور کون ہے جو (منزل) مقصود تک پہنچا (یعنی وہ فیصلہ جلدی ہی موت کے بعد یا حشر کے بعد ظاہر ہو جائے گا)

فائدہ: ﴿ اصْطَبِرْ ﴾ کی وضاحت میں رسول اللہ کے غیظ کی جو وجہ بیان ہوئی ہے۔ اس سے شفقت نہ ہونے کا شبہ جاتا رہا، اور مذکورہ بیان کی بنیاد پر یہ آیت قتال یعنی جنگ کے حکم سے منسوخ نہیں ٹھہری۔ کہ پریشانی کو چھوڑنے سے جنگ کا چھوڑنا لازم نہیں ہوتا۔

﴿ بحمد للہ! اس سورت کی تفسیر ۱۲ رشوال سنہ ۱۴۲۴ھ کو پوری ہوئی ﴾
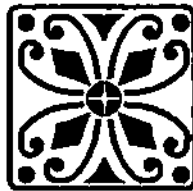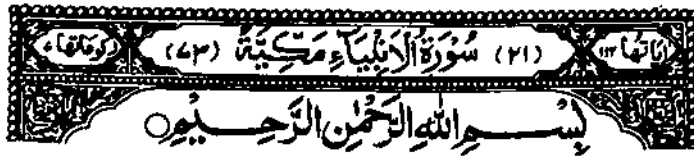
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

تعارف:

اس سورت میں یہ مضامین ملے جلے ہیں، آخرت کی تحقیق، نبوت کی تحقیق، توحید کی تحقیق، اور توحید اور رسالت کی تائید کے لئے بعض انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان ہوئے ہیں، اور یہی مضامین خاص طور سے قصوں کا مضمون سورۂ طٰہٰ کے ساتھ ربط کی وجہ ہے، اور سورۂ طٰہٰ کے ساتھ اور اس سورت کے آغاز میں حساب (قیامت) کا نزدیک آجانا، اور سورۂ طٰہٰ کے ختم میں ﴿فَسَتَعْلَمُوْنَ﴾ میں برحق مذہب کی حقیقت کے واشگاف ہونے کا نزدیک آجانا جو سین کا مدلول ہے دونوں سورتوں کے آغاز و انجام میں وجہ ارتباط ہے۔

﴿ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ ع ۱

ترجمہ: ان لوگوں سے ان کا حساب نزدیک آ پہنچا اور یہ غفلت میں ہیں، اعراض کئے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو نصیحت تازہ آتی ہے یہ اس کو ایسے طور سے سنتے ہیں کہ ہنسی کرتے ہیں، ان کے دل متوجہ نہیں ہوتے اور یہ لوگ یعنی ظالم لوگ چپکے چپکے سرگوشی کرتے ہیں کہ یہ محض تم جیسے ایک آدمی ہیں تو کیا تم پھر بھی جادو کی بات سننے کو جاؤ گے حالانکہ تم جانتے ہو۔ پیغمبر نے فرمایا کہ میرا رب ہر بات کو آسمان میں اور زمین میں جانتا ہے اور وہ خوب سننے والا

خوب جاننے والا ہے۔ بلکہ یوں کہا کہ یہ پریشان خیالات ہیں بلکہ انھوں نے اس کو تراش لیا ہے بلکہ یہ تو ایک شاعر شخص ہیں تو ان کو چاہئے کہ ہمارے پاس ایسی کوئی نشانی لاویں جیسا پہلے لوگ رسول بنائے گئے۔ ان میں سے پہلے کوئی بستی والے جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے ایمان نہیں لائے سو کیا یہ لوگ ایمان لے آویں گے۔ اور ہم نے آپ سے قبل صرف آدمیوں ہی کو پیغمبر بنایا جن کے پاس ہم وحی بھیجا کرتے تھے سو تم کو معلوم نہ ہو تو اہل کتاب سے دریافت کرلو۔ اور ہم نے ان رسولوں کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور وہ حضرات ہمیشہ رہنے والے نہیں ہوئے۔ پھر ہم نے جو ان سے وعدہ کیا تھا اس کو سچا کیا یعنی ان کو اور جن جن کو منظور ہوا ہم نے نجات دی اور حد سے گزرنے والوں کو ہلاک کیا۔ ہم تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج چکے ہیں کہ اس میں تمہاری نصیحت موجود ہے کیا پھر تم نہیں سمجھتے۔

ربط: سورۂ طٰہٰ کے آخر میں حق کی حقیقت کے انکشاف کا قریب ہونا جو سین کا مدلول اور اس سورت کے شروع میں حساب کا نزدیک آجانا دونوں سورتوں کے شروع اور ختم میں ربط کی وجہ ہے۔

غفلت و جہالت اور رسالت کے انکار کی برائی:

ان (منکر) لوگوں سے ان کا حساب (کا وقت) نزدیک آپہنچا (یعنی قیامت دھیرے دھیرے نزدیک ہوتی جارہی ہے اور یہ (ابھی) غفلت (ہی) میں (پڑے) ہیں (اور اس کے یقین کرنے سے اور اس کے لئے تیاری کرنے سے) منہ پھیرے ہوئے ہیں (اور ان کی غفلت یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ) ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو تازہ نصیحت (ان کے حال کے مطابق) آتی ہے (اس سے اس کے بجائے کہ انہیں تنبیہ ہوتی) یہ اس کو اس طرح سنتے ہیں کہ (اس کا) مذاق اڑاتے ہیں (اور) ان کے دل (ادھر بالکل بھی) متوجہ نہیں ہوتے اور یہ لوگ جو (یعنی ظالم اور کافر) لوگ (آپس میں) آہستہ آہستہ کانا پھوسی کرتے ہیں (اہل اسلام کے خوف کی وجہ سے نہیں، کیونکہ مکہ میں کافر لوگ کمزور نہیں تھے بلکہ اسلام کی اشاعت کو باطل کرنے اور مکر وفریب کی تمہید کے قصد سے۔ کہ ایسی باتوں کو پوشیدہ رکھنے کی عادت ہوتی ہے) کہ یہ (یعنی محمد ﷺ) محض تم جیسے ایک (معمولی) آدمی ہیں (یعنی نبی نہیں اور یہ جو دل کو لگنے والا اور اثر والا کلام سناتے ہیں اس پر معجزہ کا شبہ اور اس معجزہ سے نبوت کا خیال نہ کرنا کیونکہ وہ حقیقت میں جادو سے بھرا ہوا کلام ہے) تو کیا (اس بات کے باوجود) پھر بھی تم جادو کی بات سننے کو (ان کے پاس) جاؤ گے۔ حالانکہ تم (اس بات کو خوب) جانتے (بوجھتے) ہو، پیغمبر (ﷺ کو جواب دینے کا حکم ہوا اور انھوں) نے (حکم کے مطابق جواب میں) فرمایا کہ میرا رب ہر بات کو جانتا ہے چاہے آسمان اور زمین میں) ہو (اور چاہے وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ) اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے (تو تمہارے کفریہ اقوال کو بھی جانتا ہے اور تمہیں خوب سزا دے گا، اور انھوں نے صرف جادو ہی نہیں کہا) بلکہ یوں (بھی) کہا کہ یہ (قرآن کی باتیں) پریشان خیالات ہیں (کہ واقعی طور پر دلکش بھی نہیں) بلکہ (اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ) انھوں

نے (یعنی پیغمبر) نے اس کو (جان بوجھ کر اپنے اختیار سے دل سے) گھڑ لیا ہے (اور اضغاث احلام یعنی پریشان خیالات میں تو انسان کسی قدر بے اختیار اور معذور اور شبہ میں مبتلا بھی ہوتا ہے اور یہ افتراء والزام قرآن ہی کے ساتھ خاص نہیں) بلکہ یہ تو ایک شاعر شخص ہیں (ان کی تمام باتیں ایسی ہی گھڑی ہوئی اور خیالی ہوتی ہیں) خلاصہ یہ کہ یہ رسول نہیں ہیں اور اگر رسالت کے بڑے دعویدار ہیں) تو انہیں چاہئے کہ ہمارے پاس ایسی کوئی نشانی لائیں جیسے پہلے لوگ رسول بنائے گئے (اور انھوں نے بڑے بڑے معجزے ظاہر کئے، تب تو ہم انہیں رسول مانیں اور ان پر ایمان لائیں، حالانکہ یہ کہنا بھی ایک بہانہ تھا، ورنہ پہلے والے نبیوں کو بھی نہیں مانتے تھے۔ حق تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں کہ) ان سے پہلے کسی بستی والے جن کو ہم نے ہلاک کیا (ان کی فرمائش کے مطابق معجزے کے آنے کے باوجود) ایمان نہیں لائے تو کیا یہ لوگ (ان معجزوں کے ظاہر ہونے پر) ایمان لے آئیں گے؟ (اور ایسی حالت میں ایمان نہ لانے پر عذاب نازل ہو جائے گا۔ اس لئے ہم وہ معجزے ظاہر نہیں فرماتے، اور قرآن کا معجزہ کافی ہے) اور (رسالت سے متعلق جو ان کا یہ شبہ ہے کہ رسول بشر نہیں ہونا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ) ہم نے آپ سے پہلے صرف آدمیوں ہی کو پیغمبر بنایا جن کے پاس ہم وحی بھیجا کرتے تھے تو (اے انکار کرنے والو!) اگر تمہیں (یہ بات) معلوم نہ ہو تو اہل کتاب سے معلوم کر لو (کیونکہ اول تو متواتر خبر یعنی جو اپنے واقع ہونے کے زمانہ سے سننے والوں کے زمانہ تک برابر بیان ہوتی چلی آ رہی ہو) روایت کرنے والوں کے عدل وانصاف کی شرط کے بغیر بھی اپنے آپ میں حجت ہے، پھر تم انہیں اپنا دوست سمجھتے ہو، تو تمہارے نزدیک اعتبار کے قابل ہونے چاہئیں اور (اسی طرح رسالت سے متعلق جو اس شبہ کا دوسرا بیان ہے کہ رسول فرشتہ ہونا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ) ہم نے ان رسولوں کے (جو کہ گذر چکے ہیں) ایسے جسم نہیں بنائے تھے جو کھانا نہ کھاتے ہوں (یعنی فرشتہ نہیں بنایا تھا) اور (یہ لوگ جو آپ کی وفات کے انتظار میں خوشیاں منا رہے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ نَتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴾ جیسا کہ المعالم میں ہے۔ یہ وفات بھی نبوت کے خلاف نہیں، کیونکہ) وہ (پچھلے) حضرات (بھی دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے نہیں ہوئے (لہٰذا اگر آپ کی بھی وفات ہو جائے تو نبوت میں کیا کمی لازم آئی۔ غرض یہ کہ جیسے پہلے رسول تھے، ویسے ہی آپ بھی ہیں اور یہ لوگ جس طرح آپ کو جھٹلاتے ہیں، اسی طرح ان حضرات کو بھی اس زمانہ کے کافروں نے جھٹلایا) پھر ہم نے ان سے جو وعدہ کیا تھا (کہ جھٹلانے والوں کو عذاب سے ہلاک کریں گے اور تمہیں اور مؤمنوں کو محفوظ رکھیں گے۔ ہم نے) اس (وعدہ) کو سچا کیا۔ یعنی ان کو اور جن جن کے لئے (نجات دینا) منظور ہوا (اس عذاب سے) ہم نے نجات دی اور (اس عذاب سے طاعت کی) حد سے گذرنے والوں کو ہلاک کیا (تو ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے۔ اور اے منکرو! اس جھٹلانے کے بعد اگر تم پر دنیا یا آخرت میں عذاب آئے تو تعجب نہیں، کیونکہ) ہم تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج چکے ہیں کہ اس میں تمہارے لئے (کافی نصیحت موجود ہے کیا ایسی تبلیغ اور نصیحت کے باوجود) پھر بھی تم نہیں سمجھتے؟ (اور نہیں مانتے؟)

﴿وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ۝ فَلَمَّا أَحَسُّوا بَأْسَنَا إِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُونَ ۝ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ ۝ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَامِدِينَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے بہت سی بستیاں جہاں کے رہنے والے ظالم تھے، غارت کردیں۔ اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کردی۔ سو جب ان ظالموں نے ہمارا عذاب آتا دیکھا تو اس بستی سے بھاگنا شروع کیا۔ بھاگو مت اور اپنے سامان عیش کی طرف اور اپنے مکانوں کی طرف واپس چلو شاید تم سے کوئی پوچھے پاچھے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہائے ہماری کم بختی! بیشک ہم لوگ ظالم تھے۔ سو ان کی بھی غل پکار رہی حتیٰ کہ ہم نے ان کو ایسا کردیا جس طرح کھیتی کٹ گئی ہو اور آگ ٹھنڈی ہوگئی ہو۔

ربط: اوپر جھٹلانے والوں کی مذمت اور اللہ کے عذاب سے ان کا ہلاک ہونا مختصر انداز میں بیان کیا گیا تھا۔ آگے اسی کی کسی قدر تفصیل ہے۔

نبیوں کے مخالفوں کو ہلاک کرنے کی کسی قدر تفصیل:

اور ہم نے بہت سی بستیاں ہلاک کردیں، جن کے رہنے والے ظالم (یعنی کافر) تھے اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کردی، تو جب ان ظالموں نے ہمارا عذاب آتا دیکھا تو اس بستی سے بھاگنا شروع کیا (کہ عذاب سے بچ جائیں، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ) بھاگو مت اور اپنے عیش کے سامان اور اپنے مکانوں کی طرف واپس چلو، شاید کوئی تم سے پوچھ تاچھ کرے کہ کیا گذری؟ اس سے ہلکا سا طنز مقصود ہے کہ نہ وہ سامان رہا نہ مکان رہا اور نہ کسی ہمدرد کا نشان رہا) وہ لوگ (عذاب کے نازل ہونے کے وقت) کہنے لگے کہ ہائے ہماری کم بختی! بیشک ہم لوگ ظالم تھے تو یہی پکارتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے انہیں ایسا (بے نام و نشان) کردیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی ہو اور آگ ٹھنڈی ہوگئی ہو۔

فائدہ: ﴿إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ﴾ میں ان کا اقرار اس لئے فائدہ مند نہیں ہوا کہ یہ اقرار عذاب کے فرشتوں کو دیکھنے کے بعد ہوگا، جیسا کہ فرعون کا غرق کے وقت ان کو دیکھ کر آمنت کہنا۔ واللہ اعلم

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ ۝ لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا إِنْ كُنَّا فَاعِلِينَ ۝ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ۝ وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ

عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿١٩﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿٢١﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٢٢﴾ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿٢٣﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿٢٥﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾

ع ۲

ترجمہ: اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، اس کو اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں۔ اگر ہم کو مشغلہ ہی بنانا منظور ہوتا تو ہم خاص اپنے پاس کی چیز کو مشغلہ بناتے اگر ہم کو یہ کرنا ہوتا، بلکہ ہم حق بات کو باطل پر پھینک مارتے ہیں، سو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے سو وہ دفعۃً جاتا رہتا ہے۔ اور تمہارے لئے اس بات سے بڑی خرابی ہوگی جو تم گھڑتے ہو اور جتنے کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اسی کے ہیں۔ اور جو اللہ کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے عار نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں۔ شب و روز تسبیح کرتے ہیں موقوف نہیں کرتے۔ کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں زمین کی چیزوں میں سے جو کسی کو زندہ کرتے ہوں۔ زمین و آسمان میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو دونوں درہم برہم ہو جاتے، سو اللہ جو کہ مالک ہے عرش کا ان امور سے پاک ہے جو کچھ یہ لوگ بیان کرتے ہیں (اور) وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اور اوروں سے باز پرس کی جا سکتی ہے۔ کیا خدا کو چھوڑ کر انھوں نے اور معبود بنا رکھے ہیں۔ کہئے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو۔ یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب اور مجھ سے پہلے لوگوں کی کتابیں موجود ہیں۔ بلکہ ان میں زیادہ تر وہ ہیں۔ جو امر حق کا یقین نہیں کرتے سو وہ اعراض کر رہے ہیں۔ اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس میری عبادت کیا کرو۔ اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد بنا رکھی ہے وہ پاک ہے بلکہ بندے ہیں معزز۔ وہ اس سے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور وہ اسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے۔ اور وہ بجز اس کے جس کے لئے خدا تعالیٰ کی مرضی ہو اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے اور وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور ان میں سے جو شخص یوں کہے کہ میں علاوہ خدا کے معبود ہوں سو ہم اس کو سزائے جہنم دیں گے، ہم ظالموں کو

ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

ربط: سورت کے شروع سے یہاں تک نبوت کے مضمون کا سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ اب ﴿ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴾ تک توحید کو مدلول کیا ہے۔

توحید کی تحقیق:

اور (ہمارے واحد یعنی اکیلا ہونے پر ہماری مصنوعات یعنی بنائی ہوئی چیزیں دلالت کر رہی ہیں (کیونکہ) ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس کو اس طرح نہیں بنایا کہ ہم بے کار کام کرنے والے ہوں (بلکہ ان میں بہت سی حکمتیں ہیں جن میں سب سے بڑی حکمت توحید پر دلالت ہے، اور) اگر ہمیں (آسمان اور زمین کے بنانے سے کوئی حکمت مقصود نہ ہوتی، بلکہ انہیں محض) مشغلہ ہی بنانا منظور ہوتا (جس میں کوئی ذکر کے قابل فائدہ مقصود نہ ہوتا محض دل بہلانا منظور ہوتا) تو ہم خاص اپنے پاس کی چیز کو مشغلہ بناتے (جیسے اپنی صفتوں کے کمال کا مشاہدہ) اگر ہمیں یہ کرنا ہوتا (کیونکہ مشغلہ کو اسے بنانے والے کی شان سے مناسبت چاہیئے تو کہاں اللہ واجب الوجود کی ذات اور کہاں یہ بنائی ہوئی چیزیں۔ البتہ صفتوں کو قدیم اور ذات کے لئے لازم ہونے کی وجہ سے ایک حد تک مناسبت ہے تو جب عقلی دلیلوں اور تمام مذہبوں کے ماننے والوں کے اجماع سے اس کا مشغلہ قرار دیا جانا محال ہے تو بعد میں بنائی ہوئی چیزوں میں تو اس احتمال کی اور بھی زیادہ نفی ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ ہم نے بے کار پیدا نہیں کیا) بلکہ (حق کے ثبوت اور باطل کو باطل کرنے کے لئے پیدا کیا ہے اور) ہم (اس) حق بات کو (جس کے ثبوت پر بنائی ہوئی چیزیں دلالت کرتی ہیں، اس) باطل بات پر (اس طرح غالب کر دیتے ہیں جیسے یوں سمجھو کہ ہم اس کو اس پر) پھینک مارتے ہیں تو وہ (حق) اس (باطل) کا بھیجا نکال دیتا ہے (یعنی اس کو مغلوب کر دیتا ہے) تو وہ (مغلوب ہو کر) واقعی جاتا رہتا ہے (یعنی توحید کی دلیلیں جو ان مصنوعات سے حاصل ہوتی ہیں شرک کی پوری طرح نفی کر دیتی ہیں جس کی مخالف جانب کا احتمال ہی نہیں رہتا) اور (تم ان ٹھوس دلیلوں کے باوجود (شرک کرتے ہو تو) تمہارے لئے اس بات سے بڑی خرابی ہوگی جو تم (حق کے کے خلاف) گھڑتے ہو اور (حق تعالیٰ کی شان وہ ہے کہ) جتنی کچھ آسمانوں اور زمین میں سب اسی کی (ملکیت) ہیں اور (ان میں سے) جو اللہ کے نزدیک (بہت مقبول اور مقرب) ہیں (ان کے عبد ہونے کی یہ حالت ہے کہ) وہ اس کی عبادت سے نہیں شرماتے اور نہ تھکتے ہیں (بلکہ) رات دن (اللہ کی) تسبیح (و تقدیس) کرتے ہیں (کسی وقت) رکتے نہیں (جب ان کی یہ حالت ہے تو عام مخلوق تو کس گنتی میں ہیں) چنانچہ عبادت کے لائق وہی ہے اور جب کوئی دوسرا رب نہیں ہے تو پھر اس کا شریک سمجھنا کتنی بے عقلی ہے) کیا (توحید کی ان دلیلوں کے باوجود) ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں (خاص طور سے) زمین کی چیزوں میں سے جو کہ اور بھی کم تر اور ادنی درجہ کی ہیں۔ جیسے پتھر یا معدنیات کے بت) جو کسی کو زندہ کرتے

ہوں (یعنی جو جان بھی نہ ڈال سکتا ہوایسا مجبور بے بس، معبود ہونے کے قابل کیسے ہوسکتا ہے؟ اور) زمین (میں یا) آسمان میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود (واجب الوجود یعنی جس کا موجود ہونا واجب ہو) ہوتا تو دونوں کا (کبھی کا) نظام بگڑ جاتا (کیونکہ عادت کے اعتبار سے دونوں کے ارادوں اور افعال میں ٹکراؤ ہوتا اور اس کے لئے بگاڑ لازم) ہے، لیکن نظام میں بگاڑ اور فساد واقع نہیں ہے، اس لئے کئی معبود ہونے کی بھی نفی ہے) تو (ان بیانوں سے ثابت ہوا کہ) اللہ تعالیٰ جو کہ عرش کا مالک ہے، ان باتوں سے بالکل پاک ہے، جو یہ لوگ بیان کرر ہے ہیں (کہ نعوذ باللہ اس کے اور بھی شریک ہیں، حالانکہ اس کی ایسی عظمت ہے کہ) وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کرسکتا اور دوسروں سے پوچھ تاچھ کی جاسکتی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ پوچھ تاچھ کرسکتا ہے، لہٰذا اس کی عظمت میں کوئی اس کا شریک نہیں ہوا، پھر معبود ہونے میں کوئی کیسے شریک ہوسکتا ہے۔ یہاں تک تو باطل کرنے اور نقص اور محال کے معنی لازم ہونے کے طور پر کلام تھا۔ آگے سوال اور منع کے طور پر کلام ہے کہ) کیا اللہ کو چھوڑ کر انھوں نے اور معبود بنا رکھے ہیں (ان سے) کہئے کہ (اس دعوی پر) تم اپنی دلیل پیش کرو (یہاں تک تو سوال اور عقلی دلیل کے ذریعہ شرک کو باطل کیا گیا تھا۔ آگے نقلی دلیل کے ذریعہ استدلال ہے کہ) یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب (یعنی قرآن) اور مجھ سے پہلے والے لوگوں کی کتابوں (یعنی توریت، انجیل اور زبور) موجود ہیں (جن کا سچا اور اللہ کی طرف سے نازل ہونا عقلی دلیل سے ثابت ہے۔ اور اگر چہ دوسری کتابوں میں تحریف یعنی ردوبدل ہوئی ہے، مگر قرآن میں ردوبدل بھی نہیں ہے لہٰذا ان کتابوں کا جو مضمون قرآن کے مطابق ہوگا وہ یقیناً صحیح ہے۔ اور ان تمام دلیلوں کا جن کا ذکر ہوا تقاضا یہ تھا کہ یہ لوگ توحید کے قائل ہوجاتے، لیکن یہ پھر بھی قائل نہیں ہوئے) بلکہ ان میں وہ لوگ زیادہ ہیں جو حق بات کا یقین نہیں کرتے تو (اس وجہ سے) وہ (اس کو قبول کرنے سے منہ پھیر رہے ہیں) اور (یہ توحید کوئی نئی بات نہیں ہے جس سے وحشت ہو، بلکہ وہ شریعت ہے جو پہلے سے چلی آرہی ہے۔ چنانچہ ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود (ہونے کے لائق) نہیں، لہٰذا میری (ہی) عبادت کیا کرو اور (یہ مشرک) لوگ (ہیں ان میں سے بعض) یوں کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں کو) اولاد بنا رکھا ہے (توبہ توبہ!) وہ (اللہ تعالیٰ اس سے) پاک ہے (اور وہ فرشتے اس کی اولاد نہیں ہیں) بلکہ (اس کے) بندے معزز ہیں (اس سے بے عقلوں کو شبہ ہوگیا اور ان کے بندے ومحکوم ہونے کی اور ادب کی یہ کیفیت ہے کہ) وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کرسکتے (بلکہ حکم کے انتظار میں رہتے ہیں) اور وہ اسی کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں (اس کے خلاف نہیں کرسکتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ ان کے اگلے پچھلے احوال کو (خوب) جانتا ہے (لہٰذا جو حکم ہوگا اور جب ہوگا حکمت کے مطابق ہوگا، اس لئے نہ فعل کی شکل میں مخالفت کرتے ہیں نہ قول کے لحاظ سے آگے بڑھتے ہیں) اور (ان کے ادب کی حالت یہ ہے کہ) وہ سوائے اس (شخص) کے جن کے لئے (شفاعت کرنے کی) اللہ تعالیٰ کی مرضی

ہو اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے اور وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں (یہ تو ان کے مغلوب اور محکوم ہونے کا بیان تھا۔ آگے اللہ تعالیٰ کے غالب اور حاکم ہونے کا بیان ہے۔ اگر چہ دونوں کا حاصل قریب قریب ہی ہے) اور ان میں سے جو شخص (فرض کیجئے) یوں کہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ کے سوا میں معبود ہوں تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے (اور) ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں (یعنی اللہ کو ان پر پورا اختیار ہے جیسے دوسری مخلوقوں پر ہے، پھر وہ اللہ کی اولاد، جس کے لئے خدا ہونا ضروری ہے کیسے ہو سکتے ہیں؟

فائدہ: ﴿يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ میں ہمیشہ تسبیح کرتے رہنے پر یہ شبہ کیا گیا ہے کہ دوسرے اقوال اور احوال کے وقت تسبیح کیسے ممکن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ افعال کے وقت تسبیح جمع ہونے میں تو کوئی اشکال نہیں اور اقوال کا وقت یا تو اس ہمیشگی کے ساتھ مخصوص ہو یا تسبیح قلبی یعنی دل سے کی جانے والی تسبیح کی طرح واقع ہونا ہو، اور ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا﴾ الخ میں عادت کے طور پر کیا جانے والا استدلال ہے اور عقلی استدلال کی طرف اشارہ ہے، جس کی تفصیل علم کلام کی کتابوں میں ہے۔ اور سورۃ البقرۃ آیت ۱۶۴ میں اس کا بیان گذر بھی چکا ہے۔ اور اگر چہ توحید کی آیتوں سے بتوں کے کمالوں کی نفی ہوتی ہے جس کے وہ مشرک بھی قائل نہیں تھے، مگر مقصود یہ ہے کہ معبود ہونے کے مستحق ہونے کے لئے یہ کمال لازم ہیں، اور جب لازم کی نفی ہے تو ملزوم یعنی جس کے لئے لازم کیا گیا اس کی بھی نفی ہے۔ فقط۔

﴿أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝﴾

ترجمہ: کیا ان کافروں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ آسمان اور زمین بند تھے پھر ہم نے دونوں کو کھول دیا۔ اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے۔ کیا پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔ اور ہم نے زمین میں اس لئے پہاڑ بنائے کہ زمین ان لوگوں کو لے کر نہ ہلنے لگے۔ اور ہم نے اس میں کشادہ کشادہ راستے بنائے تاکہ وہ لوگ منزل کو پہنچ جاویں۔ اور ہم نے آسمان کو ایک چھت بنایا جو محفوظ ہے اور یہ لوگ اس کی نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں۔ اور وہ ایسا ہے کہ اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے۔ ہر ایک ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔

ربط: اوپر آیت ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ﴾ الخ میں مختصر انداز میں ان مصنوعات کی توحید پر دلالت کا ذکر تھا۔ اب اس کی تفصیل ہے۔

قدرت کی بعض دلیلوں کی تفصیل:

کیا ان کافروں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ آسمان اور زمین (پہلے) بند تھے (یعنی نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی نہ زمین سے کچھ پیداوار ہوتی تھی اور اس کو بند ہونا فرمایا، چنانچہ جس زمانہ میں بارش نہیں ہوتی اور زمین سے کچھ پیدا نہیں ہوتا اس کو اب بھی بند کہتے ہیں) پھر ہم نے دونوں کو (اپنی قدرت سے) کھول دیا (کہ آسمان سے) بارش ہونے لگی اور زمین سے نباتات یعنی پیڑ پودے اگنے لگے۔ چنانچہ فتق یعنی کھولے جانے کا تو مشاہدہ ہوتا ہی ہے اور رتق یعنی بند ہونا جواب ہوتا ہے اس کا بھی مشاہدہ ہوتا ہے اور جو ابتدا میں تھا، وہ عقلی دلیل سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ کھولا جانا بند کے بعد ہوتا ہے اور کھولا نہ جانا کھولے جانے کی جگہ کی وجہ سے ہوگا یا جگہ کے پائے جانے کے بعد ہوگا، دوسرے امر کی تعیین آسمانی کتابوں سے ہو جائے گی جن کی سچائی عقلی دلیل سے ثابت ہے۔ ارشاد ﴿ اَوَلَمۡ یَرَ ﴾ میں مشاہدہ یعنی دیکھا جانا اور عقلی ونقلی استدلال سب شامل ہیں) اور بارش سے صرف نباتات پیڑ پودے ہی نہیں بڑھتے بلکہ) ہم نے (بارش کے) پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے (چاہے نئے پیدا ہونے کے اعتبار سے یا باقی رہنے کے لحاظ سے چاہے بواسطہ یا بلاواسطہ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ﴿ وَمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ ﴾ کیا (ان باتوں کو سن کر) پھر بھی ایمان نہیں لاتے؟ اور ہم نے (اپنی قدرت سے) زمین میں اس لئے پہاڑ بنائے کہ زمین ان لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے اور ہم نے اس (زمین) میں کھلے کھلے راستے بنائے تاکہ وہ لوگ (ان کے ذریعہ سے) منزل (مقصود) کو پہنچ جائیں اور ہم نے (اپنی قدرت سے) آسمان کو (زمین کے مقابلہ میں اس کے اوپر) ایک چھت (کی طرح) بنایا جو (ہر طرح سے) محفوظ ہے (یعنی گرنے سے بھی اور ٹوٹنے پھوٹنے سے بھی اور شیطانوں کے خبریں لے بھاگنے سے بھی جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُمۡسِكُ السَّمٰوٰتِ ﴾ ﴿ هَلۡ تَرٰى مِنۡ فُطُوۡرٍ ﴾ ﴿ حَفِظۡنٰهَا مِنۡ كُلِّ شَيۡطٰنٍ رَّجِيۡمٍ ﴾ اور یہ محفوظ رہنا لمبے زمانہ تک رہے گا، ہمیشہ کے لئے مراد نہیں) اور یہ لوگ اس (آسمان کے اندر کی موجودہ) نشانیوں سے منہ پھیرے ہوئے ہیں (یعنی ان میں غور وفکر نہیں کرتے) اور وہ ایسا (قادر) ہے کہ اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے (وہ نشانیاں آسمان میں یہی ہیں، اور سورج اور چاند میں سے) ہر ایک الگ دائرہ میں (اس طرح چل رہے ہیں کہ جیسے) تیر رہے ہیں۔

فائدہ: رتق وفتق کی یہی تفسیر در منثور میں ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ جیسا کہ الفریابی وعبد بن حمید نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور بیہقی نے الأسماء والصفات میں روایت کیا ہے۔ اور ﴿ جَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ ﴾ الخ کی جو تفسیر لکھی گئی ہے اس سے شاید ہی کوئی جاندار باہر رہا ہو۔ اور اگر رہ گیا ہو تو نادر نہ ہونے کے برابر ہے اور اکثر پر کل کا حکم لگتا ہے کے اعتبار سے اس کلیہ میں کوئی کمی لازم نہیں آتی اور محاوروں میں لفظ کل اکثر کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسا

کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿ يُجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ اور پہاڑوں کا زمین کی حرکت کے لئے رکاوٹ ہونا سورۂ نحل آیت ۱۵ میں گذر چکا ہے، دیکھ لیا جائے۔ اور فلک گول چیز کو کہتے ہیں چونکہ سورج اور چاند کی حرکت گول دائرہ میں ہے اس لئے اس کے مدار کو فلک فرما دیا۔ چاہے وہ آسمان ہو یا دو آسمانوں کے درمیان کی فضا ہو یا آسمان اور زمین کے درمیان کی فضا ہو یا آسمان کی موٹائی ہو، اس سلسلہ میں کوئی قطعی نص نہیں ہے اور سلف سے اس بارے میں مختلف تفسیریں منقول ہیں جیسا کہ الدر المنثور میں ہے، اس لئے اس کی وضاحت نہ کرنا ہی احتیاط سے زیادہ قریب ہے۔ اور ہر حال میں اس سے آسمان کا گول دائرہ میں ہونا ثابت نہیں ہوتا، اور ﴿ يَسْبَحُوْنَ ﴾ کی ظاہر اسناد سے سورج اور چاند کا ذاتی حرکت سے متحرک ہونا معلوم ہوتا ہے جو کہ اسناد میں حقیقت ہے، اور ایسی مختلف حرکتوں میں تو جن کا جمع ہونا ممکن ہو، کوئی اشکال نہیں اور جن کا جمع ہونا ممکن نہ ہو ان کی مضبوطی ایک حرکت کے ٹوٹنے سے بھی ہو سکتی ہے اور دوسرے جسموں کی حرکت سے بھی ہو سکتا ہے چاہے وہ جسم علوی ہوں یا سفلی، بہرحال یہ ستاروں کی حرکت نہ آسمان کے لئے لازم ہے اور نہ ہی اس کی نفی کرتی ہے۔ واللہ اعلم باسرار خلقه چونکہ اس تفصیل کی ضرورت شرعی مقاصد میں نہیں تھی اس لئے اس کی وضاحت نہ کرنے سے کوئی نقصان نہیں، اور اگر یہ قول ثابت ہو جائے کہ سورج کی حرکت کسی مدار پر نہیں ہے تو خود اس کی مقررہ حرکت جو خود پر ہے ایک وہمی کرہ پیدا کرتی ہے فلک میں وہ بھی شامل ہو جائے گی اور اگر اس کی حرکت بھی کسی کوکب یعنی ستارہ کے آس پاس ہوتی ہو تو جیسا کہ صاحب روح نے سورۂ رحمٰن کی آیت ﴿ اَلشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴾ کی تفسیر میں بعض نئے فلسفیوں کا قول نقل کیا ہے تو فلک مدار ہی کے معنی میں بے تکلف رہے گا۔ واللہ اعلم اور مقررہ حرکت بھی قدرت پر دلالت کرتی ہے کہ اتنے بڑے جسم میں تصرف ہے اور یہی اس مقام کا مقصود ہے۔ لہٰذا یہ دلالت فائدہ کے لئے مقصود ہو جائے گی۔

﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَا۠ئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ

مُّعْرِضُوْنَ ﴿﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿﴾

ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا۔ پھر اگر آپ کا انتقال ہو جاوے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔ ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا۔ اور ہم تم کو بری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں۔ اور پھر تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے۔ اور یہ کافر لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے ہنسی کرنے لگتے ہیں، کہ کیا یہی ہیں جو تمہارے معبودوں کا ذکر کیا کرتے تھے اور یہ لوگ رحمٰن کے ذکر پر انکار کیا کرتے ہیں۔ انسان جلدی ہی کا بنا ہوا ہے۔ ہم عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھائے دیتے ہیں پس تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کس وقت آوے گا اگر تم سچے ہو؟ کاش ان کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی جبکہ یہ لوگ آگ کو نہ اپنے سامنے سے روک سکیں گے اور نہ اپنے پیچھے سے اور نہ ان کی کوئی حمایت کرے گا، بلکہ وہ آگ ان کو ایک دم سے آلے گی سو ان کو بدحواس کر دے گی۔ پھر نہ اس کے ہٹانے کی ان کو قدرت ہوگی، اور نہ ان کو مہلت دی جاوے گی۔ اور آپ سے پہلے جو پیغمبر گذرے ہیں ان کے ساتھ بھی تمسخر کیا گیا تھا سو جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا ان پر وہ عذاب واقع ہو گیا جس کے ساتھ وہ کرتے تھے۔ کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو رات میں اور دن میں رحمٰن سے تمہاری حفاظت کرتا ہو، بلکہ وہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے روگرداں ہیں۔ کیا ان کے پاس ہمارے سوا اور ایسے معبود ہیں کہ ان کی حفاظت کر لیتے ہوں؟ وہ خود اپنی حفاظت کی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی اور ان کا ساتھ دے سکتا ہے، بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو خوب سامان دیا یہاں تک کہ ان پر ایک عرصہ دراز گذر گیا ان کو یہ نظر نہیں آتا کہ ہم زمین کو ہر چہار طرف سے برابر گھٹاتے چلے جاتے ہیں سو کیا یہ لوگ غالب آویں گے؟ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف وحی کے ذریعہ سے تم کو ڈراتا ہوں اور یہ بہرے جس وقت ڈرائے جاتے ہیں سنتے ہی نہیں۔ اور اگر ان کو آپ کے رب کے عذاب کا ایک جھونکا بھی ذرا لگ جاوے تو یوں کہنے لگیں کہ ہائے ہماری کم بختی واقعی ہم خطاوار تھے۔ اور قیامت کے روز ہم میزان عدل قائم کریں گے سو کسی پر اصلاً ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو حاضر کر دیں گے۔ اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔

ربط: سورت کے شروع میں رسالت کے انکار کی مذمت تھی اور اس کے آگے پیچھے اس پر عذاب کی وعید کے مستحق

ہونے کی فرع تھی۔اب بھی دوسرے عنوان سے یہی مضمون ہے۔

رسول کے انکار پر مذمت کے مضمون کا تتمہ اور ہولناک عذاب سے ڈرانا:

اور (یہ لوگ جو آپ کے انتقال کے نام پر خوشیاں منا رہے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴾ یہ انتقال بھی نبوت کے خلاف نہیں، کیونکہ) ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کے لئے (دنیا میں) ہمیشہ کا رہنا تجویز نہیں کیا (چاہے وہ نبی ہو یا غیر نبی) جیسا کہ فرمایا﴿ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴾ لہٰذا جیسے آپ سے پہلے نبوت اور وفات ایک جگہ جمع ہو چکی ہیں، اس طرح آپ میں بھی دونوں کا جمع ہونا صحیح ہے اور) پھر (یہ کہ) اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ لوگ (دنیا میں) ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (آخر یہ بھی مریں گے پھر خوشی کس بات کی، مطلب یہ کہ اگر) آپ کی وفات کی خوشی نبوت کے خیال سے ہے تب تو ﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ ﴾ الخ اس کا جواب ہے۔اور اگر صرف مخالفت کے خیال سے ہے تو ﴿ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ ﴾ الخ اس کا جواب ہے۔غرض ہر حال میں یہ انتظار بے کار ہے اور موت تو ایسی چیز ہے کہ تم میں سے) ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا اور (یہ جو ہم نے تمہیں چند دن کی زندگی دے رکھی ہے تو اس سے صرف یہ مقصود ہے کہ) ہم تمہیں بری اور بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں (بری حالت سے مراد جو مزاج کے خلاف ہو، جیسے بیماری اور فقر و محتاجی اور اچھی حالت سے مراد جو مزاج کے مطابق ہو، جیسے صحت اور خوش حالی، زندگی میں یہی حالتیں مختلف طور پر پیش آتی ہیں۔ان میں کوئی ایمان اور طاعت بجالاتا ہے اور کوئی کفر و معصیت کرتا ہے۔مطلب یہ کہ زندگی اس لئے دے رکھی ہے کہ دیکھیں کیسے کیسے عمل کرتے ہو؟) اور (اس زندگی کے ختم پر) پھر تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے (اور ہر ایک کو اس کے مناسب سزا و جزا دیں گے، لہٰذا اہم معاملہ تو موت اور موت کے بعد کا ہی ہوا اور زندگی صرف عارضی ہے، پھر یہ لوگ اس پر اتراتے ہیں، اور پیغمبر کی وفات پر خوشیاں مناتے ہیں یہ نہ ہوا کہ اس عارضی طور پر عطا کی ہوئی زندگی میں ایمان وطاعت کی دولت کما لیتے جو ان کے کام آتی اور الٹے اعمال نامہ سیاہ اور آخرت بھاری کر رہے ہیں، ڈرتے نہیں!) اور (ان انکار کرنے والوں کی حالت یہ ہے کہ) یہ کافر لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑانے لگتے ہیں (اور آپس میں کہتے ہیں) کہ کیا یہی (صاحب) ہیں جو تمہارے معبودوں کا (برائی سے) ذکر کیا کرتے ہیں (تو آپ پر تو بتوں کے انکار کا بھی اعتراض ہے) اور (خود) یہ لوگ (حضرت) رحمٰن (جل شانہ) کے ذکر پر انکار (اور کفر) کیا کرتے ہیں (تو اعتراض کی بات تو حقیقت میں یہ ہے کہ) لہٰذا انہیں اپنی اس حالت کا مذاق اڑانا چاہئے تھا۔اور ان کی یہ حالت ہے کہ جب کفر کی سزا کا مضمون سنتے ہیں جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا ہے ﴿ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴾ تو جھٹلانے کی وجہ سے اس کا تقاضا کرتے ہیں۔اور یہ تقاضا اور جلد بازی کچھ اکثر انسانوں کی طبیعت کا خاصہ بھی ہے، لہٰذا اس کا طبعی ہونا ایسا ہے جیسے) انسان جلدی ہی (کے خمیر) کا بنا ہوا ہے۔یعنی جلدی کرنا اس کے عنصری اجزا کی طرح ہے۔اسی واسطے یہ لوگ عذاب

جلدی مانگتے ہیں اور اس میں دیر ہونے کو اس کے واقع نہ ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں، لیکن اے کافرو! یہ تمہاری غلطی ہے کیونکہ اس کا وقت معین ہے، اس لئے ذرا صبر کرو) ہم جلدی ہی (اس کا وقت آنے پر) تمہیں اپنی (قہر کی) نشانیاں (یعنی سزائیں) دکھائے دیتے ہیں، لہٰذا تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ (کیونکہ عذاب وقت سے پہلے آتا نہیں اور وقت آنے پر ٹلتا نہیں) اور (یہ لوگ (جب یہ مضمون سنتے ہیں کہ جس وقت کا وعدہ کیا گیا ہے، اس پر عذاب آئے گا تو رسول اور مؤمنوں سے یوں) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کس وقت آئے گا؟ اگر تم (عذاب کے واقع ہونے کی خبر میں سچے ہو تو (دیر کس بات کی جلدی سے کیوں واقع نہیں کر دیا جاتا؟ اصل بات یہ ہے کہ انہیں اس مصیبت کی خبر نہیں، جس کی وجہ سے ایسی بے فکری کی باتیں کرتے ہیں) کاش! ان کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی جب (انہیں ہر طرف سے جہنم کی آگ گھیرے گی، اور) یہ لوگ (اس) آگ کو نہ اپنے سامنے سے روک سکیں گے اور نہ اپنے پیچھے سے اور نہ ان کی کوئی حمایت کرے گا (یعنی اس مصیبت کا علم ہوتا تو ایسی باتیں نہ کرتے اور یہ جو دنیا میں آگ کے عذاب کی فرمائش کر رہے ہیں تو یہ ضروری نہیں کہ ان کی فرمائش کے مطابق آگ کا عذاب آجائے) بلکہ وہ آگ (تو) انہیں ایک دم سے آلے گی تو ان کو بدحواس کر دے گی۔ پھر نہ انہیں اس کو ہٹانے کی قدرت ہوگی اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی اور (اگر وہ یوں کہیں کہ اگر یہ عذاب آخرت میں وعدہ کی وجہ سے دنیا میں نہیں آتا تو اچھا دنیا میں اس کا کوئی نمونہ تو دکھادو تو اگر چہ مناظرہ کے قاعدوں کے مطابق نمونہ دکھانا ضروری نہیں تو بھلائی کے طور پر نمونہ کا پتہ بھی دیا جاتا ہے کہ) آپ سے پہلے جو پیغمبر گذرے ہیں، ان کا بھی (کافروں کی طرف سے) مذاق اڑایا گیا تو جن لوگوں نے ان کا مذاق اڑایا تھا، ان پر وہ عذاب واقع ہو گیا۔ جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے (کہ عذاب کہاں ہے؟ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ کفر عذاب کا سبب ہے، لہٰذا اگر دنیا میں واقع نہ ہو تو آخرت میں واقع ہوگا اور ان سے یہ بھی) کہہ دیجئے (کہ تم جو دنیا میں عذاب سے محفوظ ہو تو یہ حفاظت بھی حضرت رحمٰن ہی کر رہے ہیں، اس میں بھی انہی کا احسان اور توحید پر دلالت ہے، اور اگر تم اس کو تسلیم نہیں کرتے تو پھر بتاؤ) کہ وہ کون ہے جو رات میں اور دن میں رحمٰن (کے عذاب) سے تمہاری حفاظت کرتا ہو (اور اس مضمون کا تقاضا یہ تھا کہ توحید کے قائل ہو جاتے، مگر وہ اب بھی قائل نہیں ہوئے) بلکہ وہ لوگ (اب بھی بدستور) اپنے (حقیقی) رب کے ذکر (توحید کو قبول کرنے) سے منہ پھیرے ہوئے ہیں (ہاں ہم ﴿ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ ﴾ یعنی تمہاری حفاظت کون کرتا ہے کے مصداق کی وضاحت کے لئے صاف طور سے دریافت کرتے ہیں کہ) کیا ان کے پاس ہمارے سوا ایسے معبود ہیں کہ (مذکورہ عذاب سے) ان کی حفاظت کر لیتے ہوں؟ (وہ بیچارے ان کی تو کیا حفاظت کرتے، ان کی بیچارگی اور بے بسی کی تو حالت یہ ہے) کہ وہ خود اپنی حفاظت کی قدرت نہیں رکھتے (جیسے کوئی ان کو توڑنے پھوڑنے لگے تو اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ ﴾ الخ تو نہ وہ معبود ان کی حفاظت کر سکتے ہیں) اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی ان کا ساتھ دے سکتا ہے (اور یہ لوگ ان روشن دلیلوں کے باوجود جس طرح حق کو قبول نہیں کرتے تو یہ وجہ نہیں کہ دعویٰ یا دلیل میں کوئی

کی ہے) بلکہ (اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ) ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو (دنیا کا) خوب سامان دیا، یہاں تک کہ ان پر (اسی حالت میں) ایک لمبا زمانہ گذر گیا (کہ نسلوں سے عیش و آرام کرتے آرہے ہیں، بس کھا کھا کر اکڑ دکھانے لگے، اور آنکھیں پتھرا گئیں۔ مطلب یہ کہ انہی میں غفلت کا بگاڑ ہے، لیکن شرعی اور تکوینی تنبیہوں کے باوجود اتنی غفلت بھی نہیں ہونی چاہئے، چنانچہ ایک تنبیہی امر کا ذکر کیا جاتا ہے کہ) کیا انہیں یہ نظر نہیں آتا کہ ہم (ان کی) زمین کو (اسلامی فتوحات کے ذریعہ سے) ہر طرف سے برابر گھٹاتے چلے جاتے ہیں تو کیا یہ لوگ (یہ امید رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر اور مؤمنوں پر غالب آئیں گے (کیونکہ عادت کے مطابق پائی جانے والی علامتیں اور نازل ہونے والی دلیلیں اس امر پر متفق ہیں کہ یہ لوگ اس وقت تک مغلوب ہوتے جائیں گے اور اہل حق غالب ہوتے جائیں گے جب مسلمان اللہ کی اطاعت سے منہ نہ موڑیں اور اسلام کی حمایت کا کام نہ چھوڑیں۔ لہٰذا اس امر میں غور کرنا بھی تنبیہ کے لئے کافی ہے۔ اگر اس کے بعد بھی عناد اور جہالت کی وجہ سے عذاب واقع ہونے کی ہی فرمائش کریں تو) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف وحی کے ذریعہ سے تمہیں ڈراتا ہوں (عذاب لانا میرے اختیار سے باہر ہے) اور (اگرچہ حق کی طرف دعوت اور ڈرانے کا یہ طریقہ کافی ہے مگر) یہ بہرے جس وقت (حق کی طرف بلائے جانے کے واسطے عذاب سے) ڈرائے جاتے ہیں تو سنتے ہی نہیں (اور حق کی وضاحت کے طریقہ میں غور ہی نہیں کرتے بلکہ عذاب ہی طلب کئے جاتے ہیں) اور (بلند ہمتی کی حالت یہ ہے کہ) اگر ان کو آپ کے رب کے عذاب کا ذرا ایک جھونکا بھی لگ جائے تو (ساری بہادری رکھی رہ جائے اور) یوں کہنے لگیں کہ ہائے ہماری کم بختی (کیسی ہمارے سامنے آئی) واقعی ہم خطاوار تھے (بس اس ہمت پر عذاب کی فرمائش ہے، واقعی ان کی شرارت کا تو یہی تقاضا تھا کہ دنیا ہی میں ان کا فیصلہ کر دیتے مگر ہم بہت سی حکمتوں کی وجہ سے دنیا میں وہ سزا دینا نہیں چاہتے جس کا ہم نے وعدہ کر رکھا ہے، بلکہ اس کو آخرت کے لئے اٹھا رکھا ہے) اور (وہاں) قیامت کے دن ہم انصاف کی ترازو قائم کریں گے (اور سب کے اعمال کا وزن کریں گے) تو کسی پر بالکل ظلم نہیں ہوگا۔ اور (ظلم نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رائی کے دانہ کے برابر بھی) اگر (کسی کا کوئی) عمل ہوگا تو ہم اس کو (وہاں) حاضر کر دیں گے (اور اس کا بھی وزن کریں گے) اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں (ہمارے اس وزن اور حساب کے بعد پھر کسی حساب و کتاب کی ضرورت نہیں رہے گی، بلکہ سارا فیصلہ اسی پر ہو جائے گا۔ چنانچہ وہاں ان لوگوں کی شرارتوں کی بھی مناسب و کافی سزا جاری کر دی جائے گی)

فائدہ: ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ﴾ میں مکلف نفوس مراد ہیں۔ جیسا کہ ﴿ وَ نَبْلُوْكُمْ ﴾ الخ اس کا قرینہ ہے، چنانچہ صور کے پھونکے جانے کے وقت فرشتوں کی موت ہونے یا نہ ہونے سے آیت خاموش ہے اور ﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ ﴾ الخ میں دنیا کی قید سے جس پر موقع و محل کا قرینہ دلالت کرتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی آسمان پر زندگی کی نفی کا استدلال جاتا رہا۔ اور ﴿ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ﴾ الخ میں اکثر کی قید سے یہ اشکال نہ رہا کہ بعض افراد ایسے نہیں ہیں اور

آیت ﴿ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ ﴾ الخ سے متعلق ایک ضروری تحقیق سورۂ رعد آیت ۴۱ کے تفسیری فائدے میں گذر چکی ہے، وہاں ملاحظہ فرمالی جائے اور میزان یعنی ترازو سے متعلق تحقیق سورۃ الاعراف آیت ۸ و ۹ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ اور ﴿ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ کی تفسیر میں جو یہ کہا گیا "جب تک کہ" اس سے اشکال دور ہوگیا کہ بعد میں تو مسلمان مغلوب ہوئے ہیں۔ اشکال کو دور کرنے کی توجیہ ظاہر ہے۔ اور اس میں راز یہ ہے کہ شروع میں اسلام کا مغلوب ہونا اس کی اشاعت میں رکاوٹ تھا، اور جب اس کی تبلیغ اور اشاعت کافی ہو چکی جو اصل مقصود تھی تو اب مغلوب ہونے سے وہ ختم نہیں ہوسکتا، چنانچہ دیکھا جارہا ہے۔ اور لفظ ﴿ الْمَوَازِيْنَ ﴾ کا جمع لانا یا تو اس وجہ سے ہے کہ ہر شخص کے لئے عمل کی ترازو الگ ہو یا چونکہ ایک ہی ترازو میں بہت سے لوگوں کے اعمال کا وزن ہوگا، اس لئے وہ کئی ترازوؤں کی قائم مقام ہوگی۔ واللہ اعلم

اور آیت ﴿ اَفَلَا يَرَوْنَ ﴾ الخ کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس قول کے بعد کہ غفلت کا بگاڑ ہے، یوں کہا جائے۔ اور ان لوگوں پر تعجب ہے کہ کفر پر عذاب واقع ہونے کا سرے سے انکار کر رہے ہیں) کیا (عذاب کے مقدمات میں سے) اس امر کو نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم (اسلامی فتوحات کے ذریعہ سے ان کی) زمین کو ہر طرف سے برابر کم کرتے چلے آتے ہیں تو کیا یہ لوگ (مسلمانوں پر غالب آرہے ہیں؟ نہیں بلکہ مغلوب ہوتے جاتے ہیں تو یہ بھی تو ایک قسم کا عذاب ہے جو عذاب اکبر کا مقدمہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ ﴾۔

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو ایک فیصلہ کی اور روشنی کی اور متقیوں کے لئے نصیحت کی چیز عطا فرمائی تھی جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں۔ اور وہ لوگ قیامت سے ڈرتے ہیں۔ اور یہ ایک کثیر الفائدہ نصیحت ہے جس کو ہم نے نازل کیا سو پھر بھی تم اس کے منکر ہو۔

ربط: سورت کے شروع سے یہاں تک توحید اور رسالت کا زیادہ اور اس کے ضمن میں اس کے تعلق سے رسولوں کے مخالفوں کو آخرت میں عام طور سے عذاب دیا جانا اور بعض کا دنیا میں بھی ہلاک ہونا بیان ہوا تھا۔ اب بعض انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان فرما کر انہی مضامین کی تائید فرماتے ہیں۔ رسالت کی تائید تو ان کے رسول ہونے سے ظاہر ہے اور توحید کی تائید ان کے توحید کی طرف دعوت دینے سے اور عذاب دیئے جانے کی تائید ان کی بعض امتوں کی ہلاکت سے کی گئی ہے۔

موسیٰ وہارون علیہما السلام کو کتاب عطا کرنے کا قصہ:

اور ہم نے (آپ سے پہلے) موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو ایک فیصلہ کی اور روشنی کی اور متقیوں کے لئے نصیحت

کی چیز (یعنی توریت) عطا فرمائی تھی، جو متقی اپنے رب سے بغیر دیکھے ڈرتے ہیں اور (اللہ سے ڈرنے کے سبب) وہ لوگ قیامت سے (بھی) ڈرتے ہیں (کیونکہ قیامت میں اس کا خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور سزا نہ ہونے لگے) اور (جس طرح انہیں وہ کتاب ہم نے دی تھی اسی طرح) یہ (قرآن بھی) بہت فائدوں والی نصیحت (کی ایک کتاب) ہے جسے ہم نے نازل کیا تو (اس کے بعد کتابوں کا نازل ہونا اللہ کی عادت ہونا معلوم ہو گیا اور خود اس کا نازل ہونا دلیل سے ثابت ہے) پھر بھی تم اس کے (اللہ کی طرف سے نازل ہونے کے) منکر ہو۔

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۝ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو ان کی خوش فہمی عطا فرمائی تھی اور ہم ان کو خوب جانتے تھے۔ جبکہ انھوں نے اپنے باپ سے اور اپنی برادری سے فرمایا کہ یہ مورتیں کیا ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے بڑوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ابراہیم نے کہا بیشک تم اور تمہارے باپ دادے صریح غلطی میں ہو۔ وہ کہنے لگے کہ کیا تم سچی بات ہمارے سامنے پیش کر رہے ہو یا دل لگی کر رہے ہو؟ ابراہیم نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو تمام

آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا اور میں اس پر دلیل بھی رکھتا ہوں۔ اور خدا کی قسم میں تمہارے ان بتوں کی گت بناؤں گا جب تم چلے جاؤ گے۔ تو انھوں نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا بجز ان کے ایک بڑے بت کے کہ شاید وہ لوگ ابراہیم کی طرف رجوع کریں۔ کہنے لگے کہ یہ ہمارے بتوں کے ساتھ کس نے کیا ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے بڑا غضب کیا، بعضوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان آدمی کو جس کو ابراہیم کر کے پکارا جاتا ہے، ان بتوں کا تذکرہ کرتے سنا ہے۔ وہ لوگ بولے کہ تو اچھا اس کو سب آدمیوں کے سامنے حاضر کرو تا کہ وہ لوگ گواہ ہو جائیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ کیا ہمارے بتوں کے ساتھ تم نے یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم؟ انھوں نے فرمایا کہ نہیں! بلکہ ان کے اس بڑے نے کی، سوان سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔ اس پر وہ لوگ اپنے جی میں سوچے، پھر کہنے لگے کہ حقیقت میں تم ہی لوگ ناحق پر ہو۔ پھر اپنے سروں کا جھکا لیا۔ اے ابراہیم! تم کو معلوم ہی ہے کہ یہ بت بولتے نہیں۔ ابراہیم نے فرمایا کہ تو کیا خدا کو چھوڑ کر تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچا سکے اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکے؟ تف ہے تم پر اور ان پر جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو۔ کیا تم نہیں سمجھتے؟ وہ لوگ کہنے لگے کہ ان کو آگ میں جلا دو اور اپنے معبودوں کا بدلا لو اگر تم کو کچھ کرنا ہے۔ ہم نے حکم دیا کہ اے آگ! تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراہیم کے حق میں۔ اور ان لوگوں نے ان کے ساتھ برائی کرنا چاہا تھا سو ہم نے انہی لوگوں کو ناکام کر دیا۔ اور ہم نے ابراہیم کو اور لوط کو ایسے ملک کی طرف بھیج کر بچا لیا جس میں ہم نے دنیا جہان والوں کے واسطے برکت رکھی ہے اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب پوتا عطا کیا، اور ہم نے ان سب کو نیک کیا۔ اور ہم نے ان کو مقتدا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے اور ہم نے ان کے پاس نیک کاموں کے کرنے کا اور نماز کی پابندی کا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا، اور وہ ہماری عبادت کرتے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کا قصہ:

اور ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ) سے پہلے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی (شان کے مطابق اچھی سمجھ عطا فرمائی تھی اور ہم ان (کے علمی و عملی کمالوں) کو خوب جانتے تھے (یعنی وہ بڑے کامل تھے چاہے رشد یعنی اچھی سمجھ عطا فرمانے سے پہلے قوت اور استعداد کے اعتبار سے یا اچھی سمجھ عطا فرمانے کے بعد فعل کے اعتبار سے، ان کا وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے (انہیں بتوں کی پوجا میں مشغول دیکھ کر) فرمایا کہ کیا (واہیات) مورتیاں ہیں؟ جن (کی پوجا) پر تم جمے بیٹھے ہو (یعنی یہ ہرگز پوجا کے قابل نہیں۔ جواب میں) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے بڑوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا ہے (اور وہ لوگ عقل والے، سمجھ دار تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مورتیاں عبادت کے لائق ہیں) ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ بیشک تم اور تمہارے باپ دادا (ان کو عبادت کے لائق سمجھنے میں) کھلی غلطی میں (مبتلا) ہو (یعنی خود انہی کے پاس ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل اور سند نہیں ہے۔ وہ تو

اس لئے گمراہی میں ہیں اور تم ایسے لوگوں کی تقلید، پیروی کرتے ہو جن کا دلیل کے تحت کام کرنا ثابت نہیں، اس لئے تم گمراہی میں ہو، چونکہ ان لوگوں نے ایسی بات کبھی سنی نہیں تھی اس لئے وہ نہایت تعجب کے ساتھ) کہنے لگے کہ کیا تم ہمارے سامنے (اپنے نزدیک) سچی بات (سمجھ کر) پیش کر رہے ہو؟ یا (یوں ہی) دل لگی کر رہے ہو؟ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں (دل لگی نہیں بلکہ سچی بات ہے اور صرف میرے ہی نزدیک نہیں، بلکہ واقع میں بھی سچی بات یہی ہے کہ یہ عبادت کے لائق نہیں) بلکہ تمہارا (حقیقی) رب جو عبادت کے لائق ہے) وہ ہے جو تمام آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے جس نے (تربیت کے علاوہ) ان سب (آسمانوں اور زمین اور ان میں جو مخلوق ہیں جن میں یہ بت، مورتیاں بھی شامل ہیں، سب) کو پیدا (بھی) کیا اور میرے پاس اس کی دلیل بھی ہے (کہ تمہاری طرح اندھی تقلید نہیں کرتا) اور اللہ کی قسم! جب تم (ان کے پاس سے) چلے جاؤ گے میں تمہارے ان بتوں کی بری حالت بناؤں گا (تاکہ ان کا عاجز اور بے بس ہونا زیادہ کھل کر سامنے آجائے۔ ان لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ اکیلا ہمارے خلاف کیا کر سکتا ہے کوئی پرواہ نہیں کی ہوگی اور چلے گئے) تو (ان کے چلے جانے کے بعد) انھوں نے ان بتوں کو (توڑ پھوڑ کر) ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، سوائے ان کے ایک بڑے بت کے (جو بناوٹ میں ان لوگوں کی نظر و عقیدہ میں بڑا تھا کہ اس کو چھوڑ دیا جس سے ایک طرح مذاق اڑانا مقصود تھا کہ ایک کے ٹھیک ٹھاک رہنے اور دوسروں کے ٹوٹ پھوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے سے خیال ہوتا ہے کہ کہیں اسی نے تو سب کی خبر نہیں لی۔ اس طرح شروع میں تو یہ خیال و وہم پیدا کرنا مقصود ہے، پھر جب وہ لوگ توڑ پھوڑ کرنے والے کی تحقیق کریں گے اور اس بڑے بت پر دھیان بھی نہیں دیں گے تو ان کی طرف سے اس کے عاجز ہونے کا بھی اعتراف ہو جائے گا اور حجت زیادہ لازم ہو جائے گی، اس طرح آخر میں یہ الزام ہے اور مشترک مقصود بعض کا انکار سے اور ایک کا ان کے اقرار سے عاجز و بے بس ثابت کرنا ہے۔ غرض ایک کو اس مصلحت سے چھوڑ کر باقی سب کو توڑ دیا) کہ شاید وہ لوگ (دریافت کرنے کے طور پر) ابراہیم کی طرف رجوع کریں (اور پھر وہ جواب کے ذریعہ زیادہ واضح طور پر حق کو ثابت وظاہر کر سکیں۔ غرض جب وہ بت خانے میں آئے تو اپنے بتوں کی بری حالت بنی ہوئی دیکھی، آپس میں) کہنے لگے کہ ہمارے بتوں کے ساتھ (یہ بے ادبی کا کام) کس نے کیا ہے؟ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اس نے بڑا ہی غضب کیا (یہ بات ایسے لوگوں نے کہی جنھیں ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی خبر نہیں تھی ﴿تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ﴾ الخ یعنی ''میں ان کی بری حالت بناؤں گا'' یا تو اس وجہ سے کہ وہ اس وقت موجود نہ ہوں گے، کیونکہ اس مناظرہ یا گفتگو کے وقت ساری قوم کا جمع ہونا ضروری نہیں، اور یا موجود ہوں گے مگر سنا نہ ہو، اور بعض نے سن لیا ہو جیسا کہ الدر المنثور میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے) بعض نے کہا (جنھیں اس قول کا علم تھا) کہ ہم نے ایک نوجوان کو جسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔ ان بتوں کا (برائی کے ساتھ) ذکر کرتے سنا ہے (پھر) وہ (سب) لوگ (یا جنھوں نے پہلے معلوم کیا تھا) بولے کہ (جب یہ بات ہے) تو اچھا اس کو سب کے سامنے لے آؤ، تاکہ (شاید وہ اقرار کر لے اور) وہ لوگ (اس اقرار کے گواہ ہو جائیں

(پھر سزا ثبوت اور دلیل کے ساتھ دی جائے، جس پر کوئی ملامت نہ کرے۔ غرض ابراہیم علیہ السلام سب کے سامنے لائے گئے اور ان سے) ان لوگوں نے کہا کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) کیا ہمارے بتوں کے ساتھ یہ حرکت تم نے کی ہے؟ انھوں نے (جواب میں فرمایا کہ تم اس امکان پر کیوں نہیں سوچتے کہ یہ حرکت میں نے) نہیں (کی) بلکہ ان کے اس بڑے (گرو) نے کی ہے (اور جب اس بڑے میں یہ حرکت کرنے کا امکان ہوسکتا ہے تو ان چھوٹوں میں بولنے کا امکان بھی ہوگا) تو ان (ہی) سے پوچھ لو (نا) اگر یہ بولتے ہوں (اور اگر حرکت کرنے اور بولنے کا یہ امکان باطل ہے تو خود تمہارے نزدیک ان کا عاجز و بے بس ہونا ثابت ہوگیا، پھر انہیں معبود ماننے کی کیا وجہ ہے؟) اس پر وہ لوگ اپنے دل میں سوچنے لگے۔ پھر (آپس میں) کہنے لگے کہ حقیقت میں تم لوگ ہی ناحق پر ہو (اور ابراہیم حق پر ہے کہ جو ایسا مجبور ہو، وہ کیا معبود ہوگا؟ پھر (شرم کے مارے) اپنے سروں کو جھکا لیا (اور ابراہیم علیہ السلام سے انتہائی مغلوبیت کے لہجہ میں بولے کہ) اے ابراہیم! (علیہ السلام) تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ یہ بت (کچھ) بولتے نہیں (ہم ان سے کیا پوچھیں؟ اور اس سے بڑے کے حرکت کرنے کی نفی زیادہ واضح طور پر ہوگئی۔ اس وقت) ابراہیم (علیہ السلام) نے (خوب خبر لی اور فرمایا کہ (افسوس ہے تمہاری عقل پر، جب یہ ایسے ہیں) تو کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ (مقابلہ میں) کوئی نقصان پہنچا سکے (جو دیکھا جاسکے۔ اگرچہ سبب کے طور پر نقصان ہونا یقینی ہے کہ یہ کفر اور عذاب کا سبب ہے) افسوس ہے تم پر (کہ حق کے واضح ہوجانے کے باوجود باطل پر اصرار کرتے ہو) اور ان پر (بھی) جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے؟ اس پوری تقریر سے خاص طور سے اس سے کہ توڑنے پھوڑنے سے انکار نہیں فرمایا، باوجودیکہ انتقام کا امکان انکار کا تقاضا کرتا تھا۔ انہیں ثابت ہوگیا یہ کام انہی کا ہے اور ان کے بیان کا ان لوگوں سے کوئی جواب نہیں بنا تو اس قول کے مطابق:

چو حجت نماند جفا جوئے را ❁ پرخاش درہم کشد روئے را

(یعنی ظالم و جاہل سے جب کوئی جواب نہیں بنتا اور طاقت رکھتا ہو تو لڑنے پر آمادہ ہوجاتا ہے)

وہ لوگ (آپس میں) کہنے لگے کہ ان (ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلادو اور اپنے معبودوں کا (ان سے) بدلا لو، اگر تمہیں کچھ کرنا ہے (تو یہ کام کرو، ورنہ بالکل ہی بات ڈوب جائے گی اور ناک کٹ جائے گی۔ غرض سب نے متفق ہوکر اس کا سامان کیا اور انہیں بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا، اس وقت) ہم نے (آگ کو) حکم دیا کہ اے آگ! تو ابراہیم کے حق میں ٹھنڈی اور سلامتی ہوجا (یعنی نہ جلانے والی رہ کہ گرمی اور جلانے کا نقصان پہنچے اور نہ ہی بہت زیادہ ٹھنڈی ہوجا کہ ٹھنڈک اور سردی کا نقصان پہنچے، بلکہ درمیانی قسم کی ہوا کی طرح بن جا، چنانچہ ایسا ہی ہوگیا) اور ان لوگوں نے ان (ابراہیم) کے ساتھ برائی کرنی چاہی تھی (کہ ہلاک ہوجائیں گے) تو ہم نے انہی کو ناکام کردیا (کہ ان کا مقصود حاصل نہ ہوا، بلکہ اس کے برخلاف ابراہیم علیہ السلام کے حق ہونے کا زیادہ ثبوت ہوگیا) اور ہم نے ابراہیم کو اور (ان کے بھتیجے

جیسا کہ الدر المنثور میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے) لوط (علیہ السلام) کو (کہ انھوں نے قوم کے برخلاف ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کی تھی، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ﴾ اور اس وجہ سے لوگ ان کے مخالف اور دشمن ہوگئے تھے) اسے ملک (یعنی شام) کی طرف بھیج کر (کافروں کے شر اور ظلم و تکلیف سے) بچالیا۔ جس میں ہم نے دنیا جہان والوں کے لئے (خیرو) برکتیں رکھی ہیں (دنیاوی بھی کہ پھل و میوے اور اناج کثرت سے پیدا ہوتے ہیں، اور دوسرے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں اور دینی بھی کہ وہاں کثرت سے انبیاء علیہم السلام ہوئے جن کی شریعتوں کی برکت دنیا میں دور دور تک پھیلی۔ یعنی انھوں نے اللہ کے حکم سے ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی) اور (ہجرت کے بعد) ہم نے انہیں اسحاق (بیٹا) اور اس پر مزید یعقوب پوتا عطا کیا۔ اور ہم نے ان سب (باپ، بیٹے، پوتے) کو (اعلیٰ درجہ کا) نیک بنایا (اعلیٰ درجہ کی نیکی کا مصداق عصمت ہے جو انسان میں نبوت کے خواص میں سے ہے، لہٰذا مراد یہ کہ ان سب کو نبی بنایا) اور ہم نے ان (سب) کو مقتدا و امام بنایا (جو کہ نبوت کے لئے لازم امور میں سے ہے) کہ ہمارے حکم سے (مخلوق کو) ہدایت کیا کرتے تھے (کہ نبوت کے منصبوں میں ہے) اور ہم نے ان کے پاس نیک کام کرنے کا اور (خاص طور سے) نماز کی پابندی اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا (یعنی یہ حکم بھیجا کہ ان کاموں کو کیا کرو) اور وہ (حضرات) ہماری (خوب) عبادت کیا کرتے تھے (یعنی انہیں جو حکم ہوا تھا، اس کو اچھی طرح بجالاتے تھے، لہٰذا صالح و نیک لوگوں میں نبوت کے کمال کی طرف اور ﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ ﴾ میں علم کے کمال کی طرف اور ﴿ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴾ میں عمل کے کمال کی طرف اور ﴿ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ ﴾ میں دوسروں کو کامل بنانے کی طرف کافی اشارہ ہے)

فائدہ: آیت ﴿ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ ﴾ کی جو وضاحت کی گئی ہے، اس سے ان لوگوں کا استدلال باطل ہوگیا، جو ایسی باتوں سے شرعی تقلید کی نفی کیا کرتے ہیں اور ﴿ اَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾ میں اندھی تقلید سے وہی تقلید مراد ہے جس کی نفی اوپر والی آیت میں ہوئی ہے۔ اور ﴿ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ ﴾ کی جو وضاحت کی گئی ہے اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ یہ خالص سچائی ہے، مگر چونکہ اس مضمون کے فرض کے طور پر ہونے کی وجہ سے محض قیاسی قرینہ دلالت کرتا ہے کوئی قوی قرینہ دلالت نہیں کرتا جیسا کہ ﴿ هٰذَا رَبِّيْ ﴾ میں بھی ایسا ہی ہے، اس لئے حدیث میں صورت کے اعتبار سے مجاز کے طور پر جھوٹ کا اطلاق آیا ہے۔

اور اس ابراہیمی آگ میں چند احتمال ہیں: ایک یہ کہ اس میں حرارت اور جلانے کی قوت نہ رہی ہو اور روشنی رہی ہو۔ دوسرے یہ کہ ہیئت آگ ہی کی رہی ہو، مگر اس کی حقیقت بدل گئی ہو جیسے ہوا بن گئی ہو۔ تیسرے یہ کہ آگ ہی رہی ہو، مگر ایذا و تکلیف پہنچانے والی نہ رہی ہو۔ اور لفظ ﴿ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴾ کی قید سے ظاہر تیسرا احتمال ہے اگر چہ عادت کے خلاف یعنی معجزہ ہر حالت میں ہے۔

اور بتوں کو توڑنے کے اس قصہ سے کوئی شخص اس فقہی مسئلہ پر شبہ نہ کرے کہ ذمی کے بت کا ضمان، ہرجانہ توڑنے

والے پر لازم آتا ہے، کیونکہ وہ مسئلہ ذمی کے لئے ہے۔ اور یہ لوگ ذمی نہیں تھے۔

اور ﴿ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴾ میں بعض نے لوط علیہ السلام کو بھی شامل کیا ہے۔ تو یہاں ان کا ذکر، تابع کے طور پر تھا جبکہ آگے مستقل طور پر ہے، اس لئے تکرار لازم نہیں ہوگی۔ اور ابراہیم علیہ السلام کا سلامت رہنا اگر خود آگ کے باقی رہنے کے باوجود ہے تب تو عظیم معجزہ ہونا ظاہر ہے اور آگ کو بجھانے کی حالت میں اول تو ایسی زبردست آگ کا اچانک بجھ جانا ایک عظیم معجزہ ہے، دوسرے بجھنے کے بعد بھی یعنی شدید حرارت کا بہت عرصہ تک باقی رہنا ضروری طبعی ہے۔ ایسی حالت میں سلامت رہنا یہ بھی معجزہ ہے۔

﴿ وَ لُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۙ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۟ ﴾ ع۵

ترجمہ: اور لوط کو ہم نے حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم نے ان کو اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے گندے کام کیا کرتے تھے۔ بلاشبہ وہ لوگ بڑے بدذات بدکار تھے۔ اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ بلاشبہ وہ بڑے نیکوں میں سے تھے۔

لوط علیہ السلام کا قصہ:

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو حکمت اور علم (جو انبیاء کی شان کے مطابق ہوتا ہے) عطا فرمایا اور انہیں ہم نے اس بستی سے نجات دی، جس کے رہنے والے لوگ گندے گندے کام کیا کرتے تھے (جن میں سب سے بدتر لواطت تھی، وہ لوگ اور بھی کئی برے کاموں کے عادی تھے۔ جیسے ڈھیلے پھینکنا، کبوتر بازی، گانا بجانا، شراب خوری، ڈاڑھی کٹانا، مونچھیں بڑھانا، سیٹی بجانا، ریشمی لباس پہننا۔ اسے اسحاق بن بشر اور الخطیب اور ابن عساکر نے حسن سے مرفوعاً روایت کیا ہے جیسا کہ روح میں ہے) بلاشبہ وہ لوگ بڑے بدذات، بدکار تھے، اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں (یعنی جن بندوں پر رحمت ہوتی ہے، ان میں) داخل کیا (کیونکہ) بلاشبہ وہ بڑے (اعلیٰ درجہ کے) نیک لوگوں میں سے تھے (اعلیٰ درجہ کے نیک لوگوں سے معصوم مراد ہیں جو نبوت کے لئے لازم ہے)

فائدہ: اس کے باوجود کہ ان کے کئی قریے تھے، لیکن ان میں اصل ایک تھا اور باقی اس کے تابع تھے، اسی لئے اسی کے ذکر پر اکتفا فرمایا، جس سے تابع کے طور پر سب کا حال معلوم ہو گیا اور بعض نے خبائث کی تفسیر لواطت سے کی ہے اور جمع لانا اس لئے ہوگا کہ کئی فاعلوں کے کئی افعال ہوں گے اور ﴿ نَجَّيْنٰهُ ﴾ میں قوم کو عذاب دیئے جانے کی طرف اشارہ ہے۔ اور ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا ﴾ الخ معنی کے اعتبار سے اس کی علت ہو جائے گی اور ممکن ہے کہ ﴿ تَعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ﴾ کی علت ہو کہ چونکہ ان میں بدذاتی اور فسق یعنی نافرمانی حکم کی خلاف ورزی کی جڑیں گہری تھیں، اس لئے خبیث حرکتیں

کرنے والی قوم تھی۔

﴿ وَ نُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَ نَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور نوح کا تذکرہ کیجئے جبکہ اس سے پہلے انھوں نے دعا کی سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اور ان کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی اور ہم نے ایسے لوگوں سے ان کا بدلہ لیا جنھوں نے ہمارے حکموں کو جھوٹا بتایا۔ بلاشبہ وہ لوگ بہت برے تھے، اس لئے ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

نوح علیہ السلام کا قصہ:

اور نوح (علیہ السلام) کا ذکر کیجئے جب اس (ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ) سے (بھی) پہلے انھوں نے (اللہ تعالیٰ سے) دعا کی (کہ ان کافروں سے میرا بدلا لیجئے) تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اور ان کی پیروی کرنے والوں کو بڑے بھاری غم سے (جو کافروں کے جھٹلانے اور اذیت دینے کی وجہ سے انہیں ہوتا تھا) نجات دی اور (نجات اس طرح دی کہ) ہم نے ایسے لوگوں سے ان کا بدلا لیا، جنھوں نے ہمارے حکموں کو (جو کہ نوح علیہ السلام لائے تھے) جھوٹا بتایا تھا۔ بلاشبہ وہ لوگ بہت برے تھے اس لئے ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

﴿ وَ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؗ وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَ الطَّيْرَ ؕ وَ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝ وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝ وَ مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَ يَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور داؤد اور سلیمان کا تذکرہ کیجئے جبکہ دونوں کسی کھیت کے بارہ میں فیصلہ کرنے لگے جبکہ اس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت جا پڑیں اور ہم اس فیصلہ کو جو لوگوں کے متعلق ہوا تھا، دیکھ رہے تھے۔ سو ہم نے اس فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو دیدی۔ اور ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا فرمایا تھا۔ اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو کہ وہ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی اور کرنے والے ہم تھے۔ اور ہم نے ان کو زرہ کی صنعت تم لوگوں کے واسطے سکھلائی تا کہ وہ تم کو ایک دوسرے کی زد سے بچائے سو تم شکر کرو گے بھی؟ اور ہم نے سلیمان کا زور کی ہوا کو تابع بنا دیا تھا کہ وہ ان کے حکم سے

اس سرزمین کی طرف کو چلتی جس میں ہم نے برکت کر رکھی ہے۔ اور ہم ہر چیز کو جانتے ہیں۔ اور بعضے بعضے شیطان ایسے تھے کہ سلیمان کے لئے غوطے لگاتے تھے اور وہ اور اور کام بھی اس کے علاوہ کیا کرتے تھے اور ان کے سنبھالنے والے ہم تھے۔

داؤد و سلیمان علیہما السلام کا قصہ:

اور داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کا ذکر کیجئے جب دونوں (حضرات) کسی کھیت کے بارے میں (جس میں غلہ یا انگور کے درخت تھے جیسا کہ الدرالمنثور میں ہے) فیصلہ کرنے لگے، جب کہ اس (کھیت) میں رات کے وقت کچھ لوگوں کی بکریاں پھیل گئیں (اور اس کو چر گئیں) اور ہم ان کے فیصلے کو جو (مقدمہ والے) لوگوں سے متعلق ہوا تھا دیکھ رہے تھے تو ہم نے اس فیصلہ (کی آسان صورت) کی سمجھ سلیمان کو دیدی اور (یوں) ہم نے دونوں (ہی) کو حکمت اور علم عطا فرمایا تھا (یعنی داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی شریعت کے خلاف نہ تھا۔ مقدمہ کی صورت یہ تھی کہ جس قدر کھیت کا نقصان ہوا تھا، اس کی لاگت بکریوں کی قیمت کے برابر تھی۔ داؤد علیہ السلام نے ہرجانہ میں کھیت والے کو وہ بکریاں دلادیں اور اصل شرعی قانون کا یہی تقاضا تھا جس میں مدعی یا مدعا علیہ کی رضا کی شرط نہیں، مگر چونکہ اس میں بکری والوں کا بالکل ہی نقصان ہوتا تھا اس لئے سلیمان علیہ السلام نے مصالحت کے طور پر جو کہ دونوں فریقوں کی رضامندی پر موقوف تھی، یہ صورت تجویز فرمائی جس میں دونوں کی سہولت اور رعایت تھی کہ کچھ مدت کے لئے بکریاں تو کھیت والے کو دیدی جائیں کہ وہ ان کے دودھ وغیرہ سے فائدہ اٹھائے اور اپنا گذارہ کرے اور بکری والوں کو وہ کھیت سپرد کر دیا جائے کہ سینچائی وغیرہ سے اس کی خدمت کریں اور جب کھیت اپنی پہلی حالت پر آجائے تو کھیت اور بکریاں اپنے اپنے مالکوں کو دیدی جائیں، جیسا کہ مرہ، ابن مسعودؓ، مسروق، ابن عباسؓ، مجاہد، قتادہ اور زہری سے درمنثور میں ہے۔ چنانچہ اس سے معلوم ہو گیا کہ دونوں فیصلوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں کہ ایک کے صحیح ہونے سے دوسرے کا غلط ہونا لازم آئے۔ اس لئے ﴿كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ بڑھا دیا گیا) اور (یہاں تک تو عام کرامت کا ذکر تھا جو دونوں حضرات میں مشترک تھی۔ آگے دونوں حضرات کی خاص خاص کرامتوں کا بیان ہے) ہم نے داؤد (علیہ السلام) کے ساتھ پہاڑوں کو تابع کر دیا تھا (کہ ان کی تسبیح کے ساتھ) وہ (بھی) تسبیح کیا کرتے تھے اور (اس طرح) پرندوں کو بھی (جیسا کہ سورۂ سبا میں ہے ﴿يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ﴾) اور (کوئی اس بات پر تعجب نہ کرے، کیونکہ ان کاموں کے) کرنے والے ہم تھے (اور ہماری قدرت کا عظیم ہونا ظاہر ہے، پھر عادت کے خلاف ان معجزوں میں تعجب ہی کیا ہے) اور ہم نے انہیں تم لوگوں کے (نفع کے) واسطے زرہ بنانا سکھایا (یعنی تا کہ وہ (زرہ) تمہیں (لڑائی میں) ایک دوسرے کی مار سے بچائے (اور اس نفع کا عظیم تقاضا یہ ہے کہ تم شکر کرو) تم (اس نعمت کا) شکر کرو گے (یا نہیں؟) اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کے لئے تیز ہوا کو تابع بنا دیا تھا کہ وہ ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی ہے (اس سے ملک شام مراد ہے۔ جیسا کہ السدی سے

الدر میں ہے، جو ان کے رہنے کا مقام تھا جیسا کہ روایت کیا گیا ہے۔ اور اس پر ان کی بنائی ہوئی بیت المقدس کی عمارت دلالت کرتی ہے یعنی جب ملک شام سے کہیں چلے جاتے اور پھر آتے تو یہ آنا اور اس طرح جانا بھی ہوا کے ذریعہ سے ہوتا تھا جیسا کہ درمنثور میں حاکم کے حوالہ سے ابن عباسؓ کی روایت ہے اور جسے حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کی کیفیت یہ بتائی گئی ہے کہ سلیمان علیہ السلام اپنے ملک کے سرداروں سمیت کرسیوں پر بیٹھ جاتے اور ہوا کو حکم دیتے تو وہ سب کو اٹھا کر تھوڑی دیر میں ایک ایک مہینہ کا سفر طے کر دیتی) اور ہم ہر چیز کو جانتے ہیں (لہٰذا ہمارے علم میں سلیمان کو یہ چیزیں دینے میں حکمت تھی، اس لئے عطا فرمائی) اور بعض شیطان (یعنی جن) ایسے تھے کہ سلیمان (علیہ السلام) کے لئے (دریاؤں میں) غوطے لگاتے تھے (تاکہ موتی نکال کر ان کے پاس لائیں اور وہ اس کے علاوہ (سلیمان علیہ السلام کے لئے) اور کام بھی کیا کرتے تھے اور (اگرچہ وہ جن بڑے سرکش اور شریر تھے، مگر) انہیں سنبھالنے والے ہم تھے (اس لئے وہ چوں بھی نہیں کر سکتے تھے)

فائدہ: جس طرح اس قصہ میں بکریوں کا مسئلہ آیا ہے، اگر اب پیش آئے تو شریعت کے ائمہ کے درمیان اس سلسلہ میں حکم میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر بکریوں کے ساتھ کوئی چرانے والا نہ ہو تو اس صورت میں کوئی ضمان لازم نہیں جیسا کہ شیخین نے روایت کیا ہے: ان العجماء جرحها جبار: اور سنن میں جو روایت ہے: قضی رسول الله علیه وسلم علی أهل الأموال بحفظها بالنهار وعلی أهل المواشی بحفظها باللیل: تو صاحب روح نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اضطراب ہے اور اس کے راویوں میں کلام ہے۔ اس لئے یہ حدیث صحیحین کی روایت کے مقابلہ میں نہیں رکھی جا سکتی، نیز حدیث میں ضمان سے تعرض بھی نہیں، ممکن ہے کہ حدیث میں مذکور یہ وجوب دیانت کے طور پر ہو، جس کو چھوڑ دینے سے مویشیوں والوں کو گناہ ہو اور گناہ کے لئے ضمان لازم نہیں، اور اگر کوئی چرانے والا و نگراں ساتھ میں موجود ہو تو ضمان لازم آئے گا، اور چونکہ حرث یعنی کھیتی قیمت والی ہے اس لئے ضائع ہونے والی قیمت لازم آئے گی۔ البتہ اگر آپسی رضامندی سے قیمت کے بدلہ میں کوئی قیمت والی چیز لے لی جائے تو جائز ہے۔

اور اگر زرہ سب سے پہلے داؤد علیہ السلام کے ہاتھ سے ایجاد ہوئی ہے جیسا کہ جلالین میں ہے اور اس سے پہلے تختیاں سی تھیں جیسا کہ درمنثور میں سورۂ سبا کی تفسیر میں قتادہ سے روایت ہے، تب تو "لکم" کے معنی ظاہر ہیں کہ تم لوگ اس ایجاد سے فائدہ اٹھا رہے ہو، اور اگر ثابت ہو جائے کہ پہلے بھی زرہ بنتی تھی تو اپنی بناوٹ اور مقصود پورا کرنے کی خوبی میں داؤد علیہ السلام کی زرہ بڑھی ہوئی کہی جائے گی۔ اس اعتبار سے اسے نفع پہنچانے میں زیادہ دخل ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿اَنِ اعۡمَلۡ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرۡ فِی السَّرۡدِ﴾ تو اگر جوڑنے کا اندازہ پہلے سے جاری ہوتا تو ظاہر میں اس ارشاد کی ضرورت نہ ہوتی۔ واللہ اعلم

اور بعض نے جو ہوا کو تابع کرنے کی خواہ مخواہ تاویل کی ہے کہ اس سے سمندر میں جہاز چلانا مراد ہے تو ﴿فَسَخَّرۡنَا

لَهٗ ﴾ اور ﴿ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ ﴾ سورۂ صٓ میں واقع قرآنی الفاظ اور حاکم کی صحیح قرار دی ہوئی روایت جو ترجمہ کے ضمن میں بیان ہوئی ہے یہ ان فاسد تاویلوں کو دور کرتی ہیں، اور اس آیت میں ریح کو عاصف اور سورۂ صٓ میں ﴿ رُخَآءً ﴾ فرمایا تو یا تو سلیمان علیہ السلام کے ارادہ پر وہ عاصف اور رخا ہوتی تھی یا بدن میں تاثیر اور سوار کو حرکت نہ ہونے کے اعتبار سے رخا کی صفت رکھتی تھی اور اپنی رفتار کی تیزی اور سفر کی دوری طے کرنے کے اعتبار سے عاصف کا حکم رکھتی تھی۔

اور لفظ شیاطین سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جن کافر تھے کیونکہ اکثر یہ لفظ کافر جنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اور ﴿ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ﴾ سے مراد وہ ہیں جن کے بارے میں سورۂ سبا میں ہے ﴿ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ﴾

اور داؤد علیہ السلام کے قصہ میں تسخیر سے مراد صرف تسبیح میں تابع ہونا ہے نہ یہ کہ ان کے فرمانے سے تسبیح کرتے تھے، اگرچہ یہ بھی ممکن ہے مگر اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

﴿ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝

ترجمہ: اور ایوب کا تذکرہ کیجئے جبکہ انھوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔ سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو جو تکلیف تھی اس کو دور کر دیا اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا فرمایا اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت خاصہ کے سبب اور عبادت کرنے والوں کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے۔

ایوب علیہ السلام کا قصہ:

اور ایوب (علیہ السلام) کا ذکر کیجئے جب انھوں نے (شدید بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے) اپنے رب کو پکارا کہ مجھے یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں (لہٰذا اپنی مہربانی سے میری تکلیف دور کر دیجئے) تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں جو تکلیف تھی اسے دور کر دیا اور (بغیر خواہش کے) ہم نے انہیں ان کا کنبہ (یعنی اولاد جو ان سے غائب ہو گئے تھے (یہ حضرت حسن نے فرمایا جیسا کہ درمنثور میں ہے یا مر گئے تھے جیسا کہ دوسروں نے فرمایا) عطا فرمایا (اس طرح کہ وہ ان کے پاس آگئے یا اس معنی میں ہے کہ اتنے ہی اور پیدا ہو گئے، یہ عکرمہ نے فرمایا جیسا کہ فتح المنان میں ہے) اور ان کے ساتھ (گنتی میں) ان کے برابر اور بھی (دیئے، چاہے انہی کی صلب سے یا ان کی اولاد کی صلب سے جیسا کہ کتاب ایوب کے حوالہ سے الفتح میں ہے) اپنی خاص رحمت کے سبب سے اور عبادت کرنے والوں کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے (یعنی عبادت کرنے والے یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو کیسی جزا دیتے ہیں)

فائدہ: ایوب علیہ السلام کی بیماری کے سلسلہ میں کئی قول ہیں۔ بہر حال کوئی سخت بیماری تھی اور اولاد کے سامنے نہ رہنے کا الگ صدمہ تھا، ان سب پر ایوب علیہ السلام نے صبر کیا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿إِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا﴾ اور یہ دعا چاہے بیماری کے شروع ہی میں ہوئی ہو۔ اور قبولیت خواہ جلدی ہوئی ہو یا کسی مصلحت سے دیر سے ہوئی ہو اور چاہے چند دن کے بعد ہوئی ہو، جیسا کہ ابن عباسؓ کا قول ہے: انساہ اللہ الدعاء (الی قولہ) لما انتھی لأجل اذن لہ فی الدعاء ویسرہ لہ إلخ: جیسا کہ الدرالمنثور میں ابن جریر کی روایت ہے۔ دعا کسی بھی حال میں صبر کے خلاف نہیں، اور رحمت اور ذکری دونوں سبب ہیں، مگر پہلی پہلے والی مؤثر علت اور دوسری بعد والی انجام کی علت۔ اور صبر کرنے والوں کی جزا عام ہے چاہے دنیا میں بھی ہو یا صرف آخرت میں۔ اور ﴿مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ﴾ اگر ان کے صلب سے ہوں تب تو ﴿أَهْلَهٗ﴾ سے مراد پہلے والے اہل ہیں چاہے وہ مر گئے ہوں، مگر دوسرے جو عطا ہوئے تو ان کے ان جیسے ہی ہونے کی وجہ سے حکم میں بالکل پہلے والے ہی قرار دے دیا، اور اگر ﴿مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ﴾ سے مراد اولاد کی اولاد ہو تو ﴿أَهْلَهٗ﴾ سے مراد بعد والے ہو جائیں گے اور توجیہ میں کسی تکلف کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور یہاں اولاد کے لئے لفظ اہل استعمال کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو کہیں ازواج یعنی بیویوں کے لئے استعمال نہ کیا جائے، خوب سمجھ لو۔ اور دعا میں تکلیف دور کرنے کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ مرض کی تکلیف موجود ہوتی ہے اور اولاد کی موت یا گم ہونے پر جو غم ہوتا ہے وہ بعض اوقات غائب ہو جاتا ہے۔

﴿وَإِسْمٰعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِينَ ۝ وَأَدْخَلْنٰهُمْ فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِينَ ۝﴾

ترجمہ: اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کا تذکرہ کیجئے سب ثابت قدم رہنے والے لوگوں سے تھے۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ بیشک یہ کمال صلاحیت والے لوگوں میں تھے۔

اسماعیل وادریس اور ذوالکفل علیہم السلام کے قصے:

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کا ذکر کیجئے (یہ) سب (اللہ کے شرعی اور تکوینی احکام پر) ثابت قدم رہنے والے لوگوں میں سے تھے اور ہم نے ان (سب) کو اپنی (خاص) رحمت میں داخل کر لیا تھا۔ بیشک یہ (سب) کمال صلاحیت والوں میں تھے۔

فائدہ: حضرت ذوالکفل کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ نبی تھے یا ایک نیک شخص تھے، پھر شروع ہی سے صالح تھے یا توبہ کے بعد صالح ہوئے تھے، جیسا کہ ترمذی کی روایت میں مرفوعاً وارد ہے: لا یتورع من ذھب (الی قولہ) قال واللہ لا أحصی اللہ بعدھا أبداً: قرآن کے سلسلہ سے ان کے نبی ہونے کا گمان ہوتا ہے اور اگر اس قول پر اور اسی طرح

دوسرے قول پر کئی ذوالکفل مان لئے جائیں گے کہ وہ توبہ کرنے والے دوسرے شخص ہوں گے دوسرے اور تیسرے قول کے تحت صابرین اور صالحین میں تشکیک کے قائل ہوں گے اولین اول درجہ کے ہوں گے اور یہ بعد کے درجہ کے۔

﴿ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۗ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

ترجمہ: اور مچھلی والے کا تذکرہ کیجئے جب وہ خفا ہو کر چل دیئے اور انھوں نے یہ سمجھا کہ ہم ان پر کوئی دار وگیر نہ کریں گے پس انھوں نے اندھیروں میں پکارا کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ پاک ہیں، میں بیشک قصوروار ہوں۔ سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دی۔ اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

یونس علیہ السلام کا قصہ:

اور مچھلی والے (پیغمبر یعنی یونس علیہ السلام کے قصے) کا ذکر کیجئے جب وہ اپنی قوم سے (جب وہ ایمان نہ لائے) خفا ہو کر چل دیئے (اور ان کی قوم پر سے عذاب ٹلنے کے بعد بھی خود واپس نہ آئے اور اس سفر کے لئے ہمارے حکم کا انتظار نہیں کیا) اور انھوں نے (اپنے اجتہاد سے) یہ سمجھا کہ ہم (ان کے چلے جانے پر) ان پر کوئی پکڑ نہ کریں گے (یعنی چونکہ انہوں نے اس چلے جانے کو اجتہاد کے طور پر جائز سمجھا اس لئے نص اور وحی کا انتظار نہیں کیا، لیکن چونکہ وحی کی امید تک انبیا کے لئے وحی کا انتظار مناسب ہے اور اس مناسب امر کو چھوڑ دینے پر انہیں یہ آزمائش پیش آئی کہ انہیں راستہ میں کوئی دریا ملا اور وہاں کشتی میں سوار ہوئے، کشتی چلتے چلتے رک گئی۔ یونس علیہ السلام سمجھ گئے کہ میرا یہ بغیر اجازت چلا جانا ناپسند ہوا۔ اس کی وجہ سے یہ کشتی رکی، کشتی والوں سے فرمایا کہ مجھے دریا میں ڈال دو، وہ راضی نہ ہوئے۔ غرض قرعہ پر اتفاق ہوا تب بھی انہی کا نام نکلا، آخر انہیں دریا میں ڈال دیا اور اللہ کے حکم سے انہیں ایک مچھلی نگل گئی۔ اسے ابن ابی حاتم نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے جیسا کہ الدر المنثور میں ہے) چنانچہ انھوں نے اندھیروں میں پکارا (ایک اندھیرا مچھلی کے پیٹ کا، دوسرا دریا کی گہرائی کا، پھر بہت سے اندھیروں سے گھرے ہوئے یہ دونوں اندھیرے یا تیسرا اندھیرا رات کا جیسا کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا جیسا کہ الدر المنثور میں ہے۔ غرض ان اندھیروں میں دعا کی) کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے (یہ توحید ہے) آپ (تمام عیبوں اور خامیوں سے) پاک ہیں (یہ تنزیہہ یعنی پاکی بیان کرنا ہے) میں بیشک قصوروار ہوں (یہ استغفار ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ میرا قصور معاف کر کے اس شدت سے نجات دیجئے) تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں اس گھٹن سے نجات دی (جس کا قصہ سورۃ الصافات میں ہے: ﴿ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ ﴾ الخ) اور (جس طرح دعا کرنے

سے یونس علیہ السلام کو نجات دی) ہم اسی طرح (دوسرے) ایمان والوں کو (بھی تکلیف و پریشانی اور غم سے) نجات دیا کرتے ہیں (جب زیادہ دیر غم میں رکھنا مصلحت نہ ہو)

فائدہ: حضرت یونس علیہ السلام سے اس واقعہ میں کسی امر کی غلطی نہیں ہوئی صرف اجتہاد میں غلطی ہوئی جو امت کے لئے معاف ہے، مگر انبیاء کی تربیت اور تہذیب زیادہ مقصود ہوتی ہے، اس لئے یہ آزمائش ہوئی، یونس علیہ السلام کا کچھ قصہ سورۂ یونس میں گذر چکا ہے اور کچھ تفسیر الصافات میں آئے گی اور استغفار سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ثنا یعنی توحید اور تنزیہ کو لانے میں استغفار کے ادب کی تعلیم ہے۔

﴿ وَزَكَرِيَّآ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور زکریا کا تذکرہ کیجئے جبکہ انھوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب! مجھ کو لاوارث مت رکھیو اور سب وارث سے بہتر آپ ہی ہیں۔ سو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ہم نے ان کو یحییٰ عطا فرمایا اور ان کی خاطر سے ان کی بی بی کو اولاد کے قابل کر دیا یہ سب نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور امید وبیم کے ساتھ ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔ اور ہمارے سامنے دب کر رہتے تھے۔

زکریا علیہ السلام کا قصہ:

اور زکریا (علیہ السلام کے قصہ) کا ذکر کیجئے جب انھوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب! مجھے اکیلا مت چھوڑیئے (یعنی مجھے فرزند دیجئے کہ میرا وارث ہو، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿ فَهَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِىْ ﴾ الخ) اور (یوں تو) بہترین وارث آپ ہی ہیں (اس لئے وہ وارث حقیقی نہ ہوگا بلکہ ایک وقت وہ بھی فنا ہو جائے گا لیکن اس ظاہری وارث سے بعض دینی منافع حاصل ہوں گے، اس لئے اس کو مانگتا ہوں ورنہ کبھی نہ کبھی اس کے اور اس کے نائبوں کے فنا ہو جانے سے ان منافع کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا، اور حقیقی اور ہمیشہ کا باقی رہنا سب کے بعد آپ ہی کے لئے رہے گا) تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ہم نے انہیں یحییٰ (فرزند) عطا فرمائے اور ان کی خاطر ان کی بیوی کو اولاد کے قابل کر دیا (جو کہ بانجھ تھیں، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا ﴾) یہ سب (جن کا اس سورت میں ذکر ہوا) نیک کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے تھے، اور امید اور ناامیدی اور خوف کے ساتھ ہماری عبادت کیا کرتے تھے اور ہمارے سامنے دب کر رہتے تھے (جس سے ان حضرات کے عبد ہونے کا کمال اور ہمارے معبود ہونے کا کمال ثابت ہوتا

ہے۔ لہٰذا رسالت اور توحید دونوں مسئلوں کو قوت حاصل ہوتی ہے، جو کہ سورت کے مقاصد میں سے سب سے زیادہ عظیم مقصد ہے۔

﴿ وَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اس بی بی کا تذکرہ کیجئے جنھوں نے اپنی ناموس کو بچایا پھر ہم نے ان میں اپنی روح پھونک دی اور ہم نے ان کو اور ان کے فرزند کو دنیا جہان والوں کے لئے نشانی بنادی۔

حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام کا قصہ:

اور ان بی بی (مریم کے قصہ) کا تذکرہ کیجئے جنھوں نے اپنی عصمت کی (مردوں سے) حفاظت کی (جائز و ناجائز دونوں طریقوں سے یعنی نکاح سے بھی اور بغیر نکاح کے بھی) پھر ان میں ہم نے (جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے) اپنی روح پھونک دی (جس کی وجہ سے انہیں بغیر شوہر کے حمل رہ گیا) اور ہم نے انہیں اور ان کے فرزند (عیسیٰ علیہ السلام) کو جو روح اللہ ہیں، علاوہ صفات مذکورہ ﴿ یُسٰرِعُوْنَ ﴾ الخ کی ایک صفت زائد کے ساتھ موصوف کیا کہ انہیں) دنیا (جہان) والوں کے لئے (اپنی قدرت کاملہ کی) نشانی بنادیا (کہ انہیں دیکھ کر اور سن کر سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں)

﴿ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝ وَ تَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ ۝ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْیِهٖ ۚ وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۝ وَ حَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۝ حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ۝ وَ اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ۝ اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَ كُلٌّ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ هُمْ فِیْهَا لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤی ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَیْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ ۝ وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: یہ ہے تمہارا طریقہ کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو تم سب میری عبادت کیا کرو۔ اور ان

لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف پیدا کرلیا، سب ہمارے پاس آنے والے ہیں۔ سو جو شخص نیک کام کرتا ہوگا اور وہ ایمان والا بھی ہوگا سو اس کی محنت اکارت جانے والی نہیں، اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں۔ اور ہم جن بستیوں کو فنا کر چکے ہیں ان کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ پھر لوٹ کر آویں۔ یہاں تک کہ جب یاجوج وماجوج کھول دیئے جاویں گے اور وہ ہر بلندی سے نکلتے ہوں گے۔ اور سچا وعدہ نزدیک آپہنچا ہوگا تو بس پھر ایک دم سے یہ قصہ ہوگا کہ منکروں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جاویں گی، کہ ہائے کم بختی ہماری! ہم اس سے غفلت میں تھے، بلکہ ہم ہی قصوروار تھے۔ بلاشبہ تم اور جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوج رہے ہو سب جہنم میں جھونکے جاؤ گے تم سب اس میں داخل ہوگے۔ اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو اس میں کیوں جاتے؟ اور سب اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔ ان کا اس میں شور ہوگا اور وہاں کوئی بات سنیں گے بھی نہیں جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ لوگ اس سے دور رکھے جاویں گے۔ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے، اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان کو بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی۔ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے، یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمونوں کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے۔ اور ہم نے جس طرح اول بار پیدا کرنے کے وقت ابتداء کی تھی اسی طرح اس کو دوبارہ پیدا کردیں گے۔ یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے، ہم ضرور کریں گے۔ اور ہم کتابوں میں لوح محفوظ کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے۔

ربط: یہاں تک حضرات انبیاء علیہم السلام کے قصوں کا بیان ہوا، چونکہ یہ سب حضرات توحید کے ماننے والے اور توحید کی طرف دعوت دینے والے تھے جس کی بعض قصوں میں تو تفصیل کے ساتھ تصریح ہے، جیسے ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں مشرکوں سے مناظرہ وگفتگو اور یونس علیہ السلام کے قصہ میں ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ﴾ کا ذکر ہے، اور ختم پر ﴿يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا﴾ الخ میں مختصر انداز میں مشترک ہونے کے ساتھ اس طرف اشارہ ہے اور سب حضرات کا اس میں متفق ہونا مشہور ومعروف بھی ہے، اس لئے اب مذکورہ قصوں کے نتیجہ کے طور پر توحید کا ثبوت اور توحید میں اختلاف یعنی شرک کی مذمت اور ان مضامین کی تاکید کے لئے آخرت کی تفصیل ارشاد فرماتے ہیں۔ جہاں اہل حق کو جزا اور اہل باطل کو سزا ہوگی۔

توحید اور معاد کا ذکر تاکید کے لئے:

اے لوگو! (اوپر انبیاء علیہم السلام کا جو توحید کا طریقہ معلوم ہوا) یہ تمہارا طریقہ ہے (یعنی جس پر تمہارا رہنا واجب ہے) کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے (یعنی جس میں کسی نبی اور کسی شریعت کو اختلاف نہیں ہوا) اور (اس طریقہ کا حاصل یہ ہے کہ) میں تمہارا (حقیقی) رب ہوں تو تم سب میری عبادت کیا کرو اور (لوگوں کو چاہئے تھا کہ اس مذکورہ امر کے ثابت ہو جانے

کے بعد سب اسی ایک طریقہ پر رہتے، مگر ایسا نہ کیا بلکہ) ان لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف پیدا کر لیا (مگر اس کی سزا دیکھیں گے، کیونکہ) سب ہمارے پاس آنے والے ہیں (اور آنے کے بعد ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلا ملے گا) تو جو شخص نیک کام کرتا ہوگا اور وہ ایمان والا بھی ہوگا (جو کہ توحید پر موقوف ہے) تو اس (شخص) کی محنت بے کار جانے والی نہیں اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں (چنانچہ قیامت میں وہی لکھا ہوا اعمال نامہ ظاہر ہوگا اور اس کے مطابق اسے ثواب ملے گا) اور (ہم نے جو ﴿كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ﴾ کہا ہے، اس میں انکار کرنے والوں کو اس لئے شبہ ہے کہ اب تک کسی کو دوبارہ زندہ کر کے حساب و کتاب نہیں لیا گیا تو یہ شبہ بالکل بے کار ہے، کیونکہ اس رجوع کے لئے جس کا وعدہ کیا گیا ہے ہم نے ایک خاص وقت معین کر رکھا ہے اور جب تک وہ وقت نہیں آتا، اس وقت تک تو یہ بات ہے کہ) ہم جن بستیوں کو (عذاب کے ذریعہ یا موت کے ذریعہ) فنا کر چکے ہیں، ان کے لئے یہ بات (شرعی ممانعت کی وجہ سے) ناممکن ہے کہ وہ (دنیا میں حساب کتاب کے لئے) پھر لوٹ کر آئیں (مگر یہ لوٹ کر نہ آنا ہمیشہ کے لئے نہیں ہے جیسا کہ انکار کرنے والے سمجھتے ہیں بلکہ صرف اس وقت کے نہ آنے تک ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے) یہاں تک کہ جب وہ وقت آپہنچے گا جس کا ابتدائی سامان یہ ہوگا کہ یاجوج و ماجوج (جو اب ذوالقرنین کی دیوار کے پیچھے بند ہیں) کھول دیئے جائیں گے اور وہ (انتہائی کثرت کی وجہ سے) ہر بلندی سے (جیسے ٹیلا اور پہاڑ) نکلتے معلوم ہوں گے (یعنی جدھر دیکھو وہی نظر آئیں گے، تو ہموار زمین میں تو نظر پڑتے ہی دکھائی دیں گے اور بلندی کی آڑ میں پہلے مرحلہ میں دکھائی نہ دیں گے، لیکن تھوڑی دیر میں وہاں سے بھی وہی نکلتے معلوم ہوں گے) اور (رجوع اور بعث کا) سچا وعدہ نزدیک آپہنچا ہوگا تو بس پھر (اس کے واقع ہوتے ہی ایک دم سے یہ قصہ ہوگا کہ منکروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی (اور وہ یوں کہتے نظر آئیں گے) کہ ہائے ہماری کم بختی! ہم اس (امر) سے غفلت میں تھے (اور سچ پوچھو تو غفلت بھی جب کہی جاتی کہ جب کوئی ہمیں خبردار نہ کرتا) بلکہ (واقعی بات یہ ہے کہ) ہم ہی قصوروار تھے (کہ تنبیہ کے باوجود متنبہ نہ ہوئے۔ حاصل یہ ہوا کہ اس وقت رجوع کے منکر بھی رجوع کے قائل ہو جائیں گے۔ آگے مشرکوں کو جن کا ﴿تَقَطَّعُوٓا﴾ میں ذکر تھا، ﴿مَنْ يَّعْمَلْ﴾ الخ کے مقابلہ میں وعید ہے کہ اے مشرکو!) بلاشبہ تم اور جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوج رہے ہو سب جہنم میں جھونکے جاؤ گے (اور) تم سب اس میں داخل ہو گے (البتہ اگر معبودوں میں سے کسی کو کوئی امر رکاوٹ نہ ہو تو اس تقاضہ کا اثر نہ ہوگا جیسے اگر کسی نے فرشتوں کو یا انبیاء کو معبود بنالیا ہو تو ان کا اللہ کے نزدیک مقبول ہونا جہنم میں جانے سے رکاوٹ ہوگی۔ چنانچہ یہ امر خود عقلی بھی ہے اور اس کی تائید کے لئے آگے آیت بھی ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم﴾ الخ تو اس حکم میں بت اور شیطان بھی داخل رہ گئے، بتوں میں تو ایک تقاضہ بغیر رکاوٹ کے موجود ہے اور شیطانوں میں خود دوسرا تقاضہ بھی یعنی ان کا کفر موجود ہے۔ غرض یہ سب جہنم میں جائیں گے اور یہ بات سمجھنے کی ہے کہ) اگر یہ (تمہارے معبود) واقعی تمہارے معبود ہوتے تو اس (جہنم) میں کیوں جاتے اور (جانا بھی کوئی چند دن کا نہیں بلکہ) سارے (عابد و معبود) اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) ان کا

اس میں شور ہوگا، اور وہاں (اپنے شور میں کسی کی) کوئی بات سنیں گے بھی نہیں (یہ تو جہنم والوں کا حال ہوا اور) جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہوچکی ہے (اور اس کا ظہور ان کے اعمال اور افعال میں ہوا) وہ لوگ اس (دوزخ) سے (اس قدر) دور رکھے جائیں گے (کہ) اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے (کیونکہ وہ جنت میں ہوں گے، اور جنت، جہنم سے بہت دور ہوگی) اور وہ لوگ اپنی من پسند چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے (اور) ان کو بڑی گھبراہٹ (یعنی دوسری بار صور میں پھونک مارے جانے کی اور ہیبت وشدت کے مشاہدہ کرنے کی حالت) غم میں نہ ڈالے گی اور (قبر سے نکلتے ہی) فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور کہیں گے کہ (یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا (کہ قیامت آئے گی اور نیک لوگوں کو نیک جزا ملے گی چنانچہ یہ تعظیم اور بشارت ان کے لئے زیادہ مسرت کا سبب ہوجائے گا اور اگر کسی روایت سے ہولنا کی کا عموم ثابت ہوجائے تو چونکہ اہل ایمان کے لئے اس کا زمانہ بہت ہی تھوڑا ہوگا، اس لئے وہ ذکر کے قابل نہیں ہے اور اس میں ٹکراؤ نہیں) وہ دن (بھی) یاد کرنے کے قابل ہے جس دن ہم (صور میں پہلی بار پھونک مارے جانے کے وقت) آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمونوں کا کاغذ لپیٹ دیا جاتا ہے (پھر لپیٹنے کے بعد چاہے بالکل ختم کردیا جائے یا اسی حالت میں دوسری بار پھونک مارے جانے تک رہے، دونوں ممکن ہیں، اور) ہم نے جس طرح پہلی بار پیدا کرنے کے وقت (ہر چیز کو) ابتدائی طور پر پیدا کیا تھا، اسی طرح (آسانی سے اور بعض ہیئت کی بقا کے ساتھ) اس کو دوبارہ پیدا کردیں گے، یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے (اور) ہم ضرور (اس کو پورا) کریں گے اور (اوپر جو نیک لوگوں سے ثواب اور نعمت کا وعدہ ہوا ہے وہ بہت پرانا اور تاکیدی وعدہ ہے، چنانچہ) ہم لوح محفوظ (میں لکھنے) کے بعد سب آسمانی کتابوں میں لکھ چکے ہیں کہ اس زمین (جنت) کے مالک میرے بندے ہوں گے (چنانچہ اس کا پرانا ہونا اس سے ظاہر ہے کہ اول یہ وعدہ لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے اور تاکید اس سے ظاہر ہے کہ اللہ کی کوئی کتاب اس سے خالی نہیں)

فائدہ: آیت ﴿وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ﴾ الخ کی تفسیر میں جو حساب وکتاب کی قید ظاہر کردی ہے، اس سے اس شخص کا استدلال باطل ہوگیا جو مرنے کے بعد کسی نبی کے معجزہ سے زندہ ہوسکنے کا منکر ہے، اور آیت ﴿حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ﴾ الخ میں ساعت کی دوسری علامتوں میں سے اس علامت کی تخصیص دو وجہ سے ہوسکتی ہے: ایک تو یہ کہ اکثر علامتوں کے اعتبار سے قیامت سے زیادہ قریب ہے، چنانچہ روح المعانی میں احمد اور ابن المنذر سے یہ روایتیں نقل کی ہیں: إن الساعة بعد أن يهلك ياجوج وماجوج كالحامل المتم لا يدرى أهلها حتى تفجاهم بولادها ليلا أو نهاراً وقال لو نتجت فرسي عند خروجهم ما ركب فلوها حتى تقوم الساعة: اور ان روایتوں سے مبالغہ مقصود ہے۔ دوسرے یہ علامت ہولناک بہت ہے، اور واقع نہ ہونے کا جو مقصد ﴿حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ﴾ فرمایا گیا ہے حالانکہ یاجوج ماجوج کے کھولے جانے کے وقت رجوع یعنی بعث نہ ہوگا تو اکیلے وہ مقصود نہیں، بلکہ قیامت کے قیام کے ساتھ جس پر یہ کھلنا اور قریب ہونا دلالت کرتے ہیں اور مقصود اسی مدلول کا غائب بنانا ہے اور دلالت کرنا صرف اس کی تمہید ہے اور بتوں کا جہنم

میں جانا اس لئے نہیں کہ ان کو عذاب دیا جائے گا بلکہ اس لئے تا کہ کافروں پر حجت زیادہ لازم ہو اور وہ حجت یہی ہے۔ ﴿ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً ﴾ الخ اور تا کہ کافروں کو خوب حسرت ہو کہ جس سے بھلائی کی امید تھی وہ شر پیدا ہونے کا مرکز بن گیا، اور تا کہ اپنی حماقت ظاہر ہو کہ جب یہ خود نہ بچ سکے تو ہمیں کیا بچاتے وغیرہ اور آیت ﴿ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ ﴾ سے عابدوں اور معبودوں کا ذکر تھا اور ﴿ لَهُمْ ﴾ کی ضمیر سب کی طرف لوٹانا اس لئے ظاہر کے خلاف ہے کہ بتوں کا شور والا ہونا لازم آتا ہے، اس لئے اس میں غلبہ کی بات ہے یعنی صرف عابدوں کی وجہ سے کل کو مرجع بنا دیا اور یہ بات علم بلاغت میں کثرت سے ہے۔ اور آیت ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ ﴾ الخ کے ابتدائی مضمون میں فرشتے بھی شامل ہیں، لہٰذا ﴿ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴾ سے وہ مخصوص اور مستثنیٰ ہو گئے اور اخیر کا مضمون ﴿ هُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ ﴾ الخ انسان مؤمنوں کے ساتھ خاص ہے، یہ طرز بھی غلبہ دینے میں داخل ہے۔

﴿ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ۝ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: بلاشبہ اس میں کافی مضمون ہے ان لوگوں کے لئے جو بندگی کرنے والے ہیں اور ہم نے آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں پر مہربانی کرنے کے لئے۔ آپ فرما دیجئے کہ میرے پاس تو صرف یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ سو اب بھی تم مانتے ہو۔ پھر اگر یہ لوگ سرتابی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں تم کو صاف اطلاع کر چکا ہوں۔ اور میں یہ جانتا نہیں کہ جس کا تم سے وعدہ ہوا ہے آیا وہ قریب ہے یا دور دراز ہے۔ اللہ تعالیٰ کو پکار کر کہی ہوئی بات کی بھی خبر ہے اور جو تم دل میں رکھتے ہو اس کی بھی خبر ہے۔ اور میں نہیں جانتا شاید وہ تمہارے لئے امتحان ہو۔ اور ایک وقت تک فائدہ پہنچانا ہو۔ پیغمبر نے کہا کہ اے میرے رب! فیصلہ کر دیجئے حق کے موافق اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے ان باتوں کے مقابلہ میں مدد چاہی جاتی ہے جو تم بنایا کرتے ہو۔

ربط: اب سورت ختم ہو رہی ہے یہاں تک سورت کے بڑے حصہ میں توحید و نبوت کی تحقیق اور منکروں کے لئے وعید کا ذکر ہوا ہے۔ اب ان مفید مضامین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے آیت ﴿ اِنَّ فِيْ هٰذَا ﴾ اور ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ ﴾ الخ میں ان مضمونوں کی وضاحت کے ساتھ تعریف ہے اور دوسری آیت میں اشارہ کے طور پر ان مضامین کے لانے والے کی بھی تعریف ہے اور آیت ﴿ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى ﴾ الخ میں گذشتہ مضمون کے خلاصہ کے طور پر توحید اور اسلام کی طرف دوبارہ

دعوت ہے، جس کے لئے امور میں سے نبوت کی تصدیق بھی لازم ہے۔اور آیت ﴿ فَإِنْ تَوَلَّوْا ﴾ سے آخر تک خلاصہ ہی کے طور پر انکار پر دوبارہ وعید اور وعید سے متعلق دوسرے مناسب مضمون بیان کئے گئے ہیں، چنانچہ یہ آخری مضمون مقصد کے حاصل کے درجہ میں اور کلام کے مجموعہ کے خلاصہ کے درجہ میں ہے۔

سورت کا خاتمہ جس میں توحید و نبوت کے مضمونوں کی تلخیص اور بدبختی والوں کی وعید شامل ہے:

بلاشبہ اس (قرآن یا اس کے جزء یعنی مذکورہ سورت) میں (ہدایت کے لئے نفع دینے والے مضمونوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے) ان لوگوں کے لئے کافی مضمون ہے جو بندگی کرنے والے ہیں (اور اگرچہ بندگی اور اطاعت سے نافرمانی کرنے والوں کے لئے بھی یہ کافی ہدایت ہے۔ اگر وہ ہدایت کے طالب ہوں، مگر وہ خود ہی فائدہ نہیں اٹھاتے، اس لئے ذکر میں عبادت کرنے والوں کی تخصیص ہوئی) اور ہم نے آپ کو (ایسے نفع دینے والے مضامین دے کر) دنیا والوں پر مہربانی کے سوا کسی اور بات کے لئے (رسول بنا کر) نہیں بھیجا (اور وہ مہربانی یہی ہے کہ لوگ رسول سے ان مضامین کو قبول کریں اور ہدایت کے فائدے حاصل کریں اور جو قبول نہ کرے تو یہ اس کا قصور ہے۔ اس مضمون کے صحیح ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا) اب (ان لوگوں سے کلام کے خلاصہ کے طور پر پھر) فرما دیجئے کہ میرے پاس تو (توحید کے ماننے والوں اور مشرکوں کے اختلاف کے سلسلہ میں) صرف یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا (حقیقی) معبود ایک ہی معبود ہے تو (اس کے حق ہونے کی بات ثابت ہو جانے کے بعد) اب بھی تم مانتے ہو (یا نہیں؟ یعنی اب تو مان لو) پھر (بھی) اگر یہ لوگ (اس کے قبول کرنے سے) منہ پھیریں تو آپ (حجت پوری کرنے کے طور پر) فرما دیجئے کہ میں تمہیں صاف طور سے خبردار کر چکا ہوں (جس سے تم میں سے کسی پر ذرا بھی کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رہی خود توحید اور اسلام کے حق ہونے کی خبر کی بھی اور انکار پر جو سزا لازم آئے گی اس کی خبر بھی صاف طور سے دے چکا ہوں۔ تو اب مجھ پر کوئی ذمہ داری نہیں رہی اور نہ ہی تمہارے لئے کوئی عذر باقی رہا) اور (اگر اس کے حق ہونے میں تمہیں یہ شبہ ہو کہ وہ سزا اب تک کیوں نہیں ہوئی؟ تو وہ تو واقع ضرور ہوگی (البتہ) میں یہ نہیں جانتا کہ جس (سزا) کا تم سے وعدہ ہوا ہے وہ قریب (واقع ہونے والی) ہے یا دور (کے زمانہ میں ہونے والی) ہے (البتہ واقع تو ضرور ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو (تمہاری) پکار کر کہی ہوئی بات کی بھی خبر ہے اور جو (بات) تم دل میں رکھتے ہو اس کی بھی خبر ہے (تو جب اس کو سارے حالات کی خبر ہے اور کفر کے حالات پر سزا کا وعدہ بھی ہے تو یقیناً سزا ہوگی) اور (عذاب میں دیر ہونے سے اس کے نہ ہونے کا شبہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس میں کچھ مصلحت ہے۔ باقی) میں (یقین کے ساتھ) نہیں جانتا (کہ کیا مصلحت ہے، ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ) شاید وہ (عذاب میں دیر) تمہارے لئے امتحان (کی صورت) ہو (کہ شاید اب بھی ایمان لے آئیں) اور ایک (محدود وقت یعنی موت کے وقت) تک (زندگی سے) فائدہ پہنچانا ہو (کہ خوب غفلت بڑھے اور عذاب بڑھے۔ اس طرح پہلا امر رحمت ہے اور دوسرا امر

سزا۔ اور مختلف اعتبار سے دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ جب ان سب مضامین سے ہدایت نہیں ہوئی تو) پیغمبر (ﷺ) نے (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) کہا کہ اے میرے رب! (ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کر دیجئے (جو ہمیشہ) حق کے مطابق (ہوا کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا حق ہونا لازم ہے، مطلب یہ کہ عملی فیصلہ کر دیجئے یعنی مسلمانوں کے جس غلبہ کی پیشین گوئی ہے جیسے ﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴾ اس کو واقع کر دیجئے تا کہ حجت اور زیادہ پوری ہو جائے) اور (یہ بھی رسول اللہ ﷺ نے کافروں سے فرمایا کہ) ہمارا رب (ہم پر) بڑا مہربان ہے جس سے ان باتوں کے مقابلہ میں مدد چاہی جاتی ہے جو تم بنایا کرتے ہو (کہ مسلمان جلدی بے نام ونشان ہو جائیں گے۔ یعنی ہم مدد چاہتے ہیں۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں وہ پیشین گوئی واقع ہوگئی)

فائدہ: آیت ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ ﴾ الخ کی جو تفسیر کی گئی ہے اس پر کوئی اشکال نہیں ہوا جس کی توجیہ کی ضرورت ہو، اور فتنہ کے ترجمہ میں لفظ "صورت" اس لئے کہا گیا کہ حقیقی امتحان کی تو عالم الغیب ہونے کے ساتھ گنجائش ہی نہیں اور ﴿ يُوْحٰٓى اِلَيَّ ﴾ کے بعد جو ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ فرمایا ہے، حالانکہ ظاہر میں توحید کا مسئلہ نبوت کے مسئلہ پر موقوف نہیں ہے، بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکوں سے اللہ کے وجود کو واجب ہونے یا دنیا کو پیدا کرنے والے کے واحد ہونے میں اختلاف نہیں تھا، بلکہ معبود کے ایک ہونے میں کلام تھا، تو اس معنی میں توحید کا نبوت کے مسئلہ کے لئے لازم ہونے پر اور اس کا ثبوت دلیل سمعی سے اشکال کا محل نہیں۔

﴿ بحمد للہ! سورت کی تفسیر ۲۳ رشوال بروز پیر سنہ ۱۴۳۲ھ کو مکمل ہوئی ﴾
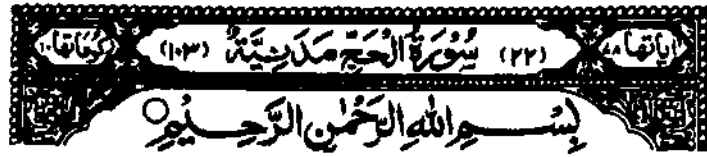
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

تعارف:

سورت الحج مکی ہے، سوائے ﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ﴾ سے ﴿صِرَاطِ الْحَمِيْدِ﴾ تک چھ آیتوں کے۔ جیسا کہ بیضاوی نے کہا ہے اور صاحب الروح نے کہا ہے: اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ان میں مدنی و مکی ملی جلی آیتیں ہیں اگر چہ تعیین میں اختلاف ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝﴾

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو یقیناً قیامت کا زلزلہ بھاری چیز ہوگی جس روز تم لوگ اس کو دیکھو گے اس روز تمام دودھ پلانے والیاں اپنے دودھ پیتے کو بھول جاویں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل ڈال دیں گی۔ اور تجھ کو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز۔

ربط: اس سورت کا خلاصہ یہ مضامین ہیں: اول بعث اور حساب جس سے سورت شروع بھی ہوئی ہے۔ اور درمیان میں قیامت کے دن اور جنت و جہنم کا ذکر موقع موقع سے آیا ہے۔ دوسرے نبوت اور اس سے متعلق شبہات کا جگہ جگہ جواب اور نبوت ہی سے متعلق مدد کا وعدہ اور جہاد کی اجازت اور اس سے متعلق لڑنے جھگڑنے والوں کی مذمت، چاہے وہ جھگڑا قولی ہو یا فعلی جیسے حج یا عمرہ سے روکنا۔ جس کے ضمن میں حج کے احکام کا ذکر ہوا۔ تیسرے توحید چنانچہ آیتوں میں غور کرنے والے پر سب ظاہر ہے اور گذشتہ سورت کا خاتمہ اور اس سورت کے شروع میں ربط کا مضمون ڈرانا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تقویٰ کا حکم اور قیامت کی ہولناکیوں کے ذکر سے اس کی تاکید:

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو (ایمان و طاعت اختیار کرو، کیونکہ) یقیناً قیامت (کے دن) کا زلزلہ (جو کہ آنے والا ہے) بڑی بھاری چیز ہوگی (جب زلزلہ جو کہ اس کے واقعات میں سے ایک واقعہ ہے، ایسا ہوگا تو تمام واقعات کی شدت

کیسی ہوگی؟ تو ان شدتوں سے خیریت کے ساتھ گذرنے کے لئے سامان کرو اور وہ تقویٰ ہے۔ آگے اس زلزلہ کی شدت کا بیان ہے) جس دن تم لوگ اس (زلزلہ) کو دیکھو گے۔ اس دن (یہ حال ہوگا کہ) تمام دودھ پلانے والیاں (ہیبت اور شدت کے مارے) اپنے دودھ پیتے (بچہ) کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل (دن پورے ہونے سے پہلے) ڈال دیں گی اور (اے مخاطب!) تمہیں لوگ نشہ کی سی حالت میں دیکھیں گے۔ حالانکہ وہ (واقعی) نشہ میں نہ ہوں گے (کیونکہ نشہ کسی نشہ والی چیز کے استعمال سے ہوتا ہے جب کہ ظاہر ہے انھوں نے ایسی کوئی چیز استعمال نہیں کی ہوگی) لیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز (جس کے خوف کی وجہ سے لوگوں کی حالت نشہ والوں جیسی ہو جائے گی)

فائدہ: روایتوں سے خاص قیامت کے دن اور قیامت سے پہلے بھی زلزلہ کا واقع ہونا ثابت ہے، لیکن جس زلزلہ کا اس آیت میں ذکر ہے، حدیث سے اس کا قیامت کے دن واقع ہونا معلوم ہوتا ہے، اسے احمد و سعید بن منصور، عبد بن حمید، النسائی، الترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور ترمذی و حاکم نے اس کو عمران بن حصین کی روایت سے صحیح قرار دیا ہے اور اس میں **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتدرون ای یوم ذلک قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال ذلک یوم یقول اللہ تعالیٰ لآدم علیہ السلام ابعث بعث النار** إلخ جیسا کہ الروح میں ہے۔ اور یہ ہیبت اور وحشت اگر سب کے لئے عام قرار دی جائے تو آیت ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ﴾ اس لئے نہیں ٹکراتی کہ حزن و ملال کی نفی اکثر حالات کے اعتبار سے ہے اور اس کا اثبات تھوڑی مدت کے اعتبار سے اور اگر اس کو ناس یعنی انسانوں کے اعتبار سے مانا جائے تو اصل ہی سے اشکال نہ ہوگا۔ اور ﴿تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ﴾ کے ظاہر الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں قیامت کے دن بھی بچوں کو دودھ پلائیں گی تو یا تو اس کو لازم کر لیا جائے اور کہا جائے کہ جو جس حالت میں مرا ہے، اسی حالت میں اٹھے گا تو ممکن ہے کہ جو عورتیں دودھ پلانے کی حالت میں مری ہیں، ان کی وہاں بھی یہی حالت ہو یا پھر کلام کو ایک مثال مانا جائے یعنی اگر یہاں دودھ پلا رہی ہوں گی تو ہولناکی کی شدت کی وجہ سے دودھ پلانے کی حالت میں دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچہ کو بھول جائے گی۔ اور یہی دو احتمال ﴿وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا﴾ میں بھی ہیں، لیکن پہلے جملہ میں دوسرے احتمال کا گمان ہے۔ اور دوسرے جملہ میں پہلے احتمال کا، کیونکہ حمل والیوں کا حمل کی حالت میں اٹھایا جانا دودھ پلانے والیوں کے دودھ پلانے کی حالت میں اٹھانے کے مقابلہ میں ظاہر میں زیادہ قریب ہے، اس لئے کہ حمل داخلی چیز ہے اور خود اس حمل والی کا ایک حصہ ہے اور دودھ پلانا باہری چیز ہے اور اس کا عارضی وصف ہے۔ واللہ اعلم

اور مقصود یہ نہیں کہ اس زلزلہ کی ہیبت بس اتنی ہی ہوگی بلکہ مخاطب لوگوں کے ذہنوں میں چونکہ یہ ہیبت بھی عظیم ہے جس پر مذکورہ اثرات واقع ہوں۔ اس لئے اس کا ذکر کر دیا۔ لہٰذا زیادہ کی نفی نہیں۔

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۙ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَ يَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْــــًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۙ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بے جانے بوجھے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ جس کی نسبت یہ بات لکھی جا چکی ہے جو شخص اس سے تعلق رکھے گا تو اس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ بے راہ کر دے گا اور اس کو عذاب دوزخ کا راستہ دکھلاوے گا۔ اے لوگو! اگر تم دوبارہ زندہ ہونے سے شک میں ہو تو ہم نے تم کو مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر بوٹی سے کہ پوری ہوتی ہے اور ادھوری بھی تا کہ ہم تمہارے سامنے ظاہر کر دیں اور ہم رحم میں جس کو چاہتے ہیں ایک مدت معین تک ٹھیرائے رکھتے ہیں۔ پھر ہم تم کو بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں پھر تا کہ تم اپنی بھری جوانی تک پہنچ جاؤ۔ اور بعضے تم میں وہ بھی ہیں جو مر جاتے ہیں اور بعضے تم میں وہ ہیں جو نکمی عمر تک پہنچا دیے جاتے ہیں جس کا اثر یہ ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر بے خبر ہو جاتے ہو اور اے مخاطب! تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے۔ یہ اس سب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اور قیامت آنے والی ہے اس میں ذرا شبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ قبر والوں کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور بعضے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدوں واقفیت اور بدوں دلیل اور بدوں کسی روشن کتاب کے تکبر کرتے ہوئے جھگڑا کرتے ہیں۔ تا کہ اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں ایسے شخص کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو جلتی آگ کا عذاب چکھاویں گے۔ کہ یہ تیرے ہاتھ کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے اور یہ بات ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

ربط: اوپر تقوی کی تاکید کے لئے قیامت کی بعض ہولناکیوں کا ذکر فرمایا تھا۔ چونکہ بعض کافر دوسرے برحق امور کے انکار کے ساتھ قیامت اور بعث کے بھی منکر تھے چنانچہ ابن ابی حاتم نے اگلی آیت کی شان نزول میں ابو مالک سے روایت کیا ہے کہ نضر بن الحارث بڑا جھگڑالو تھا، وہ کہتا تھا کہ نعوذ باللہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور قرآن گذشتہ زمانہ کے لوگوں کی کہانیاں ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس شخص کو زندہ کرنے کی نعوذ باللہ قدرت نہیں رکھتا جو گل سڑ کر مٹی ہوگیا (الروح) اس لئے آگے ایسے لوگوں کی باتوں کو رد فرماتے ہیں۔

بعث وغیرہ کا انکار کرنے والوں کی تردید:

اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے (یعنی اس کی ذات یا صفات کے) بارے میں بغیر جانے بوجھے جھگڑا کرتے ہیں، اور ہر سرکش شیطان کے پیچھے ہولیتے ہیں (یعنی ان میں گمراہ ہونے کی ایسی قابلیت ہے کہ جو شیطان جس طرح بہکادے اس کے بہکانے میں آجاتے ہیں۔ چنانچہ اس شخص میں انتہائی درجہ کی گمراہی ہوئی کہ اس پر ہر شیطان کا اثر ہوجاتا ہے) جس کے بارے میں (اللہ کی طرف سے) یہ بات لکھی جاچکی ہے (اور طے ہوچکی ہے) کہ جو شخص اس سے تعلق رکھے گا (یعنی اس کا اتباع کرے گا) تو اس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اس کو (سیدھے راستہ سے) گمراہ کردے گا اور اس کو جہنم کے عذاب کا راستہ دکھادے گا (آگے ان جھگڑا کرنے والوں کو خطاب ہے کہ) اے لوگو! اگر تم (قیامت کے دن) دوبارہ زندہ ہونے (کے امکان) کے بارے میں شک (وانکار) میں ہو تو (ذرا اگلے مضمون میں غور کرلو تا کہ شک دور ہوجائے۔ وہ یہ کہ) ہم نے (پہلی بار) تمہیں مٹی سے بنایا (کیونکہ جس غذا سے نطفہ بنتا ہے وہ غذا پہلے عناصر سے بنتی ہے جن میں ایک جز مٹی بھی ہے) پھر نطفہ سے (جو کہ غذا سے پیدا ہوتا ہے) پھر خون کے لوتھڑے سے (کہ نطفہ میں گاڑھا پن اور سرخی آنے سے حاصل ہوتا ہے) پھر بوٹی سے (کہ علقہ یعنی لوتھڑے میں سختی آجانے سے حاصل ہوتا ہے) کہ (کوئی) پوری ہوتی ہے (کہ اس میں پورے اعضا بن جاتے ہیں) اور (بعض) ادھوری بھی (ہوتی ہے کہ بعض اعضا ناقص ادھورے رہ جاتے ہیں، یہ اس طرح کی بناوٹ اور ترتیب اور تفاوت سے اس لئے بنایا) تا کہ ہم تمہارے سامنے (اپنی قدرت) ظاہر کردیں (اور اس سے ظاہر ہے کہ وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے) اور (اس مضمون کا تتمہ یہ ہے جس سے) اور زیادہ قدرت ظاہر ہوتی ہے کہ) ہم (ماں) کے رحم میں جس (نطفہ) کو چاہتے ہیں ایک معین مدت (یعنی بچہ کے پیدا ہونے کے وقت) تک ٹھہرائے رکھتے ہیں (اور جس کو ٹھہرانا نہیں چاہتے، وہ حمل گر جاتا ہے) پھر (اس معینہ مدت کے بعد) ہم تمہیں بچہ بنا کر (ماں کے پیٹ سے) باہر لاتے ہیں، پھر (اس کے بعد تین قسمیں ہوجاتی ہیں: ایک قسم یہ کہ تم میں سے بعض کو جوانی تک مہلت دیتے ہیں) تا کہ تم اپنی بھری جوانی (کی عمر) تک پہنچ جاؤ اور بعض تم میں وہ بھی ہیں جو (جوانی سے پہلے ہی) مرجاتے ہیں (یہ دوسری قسم ہوئی) اور بعض تم میں وہ ہیں جو بدترین عمر (یعنی زیادہ بڑھاپے) تک

پہنچا دیئے جاتے ہیں جس کا اثر یہ ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر بے خبر ہو جاتے ہیں (جیسا کہ اکثر بوڑھوں کو دیکھا جاتا ہے کہ ابھی ایک بات بتائی اور ابھی پھر پوچھنے لگے جو بتایا تھا سب بھول گئے۔ یہ تیسری قسم ہوئی، یہ سارے حالات بھی قدرت پر دلالت کرنے والے ہیں۔ ایک استدلال تو یہ تھا) اور (آگے دوسرا استدلال ہے کہ) اے مخاطب! تم زمین کو دیکھتے ہو کہ خشک (پڑی) ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم (یعنی طرح طرح) کے پیڑ پودے اگاتی ہے (تو یہ بھی کامل و پوری قدرت کی دلیل ہے۔ آگے استدلال کی وضاحت کے لئے مذکورہ تصرفات کی علت اور حکمت بیان فرماتے ہیں یعنی) یہ (جو کچھ اوپر دونوں استدلالوں کے ضمن میں مذکورہ چیزوں کے اظہار اور ایجاد کا ذکر ہوا یہ سب) اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے (یہ تو اس کا ذاتی کمال ہے) اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے (یہ اس کا فعلی کمال ہے) اور وہی ہر چیز پر قادر ہے (یہ اس کا وصفی کمال ہے اور یہ تینوں کمال مل کر مذکورہ امور کی علت ہیں، کیونکہ اگر ان تینوں کمالوں میں سے ایک بھی غیر ثابت ہوتا تو ایجاد نہ پایا جاتا، چنانچہ ظاہر ہے) اور (اس سبب سے ہوا کہ) قیامت آنے والی ہے، اس میں ذرا شبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ (قیامت میں) قبر والوں کو دوبارہ پیدا کرے گا (یہ مذکورہ امور کی حکمت ہے، یعنی ہم نے وہ مذکورہ تصرفات اس لئے ظاہر کئے کہ اس میں دوسری حکمتوں کے علاوہ ایک حکمت اور مقصد یہ تھا کہ ہمیں قیامت کا لانا اور مردوں کا زندہ کرنا منظور تھا تو لوگوں پر ان تصرفات کا امکان ظاہر ہو جائے گا، اس طرح مذکورہ اشیا کی ایجاد کی تین علتیں اور دو حکمتیں بیان ہوئیں اور سبب عام معنی میں سب کو شامل ہو، اس لئے سبب کی باء سب پر داخل ہوگئی) اور (یہاں تک تو جھگڑا کرنے والوں کی گمراہی اور ان کے رد میں استدلال تھا۔ آگے ان کا گمراہ کرنا اور گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے دونوں کے وبال اور عذاب کا بیان ہے کہ) کچھ لوگ (اس میں جھگڑا کرنے والے ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا، اور ان کے علاوہ سب داخل ہیں) ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ (یعنی اس کی ذات صفات یا افعال) کے بارے میں بغیر واقفیت (یعنی ضروری علم) اور بغیر دلیل (یعنی عقلی استدلال) اور بغیر کسی روشن کتاب (یعنی نقلی استدلالی علم) کے (اور دوسرے تحقیق کرنے والے کی اتباع وتقلید سے) تکبر کرتے ہوئے جھگڑا کرتے ہیں تا کہ (دوسرے لوگوں کو بھی) اللہ کے راستہ سے (یعنی دین حق سے) گمراہ کردیں (تو) ایسے شخص کے لئے دنیا میں رسوائی ہے) چاہے کسی بھی قسم کی رسوائی ہو۔ چنانچہ بعض گمراہ قتل وقید وغیرہ کے ذریعہ ذلیل ہوتے ہیں، بعض اہل حق کے ساتھ مناظرہ میں مغلوب ہو کر اہل عقل ودانش کی نظر میں بے عزت ہوتے ہیں) اور قیامت کے دن ہم اس کو جلتی آگ کا عذاب چکھاویں گے (اور اس سے کہا جائے گا) کہ یہ تیرے ہاتھ کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے اور یہ بات ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ (اپنے) بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں (لہٰذا تمہیں بغیر جرم کے سزا نہیں دی گئی)

فائدہ: آیت میں انسان کی پیدائش کے طریقے مختصر انداز میں بیان کئے گئے ہیں، جس کی تفصیل طب کی کتابوں قانون وغیرہ میں ہے جس پر یہ مختصر انداز پوری طرح صادق آتا ہے۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۚ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝﴾

ترجمہ: اور بعض آدمی اللہ کی عبادت کرتا ہے کنارہ پر پھر اس کو کوئی نفع پہنچ گیا تو اس کی وجہ سے قرار پالیا اور اگر اس پر کچھ آزمائش ہوگئی تو منہ اٹھا کر چل دیا، دنیا و آخرت دونوں کو کھو بیٹھا، یہی کھلا نقصان ہے۔ خدا کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت کرنے لگا جو نہ اس کو نقصان پہنچا سکتی ہے اور نہ اس کو نفع پہنچا سکتی ہے۔ یہ انتہا درجہ کی گمراہی ہے، وہ ایسے کی عبادت کر رہا ہے کہ اس کا ضرر بہ نسبت اس کے نفع کے زیادہ قریب الوقوع ہے ایسا کارساز بھی برا اور ایسا رفیق بھی برا۔

ربط: اوپر انکار اور جھگڑا کرنے پر اصرار کرنے والوں کی مذمت تھی، اب ان لوگوں کی مذمت ہے جو انکار اور جھگڑے سے توبہ کرنے اور اسلام لانے کے باوجود بعض حالات میں ظاہری اسلام کے دل سے اخلاص نہ رکھتے تھے اور بعض حالات میں کفر وانکار کی طرف لوٹ جاتے اور مرتد ہو جاتے تھے۔ چنانچہ بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بعض لوگ مدینہ میں آکر مسلمان ہوتے پھر جب اپنے گھر جا کر مال واولاد میں برکت وفراغت دیکھتے تو کہتے بڑا اچھا دین ہے ورنہ کہتے برا دین ہے اور پھر جاتے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کا اسلام پر رہنا بھی دین کی حقیت کی وجہ سے نہ ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک حقیت کا معیار دنیاوی نفع ہے، لہٰذا عین اسلام کی حالت میں عقیدہ اور غرض میں فساد وبگاڑ ہوتا تھا۔ اس لئے وہ اسلام، اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے ذکر اور اعتبار کے قابل نہیں ہے، بلکہ نفاق کی قسم سے ہے۔

ڈھلمل لوگوں میں سے مرتد ہو جانے والوں اور منافقوں کی برائی:

اور بعض لوگ اللہ کی عبادت (اس طرح) کرتے ہیں (جیسے کوئی کسی چیز کے کنارہ پر) کھڑا ہو اور موقع پا کر چل دینے کے لئے تیار ہو) پھر اگر اس کو کوئی (دنیاوی) نفع پہنچ گیا تو اس کی وجہ سے (ظاہری طور پر) مطمئن ہوگیا اور اگر اس پر کچھ آزمائش آگئی تو منہ اٹھا کر (کفر کی طرف) چل دیا (جس سے) دنیا وآخرت دونوں کو کھو بیٹھا یہی کھلا نقصان (کہلاتا) ہے (چنانچہ دنیا کا نقصان تو فتنہ میں پڑنے سے دیکھا جاتا ہے اور آخرت کا نقصان یہ ہوا اسلام اور) اللہ (کی عبادت) کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت کرنے لگا جو اس قدر عاجز وبے بس ہے کہ) نہ اس کو (عبادت نہ کرنے کی صورت میں نقصان پہنچا سکتی ہے اور نہ ہی (عبادت کرنے کی صورت میں) اسے نفع پہنچا سکتی ہے (اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑنا جو کہ قادر ہے اور ایسے عاجز وبے بس کو اختیار کرنا آخرت میں قطعی دلیلوں سے نقصان دینے والا ہے) یہ (بھی) انتہا درجہ کی گمراہی ہے (اور صرف) یہی نہیں کہ اس کی عبادت سے نفع نہ ہوتا ہو بلکہ عبادت میں نقصان ہوتا ہے، تو) وہ ایسے کی عبادت کر رہا

ہے کہ اس (کی عبادت) کا نقصان (واقعی عذاب کا سبب بنتا ہے) اس کے (غیر واقع متوقع) نفع کے مقابلہ میں واقع ہونے سے زیادہ قریب ہے (اور) ایسا کام بنانے والا بھی برا اور ایسا ساتھی بھی برا (جو بالکل ہی کام نہ آئے۔ نہ مولیٰ یعنی بڑا ہو کر کام آئے اور نہ عشیر یعنی رفیق یا برابر ہو کر کام آئے)

﴿إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴾

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ایسے باغوں میں داخل فرماویں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی۔ اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے۔

ربط: اوپر کافروں کی کئی جماعتوں کی مذمت تھی۔ اب سب کے مقابلہ میں مؤمنوں کی فضیلت ہے۔

مؤمنوں کی فضیلت:

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے (جنت کے ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (اور اوپر جو کافروں کی سزا اور مؤمنوں کی جزا کا بیان کیا گیا ہے، اس کے واقع ہونے میں ذرا شبہ نہیں، کیونکہ) اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے، کر گذرتا ہے (اس کے ساتھ نہ کوئی ٹکرا سکتا ہے اور نہ اس کے کام میں کوئی رکاوٹ پیدا کر سکتا ہے اور وہ اس جزا و سزا کا ارادہ کر چکا ہے، لہٰذا ضرور ایسا ہی واقع ہوگا)

﴿مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ﴾

ترجمہ: جو شخص اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول کی دنیا اور آخرت میں مدد نہ کرے گا تو اس کو چاہئے کہ ایک رسّی آسمان تک تان لے پھر اس وحی کو موقوف کرادے تو پھر غور کرنا چاہئے آیا اس کی تدبیر اس کی ناگواری کی چیز کو موقوف کر سکتی ہے۔

ربط: اوپر دین میں جھگڑا کرنے والے کافروں کا ذکر تھا۔ چونکہ جھگڑے سے ان کی غرض رسول اللہ ﷺ کو اور دین اسلام کو مغلوب اور کمزور کرنا تھا، اس لئے اب اس غرض والوں کی ناکامی بیان فرماتے ہیں۔

براسوچنے والے کافروں کی آرزوؤں کا خاک میں ملنا!

جو شخص (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخالفت اور دشمنی کر کے) اس بات کا خیال رکھتا ہو کہ (میں غالب آجاؤں گا اور آپ کی اور آپ کے دین کی ترقی روک دوں گا اور) اللہ تعالیٰ (رسول ﷺ) کی (اور آپ کے دین کی) دنیا اور

آخرت میں مدد نہ کرے گا(کیونکہ دین اسلام کے مقابلہ میں مخالفانہ تدبیریں اور تقریریں کرنا اس خیال کے بغیر اس لئے عقل کے خلاف ہے کہ سعی کا مقصد اپنی کامیابی اور مخالف کی ناکامی ہوتی ہے جس کا اصلی مقام آخرت ہے، لہٰذا جب کوشش کی جائے گی تو اس عقلی قاعدہ کے مطابق اس کا خیال لازمی ہوگا، اس لئے اس انداز میں بیان کیا گیا۔ غرض جس کا ایسا خیال ہو) تو اس کو چاہئے کہ آسمان تک ایک رسّی تان لے (اور آسمان سے باندھ دے) پھر اگر ہو سکے تو اس کے ذریعہ سے آسمان پر پہنچ کر) اس وحی کو رکوا دے (اور ظاہر ہے کہ ایسا کوئی نہیں کرسکتا) تو پھر (اب) غور کرنا چاہئے کہ کیا اس کی (یہ) تدبیر (جس سے بالکل بے بس ہے) اس کی ناپسندیدہ چیز (یعنی وحی) کو رکوا سکتی ہے (یعنی ہرگز نہیں رکوا سکتی)

فائدہ: حاصل یہ ہوا کہ اللہ کی مدد آپ کے ساتھ نبوت اور وحی کی وجہ سے ہے، تو آپ کی ناکامی کی کوشش اس وقت مفید ہوسکتی ہے جب اس نبوت اور وحی کے قصہ کو پاک کردیا جائے تو یہ نہیں ہوگا، لہٰذا دین کے خلاف کوشش کرنا نبی کے لئے اللہ کی مدد نہ ہونے کے گمان پر موقوف ہے اور اس میں کامیابی کا سامان جمع کرنا نبوت کا سلسلہ ختم کرنے کی قدرت پر موقوف ہے، لہٰذا کلام میں اصل شرط اور جزا دونوں امر موقوف ہیں اور عبارت میں دونوں امور کو جن پر شرط اور جزا موقوف ہیں قائم مقام کردیا گیا۔ اس تفسیر کو بالکل اسی طرح الدر المنثور میں ابن زید سے روایت کیا گیا ہے اور میرے نزدیک یہ سب سے اچھی اور بہتر تفسیر ہے دوسرے حضرات کی دوسری رائیں ہوسکتی ہیں۔

﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے اس کو اسی طرح اتارا ہے جس میں کھلی کھلی دلیلیں ہیں اور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

ربط: اوپر کی آیت میں کسی کے وحی کے سلسلہ کو ختم کرنے پر قادر نہ ہونے کا ذکر تھا۔ اب پچھلی بات کی تاکید کے لئے حق تعالیٰ کا وحی کے نازل کرنے کے فاعل ہونے کا ذکر ہے، اوپر آیت کے ختم میں غور وفکر کا حکم تھا جس کا تقاضا یہ ہے کہ سننے والے کو ضرور ہدایت ہوجاتی۔ اب آیت کے ختم پر ہدایت کا اللہ کی مرضی پر موقوف ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔

حق تعالیٰ کا وحی نازل کرنے اور سیدھے راستہ کی ہدایت کے لئے فاعل (مؤثر) ہونا:

اور ہم نے (قرآن) کو اس طرح اتارا ہے (کہ اس میں صرف ہمارے ہی ارادہ اور قدرت کا دخل ہے) جس میں (حق کی تعیین کی) کھلی کھلی دلیلیں ہیں اور (جن میں ہم غور وفکر کا بھی حکم کرتے رہتے ہیں، مگر اس کے باوجود) بات یہ (ہی) ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے (حق کی) ہدایت کرتا ہے (البتہ انسان کی کوشش اور طلب کے بعد اللہ تعالیٰ ارادہ کرہی لیتا ہے)

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕیْنَ وَالنَّصٰرٰی وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا ۖۗ اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۝۱۷﴾

ترجمہ: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان اور یہود اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان میں قیامت کے روز فیصلہ کر دے گا۔ بیشک خدا تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔

ربط: اوپر کافروں کا دین حق اور اہل حق کی مخالفت اور ان سے اختلاف کرنا اور اس اختلاف کا برہانی دلیلوں سے بہت ہی واضح طریقہ سے قوی فیصلہ ہونا بیان فرمایا تھا۔ مگر چونکہ کافر لوگ جیسے مشرک جن کا ذکر ہوا اور جن کا ذکر نہیں ہوا جیسے اہل کتاب میں سے دشمنی و عناد رکھنے والے، اس پر اکتفا نہیں کرتے اس لئے آگے قیامت کے علمی فیصلہ کا بیان فرمایا جاتا ہے۔

قیامت میں برحق لوگوں کا اور ناحق لوگوں کا فیصلہ:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان اور یہود اور صابی اور عیسائی اور مجوس اور مشرک ان سب کے درمیان اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (عملی) فیصلہ کر دے گا (کہ مسلمانوں کو جنت میں داخل کر دے گا اور کافروں کو جہنم میں) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے (لہٰذا اسے ہر ایک کے کفر و ایمان کی بھی خبر ہے ہر ایک کو مناسب بدلا دے گا)

فائدہ: فرقہ صابی کے متعلق سورۃ البقرۃ آیت ۶۲ کی تفسیر میں کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور مجوس آگ کو پوجنے والے ہیں۔ باقی مشہور ہیں۔

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ۝۱۸﴾

ترجمہ: اے مخاطب! کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ کے سامنے سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی بھی۔ اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو گیا ہے۔ اور جس کو خدا ذلیل کرے اس کا کوئی عزت دینے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے۔

ربط: اوپر مؤمنوں اور کافروں کے درمیان میں قیامت کے دن فیصلہ فرمانے کا بیان تھا۔ چونکہ عام حالات میں فیصلہ کے لئے اس اختلاف کا باوقعت ہونا ضروری ہے، اس لئے اب فرشتوں کے محل اختلاف یعنی دین اور اللہ کی اطاعت کا تمام مخلوقات کی اطاعت کے ذکر سے زیادہ عظیم اور وقیع ہونا اور ایسے ظاہر اور ثابت امر میں بیجا اختلاف کا مذمت کے

قابل اور برا ہونا مکلف لوگوں کے الگ الگ قسموں کے ذکر سے بیان فرماتے ہیں اور اوپر فیصلہ مطلق تھا، اس آیت میں ﴿ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ، وَ مَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ ﴾ سے اس فیصلہ کی تعیین فرماتے ہیں۔

اطاعت کے امر کی عظمت اور عنادت اختلاف کی مذمت:

اے مخاطب! کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے (اپنی اپنی حالت کے مطابق) سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں، اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور مویشی، اور تمام مخلوقات کے اطاعت کرنے والا ہونے کے باوجود انسان جو خاص درجہ کی عقل رکھتے ہیں، ان میں سب اطاعت کرنے والے نہیں، بلکہ) بہت سے (تو) انسان بھی (اطاعت اور عاجزی کرتے ہیں) اور بہت سے ایسے ہیں، جن پر (اطاعت نہ کرنے کی وجہ سے) عذاب (کا مستحق ہونا) ثابت ہو گیا ہے اور (سچ یہ ہے کہ) جس کو اللہ ذلیل (وخوار) کرے اور (اسے ہدایت کی توفیق نہ ہو) اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں (اور) اللہ تعالیٰ (کو اختیار ہے کہ اپنی حکمت سے) جو چاہے کرے ﴿يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾

فائدہ: سمجھنا چاہئے کہ چونکہ آیت میں مذکور دوسری مخلوقات مکلف نہیں ہیں، لہٰذا ان کے لئے صرف تکوینی اور تسخیری اطاعت مناسب ہے اور وہ ان سب میں طے ہے اور انسان مکلف ہے، لہٰذا اس کے لئے تسخیری و تکوینی اطاعت کے علاوہ تشریعی واختیاری اطاعت بھی ہے، چنانچہ ﴿ يَسْجُدُ ﴾ میں مناسب کی قید لگا دینے سے دوسری مخلوق کے لئے سجدہ کا تحقق عام ہو گیا اور انسان کے لئے صرف بعض افراد کے اعتبار سے ہوا، لہٰذا نہ ﴿ يَسْجُدُ ﴾ دوبارہ نکالنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی مذکورہ ﴿ يَسْجُدُ ﴾ کی نسبت سب کی طرف کرنے میں کوئی برائی ہے اور نہ ہی اس اشکال کے وارد ہونے کی گنجائش رہی کہ اگر مذکورہ ﴿ يَسْجُدُ ﴾ انقیاد اختیاری ہے تو دوسری مخلوق کی طرف نسبت مشکل اور مجبوری کی ہے۔ تو ﴿ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ﴾ کی تخصیص مشکل ہے، اس طرح بحمد اللہ مذکورہ تفسیر سے سارے اشکال دور ہو گئے اور کسی تکلف کی ضرورت نہیں رہی) اور سجدہ کے مجازی معنی اطاعت کے لے لینے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ آیت ﴿ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ ﴾ میں بھی تسبیح مجازی حال کے اعتبار سے ہی مراد لی جائے گی۔ اصل یہ ہے کہ حقیقی تسبیح قولی کے لئے تو الفاظ کا صدور ہی کافی ہے جو کہ زبان کے وجود پر موقوف نہیں، چنانچہ اب فوٹو گراف میں یہ بات دیکھی جا رہی ہے اور سجدہ کے حقیقی معنی کے لئے پیشانی کا وجود ضروری ہے اور پیشانی ہر مخلوق میں نہیں ہے، خوب سمجھ لیا جائے اور اس کے باوجود کہ ﴿ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ﴾ میں اس وجہ سے کہ ''مَن'' ''ما'' کے معنی میں ہے اور غلبہ کے طور پر من سے تعبیر کر دیا گیا ہے سورج اور چاند وغیرہ سب داخل ہیں، لیکن ان کی تخصیص میں صاحب روح کے قول کے مطابق یہ نکتہ ہے کہ احمق لوگوں نے ان چیزوں کی عبادت کی ہے، اس لئے بتا دیا کہ تمہارے معبود خود عابد ہیں چنانچہ روح میں سورج کا عابد حمیر کو اور قمر کا

کنانہ کو اور وبران کا تمیم کو اور شعریٰ کا لخم اور قریش کو اور ثریا کا طے کو اور عطارد کا اسد کو اور مرزم کا ربیعہ کو اور بتوں اور درختوں کا اکثر عرب کو اور عزیٰ کا جو کہ ببول کا ایک درخت تھا غطفان کو اور بقرہ یعنی گائے کا بعض مشرکوں کا عبادت کرنے والا ہونا نقل کیا ہے اور آیت میں جنات کا ذکر نہ ہونا اس کی نفی کی دلیل نہیں اور دلیلوں سے ثابت ہے کہ وہ بھی انسان کی طرح دو قسم کے ہیں۔ واللہ اعلم

﴿ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ښ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: یہ دو فریق ہیں جنھوں نے دربارہ اپنے رب کے باہم اختلاف کیا سو جو لوگ کافر تھے ان کے لئے آگ کے کپڑے قطع کئے جاویں گے۔ ان کے سر کے اوپر تیز گرم پانی چھوڑا جاوے گا۔ اس سے ان کے پیٹ میں کی چیزیں اور کھالیں سب گل جاویں گی۔ اور ان کے لئے لوہے کے گرز ہوں گے۔ وہ لوگ جب گھٹے گھٹے اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اس میں دھکیل دیئے جاویں گے۔ اور کہا جاوے گا کہ جلنے کا عذاب چکھتے رہو۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کہ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہونگی ان کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جاویں گے۔ اور پوشاک ان کی وہاں ریشم کی ہوگی۔ اور ان کو کلمہ طیب کی ہدایت ہوگئی تھی اور ان کو اس کے راستہ کی ہدایت ہوگئی تھی جو لائق حمد ہے۔

ربط: اوپر تفصیل کے ساتھ مؤمنوں اور کافروں کی قسمیں اور ان کا عملی فیصلہ مختصر انداز میں بیان ہوا تھا، اب میزان الکل (ٹوٹل) کے طور پر ان کی جملہ قسمیں ﴿ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ ﴾ میں مختصر انداز میں اور ان کا فیصلہ وضاحت کے لئے تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ اس طرح ان آیتوں میں اس بنا پر علم بدائع کی صنعت تقسیم اور جمع اور تفریق جمع ہوئی۔ لہٰذا ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ سے ﴿ اَشْرَكُوْٓا ﴾ تک ایک تقسیم ہے اور ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ ﴾ سے ﴿ اخْتَصَمُوْا ﴾ تک جمع ہے اور ﴿ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ سے آخر تک تفریق ہے۔

مذکورہ فریقوں کے فیصلہ کی تفصیل:

یہ (جن کا اوپر آیت ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ الخ میں ذکر ہوا) دو فریق ہیں (ایک مؤمن اور دوسرا کافر۔ پھر اس

سلسلہ میں کسی دلیل سے نفی نہیں ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَ الْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ ۲۵

ع ۱۰

ترجمہ: بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے رستہ سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جس کو ہم نے تمام آدمیوں کے واسطے مقرر کیا ہے کہ اس میں سب برابر ہیں اس میں رہنے والا بھی اور باہر سے آنے والا بھی۔ یہ لوگ معذب ہونگے اور جو شخص اس میں کوئی خلاف دین کام قصداً ظلم کے ساتھ کرے گا تو ہم اس کو عذاب دردناک چکھا دیں گے۔

ربط: اوپر آیت ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ ﴾ سے ﴿ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ تک میں بعض کافروں کا جھگڑنا اور دین سے سخت گمراہ کرنے کا ذکر تھا اور اسی سلسلہ میں یہاں تک کلام چلا آیا تھا۔ اب ان کے جھگڑنے اور دین کے بعض احکام کے فعلی طور پر باطل ہونے کی وعید سمیت ذکر ہے، جیسا کہ قریش کے کافروں نے حدیبیہ کے سال میں جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کو عمرہ کے لئے مکہ میں جانے سے روک دیا تھا اور اس وعید کی تاکید کے لئے اس مقدس مکان اور اس سے متعلق بعض ارکان اور ان ارکان کی ادائیگی کے اوقات وزمانہ کی فضیلت اور عظمت کا مضمون ارشاد فرمایا گیا ہے اور زیادہ شدت کے لئے ایسے مقامات اور زمانوں میں شرک کرنے کی مذمت اور برائی کا بیان ہوا ہے کہ جو لوگ اس مقام اور ان دنوں کے مطابق عبادت کرنے کے لئے آئے انہیں تو روک دیا اور خود ان مواقع میں ایسے شرکیہ افعال کرتے ہیں اور یہ مضمون ﴿ بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ تک چلا گیا ہے۔

اہل اسلام کو مسجد حرام سے روکنے پر بد بخت کافروں کی مذمت

اور اس مقام اور ان دنوں سے متعلق بعض احکام کا بیان:

بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور (مسلمانوں کو) اللہ کے راستہ (یعنی دین کے کام سے کہ وہ عمرہ ہے) اور (چونکہ عمرہ کے ارکان حرم کے خاص حصہ میں ادا ہوتے ہیں، اس لئے) مسجد حرام (یعنی حرم) سے (بھی) روکتے ہیں جس (کی کیفیت کسی کے ساتھ خصوصیت نہ ہونے کی یہ ہے کہ ہم نے اس کو) تمام لوگوں کے واسطے مقرر کیا ہے کہ اس میں (یعنی ان حصوں کے سوا تمام حرم میں جو ایسی صحیح دلیل کے موجود ہونے کی شرط کے مطابق، کسی خاص شخص کی ملکیت ثابت ہو حرم کے باقی تمام حصوں میں) سب برابر ہیں۔ اس (حرم کے حدود کے اندر) رہنے والا بھی (یعنی جو وہاں رہتے ہیں) اور باہر سے آنے والا (مسافر) بھی (اور جن مواقع سے کافروں نے روکا ہے یعنی مسجد اور اس کے آس پاس جو طواف اور سعی

سلسلہ میں کسی دلیل سے نفی نہیں ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ١ۨالْعَاكِفُ فِیْهِ وَ الْبَادِ ؕ وَ مَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۠﴾

ترجمہ: بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے رستہ سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جس کو ہم نے تمام آدمیوں کے واسطے مقرر کیا ہے کہ اس میں سب برابر ہیں اس میں رہنے والا بھی اور باہر سے آنے والا بھی۔ یہ لوگ معذب ہونگے اور جو شخص اس میں کوئی خلاف دین کام قصداً ظلم کے ساتھ کرے گا تو ہم اس کو عذاب دردناک چکھاویں گے۔

ربط: اوپر آیت ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ﴾ سے ﴿لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ تک میں بعض کافروں کا جھگڑنا اور دین سے سخت گمراہ کرنے کا ذکر تھا اور اسی سلسلہ میں یہاں تک کلام چلا آیا تھا۔ اب ان کے جھگڑنے اور دین کے بعض احکام کے فعلی طور پر باطل ہونے کی وعید سمیت ذکر ہے، جیسا کہ قریش کے کافروں نے حدیبیہ کے سال میں جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کو عمرہ کے لئے مکہ میں جانے سے روک دیا تھا اور اس وعید کی تاکید کے لئے اس مقدس مکان اور اس سے متعلق بعض ارکان اور ان ارکان کی ادائیگی کے اوقات و زمانہ کی فضیلت اور عظمت کا مضمون ارشاد فرمایا گیا ہے اور زیادہ شدت کے لئے ایسے مقامات اور زمانوں میں شرک کرنے کی مذمت اور برائی کا بیان ہوا ہے کہ جو لوگ اس مقام اور ان دنوں کے مطابق عبادت کرنے کے لئے آئے انہیں تو روک دیا اور خود ان مواقع میں ایسے شرکیہ افعال کرتے ہیں اور یہ مضمون ﴿وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ تک چلا گیا ہے۔

اہل اسلام کو مسجد حرام سے روکنے پر بدبخت کافروں کی مذمت

اور اس مقام اور ان دنوں سے متعلق بعض احکام کا بیان:

بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور (مسلمانوں کو) اللہ کے راستہ (یعنی دین کے کام سے کہ وہ عمرہ ہے) اور (چونکہ عمرہ کے ارکان حرم کے خاص حصہ میں ادا ہوتے ہیں، اس لئے) مسجد حرام (یعنی حرم) سے (بھی) روکتے ہیں جس (کی کیفیت کسی کے ساتھ خصوصیت نہ ہونے کی یہ ہے کہ ہم نے اس کو) تمام لوگوں کے واسطے مقرر کیا ہے کہ اس میں (یعنی ان حصوں کے سوا تمام حرم میں جو ایسی صحیح دلیل کے موجود ہونے کی شرط کے مطابق، کسی خاص شخص کی ملکیت ثابت ہو حرم کے باقی تمام حصوں میں) سب برابر ہیں۔ اس (حرم کے حدود کے اندر) رہنے والا بھی (یعنی جو وہاں رہتے ہیں) اور باہر سے آنے والا (مسافر) بھی (اور جن مواقع سے کافروں نے روکا ہے یعنی مسجد اور اس کے آس پاس جو طواف اور سعی

کے مقامات ہیں اور جن سڑکوں سے وہاں پہنچتے ہیں۔ یہ سب مواقع کافروں کی ملکیت نہیں تھے) ان (روکنے والے) لوگوں کو (اس روکنے کی وجہ سے) عذاب دیا جائے گا اور (اس روکنے میں تو بہت سے گناہ شامل ہیں پھر اس کے ساتھ کفر کا معاملہ بھی ہے، اس پر تو عذاب کیسے نہ ہوتا، حرم کا یہ مقام تو ایسا معظم و محترم ہے کہ) جو شخص اس میں (یعنی حرم میں چاہے وہ کسی کی ملکیت والا حصہ ہو یا غیر ملکیت والا، کیونکہ روکنے کی حرمت میں تو اس عموم سے دلیل کے ذریعہ تخصیص کرلی گئی (اور یہاں تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے اور دونوں جگہ مرجع عام ہے۔ غرض جو شخص حرم کے کسی بھی حصہ میں) دین کے خلاف کوئی کام (چاہے اس مذکورہ روکے جانے سے کم ہی ہو) جان بوجھ کر (ارادہ سے خاص طور سے جبکہ وہ) ظلم (یعنی شرک وکفر کے ساتھ (بھی ملا ہوا ہو) کرے گا (جیسا کہ یہ لوگ روکنے کے ساتھ کفر کو بھی ملائے ہوئے ہیں) تو ہم اس (شخص) کو دردناک عذاب (کا مزہ) چکھاویں گے (تو ان کی معصیت بھی زیادہ شدید تھی، اس لئے لازمی طور پر دردناک عذاب کے مستحق ہیں)

فائدہ (۱): اس کے باوجود کہ دین کے خلاف کام کرنا ہر جگہ عذاب کا سبب ہے، لیکن حرم کے اندر اور زیادہ شدید عذاب کا سبب ہے، لہٰذا یہ تخصیص عذاب کی شدت کے سبب سے ہے۔ اور باقی آیت یا کوئی اور ذکر کے قابل دلیل اس پر دلالت نہیں کرتی کہ وہاں صغیرہ گناہ، کبیرہ گناہ کے حکم میں ہے یا ایک برائی کی وجہ سے کئی برائیاں لکھی جاتی ہیں، البتہ دوسری جگہ کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کا جو اثر ہے، حرم میں دونوں کا اثر کیفیت اور شدت کے اعتبار سے زیادہ ہے، لیکن صغیرہ کا اثر کبیرہ کی حد تک یا ایک سے بڑھ کر کئی تک پہنچنا ثابت نہیں۔

اور ﴿ یُّرِدۡ ﴾ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ارادہ کا جو مرتبہ دوسری جگہ عذاب کا سبب نہ ہو وہاں عذاب کا سبب ہو جاتا ہے، بلکہ ﴿ یُّرِدۡ ﴾ بمعنی یتعمد کی قید سے یہ فائدہ ہوگا کہ نسیان وخطا بھول چوک و غلطی کی معافی پر دلالت کرے گا۔ اور بظلم بمعنی بشرک کی قید اس لئے نہیں کہ بغیر شرک کے دوسرا گناہ عذاب کا سبب نہ ہوگا۔ بلکہ اول تو ان منع کرنے والوں کا یہ فعل واقع میں شرک سے ملا ہوا تھا، دوسرے اس کا فائدہ یہ ہے کہ جس شخص کے ساتھ شرک کی صفت ملی ہوگی اس کو تو یقیناً عذاب ہوگا۔

اور یہ عذاب دینا کافر کے فروع کا مکلف نہ ہونے کے مسئلہ کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ نفی دنیاوی احکام کی تکلیف کے اعتبار سے ہے اور آخرت کے احکام کے اعتبار سے مسئلہ پر خاموشی ہے[1] اور جس شخص میں ایمان کی صفت ہو ممکن ہے کہ وہ ایمان کی برکت سے بغیر عذاب دیئے ہی معاف کر دیا جائے۔

(۱) اور جس شخص میں الخ یہ جملہ متصل ہے اس سے پہلے جملہ ہے جس شخص کے ساتھ ظلم یعنی شرک کی صفت ملی ہوگی الخ اور وہ ظلم کے فائدہ کے بیان کا جز ہے یعنی بظلم کی قید کا فائدہ اس امر کا بتانا ہے کہ جس شخص میں ظلم کا مادہ پایا جاتا ہوگا اس کو تو یقیناً عذاب ہوگا اور جس شخص میں ایمان ہو اور وہ ظلم سے بری و پاک ہو اس کے لئے وعید کے یقینی ہونے میں احتمال ہے۔

فائدہ(۲): مسجد حرام کی تفسیر در منثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پورے حرم سے بیان کی گئی ہے اور یہ اطلاق مجازی ہے، تسمیة للشیئ بجزئه الأعظم الأهم یعنی کسی چیز کا نام اس کے سب سے بڑے اور اہم جز سے رکھنا۔ اور آیت میں بھی اس کے قرینے موجود ہیں۔(۱) جیسے ﴿ الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ﴾ یعنی اس میں رہنے والا بھی اور باہر سے آنے والا بھی، کیونکہ عاکف، بادی کے مقابلہ کے قرینہ سے سکونت کے ساتھ مقیم کے معنی میں ہے اور ظاہر ہے کہ مسجد میں اس طرح کی اقامت جائز نہیں (۲) اور جیسے ﴿ مَنْ يُرِدْ فِيهِ ﴾ میں ضمیر مجرور یقیناً مسجد حرام کی طرف ہے اور ظاہر ہے کہ حکم ﴿ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴾ بالا جماع عام ہے تمام حرم کے لئے (۳) اور جیسے کافروں کا یہ فعل حرم میں اور حرم سے متعلق عام حقیقی معنی میں مسجد کی تخصیص کے بغیر واقع ہوا تھا اور حنفی علماء نے اسی تفسیر کو اختیار کر کے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ تمام حرم کی زمین وقف کی طرح ہے، نہ اس میں کسی کو ملک کا دعویٰ کرنا جائز ہے اور نہ ہی کسی کو فائدہ اٹھانے سے منع کرنا جائز ہے، نہ ہی ان زمینوں کا کرایہ لینا جائز ہے، اس بارے میں کچھ حدیثیں بھی آئی ہیں، ہدایہ اور در منثور میں وہ حدیثیں نقل کی ہیں، لیکن خود امام صاحب سے بھی جواز کا ایک قول منقول ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ جیسا کہ الروح میں ہے، اس لئے احقر نے جو تفسیر کی ہے، یہ کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ چنانچہ اس قید سے کہ ''ایسی دلیل کے وجود کی شرط کے ساتھ'' یہ امر ظاہر ہے اور آیت میں جو آیا ہے ﴿ يُرِدْ فِيهِ ﴾ اس ارادہ کے ایسے معنی ہیں جیسے ان آیتوں میں ﴿ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴾ کوئی بھی طلب و کوشش اور قصد، اور ظلم کی تفسیر شرک کے ساتھ در منثور میں ابن عباسؓ سے روایت کی گئی ہے۔

﴿ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جبکہ ہم نے ابراہیم کو خانہ کعبہ کی جگہ بتلادی کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے واسطے پاک رکھنا۔ اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ لوگ تمہارے پس چلے آئیں گے پیادہ بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز سے راستوں سے پہنچی ہونگی تا کہ اپنے فوائد کے لئے آموجود ہوں، اور تا کہ ایام مقررہ میں ان مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو خدا تعالیٰ نے ان کو عطا کئے ہیں سو ان جانوروں میں سے تم بھی کھایا کرو اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلایا کرو۔ پھر لوگوں کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں اور

اپنے واجبات کو پورا کریں اور اس مامون گھر کا طواف کریں۔

گذشتہ مضمون کا تتمہ:

اور (اس محترم مقام کی جو بیت اللہ پر مشتمل ہے، عظمت ظاہر کرنے کے لئے تا کہ بے حرمتی ظاہر کرنے والوں کو زیادہ خرابی ظاہر ہو، ان لوگوں کے سامنے اس قصہ کا ذکر کیجئے) جب ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو خانہ کعبہ کی جگہ بتادی (کیونکہ اس وقت خانہ کعبہ بنا ہوا نہ تھا اور حکم دیا) کہ (اس مکان کو عبادت کے لئے تیار کرو، اور اس عبادت میں) میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا (یہ ان کے بعد والوں کو سنانا ہے اور بیت یعنی گھر کے ذکر کے ساتھ اس کا ذکر اس لئے نہایت ہی مناسب ہوا کہ کسی ایسے شخص کو جو حقیقت کو نہ سمجھتا ہو بیت کی تعظیم سے اور اس کے معبد یعنی عبادت کی جگہ ہونے سے اس کے معبود ہونے کا وہم نہ ہو جائے) اور میرے (اس) گھر کو طواف کرنے والوں کے (اور نماز میں) قیام و رکوع وسجود کرنے والوں کے واسطے (حسی اور معنوی نجاستوں سے جیسے غلاظت، گندگی اور بتوں سے) پاک رکھنا (جیسا کہ اب تک تم نے پاک رکھا ہے، یہ بھی بعد والوں کو سنانا ہے کہ جس مقدس بزرگ میں پاک نہ ہونے کا احتمال بھی نہیں تھا، جب تطہیر یعنی پاکی کے اہتمام کے لئے انہیں یہ امر کیا گیا تو دوسروں کو جنھوں نے حقیقت میں بت رکھ رکھے ہیں کیسے معاف کر دیا جائے گا) اور (ابراہیم علیہ السلام سے یہ بھی کہا گیا کہ) لوگوں میں حج (کے فرض ہونے) کا اعلان کر دو (اس اعلان سے) لوگ تمہارے پاس (یعنی تمہاری اس مقدس عمارت کے پاس حج کے لئے) چلے آئیں گے پیدل بھی اور (جو اونٹنیاں سفر کے مارے) دبلی (ہوگئی ہوں گی ان) اونٹنیوں پر (سوار ہوکر) بھی جو کہ دور دراز راستوں سے بھی پہنچی ہوں گی (یا جو سواری کسی کو میسر ہو، ﴿ ضَامِرٍ ﴾ دبلی اونٹنی کی تخصیص مثال کے طور پر اور غالب ہونے کی بنیاد پر ہے۔ اور وہ لوگ اس لئے آئیں گے) تا کہ اپنے (دینی مقصود اور ان کے تابع دنیاوی) فوائد کے لئے آموجود ہوں (مثلاً آخرت کے منافع یہ ہیں: حج، ثواب و حق کی رضا اور دنیاوی فائدے اس قربانی کا گوشت کھانا اور تجارت وغیرہ، اس کو ابن ابی حاتم نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے جیسا کہ الروح میں ہے، البتہ دنیاوی فائدوں کا مقصود اصلی ہونا مذموم ہے) اور (اس لئے آئیں گے) تا کہ مقررہ (یعنی قربانی کے) دنوں میں (کہ ذی الحجہ کی دسویں، گیارہویں اور بارہویں تاریخ ہے) ان خاص مویشیوں (یعنی گائے، اونٹ، بکری اور بھیڑ پر ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کئے ہیں (یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہیں اور یہ نفع دو وجہ سے ہے: ایک دنیاوی اور دوسرے اخروی۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کے خطاب کا مضمون ہو چکا جس سے حج اور قربانی کا یقیناً اس وقت بھی شریعت کا حکم ہونا معلوم ہوا) تو (اے محمد ﷺ کی امت) تمہارے لئے بھی یہ حج اور قربانی کا حکم آئندہ پورا کرنے والے حکموں سمیت جن کا ﴿ فَكُلُوْا مِنْهَا ﴾ الخ میں ذکر ہے، شریعت کا حکم ہے تو تم بھی قربانی پر بسم اللہ کہا کرو قربانی کے) ان جانوروں میں سے تم (کو) بھی (مستحب کے طور پر اجازت ہے کہ) کھایا کرو اور (مستحب یہ ہے کہ) مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلایا کرو (بلکہ مالداروں کو بھی کھلاؤ تو کچھ حرج نہیں) پھر (قربانی کے بعد)

لوگوں کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں (یعنی احرام کھول ڈالیں اور سر منڈا ڈالیں یا بال کٹا دیں اور ناخن اور لب بنوالیں) اور اپنے واجب امور کو (کہ چاہے نذر کے ذریعہ قربانی وغیرہ واجب کر لی ہو یا بغیر نذر کے شروع میں جو حج کے اعمال واجب ہیں جیسے رمی جمار یعنی جمرات پر کنکریاں مارنا جو کہ منی کے دنوں میں ہوتی ہے، ان سب کو) پورا کریں اور (انہی دنوں میں جو معلوم ہیں) اس محفوظ گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا طواف کریں (یہ طواف زیارت کہلاتا ہے جو کہ فرض ہے)

فائدہ: حاکم اور بیہقی وغیرہ نے ابن عباسؓ سے ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کا قصہ نقل کیا ہے کہ جب انہیں بیت اللہ کی تعمیر سے فراغت کے بعد یہ حکم دیا گیا تو عرض کیا کہ میری آواز کہاں تک پہنچے گی؟ حق تعالیٰ نے پہنچانے کا وعدہ فرمایا تو اس پکارنے کو سب نے سنا۔ جیسا کہ الروح میں ہے اور ﴿ فَكُلُوْا ﴾ سے ﴿ وَلْيَطَّوَّفُوْا ﴾ تک جتنے مسائل ترجمہ میں بیان کئے گئے ہیں، سب ہدایہ میں ہیں، اور ترمذی وغیرہ کی حدیث کے مطابق بیت اللہ کے محفوظ و مامون ہونے کے یہ معنی ہیں کہ جابر طاقتوں میں سے جس نے بھی اس کی بے ادبی کا ارادہ کیا وہ برباد ہوا اور اکثر کا تو حوصلہ ہی نہیں ہوا اور حضرت عبداللہ بن زبیر سے جو حجاج بن یوسف سے لڑے، ان کا مقصود بیت اللہ کی اہانت نہیں تھا۔

﴿ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ حُنَفَاۗءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاۗءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ ذٰلِكَ ۤ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: یہ بات تو ہو چکی۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کی وقعت کرے گا سو یہ اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔ اور ان ہی مخصوص چوپاؤں کو باستثناء ان کے جو تم کو پڑھ کر سنا دیئے گئے ہیں تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔ تو تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے کنارہ کش رہو اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو۔ اس طور سے کہ اللہ ہی کی طرف جھکے رہو، اور اس کے ساتھ شریک مت ٹھہراؤ، اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا اس کو ہوا نے کسی دور دراز جگہ میں لے جا پٹکا۔ یہ بات تو ہو چکی، اور جو شخص دین خداوندی کی ان یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے۔ تم کو ان سے ایک معین وقت تک فوائد حاصل کرنا جائز ہے پھر ان کے ذبح حلال ہونے کا موقع بیت عتیق کے قریب ہے۔

سابقہ احکام کا تتمہ:

یہ بات تو (جو مذکورہ مخصوص احکام سے متعلق تھی) ہو چکی اور (اب تمام احکام سے متعلق دوسری بات سن لو کہ) جو شخص

اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کی (عام اس سے کہ حج کے مذکورہ احکام ہوں یا غیر مذکورہ یا حج سے متعلق نہ ہوں تو جو شخص ان کی) عزت کرے گا (علم کے اعتبار سے بھی کہ انہیں حاصل کرے اور عمل کے اعتبار سے بھی کہ ان کی خلاف ورزی نہ کرے) تو یہ (عزت کرنا) اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے (کیونکہ ثواب کا سبب اور عذاب سے نجات دینے والا ہے) اور (اوپر جو ﴿بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ یعنی مویشیوں کے کھانے کی اجازت ہوئی ہے اس کی وجہ سے یہ نہ کہا جائے کہ احرام میں شکار تو حرام ہو جاتا ہے پھر یہ کیوں حلال ہے؟ اصل یہ ہے کہ) ان مخصوص مویشیوں کو سوائے ان (بعض) کے جو تمہیں پڑھ کر سنا دیئے گئے ہیں (وہ سورۂ انعام کی آیت ۱۴۵ میں ہے تو ان بعض کے سوا باقی مویشیوں کو) تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے (اور حلال و حرام ہونے کا مدار اللہ تعالیٰ کے حلال و حرام کرنے پر ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں حلال کر دیا تو حلال ہو گئے، پھر اس میں اشکال بے معنی ہے، لہٰذا اس صورت میں کہ ان کے حلال ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا حکم متعلق ہو چکا، ان کا حلال سمجھنا بھی اللہ کی حرمات کی تعظیم میں داخل ہے جس کا خیر ہونا اوپر بتا دیا گیا ہے، اور جب اللہ کے احکام کی تعظیم ہی میں خیر ہونا منحصر ہے) تو تم لوگ گندگی، یعنی بتوں (کو حق تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے) سے (بالکل) الگ رہو (کہ اس میں تو بڑا بھاری حکم یعنی توحید ضائع ہوتا ہے، چنانچہ مشرکوں کی عادت تھی کہ لبیک میں یہ الفاظ ملا دیتے تھے: إلا شريكا هو لك تملكه وما ملك) اور (مطلق) جھوٹی بات سے (چاہے عقائد کے بارے میں ہو جیسا کہ مشرکوں کا مذکورہ قول یا غیر عقائد میں ہو جیسے جھوٹی شہادت، سب سے الگ رہو، اس طرح کہ اللہ کی طرف جھکے رہو (اور) اس کے ساتھ (کسی کو) شریک مت ٹھہراؤ اور (شرک تو ایسی بری چیز ہے کہ) جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو (اس کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے) گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر (راستہ میں) پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا (اگر پرندوں سے بچ بھی گیا تو) اس کو ہوا نے کسی دور دراز جگہ میں لے جا کر پٹخ دیا (غرض ہر طرح ہلاک ہوا، اس طرح جو شرک کرتا ہے وہ یا تو کسی کے ہاتھ سے مارا گیا یا کسی وقت طبعی موت سے مر گیا، ہر حالت میں بربادی کی جگہ میں پہنچے گا، اور یوں بغیر ہوا کے جھوکوں کے بھی ضرور ہی گرتا لیکن اس صورت میں اور زیادہ تکلیف ہوگی، چنانچہ طبعی موت کے ساتھ (فرشتوں کے دھکے مکے اس کی طرح ہیں) یہ بات بھی (جو کہ قاعدہ کلیہ کے طور پر تھی) ہو چکی اور (اب ایک خاص بات قربانی کے جانور سے متعلق اور سن لو جو کہ ضروری ہے کہ) جو شخص اللہ کے دین کی ان یادگاروں کا (جن کا ذکر ہوا، یعنی قربانی کے جانوروں سے متعلق احکام) کا پورا لحاظ رکھے گا (چاہے وہ ذبح سے پہلے احکام ہوں جیسا کہ آگے آ رہا ہے یا ذبح کے وقت کے ہوں جیسے اس پر اللہ کا نام لینا یا ذبح کے بعد ہوں جیسے کھانا یا نہ کھانا، جو جس کے لئے شرعی طور پر ثابت ہو) تو ان کا یہ لحاظ رکھنا (اللہ تعالیٰ سے) دل کے ساتھ ڈرنے سے (حاصل) ہوتا ہے (ان) احکام میں سے آخری دو قسمیں اوپر بھی بیان ہوئی ہیں اور پہلی قسم یہ ہے کہ) تمہیں ان سے ایک معین وقت تک فائدے حاصل کرنا جائز ہے (یعنی جب تک وہ شرعی قاعدہ کے مطابق ہدی نہ بنائے جائیں، پھر ہدی بنا دینے کے بعد دودھ یا سواری یا سامان لادنا وغیرہ فائدے نہ

اٹھانے چاہئیں، سوائے اس کے کہ کوئی شدید ضرورت پیش آجائے) پھر (یعنی ہدی بننے کے بعد) اس کو ذبح کرنے کی جگہ خانہ کعبہ کے قریب ہے۔ مراد پورا حرم ہے یعنی حرم سے باہر ذبح نہ کریں)

فائدہ: ﴿ یُعَظِّمْ ﴾ کے ترجمہ میں "پوری" کی قید جس پر مقام اور تعظیم کا مادہ بھی دلالت کررہا ہے، اس لئے ظاہر کی گئی کہ کچھ ناقص ادھورا لحاظ تو خوف کے بغیر بھی ہوسکتا ہے اور آخر والی آیت کی تفسیر امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق کی گئی ہے [1]، جیسا کہ فقہ کی کتابوں ہدایہ وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

﴿ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ ۖ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمایا تھا۔ سو تمہارا معبود ایک ہی خدا ہے تو تم ہمہ تن اسی کے ہو کر رہو۔ اور آپ گردن جھکا دینے والوں کو خوش خبری سنا دیجئے جو ایسے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جو ان مصیبتوں پر کہ ان پر پڑتی ہے صبر کرتے ہیں اور جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے اللہ کی یادگار بنایا ہے ان جانوروں میں تمہارے فائدے ہیں، سو تم ان پر کھڑے کرکے اللہ کا نام لیا کرو۔ پس جب وہ کروٹ کے بل گر پڑیں تو تم خود بھی کھاؤ اور بے سوال اور سوالی کو بھی کھانے دو۔ ہم نے ان جانوروں کو اس طرح تمہارے زیر حکم کردیا تا کہ تم شکر کرو۔ اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون لیکن اس کے پاس تمہارا تقوی پہنچتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارا زیر حکم کردیا تا کہ تم اس بات پر اللہ کی بڑائی کرو کہ اس نے تم کو توفیق دی اور اخلاص والوں کو خوش خبری سنا دیجئے۔

سابقہ احکام کا دوسرا تتمہ:

اور (اوپر جو قربانی کا حرم میں ذبح کرنے کا حکم ہے، اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اصلی مقصود حرم کی تعظیم ہے بلکہ اصل مقصود

(۱) احصار میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہدی کو حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے ۱۲

اللہ کی تعظیم ہے اور اس کا قرب حاصل کرنا ہے، اور ذبح ہونے والا اور ذبح ہونے کی جگہ اس کا ایک آلہ اور ذریعہ ہے اور تخصیص بعض حکمتوں کی وجہ سے ہے اور اگر یہ تخصیص مقصود اصلی ہوتی تو کسی بھی شریعت میں نہ بدلتی، مگر ان کا بدلتا رہنا ظاہر ہے۔ البتہ اللہ سے قربت حاصل کرنا جو اصل مقصود ہے، وہ ساری شریعتوں میں محفوظ رہا، چنانچہ) ہم نے (جتنے شریعتوں والے گذرے ہیں، ان میں سے) ہر امت کے لئے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص مویشیوں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں عطا فرمائے تھے (چنانچہ اصل مقصود یہ نام لینا تھا) تو (اس سے یہ بات نکل آئی کہ) تمہارا (حقیقی) معبود ایک ہی اللہ ہے (کہ اس کے ساتھ اللہ کا ذکر کر کے سب کو قرب حاصل کرنے کا حکم ہوتا رہا ہے) تو تم پوری طرح اسی کے ہو کر رہو (یعنی خالص توحید کے ماننے والے رہو، کسی مکان وغیرہ کو اس کی ذاتی حیثیت میں عظمت والا سمجھنے کی ذرہ برابر بھی ملاوٹ اپنے عمل میں نہ ہونے دو) اور (اے محمد ﷺ جو لوگ ہماری اس تعلیم پر عمل کریں) آپ (اللہ کے احکام کے آگے ایسے گردن جھکا دینے والوں کو (جنت وغیرہ کی) خوش خبری سنا دیجئے جو (اس خالص توحید کی برکت سے) ایسے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ (کے احکام وصفات اور وعدوں وعیدوں) کا ذکر کیا جاتا ہے تو (ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جو ان مصیبتوں پر جو ان پر پڑتی ہیں، صبر کرتے ہیں اور جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے (حکم اور توفیق کے مطابق) خرچ کرتے ہیں (یعنی خالص توحید ایسی برکت والی چیز ہے کہ اس کی بدولت نفسانی بدنی و مالی کمالات حاصل ہو جاتے ہیں) اور (اسی طرح اوپر جو ﴿يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ﴾ الخ میں بعض فائدے اٹھانے کا ممنوع ہونا معلوم ہوا ہے، اس سے بھی قربانیوں کے ذاتی طور پر عظیم ہونے کا شبہ نہ کیا جائے، کیونکہ اس سے بھی اصل مقصود وہی اللہ تعالیٰ کی اور اس کے دین کی تعظیم ہے اور یہ تخصیص اس کا ایک طریقہ ہے، لہٰذا) قربانی کے اونٹ اور گائے کو (اور اسی طرح بکری اور بھیڑ کو بھی) ہم نے اللہ (کے دین) کی یادگار بنایا ہے (کہ اس سے متعلق احکام پر عمل اور عمل سے اللہ کی عظمت اور دین کی وقعت ظاہر ہوتی ہے کہ اس کے لئے نامزد چیز سے فائدہ اٹھانے میں مجازی مالک کی رائے اعتبار کے قابل نہ رہے، جس سے اس کا پورا عبد ہونا اور مالک حقیقی کا معبود ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اور دین کی تعظیم کی طرف لوٹنے والی حکمت کے علاوہ) ان جانوروں میں تمہارے (اور بھی) فائدے ہیں (جیسے دنیاوی فائدہ کھانا اور کھلانا اور آخرت کا فائدہ ثواب اور صاحب دین کی طرف لوٹنے والی حکمت ہے) اور (اس میں یہ حکمتیں ہیں تو) تم ان پر کھڑے کر کے (ذبح کرنے کے وقت) اللہ کا نام لیا کرو (یہ صرف اونٹوں کے اعتبار سے فرمایا کہ ان کا اس طرح ذبح کرنا ذبح کی آسانی کی وجہ سے اور روح نکلنے کی غرض سے بہتر ہے لہٰذا اس سے تو آخرت کا فائدہ یعنی ثواب حاصل ہوا اور اللہ کی عظمت ظاہر ہوئی کہ اس کے نام پر ایک جان قربان ہوئی جس سے اس کا خالق اور اس کا مخلوق ہونا ظاہر کر دیا گیا) لہٰذا جب وہ (کسی) کروٹ کے بل گر پڑیں (اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو تم خود بھی کھاؤ اور قناعت کرنے والوں اور حاجت پیش کرنے والوں کو بھی (کہ یہ بائس: فقیر کی دو قسمیں ہیں) کھانے کو دو (کہ یہ دنیاوی فائدہ بھی ہے اور) ہم نے ان

جانوروں کو اس طرح تمہارے تابع کر دیا (کہ تم اپنی کمزوری اور ان کی قوت کے باوجود اس طرح اس کے ذبح پر قادر (رہو گے) تا کہ تم (اس تابع کرنے پر اللہ تعالیٰ کا) شکر کرو، (یہ حکمت اس کی قربانی ہونے کی قطع نظر مطلق ذبح میں ہے اور آگے ذبح کی تخصیصوں کے ذاتی طور پر مقصود نہ ہونے کو ایک عقلی فائدے سے بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو ظاہر بات ہے کہ) اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون (اور اس کا ذاتی طور پر مقبول اور موصول ہونا تھا، لہٰذا لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی ہوگئی) لیکن اس کے پاس تمہارا تقوی (کہ اخلاص اور قربت حاصل کرنے کی نیت اس کے شعبوں میں سے ہے یقیناً) پہنچتا ہے (لہٰذا وہی اللہ کی عظمت کا مقصود ہونا ثابت ہوا اور جیسے اوپر ﴿كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا﴾ الخ میں تابع ہونے کی ایک عام حکمت یعنی قربانی ہونے کی خصوصیت سے قطع نظر کرنے کے اعتبار سے بیان ہوئی تھی آگے تابع کرنے کی ایک خاص حکمت یعنی مذکورہ خصوصیت کے لحاظ سے ارشاد فرماتے ہیں کہ) اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے تابع کر دیا کہ تم (اللہ کی راہ میں ان کی قربانی کر کے) اس بات پر اللہ کی بڑائی (بیان) کرو کہ اس نے تمہیں (اس طرح قربانی کرنے کی) توفیق دی (ورنہ اگر اللہ کی توفیق ساتھ نہ ہوتی تو یا تو ذبح ہی میں شبہات نکال کر اس عبادت سے محروم رہتے یا اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر ذبح کرنے لگتے) اور (اے محمد ﷺ) اخلاص والوں کو خوش خبری سنا دیجئے (اس سے پہلے خوش خبری اخلاص کے شعبوں پر تھی یہ خاص اخلاص پر ہے)

فائدہ: ذکر میں بدنۃ (قربانی کے اونٹ کی تخصیص غیر بدنہ کے جواز کی نفی کے لئے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ وہ افضل ہے اور اس میں ذکر کی گئی حکمتوں اور نفعوں کا زیادہ ظہور ہے، پھر ﴿صَوَآفَّ﴾ یعنی کھڑے کرنے میں اونٹ کی تخصیص اس لئے ہے کہ اس میں افضلیت اور منافع کا ظہور زیادہ ہے اور اونٹ کا اس شکل میں ذبح کرنا بہتر اور سنت کے زیادہ مطابق ہے کہ اس کا اگلا ایک پاؤں چاہے داھنا یا بایاں باندھ دیا جائے اور تین پاؤں پر کھڑا کر کے اس کو نحر کریں اور اگر ایسا نہ کیا جائے تب بھی درست ہے، کھانے اور کھلانے سے متعلق باقی مسائل اوپر کی آیتوں کے ذیل میں بیان ہو چکے ہیں۔ واللہ اعلم

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ﴾ ع ۵

ترجمہ: بلا شبہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے ہٹا دے گا، بیشک اللہ تعالیٰ کسی دغا باز کفر کرنے والے کو نہیں چاہتا۔

ربط: اوپر حج کے احکام کے ذکر سے موقع و محل کے قرینہ سے مسجد حرام سے روکنے والے کافروں کی زیادہ ملامت و مذمت مقصود معلوم ہوتی ہے جیسا کہ آیت ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ﴾ الخ کی تمہید میں اس کا بیان گذر چکا ہے، ایسے موقع پر کہ جب منع کرنے والے کافروں کے غلبہ سے متعلق یہ احکام سن کر مسلمانوں کو خیال ہو سکتا ہے کہ موجودہ حالت میں ہمیں ان احکام پر عمل کرنا کہاں نصیب ہوگا؟ وہاں تک رسائی تو ہے ہی نہیں، اس لئے اب مسلمانوں سے پیشین گوئی کے طور پر ایک تسلی بھرا وعدہ فرماتے ہیں جس میں کفار کے لئے ایک وعید بھی ہے۔

مؤمنوں کی مدد کا وعدہ اور مشرکوں کی رسوائی کی وعید:

بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان مشرکوں کے غلبہ اور تکلیف پہنچانے کی قدرت کو) ایمان والوں سے (جلدی ہی) ہٹادے گا (کہ پھر حج وغیرہ سے روک ہی نہ سکیں گے) بیشک اللہ تعالیٰ کسی دغاباز کفر کرنے والے کو نہیں چاہتا (بلکہ ایسوں سے ناراض ہے، اس لئے انجام کاران کو مغلوب اور مخلص مؤمنوں کو غالب کردے گا)

فائدہ: اس مدد کا طریقہ اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

﴿ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝ ﴾

ترجمہ: لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دیدی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے، اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے غالب کردینے پر پوری قدرت رکھتا ہے، جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک دوسرے سے زور نہ گھٹا تا رہتا تو نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہوگئے ہوتے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو کہ اللہ کی مدد کرے گا، بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا غلبہ والا ہے۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

ربط: اوپر مؤمنوں کی مدد کا وعدہ تھا، اب اس مدد کے طریقہ کا بیان ہے جس میں جہاد کی اجازت اور اس پر مدد کے وعدہ کا ذکر ہے اور اس کے باوجود کہ اگلی آیت حدیبیہ کے واقعہ سے پہلے نازل ہوئی ہے، کیونکہ یہ جہاد کی آیتوں میں سب سے پہلی آیت ہے، جیسا کہ حاکم نے مستدرک میں ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے جیسا کہ الروح میں ہے۔ اور حدیبیہ کا واقعہ کئی غزوات کے بعد ہوا ہے، لیکن تلاوت کی ترتیب میں جو کہ توقیفی یعنی اللہ کی مقرر کی ہوئی ہے، اس آیت کا یہاں ہونا مذکورہ ربط کا تقاضا کرتا ہے۔ ربط کا بیان یہ ہوگا کہ اس مدد کا طریقہ یہ ہے کہ جہاد کی اجازت ہو ہی چکی ہے جس پر مدد کا وعدہ کیا گیا ہے، لہٰذا جب اس کا وقت آئے گا اسی جہاد کے ذریعہ تم ان پر غالب آجاؤ گے اور اس مدد کا بھی ظہور ہو جائے گا۔ اور

اس کے ساتھ جہاد کی علت اور حکمت اور جہاد میں اخلاص کی غلبہ پر خوش خبری اور جن سے وعدہ کیا گیا ہے، ان کی فضیلت کے بھی مضامین ہیں۔

جہاد کی اجازت اور اس سے متعلق مضامین:

(اگر چہ اب تک کچھ مصلحتوں کی وجہ سے کافروں سے لڑنے کی ممانعت تھی، لیکن اب) لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دے دی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے۔ اس وجہ سے کہ ان پر (بہت) ظلم کیا گیا ہے (یہ شرعی طور پر جہاد کی اجازت کی علت ہے) اور (اجازت کی اس حالت میں مسلمانوں کی تعداد کی کمی اور کافروں کی تعداد کی زیادتی پر نظر نہیں کرنی چاہئے کیونکہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو غالب کردینے پر پوری قدرت رکھتا ہے (آگے ان کی مظلومیت کا بیان ہے کہ) جو (بے چارے) اپنے گھروں سے بلا وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے (یعنی توحید پر کافروں کا یہ تمام تر غیظ وغضب تھا کہ انہیں اس قدر پریشان کیا کہ وطن چھوڑنا پڑا۔ آگے جہاد کی حکمت ہے) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ (ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دوسرے (کے ہاتھ) سے زور نہ گھٹاتا رہتا (یعنی اہل حق کو اہل باطل پر وقتاً فوقتاً غالب نہ کرتا رہتا) تو (اپنے اپنے زمانوں میں) عیسائیوں کی خانقاہیں اور عبادت خانے اور یہود کی عبادت گاہیں اور مسلمانوں کی) وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے سب مسمار (اور ناپید) ہوگئے ہوتے (آگے جہاد میں اخلاص پر غلبہ کی خوش خبری ہے) اور بے شک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو کہ اللہ (کے دین) کی مدد کرے گا (یعنی اس کے لڑنے میں خالص اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی نیت ہو) بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) غلبہ والا ہے (وہ جس کو چاہے قوت اور غلبہ دے سکتا ہے۔ آگے جن کو خوش خبری دی گئی، ان کی فضیلت ہے) یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ خود بھی نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے (لہٰذا مسلمانوں کی موجودہ حالت کو دیکھ کر یہ کیسے کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کا انجام بھی وہی رہے گا، بلکہ ممکن ہے کہ اس سے الٹا ہو جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی)

فائدہ: ﴿ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ﴾ کی علت ہونے سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جو کافر ظالم نہ ہوں مگر اسلام کے فرماں بردار بھی نہ ہوں، ان سے جنگ نہیں کی جائے گی، اصل یہ ہے کہ اس علت میں انحصار کی کوئی دلیل نہیں بلکہ ﴿ یَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ﴾ کو مقصد قرار دینے سے دوسری علت یہ بھی معلوم ہوئی کہ کوئی کافر اسلام کا فرماں بردار نہ ہو۔ اور اس میں راز یہ ہے کہ یہ حالت پھر کسی وقت اہل حق پر ظلم کرنے تک پہنچ جائے گی، لہٰذا جس طرح مظلومیت اس وقت علت ہے اسی طرح وہ قریبی علت بھی ہے اور ﴿ لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ ﴾ الخ کے حکمت ہونے سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ کبھی کبھی اہل حق بھی مغلوب ہوتے ہیں، اصل یہ ہے کہ اتنا غلبہ جس میں حق غائب نہ ہو حکمت کے ساتھ مقصود ہے تو یہ حاصل رہا ہے اور ﴿ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ ﴾ الخ سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہ سب عبادت گاہیں حق تعالیٰ کے نزدیک اب بھی مقبول ہیں۔ اصل یہ ہے کہ

اپنے اپنے زمانہ میں مشروعیت ومقصودیت ملت ہیں ملت کوشریعت کی اجازت اور مقصود ہونا ہے۔ان کا مطلب ہونا مقصود ہے جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے اور ﴿ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ ﴾ الخ سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ بعض اوقات حق کے مددگار بھی مغلوب ہوتے ہیں، اصل یہ ہے کہ الٹ پلٹ ہوجانے کے بعد ثابت قدمی کی شرط کے ساتھ آخر کار غلبہ حق کے مددگاروں کو ہی ہوتا ہے، جیسا کہ صحیح حدیث میں بھی ہے۔جس میں ہرقل کی حکایت بیان ہوئی ہے اور ﴿ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾ میں بھی اس طرف لطیف اشارہ ہے اور ہر کام میں انجام ہی کا اعتبار ہے جیسا کہ علاج کے دوران مریض کی مختلف حالتیں ہیں، لیکن اگر انجام صحت ہے تو علاج کو نفع بخش کہیں گے اور آخری آیت سے جس میں قضیہ شرطیہ ہے صحابہ کی فضیلت اور خلفائے راشدین کا حق ہونا ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس شرطیہ کے پہلے حصہ کا واقع ہونا متواتر خبروں سے ثابت ہے، اور اس کا لازم ہونا بعد والے حصہ کے لئے قطعی نص سے تحقیقی طور پر ثابت ہے۔چنانچہ ان حضرات کا کامل مکمل ہونا ثابت ہوگیا، اب اس پر یہ شبہ نہ رہا کہ شرط کی سچائی پہلے والے امر کے واقع ہونے کا تقاضہ نہیں کرتی۔اور عیسائیوں کی دو عبادت گاہوں کا ذکر اس لئے کیا کہ ان میں درویشی کی رسم بھی جاری تھی، لہٰذا ان کا خاص خلوت کا عبادت خانہ صومعہ ہے اور عام عبادت خانہ جس کو گرجا گھر کہتے ہیں وہ بیعہ ہے۔

﴿ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۝ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۝ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ ﴾

ع ۱۲

ترجمہ: اور یہ لوگ اگر آپ کی تکذیب کرتے ہوں تو ان لوگوں سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور قوم لوط اور اہل مدین بھی تکذیب کر چکے ہیں۔اور موسیٰ کو بھی کاذب قرار دیا گیا، سو میں نے کافروں کو مہلت دی اور پھر میں نے ان کو پکڑ لیا سو میرا عذاب کیسا ہوا۔غرض کتنی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کیا جن کی یہ حالت تھی کہ وہ نافرمانی کرتی

تھیں سو وہ چھتوں پر گری پڑی ہیں۔ اور بہت سے بے کار کنویں اور بہت سے قلعی چونے کے محل۔ سو کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں جس سے ان کے دل ایسے ہوجاویں کہ اس سے سمجھنے لگیں یا ان کے کان ایسے ہوجاویں جس سے وہ سننے لگیں۔ بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوجایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوجایا کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنا وعدہ خلاف نہ کرے گا، اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن برابر ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کے شمار کے موافق۔ اور بہت سی بستیاں ہیں جن کو میں نے مہلت دی تھی اور وہ نافرمانی کرتی تھیں پھر میں نے ان کو پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹنا ہوگا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تو صرف تمہارے لئے ایک آشکارا ڈرانے والا ہوں۔ سو جو لوگ ایمان لے آئے اور اچھے کام کرنے لگے ان کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے اور جو لوگ ہماری آیتوں کے متعلق کوشش کرتے رہتے ہیں ہرانے کے لئے ایسے لوگ دوزخ والے ہیں۔

ربط: اوپر آیت ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ﴾ الخ کا ربط آیت ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ﴾ الخ سے بیان کیا گیا ہے اور اسی سلسلہ سے یہاں تک مضمون چلا آیا ہے، چونکہ جھگڑنے سے کافروں کا مقصود آپ کو جھٹلانا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے رنج و تکلیف کا سبب بنتا تھا، اس لئے اب اس پر آپ کی تسلی فرماتے ہیں اور چونکہ جھگڑنے کے ذکر میں جھگڑنے والے کو ﴿عَذَابِ السَّعِیْرِ﴾ اور ﴿عَذَابَ الْحَرِیْقِ﴾ کی وعید فرمائی گئی تھی اور کافر اس عذاب کے جلدی نہ آنے کو اپنے حق پر ہونے کی اور نعوذ باللہ آپ کے نبوت کے دعوی میں ناحق ہونے کی دلیل قرار دیتے ہیں، اس لئے تسلی کے بعد ان کے شبہات کا بھی جواب ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو تسلی اور جاہل کافروں کے شبہات کے جواب:

اور یہ (جھگڑا کرنے والے) لوگ (نبوت کے معاملہ میں) آپ کو جھٹلاتے ہوں تو (آپ غم نہ کیجئے، کیونکہ) ان لوگوں سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم اور مدین والے بھی (اپنے اپنے نبیوں علیہم السلام کو) جھٹلا چکے ہیں اور موسیٰ (علیہ السلام) کو بھی (قبطی قوم کی طرف سے) جھوٹا قرار دیا گیا (تو جھٹلانے کے بعد) میں نے (ان) کافروں کو (جنھوں نے جھٹلایا تھا کچھ) مہلت دی (جیسے انہیں مہلت دے رکھی ہے) پھر میں نے ان کو (عذاب میں) پکڑ لیا تو (دیکھو) میرا عذاب کیسا ہوا۔ غرض کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے (عذاب سے) ہلاک کیا، جن کی یہ حالت تھی کہ وہ نافرمانی کرتی تھیں تو (اب ان کی حالت یہ ہے کہ) وہ اپنی چھتوں پر (گری پڑی ہیں (مراد یہ ہے کہ وہ ویران ہیں، کیونکہ عام حالات میں پہلے چھت گرتی ہے پھر اس پر دیواریں آپڑتی ہیں) اور (اس طرح ان بستیوں میں) بہت سے بے کار کنویں (جو پہلے آباد تھے) اور بہت سے پختہ محل (جو اب ٹوٹ پھوٹ کر بے کار کھنڈر ہوگئے، یہ سب ان بستیوں کے ساتھ تباہ ہوئے پھر اسی طرح وقت موعود پر یعنی جس وقت کا وعدہ کیا گیا تھا ان لوگوں کو عذاب ہوگا) تو کیا یہ

(منکر) لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں ہیں جس سے ان کے دل ایسے ہوجائیں کہ ان سے سمجھنے لگیں یا ان کے کان ایسے ہوجائیں جن سے سننے لگیں، بات یہ ہے کہ (نہ سمجھنے والوں کی کچھ) آنکھیں اندھی نہیں ہوجایا کرتیں، بلکہ جو سینوں میں دل ہیں وہ اندھے ہوجایا کرتے ہیں (تو ان کے بھی وہی دل اندھے ہورہے ہیں ورنہ جن امتوں کا ذکر ہوا ان کی حالت سے سمجھ لیتے کہ واقعی کفر، حق تعالیٰ کا ناپسندیدہ ہے، اسی وجہ سے تو عذاب آیا) اور یہ لوگ (نبوت میں شبہ کرنے کے لئے) آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں (اور اس کے جلدی نہ آنے سے، اس کے واقع نہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں) حالانکہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا (یعنی وعدہ کے وقت ضرور عذاب واقع ہوگا، لہٰذا وہ استدلال غلط ہے) اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن (جس میں عذاب واقع ہوگا یعنی قیامت کا دن، اپنے لمبا ہونے میں یا اپنی شدت میں) تم لوگوں کی گنتی کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہے (تو عجیب بے وقوف ہیں کہ ایسی مصیبت کا تقاضا کرتے ہیں) اور (مذکورہ جواب کا خلاصہ دوبارہ سن لو کہ) بہت سی بستیاں ہیں جن کو میں نے (ان کی طرح) مہلت دی تھی اور وہ (انہی کی طرح) نافرمانی (کی باتیں) کرتی تھیں (یعنی وہ بھی جلد بازی کرتے اور مذاق اڑاتے تھے) پھر میں نے ان کو (عذاب میں) پکڑ لیا اور سب کو میری ہی طرف لوٹنا ہوگا (اس وقت کفر کی پوری سزا ہوگی اور) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اے لوگو! (اس مذکورہ عذاب کے واقع کرنے میں میرا کوئی دخل و اختیار نہیں ہے، نہ کبھی میں نے اس کا دعویٰ کیا کہ اس کے واقع نہ ہونے سے مجھے جھوٹا کہا جائے) میں تو صرف تمہارے لئے ایک کھلا ڈرانے والا ہوں تو جو لوگ (اس ڈر کو سن کر) ایمان لے آئے اور اچھے کام کرنے لگے، ان کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے اور جو لوگ ہماری آیتوں (کو باطل قرار دینے اور نبی کو اور اہل ایمان) کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں ایسے لوگ جہنم میں رہنے) والے ہیں (لہٰذا یہ میرا دعویٰ ہے اور میرے پاس اس کی دلیلیں ہیں اور عذاب سے ڈرانا میرا منصبی فریضہ ہے اس کا وقوع اپنے وقت پر اللہ تعالیٰ کے اختیار سے ہوگا، اس کے واقع ہونے سے میرا کوئی تعلق نہیں جو مجھ سے درخواست کرتے ہو)

فائدہ: قیامت کے دن کے خاصا لمبا ہونے کے بارے میں عقل کے لحاظ سے دو احتمال بیان کئے گئے، اس کا لمبا ہونا یا سخت و شدید ہونا، مگر حدیث سے پہلا احتمال متعین معلوم ہوتا ہے یعنی اس کی واقعی لمبائی ایک ہزار سال کی ہوگی، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إني لأرجو أن لا تعجز أمتي عند ربها ان يؤخرهم نصف يوم قيل لسعد وكم نصف يوم قال خمس مائة سنة**: ابوداؤد، مشکوٰۃ باب **قرب الساعة**۔ اور سورۂ معارج میں جو اس کی مقدار پچاس ہزار سال فرمائی گئی ہے تو وہ مقدار بھی واقعی اس طرح ہوسکتی ہے کہ یہ فرق آفاق کے اختلاف کے اعتبار سے ہو۔ جس طرح اب معدل النہار یعنی جب دن اور رات برابر ہوتے ہیں، کہ حرکت کہیں دولابی ہوتی ہے، کہیں حمائلی اور کہیں رحوی اور اس وجہ سے خط استوا ہر ایک یوم بلیلہ یعنی دن و رات چوبیس گھنٹہ کا ہوتا ہے جبکہ عرض تسعین پر ایک سال کا اور ان دونوں کے درمیان مختلف مقداروں پر فرق ہوتا چلا جاتا ہے، اسی طرح ممکن ہے کہ سورج کی

پہلی حرکت جو معدل النہار کے ساتھ ہے عادت کے خلاف اس قدر سست ہو کہ ایک افق پر ایک ہزار سال کا ایک دن ہو اور جو افق اس سے پچاس حصہ دور ہو، اس پر پچاس ہزار برس کا ہو اور درمیان میں اسی نسبت سے فرق ہو۔ آیتوں میں صرف سب سے کم اور سب سے زیادہ بتادیا گیا ہو اور درمیان والوں کو قیاس واندازہ پر چھوڑ دیا گیا ہو اور جن آفاق میں پچاس حصہ سے زیادہ فرق ہو ممکن ہے کہ وہ اہل محشر سے خالی ہوں۔ واللہ اعلم

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۙ﴿٥٢﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٤﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿٥٥﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٥٦﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٥٧﴾﴾ ع

ترجمہ: اور ہم نے آپ کے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے کچھ پڑھا شیطان نے اس کے پڑھنے میں شبہ ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو نیست و نابود کر دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ خوب علم والا خوب حکمت والا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ایسے لوگوں کے لئے آزمائش بنادے جن کے دل میں مرض ہے اور جن کے دل سخت ہیں۔ اور واقعی ظالم لوگ بڑی مخالفت میں ہیں۔ اور تاکہ جن لوگوں کو فہم عطا ہوا ہے وہ اس امر کا زیادہ یقین کر لیں کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے، سو ایمان پر زیادہ قائم ہو جاویں پھر اس کی طرف ان کے دل اور بھی جھک جاویں اور واقعی ان ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی راہِ راست دکھلاتا ہے۔ اور کافر لوگ ہمیشہ اس کی طرف سے شک ہی میں رہیں گے یہاں تک کہ ان پر دفعۃً قیامت آجاوے یا ان پر کسی بے برکت دن کا عذاب آپہنچے۔ بادشاہی اس روز اللہ ہی کی ہوگی وہ ان سب کے درمیان فیصلہ فرماوے گا۔ سو جو لوگ ایمان لائے ہونگے اور اچھے کام کئے ہونگے وہ چین کے باغوں میں ہونگے اور جنھوں نے کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا تو ان کے لئے ذلت کا عذاب ہوگا۔

ربط: اوپر شیطان انسانوں کے لڑائی جھگڑے اور آیتوں کو باطل کرنے کی کوشش کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے حق اور اہل حق کی مدد کے واقع ہونے کا ذکر تھا۔ اب شیطان جنات کے بہکانے، گمراہ کرنے اور آیتوں میں وسوسہ

کے مقابلہ میں جو کہ مذکورہ جھگڑے کا اصل منشا ہے حق کی نصرت کا واقع ہونا اور فریب کا دور ہونا اور اس کے ذیل میں حق کے قبول کرنے والوں کی جزا اور قبول نہ کرنے والوں کی سزا کا ذکر ہے۔

باطل کا فنا کرنا اور حق کا باقی رکھنا اور اہل حق و اہل باطل کی جزا و سزا:

اور (اے محمد ﷺ یہ لوگ جو شیطانوں کے بہکانے سے آپ سے جھگڑا کرتے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ) ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے (اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے) کچھ پڑھا شیطانوں نے اس کے پڑھنے میں (کافروں کے دلوں میں) شبہ (اور اعتراض) ڈالا اور کافر اپنی شبہات اور اعتراضات کو پیش کر کے نبیوں سے جھگڑا کیا کرتے تھے، جیسا کہ دوسری آیتوں میں ارشاد ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ﴾ ﴿ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو (قطعی جوابوں اور روشن و واضح دلیلوں سے) بے نام و نشان کر دیتا ہے (جیسا کہ ظاہر ہے کہ صحیح جواب کے بعد اعتراض دور ہو جاتا ہے) پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں (کے مضمونوں) کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے (اگرچہ وہ اپنے آپ میں بھی مضبوط تھیں، لیکن اعتراضوں کے جواب سے وہ مضبوطی اور زیادہ ظاہر ہوگئی اور اللہ تعالیٰ (ان اعتراضوں کے متعلق) خوب علم والا ہے (اور ان کے جواب کی تعلیم میں) خوب حکمت والا ہے (اور یہ سارا قصہ اس لئے کیا ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ایسے لوگوں کے لئے آزمائش (کا ذریعہ) بنادے جن کے دل میں (شک کا) مرض ہے اور جن کے دل (بالکل ہی) سخت ہیں (کہ وہ شک سے بڑھ کر باطل کا یقین کئے ہوئے ہیں تو ان کی آزائش ہوتی ہے کہ دیکھیں جواب کے بعد بھی شبہات کا اتباع کرتے ہیں یا جواب کو سمجھ کر حق کو قبول کرتے ہیں؟) اور واقعی (یہ) ظالم لوگ (یعنی اہل شک بھی اور باطل پر یقین کرنے والے بھی) بڑی مخالفت میں ہیں (کہ حق کو واضح ہونے کے باوجود محض عناد و دشمنی کے سبب قبول نہیں کرتے۔ شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا اختیار تو اس لئے دیا گیا تھا کہ آزمائش ہو) اور (ان شبہات کو صحیح جوابوں اور ہدایت کے نور سے باطل اس لئے کیا جاتا ہے) تاکہ جن لوگوں کو (صحیح) سمجھ عطا ہوئی ہے، وہ (ان جوابوں اور ہدایت کے نور سے) اس امر کا زیادہ یقین کرلیں کہ یہ (جو نبی نے پڑھا ہے، وہ) آپ کے رب کی طرف سے حق ہے۔ تو ایمان پر زیادہ قائم ہو جائیں پھر (زیادہ یقین کی برکت سے) اس (پر عمل کرنے) کی طرف ان کے دل اور بھی جھک جائیں اور واقعی ان ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے (پھر بھی انہیں ہدایت کیوں نہ ہو؟ یہ تو ایمان والوں کی حالت ہوئی) اور (رہ گئے) کافر لوگ (تو وہ) ہمیشہ اس (پڑھے ہوئے حکم) کی طرف سے شک ہی میں رہیں گے (جو ان کے دل میں شیطان نے ڈالا تھا) یہاں تک کہ ان پر اچانک قیامت آجائے (جس کی ہولناکی ہی کافی ہے، چاہے عذاب نہ بھی ہو) یا (اس سے بڑھ کر یہ کہ) ان پر کسی بے برکت دن کا (جو کہ قیامت کا دن ہے) عذاب آپہنچے (اور دونوں کا جمع ہونا جو کہ واقع میں

ہوا اور بھی زیادہ شدید مصیبت ہے۔ مطلب یہ کہ یہ عذاب کو دیکھے بغیر کفر سے باز نہ آئیں گے، مگر اس وقت کوئی فائدہ نہیں ہوگا) بادشاہی اس دن اللہ ہی کی ہوگی، وہ ان سب کے درمیان (جن کا ذکر ہوا، عملی فیصلہ فرمادے گا) تو جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور انھوں نے اچھے کام کیے ہوں گے، وہ چین کے باغوں میں ہوں گے اور جنھوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا تو ان کے لئے ذلت کا عذاب ہوگا (وہ فیصلہ یہ ہوگا)

فائدہ: رسول اور نبی کے معنی کی تحقیق سورۂ مریم آیت ۵۱ کی تفسیر میں گذر چکی ہے اور بعض کتابوں میں ان آیتوں سے متعلق ایک قصہ لکھا ہے جس میں تلک الغرانیق کا ذکر آیا ہے، وہ بیہقی، قاضی عیاض، محمد بن اسحاق و شیخ ابو المنصور ماتریدی کی تصریح کے ساتھ روح کی نقل کے مطابق غیر ثابت، بے سند اور زندیقوں کا گھڑا ہوا موضوع ہے اور جن لوگوں نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، وہ کسی بھی طرح ذکر کے قابل نہیں اور فرض کیجئے ثابت بھی ہوتا تو بھی آیت کی تفسیر اس پر موقوف نہیں اور خود اس کی تاویل واجب ہے۔

﴿وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑا پھر وہ لوگ قتل کئے گئے یا مر گئے اللہ تعالیٰ ان کو ضرور ایک عمدہ رزق دے گا۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب دینے والوں سے اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی جگہ لے جا کر داخل کرے گا جس کو وہ پسند کریں گے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے، بہت حلم والا ہے۔

ربط: اوپر ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ﴾ الخ میں جہاد کی اجازت اور مدد کی خوش خبری اور ﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا﴾ میں مظلوم مؤمنوں کی ہجرت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہاں تک اسی سلسلہ میں مضمون چلا آیا ہے چونکہ ہجرت اور جہاد کے دوران میں بعض کو قتل یا طبعی موت کی بھی نوبت آتی ہے، اس کے باوجود وہ مدد کے وعدہ کے منافی اس لئے نہیں کہ منصوریت قوم کی صفت ہوتی ہے نہ کہ قوم کے ہر ہر فرد کی، پھر بھی یہ موت اور قتل جس کا اوپر ذکر ہوا، اس میت یا مقتول کی حسرت کا گمان ہوسکتا ہے کہ ہمیں اس وعدہ کو پورا ہوتے دیکھنے کا موقع نہ ملا، اس لئے اب ان مقتولوں یا مرنے والوں کو اس مدد کی خوش خبری سے بڑھ کر دوسری خوش خبری سناتے ہیں۔

مہاجروں کو آخرت کی نعمتوں کی خوش خبری:

اور جن لوگوں نے اللہ کے راستہ میں (یعنی دین کے لئے) اپنا وطن چھوڑا (جن کا ذکر اوپر کی آیت میں بھی اسی عنوان سے ہو چکا ہے ﴿اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾) پھر وہ لوگ (کافروں کے مقابلہ میں) قتل کئے گئے یا (ویسے ہی طبعی موت سے) مر گئے (وہ ناکام نہیں ہیں چاہے دنیا میں انہیں کامیابی اور غنیمت کے مال نہیں ملے، مگر آخرت میں)

اللہ تعالیٰ ان کو ضرور ایک عمدہ رزق دے گا (یعنی جنت کے میوے اور اللہ کا دیدار) اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب دینے والوں سے اچھا دینے والا) ہے (اور اچھے رزق کے ساتھ) اللہ تعالیٰ انہیں (رہنے کا مقام بھی اچھا دے گا اور انہیں) ایسی جگہ لے جا کر داخل کرے گا جس کو وہ (بہت ہی) پسند کریں گے اور (رہی یہ بات کہ بعض مہاجر موت کی صورت میں اس طرح ناکام ہی کیوں رہے اور قتل کی صورت میں کافر، قاتل بننے سے پہلے اللہ کے قہر سے ہلاک کیوں نہیں ہو گیا کہ مؤمن کے قتل کی نوبت ہی نہ آتی؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ہر بات کی حکمت و مصلحت کو) خوب جاننے والا ہے (لہٰذا اس ظاہری ناکامی میں بھی بہت سی مصلحتیں ہیں۔ اور) غصہ کو بہت برداشت کرنے والا بھی) ہے (اس لئے اپنے دشمنوں کو جلدی ہی سزا نہیں دے دیتا)

﴿ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ ﴾

ترجمہ: یہ ہو چکا اور جو شخص اسی قدر تکلیف پہنچاوے جس قدر اس کو پہنچائی گئی تھی، پھر اس شخص پر زیادتی کی جاوے اللہ تعالیٰ اس شخص کی ضرور امداد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کثیر العفو کثیر المغفرت ہے۔

ربط: مظلوم پر ظلم دو طرح ہوا کرتا ہے: ایک یہ کہ شروع ہی میں ظلم کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ وہ مظلوم اس ابتدائی ظلم کا انتقام لے لے اور اس انتقام کی وجہ سے پھر اس کو ایذا پہنچائی جائے۔ اس کے باوجود کہ اوپر مظلوم کی مدد کے لئے جس وعدہ کا ذکر کیا گیا ہے اس میں دونوں صورتیں شامل ہیں، لیکن دوسری قسم کا ظلم ہونا مظلوم کی طرف سے سزا کے پہلے ہونے کے سبب پہلی قسم کی طرح ظاہر نہ تھا اور اس وجہ سے مذکورہ وعدہ کے شامل نہ ہونے کا خیال ہو سکتا تھا، اس لئے اب تصریح کے ساتھ اس قسم پر بھی مدد کا وعدہ فرماتے ہیں اور شبہ کے منشا یعنی مذکورہ ظلم کے پہلے ہونے کا جواب ظاہر ہے، کیونکہ وہ اذیت ظالم کی طرف سے اذیت پہلے دیئے جانے کی وجہ سے اذیت نہ ہونے کی طرح ہے۔ لہٰذا یہ دوبارہ کا ظلم ابتداءً ظلم ہی کی طرح ہوا۔

انتقام کے بعد زیادتی پر مدد کا وعدہ:

یہ (مضمون تو) ہو چکا اور (آگے اور سنو کہ) جو شخص (دشمن کو) اسی قدر تکلیف پہنچائے جس قدر (اس دشمن کی طرف سے) اس کو تکلیف پہنچائی گئی تھی (اور) پھر (اس کے برابر ہو جانے کے بعد اس دشمن کی طرف سے) اس شخص پر زیادتی کی جائے (چنانچہ کافروں سے ایسا معاملہ بھی ہوتا تھا) اللہ تعالیٰ اس شخص کی ضرور مدد کرے گا (اگر یہ شخص بدلا لینا چاہے تو دنیا میں شرعی مدد یقینی ہے یعنی انتقام کی اجازت اور اگر بدلا نہ لے تو آخرت میں حسی مدد ضروری ہے یعنی ظالم کو عذاب دینا اور یہ جو اوپر قید لگائی گئی ﴿ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ ﴾ الخ یعنی جیسی اس کو اذیت دی گئی تو اس برابری کی رعایت مظلوم کے اجتہاد پر ہے جس میں اس نے ممکن طور پر اپنی کوشش متوجہ کی ہو، اور اگر اس پر بھی برابری میں کچھ زیادتی ہو جائے جو انتہائی باریکی،

پوشیدگی کی وجہ سے قابو واختیار میں نہ آسکے تو وہ گرفت کا سبب اور مدد کے وعدہ میں خلل ڈالنے والی نہیں، بلکہ معاف ہے، کیونکہ)اللہ تعالیٰ بہت زیادہ معاف کرنے والا اور بہت زیادہ بخشنے والا ہے(ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر پکڑ نہیں کرتا)

فائدہ: یہ برابری کی رعایت کا واجب ہونا معاشرت یعنی ساتھ رہنے سہنے کے معاملوں میں ہے نہ کہ جہاد میں۔ چنانچہ شرعی دلیلوں سے یہ امر ظاہر اور مشہور ہے اور جو افعال ہر حال میں معصیت ہیں، وہ اس عام حکم سے مستثنٰی یعنی الگ ہیں، جیسے کوئی کسی کے والدین کو برا کہے تو بدلہ میں اس کے والدین کو برا کہنا جائز نہ ہوگا۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ ۢ بَصِيْرٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۭ وَيُمْسِكُ السَّمَاۗءَ اَنْ تَقَعَ عَلَي الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۝﴾ ع ۹

ترجمہ: یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔ اور اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ ہستی میں کامل ہے۔ اور جن لوگوں کی اللہ کے سوا یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں وہ بالکل ہی لچر ہیں اور اللہ ہی عالیشان اور بڑا ہے۔ کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا جس سے زمین سرسبز ہوگئی۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت مہربان سب باتوں کی خبر رکھنے والا ہے۔ سب اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور بیشک اللہ ہی ایسا ہے جو کسی کا محتاج نہیں، ہر طرح کی تعریف کے لائق ہے، کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے کام میں لگا رکھا ہے زمین کی چیزوں کو اور کشتی کو کہ وہ دریا میں اس کے حکم سے چلتی ہے۔ اور وہی آسمانوں کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے، ہاں مگر اسی کا حکم ہو جاوے تو خیر۔ بالیقین اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑی شفقت اور رحمت فرمانے والا ہے۔ اور وہی ہے جس نے تم کو زندگی دی پھر تم کو موت دے گا پھر زندہ کرے گا۔ واقعی انسان ہے بڑا بے قدر۔

ربط: اوپر مؤمنوں کے غالب اور کافروں کے مغلوب ہونے کا بیان تھا، چونکہ مسلمانوں کی موجودہ بے سروسامانی اور کافروں کی عدد اور عداوت یعنی دشمنی میں کثرت پر نظر کرنے سے اس میں ایک طرح کی دشواری معلوم ہوتی تھی، اس لئے آگے ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ﴾ الخ میں اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرماتے ہیں اور چونکہ جاہل کافروں کو اس مقام پر

اپنے معبودوں کے مددگار ہونے کا وہم ہو سکتا تھا، اس لئے ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ ﴾ الخ میں ان کا بے کار و ناکارہ ہونا بیان فرماتے ہیں اور چونکہ اس مضمون میں ذاتی، صفاتی اور افعالی توحید شامل تھی اور گفتگو کا رخ مشرکوں کی طرف تھا جو کہ شرک میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اللہ کی نعمتوں کا جان بوجھ کر انکار کرتے تھے، اس لئے ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ ﴾ سے ﴿لَكَفُوْرٌ ﴾ تک اس مضمون کی کچھ تفصیل بیان فرماتے ہیں۔

حق تعالیٰ کی قدرت وعظمت اور نعمتوں کا بیان:

یہ (مؤمنوں کا غالب کر دینا) اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ (کی قدرت بڑی کامل ہے، چنانچہ وہ) رات (کے حصوں) کو دن میں اور دن (کے حصوں) کو رات میں داخل کر دیتا ہے (اور یہ انقلاب اس انقلاب کے مقابلہ میں، جس کا وعدہ کیا گیا ہے، بہت زیادہ عجیب ہے) اور اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ (ان سب کے اقوال واحوال کو) خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے (چنانچہ کافروں کے قول اور فعل کے اعتبار سے ظالم ہونے کو اور مؤمنوں کے مظلوم ہونے کو سنتا اور دیکھتا ہے۔ لہٰذا اطلاع اور قدرت دونوں کا مجموعہ مدد کا سبب ہو گیا۔ اور یہ (مدد) اس سبب سے (یقینی) ہے کہ (اس میں کوئی اللہ تعالیٰ سے ٹکرا نہیں سکتا، مقابلہ نہیں کر سکتا، کیونکہ) اللہ ہی ہستی میں کامل (ہے اور ایسی ہستی ہے جس کا وجود واجب اور لازم ہے) اور یہ لوگ اللہ کے سوا جن چیزوں کی عبادت کر رہے ہیں، وہ بالکل ہی بے کار ہیں) کیونکہ اول تو ان کا وجود واجب ولازم نہیں، محض ممکن ہے اور ہمیشہ سے ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ پیدا کی ہوئی مخلوق ہے اور دوسرے قدرت میں عاجز اور ضعیف ہیں تو یہ کیا مقابلہ کر سکتے ہیں؟) اور اللہ ہی عالی شان والا اور بڑا ہے) اور اے مخاطب! اس مضمون میں غور وفکر کر کے توحید کی حقیقت اور شرک کے باطل ہونے کو سمجھنا چاہئے اور اس کے علاوہ حق تعالیٰ کے اور بھی کمال اور نعمتیں ہیں، جن سے توحید اور شکر کے واجب ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ہم بیان کرتے ہیں کہ) کیا تمہیں یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا جس سے زمین ہری بھری ہو گئی، بیشک اللہ تعالیٰ بہت مہربان (اور) سب باتوں کی خبر رکھنے والا ہے (اس لئے اپنے بندوں کی ضرورتوں سے باخبر ہے، اور ان کے لئے جو مہربانی مناسب ہوتی ہے وہ فرماتا ہے) سب اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (یعنی وہ سب کا مالک ہے) اور بیشک اللہ ہی ایسا ہے جو کسی کا محتاج نہیں (اور) ہر طرح کی تعریف کے لائق ہے (اور اے مخاطب!) کیا تمہیں یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے کاموں میں لگا رکھا ہے زمین کی چیزوں کو اور کشتی کو (بھی) جو کہ دریا میں اس (اللہ) کے حکم سے چلتی ہے اور وہی آسمانوں کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے، سوائے اس کے کہ اس کا حکم ہو جائے (کہ پھر تو ضرور ہی گر پڑے، مگر اس کے باوجود کہ بندوں کے اعمال کا یہ تقاضا ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ پھر جو گرنے کا حکم نہیں دیتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں (کے حال) پر بڑی شفقت اور رحمت فرمانے والا ہے اور وہی ہے جس نے تمہیں زندگی دی پھر (وقت پر جس کا وعدہ کیا گیا ہے) تمہیں موت

دے گا پھر تمہیں (قیامت میں دوبارہ) زندہ کرے گا (اوران دلیلوں کا تقاضا یہ تھا کہ لوگ توحید اور شکر کو اختیار کرتے، مگر) واقعی انسان بڑا ناقدری کرنے والا ہے (کہ اب بھی کفر و شرک سے باز نہیں آتا، مراد انسان سے ایسے ہی لوگ ہیں)

﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝﴾

ترجمہ: ہم نے ہر امت کے واسطے ذبح کرنے کا طریق مقرر کیا ہے کہ وہ اسی طریق پر ذبح کیا کرتے تھے سو ان لوگوں کو چاہئے کہ اس امر میں آپ سے جھگڑا نہ کریں اور آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہئے۔ آپ یقیناً صحیح رستہ پر ہیں۔ اور اگر یہ لوگ اپنے سے جھگڑا نکالتے رہیں تو آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کے روز فیصلہ فرماوے گا جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے تھے۔ اے مخاطب! کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہیں۔ یقینی بات ہے کہ یہ نامۂ اعمال میں ہے۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسان ہے۔

ربط: سورت کے زیادہ حصوں میں کافروں کے جھگڑوں اور ان کے باطل پر ہونے کی وجہوں کا بیان ہے۔ ان جھگڑوں میں سے ایک جھگڑا جانوروں کو ذبح کرنے سے متعلق بھی تھا، جس کا حاصل وہی ہے جواب بھی بعض کافروں کی زبان پر مشہور ہے کہ اللہ کا مارا ہوا جانور تو مردار و حرام اور اپنا مارا ہوا حلال اب مشرکوں کو اس پر تنبیہ ہے جیسا کہ الدرالمنثور میں علی بن الحسین سے احمد و حاکم اور بیہقی سے روایت ہے کہ جس کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور ابن عباسؓ و مجاہد سے بھی روایت ہے۔

جانوروں کے ذبح پر اعتراض کے سلسلہ میں مشرکوں کو تنبیہ:

(شریعت والی جتنی امتیں گذری ہیں) ہم نے (ان میں سے) ہر امت کے واسطہ ذبح کرنے کا طریقہ مقرر کیا ہے کہ وہ اس طریقہ پر ذبح کیا کرتے تھے تو ان (اعتراض کرنے والے) لوگوں کو چاہئے کہ اس (ذبح کے) معاملہ میں آپ سے جھگڑا نہ کریں (کیونکہ ان کے تسلیم کئے ہوئے اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو معاملہ پہلے سے چلا آرہا ہو، وہ صحیح ہے اور جب ان کے نزدیک صرف پہلے سے چلا آنا ہی، چاہے وہ صحیح دلیل کے خلاف ہو، حجت ہے، یہاں تک کہ اپنے عقائد و اعمال کو اسی بنا پر صحیح قرار دیتے ہیں جو کہ واقعی طور پر غیر صحیح یعنی غلط ہیں تو جب پہلے سے چلے آنے کے ساتھ اس پہلے سے چلے آنے کی بنیاد صحیح دلیل بھی ہو تب تو اس کے صحیح ہونے میں کسی کو کلام ہی نہیں ہو سکتا اور اگرچہ انہیں آپ سے اس بارے میں خطاب کرنا درست نہیں، مگر آپ کو ان کے خطاب کا حق ہے، لہٰذا) آپ (انہیں) اپنے رب (یعنی اس کے

دین) کی طرف بلاتے رہئے (کیونکہ) آپ یقیناً صحیح راستہ پر ہیں (اور صحیح راستہ والے کو، غلط راستہ والے کو اپنی طرف بلانے کا حق ہوتا ہے اور غلط راستہ والے کو یہ حق نہیں ہوتا) اور اگر (اس پر بھی) یہ لوگ آپ سے جھگڑا کرتے رہیں تو آپ (آخر میں) یہ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے (وہی تمہیں سمجھے گا، کیونکہ جب کوئی شخص معقول جواب کو قبول نہ کرے، نہ اس میں کوئی ذکر کے قابل شبہ ظاہر کر سکے اور خواہ مخواہ بحث کئے جائے تو اس کا جواب یہی ہے کہ تمہیں اللہ سمجھے گا، آگے اسی کی وضاحت ہے کہ) اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کے دن (عملی) فیصلہ فرما دے گا جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے تھے (آگے اس کی تائید ہے کہ) اے مخاطب! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے (لہٰذا ان لوگوں کے اعمال اور احوال کا بھی علم ہے اور اس کے علم کے محفوظ ہونے کے باوجود) یقینی بات ہے کہ (ان کا) یہ (سب قول وفعل) اعمال نامہ میں (بھی محفوظ) ہے (چنانچہ) یقیناً (ثابت ہو گیا کہ) یہ (فیصلہ کرنا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک (بہت) آسان ہے (کیونکہ حاکم کے اعتبار سے فیصلہ کا سب سے بڑا مدار علم ہی ہے اور غیر حاکم کے اعتبار سے علم کے ساتھ حکومت حاصل کرنے کی بھی ضرورت ہے، اور اللہ تعالیٰ کا حاکم ہونا سب کو تسلیم تھا ہی۔

فائدہ: اس سے پہلے آیت ۳۴ میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا﴾ مگر چونکہ دونوں آیتوں کے مقصود کا الگ الگ ہونا ترجمہ کے بیان سے ظاہر ہے اس لئے تکرار لازم نہیں آتی اور مشرکوں کے اس اعتراض کا یہ جواب ایک خاص طرز پر ہے اور دوسرے طرز کا جواب سورۃ الانعام آیت ۱۱۸ کے ربط میں بیان ہو چکا ہے۔

﴿ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۭ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۭ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ اَلنَّارُ ۭ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـــًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی حجت نہیں بھیجی اور نہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے۔ اور ان ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں جو کہ خوب واضح ہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو تم ان کافروں کے چہروں میں برے آثار دیکھتے ہو۔ قریب ہے کہ یہ ان لوگوں پر

حملہ کر بیٹھیں جو ہماری آیتیں ان کے سامنے پڑھ رہے ہیں۔ آپ کہئے کہ کیا میں تم کو اس سے زیادہ ناگوار چیز بتلادوں؟ وہ دوزخ ہے۔ اس کا اللہ تعالیٰ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ اے لوگو! ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جن کی تم لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ وہ ایک مکھی کو تو پیدا کر ہی نہیں سکتے گو سب کے سب بھی جمع ہو جاویں۔ اور اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس کو اس سے چھڑا نہیں سکتے، ایسا عابد بھی لچر اور ایسا معبود بھی لچر۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی تعظیم کرنا چاہئے تھی وہ نہ کی۔ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سب پر غالب ہے۔

ربط: اوپر ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ﴾ سے ﴿لَكَفُوْرٌ﴾ تک آیتوں میں توحید کا بیان تھا، اب ﴿لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ تک شرک کا رد ہے۔

شرک کا رد اور مشرکوں کی مذمت:

اور یہ (مشرک) لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن (کی عبادت کے جائز ہونے) پر اللہ تعالیٰ نے (اپنی کتابوں میں) کوئی حجت نہیں بھیجی اور نہ ان کے پاس اس کی کوئی (عقلی) دلیل ہے اور (قیامت میں جب انہیں شرک پر سزا ہونے لگے گی تو) ان ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا (نہ قول کے اعتبار سے کہ ان کے فعل کے اچھا ہونے پر کوئی حجت پیش کر سکے اور نہ ہی عمل کے اعتبار سے کہ انہیں عذاب سے بچا سکے) اور (ان لوگوں کو گمراہی اور اہل حق سے عناد و دشمنی رکھنے میں یہاں تک غلو ہے کہ) جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں (توحید وغیرہ سے متعلق) جو کہ (اپنے مضامین میں) خوب واضح ہیں (اہل حق کی زبان سے) پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو تم ان کافروں کے چہروں میں (باطنی ناگواری کی وجہ سے) بری نشانیاں دیکھتے ہو (جیسے چہرے پر بل پڑ جانا، ناک بھوں چڑھنا، تیور بدل جانا وغیرہ اور ان آثار ونشانیوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) قریب ہے کہ یہ ان لوگوں پر (اب) حملہ کر بیٹھیں (گے) جو ہماری آیتیں ان کے سامنے پڑھ رہے ہیں (یعنی حملہ کا شبہ ہمیشہ ہوتا ہے اور کبھی کبھی حملہ واقعی ہوا بھی ہے۔ چنانچہ لفظ ﴿يَكَادُوْنَ﴾ ہمیشگی کے اعتبار سے فرمایا) آپ (ان مشرکوں سے) کہئے کہ (تمہیں جو قرآن کی یہ آیتیں سن کر ناگواری ہوئی تو) کیا میں تمہیں اس (قرآن) سے (بھی) زیادہ ناگوار چیز بتادوں؟ وہ جہنم ہے (کہ) اس کا اللہ تعالیٰ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے (یعنی قرآن سے ناگواری کا نتیجہ ناگوار جہنم ہے کہ اس ناگواری کو تو غصہ سے غیظ وغضب سے اور انتقام سے کچھ دور بھی کر لیتے ہو، مگر اس ناگواری کا کیا علاج کرو گے؟ آگے ایک نہایت واضح دلیل سے شرک کو باطل قرار دیا ہے کہ) اے لوگو! ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو (کہ) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو، وہ ایک (ادنیٰ کیڑے) مکھی کو بھی پیدا نہیں کر سکتے، چاہے سب کے سب بھی (کیوں نہ) جمع ہو جائیں

اور (پیدا کرنا تو بڑی بات، وہ تو اتنے مجبور اور بے بس ہیں کہ) اگر ان سے مکھی کچھ (ان کے چڑھاوے میں سے چھین لے جائے تو اس کو (بھی) اس سے چھڑا نہیں سکتے، ایسا عبادت کرنے والا بھی بے کار اور ایسا معبود بھی بے کار (افسوس ہے) ان لوگوں نے اللہ کی ایسی تعظیم نہیں کی جیسی کرنی چاہئے تھی (کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے، الٹا شرک کرنے لگے۔ حالانکہ) اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سب پر غالب ہے (تو عبادت خالص اس کا حق تھا نہ کہ کمزور اور ناپسندیدہ کا جس کی کمزوری واضح طریقوں سے معلوم ہو چکی ہے)

﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۞ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۞ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ منتخب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے احکام پہنچانے والے اور آدمیوں میں سے۔ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ وہ ان کی آئندہ اور گزشتہ حالتوں کو جانتا ہے اور تمام کاموں کا مدار اللہ ہی پر ہے۔

ربط: اوپر توحید کی تحقیق تھی۔ اب رسالت سے متعلق مشرکوں کے ایک خاص کلام کا جواب ہے، وہ کہتے تھے کہ رسول کوئی فرشتہ ہونا چاہئے تھا جبکہ آپ بشر ہیں اور بشر بھی ایسے کہ ظاہری شان و شوکت و دبدبہ بھی نہیں رکھتے ہیں، رسالت کے لائق نہیں۔

مسئلۂ رسالت کی تحقیق:

اللہ تعالیٰ (کو اختیار ہے کہ رسالت کے لئے جسے چاہتا ہے) منتخب کر لیتا ہے، فرشتوں میں سے (جن فرشتوں کو چاہے اپنے) احکام (نبیوں کے پاس) پہنچانے والے (مقرر فرما دیتا ہے) اور (اسی طرح) انسانوں میں سے (بھی جس کو چاہے عام لوگوں کی طرف احکام پہنچانے والے مقرر کر دیتا ہے یعنی رسالت کا دارومدار اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور فیصلے پر ہے، اس میں فرشتہ کی خصوصیت نہیں بلکہ جس طرح فرشتہ کے ساتھ رسالت جمع ہو سکتی ہے جس کو مشرک بھی مانتے ہیں۔ چنانچہ فرشتوں کے رسول ہونے کو وہ خود تجویز کرتے تھے، اسی طرح وہ انسان کے ساتھ بھی جمع ہو سکتی ہے، رہا یہ کہ انتخاب کا فیصلہ کسی ایک خاص کے ساتھ کیوں ہوا؟ تو اس کا ظاہری سبب تو ان رسولوں کے احوال کی خصوصیات ہیں۔ اور یہ) یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے (یعنی) وہ ان (سب فرشتوں اور انسانوں) کی آئندہ اور گزشتہ حالتوں کو (اچھی طرح) جانتا ہے (تو موجودہ حالت کو اور بھی زیادہ بہتر طور پر جانے گا۔ غرض سننے اور دیکھنے سے متعلق تمام احوال اس کو معلوم ہیں، ان میں بعض کے حال کا تقاضہ اس انتخاب کا ہو گیا) اور (اس کا حقیقی سبب یہ ہے کہ) تمام کاموں کا دارومدار اللہ ہی پر ہے (یعنی وہ ذاتی طور پر مستقل مالک اور فاعل مختار ہے۔ اس کا ارادہ ذاتی طور پر ترجیحی ہے۔ اس ارادہ کے لئے کسی ترجیح دینے والے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اپنی قدرت و اختیار میں سے جب چاہے کسی ایک کو ترجیح دینا قدیم

ارادہ والی ذات کے لئے لازم ہے۔اور لازم وملزوم کے درمیان خلل پیدا کرنا محال ہے، لہٰذا حقیقی سبب اللہ کا ارادہ ہے اور اس کا سبب معلوم کرنا لغو ہے اور یہی معنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ہیں ﴿ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ ﴾)

فائدہ: نبیوں علیہم السلام کے پاس اللہ کا پیغام لانے والا فرشتہ مشہور قول کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں، پھر احکام پہنچانے والے فرشتوں کے کئی ہونے کا کیا مطلب ہے؟ جواب یہ ہے کہ آیتوں اور روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض پیغاموں کے واسطے دوسرے فرشتے بھی بھیجے گئے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:﴿ وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرٰهِيمَ ﴾اور﴿ وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا ﴾ چاہے ان میں بطور سربراہ جبرئیل ہی ہوں اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ سورۂ بقرہ کی آخری آیتوں کی فضیلت سنانے کے لئے ایک نیا فرشتہ آیا یا اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت سنانے کے لئے ایک نیا فرشتہ آیا، البتہ قرآن مجید پورا یقیناً حضرت جبرئیل علیہ السلام ہی لائے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴾ بلکہ شاید اللہ تعالیٰ کی دوسری کتابیں بھی حضرت جبرئیل ہی لائے ہیں، لیکن وحی، قرآنِ کریم اور مشہور کتابوں میں منحصر نہیں ہے۔ واللہ اعلم

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۩ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور نیک کام کیا کرو، امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔ اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے، اس نے تم کو ممتاز فرمایا اور تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔ تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم رہو۔ اس نے تمہارا لقب مسلمان رکھا پہلے بھی اور اس میں بھی تاکہ تمہارے لئے رسول گواہ ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو، سو تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو۔ وہ تمہارا کارساز ہے سو کیسا اچھا کارساز ہے اور کیسا اچھا مددگار ہے۔

ربط: اوپر سورت میں اہم ترین اصول یعنی بعث، توحید اور رسالت کا ثابت ہونا اور ہر ایک سے متعلق شبہات اور بحثوں کا جواب بیان ہو چکا ہے، اب خاتمہ میں پہلے فروعی اور شرعی امور کا حکم فرمایا ہے، پھر﴿ مِلَّةَ أَبِيكُمْ ﴾ سے اصول وفروع کے مجموعہ پر جو کہ اسلام کا حاصل ہے ہمیشہ قائم رہنے کا حکم دیا ہے اور اس کی ترغیب کے لئے بعض مضامین بیان فرما کر سورت ختم کر دی ہے۔

اسلام کی حقیقت پر قائم رہنے کا حکم:

اے ایمان والو! تم (اسلام کے اصولوں کو قبول کرنے کے بعد فروع کی بھی پابندی رکھو خاص طور سے نماز کی، لہٰذا تم) رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور (عام طور سے دوسری فروع کو بھی بجالاتے ہوئے) اپنے رب کی عبادت کیا کرو، اور جو کام اپنے آپ میں ذاتی طور پر عبادت نہیں ہیں، بلکہ مباح ہیں، لیکن نیت یا دوسرے کے لئے نفع بخش ہونے کی وجہ سے عبادت ہوجاتے ہیں، تو ایسے) نیک کام (بھی) کیا کرو، امید (یعنی وعدہ) ہے کہ تم فلاح پاؤگے اور (ان کاموں کو سستی اور بے دلی سے مت کرو، بلکہ) اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو، جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے (کیونکہ دین میں کوشش کرنے کا تقاضہ موجود ہے اور رکاوٹ کوئی نہیں ہے، چنانچہ) اس نے تمہیں (دوسری امتوں سے) ممتاز فرمایا (جیسا کہ آیت ﴿جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ وغیرہ میں بیان ہوا ہے اور حدیثوں میں مشہور ہے۔ یہ تو جہاد کے حق کا تقاضا ہے کیونکہ جس کو کوئی خاص ترجیح دی جاتی ہے وہ خدمت کے لئے زیادہ دوڑتا ہے) اور (اس نے) تم پر دین (کے احکام) میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی (چنانچہ تمام احکام کی رخصتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، البتہ اگر تنگی ہوتی تو بھی کسی درجہ میں وہ جہاد کے حق سے رکاوٹ ہوتا۔ لہٰذا رکاوٹ بھی دور ہوئی۔ اور تقاضہ کا وجود اور مانع کا دور ہونا مجموعی طور پر معلول کے ترتب کی علت ہوتی ہے چاہے ترتب کا پایا جانا حسی طور پر ہو یا شرعی طور پر جیسا کہ اس معاملہ میں ہے جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں اور اے ایمان والو! جس اسلام کا تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ احکام کو پوری طرح بجالایا جائے، اور یہی ابراہیمی ملت ہے) تم اپنے باپ ابراہیم کی (اس) ملت پر (ہمیشہ) قائم (بھی) رہو (چنانچہ اوپر اسلام کو اختیار کرنے کا حکم تھا اور اس میں اسلام پر قائم رہنے کا حکم ہے، آگے اس پسند کی جس کا اوپر ذکر ہوا ایک امر کا بیان ہے کہ) اس (اللہ) نے تمہارا لقب مسلمان رکھا (قرآن کے نازل ہونے سے) پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی (چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے کہلایا: ﴿اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ اور شاید نازل کی گئی دوسری کتابوں میں بھی ہو، جبکہ قرآن میں تو جگہ جگہ آیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا عنوان اس امر سے جس کے لئے عنوان دیا گیا، خالی نہیں ہوسکتا تو لازمی طور پر محمد ﷺ کی امت میں اطاعت واتباع کا مادہ زیادہ ہوگا، چنانچہ ہم نے یہ مادہ ان لئے زیادہ رکھا ہے) تاکہ (تم اس سے کمالات حاصل کرو جس سے دنیا میں شرف وامتیاز حاصل ہونے کے علاوہ آخرت میں بھی تمہارا بڑا شرف ظاہر ہو کہ جس مقدمہ کا آگے ذکر آرہا ہے، اس میں) تمہارے (شبہات اور اعتبار کے قابل ہونے کے) لئے رسول اللہ (ﷺ) گواہ ہوں اور (رسول کی اس شہادت سے پہلے) تم ایک بڑے مقدمہ میں جس میں ایک فریق حضرات انبیاء علیہم السلام ہوں گے اور دوسرے فریق ان کی مخالف قومیں ہوں گی، ان مخالف) لوگوں کے مقابلہ میں گواہ (تجویز) ہو (اور رسول کی گواہی کے ذریعہ تمہاری گواہی کے معتبر ہونے کی تصدیق ہو، پھر تمہاری گواہی سے حضرات انبیاء علیہم السلام کے حق میں اس مقدمہ کا فیصلہ

ہو، اور مخالفوں کو مجرم قرار دے کر سزا کا مستحق قرار دیا جائے اور اس امر کا اعلیٰ درجہ کی عزت ہونا ظاہر ہے) تو (جب ہم نے تم پر ایسی ایسی عنایتیں کی ہیں تو تمہیں بھی ہمارے احکام کو پوری طرح انجام دینا چاہئے تو بس) تم لوگ (خصوصیت کے ساتھ) نماز کی پابندی رکھو (کہ یہ سب سے افضل بدنی عبادت ہے) اور زکوٰۃ دیتے رہو (کہ یہ سب سے افضل مالی عبادت ہے) اور (باقی اصلی وفروعی احکام میں بھی عام طور سے) اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو (یعنی ہمت وعزم کے ساتھ دین کے کاموں میں اللہ کے سوا کسی کی رضامندی وناراضی اپنے نفس کی مصلحت یا نقصان کی طرف دھیان مت دو) وہ تمہارا کام بنانے والا ہے (کسی کی مخالفت تمہیں حقیقت میں نقصان نہ پہنچائے گی) تو کیسا اچھا کام بنانے والا ہے اور کیسا اچھا مددگار ہے (تو ایسی ذات کے ساتھ تو یہ معاملہ رکھنا چاہئے کہ:

مصلحت دید من آنست کہ یاران ❁ ہمہ کار بگذارند خم طرہ یارے گیرند

(میری نظر) میں مصلحت یہ ہے کہ احباب (صوفیاء) سب کام چھوڑیں اور کسی دوست کی ٹیڑھی مانگ پکڑیں یعنی اللہ کے ہو جائیں)

فائدہ: اسلام کے ابراہیمی ملت ہونے کی تحقیق سورۃ البقرہ آیت ۱۳۰ میں گذر چکی ہے اور اس کے باوجود کہ لغوی معنی میں دوسری مؤمن امتوں کی صفت بھی اسلام تھی، مگر یہ لقب اسی امت کو دیا گیا ہے اور دوسروں کے القاب یہود، نصاریٰ، قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح وغیرہ ہیں، اور ﴿ أَبِيكُمْ ﴾ یعنی تمہارے باپ کہہ کر جس طرح پوری امت کو خطاب کیا گیا ہے، اس کے باوجود کہ ابراہیم علیہ السلام حقیقی معنی میں ساری امت کے باپ نہیں ہیں، اس کی تحقیق سورۂ بقرہ ہی کی آیت ۱۲۸ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔ غرض چونکہ ﴿ ذُرِّيَّةِ إِبْرٰهِيمَ ﴾ لغوی معنی میں مسلمان اور خاص طور سے ان میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے مسلمان باقی مسلمانوں کے اعتبار سے دین پھیلانے کے اصل سبب ہوئے، اس لئے خطاب میں انہیں دوسروں پر غالب قرار دے کر غلبہ کے طور پر استعمال کیا گیا، اور ﴿ تَكُونُوا شُهَدَآءَ ﴾ الخ کی پوری تحقیق سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۳ کے ذیل میں گذر چکی ہے اور لام غایت کے داخل ہونے سے اس کی غایت ہونے کا بیان ابھی ترجمہ کے دوران لکھا گیا ہے، یعنی فقرہ ﴿ سَمّٰكُمُ ﴾ اسلام کی صفت کے وجود پر دلالت کرتا ہے اور وہ کمالات کے حاصل کرنے پر دلالت کرتا ہے اور اس کی غایت شرف کا ظاہر ہونا ہے جس پر ﴿ تَكُونُوا شُهَدَآءَ ﴾ دلالت کرتا ہے۔ واللہ اعلم

﴿الحمدللہ! ثم الحمدللہ! آج ۷/ذی قعدہ بروز دوشنبہ بوقت چاشت سنہ ۱۴۲۴ھ کو سورۂ حج کی تفسیر تمام ہوئی، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ باقی تفسیر کی تکمیل فرمادیں (آمین)

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: بالتحقیق ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے برکنار رہنے والے ہیں اور جو اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی باندیوں سے، کیونکہ ان پر کوئی الزام نہیں۔ ہاں جو اس کے علاوہ طلب گار ہوں ایسے لوگ حد سے نکلنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں، ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کے وارث ہونگے، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

ربط: اس سورت کا خلاصہ یہ مضامین ہیں: اول عبادت کی فضیلت، جس کا شروع میں ذکر ہے جیسا کہ گذشتہ سورت کے آخر میں بھی اس کا ذکر تھا، اس سے دونوں سورتوں کے درمیان تعلق بھی ظاہر ہے۔ اور وہاں لفظ ﴿ لَعَلَّكُمْ ﴾ کے ذریعہ فلاح وکامیابی کی امید دلانا اور یہاں لفظ ﴿ قَدْ ﴾ کے ذریعہ اس فلاح کے واقع ہونے کا حکم کرنا بے حد ترتیبی لطف پیدا کرتا ہے۔ دوسرے اللہ کی قدرت کے آثار کا بیان جو انعام اور توحید دونوں پر دلالت کرتا ہے۔ تیسرے نبوت کی تحقیق مع اس سے متعلق شبہات کو دور کرنے کے۔ چوتھے بعث اور جزاوسزا۔ پانچویں کافروں کے حال کی برائی۔ چھٹے ان میں سے اکثر کی تقویت کے لئے چند قصے۔ ساتویں کچھ اچھے اخلاق اور اعمال کی تعلیم۔ جو پہلے مضمون کے مناسب ہے جیسے ﴿ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ ﴾ اور ﴿ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ ﴾ اور ﴿ اِدْفَعْ ﴾ اور ﴿ رَّبِّ اغْفِرْ ﴾ الخ

بعض اہم عبادتوں کی فضیلت:

یقیناً ان مسلمانوں نے (آخرت میں) فلاح وکامیابی حاصل کی جو (عقیدوں کو صحیح کرنے کے ساتھ نیچے لکھی صفتیں

بھی رکھتے ہیں، یعنی وہ) اپنی نماز میں (چاہے فرض ہو یا غیر فرض) خشوع (وخضوع) کرنے والے ہیں اور لغو (بے کار) باتوں سے (چاہے قول کے لحاظ سے ہوں یا فعل کے لحاظ سے) الگ رہنے والے ہیں اور جو (اعمال واخلاق میں) اپنا تزکیہ (خود کو پاک) کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کی (حرام طریقہ سے جنسی شہوت پوری کرنے سے) حفاظت رکھنے والے ہیں، سوائے اپنی بیویوں سے یا اپنی (شرعی) باندیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کہ ان کے بارے میں ان پر کوئی الزام نہیں۔ ہاں جو اس کے علاوہ (دوسری جگہ جنسی خواہش پوری کرنے کا) طلب گار ہو، ایسے لوگ (شرعی) حد سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی (سپردگی میں لی ہوئی) امانتوں اور اپنے عہد کا (جو کسی معاملہ کے سلسلہ میں کیا ہو یا یوں ہی کسی بارے میں کیا ہو) خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی (فرض) نمازوں کی پابندی کرتے ہیں، ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو (جنت) فردوس کے وارث ہوں گے (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

پہلا فائدہ: خشوع کی حقیقت ہے: سکون یعنی دل کسی دوسرے خیالات کو جان بوجھ کر دل میں نہ لائے اور جسم کے اعضا کا بھی کہ بے کار حرکتیں نہ کرے۔ البتہ اس کے فرض ہونے میں کلام ہے، مگر حق یہ ہے کہ نماز کا صحیح ہونا تو اس پر موقوف نہیں اور اس درجہ میں خشوع فرض نہیں البتہ نماز کا قبول ہونا اس پر موقوف ہے اور اس درجہ میں فرض ہے۔

دوسرا فائدہ: لغو یعنی بے کار کا ادنی درجہ چاہے مباح ہی ہو پھر بھی اس کا چھوڑنا اولیٰ اور تعریف کے لائق ہے جیسا کہ لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت ہے اور اس کا چھوڑنا واجب ہے۔ لہٰذا لغو کے معنی ہیں جو فائدہ مند، مفید نہ ہو۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں: نقصان دینے والی اور نقصان نہ دینے والی۔

تیسرا فائدہ: زکوٰۃ کے معنی ہیں پاک کرنا۔ اور اسلامی اصطلاح میں ہر سال صاحب نصاب پر جو مال دینا فرض ہوتا ہے اس کو زکوٰۃ کہتے ہیں، لیکن اس آیت کے ترجمہ میں اس مشہور معنی کے ساتھ اس کی تفسیر اس لئے نہیں کی کہ یہ آیتیں مکی ہیں اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی ہے۔ البتہ اگر ان آیتوں کا مدنی ہونا ثابت ہو جائے جیسا کہ بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے تو وہ تفسیر بھی صحیح ہو سکتی ہے، اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس صورت میں ﴿لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ﴾ کی جگہ للزکاۃ مؤدون یعنی زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں کہنا ضروری تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ عربی میں اس طرح بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کے نازل ہونے سے پہلے امیہ بن ابی الصلت کے کلام میں بھی اس کی نظیر پائی جاتی ہے۔

المطعمون الطعام فی السنۃ ❁ الازمۃ والفاعلون للزکوۃ

(سخت قحط میں کھانا کھلانے والے اور زکات ادا کرنے والے)

اور کسی عرب نے اس کو غلط قرار نہیں دیا۔ اور یہ توجیہ بھی ممکن ہے الذین ھم لأداء الزکوۃ فاعلون یا فاعلون کو مؤدون یعنی زکوٰۃ ادا کرنے والے کے معنی میں لے لیا جائے۔

چوتھا فائدہ: لغو یعنی بے کار باتوں سے الگ رہنے میں شرم گاہوں کی حفاظت زیادہ واضح طور پر داخل ہے، اسی طرح زکوٰۃ کے فعل تزکیہ یعنی پاک کرنے کے معنی میں امانتوں اور عہد کی رعایت بھی شامل ہے، لیکن تخصیص خصوصی توجہ کی وجہ سے ہے۔

پانچواں فائدہ: ﴿فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ﴾ میں زنا، لواطت، جانوروں سے بدفعلی اجماعی طور پر اور بعض کے نزدیک مشت زنی بھی داخل ہے اور اگر یہ آیت مدنی ہو تو اس سے متعہ کے حرام ہونے پر بھی استدلال صحیح ہے، کیونکہ جس عورت سے متعہ کیا جائے وہ نہ ان بیویوں میں داخل ہے جو ﴿عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ﴾ سے واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے اور نہ باندیوں میں۔ اور مکی ہونے کی صورت میں اگرچہ اس آیت سے استدلال نہیں ہوسکتا، کیونکہ بعض حدیثوں میں یوم خیبر میں اور بعض میں یوم فتح مکہ میں اس کا حرام ہونا آیا ہے، یوم خیبر سے متعلق حدیث شیخین یعنی بخاری و مسلم دونوں نے اور یوم فتح مکہ سے متعلق مسلم نے روایت کی ہے۔ اور ان دونوں کی مطابقت کے لئے کہا گیا ہے کہ اس کے حرام ہونے کا حکم دوبارہوا ہے۔ اور یہ دونوں ہجرت کے بعد ہوئے ہیں، لیکن اس کے حرام ہونے کے استدلال کی بنیاد صرف اس آیت پر نہیں ہے، بلکہ مسلم میں رسول اللہ کا ارشاد صراحت کے ساتھ ہے: **كنت آذنت لكم في الاستمتاع من النساء وقد حرم الله تعالىٰ ذلك إلى يوم القيامة:** یعنی میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی اور اب اللہ تعالیٰ نے اس کو قیامت تک کے لئے حرام کردیا ہے، اور صحیح مسلم میں متعہ کے حرام ہونے کی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بھی آئی ہے، اور اس پر صحابہ کا اجماع بھی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے رجوع پر ابن الہمام نے ان کے اس قول سے استدلال کیا ہے جو ترمذی میں ہے: **انما كانت المتعة في أول الإسلام (إلى قوله) فكل فرج سواهما حرام۔** اور اس کی کچھ بحث سورۃ النساء آیت ۲۴ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

چھٹا فائدہ: اور وارث کہنے کی وجہ حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ ہر شخص کے نام پر دو گھر بنے ہیں: ایک جنت میں اور ایک جہنم میں۔ جو شخص جہنمی ہوگا اس کا گھر جنت والوں کو مل جائے گا۔ **فذلك قوله تعالىٰ** ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ﴾ اس کو سعید بن منصور، ابن ماجہ ابن المنذر اور ابن جریر نے روایت کیا ہے اور قرطبی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ الروح میں ہے۔ اور اگر یہ حدیث کسی کی تحقیق میں ثابت نہ ہو تو وارث، مالک کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے، اس لئے کہ وراثت ملکیت کے قوی اسباب میں سے ہے تو اس میں مبالغہ ہے۔

ساتواں فائدہ: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ﴾ میں جو حصر ہے کہ ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں تو وہ فردوس کے استحقاق کے اعتبار سے ہے، جو احادیث کے مطابق جنت کا اعلیٰ درجہ ہے، ورنہ خود جنت تو مطلق مومنوں کے لئے عام ہوگی، چاہے مذکورہ صفتوں میں کمی ہو۔

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَاۗىِٕقَ ڰ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ڰ وَاِنَّا عَلٰي ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَاۗءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَعَلَيْهَا وَعَلَي الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ ایک محفوظ مقام میں رہا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنادیا پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو بوٹی کو بنادیا۔ پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا، پھر ہم نے اس کو ایک دوسری مخلوق بنادیا۔ سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے، پھر تم بعد اس کے ضرور ہی مرنے والے ہو۔ پھر تم قیامت کے روز دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔ اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے اور ہم مخلوق سے بے خبر نہ تھے۔ اور ہم نے آسمان سے مقدار کے ساتھ پانی برسایا۔ پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھیرایا اور ہم اس کے معدوم کردینے پر قادر ہیں۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے باغ پیدا کئے کھجوروں کے اور انگوروں کے تمہارے واسطے ان میں بکثرت میوے بھی ہیں اور ان میں سے کھاتے بھی ہو۔ اور ایک درخت بھی جو کہ طور سینا میں پیدا ہوتا ہے جو اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے۔ اور تمہارے لئے مواشی میں غور کرنے کا موقع ہے کہ ہم تم کو ان کے جوف میں کی چیز پینے کو دیتے ہیں اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔ اور ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو اور ان پر اور کشتی پر لدے لدے پھرتے ہو۔

ربط: اوپر بعض اہم عبادتوں کی فضیلتوں کا ذکر تھا، اب اللہ تعالیٰ شانہ کے عبادت کے مستحق ہونے کے بعض آثار اور تصرفات کا بیان ہے، تا کہ ان سے اس کی قدرت اور عظمت اور وحدت اور احسان ونعمت پر استدلال کر کے عبادت کا پورا حق ادا کیا جائے اور ایجاد کے ساتھ درمیان میں فنا کرنے اور لوٹانے کا ذکر استدلال کی تقویت اور عبادتوں کے جزا کے یاد دلانے اور اعمال کی ترغیب کے لئے کیا گیا۔

قادر ذوالجلال کی صفاتِ کمال پر استدلال:

(پہلا بیان، انسان کی ایجاد کا:) اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (یعنی غذا) سے (جو کہ مٹی کے بعد انسان کا دور کا مادہ ہے) بنایا (یعنی پہلے مٹی ہوتی ہے پھر اس سے نباتات یعنی پیڑ پودوں کے ذریعہ غذا حاصل ہوتی ہے) پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک معین مدت تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا (اور وہ غذا سے حاصل ہوا تھا) پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا، پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنادیا، پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض حصوں کو ہڈیاں بنادیا، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا (جس سے وہ ہڈیاں ڈھک گئیں) پھر (ان سب کے بعد) ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اس کو ایک دوسری ہی (طرح کی) مخلوق بنادیا (جو گذشتہ حالات سے نہایت ہی ممتاز اور مختلف ہے، کیونکہ جمادات اور نباتات میں جو فرق ہے حیوان ان سے بہت زیادہ مختلف ہے) تو اللہ کی کیسی بڑی شان ہے جو تمام بنانے والوں سے بڑھ کر ہے (کیونکہ دوسرے بنانے والے صرف جوڑ توڑ ترکیب کرسکتے ہیں، زندگی عطا کرنا حقیقت میں صرف اللہ ہی کا کام ہے اور ایک شکل کے دوسری شکل میں نقل ہونے کی تفصیل اسی ترکیب کے ساتھ طبی کتابوں قانون وغیرہ میں موجود ہے۔

آگے فنا کرنے کا بیان ہے۔ یعنی) پھر تم اس (تمام عجیب قصہ) کے بعد ہی ضرور ہی مرنے والے ہو (آگے لوٹانے کا بیان ہے یعنی) تم قیامت کے دن دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے اور (جس طرح ہم نے تمہیں شروع میں وجود عطا فرمایا، اسی طرح تمہارے باقی رہنے کا بھی سامان کیا کہ ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان (جن میں فرشتوں کے آنے جانے کے لئے راستے ہیں) بنائے (اس سے تمہاری بھی بعض مصلحتیں متعلق ہیں) اور ہم مخلوق (کی مصلحتوں) سے بے خبر نہ تھے (بلکہ ہر مخلوق کو مصلحتوں اور حکمتوں کے ساتھ بنایا) اور ہم نے (تمہاری بقاء کو پورا کرنے کے لئے) آسمان سے (مناسب) مقدار کے ساتھ پانی برسایا، پھر ہم نے اس کو (مدت تک) زمین میں ٹھہرایا (چنانچہ کچھ پانی تو زمین کے اوپر رہتا ہے اور کچھ اندر اتر جاتا ہے جو وقتاً فوقتاً نکلتا رہتا ہے) اور ہم (جس طرح اس کے برسانے کی قدرت رکھتے ہیں، اسی طرح) اس (پانی) کو ناپید کرنے پر (بھی) قادر ہیں (چاہے ہوا کی طرف تحلیل کرکے چاہے زمین کے اندر اتنی دور اتار کر کہ آلات کے ذریعہ نہ نکال سکو، مگر ہم نے باقی رکھا) پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ سے باغ پیدا کئے کھجوروں کے، اور انگوروں کے، تمہارے واسطے ان (کھجوروں، انگوروں) میں کثرت سے میوے بھی ہیں (جب کہ ان کو تازہ تازہ کھایا جائے تو میوہ سمجھا جاتا ہے) اور ان میں سے (جو بچا کر خشک کرکے رکھ لیا جاتا ہے اس کو غذا کے طور پر) کھاتے بھی ہو۔ اور (اسی پانی سے) ایک (زیتون کا) درخت بھی (ہم نے پیدا کیا) جو کہ طور سینا میں (کثرت سے) پیدا ہوتا ہے جو اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے (یعنی اس کے پھل سے دونوں کاموں کی چیز حاصل ہوتی ہے، چاہے روشن

کرنے اور مالش کرنے کے کام میں لاؤ، چاہے اس میں روٹی ڈبو کر کھاؤ۔ یہ مذکورہ سامان پانی اور نباتات یعنی پیڑ پودوں سے تھا) اور (آگے حیوانوں کی قسم سے بقا کے سامان کا بیان ہے کہ) تمہارے لئے مویشیوں میں (بھی) غور کرنے کا موقع ہے کہ ہم تمہیں ان کے پیٹ میں کی چیز (یعنی دودھ) پینے کو دیتے ہیں، اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں (کہ ان کے بال اور اون کام آتے ہیں) اور ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو، اور ان (میں جو بوجھ لادنے کے قابل ہیں ان) پر اور کشتی پر لدے لدے پھرتے (بھی) ہو۔

فائدہ: جس پہاڑ کا نام طور ہے اسی کا نام طور سینا بھی ہے کیونکہ وہ جس جگہ ہے، اس جگہ کا نام سینا ہے اور سینین بھی۔ اگرچہ اب کچھ اور کر دیا گیا ہو۔ اور زیتون کی طور کے ساتھ [1] تخصیص کثرت سے پیدا ہونے کی وجہ سے ہے اور طور کی تخصیص زیتون کے ساتھ بہت سارے فائدوں کی وجہ سے ہے۔

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾﴾

ترجمہ: اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا سو انھوں نے فرمایا: اے میری قوم! اللہ کی ہی کی عبادت کیا کرو، اس کے سوا کوئی تمہارے لئے معبود بنانے کے لائق نہیں۔ پھر کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ پس ان کی قوم میں جو کافر رئیس تھے کہنے لگے کہ یہ شخص بجز اس کے کہ تمہاری طرح کا ایک آدمی ہے اور کچھ نہیں ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے۔ اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا ہم نے یہ بات اپنے پہلے بڑوں میں بھی نہیں سنی۔ بس یہ ایک آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے سو ایک وقت خاص تک اس کا اور انتظار کر لو۔ نوح نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میرا بدلہ لے بوجہ اس کے کہ انھوں نے مجھ کو جھٹلایا ہے۔ پس ہم نے ان کے پاس حکم بھیجا کہ تم کشتی تیار کر لو ہماری نگرانی میں اور

(۱) یعنی اس کے باوجود کہ وہاں دوسرے درخت بھی پیدا ہوتے ہیں مگر صرف زیتون ہی پر حکم لگانا کہ وہ طور سے نکلتا ہے، اس لئے ہے کہ اس درخت میں بہت سارے فائدے ہیں۔

ہمارے حکم سے۔ پھر جس وقت ہمارا حکم آپہنچے اور زمین سے پانی ابلنا شروع ہو تو ہر قسم میں سے ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ یعنی دو دو عدد اس میں داخل کر لو اور اپنے گھر والوں کو بھی باستثناء اس کے جس پر ان میں سے حکم نافذ ہو چکا ہے۔ اور مجھ سے کافروں کے بارہ میں کچھ گفتگو مت کرنا وہ سب غرق کئے جاویں گے۔ پھر جس وقت تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ چکو تو یوں کہنا کہ شکر ہے خدا کا جس نے ہم کو کافر لوگوں سے نجات دی۔ اور یوں کہنا کہ اے میرے رب! مجھ کو برکت کا اتارنا اتاریو اور آپ سب اتارنے والوں سے اچھے ہیں۔ اس میں بہت سی نشانیاں ہیں اور ہم آزماتے ہیں۔

ربط: اوپر معبود کے ایک ہونے یعنی توحید پر دلیلیں قائم کی گئی تھیں، آگے توحید کے مضمون کی تاکید کے لئے بعض قصوں کا بیان ہے، جو تین طرح سے توحید کی تاکید کرتے ہیں: ایک سابقہ نبیوں کا توحید کے لئے حکم فرمانا۔ دوسرے توحید کا انکار کرنے والوں کا انجام برا ہونا، تیسرے انبیاء علیہم السلام سے عادت کے خلاف امور یعنی معجزوں کے ظاہر ہونے سے جس میں آیت ﴿ وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ ﴾ الخ زیادہ واضح ہے اور دوسرے قصوں میں اشاروں جیسے ﴿ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴾ یا شہرت پر اکتفا کیا گیا[1] جیسا کہ آخری قصہ میں پہلی دو وجہوں کی دلالت کا ذکر صراحت کے ساتھ نہیں کیا گیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے ذریعہ بنی اسرائیل کو جھٹلانے کا بھی بیان کرنا مقصود ہو سکتا ہے اور اس بنا پر ﴿ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ﴾ کے ساتھ اس کا خاص ربط بھی ہوگا، جس کی وضاحت یہ ہوگی کہ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے کتاب بھی دی اور ان میں سے بعد والوں کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کا بھی اظہار کیا گیا، مگر انھوں نے پھر موسیٰ علیہ السلام کی بھی اور عیسیٰ علیہ السلام کی بھی مخالفت کی۔ واللہ اعلم

نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ:

اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا، تو انھوں نے (اپنی قوم سے) فرمایا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کیا کرو، اس کے سوا کوئی تمہارے لئے معبود بنانے کے لائق نہیں (اور جب یہ بات ثابت ہے تو) پھر کیا تم (دوسروں کو معبود بنانے سے) ڈرتے نہیں ہو؟ تو (نوح علیہ السلام کی یہ بات سن کر ان کی قوم میں جو کافر رئیس تھے (عوام سے) کہنے لگے کہ یہ شخص سوائے اس کے کہ تمہاری ہی طرح ایک (معمولی) آدمی ہے اور کچھ (رسول وغیرہ) نہیں ہے (اس دعوی سے) ان کا اصل مطلب یہ ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے (یعنی عزت و مرتبہ اور ریاست مقصود ہے) اور اگر اللہ کو (رسول بھیجنا) منظور ہوتا تو (اس کام کے لئے) فرشتوں کو بھیجتا (لہٰذا ان کا دعوی غلط ہے، اسی طرح ان کا توحید کی طرف بلانا یہ دوسری غلطی ہے، کیونکہ) ہم نے یہ بات (کہ کسی اور کو معبود مت قرار دو) اپنے پہلے بڑوں میں بھی (کسی کو کہتے) نہیں سنی، بس یہ ایک آدمی ہے جسے جنون ہو گیا ہے (اس وجہ سے ساری دنیا سے

(۱) یعنی مذکورہ تین طریقوں میں سے تیسرے طریقے کی تو آخر والے قصہ میں زیادہ صراحت ہے اور پہلے والے قصوں میں صراحت نہیں ہے اور پہلے والے دو طریقوں کی آخر والے قصہ میں صراحت نہیں اور پہلے والے قصہ میں صراحت ہے۔

ہٹ کر الگ باتیں کرتا ہے کہ میں رسول ہوں اور معبود صرف ایک ہے) تو ایک خاص وقت (یعنی اس کے مرنے کے وقت) تک اس (کی حالت) کا اور انتظار کرلو (آخر ایک وقت پر پہنچ کر ختم ہو جائے گا اور سب پاپ کٹ جائے گا) نوح (علیہ السلام) نے (ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو کر جناب باری میں) عرض کیا کہ اے میرے رب ! (ان سے) میرا بدلہ لے، اس وجہ سے کہ انھوں نے مجھے جھٹلایا ہے، چنانچہ ہم نے (ان کی دعا قبول کی اور) ان کے پاس حکم بھیجا کہ تم کشتی تیار کرلو، ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے (کہ اب طوفان آئے گا اور تم اور مؤمن لوگ اس کے ذریعہ محفوظ رہو گے) پھر جس وقت ہمارے (عذاب کا) حکم (قریب) آ پہنچے اور (اس کی علامت یہ ہے کہ) زمین سے پانی ابلنا شروع ہو تو (اس وقت) ہر قسم (کے جانوروں) میں سے (جو کہ انسان کے کام کے ہیں اور پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے) ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ یعنی دو دو عدد اس (کشتی) میں داخل کرلو اور اپنے گھر والوں کو بھی (سوار کرلو) سوائے اس کے جس پر ان میں سے (غرق ہونے کا) حکم نافذ ہو چکا ہے (یعنی جو کافر ہو، اس کو مت سوار کرو) اور (یہ سن لو کہ) بعد میں کافروں (کی نجات) کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرنا (کیونکہ) وہ سب غرق کئے جائیں گے۔ پھر جس وقت تم اور تمہارے ساتھی (مسلمان) کشتی میں بیٹھ جاؤ تو یوں کہنا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں کافر لوگوں سے (یعنی ان کے افعال اور ان کی اذیتوں سے) نجات دی اور (جب طوفان کے دور ہو جانے کے بعد کشتی سے زمین پر آنے لگو تو) یوں کہنا کہ اے میرے رب ! مجھے (زمین پر) برکت کے ساتھ اتارنا (یعنی ظاہری اور باطنی اطمینان کے ساتھ رکھنا) اور آپ سب اتارنے والوں سے اچھے ہیں (یعنی اور لوگ جو مہمان کو اتار لیتے ہیں، حقیقت میں اس کے نفع کے حاصل کرنے اور نقصان کو دور کرنے پر قادر نہیں ہوتے، اور آپ قادر ہیں) اس (مذکورہ واقعہ) میں (عقل والوں کے لئے ہماری قدرت کی) بہت سی نشانیاں ہیں اور ہم (یہ نشانیاں پیش کر کے اپنے بندوں کو) آزماتے ہیں (کہ دیکھیں کون ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور کون نہیں اٹھاتا ؟ اور نشانیاں یہ ہیں: رسول بھیجنا، ایمان والوں کو بچالینا، کافروں کو ہلاک کر دینا، اچانک طوفان پیدا کر دینا، کشتی کو محفوظ رکھنا وغیرہ)

فائدہ: سورۂ ہود آیات ۲۵ تا ۴۹ میں بھی حضرت نوح، ان کی قوم اور ان کی کشتی کا قصہ گذر چکا ہے اور وہاں بھی ان سے ملتی جلتی آیتیں آئی ہیں۔ وہاں مفصل تفسیر ملاحظہ فرمائی جائے۔ اور قوم کے ﴿ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ﴾ یعنی اصل مطلب یہ ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے اور ﴿ رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ ﴾ یعنی ایسا آدمی ہے جسے جنون ہو گیا ہے کہنے میں برتر ہونے کے ارادہ کا مطلق جنون کے ساتھ جمع کرنا ممکن ہے اور اگر کامل جنون مراد لیا جائے تو ان کے قول ایک دوسرے کی ضد ہوں گے جو خود ان کے جنون کی دلیل ہے، اور چونکہ کافروں کے یہ قول واضح طور سے باطل تھے۔ اس لئے اس مقام پر ان کے جواب کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

﴿ثُمَّ أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۝ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ۝ وَلَئِنْ أَطَعْتُم بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ۝ أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُم مُّخْرَجُونَ ۝ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ۝ إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ۝ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝﴾

ترجمہ: پھر ہم نے دوسرا گروہ پیدا کیا، پھر ہم نے ان میں ایک پیغمبر کو بھیجا جو ان ہی میں کے تھے کہ تم لوگ اللہ کی ہی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں، کیا تم ڈرتے نہیں۔ اور ان کی قوم میں سے جو رئیس تھے جنھوں نے کفر کیا تھا اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا تھا، اور ہم نے ان کو دنیوی زندگانی میں عیش بھی دیا تھا۔ کہنے لگے کہ بس یہ تو تمہاری طرح ایک آدمی ہیں، یہ وہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتے ہیں۔ جو تم پیتے ہو اور اگر تم اپنے جیسے ایک آدمی کے کہنے پر چلنے لگو تو بیشک تم گھاٹے میں ہو۔ کیا یہ شخص تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو نکالے جاؤ گے بہت ہی بعید اور بہت ہی بعید ہے جو بات تم سے کہی جاتی ہے۔ بس زندگی تو یہی ہماری دنیوی زندگی ہے کہ ہم میں کوئی مرتا ہے اور کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہ کئے جاویں گے بس یہ ایک ایسا شخص ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اور ہم تو ہرگز اس کو سچا نہ سمجھیں گے۔ پیغمبر نے دعاء کی اے میرے رب! میرا بدلہ لے اس وجہ سے کہ انھوں نے مجھ کو جھٹلایا۔ ارشاد ہوا کہ یہ لوگ عنقریب پشیمان ہونگے۔ چنانچہ ان کو ایک سخت آواز نے موافق وعدہ برحق کے آ پکڑا پھر ہم نے ان کو خس وخاشاک کر دیا۔ سو خدا کی مار کافر لوگوں پر۔

عاد یا ثمود کا قصہ:

پھر (نوح کی قوم کے بعد) ہم نے دوسرا گروہ پیدا کیا (عاد یا ثمود مراد ہے) پھر ہم نے ان میں ایک پیغمبر کو بھیجا جو انہی میں کے تھے (اس سے ہود علیہ السلام یا صالح علیہ السلام مراد ہیں۔ ان پیغمبر نے کہا) کہ تم لوگ اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمہارا اور کوئی (حقیقی) معبود نہیں، کیا تم (شرک سے) ڈرتے نہیں ہو؟ اور (ان پیغمبر کی یہ بات سن کر) ان کی قوم میں سے جو رئیس تھے، جنھوں نے (اللہ کے رسول کے ساتھ) کفر کیا تھا اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا تھا، اور ہم نے انہیں دنیاوی زندگی میں عیش بھی دیا تھا، کہنے لگے کہ بس یہ تو تمہاری ہی طرح ایک (معمولی) آدمی ہیں (چنانچہ) یہ وہی

کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو، اور (جب یہ تمہاری طرح ایک آدمی ہیں تو) اگر تم اپنے جیسے ایک (معمولی) آدمی کے کہنے پر چلنے لگو تو بیشک تم (عقل کے) گھاٹے میں ہو (یعنی یہ بڑی بے وقوفی ہے) کیا یہ شخص تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور (مرکر) مٹی اور ہڈیاں ہوجاؤ گے (چنانچہ جب گوشت والے اجزا مٹی ہوجاتے ہیں تو ہڈیاں بغیر گوشت کے رہ جاتی ہیں پھر کچھ مدت کے بعد وہ بھی مٹی ہوجاتی ہیں تو یہ شخص کہتا ہے کہ جب اس حالت کو پہنچ جاؤ گے) تو (پھر زمین سے دوبارہ زندہ کرکے) نکالے جاؤ گے (تو بھلا کہیں ایسا شخص اطاعت واتباع کے قابل ہوسکتا ہے؟ اور) بہت ہی دور ہے اور بہت ہی دور ہے جو بات تم سے کہی جاتی ہے، پس زندگی تو یہی ہماری دنیاوی زندگی ہے کہ ہم میں کوئی مرتا ہے اور کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہ کئے جائیں گے۔ بس یہ ایک شخص ہے جو اللہ کے بارے میں جھوٹی بات کہتا ہے (کہ اس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور کوئی دوسرا معبود نہیں اور قیامت آئے گی) اور ہم تو ہرگز اس کو سچا نہیں سمجھیں گے۔ پیغمبر نے دعا کی کہ اے میرے رب! میرا بدلا لے، کیونکہ انھوں نے مجھے جھٹلایا، ارشاد ہوا کہ یہ لوگ جلدی ہی شرمندہ ہوں گے، چنانچہ انہیں برحق وعدہ کے مطابق ﴿ لَيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴾ ایک سخت آواز نے (یا سخت عذاب نے) آپکڑا (جس سے وہ سب ہلاک ہوگئے) پھر ہم نے انہیں (ہلاک کرنے کے بعد) کوڑا کرکٹ (کی طرح) بنادیا، تو اللہ کی مار کافروں پر!

فائدہ: چونکہ اس قوم کا اس آیت کے مطابق صیحہ کے ذریعہ ہلاک ہونا بیان کیا گیا ہے اور دوسری آیتوں میں صیحہ کے ذریعہ ثمود قوم کو عذاب دیا جانا بیان ہوا ہے، اس وجہ سے بعض نے تو اس کو ثمود کا قصہ سمجھا ہے اور چونکہ اکثر جگہ نوح کی قوم کے بعد عاد کا قصہ آیا ہے، اس وجہ سے بعض نے اس کو عاد کا قصہ سمجھا ہے، اور صیحہ سے ہولناک سزا مراد لی ہے جیسا کہ اس شعر میں ہے:

صاح الزمان بآل برمک صیحة ۞ خَرُّوْا لشدتها علی الأذقان

(زمانہ چیخا خاندان برمک پر ایسا چیخنا ÷ کہ وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑے)

یا ممکن ہے کہ عاد پر بھی صیحہ آیا ہو اور کہیں صرصر اور کہیں صیحہ کا ذکر اس اشارہ کے لئے ہو کہ ان میں سے ہر ایک انہیں ہلاک کرنے کے لئے کافی تھا۔

﴿ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: پھر ان کے بعد ہم نے اور امتوں کو پیدا کیا، کوئی امت اپنی مدت معینہ سے نہ پیش دستی کرسکتی تھی اور نہ وہ لوگ

پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ پھر ہم نے اپنے پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے بھیجا، جب کبھی کسی امت کے پاس اس امت کا رسول آیا انھوں نے اس کو جھٹلایا۔ سو ہم نے ایک کے بعد ایک کا تار باندھ دیا اور ہم نے ان کی کہانیاں بنادیں۔ سو خدا کی مار ان لوگوں پر جو ایمان نہ لاتے تھے!

بعض دوسری قوموں کا مختصر قصہ:

پھر ان (عاد یا ثمود) کے (ہلاک ہونے کے بعد) ہم نے دوسری امتوں کو پیدا کیا (جو کہ رسولوں کو جھٹلانے کے سبب وہ بھی ہلاک ہوئے اور ان کے ہلاک ہونے کا جو وقت اللہ کے علم میں مقرر تھا) ان امتوں میں سے (کوئی امت اپنے (اس) مقررہ وقت سے (ہلاک ہونے میں نہ آگے بڑھ سکی ہے اور نہ ہی (اس وقت سے) وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے تھے (بلکہ بالکل مقررہ وقت پر ہلاک کئے گئے۔ غرض وہ امتیں پہلے پیدا کی گئیں) پھر (ان کے پاس) ہم نے اپنے پیغمبروں کو ایک کے بعد ایک (ہدایت کے لئے) بھیجا (جس طرح وہ امتیں ایک کے بعد ایک پیدا ہوتی رہیں، مگر ان کی حالت یہ ہوئی کہ) جب کبھی کسی امت کے پاس اس امت کا (خاص) رسول (اللہ کے احکام لے کر) آیا انھوں نے اس کو جھٹلایا تو ہم نے (بھی ہلاک کرنے میں) ایک کے بعد ایک کا تار باندھ دیا۔ یعنی مسلسل ہلاک کرتے رہے اور ہم نے انہیں قصہ کہانی بنادیا (یعنی وہ ایسے بے نام ونشان ہوئے کہ کہانیوں کے سوا ان کا کچھ نام ونشان نہ رہا) تو اللہ کی مار ان لوگوں پر جو (نبیوں کے سمجھانے پر بھی) ایمان نہ لاتے تھے۔

فائدہ: ان قوموں میں سے بعض کا ذکر سورۂ اعراف وغیرہ میں ہے، چنانچہ عاد کے بعد ثمود کا اور ثمود کے بعد لوط علیہ السلام کی قوم کا اور لوط کی قوم کے بعد مدین والوں کا ذکر آیا ہے، اور بعض کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ﴾ الخ واللہ اعلم۔ اور اگر بعض قوموں کی نسل باقی ہو تو بھی ﴿جَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ﴾ میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ خاص وہ جھٹلانے والے تو بے نام ونشان ہو گئے یا یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے انہیں دوسروں کے لئے عبرت بنادیا یعنی ہم نے انہیں ایسا قصہ کہانی بنادیا جو سنی اور سنائی جاتی ہیں۔

﴿ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۝ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنے احکام اور کھلی دلیل دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا سو ان لوگوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی متکبر۔ چنانچہ وہ کہنے لگے کہ کیا ہم ایسے دو شخصوں پر جو ہماری طرح کے

آدمی ہیں، ایمان لے آویں؟ حالانکہ ان کی قوم کے لوگ ہمارے زیر حکم ہیں۔ غرض وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے پس ہلاک کئے گئے۔ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تا کہ وہ لوگ ہدایت پاویں۔

فرعون کا قصہ:

پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے بھائی (ہارون علیہ السلام) کو اپنے احکام اور کھلی دلیل (یعنی کھلے معجزے کہ نبوت کی دلیل ہیں) دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس (بھی پیغمبر بنا کر) بھیجا (اور بنی اسرائیل کی طرف بھیجا جانا بھی معلوم ہے) تو ان لوگوں نے (ان کی تصدیق واطاعت سے) تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی تکبر کرنے والے (یعنی پہلے ہی ان کا دماغ بگڑا ہوا تھا) چنانچہ وہ (آپس میں) کہنے لگے کہ ہم ایسے دو انسانوں پر جو ہماری طرح کے آدمی ہیں (ان میں امتیاز کی کوئی بات نہیں) ایمان لے آئیں (اور ان کی اطاعت کرنے والے بن جائیں؟) حالانکہ ان کی قوم کے لوگ (تو خود) ہمارے ماتحت ہیں (یعنی ہمیں تو خود ان کی قوم پر بالادستی وحکمرانی حاصل ہے پھر ان دونوں کو ہم پر بالادستی وحکمرانی کیسے حاصل ہوسکتی ہے۔ ان لوگوں نے دینی حکمرانی کو دنیاوی حکمرانی پر قیاس کیا کہ جب ہمیں ایک حاصل ہے تو دوسری کے بھی ہم ہی مستحق ہیں اور جب انہیں ایک حاصل نہیں تو دوسری کیسے حاصل ہوسکتی ہے؟ اور اس قیاس کا غلط ہونا ظاہر ہے) غرض وہ لوگ ان دونوں کو جھٹلاتے ہی رہے، چنانچہ (اس جھٹلانے کی وجہ سے) ہلاک کئے گئے اور (ان کے ہلاک ہونے کے بعد) ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (یعنی توریت) عطا فرمائی تا کہ (اس کے ذریعہ سے) وہ لوگ (یعنی موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل، فرعون کے علاوہ جن کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا) ہدایت پائیں (اور بنی اسرائیل میں سے بعد والوں کی ہدایت کے لئے اور بھی دلیل ظاہر کی گئی جس کا بیان ﴿جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ﴾ میں آتا ہے مگر ان کی مخالفت اور عقوبت کے قصے بھی مشہور ہیں اور جگہ جگہ ان کا ذکر ہوا ہے۔

فائدہ: ﴿لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا﴾ کے ذیل میں صاحب روح نے اچھا لطیفہ لکھا ہے کہ یہ توحید ونبوت کا انکار کرنے والے: انسان کے لئے تو نبوت کو محال سمجھتے تھے اور پتھروں کے معبود ہونے کو جائز مانتے تھے کیسی عجیب بات ہے؟ اور بنی اسرائیل کی طرف بھی بھیجے جانے کے باوجود فرعون کی تخصیص پھر فرعون کی قوم میں رئیسوں کی تخصیص اس اعتبار سے ہے کہ یہ لوگ انکار میں زیادہ سخت تھے لہٰذا ذکر کی تخصیص حال برا ہونے کی وجہ سے ہے۔

﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ۝﴾ ع ۱۸ ۳

ترجمہ: اور ہم نے مریم کے بیٹے کو اور ان کی ماں کو بڑی نشانی بنایا اور ہم نے ان دونوں کو ایک ایسی بلند زمین پر لے جا کر پناہ دی جو ٹھیرنے کے قابل اور شاداب جگہ تھی۔

مریم وعیسیٰ علیہما السلام کا قصہ:

اور ہم نے (اپنی قدرت اور توحید پر دلالت کے لئے اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے) مریم کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کو اور ان کی ماں (حضرت مریم علیہا السلام) کو (قدرت کی اور ان کے سچا ہونے کی) بڑی نشانی بنایا (کہ بغیر باپ کے پیدا ہونا دونوں سے متعلق عظیم نشانی ہے) اور (چونکہ انہیں نبی بنانا منظور تھا اور ایک ظالم بادشاہ ان کے بچپن ہی میں ان کے قتل کے پیچھے پڑ گیا تھا، اس لئے) ہم نے (اس سے بچا کر) ان دونوں کو ایسی بلند جگہ پر لے جا کر پناہ دی جو (غلوں اور میوؤں کے پیدا ہونے کی وجہ سے) ٹھہرنے کے قابل اور (نہر جاری ہونے کی وجہ سے) ہری بھری جگہ تھی (یہاں تک کہ امن وامان کے ساتھ جوان ہوئے اور نبوت عطا ہوئی تو توحید اور رسالت کے دعوی میں ان کی تصدیق ضروری تھی، مگر بعض نے نہ کی)

فائدہ: یہ ظالم بادشاہ ہیرودوس تھا، نجومیوں سے یہ سن کر کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سرداری حاصل ہوگی، ان کی کم عمری میں ہی ان کا دشمن ہوگیا تھا، اللہ تعالیٰ کے الہامی حکم کی وجہ سے حضرت مریم علیہا السلام ان کو لے کر ملک مصر چلی گئیں اور پھر اس ظالم کے مرنے کے بعد ملک شام واپس چلی آئیں، جیسا کہ انجیل متی کے حوالہ سے فتح المنان اور الروح میں ہے۔ اور الدر منثور میں الربوہ کی تفسیر ابن عباس، وہب اور ابن زید سے مصر اور زید بن اسلم سے الاسکندریہ روایت کی گئی ہے۔ میں کہتا ہوں اسکندریہ بھی مصر ہی ہے۔ اور مصر کا اونچا ہونا دریائے نیل کے بہاؤ کے اعتبار سے ہے ورنہ غرق ہو جاتا اور ماء معین سے مراد نیل کا بہاؤ ہے۔ واللہ اعلم

﴿ يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۞ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۞ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۞ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۞ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۞ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: اے پیغمبرو! تم نفیس چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو، میں تم سب کے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتا ہوں۔ اور یہ ہے تمہارا طریقہ کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ڈرتے رہو۔ سو ان لوگوں نے اپنے دین میں اپنا طریقہ الگ الگ کر کے اختلاف پیدا کر لیا، ہر گروہ کے پاس جو دین ہے وہ اسی سے خوش ہے۔ سو آپ ان کو ان کی حالت میں ایک خاص وقت تک رہنے دیجئے۔ کیا یہ لوگ یوں گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال واولاد دیتے چلے جاتے ہیں۔ تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں۔ بلکہ یہ لوگ نہیں جانتے۔

ربط: سورت کے شروع میں عبادت کا واجب ہونا اور اس کے بعد اس کی تاکید و ترغیب کے لئے معبود کے کمال کی صفتیں اور خاص خاص نعمتوں کا بیان تھا اور اس سلسلہ میں چند قصے بیان ہوئے تھے، اب آگے ﴿ يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا ﴾ الخ میں نعمتوں کے استعمال کا مباح ہونا اور ﴿ اعْمَلُوْا ﴾ الخ میں نعمتیں دینے والے کی عبادت کا واجب ہونا رسولوں کی قدیم شریعت ہونا اور ﴿ اِنَّ هٰذِهٖۤ ﴾ الخ سے سب شریعتوں کا اس میں منقول ہونا بیان کیا ہے اور ﴿ اَنَا رَبُّكُمْ ﴾ الخ میں اس مذکورہ نتیجہ کی صراحت اور ﴿ فَتَقَطَّعُوْۤا ﴾ الخ میں اس مذکورہ حکم سے اختلاف کرنے والوں کی مذمت اور ﴿ فَذَرْهُمْ ﴾ میں ان مخالفوں کا عذاب وسزا کا مستحق ہونا بیان کیا ہے اور ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ ﴾ الخ میں عقوبت سے مہلت پر ان کے مغرور ہونے پر جواب دیا گیا ہے، لہٰذا ان مضامین کا مجموعہ مذکورہ بالا مضامین کے مجموعہ کے لئے تجدید و تاکید اور تفصیل کے بعد اجمال کے درجہ میں ہے۔

معبود کے حقوق کی ادائیگی میں شریعتوں کا متحد ہونا اور اس میں خلل ڈالنے والوں کی مذمت:

(ہم نے جس طرح تمہیں اور پر نعمتوں کے استعمال کی اجازت دی اور عبادت کا حکم دیا اسی طرح سب پیغمبروں کو اور ان کے ذریعہ سے ان کی امتوں کو بھی حکم دیا کہ) اے پیغمبرو! تم (اور تمہاری امتیں) نفیس و پاکیزہ چیزیں کھاؤ (کہ اللہ کی نعمت ہے) اور (کھا کھا کر شکر ادا کرو کہ) نیک کام (یعنی عبادت) کرو (اور) میں تم سب کے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتا ہوں (لہٰذا عبادتوں پر ثمرات ونتائج عطا کروں گا) اور (ہم نے ان سب سے یہ بھی کہا کہ جس طریقہ کا ابھی بیان ہوا) یہی تمہارا طریقہ ہے (جس پر تمہیں رہنا واجب ہے) کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے (یعنی کسی شریعت میں مختلف نہیں رہا) اور (اس طریقہ کا حاصل یہ ہے کہ) میں تمہارا (حقیقی) رب ہوں (مالک ہونے کے اعتبار سے بھی اور نعمتیں دینے والا ہونے کے اعتبار سے بھی) تو مجھ سے ڈرتے رہو (اور میرے احکام کی مخالفت مت کرو کہ مالک ہونے کا سب سے پہلے یہی تقاضا ہے، پھر نعمتیں دینے والا ہونے کا اور زیادہ تقاضا ہے) تو (ان رسولوں کی امت کے لوگوں کو یہ چاہئے تھا کہ ان تقاضوں کے پائے جانے کے بعد سب اس ایک طریقہ پر رہتے، مگر انھوں نے ایسا نہ کیا بلکہ) ان لوگوں نے اپنے دین میں اپنا طریقہ الگ الگ کر کے اختلاف پیدا کر لیا (چنانچہ ان میں اب بھی جتنے گروہ موجود ہیں، ان میں سے) ہر گروہ کے پاس جو دین ہے، وہ اسی سے خوش ہے (اور اس کے باطل ہونے کے ثبوت کے باوجود اس کو حق سمجھتا ہے) تو (جب یہ بات ہے کہ باطل ہونے کے ثبوت کے بعد بھی اس کو حق سمجھ رہے ہیں تو آپ بھی قریش کے ان مشرکوں کے ایسے ہی بغیر دلیل کے دعویٰ اور کفر پر اصرار پر غم نہ کیجئے بلکہ) آپ ان کو ان کی (اسی) جہالت میں ایک خاص وقت تک رہنے دیجئے (جب وہ خاص وقت یعنی موت کا وقت آ جائے گا تو ساری حقیقت معلوم ہو جائے گی اور اب جو ان پر عذاب نہیں آتا تو) کیا (اس سے) یہ لوگ یوں گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم انہیں جلدی جلدی

فائدے پہنچا رہے ہیں (یہ بات ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ (اس کی وجہ) نہیں جانتے (وہ استدراج ہے جس کا انجام اعلیٰ درجہ کا نقصان ہے نہ کہ نفع)

فائدہ: ایسی ہی آیت ﴿ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ ﴾ الخ سورۃ انبیاء آیت ۹۲ بھی گذر چکی ہے اور مسلم و ترمذی کی حدیث مرفوع میں جو حلال چیزیں کھانے کے بارے میں اس آیت سے اور ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ سے استدلال کیا گیا ہے، اس سے اس پر شبہ نہ کیا جائے کہ میں نے طیب کی تفسیر نفیس چیزوں سے فائدہ اور لذت اٹھانے کی کی ہے، کیونکہ جو نفع و لذت والی چیز حلال نہ ہو وہ معنوی لذت دور ہو جانے کی وجہ سے گویا فائدہ و لذت کے لائق نہیں ہے، چنانچہ اگر اس کی تفسیر فائدہ اور لذت سے کی جائے اور حدیث کو اشتراط پر محمول کیا جائے تو تفسیر اور استدلال دونوں اپنے حال پر صحیح رہیں گے۔ خوب سمجھ لو۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے ہیں اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل اس سے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں، یہ لوگ اپنے فائدے جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں اور وہ ان کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ اور ہم کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کام کرنے کو نہیں کہتے اور ہمارے پاس ایک دفتر ہے جو ٹھیک ٹھیک بتا دے گا اور لوگوں پر ذرا ظلم نہ ہوگا۔

ربط: اوپر کافروں کی موجودہ دنیاوی حالت کا خیر و نیکی کے کاموں میں جلدی نہ کرنے کا ذکر تھا۔ اب اس کے مقابلہ میں ایمان والوں کی موجودہ دینی حالت کا خیر و نیکی کے کاموں میں جلدی کرنے کا بیان ہے کہ جو شریعت حقہ کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور پروردگار کے حقوق اور احکام کی تعمیل کرتے ہیں، جیسا کہ اس آیت میں تصریح کی گئی ہے ﴿ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ﴾

اطاعت کرنے والوں کو ہمیشہ کی بھلائی کی خوش خبری:

اس میں کوئی شک (وشبہ) نہیں کہ جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں

پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ (اس ایمان میں) اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور (دینے کے باوجود) ان کے دل اس سے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں (کہ دیکھئے وہاں جا کر ان صدقوں کا کیا نتیجہ ظاہر ہو۔ ایسا نہ ہو کہ حکم کے مطابق نہ دیا گیا ہو، جیسے مال حلال نہ ہو، یا نیت خالص نہ ہو، یا کسی عملی باریکی کے ہونے کی وجہ سے یا توجہ نہ ہونیکی وجہ سے اس کی اطلاع نہ ہوئی تو الٹی پکڑ ہونے لگے تو جن میں یہ صفتیں ہوں) یہ لوگ (البتہ) اپنے فائدے جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں اور وہ ان کی طرف دوڑ رہے ہیں (نہ کہ مذکورہ کافر لوگ) اور (یہ مذکورہ اعمال چونکہ نہایت آسان ہیں، اس لئے لوگوں کو ان کے لئے ضرور کوشش کرنی چاہئے، کیونکہ) ہم (تو) کسی کو اس کے اختیار کی حد سے زیادہ کام کرنے کو نہیں کہتے (چنانچہ جو کام بتا رکھے ہیں، سب آسان ہی ہیں) اور (آسان ہونے کے ساتھ ان کا نتیجہ یقینی ہے، کیونکہ) ہمارے پاس ایک دفتر (اعمال نامہ کا محفوظ) ہے جو ٹھیک ٹھیک (سب کا حال) بتا دے گا، اور لوگوں پر ظلم نہ ہوگا (بلکہ ہر ایک کی کوشش کا پورا پورا نتیجہ ملے گا اور ذرہ ذرہ نیکی پر ثواب ملے گا)

فائدہ: ﴿ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ کے بعد ﴿ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴾ کہنے کا فائدہ یہ ہوسکتا ہے کہ مشرک بھی اللہ کو ماننے کے دعوی کی وجہ سے ایمان وتصدیق کا دعوی کرتے تھے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ یعنی اگر تم پوچھو گے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو لازمی طور پر یہی کہیں گے: اللہ نے۔ اور اسی بنا پر ارشاد ہوا ہے ﴿ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴾ یعنی ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے، سوائے اس حال کے کہ وہ شرک کرنے والے ہیں، اور اس وجہ سے کہ آسمان اور زمین اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴾ یعنی آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی آیتیں ہیں کہ لوگ ان پر سے گذرتے ہیں اور ان سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور اس سے مشرکوں کے بارے میں آیتوں اور نشانیوں پر ایمان رکھنے والا ہونے کا شبہ ہوسکتا تھا اس لئے ﴿ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴾ کا بڑھانا مفید ہوا۔ خوب سمجھ لو۔

﴿ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ۝ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ

لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ؕ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ۝ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝ ع ۴

ترجمہ: بلکہ ان کفار کے قلوب اس دین کی طرف سے جہالت میں ہیں اور اس کے علاوہ ان لوگوں کے اور بھی عمل ہیں جن کو یہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوش حال لوگوں کو عذاب میں دھر پکڑیں گے تو فوراً چلا اٹھیں گے۔ اب مت چلاؤ ہماری طرف سے تمہاری مطلق مدد نہ ہوگی۔ میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جایا کرتی تھیں، تو تم الٹے پاؤں بھاگتے تھے، تکبر کرتے ہوئے قرآن کا مشغلہ بناتے ہوئے بیہودہ بکتے ہوئے، تو کیا ان لوگوں نے اس کلام میں غور نہیں کیا یا ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے جو ان کے پہلے بڑوں کے پاس نہیں آئی تھی۔ یا یہ لوگ اپنے رسول سے واقف نہ تھے اس وجہ سے ان کے منکر ہیں۔ یا یہ لوگ آپ کی نسبت جنون کے قائل ہیں۔ بلکہ یہ رسول ان کے پاس حق بات لے کر آئے ہیں اور ان میں اکثر لوگ حق بات سے نفرت رکھتے ہیں۔ اور اگر دین حق ان کے خیالات کے تابع ہو جاتا تو تمام آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب تباہ ہو جاتے۔ بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت کی بات بھیجی سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں۔ یا آپ ان سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں تو آمدنی آپ کے رب کی سب سے بہتر ہے اور وہ سب دینے والوں سے اچھا ہے۔ اور آپ تو ان کو سیدھے راستہ کی طرف بلا رہے ہیں، اور ان لوگوں کی جو کہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یہ حالت ہے کہ اس راستہ سے ہٹے جاتے ہیں اور اگر ہم ان پر مہربانی فرما دیں اور ان پر جو تکلیف ہے اس کو ہم دور بھی کر دیں تو وہ لوگ اپنی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے ہیں۔ اور ہم نے ان کو گرفتار عذاب جو کیا ہے سو ان لوگوں نے نہ اپنے رب کے سامنے فروتنی کی اور نہ عاجزی اختیار کی۔ یہاں تک کہ ہم جب ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اس وقت بالکل حیرت زدہ رہ جاویں گے۔

ربط: اوپر آیت ﴿ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ ﴾ اور آیت ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ ﴾ الخ میں دین کے مخالفوں کی جہالت اور عذاب کے مستحق ہونے کا بیان مختصر انداز میں تھا۔ اب اس کی تفصیل ہے اور درمیان میں مقابلہ کے لئے مومنوں کا اور ان کے اعمال کا ذکر تھا اور اس تفصیل کے شروع میں کافروں کے اعمال کی مومنوں کے اعمال کے ساتھ مقابلہ کی بھی رعایت رکھی گئی ہے، جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے، لہٰذا پہلے مومنوں کا ذکر کافروں کے ذکر کے مقابلہ میں تھا اور کافروں کا ذکر بعد میں مومنوں کے ذکر کے مقابلہ میں آ گیا، لہٰذا دونوں طرف سے مقابلہ کی صراحت ہوگئی۔

گمراہ لوگوں کے اعمال واحوال وانجام اور اقوال کا باطل ہونا:

(یہ تو اوپر مؤمنوں کی حالت سنی، مگر کافر ایسے نہیں ہیں) بلکہ (اس کے برعکس) ان کافروں کے دل اس دین کی طرف سے (جس کا ذکر ﴿ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ ﴾ میں ہے) جہالت (اور شک) میں (پڑے) ہیں (جن کا حال اوپر ﴿ فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ ﴾ میں بھی معلوم ہو چکا) اور اس (جہالت و انکار) کے علاوہ ان لوگوں کے اور بھی (برے برے) عمل ہیں، جن کو یہ (مستقل طور پر) کرتے رہتے ہیں (جیسے مؤمنوں کے آیتوں پر ایمان کے علاوہ دوسرے نیک اعمال بھی تھے، اس طرح یہ لوگ شرک اور برے اعمال کے برابر عادی ہوں گے) یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوش حال لوگوں کو (جن کے پاس اب خادم اور دولت و شان و شوکت سب کچھ ہیں، موت کے بعد) عذاب میں دھر پکڑیں گے (اور غریب غربا تو کس گنتی میں ہیں اور وہ تو عذاب سے کیا بچاؤ کر سکتے ہیں۔ غرض یہ کہ جب ان سب پر عذاب نازل ہوگا) تو فوراً چلا اٹھیں گے (اور سارا انکار اور گھمنڈ جس کے اب عادی ہیں دور ہو جائے گا، اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ (اب مت چلاؤ (کہ یہ بالکل مفید نہیں، کیونکہ) ہماری طرف سے تمہاری مطلق مدد نہ ہوگی (کیونکہ یہ دار الجزاء یعنی بدلہ کا مقام ہے دار العمل یعنی عمل کا مقام نہیں ہے کہ چلانا اور عاجزی کرنا مفید ہو۔ جو دار العمل تھا اس میں تو تمہارا یہ حال تھا کہ (میری آیتیں تمہیں پڑھ پڑھ کر رسول کی زبان سے) سنائی جایا کرتی تھیں تو تم الٹے پاؤں بھاگتے تھے، تکبر کرتے ہوئے قرآن کا مذاق اڑاتے ہوئے (اس قرآن کی شان میں) بیہودہ بکتے ہوئے (کہ کوئی اس کو جادو کہتا تھا۔ کوئی شعر کہتا تھا۔ لہٰذا تم نے دار العمل میں جیسا کیا، آج در الجزاء میں ویسا بھگتو اور یہ لوگ قرآن کو اور صاحب قرآن کو جھٹلا رہے ہیں، تو اس کا کیا سبب ہے؟) کیا ان لوگوں نے (اللہ کے) اس کلام میں غور نہیں کیا (جس سے اس کا معجزہ ہونا ظاہر ہو جاتا اور یہ ایمان لے آتے) یا (جھٹلانے کی یہ وجہ ہے کہ) ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے جو ان کے پہلے بڑوں کے پاس نہیں آئی تھی (اس سے رسولوں کے ذریعہ اللہ کے احکام کا آنا مراد ہے۔ مطلب یہ کہ یہ بات بھی نہیں ہوئی کہ ان رسول پر یہ وحی نئی آئی ہو بلکہ شریعتیں تو رسولوں کے ذریعہ سے ہمیشہ نازل ہوتی آتی ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ﴾ لہٰذا جھٹلانے کی یہ وجہ بھی باطل ٹھہری۔ اور یہ دو وجہیں تو قرآن سے متعلق ہیں۔ آگے صاحب قرآن سے متعلق فرماتے ہیں یعنی) یا (جھٹلانے کی وجہ یہ ہے کہ) یہ لوگ اپنے رسول (کی دیانت و امانت اور سچائی کی صفت) سے واقف نہ تھے اس وجہ سے ان کے انکار کرنے والے ہیں (یعنی یہ وجہ بھی باطل ہے، کیونکہ آپ کے صادق سچا ہونے پر سب کا اتفاق تھا) یا (یہ وجہ ہے کہ) یہ لوگ (نعوذ باللہ) آپ کے سلسلہ میں جنون کے قائل ہیں (تو آپ کا اعلیٰ درجہ کا صحیح رائے والا ہونا بھی ظاہر ہے تو واقع میں ان میں سے کوئی وجہ بھی معقول نہیں) بلکہ (اصلی وجہ یہ ہے کہ) یہ رسول ان کے پاس حق بات لے کر آئے ہیں اور ان میں اکثر لوگ حق بات سے نفرت رکھتے ہیں (لہٰذا جھٹلانے کی اور حق کا اتباع نہ کرنے کی صرف یہ وجہ ہے۔ اور یہ

لوگ اس دین حق کا اتباع تو کیا کرتے یہ تو اور الٹا یہ چاہتے ہیں کہ وہ دین حق ہی ان کے خیالات کے تابع کر دیا جائے اور قرآن میں جو مضامین ان کے خلاف ہیں ان کو نکال دیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں فرمایا ہے: ﴿ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ﴾ یعنی جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے، وہ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لے آؤ یا اس میں تبدیلی کر دو) اور (بالفرض محال) اگر (ایسا امر واقع ہو جاتا اور) دین حق ان کے خیالات کے تابع (اور موافق) ہو جاتا تو (ساری دنیا میں کفر وشرک اور گمراہی پھیل جاتی اور اس کا اثر یہ ہوتا کہ ساری دنیا پر حق تعالیٰ کا غضب ہو جاتا اور اس کا تقاضا یہ تھا کہ) تمام آسمان اور زمین اور جو ان میں (آباد) ہیں سب تباہ (وہلاک) ہو جاتے جیسا کہ قیامت میں عام گمراہی کی وجہ سے عام غضب اور عام غضب کی وجہ سے ہلاکت ہوگی۔ اور اول تو کسی امر کا حق ہونا اس کے مقبول ہونے کا تقاضا کرتا ہے چاہے وہ نفع دینے والا بھی نہ ہو، اور اس کا قبول نہ کرنا خود عیب ہے۔ مگر ان لوگوں میں صرف ایک یہی عیب نہیں کہ حق ناپسند ہو) بلکہ (اس سے بڑھ کر دوسرا اور بھی عیب ہے کہ اپنے لئے جو امر نفع دینے والا ہے، اس سے بھی منہ پھیرتے ہیں کیونکہ وہ حق ان کے لئے نفع دینے والا بھی ہے، لہٰذا) ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت (اور نفع) کی بات بھیجی تو یہ لوگ (نفع دینے والی) اپنی نصیحت سے بھی منہ پھیرتے ہیں یا (مذکورہ وجہوں کے علاوہ ان کے جھٹلانے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں یہ شبہ ہوا ہو کہ) آپ ان سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں تو (یہ بھی غلط ہے کیونکہ جب آپ جانتے ہیں کہ) آمدنی تو آپ کے رب کی سب سے بہتر ہے اور وہ سب دینے والوں سے اچھا ہے (تو آپ کیوں مانگتے۔ یہ پانچویں وجہ مخاطب لوگوں کی ایک حالت کے اعتبار سے ہے) اور (ان کی حالت کا خلاصہ یہ ہے کہ) آپ تو ان کو سیدھے راستہ کی طرف بلا رہے ہیں (جس کو اوپر حق کہا ہے) اور ان لوگوں کو جو کہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے (اور اسی لئے انہیں آخرت کا ڈر وخوف نہیں) یہ حالت ہے کہ اس (سیدھے) راستہ سے ہٹے جاتے ہیں (مطلب یہ ہے کہ حق ہونا اور سیدھا ہونا اور نفع والا ہونا، سب اجتماعی طور پر ایمان کے تقاضے ہیں اور وہ پانچوں وجہیں جو مانع ورکاوٹ ہو سکتی تھیں دور ہو گئی ہیں پھر ایمان نہ لانا سخت درجہ کی جہالت اور گمراہی ہے) اور (ان کی سخت دلی اور عناد کی یہ حالت ہے کہ جس طرح یہ لوگ شرعی آیتوں سے متاثر نہیں ہوتے، اسی طرح قہر کی آیتوں، مصیبتوں اور بلاؤں سے بھی متاثر نہیں ہوتے، اگرچہ نقصان وتکلیف کے سامنے آنے کے وقت طبعی طور پر ہمیں پکارتے بھی ہیں۔ لیکن وہ وقت کو ٹالنے کا معاملہ ہوتا ہے چنانچہ) اگر ہم ان پر مہربانی فرما دیں گے اور ان پر جو تکلیف ہے اسے ہم دور بھی کر دیں تو وہ لوگ (پھر) اپنی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے رہیں (اور وہ ان کے وہ وعدے اور عہد جو مصیبت کے وقت میں تھے سب بھولی بسری باتیں ہو جائیں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا ﴾ الخ یعنی جب انسان کو کوئی پریشانی پیش آتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ ﴾ الخ یعنی جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں) اور (اس کا ثبوت یہ ہے کہ بعض اوقات ہم نے ان کو عذاب میں گرفتار بھی کیا ہے تو ان

لوگوں نے نہ اپنے رب کے سامنے (پوری طرح) عاجزی اختیار کی اور نہ اس کے سامنے جھکے (چنانچہ جب خاص مصیبت میں اور مصیبت بھی ایسی سخت جس کو عذاب کہا جا سکے جیسے قحط جو مکہ میں حضور ﷺ کی بددعا سے پڑا تھا، انھوں نے عاجزی اختیار نہیں کی تو تکلیف اور نقصان کے دور ہو جانے کے بعد تو اور بھی ان سے اس کی امید نہیں، مگر ان کی یہ ساری بے پروائی و بے باکی عادت کے مطابق پیش آنے والی مصیبتوں تک ہے) یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے (جو کہ عادت سے بڑھ کر ہو، چاہے دنیا ہی میں کہ کوئی غیبی قہر آپڑے کہ ممکن ہے یا موت کے بعد کہ لازمی طور پر واقع ہوگا) تو اس وقت بالکل حیرت زدہ رہ جائیں گے (کہ یہ کیا ہو گیا اور سارا نشہ جاتا رہے گا)

فائدہ: اگر ﴿ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ کے مفہوم میں ﴿ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ ﴾ الخ کے مفہوم کے ساتھ ٹکراؤ کا شبہ ہو تو جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں آبا دور کے مراد ہیں جیسا کہ لفظ اولین سے اس کا اشارہ ملتا ہے اور دوسری آیت میں آبا قریب والے مراد ہیں، اور ﴿ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴾ میں لفظ اکثر اس لئے فرمایا کہ ان میں بعض اللہ کے علم میں ایمان لانے والے تھے۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ناگواری صرف بعض کو تھی، اگرچہ محبت نہ ہونا سب کو تھا، کیونکہ بعض کے لئے ایمان لانے میں دوسری رکاوٹیں تھیں جیسے شرم یا مال اور عزت و مرتبہ کے جاتے رہنے کا خوف وغیرہ۔ اور حق سے کوئی خاص عداوت نہ تھی اور ﴿ اسْتَكَانُوْا ﴾ میں ظاہری عاجزی کی قید اور تضرع میں دل کی قید سے دونوں میں فرق ظاہر ہو سکتا ہے اور اس میں پوری طرح کی قید اس لئے لگائی کہ ایک لحاظ سے تو ﴿ اسْتَكَانُوْا ﴾ اور تضرع صادر ہوتا تھا لیکن وہ ناقص اس لئے تھا کہ اس پر کوئی خاص اثر یعنی اسلام قبول کرنا اس عذاب کی حالت میں بھی ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ صرف وعدہ ہی وعدہ ہوتا تھا۔

﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾

ع ۵

ترجمہ: اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلا رکھا ہے اور تم اسی کے پاس لائے جاؤ گے۔ اور وہ ایسا ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے رات اور دن کا گھٹنا بڑھنا، سو کیا تم نہیں سمجھتے؟ بلکہ یہ بھی ویسی ہی بات کہتے ہیں جو اگلے لوگ کہتے چلے آئے، یوں کہتے ہیں کہ کیا ہم مر جاویں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں رہ جاویں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جاویں گے۔ اس کا تو ہم سے اور پہلے ہمارے بڑوں سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ کچھ بھی نہیں محض بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آتی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ زمین اور جو اس پر رہتے ہیں یہ کس کی ہیں، اگر تم کو کچھ خبر ہے؟ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ کی ہیں، ان سے کہئے پھر کیوں نہیں غور کرتے؟ آپ یہ بھی کہئے کہ ان سات آسمانوں کا مالک اور عالیشان عرش کا مالک کون ہے؟ وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ یہ بھی اللہ کا ہے، آپ کہئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ آپ یہ بھی کہئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم کو کچھ خبر ہے؟ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب صفتیں اللہ ہی کی ہیں۔ آپ کہئے کہ پھر تم کو کیسا خبط ہو رہا ہے؟ بلکہ ہم نے ان کو سچی بات پہنچائی ہے اور یقیناً یہ جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اولاد نہیں قرار دیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے، اگر ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں جاننے والا ہے سب پوشیدہ اور آشکارا کا۔ غرض ان لوگوں کے شرک سے وہ بالاتر ہے۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں کافروں کے مذمت کے قابل احوال واقوال کے ساتھ ان کے آخرت میں عذاب دیئے جانے کا بھی بیان تھا چونکہ یہ عذاب اٹھائے جانے پر مبنی ہے اور وہ لوگ اس کے منکر تھے، اس لئے آگے حشر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا اثبات اور ان کے انکار کا جواب ہے اور بعث یعنی مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا اثبات قدرت کے کمال کے اثبات پر مبنی ہے، اس لئے بعض آیتوں میں قدرت کے تصرفات کا بھی بیان ہے۔ اور دونوں مضمون ایک دوسرے سے سخت طریقہ سے ملے ہونے کی وجہ سے ملے جلے طور پر بیان ہوئے ہیں۔ اور بہت اوپر یعنی ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ ﴾ سے ﴿ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴾ تک میں کمال کی صفتوں کے بیان سے توحید پر استدلال تھا، لہٰذا ان بعض آیتوں کا جن میں قدرت کے تصرفات کا بیان ہے، ان آیتوں سے بھی ربط ظاہر ہے۔

قدرت کی عظمت اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے صحیح ہونے پر استدلال:

اور وہ (اللہ) ایسا (قدرت والا اور نعمتوں والا) ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے (کہ ان سے کام لو، فائدہ اٹھاؤ اور دین کو بھی سمجھو، لیکن) تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو (کیوں کہ اصلی شکر یہ تھا کہ نعمتیں دینے والے کے پسندیدہ دین کو قبول کرتے اور بعث یعنی مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر اس کی قدرت کا انکار نہ کرتے) اور وہ

ایسا ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا رکھا ہے اور تم سب (قیامت میں) اس کے پاس لائے جاؤ گے (اس وقت نعمت کی اس ناشکری کی حقیقت معلوم ہوگی) اور وہ ایسا ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے رات اور دن کا گھٹنا اور بڑھنا تو کیا تم (اتنی بات) نہیں سمجھتے کہ یہ دلیلیں توحید کی قدرت اور بعث کی صحت دونوں پر دلالت کرتی ہیں؟ مگر پھر بھی مانتے نہیں) بلکہ یہ بھی ویسی ہی بات کہتے ہیں جو اگلے (کافر) لوگ کہتے چلے آئے ہیں (یعنی) یوں کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں رہ جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ اس کا تو ہم سے اور (ہم سے) پہلے ہمارے بڑوں سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے، یہ کچھ بھی نہیں بالکل بے سند باتیں ہیں جو پہلے لوگوں سے نقل ہوتی چلی آئی ہیں (چونکہ اس قول سے قدرت کا انکار لازم آتا ہے اور اس سے بعث کے انکار کی طرح توحید کا بھی انکار ہوتا ہے، اس لئے اس قول کے جواب میں قدرت کے اثبات کے ساتھ توحید کے اثبات کا بھی ارشاد ہے، یعنی) آپ (جواب میں) یہ کہہ دیجئے کہ (اچھا یہ بتاؤ کہ) یہ زمین اور جو اس پر رہتے ہیں، یہ کس کے ہیں؟ اگر تمہیں کچھ خبر ہے، وہ ضرور یہی کہیں گے اللہ کے ہیں (تو) ان سے کہئے کہ پھر غور کیوں نہیں کرتے؟ (کہ تمہیں بعث پر قدرت اور توحید دونوں کا ثبوت ہو جائے اور) آپ یہ بھی کہئے کہ (اچھا یہ بتاؤ کہ) ان سات آسمانوں کا مالک اور عالی شان والے عرش کا مالک کون ہے؟ (اس کا بھی) وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ یہ بھی (سب) اللہ کا ہے۔ آپ (اس وقت) کہئے کہ پھر تم (اس سے) ڈرتے کیوں نہیں؟ کہ اس کی قدرت اور بعث کی آیتوں ونشانیوں کا انکار کرتے ہو، اور) آپ (ان سے) یہ بھی کہئے کہ (اچھا) وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ (جس کو چاہتا ہے) پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تمہیں کچھ خبر ہے؟ (تب بھی جواب میں) وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب صفتیں بھی اللہ ہی کی ہیں) آپ (اس وقت) کہئے کہ پھر تمہیں کیسا خبط ہو رہا ہے (کہ ان سب باتوں کو مانتے ہو اور ان کے نتیجہ یعنی توحید اور بعث کے عقیدہ کو نہیں مانتے؟ یہ تو ان کے جواب سے مقصود پر استدلال تھا، آگے ان کی دلیل یعنی ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ الخ کو باطل کیا گیا ہے کہ یہ جو نہیں بتایا جا رہا ہے کہ بعث ہوگا یہ ﴿اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ نہیں ہے) بلکہ ہم نے انہیں سچی بات پہنچائی ہے، اور یقیناً یہ (خود ہی) جھوٹے ہیں (یہاں تک گفتگو ختم ہو چکی اور توحید اور بعث دونوں ثابت ہو گئے، مگر چونکہ ان دونوں مسئلوں میں توحید کا مسئلہ زیادہ اہتمام اور شان والا تھا اور حقیقت میں بعث کا مسئلہ بھی بنیاد تھا اور اسی میں کلام بھی زیادہ تھا اس لئے تقریر کے تتمہ میں اس کو مستقل طور پر ارشاد فرماتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا (جیسا کہ مشرک لوگ فرشتوں کے بارے میں کہتے تھے) اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی مخلوق کو (تقسیم کر کے) جدا کر لیتا اور (پھر دنیا کے رئیسوں کی عادت کے مطابق دوسروں کی مخلوقات چھیننے کے لئے) ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا، تو مخلوق کی تباہی بدیہی ہے، لیکن دنیا کا نظام بدستور قائم ہے، اس سے ثابت ہوا کہ) اللہ تعالیٰ ان (ناگوار) باتوں سے پاک ہے، جو یہ لوگ (اس کے بارے میں) بیان کرتے ہیں، سب ڈھکے اور کھلے کا

جاننے والا ہے۔ غرض وہ ان لوگوں کے شرک سے بالاتر (اور پاک) ہے۔

فائدہ: ﴿قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾ میں یا تو قلت سے بالکل سرے سے ہی نفی مراد ہے اور یا یہ کہ اللہ کو فاعل اور خالق ماننے والا طبعی طور پر شکر ادا کرتا ہے، لیکن فرد اعظم یعنی ایمان نہیں تھا، اس لئے وہ شکر، قلیل یعنی کم قرار دیا گیا۔ اور ﴿اٰبَآؤُنَا﴾ میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ان کے آبا کے پاس نذیر یعنی ڈرانے والا پیغمبر نہیں آیا تھا، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ﴾ اس کا جواب یا تو آبا کی قریب اور بعید میں تقسیم کر کے دیا جائے جیسا کہ اوپر کے فائدہ میں گذرا یا یہ کہا جائے کہ پہلے والے نبیوں کے اقوال مشہور تھے جو دوسرے نقل کرنے والوں کے ذریعہ سے آباء تک پہنچ گئے۔ اور ﴿اِذًا لَّذَهَبَ﴾ میں جو لازم قرار دیا گیا ہے اس کا حاصل وہی ہے جو آیت ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ کا ہے اس کی تحقیق اسی آیت کے ذیل میں بعض دوسرے ضروری فوائد سمیت گذر چکی ہے۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔

﴿قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۝ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۝ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝﴾

ترجمہ: آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جا رہا ہے اگر آپ مجھ کو دکھا دیں تو اے میرے! رب مجھ کو ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجئے اور ہم اس بات پر کہ جو ان سے وعدہ کر رہے ہیں، آپ کو بھی دکھلا دیں: قادر ہیں۔ آپ ان کی بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کر دیا کیجئے جو بہت ہی اچھا ہو، ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ کہا کرتے تھے۔ اور آپ یوں دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے اور اے میرے رب! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس بھی آویں۔

ربط: اوپر آیت ﴿حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ﴾ الخ میں کافروں کے عناد و دشمنی اور طغیان و سرکشی پر شدید عذاب کی وعید فرمائی تھی۔ اب ایک خاص اور بلیغ عنوان سے کہ وہ حضور ﷺ کے لئے ایک مناسب وقت کی دعا کی تعلیم اور رب عظیم کی قدرت کا اظہار ہے اس عذاب کا حد سے زیادہ برا ہونا بیان فرماتے ہیں جس میں ان کی جلد بازی اور مذاق اڑانے کا رد بھی شامل ہے اور اس عذاب کے واقع ہونے تک آپ کو ان کافروں کے ساتھ معاملات میں نیکی اور نرمی کا حکم فرماتے ہیں۔

عذاب کی ہولناکی اور صبر جمیل کا حکم:

آپ (حق تعالیٰ سے) دعا کیجئے کہ اے میرے رب! جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جا رہا ہے (جیسا کہ اوپر ﴿اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ﴾ سے بھی معلوم ہوا) اگر آپ وہ مجھے دکھا دیں (جیسے یہ کہ وہ عذاب میری زندگی میں اس طرح

آئے کہ میں بھی دیکھوں، کیونکہ اس عذاب کا، جس کا وعدہ کیا گیا ہے کوئی خاص وقت) نہیں بتایا گیا ہے، چنانچہ مذکورہ آیت میں بھی وضاحت نہیں ہے، جس میں اس احتمال کا ذکر بھی ہے۔ غرض اگر ایسا ہو) تو اے میرے رب! مجھے ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کرنا اور ہم اس بات پر کہ جس کا ان سے وعدہ کر رہے ہیں، آپ کو بھی دکھانے پر قادر ہیں (باقی جب تک ان پر عذاب نہ آئے) آپ (ان کے ساتھ یہ معاملہ رکھئے کہ) ان کی برائی کو ایسے برتاؤ سے دور کیجئے جو بہت ہی اچھا (اور نرم) ہو (اور اپنی ذات کے لئے) بدلا نہ لیجئے، بلکہ ہمارے حوالہ کر دیا کیجئے ہم خوب جانتے ہیں جو یہ (آپ کے بارے میں) کہا کرتے ہیں اور اگر آپ کو بشریت کے تقاضہ سے غصہ آ جایا کرے تو) آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں، شیطانوں کے وسوسوں سے (جو کسی ایسے امر کا سبب ہو جائیں جو مصلحت کے خلاف ہو، چاہے شریعت کے خلاف نہ ہو) اور اے میرے رب! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اور اس سے کہ (وسوسہ ڈالنا تو دور) شیطان میرے پاس بھی آئیں (لہٰذا اس سے وہ غصہ جاتا رہے گا)

فائدہ: پہلی دعا اس وجہ سے نہیں کہ نعوذ باللہ اس امر کا احتمال ہو، بلکہ عذاب کی ہولناکی کا اظہار ہے، کہ جس جگہ اس کا احتمال بھی نہیں ہے جب وہاں پناہ مانگنے کا حکم ہے تو جو لوگ مستحق ہیں انہیں تو بہت ہی زیادہ ڈرنا چاہئے، اور سوال کا صحیح ہونا وقوع کے احتمال پر موقوف نہیں ہے، بلکہ اس کا مقدور ہونا بھی کافی ہے، چنانچہ مقدور ہونا اس کو صحیح قرار دیتا ہے اور اس کی برائی کا قصد ترجیح دینے والا ہے اور یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے کہ یہ دعا برابر کرتے رہو۔ دوسری ہولناکی اگلی آیت میں آ رہی ہے۔ ﴿وَاِنَّا عَلٰٓی اَنْ نُّرِيَكَ﴾ الخ میں ان کے مذاق اڑانے کے باطل ہونے کی بھی صراحت ہوگئی اور چونکہ پہلی آیت میں شرط کی شکل میں بات کہی گئی جو پہلے واقع ہونے کی صحت کے لئے لازم نہیں ہوتی بعد والی اس آیت میں پہلے واقع ہونے کی صحت کی بھی تصریح ہوگئی، چنانچہ بلاغت پر بلاغت ہوگئی اور آیت ﴿اِدْفَعْ﴾ الخ جہاد کے حکم کے خلاف نہیں کیونکہ جہاد دین کے حقوق کے لئے ہوتا ہے اور یہ آیت ذاتی نفس کے حقوق کے بارے میں ہے اور آیت ﴿قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ﴾ الخ سے ملتا جلتا مضمون سورۃ الاعراف آیت ۲۰۰ ﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ﴾ میں آ چکا ہے۔ اس کی تفسیر میں ایک ضروری فائدہ لکھا جا چکا ہے، ملاحظہ فرما لیا جائے اور اس کا خلاصہ اشارہ کے طور پر خود یہاں بھی بیان ہوا ہے، اس قول میں جو کسی ایسے امر کا سبب ہو جائیں۔ الخ

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ

النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰىٓ اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آتی ہے، اس وقت کہتا ہوں کہ اے میرے رب! مجھ کو پھر واپس بھیج دیجئے۔ تاکہ جس کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک کام کروں۔ ہرگز نہیں! یہ ایک بات ہی بات ہے جس کو یہ کہے جا رہے ہیں اور ان لوگوں کے آگے ایک آڑ ہے قیامت کے دن تک۔ پھر جب صور پھونکا جاوے گا تو ان میں باہمی رشتے ناتے اس روز نہ رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔ سو جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب ہونگے۔ اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہونگے جنھوں نے اپنا نقصان کرلیا اور جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ ان کے چہروں کو آگ جھلستی ہوگی اور ان میں ان کے منہ بگڑے ہونگے، کیوں؟ کیا تم کو میری آیتیں پڑھ کر سنائی نہیں جایا کرتی تھیں اور تم ان کو جھٹلایا کرتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہماری بدبختی نے ہم کو گھیر لیا تھا اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ اے ہمارے رب! ہم کو اس سے نکال دیجئے، پھر اگر ہم دوبارہ کریں تو ہم بیشک پورے قصوروار ہیں۔ ارشاد ہوگا کہ اسی میں راندے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو۔ میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو عرض کیا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے سو ہم کو بخش دیجئے اور ہم پر رحمت فرمایئے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں۔ سو تم نے ان کا مذاق مقرر کیا تھا یہاں تک کہ ان کے مشغلہ نے تم کو ہماری یاد بھی بھلادی اور تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے۔ میں نے ان کو آج ان کے صبر کا یہ بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہوئے۔ ارشاد ہوگا کہ تم برسوں کے شمار سے کس قدر مدت زمین پر رہے ہوگے۔ وہ جواب دیں گے کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہونگے، سو گننے والوں سے پوچھ لیجئے۔ ارشاد ہوگا کہ تم تھوڑی ہی مدت رہے کیا خوب ہوتا کہ تم سمجھے ہوتے۔ ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یوں ہی مہمل پیدا کردیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے؟

ربط: اوپر آیت ﴿ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ اور جواب ﴿ ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴾ میں صراحت کے ساتھ اور عذاب کے مستحق ہونے کی طرف اشارہ کرنے والی تمام آیتوں میں دلالت کے طور پر اٹھائے جانے کا اثبات ہے۔ آگے ﴿ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا

﴿لَا تُرْجَعُوْنَ﴾ تک جو کہ سورت کے ختم کے قریب ہے تفصیل کے طور پر اور بات پوری کرتے ہوئے اسی کا اور اس کے وقت اور احوال و واقعات کا ذکر ہے۔

آخرت اور اس کے احوال اور ہولناکیوں کا ذکر:

(یہ کافر لوگ اپنے کفر اور آخرت کے انکار سے) باز نہیں آتے، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی (کے سر) پر موت آ (کھڑی ہو) تی ہے (اور وہ آخرت کے آثار دیکھنے لگتا ہے) اس وقت (اس کی آنکھیں کھلتی ہیں، اس وقت وہ اپنی جہالت پر اور کفر پر نادم ہو کر حسرت کے ساتھ) کہتا ہے کہ اے میرے رب! (مجھ سے موت کو ٹال دیجئے اور) مجھے (دنیا میں) پھر واپس بھیج دیجئے تا کہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ آیا ہوں، اس میں (پھر جا کر) نیک کام (یعنی تصدیق اور اطاعت) کروں (حق تعالیٰ اس درخواست کو رد فرماتے ہیں کہ) ہرگز (ایسا) نہیں (ہوگا) یہ (اس کی) ایک بات ہی بات ہے جس کو یہ کہے جا رہا ہے (اور اب بس اس کی یہ بات پوری ہونے والی نہیں) اور اس کی (وجہ) یہ ہے کہ (ان لوگوں کے سامنے ایک (چیز) آڑ (کی آنے والی) ہے (کہ وہ ضرور واقع ہونے والی ہے اور وہی دنیا میں واپس آنے سے رکاوٹ ہے، اس سے موت مراد ہے کہ مقررہ وقت پر اس کا بھی واقع ہونا ضروری ہے۔ ﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا﴾ اور اس کا دنیا میں لوٹنے کے لئے رکاوٹ ہونا) قیامت کے دن تک (یعنی ہمیشہ کے لئے ہے۔ یہ مصیبت تو انہیں مرنے کے وقت پیش آئی) پھر جب (قیامت کا دن ہوگا اور) صور پھونکا جائے گا تو (ایسی ہولناکی اور ہیبت میں گرفتار ہوں گے کہ) ان میں (جو) آپس میں رشتے ناتے (تھے) اس دن (گویا وہ بھی) نہ رہیں گے (یعنی کوئی کسی کے ساتھ ہمدردی نہ کرے گا، جیسے اجنبی اجنبی ہوتے ہیں) اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا (کہ بھائی! تم کس حالت میں ہو۔ غرض نہ رشتہ ناتا کام آئے گا نہ دوستی و تعارف۔ وہاں بس کام کی ایک ہی چیز ہوگی یعنی ایمان جس کی عام شناخت کے لئے کہ سب پر ظاہر ہو جائے ایک ترازو کھڑی کی جائے گی اور اس سے اعمال و عقائد کا وزن ہوگا) تو جس شخص کا (ایمان کا) پلہ بھاری ہوگا یعنی وہ مؤمن ہوگا) تو ایسے لوگ کامیاب (یعنی نجات پانے والے) ہوں گے (اور یہ مذکورہ عذاب و سزائیں ایمان کے لئے لوٹنے کی تمنا اور نسب اور حال پوچھنے کے نفع کی نفی ان کے لئے نہ ہوں گے، جیسا کہ فرمایا ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ﴾ الآیہ) اور جس شخص کا (ایمان کا) پلہ ہلکا ہوگا (یعنی وہ کافر ہوگا) تو یہ لوگ وہ ہوں گے جنھوں نے اپنا نقصان کر لیا اور جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ ان کے چہروں کو (اس جہنم کی) آگ جھلستی ہوگی اور اس (جہنم) میں ان کے منہ بگڑے ہوں گے (اور ان سے حق تعالیٰ بواسطہ یا بلاواسطہ ارشاد فرمائیں گے کہ) کیوں؟ کیا تمھیں میری آیتیں (دنیا میں) پڑھ کر سنائی نہیں جاتی تھیں اور تم انہیں جھٹلایا کرتے تھے؟ (یہ اس کی سزا مل رہی ہے) وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! (واقعی) ہماری بدبختی نے ہمیں (ہمارے ہاتھوں) گھیر لیا تھا اور (بیشک) ہم گمراہ لوگ تھے (یعنی ہم جرم کا اقرار کرتے ہیں اور اس

پر ندامت و معذرت کا اظہار کر کے درخواست کرتے ہیں کہ) اے ہمارے رب! ہمیں اس (جہنم) سے (اب) نکال دیجئے (اور دوبارہ دنیا میں بھیج دیجئے جیسا کہ سورہ الٓمٓ السجدۃ میں ارشاد ہے: ﴿ فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا ﴾ پھر اگر ہم دوبارہ (ایسا) کریں تو بیشک ہم پورے قصوروار ہیں (اس وقت ہمیں خوب سزا دیجئے اور اب چھوڑ دیجئے) ارشاد ہوگا کہ اسی (جہنم) میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو (یعنی ہم منظور نہیں کرتے، کیا تمہیں یاد نہیں رہا کہ) میرے بندوں میں ایک گروہ (ایمانداروں کا) تھا جو (بے چارے ہم سے) عرض کیا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے، تو ہمیں بخش دیجئے اور ہم پر رحمت فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں۔ تو تم نے (محض اس بات پر جو ہر طرح قابل قدر تھی) ان کا مذاق مقرر کیا تھا (اور) یہاں تک (ان کا مذاق اڑایا تھا) کہ ان کے مشغلہ نے تمہیں ہماری یاد بھی بھلادی اور تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے (تو ان کا تو کچھ بھی نہ بگڑا، کچھ دن کا رنج تھا کہ صبر کرنا پڑا جس کا نتیجہ یہ ملا کہ) میں نے آج انہیں صبر کا یہ بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہوئے (اور تم اس ناکامی میں مبتلا ہوئے۔ جواب کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا قصور اس قابل نہیں کہ سزا کے وقت اقرار کرنے سے معاف کردیا جائے، کیونکہ تم نے ایسا معاملہ کیا جس سے ہمارے حقوق بھی تلف ہوئے اور بندوں کے حقوق بھی۔ اور بندے بھی کیسے کہ ہمارے مقبول اور محبوب، جو ہم سے خصوصی تعلق رکھتے تھے کہ ان کا مذاق اڑانے میں ان کو اذیت کہ بندہ کا حق ضائع کرنا ہے اور حق کا جھٹلانا جو مذاق اڑانے کا مقصد و منشا ہے کہ اللہ کے حق کا ضائع کرنا ہے۔ دونوں لازم آئے، لہٰذا اس کی سزا کے لئے ہمیشہ کی اور پوری سزا مناسب ہے۔ اور مؤمنوں کو فوز و کامیابی کی جزا دینا کافروں کے لئے پوری سزاؤں میں سے ہے، کیونکہ دشمن کی کامیابی سے روحانی تکلیف ہوتی ہے، یہ تو ان کی درخواستوں کا جواب ہوگیا۔ آگے ان کے عقیدہ اور مسلک کے باطل ہونے پر تنبیہ ہے تاکہ ذلت اور حسرت پر ہونے سے عقوبت میں اور شدت ہو، اس لئے) ارشاد ہوگا کہ (اچھا یہ بتاؤ) کہ تم برسوں کی گنتی کے حساب سے زمین میں کتنی مدت رہے ہوگے (چونکہ وہاں کی ہولناکی اور ہیبت سے ان کے ہوش و حواس گم ہو چکے ہوں گے اور اس دن کا طویل ہونا بھی نظر میں ہوگا) وہ جواب دیں گے کہ (برس کہاں، زیادہ سے زیادہ رہے ہوں گے تو) ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے (اور سچ یہ ہے کہ ہمیں یاد نہیں) تو گننے والوں سے (یعنی فرشتوں سے کہ وہ اعمال اور عمروں سب کا حساب کرتے تھے) پوچھ لیجئے ارشاد ہوگا کہ (دن یا دن کا بھی کچھ حصہ کہنا تو غلط ہے، مگر اتنا تو تمہارے اقرار سے ثابت ہوگیا جو کہ صحیح بھی ہے کہ) تم (دنیا میں) تھوڑی ہی مدت رہے (لیکن) کیا اچھا ہوتا کہ تم نے (اس بات کو اس وقت) سمجھا ہوتا (کہ دنیا کا باقی رہنا اعتبار کے قابل نہیں اور دارالقرار یعنی مستقل رہنے کی اصل جگہ کوئی اور ہے، مگر وہاں تو تم نے باقی رہنے کو دنیا ہی میں منحصر سمجھا اور اس عالم کا انکار کرتے رہے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴾ اور اب جو غلطی ظاہر ہوئی اور صحیح بات کو سمجھا تو عقیدہ کی غلطی اور بے کار باتوں پر تنبیہ کے بعد آگے پھر اس عقیدہ پر زجر و توبیخ ہے جو خلاصہ کے طور پر فرد

قرارداد (جرم کا مضمون ہے کہ) ہاں! تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بے کار (بغیر کسی حکمت کے) پیدا کردیا ہے؟ اور (تم نے) یہ (خیال کیا تھا) کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے؟ (مطلب یہ کہ جب ہم نے آیتوں میں (جن کا صحیح ہونا صحیح دلیلوں سے ثابت ہے، بعث کی اور جزا و سزا کی خبر دی تھی تو معلوم ہوگیا تھا کہ مکلف لوگوں کو پیدا کرنے کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے۔ پھر اس کا منکر ہونا کتنا بڑا گناہ تھا)

پہلا فائدہ: موت کے حضور کے وقت چونکہ آخرت کا عالم کھل کر سامنے آجاتا ہے، لہٰذا اس تعلق کی وجہ سے اس شخص کو ایک لحاظ سے آخرت میں منتقل ہو چکا سمجھا جائے گا، اس لئے موت کی تاخیر کو ﴿ ارۡجِعُوۡنِ ﴾ سے تعبیر کیا۔ ورنہ ظاہر میں رجعت کا اطلاق موت کے بعد ہونا چاہئے۔

دوسرا فائدہ: ﴿ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴾ سے حد کی انتہا مقصود نہیں ہے، بلکہ مقصود پوری طرح مایوس کرنا ہے جیسا ترجمہ سے ظاہر ہے جیسا کہ تفسیر خازن میں ہے، کیونکہ قیامت کے دن زندہ ہونے کا مطلب دنیا کی طرف لوٹنا نہیں ہے بلکہ وہ خود آخرت ہی ہے، اگرچہ ظاہر میں دنیا کے مکان کی طرف رجوع ہوگا، اور اس اعتبار سے انتہائی حد کی توجیہ بھی ہوسکتی ہے، چنانچہ منفی حقیقت دنیا کی طرف لوٹنا ہے جس کا حاصل عمل کے لئے رجوع ہے، اور مثبت صورت رجوع ہے جس کا حاصل حساب کے لئے رجوع ہے اور یہی دونوں احتمال سورۃ انبیاء میں یاجوج ماجوج کے واقعہ کی آیت ۹۶ ﴿ حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتۡ ﴾ میں بھی ہیں۔

تیسرا فائدہ: اس سے تناسخ یعنی بار بار پیدا ہونا باطل ہوگیا۔

چوتھا فائدہ: نسبوں کی نفی سے مراد ان کے نفع کی نفی ہے نہ کہ مطلق نسبوں کی۔ اور اسی طرح تساءل یعنی حال پوچھنے کی نفی سے مراد نفع دینے والا حال پوچھنا ہے نہ کہ مطلق حال پوچھنا، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ یَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴾

پانچواں فائدہ: اور یہ سب نسب اور حال پوچھنے کی نفی کافروں کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ موقع و محل کا اشارہ ہے اور ارشاد ہے: ﴿ اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ ﴾ مگر ایمان والوں کے لئے نسب کا نفع والا ہونا اس معنی میں نہیں ہے کہ اصطلاحی شرافت فائدہ دینے والی ہو جائے گی، بلکہ شرعی طور پر شریف یعنی اللہ کے نزدیک مقبول مؤمن سے نسبی تعلق نفع دے گا، اگرچہ اصطلاح کے طور پر وہ شخص کم درجہ کی قوم کا ہو، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّیَّتُهُمۡ بِاِیۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّیَّتَهُمۡ ﴾ اور ﴿ فَمَنۡ ثَقُلَتۡ ﴾ الخ جو تفصیل ہے، اس سے شبہ نہ کیا جائے کہ اوپر والی آیتیں مؤمن و کافر سب کے حق میں عام ہیں کیونکہ جو کچھ اوپر گذرا یہ اس کی تفصیل نہیں ہے بلکہ مخلوق کے مجموعہ کی تفصیل سے جو کچھ اوپر گذرا اس پر استدلال ہے یعنی نسب اور حال پوچھنے کی نفی کی وجہ ایمان نہ ہونا ہے، کیونکہ وہاں نفع کے لئے ایمان ہونا شرط ہے، جس کا حال اس تفصیل سے معلوم ہوگا۔ الخ

چھٹا فائدہ: ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴾ کی توضیح میں رجعت میں للایمان کی قید اس لئے لگائی کہ فروع اعمال

کے لئے رجعت کی تمنا بعض گنہ گاروں سے بھی ہوگی جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ ﴾ الخ اور درجوں اور مرتبوں کی ترقی کی خواہش سے رجعت کی تمنا بعض مقبول حضرات سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں شہیدوں کی تمنا کا ذکر ہے۔

ساتواں فائدہ: ﴿ فَمَنْ ثَقُلَتْ ﴾ الخ کی نظیر سورۂ اعراف آیت ۷و۸ میں بھی گذر چکی ہے، وہاں اس کے ذیل میں اس سے متعلق بعض ضروری مضامین ملاحظہ کے قابل بیان ہو چکے ہیں۔

آٹھواں فائدہ: ﴿ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ ﴾ یعنی چہروں کو جھلسنے میں وجہ کی تخصیص اس کے نازک اور اشرف ہونے کی وجہ سے ہے، جس سے عقوبت والم کی شدت اور دوسرے اعضاء کے لئے عذاب عام ہونے پر دلالت ہوگئی۔

نواں فائدہ: کالحون یعنی منہ بگڑے ہوئے کی تفسیر ترمذی کی حدیث مرفوع میں آئی ہے کہ اوپر کا ہونٹ سکڑ کر سر کے درمیان تک جا پہنچے گا اور نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف پر آپڑے گا اور اس ہیئت کے لئے دانتوں کا کھل جانا عادت کے طور پر لازم ہے اور یہی تفسیر الروح میں کی گئی ہے۔

دسواں فائدہ: ﴿ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ ﴾ الخ کے شروع میں جو میں نے کلام میں بواسطہ یا بلا واسطہ کو عام کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری آیت میں ﴿ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ ﴾ ہے۔ لہٰذا جمع کی دو وجہیں ہیں: یا تو کلام واسطہ سے ہو یا اگر بغیر واسطہ کے ہو تو لا یکلم کو عزت کے ساتھ کلام کرنے پر محمول کیا جائے گا۔

گیارہواں فائدہ: ﴿ غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا ﴾ میں اپنے ہاتھوں کی قید اس لئے ظاہر کی گئی کہ بدبختی کا اثر عقوبت ہے، جو کہ انسان کی کمائی کے ساتھ متعلق ہے۔ اور اختیار کے مسئلہ پر نقلی و عقلی دلیلیں کثرت سے قائم ہیں۔

بارہواں فائدہ: ﴿ وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴾ میں اقرار اس غرض سے کیا گیا کہ بعض اوقات اعتراف پر معافی ہو جاتی ہے۔

تیرہواں فائدہ: اگر شبہ ہو کہ آخرت میں تو حقیقتیں کھل کر سامنے آجائیں گی، اور ان میں رجعت ناممکن ہے پھر اس کی تمنا کیسے ہوگی۔ جواب یہ ہے کہ یا تو یہ تمنا طبعی ہے اور یا یوں کہا جائے کہ اس جواب ہی سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی اور یا کہا جائے کہ وہ حقیقتیں شرعی طور پر مقصود بالذات ہیں، ان کا انکشاف ضروری ہے، جیسے توحید، رسالت، مرنے کے بعد اٹھایا جانا، اور جنت اور جہنم کی حقیقت۔ وہ حقیقتیں نہیں جو شریعت میں ذاتی طور پر مقصود نہیں، بلکہ مقصود بالغیر ہیں، جیسے رجعت کا واقع ہونا، اگرچہ تصدیق کے واجب ہونے میں سب یکساں اور برابر ہیں۔

چودھواں فائدہ: ﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ ﴾ کی (۱) جو تقریر کی گئی ہے، اس سے یہ شبہ جاتا رہا کہ اگر اللہ

---

(۱) تقریر سے وہ عبارت مراد ہے جو بین القوسین یعنی بریکٹ میں ہے جو ترجمہ کے ختم پر ہے یعنی اگرچہ اس حکمت کی رعایت واجب نہیں تھی مگر جب اس نے اس حکمت کے واقع ہونے کی خبر دیدی تھی تو پھر اس حکمت کے واقع ہونے کا انکار کیوں کیا ہے؟

تعالیٰ جزا وسزا کا مرتب نہ فرماتا تو کیا بے کار کام کرنے کا نقص لازم آتا؟ اگر ایسا ہے تو جزا وسزا کا عقلی طور پر واجب ہونا لازم آتا ہے، جو کہ اہل حق کے نزدیک درست نہیں ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ بھی حسن، بہتر اور غیر عبث ہوتا کیونکہ حکمت اسی میں منحصر نہیں۔

پندرھواں فائدہ: ﴿اِنَّهٗ كَانَ فَرِیْقٌ﴾ اور ﴿بِمَا صَبَرُوْٓا﴾ سزا و جزا کی پوری علت نہیں ہے، بلکہ اس کے اجزا میں سے ایک ہے۔

سولہواں فائدہ: سورۂ طٰہٰ آیت ۱۰۳ ﴿اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا﴾ میں بھی لبث یعنی رہنے کی بحث ہے اس کو قبر میں رہنے پر محمول کیا گیا ہے اور یہاں کی اس تفسیر کی اور وہاں کی اس تفسیر کی بھی گنجائش ہے، البتہ بیان کا انداز تھوڑا بدل جائے گا۔

> ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۱۸﴾﴾ ع ۶

ترجمہ: سو اللہ تعالیٰ بہت ہی عالیشان ہے جو کہ بادشاہ حقیقی ہے اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں عرش عظیم کا مالک ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت کرے کہ جس پر اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، سو اس کا حساب ان کے رب کے یہاں ہوگا یقیناً کافروں کو فلاح نہ ہوگی۔ اور آپ یوں کہا کریں کہ اے میرے رب! معاف کر اور رحم کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

ربط: اوپر پوری سورت میں جو مضامین بیان ہوئے، جن کا خلاصہ سورت کی تمہید میں لکھا گیا ہے، سورت کے خاتمہ میں ان پر ایک فرع نتیجہ اور تلخیص کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں: چنانچہ ظاہر ہے کہ عبادت کے حکم سے حق تعالیٰ کا اللہ معبود اور ملک ہونا اور قدرت کے آثار سے جو توحید کی دلیلیں ہیں اس کا واحد اور شرک سے بالا و برتر ہونا جس پر ﴿فَتَعٰلَى﴾ اور لا اللہ إلا ھو سے دلالت کی گئی ہے اور انبیاء کے مبعوث ہونے سے بھی اس کا مالک اور فرماں روا ہونا اسی طرح بعث یعنی اٹھائے جانے اور جزا وسزا سے بھی ملک ہونا ثابت ہوتا ہے، اور اسی طرح جھٹلانے والوں کی ہلاکت کے قصوں سے بھی اس کا ملک ہونا اور کافروں کے حال کی برائی سے ان کا پکڑ کے قابل ہونا جس پر ﴿فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ﴾ الخ کی دلالت ثابت ہوتی ہے تفصیل کے ساتھ پوری سورت میں ثابت کرنے والی اور سورت کی تمہید میں ان کا مجمل ہونا اور ثابت کی ہوئی چیزوں کا اجمال یہاں خاتمہ میں بیان ہوا ہے۔ اور فتعالی پر حرف ف کا آنا فرع قرار دینے کے اس ارادہ کا قرینہ ہے اور کمال، جلال، معبود، ملک، وحدت، تعالیٰ اور رب ہونے کی صفتوں کے ساتھ کسی ذات کے موصوف ہونے کا تقاضا ہونا کہ اس کو اپنی توجہ کا قبلہ و مرکز اور مرجع حاجات یعنی ضرورتوں و حاجتوں کے لئے رجوع کا مرکز بنایا جائے، یہ بھی ظاہر ہے۔

چنانچہ بالکل آخری آیت ﴿ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ ﴾ الخ کے مضمون میں اسی کی رعایت ہے اور اس ثبوت کی طرف ترجمہ کی عبارت میں بھی اشارہ ہے اور یہ دعا کرنے والوں کا مقبول ومحبوب ہونا اور آیت ﴿ إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ ﴾ الخ میں معلوم ہو چکا ہے، اس کی تعلیم میں یہ بھی نکتہ ہوگیا کہ جن کی فضیلت اوپر بیان ہوئی ہے، ان میں شامل ہونے کی دعا والتجا کرنی چاہئے، چنانچہ اس سے ایک خاص ربط اپنے قریب کے مضمون سے اور بھی حاصل ہوگیا اور شروع میں مؤمنوں کے لئے فلاح وکامیابی کا اثبات اور خاتمہ میں کافروں سے فلاح کی نفی جو کہ ﴿ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴾ اور ﴿ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَٰفِرُونَ ﴾ بیان ہوئے ہیں ایک عجیب مقابلہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر مع مشرکوں کے لئے وعید اور مغفرت ورحم طلب کرنے کی تعلیم:

(اور جب یہ سب مضامین معلوم ہو چکے) تو (اس سے یہ کامل طور پر ثابت ہوگیا کہ) اللہ تعالیٰ بہت ہی عالی شان والا ہے، جو کہ بادشاہ (ہے، اور بادشاہ بھی) حقیقی ہے کہ اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں (اور وہ) عرش عظیم کا مالک ہے اور جو شخص (اس امر پر دلیلیں قائم ہونے کے بعد) اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی بھی عبادت کرے کہ جس (کے معبود ہونے) پر اس کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں، تو اس کا حساب اس کے رب کے یہاں ہوگا (جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ) یقیناً کافروں کو کامیابی نہیں ہوگی (بلکہ ہمیشہ ہمیش کے لئے عذاب میں رہیں گے اور (جب حق تعالیٰ کی یہ شان ہے تو) آپ (اور دوسرے لوگ اور بھی زیادہ) یوں کہا کریں گے کہ) اے میرے رب! (میری خطائیں) معاف کر اور (ہر حالت میں مجھ پر) رحم کر (معاش وروزگار میں بھی، طاعتوں کی توفیق میں بھی، آخرت میں نجات میں بھی اور جنت عطا کرنے میں بھی) اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

فائدہ: ﴿ مَعَ اللّٰهِ ﴾ کی قید ایک تو واقعی ہے کیونکہ وہ لوگ اللہ کو بھی مانتے تھے اور دوسرے اس سے نص کی دلالت کی وجہ سے واجب الوجود کا انکار کرنے والے کا حال زیادہ بہتر طور پر معلوم ہوگا اور ﴿ لَا بُرْهَانَ لَهُ ﴾ کی قید بھی واقعی ہے کیونکہ اللہ کے علاوہ ہر ایک کے معبود ہونے کے لئے ثبوت نہ ہونا عام ہے بلکہ نہ ہونے کا ثبوت عام ہے اور آپ کا رحمت ومغفرت مانگنا اپنے درجہ کے مطابق ہے۔ لہٰذا اس سے معصیت کا شبہ نہیں ہوسکتا۔
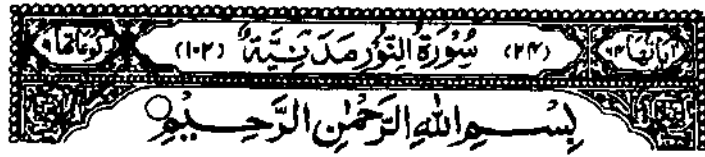
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور اس کو ہم نے مقرر کیا ہے اور ہم نے اس میں صاف صاف آیتیں نازل کی ہیں تا کہ تم سمجھو۔

ربط: اوپر والی سورت کے آخر میں آیت ﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا ﴾ سے معلوم ہوا تھا کہ انسان کو پیدا کرنے کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس کو احکام کا مکلّف کیا جائے اور ان احکام کی اطاعت یا مخالفت پر آخرت میں جزا و سزا ملے۔ اس سورت میں بعض احکام کی تفصیل ہے۔ چنانچہ نصف سورت تک تو عملی احکام بیان کئے گئے ہیں۔ اور خاتمہ کے قریب بھی بعض احکام ان کی تکمیل کے طور پر جیسے اجازت طلب کرنے کا مسئلہ اور بعض ابتدا کے طور پر جیسے کھانے کا مسئلہ بیان ہوا ہے، اور یہ سب احکام سوائے غلام و باندی کو مکاتب بنانے اور گھروں سے کھانے کے مسئلہ کے کہ پہلا غلاموں اور باندیوں کی صلاح کے ساتھ اور دوسرا مسئلہ گھروں میں داخل ہونے کے ساتھ اضافہ کے طور پر بیان ہوا ہے، باقی سب عفت سے متعلق ہیں، تو گویا ایک لحاظ سے پچھلی سورت کے شروع میں آنے والی اس آیت کی تفصیل و تکمیل ہیں ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴾ الخ چنانچہ اس طرح اس کو پچھلی سورت کے شروع اور آخر دونوں سے ربط ہو گیا۔ اور باقی نصف سورت کی بعض آیتوں میں توحید کی دلیلیں جو کہ علمی احکام میں سے ہیں اور بعض آیتوں میں احکام کی اطاعت اور فرماں برداروں کے مناقب یعنی اچھی تعریفوں اور گناہوں اور گنہ گاروں کی برائیوں کا ذکر ہے۔ اور دونوں نصف کے قریب یعنی آیت نور میں مطلق احکام سے متعلق علمی و عملی ہدایت اور گمراہی کی مثالیں اور تشبیہیں بیان فرمائی گئی ہیں، یہ سورت کا خلاصہ ہے جو تھوڑے غور و فکر سے سورت کے تمام حصوں پر صادق آسکتا ہے اور ان سب مضامین کی مختصر انداز میں تمہید سے سورت کو شروع فرمایا ہے۔ فقط۔

سورت کے مضامین کی مختصر انداز میں تمہید:

یہ ایک سورت ہے جس کے (الفاظ) کو (بھی) ہم نے (ہی) نازل کیا ہے اور (اس کے معنی یعنی احکام) کو (بھی) ہم نے (ہی) مقرر کیا ہے (عام اس سے کہ بعض احکام فرض ہوں اور بعض مستحب جیسے مکاتب بنانا) اور ہم نے (ان

احکام پر دلالت کرنے کے لئے) اس (سورت) میں صاف صاف آیتیں (جو کہ ان احکام پر دلالت کرنے والی ہیں) نازل کی ہیں تا کہ تم سمجھو (اور عمل کرو)

فائدہ: اس تمہید میں اپنی طرف نسبت فرما کر سورت کے الفاظ کا محکم ہونا، اور معانی کا عظیم ہونا اور معنی پر الفاظ کی واضح دلالت ہونا اور پھر اس مجموعہ کی غرض بیان فرمانے سے ان احکام پر عمل کرنے کی شان اور غرض واضح ہوگئی۔ شاید یہ خاص اہتمام اس لئے فرمایا گیا ہو کہ اس میں کثرت سے عورتوں سے متعلق احکام بیان ہوئے ہیں جو اکثر قدموں کو ڈگمگانے والے ہوتے ہیں، اور دلالت کا واضح ہونا عبارت النص کی دلالت کے اعتبار سے ہے نہ کہ باقی استدلالوں کے اعتبار سے کہ وہ اجتہاد کرنے والوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد سوان میں سے ہر ایک کے سو (۱۰۰) درے مارو اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہئے اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہئے۔

ربط: مختصر تمہید کے بعد اب احکام کی تفصیل ہے جس کی مختلف قسمیں ہیں۔

پہلا حکم زنا کی حد:

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد (دونوں کا حکم یہ ہے کہ) ان میں سے ہر ایک کو سو درے مارو اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہئے (کہ رحم کھا کر چھوڑ دو یا سزا میں کمی کر دو) اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو (کیونکہ ان دونوں پر ایمان رکھنا عمل کے واجب ہونے کا تقاضا کرتا ہے، کیونکہ اللہ کا تو حکم ہی ہے اور قیامت کا دن احکام چھوڑنے والوں کے لئے سزا کا دن ہے) اور دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہئے (تا کہ ان کے ذریعہ سے سزا کی شہرت ہو، اور سننے والوں کو عبرت ہو۔ اور دوسرے لوگ اس گناہ سے بچیں)

فائدہ: یہ سزا اس زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورت کی ہے، جو آزاد، عاقل اور بالغ ہوں، اور نکاح کئے ہوئے نہ ہوں، یا نکاح کے بعد ہم بستری نہ کر چکے ہوں، اور جو آزاد نہ ہوں انہیں نصف سزا یعنی پچاس درے لگائے جاتے ہیں، اس کا حکم سورت النساء آیت ۲۵ میں بیان ہوا ہے۔ اور جو عاقل یا بالغ نہ ہو، وہ مکلف ہی نہیں اور جس مسلمان میں تمام صفتیں ہوں یعنی وہ آزاد بھی ہو، بالغ بھی، عاقل بھی، نکاح کئے ہوئے بھی ہو اور ہم بستری بھی کر چکا ہو تو ایسے شخص کو محصن کہتے ہیں۔ اس کی سزا رجم سنگسار کرنا ہے یعنی پتھروں سے مار مار کر ہلاک کرنا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ جو شخص

بیماری کی وجہ سے درے برداشت نہ کرسکتا ہو اس کے تندرست ہونے یعنی بیماری دور ہونے کا انتظار کریں گے، اور اس سے متعلق باقی مسائل فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ اور ﴿ وَلْيَشْهَدْ ﴾ الخ کا حکم فقہاء کے نزدیک مستحب کے طور پر ہے جیسا کہ الروح میں ہے۔ اور سورۂ نسا آیت ۱۵ میں جو ارشاد ہے ﴿ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴾ اس آیت کا حکم منجملہ اس سبیل کے ہے۔ چنانچہ اُس آیت کی تفسیر میں بھی بیان ہو چکا ہے۔

> ﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے اور زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے اور یہ مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے۔

دوسرا حکم: زنا کرنے والوں کا نکاح:

(زنا ایسا گندا عمل ہے جس سے طبیعت میں ایک ایسا برا مادہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ایسے شخص کی بری چیز کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ اسی طرح ایسے شخص کی طرف برے آدمی کی رغبت ہوتی ہے چنانچہ) زانی (اس حیثیت سے کہ زانی کی رغبت زنا کی طرف ہوتی ہے اس لحاظ سے وہ (نکاح بھی زانیہ یعنی زنا کرنے والی یا مشرکہ یعنی شرک کرنے والی کے سوا کسی کے ساتھ نہیں کرسکتا (جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ایسے شخص کی رغبت بری چیز کی طرف ہوتی ہے) اور (اسی طرح) زانیہ (زانیہ ہونے کی حیثیت) کے ساتھ بھی (زنا کی طرف رغبت کے اعتبار سے) اور کوئی نکاح نہیں کرتا سوائے زانی یا مشرک کے (جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ایسے شخص کی طرف برے آدمی کی ہی رغبت ہوتی ہے) اور یہ (ایسا نکاح جو زانیہ کی حیثیت سے زانیہ کے ساتھ ہو جس میں اس عورت کا زانیہ رہنا لازم امور میں سے ہو، یا مشرکہ کے ساتھ ہو) مسلمانوں پر حرام (اور گناہ کا سبب) قرار دیا گیا ہے (چاہے صحیح ہونے اور نہ ہونے میں دونوں میں فرق ہو، کہ زانیہ سے تو نکاح صحیح ہو جائے گا مگر مشرکہ سے باطل ہی رہے گا)

فائدہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ زنا کے عادی ہو جاتے ہیں اور انھوں نے ابھی توبہ نہ کی ہو بلکہ اسی روش پر ہوں تو ان کی اصلی رغبت زنا کی طرف ہوتی ہے اور انہیں اسی میں زیادہ لذت ہوتی ہے، حتی کہ انہیں جو عورت پسند ہوتی ہے اس کے بارے میں ان کی پہلی سوچ، خواہش اور کوشش یہی ہوتی ہے کہ انہیں اس کے ساتھ زنا کرنے کا موقع مل جائے اور یہ ہم سے زنا کرانا گوارا کرلے، اور جب اس کوشش میں ناکامی ہوتی ہے تو آخر میں نکاح کی کوشش کرنے لگتے ہیں، لیکن ان لوگوں کے نزدیک دونوں حالتوں میں سے پہلی حالت میں ہی رغبت اور لذت زیادہ ہوتی ہے اور نکاح کو دل سے پسند نہیں کرتے، کیونکہ نکاح کے جو مقاصد ہیں عفت و پاک دامنی اور اولاد کا حاصل کرنا، بیوی تک محدود اور اس سے متعلق رہنا،

بیوی کے حقوق، کھانے، پینے، پہننے رہنے وغیرہ کی ادائیگی، وہ ان کو وبال سمجھتے ہیں، اور چونکہ ان کا اصل مقصود زنا ہوتا ہے، اس لئے ان کی مخصوص رغبت مؤمن عورتوں کی طرف ہی نہیں ہوتی، بلکہ مشرک عورتوں کی طرف بھی ہوتی ہے اور اگر وہ مشرک عورت کسی وجہ سے چاہے وہ وجہ مذہب سے متعلق ہو یا سماج اور عرف عام سے متعلق ہو، ملنے کے لئے نکاح کو شرط قرار دیدے تو چونکہ اس کے لئے نکاح اصل مقصود نہیں ہوتا اس لئے وہ اس نکاح کے جائز یا ناجائز ہونے سے بھی بحث نہیں کرتا۔ اس نکاح کو اصل مقصود کو حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھ کر نکاح بھی کرلیتا ہے، چاہے وہ نکاح شریعت کے لحاظ سے صحیح نہ ہو۔ لہٰذا یہ امر صادق آیا کہ اس شخص کی اصلی رغبت جب بھی کسی عورت کی طرف ہوگی تو اگر وہ عورت مسلمان ہے تو زانیہ ہوگی چاہے وہ اس شخص کے ساتھ زنا کرانے سے زانیہ کہلائے یا پھر مشرک عورت کی طرف ہوگی کہ اس سے صحبت کرنے کا مطلب زنا ہی ہوگا۔ اور پہلی رغبت زنا ہی کی طرف ہوگی، اور اگر بغیر نکاح کے صحبت ممکن نہ ہو تو مجبوری کی حالت میں نکاح کرلے گا چاہے وہ عورت صاف طور سے کہہ دے کہ میں اپنا پیشہ یا شرک والا مذہب نہیں چھوڑوں گی۔ یہ اس پر بھی راضی ہوجائے گا ﴿ اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوۡ مُشۡرِکَۃً ﴾ کا یہ مطلب ہے۔ اسی طرح جو عورت زنا کی عادی ہوگی اور اس سے توبہ نہیں کرتی تو جن لوگوں کے نزدیک نکاح کے مقاصد اصل مقصود ہیں، چونکہ ایسی حالت میں ان عورتوں سے ان مقاصد کے حاصل ہونے کی امید نہیں، اس لئے انہیں ان کے ساتھ نکاح کی طرف بھی اصلی رغبت نہیں ہوتی۔ جبکہ یہ معلوم ہوجائے کہ یہ نکاح کے بعد بھی اپنی عادت نہیں چھوڑے گی بلکہ اس حیثیت سے اس کی طرف رغبت زانی کو ہوگی چاہے وہ مسلمان ہو جو صرف زانی کہلائے گا یا وہ مشرک ہو کہ مشرک ہونے کی حالت میں اگر عورت مسلمان ہے تو صحبت کا زنا ہونا لازم ہی ہے، یہاں تک کہ اگر وہ زانیہ جس میں رغبت ہے زانیہ رہنے کے باوجود کسی دنیاوی مصلحت سے نکاح کو ضروری شرط قرار دے تو یہ زانی چاہے مسلم ہو یا مشرک اس پر نظر نہ کرے گا کہ یہ زانیہ نہ رہے گی یا دونوں کے دین کے ایک دوسرے کے مخالف ہونے کی صورت میں نکاح نہ ہوگا، بلکہ وہ اس کو اپنے مقصود کے حصول کا ذریعہ سمجھ کر گوارا کرلے گا۔ ﴿ اَلزَّانِیَۃُ لَا یَنۡکِحُہَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوۡ مُشۡرِکٌ ﴾ کے یہ معنی ہیں، اور حیثیت کی قید سے یہ فائدہ ہوا کہ اگر زانی، خانہ داری یا اولاد کی مصلحت سے عفیفہ یعنی پاک دامن عورت کے ساتھ نکاح کی کوشش کرے تو آیت سے اس کی نفی لازم نہیں آتی۔ چنانچہ دونوں جملوں کے موضوع میں عنوان کی صفت معتبر ہے۔ اب جس پر محمول کیا جائے اس کے ثبوت اور حصر کے حکم میں کوئی اشتباہ واشکال لازم نہیں آتا۔ اور چونکہ ایک صورت میں بے غیرت اور بے شرم ہونا اور دوسری صورت میں نکاح کا صحیح نہ ہونا لازم آتا ہے اور دونوں حرام ہیں، اس لئے حُرِّمَ کا حکم دونوں کے لئے صحیح ہوگیا۔ گویا ایک جگہ نکاح کے حرام ہونے کا حکم، حرام کی طرف لے جانے والے امور کے حرام ہونے کے قاعدہ کی بنیاد پر، اس کے حرام کی طرف لے جانے کے اعتبار سے اور ایک جگہ باطل ہونے کے معنی میں ہے، لہٰذا حرمت میں عام معنی میں دونوں قسمیں کسی دوسرے کی وجہ سے اور خود اپنی وجہ سے حرام ہونا شامل ہیں، اور اس حکم کو منسوخ قرار دینے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ اس وضاحت کے بعد پہلی آیت

میں جملہ خبریہ پر صادق نہ ہونے کا اشکال اور دوسری آیت میں جملہ انشائیہ پر باقی نہ رہنے کے شبہ کا حکم نہیں لگتا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالی ہے، اور ممکن ہے کہ کوئی صاحب اس سے بھی بہتر توضیح پیش کردیں۔ واللہ واسع علیم

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جو لوگ تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو پھر چار گواہ نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسی (۸۰) درے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول مت کرو اور یہ لوگ فاسق ہیں، لیکن جو لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں سو اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرنے والا رحمت کرنے والا ہے۔

تیسرا حکم: تہمت زنا کی حد:

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں (جن کا زانیہ ہونا کسی شرعی دلیل یا قرینہ سے ثابت نہیں) اور پھر (اپنے دعوی پر) چار گواہ نہ لاسکیں، تو ایسے لوگوں کو اسی درے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی کبھی قبول مت کرو (کہ یہ بھی حد سزا کا ایک حصہ ہے، چاہے وہ گواہی کسی بھی معاملہ میں ہو۔ یہ تو ان کی سزا دنیا میں ہوئی) اور یہ لوگ (آخرت میں بھی سزا کے مستحق ہیں اس وجہ سے کہ) فاسق ہیں، لیکن جو لوگ اس (تہمت کے لگانے) کے بعد (اللہ کے سامنے) توبہ کرلیں (کہ تہمت لگانے میں اللہ کے حق کی بھی خلاف ورزی ہے) اور (جس شخص پر تہمت لگائی گئی ہے، اس سے معاف کراکر بھی) اپنی (حالت کی) اصلاح کرلیں (کیونکہ تہمت لگانے میں بندے کے حق کی بھی خلاف روزی ہے) تو (اس حالت میں) اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرنے والا، رحمت کرنے والا ہے) اور فسق کی وجہ سے جو آخرت کے عذاب کا مستحق ہوا تھا وہ مستحق ہونا دور ہوجائے گا، اگرچہ گواہی کا رد کرنا جو کہ حد کی سزا کا حصہ تھا پھر بھی باقی رہے، کیونکہ توبہ سے حد ختم نہیں ہوئی۔

فائدہ: مسئلہ (۱): جو عورت کسی دوسری عورت یا مرد پر تہمت لگادے اس کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ (۲): اسی طرح جو شخص مرد یا عورت کسی مرد پر تہمت لگادے، اس کا بھی یہی حکم ہے اور تہمت لگانے والوں کے لئے جو اسم موصول الذین خاص طور سے استعمال کیا گیا ہے جو مذکر کے لئے استعمال ہوتا ہے اور جس پر تہمت لگائی جائے اس کے لئے محصنات استعمال کیا گیا جو مؤنث کے لئے استعمال ہوتا ہے یہ خاص واقعہ کی وجہ سے ہے کہ آیت ایک عورت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کے حوالہ سے روح المعانی میں نقل کیا گیا ہے۔

مسئلہ (۳): ہر تہمت کا یہ حکم نہیں ہے، بلکہ یہ حکم خاص طور سے زنا کی تہمت سے متعلق ہے، اگرچہ یہ قید واضح طور پر بیان نہیں کی گئی ہے، مگر ﴿ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ﴾ یعنی چار گواہوں کا ذکر اس پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ چار گواہوں کی

ضرورت زنا ہی کے لئے ہوتی ہے۔

مسئلہ(۴): یہ حکم تہمت لگانے والے آزاد شخص کا ہے اور اگر وہ غلام ہو تو نصف سزا یعنی چالیس درے لگائے جائیں گے۔

مسئلہ(۵): محصن یعنی پاک دامن ہونے کی شرطیں یہ ہیں: جس پر تہمت لگائی گئی ہے وہ آزاد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو مسلمان ہو اور زنا کے گناہ سے پاک ہو۔

مسئلہ(۶): زنا کے گناہ سے پاک وہ ہے جو ایسی ہم بستری کا مرتکب نہ ہوا ہو جو خود اپنے آپ میں حرام ہو، اور نہ ہی اس میں زنا کی کوئی علامت ظاہر ہو، جیسے عورت کو حمل یا بچہ ہو جس کا باپ معلوم نہ ہو۔

مسئلہ(۷): یہ حد اس صورت میں جاری ہوگی کہ جس پر تہمت لگائی گئی ہو وہ مطالبہ بھی کرے۔

مسئلہ(۸): جس شخص پر حد جاری کی گئی ہو، لین دین کے معاملات میں اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی، البتہ محض دینی امور جیسے رمضان کا چاند دیکھنے یا توبہ کے بعد حدیث کی روایت وغیرہ میں قبول کرلی جائے گی۔ یہ سب مسائل ہدایہ میں ہیں۔

مسئلہ(۹): تہمت لگانے والا اگر اس تہمت کے لگانے میں جھوٹا ہے تو اس کا فاسق ہونا ظاہر ہی ہے اور اگر سچا ہے تب بھی اس وجہ سے گنہ گار ہے کہ اس نے بلا ضرورت ایک شخص کے گناہ سے پردہ اٹھایا کیونکہ زنا کے گناہ پر اصل ضرورت حد قائم کرنے کی ہوتی ہے اور وہ چار گواہوں کے بغیر قائم نہیں کی جاتی اور اس کے پاس چار گواہ تھے نہیں پھر خواہ مخواہ ایسا دعوی کرنا عزت خراب کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور بغیر شرعی ضرورت کسی کی عزت خراب کرنا فسق ہے، جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔ لہٰذا فسق کا حکم آخرت کے حکم کے بیان کے لئے مستقل ہے، اور یہ جملہ اپنے آپ میں مستقل ہے، نہ اس کا حد کے حکم پر عطف ہے اور نہ ہی یہ حد کی علت ہے لہٰذا فسق کے دور ہو جانے سے شہادت کے رد کا دور ہو جانا لازم نہیں آتا۔

مسئلہ(۱۰): جس پر تہمت لگائی گئی ہے، اگر وہ معاف کردے تو حد ساقط ہو جاتی ہے، جیسا کہ الروح میں ہے۔ لیکن اس سے بھی یہ لازم نہیں آیا کہ توبہ سے حد ساقط ہوگئی جس کی وجہ سے توبہ کی بنیاد پر شہادت کے رد کے دور ہو جانے کا شبہ ہو سکے، اصل یہ ہے کہ حد کو ساقط کرنے والی توبہ نہیں ہوئی کہ اللہ سے توبہ کرنا تہمت لگانے والے کا فعل ہے بلکہ معاف کرنا ہوا جو کہ اس شخص کا فعل ہے جس پر تہمت لگائی گئی اور یہی وجہ ہے کہ اگر توبہ اور اصلاح پائے جائیں مگر معافی نہ ہو تو فسق دور ہو جائے گا لیکن حد باقی رہے گی، اور فسق کے دور ہو جانے میں یہ شبہ نہ ہو کہ جب اس نے معاف نہیں کیا تو گناہ کیسے جاتا رہا۔ کیونکہ معذرت کا قبول کرنا اپنے آپ میں واجب ہے جب کہ اس میں کوئی نقصان واندیشہ نہ ہو، لہٰذا توبہ کرنے اور معافی مانگنے والا اپنی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا اب وہ معذرت قبول نہ کرنے یعنی معاف نہ کرنے والا اللہ کے نزدیک ملامت کے قابل رہے گا۔

مسئلہ(۱۱): اگر یہ شخص چار گواہ لایا جو آنے کے وقت گواہی دینے کے لئے تیار تھے مگر عدالت میں قاضی کے سامنے گواہی نہ دی تو اگرچہ اس شخص پر حد جاری ہوگی لیکن آخرت کے احکام میں فاسق نہیں ہوگا، اس بارے میں شرعی دلیلیں

موجود ہیں۔

فائدہ: توبہ کے بعد شہادت کا رد ہونا حنفیہ کا مذہب ہے اور در منثور میں ابن عباس، سعید بن میتب، حسن، محمد بن سیرین، سعید بن جبیر، عکرمہ ابن جریج اور ابراہیم سے بھی یہ مذہب نقل کیا ہے۔ اور بعض روایتوں میں جو اصلاح کے بعد توبہ کا قبول ہونا آیا ہے تو اس میں شہادت سے مراد بعض شہادتیں لی جائیں گی جو فسق کی وجہ سے مردود تھیں جیسے دینی معاملات میں چونکہ توبہ سے فسق دور ہو گیا، اس لئے وہ شہادت مقبول ہو گئی، اس شہادت کے برخلاف جس کو تہمت میں حد جاری کئے جانے کی وجہ سے رد کیا گیا تھا کیونکہ اب حد کا جاری کیا جانا تو دور نہیں ہوا۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: اور جو لوگ اپنی بیبیوں کو تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے اور کوئی گواہ نہ ہو تو اُن کی شہادت یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بیشک میں سچا ہوں۔ اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔ اور اس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ بے شک یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ سچا ہو۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا کرم ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے تو تم بڑی مضرتوں میں پڑ جاتے۔

چوتھا حکم: لعان یعنی زوجین کا ایک دوسرے پر لعنت کرنا:

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان میں سے کسی کے پاس اپنے (ہی دعوی کے) سوا اور گواہ نہ ہوں (جو کم سے کم چار ہونے چاہئیں) تو ان کی شہادت (جو کہ قید یا تہمت کی حد کو دور کرنے والی ہو) یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بیشک میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اور (اس کے بعد) اس عورت سے (قید یا زنا کی حد کی) سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ بے شک یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر یہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو (اس طرح دونوں سزا سے بچ سکتے ہیں، البتہ وہ عورت اس مرد پر حرام ہو جائے گی) اور (اے مردو! اور عورتو!) اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا کرم ہے (کہ ایسے ایسے احکام مقرر کئے) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا (اور) حکمت والا ہے تو تم بڑے نقصانوں میں پڑ جاتے جن کا بیان فائدہ کے ذیل میں آ رہا ہے)

فائدہ: اس طرح کہلوانے کو لعان کہتے ہیں اور لعان خاص اس صورت میں ہوتا ہے جب شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا اپنے بچہ کے بارے میں کہے کہ یہ میرے نطفہ سے نہیں ہے، اور جس پر تہمت لگائی گئی وہ تہمت زنا کے مطابق مطالبہ کرے۔ لہٰذا اپنی بیوی کے علاوہ اگر کسی عورت پر تہمت لگانے کے لئے چار گواہ نہ لاسکے تو تہمت کی حد کا جاری کرنا واجب ہے جس کا حکم اوپر گذرا ہے اور اپنی بیوی پر تہمت لگانے پر پہلے اس سے چار گواہ طلب کئے جائیں گے اگر وہ گواہ پیش کردے تو عورت پر زنا کی حد جاری ہوگی اور اگر وہ گواہ پیش نہ کرسکے تو اس مرد سے کہا جائے گا کہ مذکورہ الفاظ یعنی چار بار اپنے سچ ہونے اور پانچویں بار جھوٹا ہونے پر لعنت کے الفاظ کہے اگر وہ نہ کہے تو اس کو قید کردیں گے اور اسے مجبور کریں گے کہ یا تو اپنے جھوٹا ہونے کا اقرار کرے یا پھر یہ الفاظ کہے اگر اس نے جھوٹا ہونے کا اقرار کرلیا تو قذف کی حد جاری کی جائے گی اور اگر ان الفاظ کے کہنے پر راضی ہوگیا تو یہ الفاظ اس سے کہلائیں گے۔ اس کے بعد عورت سے بعد والے الفاظ کہلائیں گے اور اگر وہ انکار کرے گی تو اس کو قید کردیں گے اور اسے مجبور کریں گے کہ یا تو مرد کی تصدیق کرے یا یہ الفاظ کہے۔ اگر اس نے مرد کی تصدیق کردی تو اس پر زنا کی حد جاری ہوگی اور اگر ان الفاظ کے کہنے پر راضی ہو تو اس سے وہ الفاظ کہلائیں گے اور لعان کردینے کے بعد اس عورت سے صحبت اور دوسرے تعلقات وتقاضے حرام ہوجاتے ہیں جیسا کہ الروح میں ہے۔ پھر اگر طلاق دیدی تو ٹھیک ورنہ قاضی انہیں ایک دوسرے سے الگ کردے گا۔ چاہے دونوں راضی نہ ہوں۔ اور یہ علاحدگی طلاق بائنہ کے حکم میں ہے پھر اس سے کبھی بھی نکاح جائز نہیں، ہاں اگر یہ کہہ دے کہ میں نے جھوٹ کہا تھا تو حاکم اس پر تہمت کی حد جاری کرے گا۔ اور پھر نکاح جائز ہوجائے گا۔

احقر نے جو ﴿ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ ﴾ اور ﴿ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ ﴾ کے ترجمہ میں قید یا حد کہا ہے اس کا یہی مطلب ہے جو مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا۔ اور لعان سے متعلق باقی مسائل فقہ کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں۔

اور آیت کے آخر میں ان احکام کو شریعت کا حصہ قرار دینے پر احسان کا اظہار فرمایا، اس کی توضیح یہ ہے کہ اگر یہ حکم شریعت کا حصہ نہ ہوتا تو گذشتہ آیت میں مذکورہ قاعدہ کے مطابق شوہر پر تہمت سے متعلق حد جاری ہوتی یا پھر ساری عمر خون کے گھونٹ بھرتا، کیونکہ ممکن ہے وہ سچا ہو، شوہر کے علاوہ دوسرے شخص کے برخلاف کہ وہ اس امر کو ظاہر کرنے کے لئے مجبور یا پریشان نہیں ہے، اس لئے اس کے قانون میں ان امور کی رعایت ضروری نہیں ہے، پھر اگر صرف شوہر کے قسمیں کھانے پر زنا کا ثبوت ہوجاتا تو عورت کا بڑا نقصان ہوتا، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ سچی ہو، اسی طرح اگر عورت کے قسمیں کھانے پر یقینی انداز میں وہ بری سمجھی جاتی اور مرد پر تہمت والی حد جاری ہوجاتی تو مرد کا بڑا نقصان ہوتا جبکہ ممکن ہے کہ وہ سچا ہو۔ لہٰذا یہ حکم اس طرح شریعت کا حصہ بنانے سے سب کی رعایت ہے اور یہ اللہ کے فضل، رحمت اور حکمت کا اثر ہے۔ پھر سچے کے حق میں تو ظاہر ہے اور جھوٹے کے حق میں بھی دنیا میں پردہ اور نرمی، رحمت، فضل اور حکمت کا اثر ہے کہ شاید یہ توبہ کرلے، پھر اگر دونوں میاں بیوی میں سے جو جھوٹا ہو اور وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ کا قبول ہونا اللہ تعالیٰ کے تواب ہونے کا

اثر ہے۔اور اپنے جھوٹا ہونے کا اقرار توبہ میں داخل ہے۔اور چونکہ عورتیں لعنت کا استعمال زیادہ کرتی ہیں،اس لئے ان کے سلسلہ میں لفظ غضب مقرر کیا گیا ہے۔دوسرے عورت فاجر ہونے کا محل اور مادہ ہے،اس لئے بھی اس کے سلسلہ میں سختی مناسب تھی،اور یہ بات کہ مرد کو یا عورت کو ایسی قسمیں کھانا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کا حکم یہ ہے کہ جو شخص شریعت میں معتبر دلیل کے لحاظ سے یقینی انداز میں سچا ہو،اس کے لئے جائز ہے،مثال کے طور پر مرد نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا یا تین چار سال تک صحبت نہیں کی اور پھر بچہ پیدا ہو گیا تو زنا کے ثبوت اور بچہ کی نفی اور اس پر قسم سب جائز ہے،اسی طرح عورت کو اپنا حال اچھی طرح معلوم ہے۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ لَّوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿١٦﴾ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧﴾ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۚ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢١﴾ وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾ الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ ۖ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۖ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٦﴾ ﴾

ترجمہ: جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے وہ تمہارے میں کا ایک گروہ ہے تم اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے ان میں سے ہر شخص کو جتنا کسی نے کچھ کیا تھا گناہ ہوا اور ان میں سے جس نے اس میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کو سخت سزا ہوگی جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور عورتوں نے آپس والوں کے ساتھ گمان نیک کیوں نہ کیا اور یوں کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے یہ لوگ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے، سو جس حالت میں یہ لوگ گواہ نہیں لائے تو بس اللہ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نہ ہوتا دنیا اور آخرت میں تو جس شغل میں تم پڑے تھے اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا جب کہ تم اس کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی تم کو مطلق خبر نہیں، اور تم اس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات تھی۔ اور تم نے جب اس کو سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ایسی بات منہ سے بھی نکالیں معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر ایسی حرکت مت کرنا اگر تم ایمان والے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا اور بڑا حکمت والا ہے۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو اُن کے لئے دنیا اور آخرت میں سزائے دردناک ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل وکرم ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا شفیق بڑا رحیم ہے تو تم بھی نہ بچتے۔ اے ایمان والو! تم شیطان کے قدم بقدم مت چلو اور جو شخص شیطان کے قدم بقدم چلتا ہے تو وہ بے حیائی اور نامعقول ہی کام کرنے کو کہے گا اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی پاک وصاف نہ ہوتا و لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاک وصاف کر دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے، سب کچھ جانتا ہے۔ اور جو لوگ تم میں سے بزرگی اور وسعت والے ہیں وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کر دے، بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ جو لوگ تہمت لگاتے ہیں اُن عورتوں کو جو پاک دامن ہیں ایسی باتوں سے بے خبر ہیں، ایمان والیاں ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے۔ اور ان کو بڑا عذاب ہوگا جس روز اُن کے خلاف میں اُن کی زبانیں گواہی دیں گی اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں بھی اُن کاموں کی جو کہ یہ لوگ کیا کرتے تھے۔ اس روز اللہ تعالیٰ اُن کو واجبی بدلہ پورا پورا دے گا۔ اور اُن کو معلوم ہوگا کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا بات کو کھول دینے والا ہے۔ گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔ اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔ یہ اس بات سے پاک ہیں جو یہ بکتے پھرتے ہیں اُن کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔

ربط: اوپر تیسرے حکم میں مطلق محصنات یعنی پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے متعلق حکم بیان ہوا ہے۔ چونکہ حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بھی جھوٹی تہمت لگائی گئی تھی اور آپ کا رتبہ ودرجہ ام المؤمنین

ہونے کی وجہ سے عام محصنات سے زیادہ ہے، اس لئے اب اس تہمت کی وجہ سے اس مذکورہ عام مشترک سزا پر جو وعیدیں زیادہ ہیں، حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے الزام و تہمت سے بری ہونے کے ثبوت کے ساتھ اور تہمت سے توبہ کی قبولیت کو خصوصیت اور اہتمام کے وعدہ کے ساتھ بیان فرماتے ہیں اور یہ مضمون آیت ۲۶ تک چلا گیا ہے، اس کو طبرانی نے حکم بن عتیبہ سے روایت کیا ہے جیسا کہ الروح اور الدر المنثور میں ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تہمت سے بری ہونا اور مؤمن کو نصیحت اور منافق کی رسوائی:

پہلے قصہ کا خلاصہ لکھا جاتا ہے، پھر ترجمہ و تفسیر لکھوں گا۔ صحیح بخاری وغیرہ میں روایت ہے کہ جب حضور ﷺ بنی مصطلق کے غزوہ سے جو کہ ۶ ہجری میں ہوا تھا، مدینہ کے لئے واپس تشریف لا رہے تھے، حضرت عائشہؓ آپ کے ساتھ تھیں اور ان کی سواری کا اونٹ الگ تھا۔ اور اس پر ہودج تھا، یہ ہودج میں پردہ ڈال کر بیٹھ جاتیں، اونٹوں کو ہانکنے والے اس ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر باندھ دیتے تھے۔ ایک دن ایک منزل پر قیام ہوا اور کوچ سے ذرا پہلے حضرت صدیقہ کو قضاء حاجت کی ضرورت ہوئی، یہ جنگل کی طرف چلی گئیں اور وہاں اتفاق سے ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا اس کو ڈھونڈنے میں دیر لگ گئی، اتنے میں یہاں کوچ ہو گیا، عادت کے مطابق اونٹ ہانکنے والے ہودج باندھنے کے لئے آئے، انھوں نے ہودج کے پردے پڑے ہونے کی وجہ سے گمان کیا کہ حضرت صدیقہ اس میں بیٹھ چکی ہیں، انہیں اٹھاتے وقت بھی کچھ شبہ نہ ہوا کیونکہ ان کی عمر تھوڑی تھی اور جسم بہت ہلکا پھلکا تھا۔ ہودج کو باندھ کر اونٹ کو ہانک دیا گیا۔ جب یہ بعد میں اپنے ٹھہرنے کی جگہ پہنچیں تو قافلہ کو نہ پایا۔ نہایت استقلال کے ساتھ ان کی یہ رائے ہوئی کہ جب آگے میں نہ ملوں گی تو ڈھونڈنے کے لئے یہاں ہی آئیں گے، اس لئے یہاں سے کہیں جانا مصلحت کے خلاف ہے، وہاں ہی چادر میں لپٹ کر بیٹھ گئیں، رات کا وقت تھا، نیند کا غلبہ ہوا تو وہاں ہی لیٹ گئیں، حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ گری پڑی چیزوں کو اٹھانے اور خبر لینے کی مصلحت کے تحت قافلہ کے پیچھے فاصلے سے رہا کرتے تھے وہ اس مقام پر صبح کے وقت پہنچے۔ دیکھا کہ کوئی آدمی لیٹا ہوا سو رہا ہے، قریب آئے تو پہچان لیا کیونکہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے انھوں نے حضرت صدیقہ کو دیکھا تھا انھوں نے انتہائی افسوس کے ساتھ إنا لله وإنا إليه راجعون پڑھا۔ اس کی وجہ سے حضرت صدیقہ کی آنکھ کھل گئی، آپ نے منہ ڈھانپ لیا، حضرت صفوان نے اپنا اونٹ ان کے قریب لا کر بٹھا دیا۔ حضرت صدیقہ پردہ کے ساتھ اس پر سوار ہو گئیں۔ حضرت صفوان نے اونٹ کی نکیل پکڑ کر قافلہ میں پہنچا دیا۔ عبد اللہ بن ابی منافق بہت ہی خبیث مزاج و ذہن کا آدمی اور جناب رسول اللہ ﷺ کا دشمن تھا، اس کو ایک بات ہاتھ آ گئی، کمبخت نے واہی تباہی اوٹ پٹانگ بکنا شروع کر دیا اور بعض بھولے بھالے سیدھے سادھے مسلمان بھی سنی سنائی باتیں کہنے لگے جیسے مردوں میں حضرت حسان اور حضرت مسطح اور عورتوں میں حضرت حمنہ۔ چنانچہ درمنثور میں ابن مردویہ کی روایت سے ابن عباس کا قول ہے: أعانه أي عبد الله حسان ومسطح وحمنة: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اور عام طور سے سارے مسلمانوں کو اور خود جناب رسول اللہ ﷺ کو

اس شہرت کا سخت صدمہ تھا۔ ایک مہینہ تک یہی قصہ رہا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ کے الزام سے بری ہونے سے متعلق یہ آیتیں نازل فرمائیں جو اوپر لکھی گئی ہیں اور جن کی تفسیر آگے آ رہی ہے۔ آپ نے تہمت لگانے والوں پر حد جاری فرمائی۔ البزار اور ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے مسطح، حمنہ اور حسان پر حد جاری کی، اور طبرانی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے عبداللہ بن ابی پر دو حدیں جاری کیں، جیسا کہ الدر میں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بات اس کے ساتھ خاص تھی، مؤمنوں نے توبہ کر لی اور منافق اسی گمان میں رہے۔

ترجمہ وتفسیر:

جن لوگوں نے یہ طوفان (حضرت صدیقہ سے متعلق) کھڑا کیا ہے (اے مسلمانو! تم میں سے جو اس شہرت سے رنجیدہ ہیں اور جن پر تہمت لگائی گئی تھی وہ خود بدرجۂ اولیٰ اس میں داخل ہیں) وہ تم لوگوں میں کا ہی ایک (چھوٹا سا) گروہ ہے (کیونکہ تہمت لگانے والے کل چار تھے: ایک اصل خود گھڑنے والا یعنی عبداللہ بن ابی منافق اور تین بالواسطہ اور اس کی اتباع کرنے والے یعنی حسان، مسطح اور حمنہ جو کہ مخلص مؤمن تھے اور حقیقت میں ''منکم یعنی تم لوگوں میں'' کے مصداق تھے اور مذکورہ منافق اسلام کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے ظاہر کے لحاظ سے منکم میں شمار کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب تسلی دینا ہے کہ زیادہ غم نہ کرو ایک تو جھوٹ پھر اس کے پھیلانے والے بھی کل چار ہی آدمی اور زیادہ تر لوگ تو اس تہمت کے خلاف ہی ہیں، لہٰذا عرف کے لحاظ سے بھی یہ زیادہ غم کا سبب نہیں ہونا چاہئے۔ آگے ایک اور طریقہ سے تسلی ہے کہ) تم اس (طوفان برپا کرنے) کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو (اگرچہ ظاہر میں رنج وغم ہی کی بات ہے، مگر واقع میں اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے) بلکہ یہ (انجام کے اعتبار سے) تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے (کیونکہ اس غم سے تمہیں صبر کا ثواب ملا، تمہارے درجے بڑھے، خاص طور سے جن حضرات پر تہمت لگائی گئی ان کے اس تہمت سے پاک ہونے کے سلسلہ میں قطعی نص آ گئی، اور آئندہ بھی مسلمانوں کے حق میں خیر وبہتری ہی ہے کہ ایسی مصیبت میں مبتلا لوگ اس واقعہ سے تسلی حاصل کیا کریں گے۔ لہٰذا تمہارا تو کوئی نقصان نہیں ہوا، البتہ اس کو گھڑنے والوں اور پھیلانے والوں کو نقصان ہوا کہ) ان میں سے ہر شخص کو جتنا جس نے کچھ کہا تھا گناہ ہوا (مثال کے طور پر زبان سے کہنے والوں کو زیادہ گناہ ہوا اور سن کر خاموش رہ جانے والوں کو یا دل میں بدگمانی رکھنے والوں کو اس کے مطابق گناہ ہوا) اور ان میں سے جس نے اس (طوفان) میں سب سے بڑا حصہ لیا (کہ اس کو گھڑا، اس سے عبداللہ بن ابی منافق مراد ہے) اس کو (سب سے بڑھ کر) سخت سزا ہو گی (اس سے جہنم مراد ہے، جس کا وہ پہلے ہی سے کفر، نفاق اور رسول سے دشمنی کی وجہ سے بھی مستحق ہے، اب اور زیادہ شدید عذاب کا مستحق ہو گیا، یہ تو رنج وغم میں مبتلا حضرات کے نقصان کی نفی اور تہمت لگانے والوں کے نقصان کا اثبات تھا۔ آگے ان تہمت لگانے والے مؤمنوں کو نصیحت کے انداز میں ملامت ہے کہ) جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں (نے جن میں حسان و مسطح بھی آ گئے) اور مسلمان عورتوں نے (جن میں حمنہ بھی آ گئیں) اپنے آپس والوں کے سلسلہ

میں (یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان صحابی رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں دل سے) نیک گمان کیوں نہ کیا؟ اور (زبان سے) یوں نہ کہا کہ یہ کھلا جھوٹ ہے) جیسا کہ درمنثور میں حضرت ابوایوب انصاری اور ان کی بیوی رضی اللہ عنہما کا یہی قول روایت کیا گیا ہے۔ اس میں تہمت لگانے والوں کے ساتھ سن کر خاموش رہ جانے والوں اور شک کرنے والوں پر بھی ملامت ہے، جن میں ان لوگوں کے علاوہ جن پر حد جاری کی گئی دوسرے مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں بھی داخل ہوگئے۔ آگے اس نیک گمان اور تہمت کے رد کے واجب ہونے کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ) یہ (تہمت لگانے والے) لوگ (اپنے) اس (قول) پر چار گواہ کیوں نہ لائے (جو کہ زنا ثابت کرنے کے لئے شرط ہے) تو جب یہ لوگ (قاعدہ کے مطابق) گواہ نہیں لائے تو بس اللہ کے نزدیک (جو قانون ہے اس کے اعتبار سے) یہ جھوٹے ہیں (مطلب یہ کہ اصل امر پاکی اور پاک دامنی ہے، جب تک اس کا دور ہونا یقینی نہ ہو، شرعی طور پر اس کا یقین واجب ہے، اس لئے کہ اصول ہے: **الیقین لایزول الا بیقین مثله لابشک**: یعنی یقینی امر اسی درجہ کے یقین سے دور ہوسکتا ہے، محض شک کی وجہ سے دور نہیں ہوسکتا، لہٰذا اس بنیاد پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کا یقین اور تہمت کے مقابلہ میں اس یقین کا اظہار واجب تھا۔ اور یہی یقین ہے جس کا ایسے امور میں بندہ کو مکلف بنایا گیا ہے، جس کے لئے مخالف دلیل سے نہ ثابت ہونا کافی ہے، نہ کہ معقولیت پسندوں کی اصطلاح والا یقین، کیونکہ اس کے لئے دلیل سے عدم ثبوت ضروری ہے پس محل افک میں آیتوں کے نازل ہونے سے پہلے صرف دلیل سے نہ ثابت ہونا تھا اور آیتوں کے نازل ہونے کے بعد یقینی طور پر دلیل سے عدم ثبوت کی تحقیق ہوگئی، لہٰذا اس وقت یقین استصحاب کافی تھا، جس کو اللہ تعالیٰ نے ظن سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور دلیل سے عدم ثبوت کو جو کہ اس یقین کی بنیاد ہے ﴿لَوْلَا جَآءُوْ﴾ الخ میں بیان فرمایا ہے، اس وقت اصطلاحی یقین کا مکلف نہیں فرمایا تھا۔ البتہ اب ان آیتوں کے نازل ہونے کے بعد چونکہ اس اصطلاحی یقین کی بنیاد جو کہ ثبوت عدم بالدلیل ہے، پایا گیا، اب اس کا بھی مکلف ہے اور اس کو چھوڑنا یعنی راجح ہونے کا احتمال بھی کفر ہے، اور اب اس آیت پر یہ اشکال بھی نہ رہا کہ گواہوں کو نہ لانا تہمت لگانے والے کے جھوٹ کے لئے لازم اور پاک دامنی کی تحقیق کا سبب کیسے ہوا۔

اور یہ بھی شبہ نہ رہا کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو تردد و شک تھا، چنانچہ آپ نے حضرت صدیقہ سے فرمایا تھا کہ اگر کوئی لغزش ہوگئی ہو تو توبہ کر لینی چاہئے۔ جیسا کہ بخاری میں ہے۔ اور آیت سے پاک دامنی کے یقین کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے، پھر شک میں معصوم سے واجب کا ترک کرنا لازم آیا تو اس کے دور ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ شک مذکورہ شرعی یقین کے خلاف نہیں ہے، چنانچہ آپ نے اس یقین کو ان الفاظ کے ذریعہ ظاہر فرمایا تھا: **ما علمت علی أهلی خیراً**: یعنی میرے علم میں اہل خانہ کے بارے میں خیر و بھلائی کے سوا کچھ نہیں ہے، جیسا کہ بخاری میں ہے۔ البتہ معقولیت پسندوں کے اصطلاحی یقین کے خلاف ہے، تو آیتوں کے نازل ہونے سے پہلے یہ واجب نہیں ہوا تھا، جیسا کہ اب آیتوں کے نازل ہونے کے بعد ہوگیا، اور یہاں تو وہ تہمت لگانے والے واقع میں بھی جھوٹے تھے اور

کوئی دیکھنے کا دعویدار بھی نہ تھا، لیکن اگر کسی جگہ کوئی شخص خود دیکھ لے اور گواہ نہ لا سکے تو اللہ کے نزدیک اس کا جھوٹا ہونا اس معنی میں ہے کہ جھوٹوں سے متعلق حکم یعنی تہمت کی حد اس پر جاری کرو، جیسا کہ الخازن میں ہے۔

آگے ایمان والوں میں سے تہمت لگانے والوں پر اپنی رحمت کا ارشاد فرماتے ہیں) اور اگر (اے حسان و مسطح وحمنہ) تم پر دنیا میں (بھی کہ توبہ کی مہلت دی) اور آخرت میں بھی کہ توبہ کی توفیق دی اور اس کو قبول بھی کر لیا، اللہ کا فضل وکرم نہ ہوتا جس شغل میں تم پڑے تھے، اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا (جیسا کہ عبداللہ بن ابی کو توبہ نہ کرنے کی وجہ سے ہوگا، جیسا کہ اوپر اللہ تعالیٰ کا ارشاد گذرا ﴿ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی ﴾ اور جیسا کہ آگے آرہا ہے ﴿ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ یَّوْمَ تَشْھَدُ ﴾ اگرچہ نرمی اس کے لئے بھی ہے، مگر وہ دونوں جہاں کے مجموعہ میں رحمت نہیں ہے، اور اس سے معلوم ہو گیا کہ صحابہ توبہ کے قبول ہونے اور پاک ہوجانے کے بعد آخرت میں مرحوم ہیں یعنی ان پر رحمت ہے۔ اور ﴿ عَلَیْکُمْ ﴾ میں خاص مؤمنوں کو خطاب ہونے کا قرینہ پہلے اوپر کی آیت میں یہ ارشاد ہے ﴿ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ دوسرے ﴿ فِی الْاٰخِرَۃِ ﴾ فرمانا کہ منافق درک اسفل یعنی جہنم کے سب سے نچلے طبقہ کے مستحق ہونے کی وجہ سے یقیناً آخرت میں مرحوم یعنی رحمت کے مستحق نہیں۔ تیسرے آگے ﴿ لَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ ﴾ کے ذیل میں طبرانی نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے: یرید مسطحا و حمنة وحسانا: جیسا کہ الدر المنثور میں ہے اور مضارع مخاطب کا صیغہ بھی اس کی تائید کرنے والا قرینہ ہے۔

آگے ﴿ مَآ اَفَضْتُمْ فِیْہِ ﴾ کے اپنے آپ میں عذاب میں مؤثر ہونے کی وجہ فرماتے ہیں کہ تم اس عذاب کے مستحق اس وقت ہوجاتے) جب کہ تم (اس جھوٹی بات) کو اپنی زبانوں سے ایک دوسرے کو نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی تمہیں (کسی دلیل سے) مطلق خبر نہیں اور ایسی خبر کے نقل کرنے والے کا جھوٹا ہونا ﴿ فَاُولٰٓئِکَ عِنْدَ اللّٰہِ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ ﴾ میں بیان ہو چکا) اور تم اسے ہلکی بات (یعنی گناہ کا سبب نہ ہونا) سمجھ رہے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات (یعنی گناہ عظیم کا سبب) تھی (اول تو پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا ہی خود عظیم گناہ ہے، اور پاک دامن خواتین بھی کون؟ ازواج مطہرات، امہات المؤمنین میں سے کہ یہ تہمت لگانا رسول اللہ ﷺ کے لئے بھی اذیت کا سبب ہوا، چنانچہ اس میں معصیت کے کئی اسباب جمع تھے) اور جب تم نے اس (بات) کو (پہلی بار) سنا تھا تو یوں (کیوں) نہ کہا کہ ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ایسی بات منہ سے بھی نکالیں، معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے؟ (جیسا کہ بعض صحابہ نے اس طرح کہا تھا، اس کو در منثور میں سعد بن معاذ وزید بن حارثہ اور ابوایوب سے روایت کیا ہے۔ اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کی نفی نہیں ہے کہ ممکن ہے اور بھی بہت سے صحابہ نے کہا ہو، مطلب یہ کہ تہمت لگانے والوں اور سن کر خاموش رہنے والوں سب کو یہی کہنا چاہئے تھا۔

اور یہ شبہ کہ جس طرح بغیر دلیل کے سچ معلوم نہیں تھا، اس لئے تہمت لگانا ناجائز تھا، اسی طرح بغیر دلیل کے جھوٹ بھی تو معلوم نہیں ہو سکتا، پھر ﴿ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ ﴾ کہنا کیسے جائز بلکہ تعریف کا سبب ہو گیا تو یہ شبہ اوپر ﴿ فَاُولٰٓئِکَ

عِنۡدَ اللّٰهِ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ ﴾ کے ذیل میں دور کر دیا گیا ہے۔

اسی طرح یہ شبہ کہ جب ان صحابہ کو ایسا یقین تھا تو حضور ﷺ کو کیوں تردد، شک تھا اور آپ نے ایسا کیوں نہ فرمایا: جس کا نہ کہنا اس آیت میں ملامت کا سبب معلوم ہوتا ہے، یہ شبہ بھی اسی آیت کے ذیل میں دور کر دیا گیا ہے اور اس قول کے مرادف آپ کا قول بھی نقل کیا گیا ہے۔

یہاں تک تو ماضی کے حالات و معاملات پر ملامت تھی اور اب مستقل کے لئے نصیحت ہے جو کہ ملامت کا اصل مقصود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ) اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر ایسی حرکت مت کرنا اگر تم ایمان والے ہو (یعنی ایمان کے لئے واپس پلٹنے سے رکنے کا واجب ہونا لازم ہے، اور پہلا امر یعنی ایمان موجود ہے تو دوسرا امر یعنی رکنے کا واجب ہونا بھی متحقق ہے، لہٰذا واپس نہیں پلٹنا چاہئے۔

اوپر جس طرح اسباب کے نازل نہ ہونے پر احسان کا اظہار فرمایا ہے، آگے احکام اور نصیحتوں کے نزول پر احسان کا اظہار فرماتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے (حس میں نصیحت اور تہمت کی حد اور توبہ کا قبول ہونا جو اوپر بیان ہو چکے ہیں، سب داخل ہیں) اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے (اسے تمہارے دل کی ندامت کا حال بھی معلوم ہے، اس لئے توبہ قبول کی اور سیاست یعنی حکومت کے نظام اور عوام کے گناہوں اور جرائم سے روکنے کی حکمت بھی خوب جانتا ہے، اس لئے تمہاری سیاست کی گئی یعنی سزا دے کر آئندہ جرم سے روکنے پر زور دیا گیا، اس آیت کی تفسیر ابن عباس نے اسی طرح کی ہے جیسا کہ الدر المنثور میں ہے۔

یہاں تک تہمت سے پاک ہونے کے بیان کے نازل ہونے سے پہلے ذکر کرنے والوں کا بیان تھا۔ آگے ان لوگوں کا ذکر ہے جو تہمت سے پاک ہونے کے بیان کے بعد بھی باز نہ آئیں اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص بے ایمان ہی ہوگا، چنانچہ ارشاد ہے کہ) جو لوگ (ان آیتوں کے نازل ہونے کے بعد بھی) چاہتے ہیں (یعنی اس بات کی عملی کوشش کرتے ہیں) کہ بے حیائی کی بات کا (ان) مسلمانوں (کے سلسلہ) میں چرچا ہو (جن کا پاک دامن ہونا ثابت ہو چکا ہے) یعنی یہ خبر شائع ہو کہ ان مسلمانوں نے یہ بے حیائی کی بات کی ہے، حاصل یہ ہے کہ جو لوگ ان مقدس حضرات کی طرف زنا کی نسبت کرتے ہیں) ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک سزا (مقرر) ہے (دنیا میں تو قذف یعنی تہمت کی حد جس کا ثبوت استحقاق کے لحاظ سے تو ہمیشہ کے لئے ہے اور واقع کے لحاظ سے بھی کبھی کبھی جیسا کہ ساری شرطیں پائی جائیں اور کبھی بعض عوارض کی وجہ سے واقع نہیں ہوتی۔ ان میں سے حنفیہ کے نزدیک یہ بھی ہے کہ اگر قذف یعنی تہمت کی حد کے بعد اس شخص کو وہی تہمت لگا دی تو دوبارہ حد جاری نہیں کی جاتی، اور آخرت میں جہنم کا عذاب جو مستحق ہونے کے اعتبار سے اور واقع ہونے کے اعتبار سے ہر طرح یقینی ہے کیونکہ قطعی نص کے خلاف اعتقاد سے کلام کرنا کفر ہے اور اگر کلام نہ ہو تو صرف اعتقاد پر بھی آخرت کا عذاب ہوگا، چاہے دنیا میں ثابت نہ ہو پانے کی وجہ سے حد سے بچ جائے، اور اس آیت کے

مضمون میں جو یہ قید لگائی گئی کہ ان آیتوں کے نازل ہونے کے بعد" تو یہ طبرانی نے ابن عباس سے نقل کی ہے جیسا کہ الدرر میں ہے) اور (اس امر پر سزا کا تعجب مت کرو، کیونکہ) اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ (کونسی معصیت کس درجہ کی ہے) اور تم (اس کی پوری حقیقت) نہیں جانتے (اس کو الدر المنثور نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ آگے اس وعید کے ذریعہ ایمان والے، توبہ کرنے والوں کے محفوظ رہنے پر احسان کا اظہار فرماتے ہیں) اور (اے توبہ کرنے والو! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے (جس نے تمہیں توبہ کی توفیق دی) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا شفیق بڑا رحیم ہے (جس نے تمہاری توبہ قبول کرلی) تو تم بھی (اس وعید سے) نہ بچتے (آگے مسلمانوں کو اپنی رحمت سے اس مذکورہ مصیبت یعنی نافرمانی کی تخصیص کے بغیر تمام معصیتوں یعنی نافرمانیوں سے بچنے کا حکم اور توبہ کے ذریعہ پاکی کی وضاحت، احسان کے اظہار سمیت جو اہتمام کی غرض سے مختلف عنوانوں سے دوبارہ ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ) اے ایمان والو! تم شیطان کی پیروی مت کرو (یعنی اس کے بہکانے میں مت آؤ اور گمراہی کے رستہ پر مت چلو) اور جو شخص شیطان کی پیروی کرتا ہے تو وہ (تو ہمیشہ ہر شخص کو) بے شرمی کی اور غیر معقول کام کرنے کو ہی کہے گا (جیسا کہ اس تہمت کے معاملہ میں تم نے دیکھ لیا) اور (شیطان کی پیروی کر لینے اور گناہ سمیٹ لینے کے بعد اس کے وبال اور نقصان سے جو کہ ثابت ہو ہی چکا تھا، نجات دیدینا بھی ہمارا ہی فضل تھا، ورنہ) اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی (توبہ کر کے) پاک وصاف نہ ہوتا (یا تو توبہ کی توفیق ہی نہ ہوتی، جیسے منافقوں کو نہیں ہوئی یا پھر توبہ قبول نہ کی جاتی کیونکہ ہم پر تو کوئی چیز واجب نہیں ہے) لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے (توبہ کی توفیق دے کر) پاک صاف کر دیتا ہے (اور توبہ کے بعد اپنے فضل سے قبول کرنے کا وعدہ بھی کرلیا ہے) اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا سب کچھ جانتا ہے (چنانچہ تمہاری توبہ سن لی اور تمہاری ندامت جان لی، اس لئے فضل فرمادیا۔ آگے اس امر کا بیان ہے کہ تہمت سے پاک ہونے کا اظہار کرنے والی آیتوں کے نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ نے جن میں حضرت ابوبکر بھی شامل ہیں جیسا کہ بخاری نے روایت کیا ہے اور دوسرے صحابی بھی ہیں جیسا کہ درمنثور میں ابن عباس سے روایت ہے، غیظ وغضب کی شدت میں قسم کھالی کہ جس جس نے اس تہمت کو پھیلانے میں حصہ لیا ہے کہ ان میں سے بعض ضرورت مند محتاج بھی تھے، انہیں اب کسی قسم کی مالی امداد نہ دیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں قصور معاف کر دینے اور امداد جاری کر دینے کے لئے ارشاد فرماتے ہیں) اور تم میں سے جو لوگ (دینی) بزرگی اور (دنیاوی) وسعت والے ہیں، وہ قریبی رشتہ داروں کو اور مسکینوں کو اور اللہ کے راستہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں (یعنی اس قسم کے تقاضہ پر قائم نہ رہیں، مطلب یہ ہے کہ اس قسم کو توڑ ڈالیں ورنہ قسم تو ہو ہی چکی تھی یعنی ان صفتوں کا تقاضا امداد کرنا ہے، خاص طور سے جس میں یہ ساری صفتیں ہوں، جیسے حضرت مسطح کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار بھی ہیں اور مسکین ومہاجر بھی ہیں، آگے ترغیب کے لئے فرماتے ہیں کہ) کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کر دے (تو تم بھی اپنے قصور واروں کو معاف کر دو) بیشک اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا

ہے (تو تمہیں بھی اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنانا چاہئے۔
آگے منافقوں کے لئے وعید کی تفصیل ہے جس کا اوپر ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ ﴾ الخ میں مختصر انداز میں ذکر تھا، یعنی) جو لوگ (آیتوں کے نازل ہونے کے بعد) ان عورتوں کو (بدکاری کی) تہمت لگاتے ہیں جو پاک دامن ہیں (اور) ایسی باتوں (کے کرنے اور ارادے) سے (بالکل) بے خبر ہیں (اور) ایمان والیاں ہیں (اور جن کا تہمت سے پاک ہونا نص سے ثابت ہو چکا ہے اور ﴿ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ وغیرہ جمع کے الفاظ اس لئے لائے گئے ہیں کہ اس حکم میں سب ازواج مطہرات شامل ہو جائیں کہ الطیبات سے سب کا پاک ہونا ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگ جو ایسی پاک باز عورتوں پر تہمت لگائیں، وہ کافر اور منافق ہی ہو سکتے ہیں) ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے (یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے اپنے کفر کی وجہ سے دونوں جہاں میں دور ہوں گے) اور انہیں (آخرت میں) بڑا عذاب ہوگا جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں بھی گواہی دیں گے۔ ان کاموں کی جو یہ لوگ کیا کرتے تھے (مثال کے طور پر زبان کہے گی کہ اس نے میرے ذریعہ سے فلاں فلاں کفر کی بات بکی اور ہاتھ پاؤں کہیں گے کہ اس نے کفر کی باتوں اور کاموں کو پھیلانے کے لئے اس اس طرح بھاگ دوڑ اور کوششیں کیں) اس دن اللہ تعالیٰ انہیں ان کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ اور (اس دن) انہیں (ٹھیک ٹھیک) معلوم ہوگا کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے اور حق بات (کی حقیقت) کو کھول دینے والا ہے (یعنی اب کفر کی وجہ سے اس امر کا اس طرح اعتقاد نہیں ہے جیسا کہ اس کا حق ہے۔ اس دن انہیں معلوم ہو جائے گا اور یہ معلوم ہونے پر وہ نجات سے بالکل مایوس ہو جائیں گے، کیونکہ ان کے لئے مناسب فیصلہ ہمیشہ کے عذاب کا ہے۔

یہ آیتیں ان لوگوں کے بارے میں ہیں جنھوں نے توبہ نہیں کی اور ان آیتوں کے نازل ہونے کے بعد بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی، تہمت کا عقیدہ اور یقین رکھنے سے باز نہیں آئے، اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے والوں کو ﴿ لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُهٗ ﴾ میں دونوں جہاں میں مرحوم فرمایا یعنی رحمت کا وعدہ فرمایا اور توبہ نہ کرنے والوں کو ﴿ لُعِنُوْا ﴾ میں دونوں جہاں میں ملعون فرمایا یعنی لعنت کی وعید فرمائی، توبہ کرنے والوں کو ﴿ لَمَسَّکُمْ فِیْ مَآ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴾ میں عذاب سے محفوظ بتایا تھا اور توبہ نہ کرنے والوں کو ﴿ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴾ میں اور اس سے پہلے ﴿ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ ﴾ الخ میں عذاب میں مبتلا بتایا، توبہ کرنے والوں کے لئے ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ میں معافی و مغفرت یعنی گناہوں اور نافرمانیوں کو بخش دینے اور ان پر پردہ ڈال دینے کی خوش خبری دی تھی۔ اور توبہ نہ کرنے والوں کے لئے ﴿ تَشْهَدُ ﴾ اور ﴿ یُوَفِّیْهِمُ ﴾ میں معاف نہ کرنے اور فضیحت و رسوائی کی وعید فرمائی۔ توبہ کرنے والوں کے لئے ﴿ مَا زَكٰی مِنْکُمْ ﴾ الخ میں طاہر یعنی پاک بتایا تھا اور توبہ نہ کرنے والوں کو اگلی آیت میں خبیث فرمایا جس میں زنا سے پاک قرار دینے والے مضمون پر استدلال کر کے قصہ کو ختم فرمایا ہے، یعنی یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ) گندی عورتیں گندے

مردوں کے لائق ہوتی ہیں، اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں، اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے لائق ہوتی ہیں۔ اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لائق ہوتے ہیں (ایک بات تو یہ ہوئی اور دوسری بات اس ضرورت کے تحت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو ہر چیز آپ کے لائق اور آپ کے مناسب ہی دی گئی ہے، لہٰذا جب آپ پاک وصاف ہیں تو ضرور اس لحاظ سے آپ کی بیوی بھی پاک وصاف ہیں، اور ان کے پاک وصاف ہونے سے خاص اس تہمت سے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کا پاک وصاف ہونا بھی لازم آ گیا۔ اسی لئے آگے فرماتے ہیں کہ) یہ اس بات سے پاک ہیں جو یہ (منافق) بکتے پھرتے ہیں۔ ان (حضرات) کے لئے (آخرت میں) مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے (مغفرت ہر ایک کی اس کی حالت کے مطابق ہے، لہٰذا اس میں کوئی اشکال نہیں، اور اس میں منافقوں کی خباثت کا بھی بیان ہو گیا اور اگرچہ نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویاں کافر ہوں مگر خبث یعنی زنا سے وہ بھی پاک تھیں، جیسا کہ الدر المنثور تفسیر سورۃ التحریم میں ہے اور ابن جریج سے روایت ہے کہ: **کانتا کافرتین مخالفتین و لاینبغی لامرأة تحت نبي أن تفجر**: اور ابن عباس سے روایت ہے: **ما بغت امرة نبي قط**: اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ بیوی کا کفر نفرت اور بیزاری پیدا نہیں کرتا جب کہ بیوی کا زنا بیزاری اور نفرت پیدا کرتا ہے اور انبیاء علیہم السلام نفرت، گھن اور بیزاری سے پاک ہیں۔

اور زبانوں کے ذریعہ شہادت منہ پر ختم یعنی مہر کے خلاف نہیں کیونکہ منہ پر مہر سے فائدہ پہنچانے والی معذرت کی نفی ہے اور شہادت میں نقصان دینے والے قول کا اثبات ہے، اور شہادت میں زبان خود بولے گی، بولنے والے کا آلہ نہ ہوگی۔ ختم سے یہ مراد ہے۔

اور اگر شبہ ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر آپ طلاق دیدیں تو عورتیں بہت ہیں جواب یہ ہے کہ انہیں بدگمانی نہیں تھی، بلکہ اس مشورہ میں رسول اللہ ﷺ کے لئے تسکین اور دل کی تقویت اور غم کم کرنا مقصود تھا، اور خالی ذہن کے ساتھ تحقیق کی طرف متوجہ کرنا تھا تا کہ پاکیزگی اچھی طرح ثابت ہو جائے تو واقعی طور پر تہمت سے پاک ہونے کے ثابت کرنے میں یہ مدد واعانت تھی۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کر لو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو یہی تمہارے لئے بہتر ہے تا کہ تم خیال رکھو، پھر اگر ان گھروں میں تم کو کوئی معلوم نہ ہو

تو ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ تم کو اجازت نہ دی جائے اور اگر تم سے یہ کہہ دیا جاوے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ آیا کرو یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے تم کو ایسے مکانات میں چلے جانے کا گناہ نہ ہوگا جن میں کوئی نہ رہتا ہو ان میں تمہاری کچھ برت ہو اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو اور جو پوشیدہ طور پر کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔

پانچواں حکم: اجازت طلب کرنا:

(مکانوں کی چار قسمیں ہیں: ایک خاص اپنے رہنے کا، جس میں دوسرے کے) نام کا احتمال ہی نہیں، دوسرا جس میں کوئی اور بھی رہتا ہو، چاہے وہ محرم ہی کیوں نہ ہو یا اس میں کسی کے آجانے کا احتمال ہو۔ تیسرا اس میں اس وقت کسی کے رہنے یا نہ رہنے دونوں کا احتمال ہو۔ چوتھا جس میں کسی کی خاص سکونت نہ رکھنے کا یقین ہو۔ جیسے مدرسہ، خانقاہ، سرائے۔ پہلی قسم کا حکم تو یہ ہے کہ اس میں کسی کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اجازت طلب کرنے کی اور جواب استیذ ان کی علت جو آئندہ معلوم گی وہ یہاں موجود نہیں۔ اور دوسری قسموں کا حکم اگلی آیتوں میں فرماتے ہیں کہ) اے ایمان والو! تم اپنے (خاص رہنے کے) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں (جن میں دوسرے لوگ رہتے ہوں، چاہے ملکیت کے طور پر یا مانگ کر یا کرایہ کے طور پر) داخل مت ہو جب تک کہ (ان سے) اجازت نہ حاصل کر لو، اور (اجازت لینے سے پہلے) ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو (یعنی پہلے سلام کر کے ان سے پوچھو کہ کیا ہم آجائیں؟ اور ویسے ہی بغیر اجازت لئے ہوئے مت گھس جاؤ اور اگر چہ اجازت لینے کو بعض لوگ اپنی شان کے خلاف اور ندامت کا سبب سمجھتے ہیں اور اس لئے اجازت نہ لینے کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں، لیکن واقع میں) یہ (اجازت لے کر اندر جانا) ہی تمہارے لئے (بغیر پوچھے چلے جانے کے مقابلہ میں) بہتر ہے (یہ بات تمہیں اس لئے بتائی ہے) تا کہ تم (اس کا) خیال رکھو (اور اس پر عمل کرو، اور بہتر اس وجہ سے ہے کہ بغیر اجازت لئے چلے جانے میں ناجائز موقع پر نظر پڑ جانے کا یا گھر والوں کی ایسی حالت سامنے آجانے کا احتمال ہے جس کا سامنے آنا انہیں ناگوار ہو۔ اور اسی لئے تجسس یعنی کسی بات کی چھان بین کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس لئے یہ حکم اندھے اور عورتوں کے لئے بھی عام ہوگا، اور اسی احتمال کے تحت جو مفاسد و بگاڑ پیدا ہو سکتے ہیں وہ اس وہمی و خیالی ذلت سے جو اجازت حاصل کرنے میں سمجھی جاتی ہے کہیں زیادہ ہیں۔ یہ دوسری قسم کا حکم ہوا) پھر اگر ان گھروں میں تمہیں کوئی (آدمی) نہ ملے (چاہے واقعی طور پر وہاں کوئی ہو یا نہ ہو) تو (بھی) ان گھروں میں نہ جاؤ، جب تک کہ تمہیں (اجازت کا اختیار رکھنے والے کی جانب سے) اجازت نہ دی جائے (کیونکہ اول تو اس میں آدمی کے موجود ہونے کا احتمال ہے اور اسی مذکورہ علت کا وجوبِ استیذ ان میں احتمال ہے۔ اور اگر یقین بھی ہو جائے کہ اس میں کوئی نہیں ہے اور گھر کسی غیر کا ہے تب بھی بغیر اجازت جانے میں غیر کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف ہے، جو کہ حرام ہے۔ یہ تیسری قسم کا حکم ہوا) اور اگر (اجازت لینے کے وقت) تم سے یہ کہہ دیا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ تو تم لوٹ آیا کرو،

یہ بات تمہارے لئے (اس سے) بہتر ہے (کہ وہیں جم جاؤ، کیونکہ یہ بڑی ذلت کی بات ہے اور دوسرے پر دباؤ ڈالنا ہے اور اذیت دینے کا حرام ہونا ظاہر ہے، اسی طرح بلاوجہ ذلیل ہونا بھی قابل مذمت ہے کہ یہ ذلت واقعی ہے، اور بغیر ضرورت ہے جب کہ پہلی ذلت محض وہمی اور خیالی ہے اور دوسرے کے حقوق کی حفاظت کے لئے ہے، تو اصل میں یہ ذلت ہی نہیں ہے۔ اور اس میں ضرورت ہونے اور دوسرے کے حقوق کی حفاظت کی وجہ سے یہ اچھائی اور نیکی ہے) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے (اگر حکم کی خلاف ورزی، نافرمانی کروگے تو سزا کے مستحق قرار پاؤ گے اور یہی واپس لوٹ آنے کا حکم ہے جب تین بار پوچھنے پر اجازت نہ ملے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اور) تمہیں ایسے مکانوں میں (بغیر خاص اجازت کے) چلے جانے کا گناہ نہ ہوگا جس میں (گھر کے طور پر) کوئی نہ رہتا ہو (اور) ان میں تمہارے برتنے کی کوئی چیز ہو (یہ چوتھی قسم کا حکم ہے، جہاں عوامی منافع متعلق ہوں تو دلالت کے لحاظ سے وہاں جانے کی عام اجازت ہوتی ہے، لہٰذا جس کو اجازت نہ ہو، اس کو ان مکانوں میں بھی جانا جائز نہ ہوگا، جن میں چوری یا نقصان پہنچانے کا احتمال وشبہ ہو) اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو اور جو پوشیدہ طور پر کرتے ہو، اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے (لہٰذا سر وعلن یعنی ڈھکے چھپے اور علانیہ تقویٰ کی پابندی لازم ہے۔

فائدہ: یہ مسئلہ اجازت طلب کرنے کا مردانہ اور زنانہ سب گھروں کے لئے ہے۔ افسوس ہے کہ دوسری بعض قومیں اس مسئلہ پر عمل کر رہی ہیں اور اس سے فائدہ اٹھا رہی ہیں اور مسلمانوں میں یہ بالکل چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور اجازت حاصل کرنا واجب ہے اور اس سے پہلے سلام کرنا سنت ہے، اور اپنے جس گھر میں یقینی طور پر نکاحی بیوی یا شرعی ملکیت والی باندی کے سوا کوئی نہ ہو وہ اس سے الگ ہے، ورنہ وہ گھر بھی ﴿ غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ ﴾ یعنی تمہارے گھروں کے علاوہ کے حکم میں ہو جائیں گے، کیونکہ اس میں علت مشترک ہے اور اس سے وہ مردانہ مکان بھی الگ ہے جہاں آدمی اسی غرض سے بیٹھا ہو کہ جس کا دل چاہے ملنے کے لئے آئے، کہ اجازت کی دلیل ہے۔ اور جو مکان تنہائی اور آرام کے لئے مخصوص ہے، چاہے وہ مردانہ ہی ہو یا ملاقات کے مکان کا خلوت یعنی تنہائی کا مکان بن جانے کا کسی وقت قرینہ سے معلوم ہو جائے تو وہاں اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور اس کے باوجود کہ یہاں خطاب مردوں سے ہے، مگر عورتوں کے لئے بھی یہی حکم ہے، مردانہ میں بھی اور زنانہ میں بھی، اور ابن عباس سے جو اس گذشتہ آیت ﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ ﴾ کے منسوخ ہونے کی روایت ہے اس سے اصطلاحی معنی مراد نہیں، بلکہ ﴿ بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ ﴾ کے ظاہری عموم کی ﴿ بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ ﴾ سے تخصیص مراد ہے۔

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۚ وَتُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ: آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے، بیشک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔ اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس سے کھلا رہتا ہے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں، مگر اپنے شوہر یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا اُن مردوں پر جو طفیلی ہوں اور اُن کو ذرا توجہ نہ ہو یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردہ کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ اُن کا مخفی زیور معلوم ہو جاوے اور مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

چھٹا حکم: نگاہیں نیچی رکھنا اور پردہ رکھنا:

آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (یعنی جس عضو کی طرف بالکل ہی دیکھنا ناجائز ہے، اس کو بالکل نہ دیکھیں اور جس کو دیکھنا تو اپنے آپ میں جائز ہے لیکن شہوت کے ساتھ دیکھنا جائز نہیں، اس کو شہوت کی نظر سے نہ دیکھیں) اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں (یعنی ناجائز جگہ میں اپنی شہوت پوری نہ کریں، جس میں زنا اور لواطت وغیرہ سب داخل ہیں) یہ ان کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے (اور اس کے خلاف کرنے میں خود زنا یا زنا سے پہلے والی حرکتوں میں مبتلا ہونا ہے) بے شک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں (لہٰذا خلاف ورزی کرنے والے سزا کے مستحق ہوں گے) اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (یعنی جس عضو کی طرف بالکل بھی دیکھنا جائز نہیں اس کو بالکل نہ دیکھیں اور جس کو دیکھنا تو اپنے آپ میں جائز ہے، مگر شہوت کے ساتھ دیکھنا جائز نہیں اس کو شہوت کے ساتھ نہ دیکھیں) اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں (یعنی ناجائز جگہ میں شہوت پوری نہ کریں، جس میں زنا اور دوسرے تمام طریقے داخل ہیں) اور اپنی زینت (کے حصوں) کو ظاہر نہ کریں (زینت سے مراد زیور ہیں جیسے کنگن چوڑی، پازیب، بازوبند، گلوبند، جھومر پٹی، بالیاں وغیرہ اور ان کے حصوں سے مراد ہاتھ پنڈلی، بازو، گردن،

سر سینہ، کان یعنی ان سب حصوں کو سب سے چھپائے رکھیں، سوائے ان دو عضووں کے جو آگے آتے ہیں اور جب ان حصوں کو اجنبیوں سے پوشیدہ رکھنا واجب ہے جن کا ظاہر کرنا محرم لوگوں کے سامنے جائز ہے جیسا کہ آگے آتا ہے تو بدن کے دوسرے حصے اور اعضا جو ان کے علاوہ ہیں جیسے کمر اور پیٹ وغیرہ جن کا کھولنا محرم لوگوں کے سامنے بھی جائز نہیں۔ ان کا ڈھانپ کر رکھنا نص کی دلالت سے واجب ہو گیا۔ حاصل یہ ہوا کہ سر سے پاؤں تک اپنا پورا بدن ڈھانپ کر رکھیں) مگر جو اس (زینت کے موقع) میں سے (عام طور پر) کھلا (ہی) رہتا ہے (جس کو ہر وقت چھپا کر رکھنے میں نقصان یا دشواری ہے، زینت کے اس حصہ سے مراد صحیح روایت کے مطابق چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں ہیں کہ چہرہ تو قدرتی طور پر زینت کا مجمع ہے اور اس میں بعض زینتیں قصداً بھی کی جاتی ہیں، جیسے سرمہ وغیرہ اور دونوں ہتھیلیاں اور انگلیاں انگوٹھی، چھلے، مہندی وغیرہ کی جگہیں ہیں، اور دونوں پاؤں بھی چھلوں اور مہندی وغیرہ کی جگہیں ہیں۔ چنانچہ ان حصوں کو ضرورت کی وجہ سے ظاہر ہونے کے لئے الگ فرما دیا ہے اور ﴿مَا ظَهَرَ﴾ کی تفسیر چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کے ساتھ حدیث میں آئی ہے اور دونوں پیروں کو ان پر قیاس کرتے ہوئے بعض فقہی روایتوں میں داخل کیا گیا ہے) اور (خاص طور سے سر اور سینہ کو ڈھانپنے کا بہت اہتمام کریں اور) اپنے دوپٹے (جو سر ڈھانکنے کے لئے بنائے گئے ہیں) اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں (اگرچہ سینہ قمیص سے ڈھک جاتا ہے لیکن اکثر قمیص میں سامنے سے گریبان کھل جاتا ہے اس لئے اس اہتمام کی ضرورت ہوئی) اور (جیسے ﴿إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ میں ضرورت کے تحت کچھ حصوں کا الگ کرنا اس کے اعتبار سے اوپر آیا ہے، جس کو دیکھا جائے، رخصت کے بعض حصوں کو الگ رکھنے کی اجازت دیکھنے والوں کے اعتبار سے آگے آتی ہے۔ یعنی) اپنی زینت (کے مذکورہ حصوں) کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں، سوائے اپنے شوہر پر، یا (اپنے محرموں پر یعنی) اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر، یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے (حقیقی یعنی سگے اور ماں شریک وباپ شریک) بھائیوں پر (نہ کہ چچازاد، پھوپی زاد و ماموں زاد وغیرہ پر) یا اپنے (مذکورہ) بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی (سگی و ماں شریک و باپ شریک) بہنوں کے بیٹوں پر (نہ کہ چچازاد، خالہ زاد وغیرہ بہنوں کے بیٹوں پر) یا اپنی (یعنی دین میں شریک اپنی) عورتوں پر (مطلب یہ کہ مسلمان عورتوں پر، کیونکہ کافر عورتوں کا حکم اجنبی مردوں کی طرح ہے، جیسا کہ الدر المنثور میں ابن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد اور عمر بن خطاب سے روایت ہے) یا اپنی باندیوں پر (مطلق چاہے وہ کافر ہی ہوں۔ اور غلام کا حکم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اجنبی مرد کی طرح ہے جیسا کہ الدر المنثور میں طاؤس، مجاہد، عطا، سعید بن المسیب اور ابراہیم سے روایت ہے) یا ان مردوں پر جو (صرف کھانے پینے کے واسطے) تابع (کے طور پر رہتے) ہوں اور ان کو (اس درست نہ ہونے کی وجہ سے عورتوں کی طرف) ذرا توجہ نہ ہو (تابع لوگوں کی تخصیص، اس لئے ہے کہ اس وقت ایسے لوگ تھے، جیسا کہ الدر المنثور میں ابن عباس سے روایت ہے، اور ہر وہ شخص جس کا دماغ خراب ہو، اس حکم میں شامل ہے، لہٰذا اس حکم کی بنیاد حواس کے خراب ہونے پر ہے نہ کہ تابع ہونے پر، اس وقت تابع لوگ ایسے ہی تھے جیسا

کہ الدر المنثور میں ابن عباسؓ کا قول ہے: مغفل فی عقله احمق لا یکترث النساء: یعنی اپنی عقل سے خالی، احمق جس کو عورتوں کی طرف توجہ نہ ہو، اور جو سمجھ رکھتا ہو، بہر حال وہ اجنبی مرد ہے۔ چاہے وہ بوڑھا یا خصی یا عضو کٹا ہوا ہی کیوں نہ ہو) یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردہ کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے (اس سے بالغ ہونے کی عمر سے پہلے کے لڑکے مراد ہیں، ان سب کے سامنے چہرہ، دونوں ہتھیلیوں اور دونوں پیروں کے ساتھ زینت کی مذکورہ جگہوں کا ظاہر کرنا بھی جائز ہے اور شوہر کے سامنے کسی بھی عضو کا چھپانا واجب نہیں اگرچہ خاص بدن اور عضو کو دیکھنا خلاف اولیٰ ہے، چنانچہ سیدتنا ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: لم أر منه ولم یرمنی ذلک الموضع: یعنی نہ میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کے اس حصہ کو دیکھا اور نہ ہی آپ نے میرے اس حصہ کو دیکھا، اس کو مشکوۃ میں نقل کیا گیا ہے اور بقی بن مخلد اور ابن عدی نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی یا باندی سے صحبت کرے تو اس کی شرم گاہ کو نہ دیکھے کہ اس سے بینائی جاتی رہتی ہے۔ ابن الصلاح نے اس روایت کو جید الاسناد کہا ہے جیسا کہ الجامع الصغیر میں ہے) اور (پردے کا یہاں تک اہتمام رکھیں کہ چلنے میں) اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے۔ اور مسلمانو! (ان احکام میں تم سے جو کوتاہی ہوگئی ہو تو) تم سب اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو، تا کہ تم فلاح پاؤ (ورنہ معصیت ونافرمانی مکمل فلاح کے لئے رکاوٹ ہو جاتی ہے)

مسئلہ (۱): مرد کو شہوت کے ساتھ کسی کی طرف قصداً دیکھنا جائز نہیں سوائے بیوی اور باندی کے اور بغیر شہوت دیکھنے میں تفصیل ہے کہ محرم عورتوں کے چہرہ، سر، سینہ، پنڈلیوں، بازوؤں کلائیوں، ہتھیلیوں اور پیروں کو دیکھنا جائز ہے۔ اور غیر محرم کو چہرہ اور ہتھیلیوں اور ایک روایت میں پیروں کو بھی دیکھنا جائز ہے۔ مطلب یہ کہ یہ اعضا ستر میں داخل نہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورت کا بلا ضرورت بے پردہ پھرنا اور مردوں کا اس کے ان اعضا کا نظارہ کرنا درست ہے۔ البتہ کسی ضرورت سے سامنے آنا یا باہر نکلنا درست ہے، اسی طرح بہت بوڑھے سے یہ پردہ نہیں۔ چنانچہ بلا ضرورت اور فتنہ کے خوف کے وقت چہرہ چھپانا بھی واجب ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر بارہویں حکم میں آرہا ہے۔ درمختار میں ہے: تمنع الشابة من کشف الوجه بین الرجال لا لأنه عورة بل أخاف الفتنه: یعنی "جوان عورت کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا، اس لئے نہیں کہ وہ ستر ہے بلکہ مجھے اس سے فتنہ کا اندیشہ ہے" احقر کے رسالہ القول الصواب میں اس کی پوری تحقیق ہے۔ اور مرد کا دوسرے مرد کے بدن کو ناف سے گھٹنے تک کے سوا دیکھنا درست ہے۔ اور باقی بدن دیکھنا بالکل جائز نہیں، البتہ اگر شرعی ضرورت ہو تو اجازت ہے، جیسے کسی جگہ کوئی زخم وغیرہ ہو تو علاج کرنے والے کو صرف اتنا بدن دیکھنا درست ہے۔ لیکن جہاں تک ممکن ہو دل سے شہوت کو دور کرے۔ یہ ﴿ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ﴾ کی تفصیل ہے۔ اور اسی تفصیل کی وجہ سے لفظ "مِنْ" بعض کے معنی کے لئے ہو سکتا ہے کہ بعض جگہ اجازت ہے۔ اور باقی جگہوں پر نہیں اور قصداً اس لئے کہا کہ اگر بغیر قصد کے نظر پڑ جائے اور فوراً ہٹالی جائے تو گناہ نہیں۔

مسئلہ (۲): عورت کو شہوت کے ساتھ سوائے شوہر کے کسی کی طرف قصداً دیکھنا جائز نہیں۔ اور بغیر شہوت کے دیکھنے میں تفصیل ہے کہ عورت کا دوسری عورت کے بدن کو ناف سے گھٹنوں تک کے سوا دیکھنا درست ہے، اور مرد کے بدن کو ناف اور گھٹنے تک کے درمیان تو بالاتفاق حرام ہے اور اس کے سوا کے دیکھنے میں اختلاف ہے۔ شافعیہ کے نزدیک حرام ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اگرچہ بغیر شہوت کے دیکھنا حرام نہیں، مگر خلاف اولیٰ ہے۔ چنانچہ ابوداؤد و ترمذی، نسائی اور بیہقی میں حدیث ہے کہ ابن ام مکتوم صحابی رضی اللہ عنہ نے جو نابینا تھے، حضور کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ تو آپ نے امہات المؤمنین ام سلمہ اور میمونہ رضی اللہ عنہما سے جو اس وقت آپ کے پاس تھیں، پردہ میں چلے جانے کے لئے فرمایا، انھوں نے عرض کیا کہ وہ تو نابینا ہیں، ہمیں نہیں دیکھیں گے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم بھی نابینا ہو؟ کیا تم بھی ان کو نہ دیکھوگی؟ البتہ شرعی ضرورت سے دیکھنا جائز ہے۔ اسی طرح بلا قصد نظر پڑنے سے جب کہ فوراً ہٹالی جائے، گناہ نہیں، جیسا کہ اوپر کے مسئلہ میں بیان ہوا۔ یہ ﴿ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ﴾ کی تفصیل ہے اور اس میں بھی لفظ "من" کے بعض کے لئے ہونے کی وہی توجیہ ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔

مسئلہ (۳): یہ تفصیل تو عورت کے دیکھنے میں تھی اور عورت کی طرف دیکھنے میں وہ اپنے کون کونسے اعضا اور کس کس کے سامنے ظاہر کرسکتی ہے اور کس سے چھپانا ضروری ہے، اس کی تفصیل ترجمہ کے بیان کے ضمن میں ہوگئی ہے۔ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ یہ حکم آزاد عورتوں کا ہے، جس کا قرینہ ﴿ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ﴾ کے مقابلہ میں ہونا ہے۔ اور باندیوں کا حکم یہاں بیان نہیں ہوا ہے اور شوہر کے باپ دادا میں اس کے اجداد ماں اور باپ دونوں طرف کے شامل ہیں، اسی طرح بیٹوں میں بیٹوں کے بیٹے بھی شامل ہیں۔ اور اسی طرح بھائیوں کے بیٹوں اور بیٹوں کے بیٹوں میں ان بیٹوں کے بیٹے بھی شامل ہیں۔ اور یہاں اگرچہ عورت کے ماموں خالو، اور چچا و پھوپھا کا ذکر نہیں ہے مگر حکم ان کا بھی یہی ہے کہ بنیاد محرم ہونے پر ہے۔ اور محرم وہ رشتہ دار ہے جس سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے، چاہے نسب کی طرف سے ہو یا سسرالی رشتہ کی طرف سے یا رضاعت یعنی دودھ پلانے والی کی طرف سے۔ البتہ بعض فقہاء نے زمانہ کے فتنوں کو دیکھتے ہوئے سسرالی اور رضاعی رشتہ داروں کے ساتھ تنہائی میں رہنے بیٹھنے سے منع کیا ہے۔

مسئلہ (۴): کافر عورت سے اجنبی مردوں کی طرح جسم ڈھانپنا واجب ہے، سوائے باندی کے، اس کا بیان بھی تفسیر کے ضمن میں ہو چکا ہے۔

مسئلہ (۵): جس زیور کی آواز پیدا ہوتی ہے وہ دو قسم کا ہوتا ہے: ایک وہ جو خود بھی بجتا ہو، جیسے گھونگرو یا بجنے والا زیور اس کا پہننا تو اس وجہ سے کہ حدیث میں گھنٹہ و گھڑیال سے منع کیا گیا ہے، بالکل منع ہے، اور قرآن میں یہ مراد نہیں ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو خود نہیں بجتا، مگر دوسری چیز سے لگ کر آواز دیتا ہے، جیسے کڑے وغیرہ، ان کا پہننا جائز ہے اور اس آیت میں حکم انہی کے بارے میں ہے کہ پاؤں زور سے نہ رکھیں، یعنی ان زیوروں کا پہننا درست ہے، مگر اس کا اظہار فتنہ اور

اجنبیوں کے میلان کے خوف کی وجہ سے درست نہیں، اس سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ جب زیور کی آواز کو پوشیدہ رکھنے کا ایسا اہتمام ہے تو خود صاحب زیور کی آواز کا جو کہ فتنہ اور میلان پیدا کرنے والی ہوجاتی ہے، پوشیدہ رکھنا اہتمام کے قابل کیوں نہ ہوگا، سوائے کسی ضرورت کے۔ چنانچہ دوسری جگہ اس کی صراحت بھی ہے: ﴿ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴾ (سورۃ الاحزاب آیت ۳۲) اور یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ جب آواز ایسی پوشیدہ رکھنے کے قابل ہے تو صورت کیوں پوشیدہ رکھنے کے قابل نہ ہوگی۔ کہ وہ تو اصل فتنہ پیدا کرنے والی ہے، سوائے حرج دور کرنے کی ضرورت کے، جس کی طرف ﴿ مَا ظَهَرَ ﴾ سے اشارہ ہے اور اس کا بیان ترجمہ کے ذیل میں کردیا گیا ہے۔

﴿ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ ﴾

ترجمہ: اور تم میں جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کردیا کرو اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس لائق ہو، اس کا بھی اگر وہ لوگ مفلس ہونگے خدا تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے گا۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے خوب جاننے والا ہے اور ایسے لوگوں کو کہ جن کو نکاح کا مقدور نہیں ان کو چاہئے کہ ضبط کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے۔

ساتواں حکم: نکاح کرنا و نکاح کرانا اور آٹھواں حکم: نکاح سے عاجز رہنے پر صبر کرنا:

اور تم میں جو بے نکاح ہوں (یعنی آزاد افراد میں چاہے مرد ہوں یا عورت اور چاہے (ابھی نکاح ہوا ہی نہ ہو یا وفات یا طلاق کی وجہ سے علاحدگی ہوگئی ہو) تم ان کا نکاح کردیا کرو اور (اسی طرح) تمہارے غلاموں اور باندیوں میں جو اس (نکاح) کے لائق ہو (یعنی حقوق زوجیت ادا کرسکے) اس کا بھی (نکاح کردیا کرو، اور محض اپنی مصلحت کے خیال سے غلاموں اور باندیوں کی ضرورت کے باوجود ان کی اس مصلحت کو فوت مت کیا کرو اور آزاد افراد کے نکاح میں اپنے اس عزیز یا عزیزہ کے لئے پیغام دینے والے کی موجودہ محتاجی اور مفلسی کو جب کہ اس میں کمانے اور اپنے اہل وعیال کی ضرورتیں پوری کرنے کا مادہ وجذبہ اور قوت وصلاحیت موجود ہو، مانع ورکاوٹ مت سمجھا کرو، کیونکہ) اگر وہ (مفلس) ہوں گے تو اللہ تعالیٰ (اگر چاہے گا) ان کو اپنے فضل سے غنی کردے گا (لہٰذا نہ غنا یعنی مالداری نہ ہونے کو نکاح کے لئے مانع ورکاوٹ سمجھیں اور نہ ہی نکاح کو غنا و مالداری کے لئے رکاوٹ سمجھیں کیونکہ اس کا دارومدار مشیت یعنی چاہنے پر ہے۔ اگر فقر کے ساتھ مشیت متعلق ہوجائے تو نکاح نہ ہونے کے باوجود بھی ہوجائے گا، اور اگر غنا مشیت متعلق ہوجائے تو نکاح نہ ہونے کے باوجود بھی ہوجاوے گا، لہٰذا ایسے وہمی اور خیالی ربط پر کیوں نظر کی جائے) اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے (جس کو چاہے غنی کردے، اور سب کا حال) خوب جاننے والا ہے (جس کو غنا کے لائق اور اس کا اہل دیکھے غنی کردے اور جس کو فقر کا

اہل اور اس کے لائق جانے فقیر کردے) اور اگر کسی کو فقر کی وجہ سے نکاح کا سامان مثلاً بیوی یا نقد مہر میسر نہ ہو تو) ایسے لوگوں کو کہ جن کو نکاح کی قدرت نہیں، انہیں چاہئے کہ (اپنے نفس کو) ضبط کریں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (اگر چاہے) انہیں اپنے فضل سے غنی کردے (پھر نکاح کرلیں)

فائدہ: جو قید غلاموں اور باندیوں میں لگائی ہے کہ صالح یعنی بیوی کے حقوق کی ادائیگی کے لائق ہوں، اس قید کے لگانے سے مقصود شرط قرار دینا نہیں، اگرچہ واقع میں دوسرے شرعی قواعد سے شرط قرار دینا بھی ثابت ہے۔ غلاموں اور باندیوں میں بھی اور آزاد افراد میں بھی، کیونکہ اگر کسی ایسے مرض کی وجہ سے جس سے شفا کی امید نہ ہو یا ایسی بدخلقی کی وجہ سے جس کی اصلاح کی امید نہ ہو، حقوق کی ادائیگی کی غالب امید نہیں تو اس کے لئے کوشش اور مدد واہتمام کرنا بالکل ایک شخص کی عافیت کو برباد کرنا ہے، لیکن اس جگہ اس قید سے مقصود یہ ہے کہ صالح ہونے کے باوجود جو نکاح کا تقاضہ رکھتا ہو اس خیال سے نکاح میں ٹال مٹول مت کیا کرو کہ ہمارا غلام یا ہماری باندی پھر ہماری پوری خدمت نہ کریں گے، اور چونکہ آزاد افراد میں صلاحیت کی موجودگی کی صورت میں، مذکورہ خیال ووہم کی وجہ سے لیت ولعل یعنی ٹال مٹول کی عادت نہیں ہوتی، اس لئے وہاں یہ قید نہیں لگائی، البتہ کبھی کبھی دوسرے امور تاخیر وتوقف کا سبب بن جاتے ہیں، اس لئے ﴿ اَنْكِحُوا ﴾ کا امر فرمایا اور ﴿ اَنْكِحُوا ﴾ میں مدد واعانت کرنا واسطہ بننا اور سہولتیں فراہم کرنا وغیرہ سب شامل ہیں، جیسا جہاں موقع ہو، اور اس میں خطاب عام ہے، ولی یعنی قریبی عزیز اور سید یعنی آقا و مالک کے لئے اور ولی کی اجازت کا شرط ہونا یا نہ ہونا اور سید یعنی مالک کی اجازت کا شرط ہونا۔ یہ دوسری دلیلوں سے ثابت ہے اور ﴿ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ ﴾ کے ظاہری مضمون سے یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ بعض اوقات فقیر کے نکاح پر غنا نہیں ہوتا۔ پھر وعدہ کا کیا مطلب ہے؟ ترجمہ کی وضاحت سے اس کا جواب ظاہر ہو گیا کہ اس کا تعلق مشیت سے ہے جیسا کہ دوسری جگہ تصریح ہے۔ ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ﴾ سورۃ التوبہ آیت ۲۸۔ اور اگر اس جواب پر شبہ ہو کہ اس میں نکاح کی اور غنا کی کیا تخصیص ہے؟ بغیر نکاح والے کا غنا بھی اور اسی طرح سب کے فقر کا بھی مشیت ہی کے ساتھ تعلق ہے۔ اس کا جواب بھی ترجمہ کی وضاحت سے ظاہر ہو گیا کہ چونکہ اکثر کا خیال ہے کہ فقر میں نکاح اور کوڑھ میں کھاج ہے، اس لئے اس کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ اور اگر وسوسہ ہو کہ پہلی آیت میں تو فقرا کو نکاح کا اور اگلی آیت میں انہیں ضبط کا حکم دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فقر تو نکاح سے مانع نہیں، لیکن اگر بیوی نہ ملے تو کسی پر جبر وزبردستی تو ہے نہیں، اس لئے اگر مل جائے تو نکاح کرلو ورنہ صبر سے بیٹھے رہو۔ البتہ ان سب مذکورہ صورتوں میں ممکنہ طور پر نکاح کے وقت قدرت حاصل ہونے کی شرط ہے، جیسا کہ ﴿ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ ﴾ کے ترجمہ سے پہلے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور امر ﴿ اَنْكِحُوا ﴾ مطلق طلب کے لئے اور نکاح کرنے اور کرانے کے واجب یا مستحب یا مباح ہونے یا بعض صورتوں میں کراہت کی تفصیل دوسری دلیلوں سے ثابت ہے اور امر ﴿ وَلْيَسْتَعْفِفِ ﴾ واجب ہونے کے لئے ہے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ ﴾

ترجمہ: اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو ان کو مکاتب بنادیا کرو اگر ان میں بہتری پاؤ اور اللہ کے اس مال میں سے ان کو بھی دو جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دے رکھا ہے۔

نواں حکم: غلام و باندی کو مکاتب بنانا اور ان کی مدد کرنا:

اور تمہاری ملکیت والوں میں سے (چاہے غلام ہوں یا باندی) جو مکاتب ہونا چاہیں (چاہے وہ خود اپنی طرف سے چاہیں یا یہ بات پہلے مالک کہے اور غلام یا باندی نے اس کو قبول کرلیا ہو۔ چاہنے کی یہ بھی ایک صورت ہے) تو (بہتر ہے کہ) انہیں مکاتب بنادیا کرو اگر ان میں بہتری (کے آثار) پاؤ۔ اور اللہ کے (دیئے ہوئے) اس مال میں سے ان کو بھی دو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھا ہے (تاکہ وہ جلدی آزاد ہوسکیں)

فائدہ: مکاتب بنانا شریعت کے مطابق ایک معاہدہ ہے جو آقا اور غلام کے درمیان ہوتا ہے، آقا اپنے غلام سے کہتا ہے کہ تم مجھے اتنا مال کما کر دیدو تو تم آزاد ہو، اور غلام اس بات کو قبول کرلے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر غلام اتنا مال کما کر دیدے تو وہ آزاد ہوجائے گا اور اگر وہ کما کر نہ دے سکا تو اگر خود کہہ دیا کہ میں عاجز ہوں، نہیں دے سکتا اور معاہدہ فسخ کرتا ہوں تو مکاتبت کا معاہدہ فسخ ہوجائے گا۔ اور غلام نے خود نہ کہا اور ادا بھی نہیں کرسکا تو حاکم سے درخواست کی جائے گی تب وہ فسخ کردے گا۔ اور لفظ خیر میں یہ سب باتیں آگئیں۔ کمانے کا سلیقہ، بیہودہ خرچ نہ کرنا، آزاد ہوکر مخلوق کو تکلیف نہ پہنچانا وغیرہ، ورنہ پہلی صورت میں خود دنیاوی تکلیف اٹھائے گا اور کبھی دوسروں سے مانگ کر انہیں پریشان کرے گا۔ اور دوسری صورت میں معصیت میں بھی مبتلا ہوگا، اور تیسری صورت میں دوسروں کو تکلیف دے گا تو ان حالتوں میں اس کا مقید اور غلام و ماتحت ہی رہنا ٹھیک ہے۔ اور اگر قرائن سے خیر کا علم غالب گمان کے معنی میں ہو تو اس کو مکاتب بنادینا مستحب ہے، شرط یہ کہ خیر کا ظن غالب ہو، لہٰذا یہ حکم مندوب کے طور پر ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور اگر خیر کا ظن غالب نہ ہو تو اگرچہ یہ امر اپنے آپ میں مباح ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے: فالأفضل أن لا يكاتبه: یعنی افضل یہ ہے کہ اس کو مکاتب نہ بنائے، لیکن دوسرے اسباب کی وجہ سے مکروہ ہے، جیسا کہ الروح میں ہے۔ اور امر ﴿ اٰتُوْهُمْ ﴾ مندوب کے لئے ہے، اور اس کے مخاطب عام مسلمان ہیں یعنی انہیں زکوٰۃ دے کر اعانت کرو کہ وہ بھی زکوٰۃ کے مصارف میں سے ایک مصرف ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ اگرچہ اس مکاتب کا آقا غنی ہو، تب بھی اس کو زکوٰۃ دینا اور آقا کا اس کو لے لینا درست ہے، لیکن بنو ہاشم کے مکاتب کو زکوٰۃ دینا درست نہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے، اسی طرح خود اپنے مکاتب کو بھی زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے، جیسا کہ الہدایہ میں ہے یہ تو مال دینے کی حقیقی صورت میں تفصیل ہے اور ایک مال کا مجازی اور حکمی طور پر دینا ہے۔

جس میں ''تملیک'' جو کہ لفظ ایتا یعنی دینے کے جو ﴿ اٰتُوْهُمْ ﴾ میں آیا ہے، لغوی معنی ہیں، محقق نہیں بلکہ وہ گھٹانا اور معاف کرنا ہے۔ اور یہ آقا کے ساتھ خاص ہے کہ کتابت کے بدلہ والی رقم میں سے کچھ کم کردے، بعض مرفوع روایتوں سے یہ تفصیل بھی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ الدر المنثور میں ہے، لہٰذا یا تو آتوا میں سب کو مخاطب قرار دیا جائے اور ایتاء میں مجازی طور پر عموم لیا جائے جیسے اعینوھم جس میں ایتاء کے حقیقی اور مجازی دونوں معنی شامل ہیں۔ اور یا آتوا میں خطاب صرف دوسرے ہی مسلمانوں کو ہو اور حدیث میں جو تفسیر آئی ہے وہ دلالۃ النص کی بنیاد پر ہو، یعنی جب آیت سے غیروں کو اعانت کی ترغیب ہے تو خود آقا کے ساتھ تو اس کے زیادہ تعلقات ہیں، اس کے لئے بھی کچھ اعانت کرنا بہتر ہے اور خیر کی تفسیر صرف کمائی کے پیشہ کے ساتھ اور کتابت کے بدلہ کی رقم کم کرنے کی مقدار چوتھائی کے ساتھ کرنا جو بعض مرفوع حدیثوں میں آئی ہے جیسا کہ الدر المنثور میں ہے وہ مثال پر محمول ہے نہ کہ اس کے سوا کی نفی کے لئے۔

﴿ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

ترجمہ: اور اپنی لونڈیوں کو زنا کرنے پر مجبور مت کرو جب وہ پاک دامن رہنا چاہیں محض اس لئے کہ دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ تم کو حاصل ہو جاوے اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُن کے مجبور کئے جانے کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔

دسواں حکم: باندیوں کو زنا پر مجبور کرنے کی ممانعت:

اور اپنی (ملکیت والی) باندیوں کو زنا کرانے پر مجبور مت کرو (اور خاص طور پر) جب وہ پاک دامن رہنا چاہیں (اور پھر مجبور بھی محض ایک گھٹیا غرض کے لئے یعنی) محض اس لئے کہ دنیاوی زندگی کا کچھ فائدہ (یعنی مال تمہیں حاصل ہو جائے) اور جو شخص انہیں مجبور کرے گا (اور وہ بچنا چاہیں گی) تو اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد (ان کے لئے) بخشنے والا مہربان ہے۔

فائدہ: جاہلیت میں بعض لوگ اس طریقہ سے کمائی کرتے تھے اور عبداللہ بن ابی منافق نے بھی اپنی دو باندیوں کو اس کے لئے مجبور کیا تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، پہلی بات ابن مردویہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور دوسری مسلم نے جابر سے روایت کی ہے جیسا کہ الروح میں ہے۔ اور اس آیت میں چند قیدیں ہیں: ایک لفظ فتیات آیا ہے جس کے اصلی معنی جوان عورتیں ہیں، پھر یہ ملکیت والی عورتوں کے لئے استعمال ہونے لگا، دوسری ﴿ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا ﴾ تیسری ﴿ لِّتَبْتَغُوْا ﴾ یہ سب قیدیں واقع کی بنیاد پر ہیں، یعنی بوڑھیوں پر اس وجہ سے زبردستی نہیں کی جاتی تھی کہ ان کی طرف رغبت نہیں ہوتی تھی، اور ان عورتوں نے جنہیں مجبور کیا جاتا تھا، اس سے بچنا چاہا تھا۔ چنانچہ مسلم کی روایت میں ہے کہ ان

لونڈیوں نے رسول مقبول ﷺ کے حضور میں اس کی شکایت کی تھی اور ان مجبور کرنے والوں کی غرض مال حاصل کرنا ہوتا تھا، ورنہ اگر یہ قیدیں بھی نہ ہوں تب بھی یہ مجبور کرنا جائز نہیں، بلکہ ایسی بات کہنا ہی جائز نہیں، چاہے مجبور کئے بغیر ہو، چنانچہ اس بیان سے شبہات دور ہوگئے۔ اور جس زبردستی سے مجبور کی جانے والی عورتوں پر پکڑ نہیں، وہ، وہ ہے جس میں جان یا جسم کے کسی عضو کے تلف ہوجانے کا خوف ہو۔ اس کو اکراہ ملجی کہتے ہیں اور چونکہ زنا خود اپنے آپ میں معصیت نافرمانی کا سبب ہے، اگرچہ جبر وزبردستی کی وجہ سے معصیت نہ رہا اس لئے غفور کا لفظ استعمال فرمایا ہے، ورنہ مغفرت سے معصیت کا شبہ ہوتا ہے تو یہ اس کے ذاتی اثر کے لحاظ سے ہے۔

مذکورہ تمام دس احکام سے متعلق فائدہ:

پہلے حکم میں زنا کی قباحت یعنی برائی ہے، دوسرے حکم میں بھی پہلے والے حکم کی ہی تقویت اور تائید ہے، تیسرے حکم میں زنا کی طرف نسبت کی قباحت وبرائی ہے۔ چوتھے حکم میں بھی اسی نسبت کے خاص موقع ومحل کے اعتبار سے بعض احکام ہیں، جس کی طرف نسبت کی گئی ہے، اس کی عظمت وبلندی کی وجہ سے قصہ میں اس نسبت کی شدید برائی ہے۔ پانچویں اور چھٹے حکم میں مردوں اور عورتوں کے درمیان خلط ملط ہونے یعنی میل جول کی بندش ہے جو کہ زنا کی طرف لے جانے والا عمل ہے۔ ساتویں اور آٹھویں حکم میں نکاح کا حکم ہے، جو کہ زنا سے روکنے والا ہے۔ نواں حکم اگرچہ اس باب سے جدا ہے اور اضافہ کے طور پر غلاموں اور باندیوں کے حقوق کا ذکر ہوگیا ہے لیکن تھوڑا سا غور کرنے سے یہ حکم بھی اس لحاظ سے اسی باب سے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ خیر کے عموم میں آوارگی کو دور کرنا بھی داخل ہے۔ لہٰذا جس شخص میں ایسا احتمال ہو، اس کا غلام رہنا زنا سے دور رہنے کا سبب ہے۔ اور جس میں یہ احتمال نہ ہو اس کے لئے آزاد کیا جانا زنا سے دور رہنے کا سبب ہے، کیونکہ بعض اوقات آقا لوگ اپنی خدمت کی مصلحت کے خیال سے غلام کا نکاح نہیں کیا کرتے، اور دسویں حکم میں زنا کا کھلم کھلا راستہ بند کیا گیا ہے، اس طرح احکام میں ربط کا ذریعہ پاکیزگی وپاک دامنی حاصل کرنا اور فواحش وبرائی سے روکنا ہے، جیسا کہ تمہید میں بھی مختصر انداز میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٤﴾﴾ ع ۴

ترجمہ: اور ہم نے تمہارے پاس کھلے کھلے احکام بھیجے ہیں، اور جو لوگ تم سے پہلے ہوگزرے ہیں ان کی بعض حکایات اور ڈرانے والوں کے لئے نصیحت کی باتیں۔

ربط: اس سورت میں کئی قسم کے مضامین بیان ہوئے ہیں: اول وہ احکام جن میں عملی احکام تو زیادہ تر اوپر بیان ہوئے ہیں اور کچھ آگے آرہے ہیں۔ اور علمی احکام کچھ اوپر بیان ہوئے ہیں، جیسے قیامت کے بعض احوال، انسانی اعضا کی گواہی

اور عظیم عذاب، اگر چہ تہمت کے قصہ کے ذیل میں ہی سہی، اور زیادہ تر آگے آرہے ہیں، جیسے توحید کی تفصیل۔ دوسرے بعض قصے جیسے اوپر تہمت کا قصہ آیا ہے۔ تیسرے وعظ و نصیحت یعنی رغبت دلانا اور ڈرانا، یہ اوپر بھی آیا ہے اور اب اس آیت میں بھی ہے، بلکہ مجموعی طور پر قرآن انہی مضامین سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ ان مضامین کو بیان کرنے کے بعد اب اس سورت کے اور بعض کے قول کے مطابق پورے قرآن کے نازل کرنے پر بندوں پر اپنے احسان کا اظہار فرماتے ہیں۔

ہدایت نامہ (قرآن) نازل کرنے پر احسان کا اظہار:

اور ہم نے تم لوگوں کی ہدایت کے واسطے اس سورت میں یا قرآن میں رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے) تمہارے پاس (علمی و عملی) کھلے کھلے احکام بھیجے ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے گذرے ہیں، ان کی (یا ان کی جیسی) بعض حکایتیں اور (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کی باتیں (بھیجی ہیں)

فائدہ: اگر قرآن مراد ہے تب تو اس کا گذشتہ قصوں پر مشتمل ہونا ظاہر ہے اور اگر صرف یہی سورت مراد ہے تو کلام کی توجیہ مضاف کے حذف کے ساتھ ہے جیسے من جنس امثال ﴿الَّذِيْنَ﴾ الخ جس کا ترجمہ بندہ نے قوسین (بریکٹ) میں ”ان کی جیسی“ کیا ہے۔ اس سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قصہ مراد ہوگا جو کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے قصہ سے مشابہ ہے کہ ان حضرات پر بھی تہمت لگائی گئی تھی اور قرآن کا اور سورت کا احکام اور رغبت دلانے اور ڈرانے پر مشتمل ہونا دونوں امر ظاہر ہیں۔

﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءِ الزَّكٰوةِ ۠ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــــًٔـا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝ ﴾

ع ۵

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نور دینے والا ہے، آسمانوں کا اور زمین کا۔ اُس کے نور کی حالت عجیبہ ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے،

اُس میں ایک چراغ ہے وہ چراغ ایک قندیل میں ہے۔ وہ قندیل ایسا ہے جیسا ایک چمکدار ستارہ ہو وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت سے روشن کیا جاتا ہے کہ وہ زیتون ہے جو نہ پورب رخ ہے اور نہ پچھم رخ ہے اُس کا تیل اگر اُس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا، نور علیٰ نور ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نور تک جس کو چاہتا ہے راہ دیدیتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ وہ ایسے گھروں میں ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اُن کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جاوے، ان میں ایسے لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جن کو اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت۔ وہ ایسے دن سے ڈرتے رہتے ہیں جن میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جاویں گی۔ انجام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا اور اُن کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے شمار دیدیتا ہے، اور جو لوگ کافر ہیں، ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے ایک چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا اس کو پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا اور وہاں قضاء الٰہی کو پایا۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس کا حساب اس کو برابر سرابر چکا دیا اور اللہ تعالیٰ دم بھر میں حساب کر دیتا ہے۔ یا وہ ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیرے کہ اس کو ایک بڑی لہر نے ڈھانک لیا ہو، اس کے اوپر دوسری لہر اس کے اوپر بادل اوپر تلے بہت سے اندھیرے ہیں کہ اگر اپنا ہاتھ نکالے تو دیکھنے کا احتمال بھی نہیں اور جس کو اللہ ہی نور نہ دے اس کو نور نہیں۔

ربط: اوپر اور اسی طرح آگے بھی ہدایت سے بھرے ہوئے مضامین بیان فرمائے ہیں۔ اور گذشتہ آیت ﴿ لَقَدْ أَنْزَلْنَآ ﴾ الخ میں پوری سورت یا پورے قرآن بلکہ غور وفکر سے پوری وحی کا چاہے متلو یعنی تلاوت کی جانے والی وحی یعنی قرآن ہو یا وحی غیر متلو یعنی تلاوت نہ کی جانے والی وحی یعنی قرآن کے علاوہ چاہے حدیث کی شکل میں بیان کی گئی یا بیان نہیں کی گئی۔ اور چاہے جلی یعنی واضح اور ظاہر یا خفی یعنی ہم سے پوشیدہ۔ اس لئے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں، اس معنی کے لحاظ سے بھی اور حکم کے اعتبار سے بھی تو شریعت کے لئے چاروں دلیلیں اس میں شامل ہیں، ان سب کا ہدایت کا سبب ہونا مختصر انداز میں بیان فرمایا ہے، چونکہ بعض اس کو قبول کر کے ہدایت پاتے ہیں اور بعض قبول نہ کرنے کی وجہ سے گمراہ رہتے ہیں، اس لئے اب آیت نور میں وضاحت کرنے اور ذہن میں بٹھانے کے لئے ہدایت اور ضلالت یعنی گمراہی کی مثال اور گمراہوں اور ہدایت والوں کا حال اور انجام بیان فرماتے ہیں۔

آیتِ نور: ہدایت اور بدکاری کی مثال اور مؤمن و کافر کے احوال کی تفصیل:

اللہ تعالیٰ نور (ہدایت) دینے والا ہے، آسمانوں (میں رہنے والوں) کا اور زمین (میں رہنے والوں) کا (یعنی آسمان اور زمین والوں میں جن کو ہدایت ہوئی ہے، ان سب کو اللہ ہی نے ہدایت دی ہے اور زمین و آسمان سے پورا عالم مراد ہے،

لہٰذا جو مخلوقات آسمانوں اور زمین سے باہر ہیں، وہ بھی شامل ہوگئیں۔ جیسے عرش کو اٹھانے والے فرشتے) اس کے نور (ہدایت) کی عجیب حالت ایسی ہے جیسے (فرض کرو) ایک طاق ہے (اور) اس میں ایک چراغ (رکھا) ہے (اور) وہ چراغ (خود طاق میں نہیں رکھا بلکہ) ایک قندیل میں ہے (اور قندیل ایک طاق میں رکھا ہے اور) وہ قندیل ایسا (صاف وشفاف) ہے جیسے ایک چمک دار ستارہ ہو (اور) وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے کہ وہ زیتون (کا درخت) ہے جو (کسی آڑ کے) نہ مشرق رخ ہے اور نہ کسی (آڑ کے) مغرب رخ ہے (یعنی نہ اس کی مشرقی جانب میں کسی درخت یا پہاڑ کی آڑ ہے کہ دن کے شروع میں اس پر دھوپ نہ پڑے اور نہ اس کی مغربی جانب میں کوئی آڑ ہے کہ دن کے آخر میں اس پر دھوپ نہ پڑے، بلکہ کھلے میدان میں ہے، جہاں سارے دن دھوپ رہتی ہے، ایسے درخت کا روغن بہت لطیف، صاف اور روشن ہوتا ہے اور) اس کا تیل (اس قدر صاف اور سلگنے والا ہے کہ) اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تب بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا (اور جب آگ بھی لگ گئی تب تو) نور علی نور یعنی روشنی پر روشنی ہے (یعنی ایک تو اس میں خود ہی نور کی قابلیت اعلیٰ درجہ کی تھی پھر اوپر سے فاعل یعنی آگ کے ساتھ اجتماع ہوگیا اور پھر اجتماع بھی ان کیفیتوں کے ساتھ کہ چراغ قندیل میں رکھا ہو جس سے دیکھنے ہی سے چمک بڑھ جاتی ہے اور پھر وہ ایسے طاق میں رکھا ہو جو ایک طرف سے بند ہے ایسے موقع پر شعاعوں کے ایک جگہ سمٹ جانے کی وجہ سے روشنی بہت تیز ہو جاتی ہے، اور پھر تیل بھی زیتون کا جو روشنی کو بڑھانے اور دھوئیں کی کمی کے لئے مشہور ہے تو اس قدر تیز روشنی ہوگئی جیسے بہت سی روشنیاں جمع ہوگئیں، ہوں، اس کو نور علی نور فرمایا۔ یہاں مثال ختم ہوگئی۔ چنانچہ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ مؤمن کے دل میں ہدایت کا نور ڈالتا ہے تو وہ روز بروز حق کو قبول کرنے کے لئے کھلتا چلا جاتا ہے، اور ہر وقت احکام پر عمل کرنے کے لئے تیار رہتا ہے چاہے فوری طور پر بعض احکام کا علم بھی نہ ہوا ہو، کیونکہ علم دھیرے دھیرے حاصل ہوتا ہے، جس طرح وہ تیل آگ کے چھونے سے پہلے ہی شعلہ کی شکل میں بھڑکنے کے لئے تیار تھا، اور جب اس کو علم حاصل ہوتا ہے تو عمل کا نور یعنی عمل پر عزم کے ساتھ جو کہ ایک اعلیٰ و بلند حال ہے علم کا نور بھی مل جاتا ہے، جس سے وہ فوراً ہی قبول کر لیتا ہے اس طرح عمل و علم جمع ہو کر نور علی نور صادق آ جاتا ہے، اور یہ نہیں ہوتا کہ احکام کے علم کے بعد اس کو کچھ ٹال مٹول اور شک ہو کہ اگر نفس کے مطابق پایا تو قبول کر لیا ورنہ رد کر دیا۔ دل و دماغ کے اس کھلنے اور نور یعنی روشنی کو دوسری آیت میں یوں بیان فرمایا ہے: ﴿ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ سورۃ الزمر آیت ۲۲۔ اور ایک جگہ فرمایا ہے: ﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ﴾ سورۃ الانعام ۱۲۵۔ یہ بیان تشبیہ کا ہے، اور جس سے تشبیہ دی گئی ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے زیادہ نورانی چیز سے تشبیہ اس لئے نہیں دی کہ یہ چیز جس سے تشبیہ دی گئی، اس سے الفت وانسیت ہوتی ہے اور ہر وقت استعمال میں ہونے کی وجہ سے ذہن میں زیادہ حاضر اور اکثر مخاطب لوگوں کے جاننے کی وجہ سے سمجھ سے زیادہ قریب تھا، کسی دوسری چیز میں جس سے تشبیہ دی جاتی ہے، یہ بات نہیں تھی اور مشبہ بہ

میں یعنی جس سے تشبیہ دی جائے بڑی بات واضح ہونا ہے۔ چاہے زیادہ قوی نہ ہو۔ غرض اللہ کی ہدایت کے نور کی یہ مثال ہے، اور) اللہ تعالیٰ (اس ہدایت کے) اپنے نور تک جس کو چاہتا ہے رہنمائی فرمادیتا ہے (اور منزل پر پہنچا دیتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ کافر لوگ مشیت کا تعلق نہ ہونے کی وجہ سے معذور ہیں، بلکہ مقصود ہدایت پانے والوں پر احسان کا اظہار ہے، کہ اللہ کا احسان مانیں، اس کی توفیق سے ہدایت پائی ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ سے ہدایت کے لئے التجا کرتے رہیں اور اپنی کوشش کو مدار و بنیاد نہ سمجھیں) اور (ہدایت کی جو یہ مثال دی گئی، اسی طرح قرآن میں بہت سی مثالیں بیان کی گئی ہیں، تو اس سے بھی لوگوں کی ہدایت ہی مقصود ہے، اس لئے) اللہ تعالیٰ لوگوں (کی ہدایت) کے لئے (یہ) مثالیں بیان فرماتا ہے (تاکہ عقل سے تعلق رکھنے والے مضامین محسوس ہونے والے امور کی طرح سمجھ سے قریب ہوجائیں) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے (اس لئے جو مثال مقصود کا فائدہ پہنچانے کے لئے کافی ہو اور جس میں مثال کی اغراض کی پوری رعایت رکھی گئی ہو، اسی کو اختیار کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتا ہے اور وہ مثال نہایت مناسب ہوتی ہے تاکہ خوب ہدایت ہو اور یہ ہدایت جو مثال کے طور پر پیش کی جاتی ہے، عام ہے اور ﴿ يَهْدِي اللّٰهُ ﴾ میں ہدایت خاص ہے، اس لئے وہاں ﴿ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ کے ساتھ متعلق ہے۔ اور یہاں تمام لوگوں کے لئے ہے، لہٰذا آپس میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، یہ تو مشیت کے موقع محل کے ساتھ ہدایت اور اس کے تعلق کا بیان ہوا۔ آگے ہدایت پانے والوں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ) وہ ایسے گھروں میں (جاکر عبادت کرتے) ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے، اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے (ان گھروں سے مسجدیں مراد ہیں اور ان کا ادب یہ ہے کہ ان میں جنبی اور حائضہ داخل نہ ہوں اور ان میں کوئی نجس ناپاک چیز داخل نہ کی جائے، وہاں شور نہ مچایا جائے، دنیا کے کام اور باتیں کرنے کے لئے وہاں نہ بیٹھیں، بدبودار چیز کھا کر ان میں نہ جائیں، وغیرہ۔ غرض) ان (مسجدوں) میں ایسے لوگ صبح و شام اللہ کی پاکی (نمازوں میں) بیان کرتے ہیں (یعنی پانچوں نمازیں ادا کرتے ہیں، یہاں صبح کی نماز لفظ غدو میں اور باقی چار نمازیں آصال میں آگئیں۔ کیونکہ سورج ڈھلنے سے لے کر تمام رات تک کو آصال کہتے ہیں) جن کو اللہ کی یاد (یعنی احکام کی بجا آوری) سے (جس وقت سے متعلق جو حکم ہو) اور (خاص طور سے) نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے (کہ یہ فروعی احکام میں سب سے معظم ہیں) نہ خریداری غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت (اور امتثالِ احکام کے باوجود ان کی یہ حالت ہے کہ) وہ ایسے دن (کی پکڑ) سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جائیں گی (جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴾ اور اس سے مقصود ہدایت کے نور والوں کی صفتوں اور اعمال کا بیان فرمانا ہے، اور آگے انجام کا ذکر ہے کہ ان لوگوں کا) انجام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ (یعنی جنت) دے گا اور (جزا کے علاوہ) انہیں اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا (جزا وہ جس کا وعدہ تفصیل کے ساتھ ہے اور زیادہ وہ جس کا وعدہ تفصیل کے ساتھ نہیں

ہے، اگرچہ ایسے ہی مختصر انداز کے عنوانوں سے ہوا ہو۔ جیسے ﴿ یَزِیۡدَھُمۡ ﴾ یا ﴿ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰی وَزِیَادَۃٌ ﴾)
اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے شمار (یعنی بہت کثرت کے ساتھ) دیدیتا ہے (لہٰذا ان لوگوں کو جنت میں اسی طرح بے شمار
دے گا اور مسجدوں کی قید رجال یعنی مردوں۔ کے اعتبار سے ہے اور نساء یعنی عورتوں۔ کے لئے صرف یہ اعمال مدار اور بنیاد
ہیں، اور حدیث سے ان کی نماز کے لئے گھروں کا افضل ہونا ثابت ہے، وہی مسجد کی جگہ ہیں، یہاں تک تو ہدایت اور
ہدایت والوں کا بیان تھا، آگے گمراہی اور گمراہی والوں کا ذکر ہے، یعنی) اور جو لوگ کافر (گمراہ اور ہدایت کے نور سے دور)
ہیں ان کے اعمال (کافروں کی دو قسمیں ہونے کی وجہ سے دو مثالوں کی طرح ہیں، کیونکہ ایک قسم تو وہ کافر ہیں جو آخرت
کے قائل ہیں اور اپنے بعض اعمال پر یعنی جو ان کے زعم میں ان کے حسنات یعنی نیکیاں ہیں آخرت کی جزا کی امید رکھتے
ہیں، اور دوسرے وہ کافر ہیں جو آخرت ہی کے منکر ہیں، تو پہلی قسم کے کافروں کے اعمال تو) ایسے ہیں جیسے ایک چٹیل
میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا (آدمی) اس کو (دور سے) پانی خیال کرتا ہے (اور اس کی طرف دوڑتا ہے) یہاں تک
کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو (جو سمجھ رکھا تھا) کچھ بھی نہ پایا اور (اور انتہائی شدت کی پیاس اور پھر انتہائی مایوسی کی وجہ
سے جو جسمانی اور روحانی صدمہ پہنچا اور اس کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مر گیا تو یوں کہنا چاہئے کہ پانی کی بجائے) اللہ تعالیٰ
کے فیصلہ کو پایا (تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اس (کی عمر) کا حساب برابر سرابر چکا دیا (اور بے باق کر دیا یعنی عمر کا خاتمہ کر دیا اور
(جس چیز کی میعاد آجاتی ہے) اللہ تعالیٰ (اس کا) دم بھر میں حساب (کا فیصلہ) کر دیتا ہے (اسے کوئی سامان جمع کرنا یا انتظام
نہیں کرنا پڑتا کہ دیر لگے۔ اور میعاد، مقررہ وقت سے کچھ دیر ہو جائے۔ یہ مضمون ویسا ہی ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے
﴿ اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ﴾ اور ایک جگہ فرمایا ﴿ وَلَنۡ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا ﴾ اس مثال
کا حاصل یہ ہوا کہ جس طرح یہ پیاسا ظاہری چمک کی وجہ سے ریت کو پانی سمجھا، اسی طرح یہ کافر اپنے اعمال کو ظاہری
صورت کی وجہ سے مقبول اور حسن اور آخرت میں نفع دینے والا سمجھا اور جس طرح وہ پانی نہیں تھا، محض پیاسے کو دھوکا اور
فریب ہی ہوا تھا اسی طرح یہ اعمال قبولیت کی شرط یعنی ایمان نہ ہونے کی وجہ سے مقبول اور نفع دینے کا فائدہ پہنچانے والے
نہیں ہیں اور جس طرح موقع پر پہنچ کر پیاسے کو حقیقت معلوم ہوئی، اسی طرح اُس کو آخرت میں پہنچ کر حقیقت معلوم ہوگی۔
اور جس طرح یہ پیاسا اپنی امید کے غلط ہونے کی وجہ سے افسوس کر کے اور نقصان اٹھا کر مر گیا، اسی طرح یہ کافر بھی اپنی
امید کے غلط ہونے کی وجہ سے افسوس اور حسرت کرے گا اور ہمیشہ کی ہلاکت یعنی جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوگا، ایک قسم کی
مثال تو یہ ہوئی، آگے دوسری قسم کے کافروں کے اعمال کی مثال ہے، یعنی) یا وہ (اعمال دوسری قسم کی خصوصیت کے اعتبار
سے) ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیرے (جن کا سبب انتہائی گہرائی ہے اور پھر یہ) کہ اس
(سمندر کی اصل سطح) کو ایک بڑی لہر نے ڈھانپ لیا ہو (پھر وہ لہر بھی اکیلی نہیں بلکہ) اس (لہر) کے اوپر دوسری لہر (ہو پھر)
اس کے اوپر بادل (ہو جس کی وجہ سے ستارہ وغیرہ کی روشنی بھی نہ پہنچتی ہو۔ غرض) اوپر نیچے بہت سے اندھیرے (ہی

اندھیرے) ہیں کہ اگر (ایسی حالت میں کوئی آدمی سمندر کی تہہ میں) اپنا ہاتھ نکالے (اور اس کو دیکھنا چاہے) تو دیکھ بھی نہ پائے (اس مثال کا حاصل یہ ہے کہ یہاں آخرت کے انکار کی وجہ سے خیالی روشنی بھی نہیں بلکہ واقعی اندھیرا بھی ہے کہ اس کے اعمال اسے فائدہ پہنچانے والے نہیں ہیں اور خیالی اندھیرا بھی ہے کہ خود بھی ان اعمال کے فائدہ نہ ہونے کا یقین اور اعتراف کر رہا ہے۔ اگرچہ اس کی بنیاد آخرت کا انکار ہی ہے۔ بہرحال اس شخص کے پاس اپنے اعمال کے بارے میں کوئی ذکر کے قابل دل کو خوش کرنے والی بات نہیں ہے جیسا کہ جس سے تشبیہ دی گئی ہے، اس میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے کہ ایک تو سمندر گہرا کہ اس کی گہرائی میں اندھیرا ہوتا ہے پھر جب لہروں کا طوفان ہو تو اور اندھیرا بڑھے گا پھر اوپر سے بادل بھی ہو تو اندھیرے کا کوئی ٹھکانا نہ رہے گا، خاص طور سے اس شخص کے لئے جو دریا کی بھی تہہ میں ہو۔ ہاتھ کی تخصیص اس لئے کی کہ ایک تو انسان سے خود بہت نزدیک ہے، پھر جتنا زیادہ قریب کرنا چاہو قریب ہو سکتا ہے، یہ بات دوسرے اعضا میں نہیں ہے، جب یہی نظر نہ آیا تو دوسری چیز تو بدرجۂ اولیٰ نظر نہ آئے گی اور اس جملہ سے اندھیرے کا نقشہ پیش کرنا مقصود ہے، مطلب یہ کہ جس طرح مشبہ بہ میں یعنی جس سے تشبیہ دی گئی ہے اندھیرا ہی اندھیرا ہے، اور اس مشبہ بہ میں دلیل کی قید نہیں ہے، کیونکہ اس مجموعہ میں تو جو فرض کیا گیا ہے، دن بھی رات ہی ہوگا اور اگر اس قرینہ سے کچھ مقصود اندھیرے کی شدت کا بیان کرنا ہے، رات کی قید بھی مان لی جائے تو ممکن ہے اور ان اعمال سے وہ اعمال مراد ہیں جن کو یہ کرنے والے تو خیر اور نیکی سمجھتے ہیں کیونکہ مطلوبہ نتیجہ کا احتمال انہی میں ہو سکتا ہے، اور مؤمنوں کے ذکر میں بھی نیک اعمال ہی کا ذکر تھا، اس طرح یہ بھی قرینہ ہے کہ ہر فریق کے ایک ہی قسم کے اعمال کا بیان ہو کہ وزن و مقابلہ پورا معلوم ہو، اور برے اعمال میں تو نفع نہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور اس بعد والے فریق کے اعمال کے جو نتیجہ میں ذکر کے قابل کی قید لگائی گئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ بھی دنیا کی مال و دولت اور عزت و مرتبہ کی ترقی کی غرض سے ایسے اعمال کیا کرتے ہیں لیکن وہ فنا ہونے کے اعتراف کی وجہ سے ذکر کے قابل نہیں) اور (آگے کافروں کے اعمال کے ایسے اندھیرے ہونے کی وجہ بیان فرماتے ہیں لیکن) جس کو اللہ ہی (ہدایت کا) نور نہ دے، اس کو (کہیں سے بھی) نور (میسر) نہیں (ہو سکتا چنانچہ ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ اللہ کے احکام کی اتباع کا ارادہ کرتے تو اللہ تعالیٰ اپنی عادت کے مطابق کہ عزم و ارادہ کے بعد فعل پیدا کر دیتا ہے، انہیں ہدایت کا نور دیدیتا، مگر انھوں نے منہ پھیرا تو اندھیروں میں بھٹکتے رہ گئے، کہیں سے بھی سہارا نہ ملا)

فائدہ: ہدایت کے نور کی تشبیہ کی تقریر کے آخر میں جو حقر نے کہا ہے کہ مشبہ بہ یعنی جس سے تشبیہ دی گئی ہے، اس کا زیادہ قوی ہونا ضروری نہیں، اس کو مدارک میں اس طرح تعبیر کیا ہے: **ضرب المثل یکون بدنی محسوس معهود لابعلی غیر معاین ولا معهود**: اور اس سے مناسبت رکھنے والی ایک دلچسپ حکایت لکھی ہے کہ جب ابو تمام نے مامون الرشید کی مدح و تعریف میں یہ شعر پڑھا ہے:

إقدام عمرو في سماحة حاتم ❁ في حلم أحنف في ذكاء إياس[1]

توچونکہ اس نے خلیفہ مامون الرشید کو عمرو، حاتم اور احنف وغیرہ سے تشبیہ دی تھی، اس لئے کسی نے اعتراض کیا کہ خلیفہ توان لوگوں سے بڑھ کر ہے جن کے ساتھ تشبیہ دی ہے تو ابوتمام نے فی البدیہہ یعنی فوراً ہی جواب میں کہا: لاتنکروا ضربی له من دونه÷ مثلاً شروداً في الندى والباس÷ فالله قد ضرب الأقل لنوره ÷ مثلاً من المشكوة والنبراس:[2]
اس طرح اس نے انہی آیتوں میں دی گئی تشبیہ کو اپنے شعر کے لئے دلیل اور ثبوت کے طور پر پیش کیا۔ اوپر ہدایت کی روشنی اور گمراہی کے اندھیرے کا بیان تھا اور اس سے اوپر کئی عملی احکام کا ذکر تھا۔ آگے توحید اور معبود ہونے کی دلیل کا ذکر ہے جو کہ علمی احکام میں سے ہیں۔ اگر اللہ یا معبود ہونے کا اعتقاد اور عمل کے لئے عام لیا جائے تو اس میں عملی احکام سے بھی کوئی تعلق نہ ہوگا، جیسا کہ ﴿ يُسَبِّحُ ﴾ الآیہ سے یہی مقصود معلوم ہوتا ہے کہ دوسری مخلوقات تو اس کی عبادت قصد وارادہ سے سوچ سمجھ کر کریں، اگرچہ بعض ہی سہی اور انسان نہ کرے۔ ﴿ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴾ میں وعید کی طرف اشارہ ہے اور ان سب علمی وعملی احکام کے قبول کرنے نہ کرنے کا ہدایت وگمراہی ہونا ظاہر ہے۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَاۗءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۝ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَاۗبَّةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓي اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا تجھ کو معلوم نہیں ہوا کہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، اور پرندے جو پر پھیلائے ہوئے ہیں سب کو اپنی اپنی دعا اور اپنی تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے اور اللہ ہی کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں اور اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ

(۱) عمرو (ممدوح) کی پیش قدمی حاتم طائی کی سخاوت میں÷ احنف کی بردباری میں اور قاضی ایاس کی ذکاوت میں یعنی مامون الرشید کے اصاف کو ان حضرات کے اوصاف کے ساتھ تشبیہ دی جبکہ یہ حضرات ان اوصاف میں مامون سے کم تر ہیں ۱۲

(۲) میں نے جو مامون کی کم تر لوگوں سے مثال دی ہے اس کو اوپرا نہ سمجھو÷ درانحالیکہ سخاوت اور سخت پکڑ (جنگ) میں وہ انکلا ہوا ہے÷ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال ماری ہے طاقچہ اور چراغ سے ۱۲

بادل کو چلتا کرتا ہے پھر اس بادل کو باہم ملا دیتا ہے پھر اس کو تہ بتہ کرتا ہے پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس کے بیچ میں سے نکلتی ہے اور اسی بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے، پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس کو ہٹا دیتا ہے۔ اس بادل کی بجلی کی یہ حالت ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس نے بینائی لی۔ اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے اس میں اہل دانش کے لئے استدلال ہے۔ اور اللہ نے ہر چلنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے پھر اُن میں بعضے تو وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعضے اُن میں وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں اور بعضے اُن میں وہ ہیں جو چار پر چلتے ہیں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے بناتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پورا قادر ہے۔

توحید اور معبودیت کی دلیلیں:

(اے مخاطب!) کیا تمہیں (دلیلوں سے اور دیکھنے سے) معلوم نہیں ہوا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں (مخلوقات) ہیں سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں (چاہے قول کی شکل میں کہہ کر جو کہ بعض مخلوقات میں دیکھا بھی جاتا ہے یا حال کی شکل میں جو تمام مخلوقات میں عقل کی دلالت سے معلوم ہے) اور (خاص طور سے) پرند (بھی) جو پر پھیلائے ہوئے (اڑتے پھرتے) ہیں (کہ پیدا کرنے والے کے وجود پر ان کی دلالت اور زیادہ عجیب ہے کہ ان کے جسموں کے بھاری ہونے کے باوجود زمین اور آسمان کے درمیان فضا میں رکے ہوئے ہوتے ہیں، اور) سب (پرندوں) کو اپنی اپنی دعا (اور اللہ سے التجا) اور اپنی تسبیح (وتقدیس کا طریقہ الہام کے ذریعہ) معلوم ہے۔ اور (ان دلالتوں کے باوجود بعض لوگ توحید کو نہیں مانتے تو) اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کے سارے افعال کا پورا علم ہے (اس انکار کرنے اور منہ پھیرنے پر ان کو سزا دے گا) اور آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی حکومت ہے (اب بھی) اور (انتہا میں بھی، چنانچہ) اللہ ہی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے (اس وقت بھی حاکمانہ تصرف واختیار اسی کا ہوگا۔ چنانچہ حکومت کا ایک اثر بیان کیا جاتا ہے وہ یہ کہ اے مخاطب! کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ (ایک) بادل کو (دوسرے بادل کی طرف) چلتا کرتا ہے (اور) پھر اس بادل (کے مجموعہ) کو آپس میں ملا دیتا ہے پھر اس کو تہ بہ تہ کرتا ہے پھر تم بارش کو دیکھتے ہو کہ (بادل) کے اندر سے نکل (نکل کر) آتی ہیں اور اسی بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے، پھر ان کو جس (کی جان پر یا مال) پر چاہتا ہے گراتا ہے (کہ اس کا نقصان ہو جاتا ہے) اور جس سے چاہتا ہے اس کو ہٹا دیتا ہے (اور اس کے جان ومال کو بچا لیتا ہے اور) اس بادل (میں سے بجلی بھی پیدا ہوتی ہے اور وہ چمک دار ہوتی ہے کہ اس بادل) کی بجلی کی چمک کی یہ حالت ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس نے بینائی لے لی (تو یہ بھی اس کے تصرفات میں سے ہے اور (اللہ تعالیٰ رات اور دن کو (بھی) بدلتا رہتا ہے (تو یہ بھی تصرفات میں سے ہے) اس (سارے مجموعہ) میں آنکھوں والوں کے لئے ایک سبق (حاصل کرنے کا موقع) ہے (جس سے توحید کے مضمون پر اور ﴿ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ کے مضمون پر استدلال کر سکتے ہیں) اور اللہ (ہی کا یہ تصرف بھی ہے کہ اس) نے ہر چلنے والے جاندار کو (چاہے پانی میں رہنے والا ہو یا خشکی میں) پانی سے پیدا کیا

ہے، پھر ان (جانوروں) میں بعض تو وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں (جیسے سانپ اور مچھلی وغیرہ) اور بعض ان میں وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں (جیسے انسان اور پرندے جب وہ اڑ نہیں رہے ہوں بلکہ چل رہے ہوں یا کھڑے ہوں) اور بعض ان میں وہ ہیں جو چار (پیروں) پر چلتے ہیں (جیسے مویشی۔ اسی طرح بعض زیادہ پیروں پر بھی چلتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے بناتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پورا قادر ہے (اس کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں)

فائدہ: مخلوقات کی تسبیح کی تحقیق سورۂ بنی اسرائیل آیت ۴۵ ﴿ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ الخ کے ترجمہ اور فائدہ میں ملاحظہ کرلی جائے اور جانوروں کا اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، جس کا ذکر ﴿ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ ﴾ میں ہے۔ حدیثوں میں بیان ہوا ہے۔ مثلاً عالم باعمل کے لئے دعا کرنا اور ایک نبی کے قصے میں آیا ہے کہ انھوں نے ایک چیونٹی کو بارش کی دعا کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور ﴿ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ ﴾ میں سماء بادل کے معنی میں ہے اور اس کے بڑے بڑے حصوں کو جبال یعنی پہاڑ فرمادیا۔ چنانچہ محاورہ ہے کہ بہت زیادہ مال و دولت والے کو کہتے ہیں، اس کے پاس دولت یا سونے کا پہاڑ ہے۔ اور اسی طرح روح میں ابن مقبل کا شعر نقل کیا ہے:

واكثر بيتا شاعر ضربت له ❁ بطون جبال الشعر حتى تيسرا[1]

اور اولا جس بادل سے گرتا ہے اس کا انتہائی ٹھنڈ کی وجہ سے بہت زیادہ اور بھاری دلدار ہونا جو کہ اولا پیدا ہونے کا سبب ہے، ظاہر ہے اور جانداروں کے پانی سے پیدا ہونے کا ذکر سورۂ انبیاء آیت ۳۰ ﴿ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ﴾ اور اس کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ ہو چکا ہے۔

﴿ لَقَدْ أَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾

ترجمہ: ہم نے سمجھانے والے دلائل نازل فرمائے ہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے راہ راست کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں توحید اور معبود ہونے کی دلیلیں بیان فرمائی ہیں۔ اب ان کی تعلیم پر ﴿ لَقَدْ أَنْزَلْنَآ ﴾ میں عام احسان کا اظہار فرمایا ہے، کیونکہ آیتوں کا نازل ہونا تمام لوگوں کے لئے عام ہے۔ اور ان پر عمل کرنے کی توفیق پر ﴿ يَهْدِيْ ﴾ الخ میں خصوصی احسان کا اظہار فرماتے ہیں کیونکہ ظاہر ہے یہ ان لوگوں کے لئے خاص ہے جن کو ہدایت حاصل ہوگئی جیسا کہ آیت ۳۴ میں اس عنوان کے ساتھ احسان کا اظہار تھا۔ اس طرح احسان کے اظہار کا یہ مضمون دونوں جگہ خاص عنوان کے ساتھ گذشتہ مضمون کی وضاحت و تاکید کے لئے اور اگلے مضمون کی تمہید کے طور پر ہوگیا۔ چنانچہ پہلے

(۱) اور قبیلہ کا زیادہ اشعار کہنے والا وہ شاعر ہے (یعنی خود ہے) جس کے لئے پہاڑوں کے پیٹوں نے اشعار ڈھالے ہیں یہاں تک کہ اشعار کہنا اس کے لئے آسان ہوگیا ۱۲

موقع پر اس کی وضاحت اور ﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ ﴾ والی آیت کے ساتھ ربط سے یہ امر واضح ہے اور یہاں بھی تاکید کی توجیہ تو ربط کے بیان سے معلوم ہوگئی اور تمہید کی توجیہ بعد والی آیت کے ربط سے ظاہر کی جارہی ہے۔

علم نازل کرنے اور عمل کی توفیق سے احسان کا اظہار:

ہم نے (حق کو) سمجھانے والی دلیلیں (عام ہدایت کے لئے) نازل فرمائی ہیں اور (ان عام میں سے) اللہ جس کو چاہتا ہے، سیدھے راستہ کی طرف (خاص) ہدایت فرماتا ہے (کہ وہ معبود کے علمی حقوق یعنی صحیح عقیدے اختیار کرتا اور عملی حقوق یعنی طاعت بجالاتا ہے، ورنہ بہت سے محروم ہی رہتے ہیں)

﴿ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَي الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ ﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ دعوی کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لے آئے اور حکم مانا پھر اس کے بعد ان میں کا ایک گروہ سرتابی کرتا ہے اور یہ لوگ اصلاً ایمان نہیں رکھتے اور یہ لوگ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس غرض سے بلائے جاتے ہیں کہ رسول ان کے درمیان میں فیصلہ کردیں تو ان میں کا ایک گروہ پہلوتہی کرتا ہے اور اگر ان کا حق ہو تو سر تسلیم خم کئے ہوئے آپ کے پاس چلے آتے ہیں۔ آیا ان کے دلوں میں مرض ہے یا یہ شک میں پڑے ہیں یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم نہ کرنے لگیں۔ نہیں! بلکہ یہ لوگ برسر ظلم ہیں مسلمانوں کا قول تو جبکہ ان کو اللہ کی اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے، یہ ہے کہ وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور ایسے لوگ فلاح پائیں گے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے اور اللہ سے ڈرے، اور اس کی مخالفت سے بچے بس ایسے لوگ بامراد ہوں گے اور وہ لوگ بڑا زور لگا کر قسمیں کھایا کرتے ہیں کہ واللہ اگر آپ ان کو حکم دیں تو وہ ابھی نکل کھڑے ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ، فرمانبرداری معلوم ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔ آپ کہئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی

اطاعت کرو پھر اگر تم لوگ روگردانی کرو گے تو سمجھ رکھو کہ رسول کے ذمہ وہی ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو راہ پر جالگو گے اور رسول کے ذمہ صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔

ربط: اوپر ﴿ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ میں بعض کا علمی اور عملی لحاظ سے ہدایت پانا اور بعض کا بغیر ہدایت کے رہ جانا مختصر انداز میں بیان ہوا ہے۔ اب ہدایت پانے والوں اور ہدایت نہ پانے والوں کا حال بیان کرتے ہوئے اس کی تفصیل ہے۔

بعض ہدایت پانے والوں اور ہدایت نہ پانے والوں کا بیان:

اور یہ (منافق) لوگ (زبان سے) دعوی تو کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لے آئے اور (اللہ ورسول کی) اطاعت (دل سے) قبول کر لی، پھر اس کے بعد (دعوی کی سچائی کے اظہار کے موقع پر) ان میں کا ایک گروہ (جو بہت زیادہ شر پسند ہے، اللہ اور رسول کے حکم سے) منہ موڑ جاتا ہے (اس موقع سے وہ صورت مراد ہے کہ جب ان کے ذمہ کسی کا حق ہو اور صاحب حق اس منافق سے درخواست کرے کہ چلو جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس چلیں اور آپ سے فیصلہ کرائیں، اس موقع پر یہ منہ موڑتے ہیں کیونکہ جانتے ہیں کہ آپ کے سامنے جب حق کھل کر آجائے تو آپ اسی کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ جیسا کہ آگے آیت ﴿ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ ﴾ الخ میں اس موقع کا یہی بیان آرہا ہے اور ایک فریق کی تخصیص اس کے باوجود کہ تمام منافق ایسے ہی تھے، اس لئے ہے کہ ان میں سے غریبوں اور کمزوروں کو دل سے ناپسند ہونے کے باوجود کھل کر انکار کرنے کی جرأت وہمت نہیں ہوا کرتی تھی، کہ یہ کام دولت وعزت والے ہی کر سکتے ہیں) اور یہ لوگ بالکل ایمان نہیں رکھتے (یعنی ویسے تو کسی بھی منافق کے دل میں ایمان نہیں، مگر ان کا تو وہ ظاہری دکھاوے کا ایمان بھی نہیں رہا، جیسا کہ اس آیت میں ہے ﴿ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ ﴾ اور اس آیت میں ہے ﴿ قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ ﴾ اور (اس منہ موڑنے کا بیان یہ ہے کہ) یہ لوگ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس غرض سے بلائے جاتے ہیں کہ رسول (اللہ ﷺ) ان کے (اور ان کے مخالفوں کے) درمیان میں فیصلہ کر دیں تو ان میں کا ایک گروہ (وہاں حاضر ہونے سے) منہ موڑتا ہے (اور ٹالتا ہے اور یہ بلانا رسول ہی کی طرف ہے، مگر چونکہ آپ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ اس لئے ﴿ اِلَی اللّٰهِ ﴾ یعنی ''اللہ کی طرف'' بڑھا دیا۔ غرض جب ان کے ذمہ کسی کا حق ہوتا ہے تو ان کی یہ حالت ہوتی ہے) اور اگر (اتفاق سے کسی کی طرف) ان کا حق (واجب) ہو تو سر جھکائے ہوئے آپ کے پاس چلے آتے ہیں (کیونکہ اطمینان ہوتا ہے کہ وہاں حق کے مطابق فیصلہ ہوگا اور ہمیں ہمارا پورا حق مل جائے گا۔ آگے تردید کے طور پر اس اعراض یعنی منہ پھیرنے کے اسباب میں سے چند باتوں کی نفی کر کے ایک سبب کی تعیین فرماتے ہیں کہ تحقیق کرنی چاہئے کہ اس کا کیا سبب ہے) کیا (اس کا سبب یہ ہے کہ) ان کے دلوں میں (کفر کی بیٹھی ہوئی) بیماری ہے (کہ یقینی طور پر نبوت کی نفی کا اعتقاد رکھتے ہیں) یا یہ (نبوت کی طرف سے) شک میں

پڑے ہیں (کہ کفر کا سبب یقین کا نہ ہونا ہے جیسا کہ پہلی صورت میں کفر کا سبب نہ ہونے کا یقین تھا اور کفر کے طریقوں کا مختلف ہونا کچھ بعید نہیں ہے) یا انہیں یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم نہ کرنے لگیں (اور ان کے ذمہ جو حق ہے، اس سے زیادہ دلا دیں، تو ان اسباب میں سے کوئی بھی سبب) نہیں (ہے) بلکہ (اصلی سبب یہ ہے کہ) یہ لوگ (ان مقدموں میں) ظلم کرنے والے (ہوتے) ہیں (اس لئے رسول اللہ ﷺ کے حضور میں مقدمہ لانا پسند نہیں کرتے کہ ہم مقدمہ ہار جائیں گے، اور گذشتہ باقی تمام اسباب کی نفی کردی۔ تو اس کے باوجود کہ ان کے دلوں میں کفر اور شک یقینی طور پر تھا، لیکن مقدمہ نہ لانے کا سبب اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اگر یہ سبب ہوتا تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ جب یہ صاحب حق ہوتے تب بھی مقدمہ نہ لاتے۔ علت کے عموم سے یہ معلول کے عموم کے لئے اور خوف و اندیشہ ظاہر ہے کہ بالکل بھی نہیں، کیونکہ حضور ﷺ کا سچا، امانت دار اور انصاف والا ہونا مخالف بھی پوری طرح تسلیم کرتے تھے، اس لئے پہلی دونوں باتوں میں مرض اور شک کے وصف کی ذات کی نفی نہیں بلکہ اس کے سبب ہونے کی نفی ہے اور تیسری بات میں خود خوف کی ذات کی نفی نہیں ہے، اور ظالم ہونے کا سبب ظاہر ہے، اس لئے مظلوم ہونے کی صورت میں مقدمہ لے آتے ہیں۔ آگے مؤمنوں کے قول اور ان کے حال کا ذکر ہے، جس میں ان کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ ایمان کے وعدہ کا تقاضا یہ تھا جو مؤمنوں کی طرف سے سامنے آیا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ مسلمانوں کی شان اور ان کا کہنا تو جب کہ انہیں (کسی مقدمہ میں) اللہ کی اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے یہ ہے کہ وہ (خوشی خوشی) کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے (تمہارا کلام) سن لیا اور (اس کو) مان لیا (اور پھر فوراً چلے آتے ہیں۔ یہ اس امر کی علامت ہے کہ ایسے لوگوں کا آمنا اور اطعنا کہہ دینا بھی سچ ہے) اور ایسے (ہی) لوگ (آخرت میں بھی) فلاح پائیں گے اور (ہمارے یہاں کا تو قاعدہ کلیہ ہے کہ) جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی مخالفت سے بچے تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے اور (ان منافقوں کی یہ حالت ہے کہ) وہ لوگ بڑا زور لگا کر قسمیں کھایا کرتے ہیں کہ (ہم ایسے فرماں بردار ہیں کہ) اگر آپ انہیں (یعنی ہمیں) حکم دیں (کہ گھر بار سب چھوڑ دو) تو وہ (یعنی ہم) ابھی (سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر) نکل کھڑے ہوں۔ آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ (تمہاری) فرماں برداری (کی حقیقت) معلوم ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے (اور اس نے مجھے بتادیا، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ﴾ اور آپ (ان سے) کہئے کہ (باتیں بنانے سے کام نہیں چلتا۔ اصل کام کرو، یعنی) اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو (آگے اللہ تعالیٰ مضمون کی شان کے اہتمام کے واسطے خود ان لوگوں کو خطاب فرماتا ہے کہ رسول کے اس کہنے کے اور تبلیغ کے بعد) اگر تم لوگ پھر (اطاعت سے) منہ پھیرو گے تو سمجھ رکھو کہ (رسول کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ) رسول کے ذمہ وہی تبلیغ (کا کام) ہے جو ان پر لازم کیا گیا ہے (جس کو وہ کر چکے اور ذمہ داری سے بری ہو چکے) اور تمہارے ذمہ وہ (اطاعت کا کام) ہے جو تم پر لازم کیا گیا ہے (جو تم نے پورا نہیں کیا، لہٰذا تمہارا ہی نقصان ہوگا) اور اگر

(منہ نہ پھیرا بلکہ) تم نے ان کی اطاعت کرلی (جو اصل میں اللہ ہی کی اطاعت ہے) تو راستہ پر جالگو گے اور (ہر حال میں) رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے (آگے تم سے پوچھ تاچھ ہوگی کہ قبول کیا یا نہیں)

فائدہ: ﴿ لَيَخْرُجُنَّ ﴾ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: مال واسباب چھوڑ کر نکل جانا اور جہاد کے لئے نکلنا۔ درمنثور میں پہلا قول ابن عباسؓ سے اور دوسرا مقاتل سے نقل کیا ہے۔

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾

ع ۱۴

ترجمہ: تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں، ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرماوے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے، اس کو ان کے لئے قوت دے گا اور ان کے خوف کے بعد اس کو مبدل بامن کردے گا، بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں، میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں اور جو شخص بعد اس کے ناشکری کرے گا تو یہ لوگ بے حکم ہیں اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رسول کی اطاعت کیا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جاوے۔ کافروں کی نسبت یہ خیال مت کرنا کہ زمین میں ہرادیں گے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

ربط: اوپر ہدایت کی اتباع پر مدح وتعریف اور گمراہی کی اتباع پر مذمت بیان کی گئی تھی۔ اب ہدایت اور گمراہی پر دنیا اور آخرت سے متعلق بعض وعدے اور وعیدیں اور درمیان میں ہدایت پر ثابت قدم رہنے کے لئے بعض احکام کا ذکر ہے۔

دنیا وآخرت کے بعض وعدو وعید کا اطاعت ومعصیت پر مرتب ہونا:

(اے پوری امت کے لوگو!) تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں (یعنی ہدایت کی پوری پوری اتباع کریں) ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ انہیں (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا کہ ان سے پہلے (ہدایت والے) لوگوں کو حکومت دی تھی (مثلاً بنی اسرائیل کو قبطیوں پر غالب کیا، پھر عمالقہ پر غلبہ دیا اور مصر وشام کی حکومت دی) اور (اس حکومت کے دینے سے مقصود یہ ہوگا کہ) جس دین کو (اللہ تعالیٰ نے) ان کے لئے پسند کیا ہے (یعنی اسلام جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾) اس کو ان کے (آخرت کے نفع کے) لئے قوت دے گا اور (انہیں دشمنوں سے جو طبعی خوف ہے) ان کے اس خوف کے بعد اس کو امن سے بدل دے گا، شرط یہ کہ وہ میری

عبادت (میرے حکم کے مطابق) کرتے رہیں (اور) میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں (نہ جلی یعنی کھلا اور نہ خفی یعنی ڈھکا چھپا جس کو ریا کاری کہتے ہیں، یعنی اس وعدہ کے لئے دین میں ثابت قدم رہنے کی شرط اور قید ہے اور یہ وعدہ تو دنیا میں ہے اور آخرت میں ایمان اور عمل صالح پر جو نتیجہ نکلے گا اور جس کا وعدہ ہے، وہ الگ رہا) اور جو شخص اس (وعدہ کے ظاہر ہونے) کے بعد ناشکری کرے گا (یعنی دین کے خلاف طریقہ اختیار کرے گا، اور "بعد" کی قید اس لئے ہے کہ اس وقت کا کفر اور فسق زیادہ شدید ہے کہ اس وقت آیتوں کا سچ ہونا بالکل ظاہر ہو گیا، ورنہ فسق اور وعید کے حکم کا اصل دارومدار صرف کفر پر ہے۔ غرض جو ایسا کرے گا) تو (ایسے شخص کے لئے مذکورہ طریقہ پر حکومت عطا کرنے کا وعدہ نہیں ہے، کیونکہ) یہ لوگ نافرمان ہیں (اور وعدہ تھا فرماں برداروں کے لئے جیسا کہ ﴿ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور ﴿ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ ﴾ اس پر دلالت کرتے ہیں، چنانچہ ان سے دنیا میں یہ وعدہ بھی نہیں اور آخرت میں جو فسق پر وعید ہے، وہ الگ رہی۔ غرض ہدایت کی اتباع ایسی چیز ہے جس سے دونوں جہانوں میں اللہ کی معیت حاصل ہوتی ہے، اور گمراہی کی اتباع وہ چیز ہے جس سے دونوں جہانوں میں نقصان اور رسوائی ہوتی ہے) اور (اے مسلمانو! جب تم نے ایمان اور نیک اعمال کے ثمرات ونتائج سن لئے تو تمہیں چاہئے کہ خوب) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (باقی احکام میں بھی) رسول اللہ (ﷺ) کی اطاعت کیا کرو تا کہ تم پر (پورا) رحم کیا جائے (جس کا کچھ تھوڑا سا بیان اوپر ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ ﴾ الخ میں بھی ہوا ہے۔ آگے کفر اور معصیت کے نتیجہ وثمرہ کا ذکر ہوتا ہے، یعنی اے مخاطب! کافروں کے بارے میں یہ خیال مت کرنا کہ زمین (کے کسی حصہ) میں (بھاگ جائیں گے اور ہمیں عاجز کر دیں گے) ہرا دیں گے (اور ہمارے قہر سے بچ جائیں گے نہیں، بلکہ خود ہاریں گے، مقہور ومغلوب ہوں گے یہ نتیجہ تو دنیا میں ہے) اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور (وہ) بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

فائدہ: اس آیت میں ایمان اور نیک عمل پر حکومت دینے کا پوری امت سے وعدہ ہے، جس کا ظہور خود رسول اللہ ﷺ کے عہد سے شروع ہو کر خلافت راشدہ تک مسلسل رہا، چنانچہ جزیرۂ عرب خود آپ کے زمانہ میں اور دوسرے ملک خلفاء راشدین کے زمانہ میں فتح ہو گئے اور بعد میں وقتاً فوقتاً چاہے مسلسل نہ ہو، دوسرے نیک وصالح بادشاہوں اور خلیفاؤں کے حق میں اس کا وعدہ ظاہر ہوتا رہا۔ اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا، جیسا کہ دوسری آیتوں میں ہے ﴿ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ وغیرہ۔

اور اس وعدہ کا حاصل ایمان ونیک عمل اور خالص عبادت کے مجموعہ پر حکومت اور اقامت دین یعنی دین کے قیام اور خوف کا امن سے بدلنا ہے اور پیچھے سے اس نتیجہ کے حاصل ہونے کا اختصاص یعنی خصوصیت بھی اس سے معلوم ہوتی ہے، لہٰذا فاسقوں یا کافروں کو کبھی حکومت وسلطنت مل جانا اشکال کا موقع نہیں، کیونکہ وہاں مجموعہ مرتب نہیں ہوتا، چنانچہ فاسق حاکموں کے ہاتھوں دین کا کامل قیام عمل میں نہیں آیا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید کم ہوئی دوسرے

خود بادشاہوں کے فعل کا بھی خاص اثر ہوتا ہے، لہٰذا جب خود ثبات یعنی پائداری کم ہے تو اس سے وسعت و پھیلاؤ اور قیام واستحکام بھی کم ہوگا۔ اگر چہ حدیث کے مطابق: إن الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر: یعنی اللہ تعالیٰ بدکار آدمی کے ذریعہ بھی اس دین کی تائید و مدد کرا دے گا۔ ایک لحاظ سے دین کی خدمت ان کے ہاتھ سے ہو جائے اور اس اختصاص یعنی خصوصیت سے خلفاء راشدین کی مدح و تعریف اور خلافت کا صحیح ہونا بھی صاف ظاہر ہے کیونکہ ان کے زمانہ میں دین کے قیام کا کمال پوری طرح واضح اظہر من الشمس ہے۔ اور اختصاص و خصوصیت کے ثبوت سے یہ وسوسہ بھی دور ہو گیا کہ آیت سے کامل ایمان کا ملزوم اور مذکورہ حکومت کا لازم ہونا معلوم ہوتا ہے اور لازم کا وجود ملزوم کے وجود کے لئے مستلزم نہیں ہوتا تو پھر مدح کیسے ثابت ہوئی۔ وسوسہ کے دور ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ لازم خاص ہے اور وہ ملزوم بھی خاص ہوتا ہے اور اگر یہ شبہ ہو کہ ایمان اور نیک عمل سے بھی کبھی کبھی حکومت پیچھے رہ جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تقاضہ کا بیان ہے اور کبھی آزمائش کی وجہ سے پیچھے رہ جانا تقاضہ کے خلاف نہیں ہے، اور اس تقاضہ کی شرط جو عادت کے مطابق ہوتی ہے ظاہری مقابلہ بھی ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ڜ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہئے نماز صبح سے پہلے اور جب دوپہر کو کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور نماز عشا کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردہ کے ہیں۔ ان اوقات کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان پر کچھ الزام ہے وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس، اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے، اور جس وقت تم میں کے لڑکے حد بلوغ کو پہنچیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینا چاہئے جیسا ان سے اگلے لوگ اجازت لیتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

گیارہواں حکم: اجازت طلب کرنا اور بارہواں حکم: پردہ کرنے میں مبالغہ (پانچویں اور چھٹے حکم کا تتمہ)

ربط: سورت کے شروع سے آیت ۳۴ تک کچھ عملی احکام بیان کئے گئے تھے، کچھ احکام آگے بیان کئے جارہے ہیں، اوپر پانچویں اور چھٹے حکم میں اجازت لینے اور پردے کے کچھ احکام بیان ہوئے ہیں، ان سے یہ امور معلوم ہو چکے ہیں۔

اول اجازت طلب کرنے کی علت پردہ کا واجب ہونا یا جسم کے اظہار کا مکروہ ہونا ہے۔ دوسرے پردہ کے واجب ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ عورتوں کو غیر محرم مردوں سے پورے بدن کا چھپانا واجب ہے، ان اعضاء کے علاوہ جنہیں کھلا رہنے کی ضرورت ہوتی ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے اور محرم مردوں سے ان اعضاء کے علاوہ جن کو کھلا رکھنے کی اجازت ہوتی ہے زینت والے حصوں پنڈلی، بازو، گردن وسر وغیرہ کا بھی ظاہر کرنا جائز ہے، جن کی تفصیل گذر چکی ہے۔ اور باقی بدن کا چھپانا واجب ہے جیسے کمر، پیٹ اور زانو اور ان کے درمیان کے اعضاء، اور مردوں کو گھٹنوں سے ناف تک مردوں اور عورتوں سب سے چھپانا واجب ہے۔ تیسرے غیر مراہق یعنی جولڑکا بلوغ کی عمر کے قریب نہ پہنچا ہو جس کو ﴿ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا ﴾ الخ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ محرم کے حکم میں ہے۔ چوتھے کافر باندی محرم کے حکم میں ہے۔ پانچوے چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ستر نہیں۔ اب جاننا چاہئے کہ افراد اور اوقات کے اختلاف کے مطابق مختلف حالتیں اور صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ پہلی صورت بعض افراد وہ ہیں جو آزاد اور بالغ ہیں [1] لہٰذا گھروں میں آنے کے لئے ہر بار اجازت لینا کسی حرج کا باعث نہیں ہے۔ دوسری صورت بعض افراد وہ ہیں جو گھروں کے غلام ہیں یا ایسے نابالغ ہیں جن پر ﴿ لَمْ يَظْهَرُوا ﴾ الخ صادق آتا ہے اور اس غلام کو گھر والوں کے کاموں اور خدمت کی ضرورت سے گھر میں بار بار آنا پڑتا ہے، اسی طرح نابالغ طبعی عادت کے مطابق چاہے ضرورت نہ بھی گھر میں بار بار آتا ہے تو اگر ان کے لئے ہر بار اجازت لے کر آنے کا حکم کیا جائے تو اس میں زیادہ حرج اور پریشانی ہے اور چونکہ ان کا اکثر آتے رہنا معلوم ہے، اس لئے چھپائے جانے والے اعضا یا پوشیدہ امور کے اظہار سے [2] بچنا بھی آسان ہے۔ تیسری صورت بعض اوقات وہ ہیں جن میں کبھی بالقصد اور کبھی بلا ارادہ بے پردہ ہو جاتا ہے جیسے صحبت کا وقت یا سونے کی حالت اور اگر بے پردہ بھی نہ ہو تب بھی بعض ایسے مباح امور کا ارتکاب کرتا ہے جس پر کسی کے مطلع ہونے کو گوارا نہیں کرتا، جیسے بیوی سے بوس وکنار کا وقت، تو اس وقت میں دوسری صورت میں مذکور لوگوں کا بغیر اجازت کے چلے آنے میں پردہ میں خلل یا کسی ناگوار امر کے اظہار کا احتمال ہے، اور اجازت لینے کی شرط لگانے میں خاص ایسے اوقات کے اعتبار سے دوسری صورت میں مذکور حرج و پریشانی بھی نہیں ہے۔ لہٰذا ان صورتوں میں پہلی صورت کا حکم تو پانچویں حکم میں صراحت کے ساتھ معلوم ہو گیا۔ لیکن دوسری اور تیسری صورت کا حکم اگر چہ ان تینوں امور میں جن کا ذکر ابھی پانچوے اور چھٹے حکم کے حوالہ سے ہوا ہے، غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آگے جلدی ہی ترجمہ کے دوران ان کے ثبوت کے بیان سے واضح ہو جائے گا۔ البتہ یہ پہلی نظر میں ظاہر نہیں ہوتا بلکہ ایک

(۱) یعنی آزاد اور بالغ ہونے کی وجہ سے کیونکہ آزاد ہونے کے سبب وہ کسی کے خادم نہیں جو بار بار آنا پڑے۔ اور بالغ ہونے کی وجہ سے ان کا گھروں میں آنا طبعی امر نہیں، بلکہ وہ اکثر اپنے کام میں مشغول رہتے ہیں۔

(۲) یعنی اس وجہ سے کہ ان کا ہر وقت کا آنا معلوم ہے، پردہ کا اہتمام کر لیا جائے بخلاف ان کے جن کا آنا جانا کم ہے چونکہ وہ اچانک آئیں گے اس لئے عین وقت پر پردہ کا اہتمام کرنا مشکل ہوگا اس لئے اجازت لینا مناسب ہوا۔

طرح کے شبہ کا احتمال ہوسکتا ہے، کیونکہ پانچویں حکم یعنی مطلق اجازت طلب کرنے کا تقاضا تو بظاہر یہ ہے کہ جن افراد کا ذکر دوسری صورت میں ہوا ہے وہ بھی ہر وقت اجازت لیں۔ اور اس پانچویں حکم کا بالغوں کو خطاب ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ نابالغ لڑکے کو تیسری صورت میں بھی اجازت کی ضرورت نہ ہو اور یہ ظاہر میں ٹکراؤ کی صورت ہے۔ اس بنا پر یہ صورتیں شک کو چھپانے کا موقع ہوسکتی تھیں۔ چنانچہ بعض بے احتیاطیاں جو آیت کے نازل ہونے کا سبب ہیں، بعض غلاموں وغیرہ سے ہوگئیں، جیسا کہ الدرالمنثور میں ابوداؤد، ابن المنذر، ابن ابوحاتم، ابن مردویہ و سنن البیہقی کی روایت سے ابن عباسؓ سے منقول ہے اس لئے آگے اجازت والی آیت میں ان صورتوں کے حکم کی توضیح فرماتے ہیں، پھر پانچویں امر سے شبہ ہوتا ہے کہ چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کا کھلنا ہر حال میں درست ہے، اس لئے آگے آیت ﴿ وَالْقَوَاعِدُ ﴾ الخ میں اس کی تحقیق ہے۔

گیارہویں حکم کی آیت مع ترجمہ و تفسیر:

اے ایمان والو (تمہارے پاس آنے کے لئے) تمہاری ملکیت والوں (یعنی غلاموں کو اور تم میں جو بالغ ہونے کی حد کو نہیں پہنچے انہیں تین وقتوں میں اجازت لینی چاہئے (ایک تو) صبح کی نماز سے پہلے اور (دوسرے) جب (سونے لیٹنے کے لئے) دوپہر کو اپنے کپڑے اتار دیا کرتے ہو۔ اور (تیسرے) عشا کی نماز کے بعد، یہ تین وقت تمہارے پردے کے (وقت) ہیں (یعنی یہ اوقات چونکہ عادت کے طور پر اور اکثر تنہائی اور آرام کے ہیں، ان میں اکثر لوگ بے تکلف سے رہتے ہیں، اس لئے اپنے ملکیت والوں اور نابالغ بچوں کو سمجھا دو کہ بغیر اطلاع اور بغیر اجازت لئے ہوئے تمہارے پاس نہ آیا کریں۔ یہ تیسری صورت کا حکم ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس میں اجازت لینے کے وجوب کی علت پائی جاتی ہے، اور) ان وقتوں کے سوا (بغیر اجازت آنے دینے اور منع نہ کرنے میں) نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ (بغیر اجازت چلے آنے میں) ان پر کچھ الزام ہے، کیونکہ وہ کثرت سے تمہارے ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں (اس کا مطلب حنفی مذہب کے مطابق یہ ہے کہ غلام تو تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں، نہ کہ عورتوں کے پاس، کیونکہ غلام کا حکم غیر محرم مرد جیسا ہے اور باندیاں عورتوں کے پاس بھی آتی جاتی رہتی ہیں، اور اسی طرح نابالغ بچے سب جگہ آتے ہیں، لہٰذا ہر وقت اجازت لینے میں دشواری ہے اور چونکہ یہ وقت پردے کے نہیں ہیں، اس لئے ان میں پردہ والے اعضاء کو چھپا کر رکھنا کچھ مشکل نہیں ہے، لہٰذا مرد تو غلام کے سامنے ناف سے گھٹنوں تک چھپائے اور عورت کافر باندی سے سوائے زینت کے موقعوں کے جن کی تفصیل دوسرے امر میں گذر چکی ہے سارا جسم چھپائے رکھے اور مرد کو باندی سے اگر وہ اس کے لئے حلال ہے تو بدن کے کسی حصہ کا چھپانا واجب نہیں۔ اور اگر باندی حلال نہیں تو ناف سے گھٹنوں تک چھپائے رکھے اور عورت مسلمان باندی سے صرف ناف سے گھٹنوں تک چھپائے رکھے تو اس چھپانے میں کوئی دشواری نہیں، لہٰذا بغیر اجازت کے آنا جائز ہوا۔ اور نابالغ بچہ کے سامنے مرد صرف گھٹنوں سے ناف تک اور عورت سوائے زینت کی جگہوں کے سارے بدن کو چھپائے رکھے۔ یہ بھی دشوار نہیں۔ اور ہر وقت اجازت لینے میں دشواری ہے، کیونکہ ان کا آنا جانا بھی بہت

ہے، یہ دوسری صورت کا حکم ہے۔ اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس میں پردے کے واجب ہونے کی علت نہیں پائی جاتی۔ اور مذکورہ تفصیل کے ساتھ ان کے سامنے بدن کھولنا جائز ہی ہے، جیسا کہ دوسرے امر میں اس کی تصریح ہو چکی ہے اور ان تین وقتوں کے علاوہ بھی اگر کوئی وجہ رکاوٹ کی ہو تو بھی اجازت لینا واجب ہوگا۔ چنانچہ تخصیص اس وقت کی عادت کے اعتبار سے ہے) اسی طرح (جس طرح یہ حکم صاف صاف بیان کر دیا) اللہ تعالیٰ تم سے (اپنے) احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے (چنانچہ تمام مصلحتوں اور حکمتوں پر اس کی نظر ہے اور احکام میں ان کی رعایت فرماتا ہے) اور جس وقت تم میں سے (یعنی آزاد مسلمانوں میں سے) وہ لڑکے (جن کا اوپر حکم آیا ہے) بالغ ہونے کی حد کو پہنچیں (یعنی بالغ ہو جائیں یا بالغ ہونے کی عمر کے قریب پہنچ جائیں) تو انہیں بھی اسی طرح اجازت لینی چاہئے جیسے ان سے اگلے (یعنی ان سے بڑی عمر کے) لوگ اجازت لیتے ہیں (جو کہ پہلی صورت ہے، اور پانچویں حکم میں اس کا حکم بیان ہوا ہے) اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے (اس کو دوبارہ اس لئے لایا گیا کہ اجازت لینے کے قانون کی مصلحتیں نہایت واضح اور اس کے احکام نہایت رعایت کے قابل ہیں، دوبارہ ذکر کرنے سے اہتمام ظاہر ہو گیا)

﴿ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَ اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۝ ﴾

ترجمہ: اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کو نکاح کی کچھ امید نہ رہی ہو ان کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے کپڑے اتار رکھیں بشرطیکہ زینت کا اظہار نہ کریں اور اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لئے اور زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے۔

بارہویں حکم کی آیت مع ترجمہ و تفسیر:

اور (ایک یہ بات جان لینی چاہئے کہ چھٹے حکم کی تفصیل میں جو چہرہ اور ہتھیلیوں کو پردہ کے چھپانے سے الگ کیا گیا ہے جیسا کہ پانچویں حکم میں بیان ہوا ہے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ خود ستر نہیں ہے، یہ نہیں کہ عورتیں کھلی مہار اپنی صورت غیر مردوں کو دکھاتی پھرا کریں، کیونکہ فتنہ کے احتمال سے یا دوسری وجہ سے اس کا چھپانا بھی واجب ہے۔ البتہ جہاں فتنہ کا احتمال نہ ہو، مثلاً جو بڑی بوڑھی عورتیں (ہیں) جن کو (کسی کے) نکاح (میں آنے) کی کچھ امید نہ رہی ہو (یعنی اصلا وہ رغبت کے لائق نہیں رہیں۔ یہ بڑی بوڑھی ہونے کی تفسیر ہے) انہیں (البتہ) اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے (جن سے چہرہ وغیرہ چھپا رہتا ہے، غیر محرم کے سامنے) اتار رکھیں۔ شرط یہ کہ زینت (کے موقعوں) کا اظہار نہ کریں (جن کا ظاہر کرنا غیر محرم کے سامنے بالکل ہی ناجائز ہے جس کا بیان دوسرے امر میں ہوا ہے۔ چنانچہ ان

کے لئے صرف چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں اور ایک قول کے مطابق دونوں پیروں کا بھی اظہار جائز ہے، بخلاف جوان عورت کے فتنہ کے احتمال کی وجہ سے اس کو چہرہ وغیرہ کا پردہ بھی ضروری ہے، مگر شرعی عذر سے جیسا کہ سورۂ احزاب آیت ۵۹ ﴿ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ﴾ میں آئے گا۔ جس کی تفسیر میں صاحب درمنثور نے محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے کہ میں نے عبیدہ سلمانی سے اس کے معنی پوچھے تو انھوں نے چادر میں سر کے ساتھ چہرہ بھی چھپالیا اور ایک آنکھ کھلی رہنے دی، اور اس حکم کی جو علت وہاں بیان ہوئی ہے ﴿ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ ﴾ الخ اس کا حاصل بھی فتنہ کا خوف ہے۔ چاہے فتنہ کی قسمیں مختلف ہوں) اور (اس کے باوجود کہ بڑی بوڑھیوں کو چہرہ کھولنے کی اجازت ہے لیکن اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لئے اور زیادہ بہتر ہے (کیونکہ گندگی کا کیڑا گندگی میں ہی منہ مارتا ہے، دوسرے یہ بالکل ہی بے پردگی کا راستہ بند کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے (بہتر یہ ہے کہ اس کی تفسیر میں کہا جائے کہ یہ تو پردے کا انتظام ہے۔ اب اگر غیر مرد وعورت آپس میں بات چیت کریں یا آپس میں دلی تعلق رکھیں تو اللہ تعالیٰ اس بات چیت اور تعلق سے بھی واقف ہے۔ اگر ناجائز طریقہ سے ہوگا تو گناہ کا سبب ہے اور ممکن ہے کہ سمیع علیم میں سننا اور جاننا مطلق افعال کے اعتبار سے مراد ہو)

فائدہ: تین وقت کی کوئی تخصیص نہیں ہے، اس وقت عادت اور سماجی زندگی اسی کے مطابق تھی باقی، جہاں جیسی ضرورت ہو، علت کے پائے جانے پر حکم کی بنیاد ہے۔ اور ﴿ بَلَغَ الْحُلُمَ ﴾ میں مراہق یعنی بالغ ہونے کی حد کے قریب پہنچنے کو مراد لینے کا یہ قرینہ ہے کہ پہلے بچہ میں یہ قید لگائی ہے ﴿ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ﴾ لہٰذا اگر یہ تفسیر نہ کی جائے تو ایک واسطہ کا حکم بغیر ذکر کے رہ جائے گا۔ چنانچہ درمنثور میں سعید بن جبیر سے اطفال کی تفسیر میں صغار یعنی چھوٹے بچے نقل کیا ہے اور ثیاب یعنی کپڑے کے ترجمہ میں جو زائد کہا ہے، اس کی تفسیر میں درمنثور میں ابن عباسؓ سے، جلباب نقل کیا ہے جس کا ذکر سورۂ احزاب کی آیت ۵۹ میں ہے ﴿ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ﴾۔

﴿ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ ﴾

ترجمہ: نہ تو اندھے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ بیمار آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے اس بات میں کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھالو۔ یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماؤں کے گھر سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی

پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔

ربط: اوپر اجازت لینے کا بیان تھا جس کا گھروں میں جانے سے پہلے لینے کا شرعی حکم ہے۔ اب بعض ان امور کا بیان ہے جن کے لئے گھروں میں جانے کے بعد اجازت ہے یا جن کا حکم دیا گیا ہے، چاہے گھر میں داخل ہونے کے فوراً بعد جیسے گھر والوں کو سلام کرنا جس کا حکم آیت کے آخر میں ہے ﴿ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ﴾ یا کچھ بعد میں جیسے کھانا، پینا، جس کی اجازت آیت کے شروع میں ہے ﴿ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى ﴾ اور شاید کھانے کو پہلے ذکر کرنے کا مقصد خیالی اور وہمی حرج کو دور کرنے کے بیان کے اہتمام کے لئے ہے اور چونکہ سلام کا مستحسن ہونا کسی سے پوشیدہ نہیں تھا، اس لئے اس کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ اور ﴿ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى ﴾ الخ کے نازل ہونے کے اسباب کے مجموعہ سے جو کہ درمنثور میں منقول ہیں، یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اہل مدینہ میں اہل عرب کی عادت کے مطابق کھانے پینے کے بارہ میں بہت بے تکلفی تھی کہ ایک دوسرے کے گھر کھا لیتے تھے بلکہ کبھی دوسرے محتاج غریبوں کو بھی ایک دوسرے کے یہاں اپنے ساتھ لے جاتے اور کسی عزیز، قریبی رشتہ دار یا دوست کے گھر میں اس کو بھی کھلا دیتے، چونکہ یہ بے تکلفی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی کہ ظلم اور حق تلفی تک کی نوبت آنے لگی تھی، اس زیادتی کو روکنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ﴿ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ﴾ اس آیت کو سن کر صحابہ ڈر گئے اور پھر بہت ہی مبالغہ کے ساتھ اس بارے میں احتیاط کرنے لگے کہ جن کا راضی ہونا یقینی طور پر معلوم ہوتا اور جہاں شرعی طور پر ممانعت نہ ہوتی تو واضح اور صریح اجازت نہ ہونے کی وجہ سے وہاں بھی احتیاط کرتے تھے اور کسی کے گھر نہ کھاتے تھے، اس طرح محتاج، معذور، اندھے، لنگڑے اور بیمار ایسے موقعوں پر جانے سے پرہیز کرنے لگے کہ دوسرے کے گھر لے جا کر کھلانے کا اس شخص کو کیا حق ہے؟ اس لئے ہمیں بھی کھانا جائز نہ ہوا، اور اسی طرح مشترکہ دعوت و کھانا کھانے میں بھی اور خاص طور سے ان معذوروں کے ساتھ اس لئے پرہیز کرنے لگے کہ مثلاً اندھے کو اچھا لقمہ اور کھانے کا موقع نظر نہیں آتا یہ اپنا پورا حصہ نہ لے سکے گا۔ اسی طرح لنگڑا تکلف کے ساتھ بیٹھتا ہے، اس لئے اس کو کھانا لینے میں بھی تکلف ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ مجمع میں کھانا شروع ہو جائے اور لنگڑا وہاں حاضر ہونے کے باوجود دسترخوان پر دیر میں پہنچے اس وجہ سے اس کو بھی اس کا پورا حصہ نہیں ملے گا۔ اور مریض کا کم کھانا معلوم ہی ہے، اسی طرح ساتھ کھانے میں کم و زیادہ سبھی جگہ ایسا احتمال ہے، چونکہ اتنا زیادہ تکلف و احتیاط بھی تکلیف کا سبب تھا، اس لئے اگلی آیت میں اس تنگی کو دور فرماتے ہیں، بعض کو ﴿ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى ﴾ میں اور بعض کو ﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ ﴾ میں جیسا کہ ترجمہ کے بیان سے واضح ہوگا۔ اور درمنثور میں ہے کہ بعض لوگ انتہائی رحم و کرم کی وجہ سے تنہا کھانا نہ کھاتے تھے یہاں تک کہ اگر کوئی ساتھ کھانے کے لئے نہ ملتا تو فاقہ کر لیتے، آیت کے آخر میں اس کا بھی جواب ہو گیا اور بعض روایتوں میں ہے کہ یہ معذور لوگ اس خیال سے تندرست لوگوں کے ساتھ کھانے میں حرج سمجھتے تھے کہ شاید لوگ ہم سے

نفرت کریں، جیسا کہ الروح میں ابن عباس کی روایت اور کتاب الزہراوی کے حوالہ سے ہے، لہٰذا پوری آیت میں اس کا بھی جواب ہوگیا کہ اندھے وغیرہ پر کھانے میں کوئی حرج نہیں، چاہے سب مل کر کھائیں یا الگ الگ۔ اور نزول کے ان سارے اسباب میں ایک دوسرے کی کوئی نفی نہیں ہے۔

تیرہواں حکم: بعض گھروں سے کھانے کا جائز ہونا:

(اگر تم کسی اندھے، لنگڑے، بیمار غریب کو اپنے کسی عزیز یا ملاقاتی کے گھر لے جا کر گھر کے مالک کی رضامندی کے یقین کے وقت کچھ کھلا پلا دو یا خود کھا پی لو تو ان صورتوں میں) نہ تو اندھے آدمی کے لئے کچھ حرج ہے، اور نہ لنگڑے آدمی کے لئے کچھ حرج ہے اور نہ بیمار آدمی کے لئے کچھ حرج ہے اور نہ خود تمہارے لئے اس بات میں (کوئی حرج ہے) کہ تم (لوگ چاہے خود یا اور وہ معذور سب) اپنے گھروں سے (جن میں بیوی اور اولاد کے گھر بھی آگئے) کھانا کھا لو یا (ان گھروں سے جن کا ذکر آگے آرہا ہے کھالو، یعنی نہ تمہیں خود کھانے میں گناہ ہے اور نہ ان معذور لوگوں کو کھلانے میں، اسی طرح ان معذوروں کو تمہارے کھلا دینے سے کھا لینے میں بھی گناہ نہیں اور وہ گھر یہ ہیں۔ مثلاً) اپنے باپ کے گھر سے (کھالو، کھلا دو) یا (اسی طرح) اپنی ماؤں کے گھر سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں، یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (اس میں کل تین تنگیوں میں سے پہلی والی دو تنگیاں جن کا ذکر آیت کے نزول کے سبب میں ہوا ہے دور کر دی گئیں۔ آگے تیسری تنگی یعنی ساتھ کھانے سے متعلق دور کی جاتی ہے، یعنی پھر اس میں بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ (کھاؤ، یعنی ایسے کمزور وسوسے کہ شاید میں زیادہ کھالوں تو دوسرے کا حق کھالیا اور دوسرا کم کھائے تو اس کا حق رہ گیا، شریعت کا مقصود نہیں، ساتھ مل جل کر رہنے میں ایسی باریک باتوں کی تکلیف نہیں۔ البتہ اگر کسی کے کھانے کے سلسلہ میں گھر والے کی رضامندی نہ صراحت کے ساتھ زبانی معلوم ہو اور نہ ہی اس کے حال و انداز کی دلالت سے تو اس وقت جائز نہیں، اسی طرح جس کھانے پر کھلانے والوں میں سے کوئی شریک یعنی بااختیار ساجھی حصہ دار اور راضی نہ ہو، اس کی تقسیم ضروری ہے اور اگر حصہ دار بااختیار نہیں ہے جیسے یتیم اپنے وصی یا ولی کے اعتبار سے کہ اس کی رضا ہونا اور نہ ہونا، اس کے بالغ نہ ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہے، وہاں بغیر رضامندی کے بھی خلط ملط ہونا درست ہے، البتہ اس کی مصلحتوں کی رعایت رکھنا ضروری ہے، جس کا بیان سورۂ بقرہ آیت ۲۲۰ ﴿وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ﴾ الخ میں گذر چکا ہے۔

﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝﴾

ع ۱۶

ترجمہ: پھر جب تم گھروں میں جانے لگا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کرلیا کرو، دعا کے طور پر جو خدا کی طرف سے مقرر ہے برکت والی عمدہ چیز ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

چودھواں حکم: گھر والوں کو سلام کرنا:

پھر (یہ بھی یاد رکھو کہ) جب تم گھروں میں جانے لگا کرو تو اپنے لوگوں کو (یعنی وہاں جو مسلمان ہوں، ان کو) سلام کرلیا کرو (جو کہ) دعا کے طور پر (ہے اور) جو (کہ) اللہ کی طرف سے مقرر (اور شریعت میں دیا ہوا حکم) ہے اور (اس پر ثواب ملنے کی وجہ سے) برکت والی (اور مخاطب کے لئے دل خوش کرنے والی ہونے کی وجہ سے) عمدہ چیز ہے (اللہ تعالیٰ نے جس طرح یہ احکام بتائے) اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے (اپنے) احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو (اور عمل کرو)

فائدہ: چونکہ تیرھویں حکم کی بنیاد گھر والوں کی رضامندی پر ہے، اس لئے نہ ان مواقع میں کسی ایک طریقہ پر ہے اور نہ ہی ان میں منحصر ہے۔ اس لئے رضامندی نہ ہونے کی صورت میں ان موقعوں پر بھی یہ حکم ثابت نہ ہوگا اور رضامندی کے وقت دوسرے موقعوں پر بھی ثابت ہو جائے گا، تخصیص اکثر یعنی غالب کی بنیاد پر ہے، کہ ان میں عام طور پر اور عادت کے مطابق رضامندی ہوتی ہے، خاص طور سے عرب ملکوں میں کہ وہاں ہندوستان جیسا بخل نہیں ہے۔

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاۗءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاۗءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: بس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں نہیں جاتے جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں بس وہی اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں تو جب یہ لوگ اپنے کسی کام کے لئے آپ سے اجازت طلب کریں تو ان میں سے آپ جس کے لئے چاہیں اجازت دے دیا کریں اور آپ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جانتا ہے، جو آڑ میں ہو کر تم میں سے کھسک جاتے ہیں سو جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو

اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی آفت آن پڑے یا ان پر کوئی دردناک عذاب نازل ہو جاوے، یاد رکھو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب خدا ہی کا ہے، اللہ تعالیٰ اس حالت کو بھی جانتا ہے جس پر تم ہو اور اس دن کو بھی جس میں سب اس کے پاس لائے جائیں گے سو وہ ان کو سب جتلا دے گا جو جو کچھ انھوں نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

ربط: اوپر بہت سے حکم دیئے گئے اور بہت سی باتوں سے منع کیا گیا۔ اب سورت کے خاتمہ میں ایک خاص حکم اس وقت کی مناسبت سے پندرہواں حکم ایسا ارشاد فرماتے ہیں کہ جس سے رسول اللہ ﷺ کی انتہائی اطاعت کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے، جس میں ان تمام احکام اور ممانعتوں کے سلسلہ میں بلکہ دنیا اور آخرت کی ظاہری اور باطنی سعادتوں کی تاکید ہے۔ چنانچہ اس جزئی حکم کے بعد کی آیت میں ہی اطاعت کے واجب اور مخالفت کے حرام ہونے کے کلیہ کی بھی وعید سمیت تصریح فرمادی گئی اور اس کے نازل ہونے کے سبب دو امر ہیں: ایک یہ کہ غزوۂ احزاب میں جب مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی تو مسلمان بڑی محنت کرتے تھے اور اگر مدینہ جانے کی کوئی ضرورت ہوتی تو جناب رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر جاتے اور منافق لوگ اول تو کام سے ہی جی چراتے، اور پھر جب کسی مسلمان کو جاتا ہوا دیکھتے تو اس کی اوٹ میں لگ کر خود بھی بغیر اطلاع چپکے سے کھسک جاتے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اس کو ابن اسحاق، ابن المنذر نے اور بیہقی نے الدلائل میں عروہ اور محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے۔ دوسرا یہ کہ جب جمعہ وغیرہ میں کبھی مسلمانوں کو کوئی ضرورت پیش آتی تو وہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر جاتے اور اگر آپ خطبہ دے رہے ہوتے تو وہ انگلی کے اشارہ سے اجازت لے لیتے اور ان کے ساتھ ہی منافق بھی ان کی آڑ میں چھپ کر کھسک جاتے کیونکہ انہیں نماز اور خطبہ گراں معلوم ہوتا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کو ابوداؤد نے مقاتل سے اپنی مراسیل میں روایت کیا ہے اور سارا بیان الدرالمنثور سے لیا گیا ہے۔

پندرہواں حکم: بغیر اجازت رسول اللہ کی مجلس سے بلائے جانے والوں کے نکلنے کا حرام ہونا:

بس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے سب کو جمع کیا گیا ہے (اور کسی اتفاق سے وہاں سے جانے کی ضرورت پڑتی ہے) تو جب تک آپ سے اجازت نہ لے لیں (اور آپ اجازت نہ دیدیں، مجلس سے اٹھ کر) نہیں جاتے (اے پیغمبر!) جو لوگ آپ سے (ایسے موقعوں پر) اجازت لیتے ہیں بس وہی اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں (یہ بات دہرائی نہیں گئی ہے، بلکہ ایمان اور اجازت طلب کرنے میں دونوں طرف سے ایک دوسرے کے لئے لازم باتوں کو پورا کرنے کی غرض سے اس کو لائے ہیں، چنانچہ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ کا حاصل تو یہ ہے کہ ایمان تو بغیر اجازت حاصل کئے ہوئے نہیں پایا جاتا کیونکہ ہر مؤمن اجازت لیتا تھا اور ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ﴾ الخ کا حاصل یہ ہے کہ اجازت لینا بغیر ایمان کے نہیں پایا جاتا، کیونکہ کوئی منافق اجازت نہیں لیتا تھا۔ اور سورۂ براءت آیت ۴۴ و ۴۵ ﴿لَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ﴾ اور ﴿اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ سے اس کے برعکس شبہ نہ کیا جائے کیونکہ وہ اجازت طلب کرنا اس امر کا ہے کہ ہم جہاد میں

بالکل نہ جائیں تو یہ بات مؤمنوں میں بالکل نہیں تھی اور منافق جب اس کے بغیر کام چلتا نہ دیکھتے تو اجازت لے لیتے تھے، لہٰذا جو اجازت لینا اطاعت کی علامت ہے، وہ مؤمنوں کے لئے ثابت ہے اور منافقوں سے اس کی نفی ہے، اور جو اجازت لینا منہ پھیرنے کی علامت ہے وہ منافقوں کے لئے ثابت ہے اور مؤمنوں سے اس کی نفی ہے، اس لئے ان میں ٹکراؤ نہیں ہے۔

یہاں تک اجازت لینے سے متعلق مضمون تھا، آگے اجازت دینے سے متعلق فرماتے ہیں کہ جب آپ کو اجازت لینا خاص مسلمانوں کا طریقہ معلوم ہوگیا) تو جب یہ (ایمان والے) لوگ (ایسے موقعوں پر) اپنے کسی (ضروری) کام کے لئے آپ سے (جانے کی) اجازت طلب کریں تو ان میں آپ جس کے لئے (مناسب سمجھ کر اجازت دینا) چاہیں اجازت دے دیا کریں (اور جس کو مناسب نہ سمجھیں اجازت نہ دیا کریں، کیونکہ ممکن ہے کہ اجازت طلب کرنے والوں کے خیال میں ضروری ہو مگر واقع میں ضروری نہ ہو، یا واقع میں بھی ضروری ہو، لیکن جانے میں اس سے کوئی ضروری امر فوت ہوتا ہو تو اس سب کا فیصلہ حضور ﷺ کی رائے مبارک کے حوالہ ہے) اور (اجازت دے کر بھی) آپ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کیا کیجئے (کیونکہ اجازت لینا چاہے کسی قوی عذر کی وجہ سے ہو، پھر بھی اس میں دین پر دنیا کو مقدم رکھنا تو لازم آیا، اور اس میں ایک نقصان کی گنجائش ہے۔ اس کی تلافی کے لئے استغفار یعنی مغفرت کی دعا کا حکم ہوا۔ چنانچہ استغفار جس طرح گناہوں کی تلافی کے لئے ہوتا ہے اسی طرح نقصان و کمی کی تلافی کے لئے بھی مفید ہے، اور ممکن ہے کہ وہ عذر واقعی طور پر قوی نہ ہو اور اس کو قوی سمجھنے میں اجازت طلب کرنے والے سے اجتہادی خطا ہوئی ہو اور وہ خطا ایسی ہو کہ غور و فکر سے دور ہو سکتی تھی مگر غور و فکر نہیں کیا قدرت کے باوجود یہ غور و فکر کا چھوڑنا ایک ہلکا مکروہ امر ہے، اور مکروہ امر ممنوع ہوتا ہے۔ اور ممنوعات سے استغفار کرنا یعنی ممنوع امر پر اللہ سے مغفرت کی دعا کرنا ظاہر ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے (چونکہ ان کی نیت اچھی تھی۔ اس لئے ایسی باریکیوں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر پکڑ نہیں فرماتا۔

یہاں تو اجازت نہ لینے کی حرمت جملہ خبریہ کی صورت میں ارشاد فرمائی تھی۔ آگے اس کی اصل صورت یعنی انشائیہ کی شکل میں ارشاد ہے کہ) تم لوگ رسول اللہ (ﷺ) کے بلانے کو (جب وہ تمہیں کسی اسلامی ضرورت کے لئے جمع کریں) ایسا (معمولی بلانا) مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے (کہ چاہے آیا یا نہ آیا پھر آ کر بھی جب تک چاہا بیٹھا اور جب چاہا بغیر اجازت لئے اٹھ کر چل دیا۔ تو رسول اللہ کا بلانا ایسا نہیں ہے بلکہ آپ کے بلانے پر جواب دینا یعنی آنا واجب ہے اور بغیر اجازت جانا حرام ہے۔ اور چاہے بغیر اطلاع چلا جانا کسی وقت رسول اللہ ﷺ سے پوشیدہ رہ جائے، لیکن یہ یاد (رکھو کہ) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو (خوب) جانتا ہے جو تم میں سے (دوسرے کی) آڑ میں ہو کر (رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں سے کھسک جاتے ہیں۔ لہٰذا انہیں سزا دے گا، اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے) تو جو لوگ اللہ کے حکم کی (جو کہ رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے پہنچا ہے جس میں اجازت طلب کرنے کا واجب ہونا بھی داخل ہے) مخالفت کرتے ہیں انہیں اس (بات) سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر (دنیا میں) کوئی آفت (نہ) آ پڑے یا ان پر (آخرت

میں) کوئی دردناک عذاب نازل (نہ) ہوجائے (یہ تردید اس بنیاد پر ہے کہ اس حال سے خالی ہونا منع ہے یعنی ممکن ہے کہ دونوں جہاں میں یہ یعنی آفت اور عذاب واقع ہوں، کیونکہ حکم میں مخالفت یعنی نافرمانی عذاب کا سبب ہے، اور وہ مخالفت اللہ کے علم سے پوشیدہ بھی نہیں، اور یہ بھی) یاد رکھو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں (موجود) ہے، سب اللہ ہی کی (ملکیت) ہے۔ چنانچہ اختیار بھی اسی کو کامل ہے۔ غرض جس کو حکم دیا گیا ہے، اس کی طرف سے اس طرح حکم کی مخالفت یعنی نافرمانی ہونا کہ حکم دینے والے کا علم اور قدرت کامل ہو۔ بیشک یہ سوچنے کی بات ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ دو چیزوں کا اندیشہ ہے یعنی دنیا کی مصیبت کا اور آخرت کے عذاب کا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ اس حالت کو بھی جانتا ہے، جس پر تم (اب) ہو (اس سے تو یہ احتمال ہے کہ شاید تمہیں دنیا ہی میں سزا دیدے) اور (اللہ تعالیٰ) اس دن کو بھی (جانتا ہے کہ) جس میں سب اس کے پاس لائے جائیں گے تو وہ ان کو سب جتلا دے گا، جو کچھ انھوں نے کیا تھا (لہٰذا آخرت میں بھی سزا دینا کوئی مشکل یا بڑی بات نہیں۔ غرض جب اس کا علم دونوں جہان کے ساتھ متعلق ہے تو دونوں جہاں میں سزا کا احتمال ہے) اور (علم میں ﴿ مَآ اَنۡتُمۡ عَلَيۡهِ ﴾ یعنی "جس دنیا میں تم ہو" اور ﴿ يَوۡمَ يُرۡجَعُوۡنَ ﴾ یعنی "جس دن سب اس کے پاس لائے جائیں گے" کی ہی کیا خصوصیت ہے) اللہ تعالیٰ (تو) سب کچھ جانتا ہے۔

فائدہ: ﴿ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ سے استیذان یعنی اجازت طلب کرنے کا ایمان کی شرطوں میں سے ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ فروعی امور میں سے کوئی بھی واجب امر ایمان کے لئے شرط یا اس کا حصہ نہیں، تو تحقیق یہ ہیکہ مقصود مطلق شرط قرار دینا نہیں ہے، بلکہ اجازت لینے والے اور اجازت نہ لینے والے متعین لوگوں کے اعتبار سے خاص واقعہ کا بیان ہے کہ ان لوگوں میں ایمان بغیر اجازت حاصل کئے نہیں پایا جاتا۔ اس معنی میں نہیں کہ اگر اجازت نہ لیں تو ایمان نہ رہے، بلکہ اس معنی میں کہ واقعہ یوں ہی ہے کہ جن میں ایمان ہے، وہ اجازت ضرور لیتے ہیں۔

اور یہ [1] اجازت لینے کا واجب ہونا اس وقت ہے جب بلائے ہوئے آئیں چاہے اذان کے ذریعہ نماز کے لئے یا خاص بلاوے یا عام اعلان کے ذریعہ کسی مشورہ وغیرہ کے لئے۔ ورنہ حضور ﷺ کی مجلس میں بہت سی بار لوگ خود حاضر ہوئے اور خود چلے گئے، ان پر ملامت نہیں کی گئی اور اب بھی اگر مسلمانوں کا امام لوگوں کو جمع کرے تو اس کی اجازت کے بغیر جانا جائز نہیں اور اس حکم کا راز مباح امور میں بھی امام کی اطاعت کا واجب ہونا ہے، چنانچہ ظاہر ہے کہ لوگوں کا جمع ہونا مباح تھا، مگر جب امام کا حکم ہوا تو واجب ہوگیا۔ اب چونکہ موقع ومحل کے قرینے سے یہ امر یقینی ہے کہ اس جمع کرنے میں جس طرح جمع ہونے کا امام کی طرف سے حکم ہے، اسی طرح جمع رہنے کا بھی امام کی طرف سے حکم ہے۔ ورنہ جمع کرنا ہی

(۱) اس پوری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ بلانا بھی عام ہے اور اذن واجازت بھی عام ہے ہر اجازت کو چاہے صراحت سے ہو یا دلالت کے طور پر۔ لہٰذا آیت اپنے عموم پر بھی رہی اور جن مواقع پر بغیر صریح اجازت کے چلا آنا بغیر نکیر کے معمول ہے، وہاں اشکال بھی واقع نہیں ہوتا۔

بے کار ٹھہرے گا، لہٰذا علت مشترک ہونے کی وجہ سے دوسرا امر بھی جس کا حکم دیا گیا ہے واجب ہوا اور بغیر اجازت نکل کر چلے جانے میں اس واجب کا چھوڑنا ہے، اس لئے حرام ہوگا۔ رہا جمعہ وغیرہ میں جمع ہو کر امیر المؤمنین کی اجازت کے بغیر چلا جانا تو جب علت اور حکم کا مدار معلوم ہو گیا تو اگر امیر المؤمنین حکم کر دے کہ ہماری اجازت کے بغیر کوئی مسجد سے نہ نکلے تو پھر اجازت لینا واجب ہوگا اور اگر کسی قوی قرینہ سے یا صراحت سے معلوم ہو جائے کہ بغیر اجازت نہ نکلنے کا امیر کی طرف سے کوئی حکم نہیں ہے تو علت کے مفقود ہونے کی وجہ سے اجازت لینے کا واجب ہونا بھی مفقود ہوگا اور بغیر اجازت کے نکلنا جائز ہوگا۔ اور یہ سب تفصیل اس وقت ہے کہ اجازت لینے والے کے لئے مسجد میں قیام جائز ہو اور اگر جائز نہ ہو جیسے عورت کو حیض آجانا یا کسی شخص کو جنابت ہو جانا تو وہاں اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ فوراً باہر نکل جائے، خازن میں اس کی تصریح ہے اور قواعد اس کی شہادت دیتے ہیں۔ اور ﴿ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ ﴾ کی جو تفسیر اختیار کی گئی ہے مبرد اور قفال نے اسی کو اختیار کیا ہے جیسا کہ تفسیر کبیر اور روح المعانی میں ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ بعض لوگ حضور کو یا محمد کہہ کر پکارتے تھے، اس میں اس کی ممانعت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس طرح نہ پکارا کرو، اس طرح پہلی تفسیر کے مطابق ﴿ دُعَآءَ الرَّسُوْلِ ﴾ مصدر ہے جس کی اضافت فاعل کی طرف ہے اور دوسری تفسیر میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے، اور اس کے بعد لوگ اس طرح کہنے لگے: یا رسول اللہ یا نبی اللہ۔ درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر نقل کی گئی ہے، اور اس تفسیر کے مطابق اس مضمون کا اجازت حاصل کرنے کی تعریف اور اجازت حاصل نہ کرنے کی مذمت کے بیچ میں آنا یا تو اس بنا پر ہے کہ اجازت حاصل کرنے میں حضور کو مخاطب کرنا ہوگا، اس لئے اس خطاب کا طریقہ بتا دیا۔ یا پھر اجازت طلب کرنے اور القاب کے ذریعہ پکارنے دونوں میں وجہ، رسول کی جامع تعظیم ہے، وہ ربط اور یہ شرکت تناسب کے لئے کافی ہے۔ لیکن چونکہ پہلی تفسیر کا موقع و محل کے زیادہ مطابق ہونا ظاہر ہے، اس لئے احقر نے اس کو اختیار کیا اور ابن عباسؓ کا قول نازل ہونے کے سبب کی روایت نہیں ہے، جس کی پیروی واجب ہو۔ بلکہ تفسیری اجتہاد اور درایت ہے جس کی پیروی واجب نہیں، اور بعض روایتوں کے الفاظ سے جو نزول کا سبب ہونا معلوم ہوتا ہے، اس میں بھی یہ احتمال ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اپنے قیاس اور اجتہاد ہی سے نزول کا سبب قرار دیا ہو، اور اس احتمال کا صریح قرینہ یہ ہے کہ طبری وغیرہ میں ابن عباسؓ سے اس آیت کی دوسری تفسیر بھی روایت کی گئی ہے۔ اگر ان کے نزدیک شان نزول متعین اور نص سے ثابت ہوتا تو آیت کی مختلف تفسیریں نہ کرتے۔ واللہ اعلم

﴿الحمد للہ! ۲۹ ذی قعدہ بروز منگل سنہ ۱۳۲۴ھ کو سورۃ النور کی تفسیر پوری ہوئی، الٰہی! باقی تفسیر کو بھی خیریت کے ساتھ پورا فرما اور وقت پر ہمارا بھی خاتمہ بالخیر فرما (آمین) وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ أجمعین﴾

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: بڑی عالی شان ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب اپنے بندۂ خاص پر نازل فرمائی تاکہ وہ تمام دنیا جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو، ایسی ذات جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت حاصل ہے اور اُس نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ کوئی اُس کا شریک ہے حکومت میں۔ اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر سب کا الگ الگ انداز رکھا۔

تعارف:

اس سورت میں یہ مضامین ہیں: توحید کا اثبات، شرک اور مشرکوں کی مذمت، رسالت کا اثبات، رسالت سے متعلق شبہات کا جواب۔ آخرت کا بیان اور اس کی تفصیل میں جھٹلانے والوں اور تصدیق کرنے والوں کی سزا و جزا، توحید اور رسالت کے انکار کی مذمت کی مناسبت سے کچھ قصے۔ توحید اور رسالت کی تصدیق کرنے والے خاص بندوں کے بعض فضیلت والے اعمال، اور اسی آخری مضمون پر سورت ختم ہے اور ان مضامین کی آپسی مناسبت ظاہر ہے۔ اور چونکہ گذشتہ سورت کے خاتمہ میں رسول کے حقوق کا ذکر تھا، اور اس کے شروع میں رسالت کا اثبات ہے اس طرح ختم اور شروع میں بھی مناسبت ظاہر ہوگئی۔ بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سورت کا زیادہ حصہ رسالت کی بحث میں ہے، چنانچہ پہلی آیت میں بھی سورت کے موضوع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کا ذکر ہے۔ پھر تقریباً ۵۰ آیتوں تک اسی سے متعلق سوال و جواب چلے گئے ہیں پھر آیت ﴿ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا ﴾ الخ اور آیت ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴾ الخ میں بھی اسی امر کو دہرایا گیا ہے۔

توحید اور رسالت:

وہ ذات بڑی عالی شان والی ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب (یعنی قرآن) اپنے خاص بندہ (محمد ﷺ) پر نازل فرمائی تاکہ وہ (بندہ) تمام دنیا جہاں والوں (یعنی انسان اور جن سب) کے لئے (اور ایمان نہ لانے کی صورت میں اللہ

کے عذاب سے) ڈرانے والا ہو۔ایسی ذات جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت حاصل ہے اور اس نے کسی کو (اپنی) اولاد قرار نہیں دیا اور نہ حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے اور اس نے (تمام ممکن چیزوں میں سے) ہر (موجود) چیز کو پیدا کیا۔ پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا (کہ کسی چیز کے آثار اور خواص یا خصوصیتیں کچھ ہیں اور کسی کے کچھ ہیں)

﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور ان مشرکین نے خدا کو چھوڑ کر اور ایسے معبود قرار دیئے ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں، اور وہ خود مخلوق ہیں اور خود اپنے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع کا اور نہ کسی کے مرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی کے جینے کا اور نہ کسی کو دوبارہ جلانے کا۔

توحید کے انکار اور شرک کی مذمت:

اور (حق تعالیٰ کے اپنے کمالوں میں ایسے منفرد ہونے کے باوجود) ان مشرکوں نے اللہ (کی توحید) کو چھوڑ کر دوسرے ایسے معبود قرار دیئے ہیں جو (کسی طرح معبود ہونے کے قابل نہیں، کیونکہ وہ) کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ خود پیدا کئے ہوئے ہیں اور خود اپنے لئے نہ کسی نقصان (کو دور کرنے) کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع (کے حاصل کرنے) کا (اختیار رکھتے ہیں) اور نہ کسی موت کا اختیار رکھتے ہیں (کہ کسی جاندار کی جان نکال سکیں) اور نہ کسی کی زندگی کا (اختیار رکھتے ہیں کہ کسی بے جان میں جان ڈال سکیں) اور نہ کسی کو (قیامت میں) دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کا (اور معبود ہونے کے حق کے لئے ان تصرفات پر مستقل طور پر قادر ہونا لازم ہے اور جب یہ تصرفات ان کے اختیار میں نہیں ہیں تو وہ معبود ہونے کے لائق بھی نہیں ہیں)

فائدہ: اگر ﴿ اٰلِهَةً ﴾ الخ سے بت مراد ہوں تو سارے کمالوں کی نفی ظاہر میں بھی اور حقیقت میں بھی ظاہر ہے۔ اور اگر مطلق ﴿ اٰلِهَةً ﴾ یعنی جاندار و بے جان تمام معبود مراد ہوں تو بعض کی نفی تو ظاہر میں بھی ہوگی اور حقیقت میں مستقل طور پر سب کی نفی ہوگی جیسا کہ ظاہر ہے۔

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝ۚ ﴾

ترجمہ: اور کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں نرا جھوٹ ہے، جس کو اس شخص نے گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس میں اس کی مدد کی ہے، سو یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے۔

ربط: پہلے توحید اور رسالت دونوں کا اثبات تھا، پھر توحید کے انکار پر انکار کرنے والوں کی برائی تھی۔ اب رسالت کے انکار کی برائی اور انکار کرنے والوں کے شبہات واعتراضات کا جواب ہے اور وہ اعتراض کئی تھے، جن سے کئی آیتیں شروع ہوئی ہیں۔ اور ہر اعتراض کے بعد اس کا رد ہے اور سوال وجواب کا یہ مضمون اس سورت میں کافی دور تک چلا گیا ہے اور بیچ بیچ میں مقام کی مناسبت سے مضامین ہیں۔

پہلے اعتراض کا بیان اور اس کا رد:

اور کافر (یعنی مشرک) لوگ (قرآن کے بارے میں) یوں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) تو کچھ بھی نہیں محض جھوٹ (ہی جھوٹ) ہے جس کو اس شخص (یعنی پیغمبر) نے گھڑ لیا ہے اور (گھڑنے) میں دوسرے لوگوں نے اس (شخص) کی مدد کی ہے (اس سے وہ اہل کتاب مراد ہیں، جو مسلمان ہو گئے تھے، یا آپ کی خدمت میں ویسے ہی حاضر ہوا کرتے تھے) تو (ایسی بات کہہ کر) یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے (چنانچہ اس کا ظلم اور جھوٹ ہونا دلیل کے ساتھ آگے جلدی آرہا ہے)

﴿وَقَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آتی ہیں، جن کو اس شخص نے لکھوالیا ہے، پھر وہی اس کو صبح وشام پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے اس کو تو اس ذات نے اتارا ہے جس کو سب چھپی باتوں کی خواہ وہ آسمانوں میں ہوں یا زمین میں ہوں خبر ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔

دوسرا اعتراض: پہلے اعتراض کا تتمہ اور اس کا رد:

اور یہ (کافر) لوگ (اوپر والے اعتراض کے تتمہ میں) یوں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) بے سند باتیں ہیں جو پہلے لوگوں سے نقل ہوتی چلی آتی ہیں، جن کو اس شخص (یعنی پیغمبر) نے (عمدہ عبارت میں سوچ سوچ کر اپنے ساتھیوں کے ہاتھ سے) لکھوالیا ہے (تاکہ ایک جگہ درج رہیں) پھر وہی (مضامین) اس (شخص) کو صبح وشام پڑھ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں (تاکہ یاد رہیں پھر وہی یاد کئے ہوئے مضامین مجمع میں بیان کر کے ان کی نسبت اللہ کی طرف کر دی جاتی ہے) آپ (اس کے جواب میں کہ اس سے ان کا ظلم وجھوٹ کا مرتکب ہونا بھی ثابت ہو جائے گا) کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو اس (پاک) ذات نے اتارا ہے جس کو سب چھپی باتوں کی خبر ہے چاہے وہ آسمانوں میں ہوں یا زمین میں ہوں (اور چونکہ اس کا علم ایسا احاطہ کرنے والا ہے، اس نے اپنے کلام میں اعجاز کی وجھوں کی پوری رعایت کر کے اس کو دوسرے کلاموں

سے ممتاز فرمایا ہے اور کسی دوسرے کا ایسا علم نہیں ہے، اس لئے کوئی بھی اپنے کلام میں اعجاز کی رعایت رکھنے کے لئے ان وجوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے ان کی رعایت بھی نہیں ہوسکتی، لہٰذا کسی کا کلام معجزہ یعنی دوسروں کو عاجز و مجبور و بے بس کرنے والا بھی نہیں ہوسکتا، جواب کا حاصل یہ ہوا کہ اس کلام کا اعجاز اس امر کی دلیل ہے کہ کافروں کا ﴿اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴾ کہنا غلط ہے اور اسی سے ثابت ہوگیا کہ وہ لوگ ظلم و جھوٹ کے مرتکب ہیں، اگر یہ خود رسول ﷺ کا گھڑا ہوا یا کسی سے لکھایا ہوا ہوتا یا دوسری قوموں کی مدد سے تصنیف کیا ہوا ہوتا تو معجزہ کیسے ہوتا؟ اور اس کے باوجود کہ ایسی کفر کی باتوں کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں فوراً سزا ہو جائے لیکن چونکہ) واقعی اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے (اس لئے جب فوری پکڑ میں کوئی خاص حکمت نہ ہو تو فوراً پکڑ نہیں فرماتا لہٰذا یہ مغفرت و رحمت ایک خاص وقت تک ہے، پھر اس وقت کے گذر جانے کے بعد عذاب واقع ہوگا)

﴿ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۙ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ ﴾

ترجمہ: یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، اُس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر ڈراتا۔ یا اُس کے پاس کوئی خزانہ آپڑتا، یا اُس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھایا کرتا۔

تیسرے اعتراض کا بیان:

اور یہ (کافر) لوگ (رسول اللہ ﷺ کے بارے میں) یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو (یعنی جو کہ خود اپنے خیال میں رسول ہے) کیا ہوا وہ (ہماری طرح) کھانا (بھی) کھاتا ہے اور (روزگار کے انتظام کے واسطے) ہماری طرح بازاروں میں (بھی) چلتا پھرتا ہے (یعنی آدمی ہے جو کھانے اور روزگار کے انتظام کا محتاج ہوتا ہے، مطلب یہ کہ رسول فرشتہ ہونا چاہئے اور اگر رسول کا فرشتہ ہونا ضروری نہ ہو تو کم سے کم اس کے ساتھ رہنے والا تو ہو، لہٰذا اس بنیاد پر سوال ہے کہ) اس (رسول) کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا (یا اگر یہ بھی نہ ہوتا تو کم سے کم روزگار کے انتظام سے تو بے فکری ہوتی۔ اس طرح کہ) اس کے پاس (غیب سے) کوئی خزانہ آپڑتا (کہ روزگار کی فکر نہ ہوتی) یا اس کے پاس کوئی (غیب سے ملا ہوا) باغ ہوتا جس سے یہ کھایا (پیا) کرتا (جس کی وجہ سے کھانے پینے، معمولی ضرورتوں اور بازاروں میں چلنے پھرنے کی ضرورت نہ رہتی۔

﴿ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور یہ ظالم یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ ایک مسلوب العقل آدمی کی راہ پر چل رہے ہو۔

چوتھے اعتراض کا بیان:

اور یہ ظالم لوگ (ایمان والوں سے) یوں (بھی) کہتے ہیں کہ (جب ان کے پاس مذکورہ امور میں سے کوئی عجیب اور امتیاز کا سبب بننے والا امر نہیں ہے جو نبوت کے لئے لازم ہے اور پھر بھی یہ نبوت کا دعوی کرتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کی عقل میں فتور ہے، لہٰذا) تم لوگ ایک ایسے آدمی کی راہ چل رہے ہو جس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ ﴾ ع

ترجمہ: دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کر رہے ہیں، سو وہ گمراہ ہو گئے پھر وہ راہ نہیں پا سکتے۔

تیسرے اعتراض کا مختصر جواب اور چوتھے جواب کی تفصیل:

(اے محمد ﷺ) دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کر رہے ہیں تو (ان خرافات کی وجہ سے) وہ (بالکل) گمراہ ہو گئے پھر (اس گمراہی میں غلو اختیار کرنے کی وجہ سے) وہ (بالکل) راہ نہیں پا سکتے۔

فائدہ (۱): پہلا اور دوسرا اعتراض نازل ہونے والے قرآن پر تھا اور تیسرا اور چوتھا رسول پر جس پر قرآن نازل ہوا اور یہ سارے اعتراضات آپس میں ایک دوسرے سے تعلق اور مناسبت رکھنے والے ہیں، جیسا کہ ترجمہ کے بیان سے معلوم ہوا۔ پہلے اور دوسرے اعتراض کا جواب ان کے ذکر کے فوراً بعد ہی تفصیل کے ساتھ بیان فرما دیا گیا ہے اور چونکہ چوتھے اعتراض کا باطل ہونا واضح تھا، کیونکہ حضور ﷺ کا سب سے زیادہ سمجھدار اور اعلیٰ عقل و دماغ والا ہونا سب کے سامنے تھا، اس لئے ﴿اُنْظُرْ﴾ الخ کے واسطہ سے تفصیلی جواب ہو گیا۔ اور چونکہ تیسرے اعتراض پر تنبیہ کی ضرورت تھی، اس لئے مختصر انداز میں تو اس کا جواب آیت کے آخر میں بیان ہو گیا ہے جس کی طرح لفظ ﴿الْاَمْثَالَ﴾ اور گمراہی کا حکم اشارہ کرتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ یہ [1] مذکورہ امور جو کافر لوگ بیان کرتے تھے، رسالت کے لئے عجیب ہونے کی حیثیت سے خود امثال کی قسم سے عجیب امور ہیں اور عقائد کا جز ہونے کی حیثیت سے گمراہی کا سبب ہیں، کیونکہ نبوت کے لئے مطلق عادت کے خلاف یعنی معجزہ ہونا کافی ہے کسی خاص معجزہ کا ہونا غیر ضروری ہے، یہ تو مختصر انداز کا جواب ہے اور تفصیلی جواب کے ساتھ آگے ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ﴾ میں خطاب ہے۔ اور ﴿اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ﴾ اور

(۱) یعنی جن امور کی کافر لوگ درخواست کرتے تھے۔

﴿تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ﴾ کیونکہ ان دونوں عطفوں میں مشترک امر روزگار کی فکر سے فارغ وخالی ہونا ہے۔اور ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ﴾ میں تسلی سمیت اس کے جز ﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ﴾ الخ کا جواب۔ اور ﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ﴾ میں ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ﴾ کے جواب کے ساتھ اس جز ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ﴾ الخ بھی جواب ہے۔ چنانچہ آگے واضح ہوگا۔

فائدہ(۲): اس آیت سے بازاروں میں چلنے پھرنے کا غیر مکروہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور حدیثوں سے جو کراہت معلوم ہوتی ہے تو وہاں بلاضرورت جانا مراد ہے بلکہ اگر بازاروں میں نہ چلنا پھرنا تکبر کے طور پر ہو تو خود نہ چلنا پھرنا مذمت کے لائق اور چلنا پھرنا تعریف کے لائق ہے۔ اور آیت ﴿قَالَ الظّٰلِمُوْنَ﴾ سے اوپر جادو کے اثر کے واقعہ کی نفی لازم نہیں آتی، کیونکہ اس سے کافروں کا مقصود نبوت کی نفی تھی جیسا کہ ﴿اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾ کے حصر سے ظاہر ہے تو یہ مقصود قطعی طور پر منفی ہے، اور یہ آیت آپ کے اوپر جادو کا اثر ہونے کے بارے میں خاموش ہے۔

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝﴾

ترجمہ: وہ ذات بڑی عالی شان ہے کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو اس سے اچھی چیز دیدے یعنی بہت سے باغات جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں۔ اور آپ کو بہت سے محل دیدے۔

ربط: اوپر تیسرے اعتراض کا مختصر انداز کا جواب آچکا ہے۔ آگے تفصیلی جواب کا ذکر ہے۔ جیسا کہ اوپر والی آیتوں کے فائدہ(۱) میں اس کا بیان گذر چکا ہے۔ اور جواب کے اجزا کے درمیان میں ﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ﴾ کے ذریعہ رسالت کے انکار اور اس پر اوپر والے اعتراض کی علت بیان ہوئی ہے، پھر قیامت کے ذکر کی مناسبت سے اس کو جھٹلانے والوں اور تصدیق کرنے والوں کے واقعات بیان فرماتے ہیں، اس طرح ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ الخ کے بعد بھی فرشتوں کے نازل ہونے کی مناسبت سے نازل ہونے کے دن کے بعض واقعات ارشاد فرمائے۔

خزانہ اور باغ کے شبہ کا تفصیلی جواب:

وہ ذات بڑی عالی شان والی ہے کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو (کافروں کی) اس (فرمائش) سے (بھی) اچھی چیز دیدے یعنی بہت سے (غیب سے ملنے والے) باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں (''اس سے اچھی'' اس لئے کہا کہ وہ تو مطلق باغ کی فرمائش کرتے تھے، چاہے ایک ہی ہو، اور کئی باغوں کا ایک سے ''اچھا'' ہونا ظاہر ہے) اور (بلکہ ان باغوں کے ساتھ اور بھی مناسب چیزیں دیدے جن کی انھوں نے فرمائش بھی نہیں کی یعنی) آپ کو بہت سے محل دیدے (جو ان باغوں میں بنے ہوں یا باہر ہی ہوں جس سے ان کی فرمائش زیادہ چیز سمیت پوری ہو جائے، مطلب یہ کہ جو جنت میں ملے

گا، اگر اللہ چاہے تو آپ کو دنیا ہی میں دیدے لیکن بعض حکمتوں کی وجہ سے نہیں چاہا۔ اور خود اپنے آپ میں ضروری بھی نہیں تھا، لہٰذا شبہ بے کار ہے)

فائدہ: باغوں کی تفسیر میں جو "غیب سے ملنے" کی قید ظاہر کی گئی ہے، درمنثور میں قتادہ کا قول بھی اس کی تائید کرتا ہے: ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَیَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا﴾ قال وانه والله من دخل الجنة ليصيبن قصوراً لاتبلى ولا تهدم: یعنی جو لوگ جنت میں داخل ہوں گے وہ ایسے محلوں میں پہنچیں گے جو نہ کبھی پرانے ہوں گے اور نہ ہی وہ ڈھائے جائیں گے، اور خزانہ اور باغ کے مقصود میں مشترک اور متحد ہونے کی وجہ سے "خزانہ آپڑنے" کے جز کا جواب بھی اسی سے نکل آیا اور کھانا کھانے اور بازاروں میں چلنے کے جواب سے اس کو پہلے لانے کی وجہ شاید یہ ہو کہ یہ معجزہ بشر ہونے کے خلاف نہیں، اور معجزے جو بشر ہونے کے خلاف نہیں ہوتے، وہ نبیوں سے ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ تو سرسری نظر سے دیکھنے میں اس شبہ کی گنجائش ہوسکتی تھی، اس لئے اس کو پہلے دور فرمادیا۔ کھانے اور چلنے کے شبہ کے برخلاف جس سے فرشتہ ہونے کی فرمائش مقصود ہے جو کہ بشر ہونے کے خلاف ہے اور بشر ہونے کے خلاف معجزے نبیوں سے ظاہر نہیں ہوتے، لہٰذا اس شبہ کی سرسری نظر میں بھی گنجائش نہیں تھی اس لئے اس کے جواب کو بعد میں بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوا۔

﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۚ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ۝ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّزَفِیْرًا ۝ وَاِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝ لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا ۝ قُلْ اَذٰلِكَ خَیْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِیْرًا ۝ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ خٰلِدِیْنَ ؕ كَانَ عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ۝ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ یَنْۢبَغِیْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِیَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰی نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ۝ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِیْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ یَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِیْرًا ۝﴾

ترجمہ: بلکہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں اور ہم نے ایسے شخص کے لئے جو کہ قیامت کو جھوٹ سمجھے دوزخ تیار کر رکھی ہے تو وہ لوگ اُس کا جوش و خروش سنیں گے۔ اور جب وہ اُس کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جاویں گے تو وہاں موت ہی موت پکاریں گے۔ ایک موت کو نہ پکارو، بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا یہ

حالت اچھی ہے یا وہ ہمیشہ کے رہنے کی جنت جس کا خدا سے ڈرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کے لئے صلہ ہے، اور اُن کا ٹھکانا، ان کو وہاں وہ سب چیزیں ملیں گی جو کچھ وہ چاہیں گے، وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ایک وعدہ ہے جو آپ کے رب کے ذمہ ہے اور قابل درخواست ہے۔ اور جس روز اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اور جن کو وہ لوگ خدا کے سوا پوجتے تھے اُن کو جمع کرے گا، پھر فرمادے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ راہ سے گمراہ ہو گئے تھے۔ وہ عرض کریں گے کہ معاذ اللہ! ہماری کیا مجال تھی کہ ہم آپ کے سوا اور کارسازوں کو تجویز کریں۔ ولیکن آپ نے ان کو اور ان کے بڑوں کو آسودگی دی یہاں تک کہ یاد کو بھلا بیٹھے اور یہ لوگ خود ہی برباد ہوئے، لو تمہارے ان معبودوں نے تو تم کو تمہاری باتوں میں جھوٹا ٹھیرا دیا سو تم نہ خود ٹال سکتے ہو اور نہ مدد دیئے جا سکتے ہو اور جو تم میں ظالم ہوگا، ہم اُس کو بڑا عذاب چکھائیں گے۔

ربط: اوپر والی آیتوں کی تمہید میں گذر چکا۔

رسالت کے انکار کی علت اور قیامت کے دن کے بعض حالات اور ہولنا کیوں کا بیان:

(ان کافروں کے مذکورہ شبہات کا سبب یہ نہیں ہے کہ انہیں حق کی طلب اور فکر ہوئی اور اس دوران تحقیق کی وجہ سے ایسے شبہات پیدا ہو گئے ہوں) بلکہ (اعتراضات کی وجہ محض شرارت اور حق کی طلب سے بے فکری ہے اور اس بے فکری اور شرارت کا سبب یہ ہے کہ) یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں اس لئے غور و فکر نہیں کرتے اور جو جی میں آتا ہے کر لیتے ہیں، بک دیتے ہیں) اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ) ہم نے ایسے شخص (کی سزا) کے لئے جو کہ قیامت کو جھوٹ سمجھے دوزخ تیار کر رکھی ہے (کیونکہ قیامت کو جھٹلانے سے اللہ اور رسول کا جھٹلانا لازم آتا ہے جو جہنم میں جانے کا اصل سبب ہے اور اس جہنم کی یہ کیفیت ہوگی کہ) وہ (جہنم) انہیں دور سے دیکھے گی تو (دیکھتے ہی غضب ناک ہو کر اس قدر جوش مارے گی کہ) وہ لوگ (دور ہی سے) اس کا جوش وخروش سنیں گے اور (پھر) جب وہ اس (جہنم) کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں موت ہی موت پکاریں گے (جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے کہ مصیبت میں موت کو پکارتے اور اس کی تمنا کرتے ہیں، اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ) ایک موت کو مت پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو (کیونکہ موت کو پکارنے کی علت مصیبت ہے اور مصیبت کی کوئی انتہا نہیں ہے، اور ہر مصیبت کا تقاضا موت کو پکارنا ہے، تو پکارنا بھی بہت زیادہ ہوا اور اسی کثرت کو موت کی کثرت کہا گیا، پھر خود پکارنے پکارنے میں حقیقی فرق ہے اور موت موت میں فرق اعتباری کا ہے) آپ (انہیں یہ مصیبت سنا کر) کہئے کہ (یہ بتاؤ کہ) کیا یہ (مصیبت کی) حالت اچھی ہے؟ (جو کہ تمہارے کفر اور انکار کا تقاضا ہے) یا وہ ہمیشہ کے رہنے کی جنت (اچھی ہے) جس کا اللہ سے ڈرنے والوں (یعنی ایمان والوں) سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کے لئے (ان کی اطاعت) کا بدلہ ہے اور ان کا (آخری) ٹھکانا ہے (اور) انہیں وہاں وہ سب چیزیں ملیں گی جو کچھ وہ چاہیں گے (اور) وہ (اس میں) ہمیشہ رہیں گے (اے پیغمبر!) یہ ایک وعدہ ہے جو (فضل اور عنایت کے طور پر) آپ کے رب کے ذمہ ہے اور درخواست کے قابل ہے (اور ظاہر ہے کہ جنت میں ہمیشہ کا داخلہ ہی

بہتر ہے تو اس میں ڈرانے کے بعد ایمان کی ترغیب ہوگئی) اور (انہیں وہ دن یاد دلایئے کہ) جس دن اللہ تعالیٰ ان (کافر) لوگوں کو اور جن کو وہ لوگ اللہ کے سوا پوجتے تھے (جن سے گمراہ کرنے کا عمل صادر نہیں ہوا، چاہے وہ صرف بت مراد ہوں یا فرشتے وغیرہ بھی) ان (سب) کو جمع کرے گا پھر (ان معبودوں سے ان عابدوں کی ملامت کے لئے) فرمائے گا، کیا میرے ان بندوں کو (حق کے راستہ سے) تم نے گمراہ کیا تھا، یا یہ (خود ہی) (حق کے) راستہ سے گمراہ ہو گئے تھے (مطلب یہ کہ انہوں نے تمہاری عبادت جو کہ اصل میں گمراہی ہے تمہارے حکم اور رضا سے کی تھی جیسا کہ ان لوگوں کا زعم تھا کہ یہ معبود خوش ہوتے ہیں اور خوش ہو کر اللہ تعالیٰ سے شفاعت کریں گے یا اپنی فاسد رائے سے گھڑ لئے تھے؟) وہ (معبود) عرض کریں گے کہ معاذ اللہ معاذ اللہ! ہماری کیا مجال تھی کہ ہم آپ کے سوا کسی اور کو (اپنے عقیدہ میں) مددگار تجویز کریں (عام اس سے کہ وہ مددگار ہم ہوں یا ہمارے سوا کوئی اور ہو۔ مطلب یہ کہ جب ہم معبود ہونے کو آپ میں منحصر سمجھتے ہیں تو ہم شرک کرنے کا انہیں حکم کیسے دیتے؟ یا اس پر رضامندی کیوں ظاہر کرتے؟) لیکن (یہ خود ہی گمراہ ہوئے اور گمراہ بھی ایسے نامعقول طریقہ سے ہوئے کہ انھوں نے شکر کے اسباب کو کفر کے اسباب بنایا۔ چنانچہ) آپ نے (تو) ان کو اور ان کے بڑوں کو (خوب) خوش حالی دی (جس کا تقاضا یہ تھا کہ نعمت دینے والے کو پہچانتے اور اس کا شکر و اطاعت کرتے، مگر یہ لوگ شہوتوں، لذتوں اور خواہشوں میں) یہاں تک (مشغول ہوئے) کہ (آپ کی) یاد (ہی) کو بھلا بیٹھے اور یہ لوگ خود ہی برباد ہوئے (جواب کا مطلب ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں ﴿ضَلُّوا السَّبِيْلَ﴾ یعنی "گمراہ ہو جانے" کی صورت کو اختیار کیا، اور گمراہی کی برائی و رسوائی کو فائدہ پہنچانے سے مؤکد کیا، تا کہ ان عابدوں کی خوب ناراضی ظاہر ہو جائے، اس وقت اللہ تعالیٰ ان عابدوں کو ملامت کے اظہار کے لئے جو مذکورہ رسول کا اصل مقصود ہے فرمائے گا) لو تمہارے ان معبودوں نے تو تمہیں تمہاری (سب) باتوں میں جھوٹا (ہی) ٹھہرا دیا (اور انھوں نے بھی تمہارا ساتھ نہ دیا، اور جرم پوری طرح قائم ہو گیا) تو (اب) تم نہ تو خود (اپنے اوپر سے عذاب کو) ٹال سکتے ہو اور نہ ہی (کسی دوسرے کی طرف سے) تمہاری مدد کی جاسکتی ہے (یہاں تک کہ جن پر پورا بھروسہ تھا، وہ بھی صاف جواب دے رہے ہیں اور تمہاری کھلی مخالفت کر رہے ہیں) اور تم میں جو (جو) ظالم (یعنی مشرک ہوگا) ہم اس کو بڑا عذاب چکھائیں گے (اور اگرچہ اس وقت مخاطب مشرک ہی ہوں گے، مگر اس طرح فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ ظلم کا تقاضا عذاب ہونے کا بیان فرمانا مقصود ہے)

فائدہ: ﴿اِذَا رَاَتْهُمْ﴾ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم خود دیکھے گی اور بظاہر دوسری نصوں سے بھی اس میں ادراک یعنی احساس و شعور کا وجود معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ﴿وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ یعنی "وہ کہے گی کیا اور ہیں" اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شكت النار إلى ربها: یعنی "آگ اپنے رب سے شکایت کرے گی" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ اور روح میں الطبرانی سے مرفوع کے طور پر نقل کیا ہے: صحابہ نے عرض کیا: يا رسول الله هل لجهنم عين: یعنی اے اللہ کے رسول! کیا جہنم کی آنکھ ہے؟ قال نعم، أما سمعتم الله تعالى يقول إذا رأتهم من مكان

بعید فھل تریھم الاعینین یعنی'' آپ نے فرمایا! ہاں، کیا تم نے سنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب وہ ان کو دور سے دیکھے گی تو کیا وہ انہیں دو آنکھوں کے بغیر دیکھے گی؟''

﴿ اِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا ﴾ سے بظاہر جہنم کا تنگ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور حدیثوں میں اس کا بے انتہا وسیع ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن غور وفکر سے حقیقت ظاہر ہے کہ خود جہنم کو تنگ نہیں فرمایا بلکہ اس کے وسیع ہونے کے باوجود جس خاص خاص جگہ پر ہر جہنمی رہے گا، وہ جگہ خوب تنگ ہوگی جیسے جیل خانہ بہت بڑا ہو مگر ہر قیدی کے لئے الگ الگ تنگ کوٹھری ہو جیسا کہ روح میں ابن ابی حاتم سے مرفوعاً اس کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے: انھم لیستکرھون فی النار کما یستکرہ الوتد فی الحائط: یعنی وہ لوگ آگ میں ایسی ناگواری وتنگی محسوس کریں گے جیسے دیوار میں کیل تنگی محسوس کرتی ہے''

اور ﴿ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ﴾ میں لفظ ما کے عموم میں وہ چیزیں داخل نہیں جو ناممکن یا ممنوع ہیں، اس لئے کہ ان ناممکن چیزوں کے ساتھ اللہ کی مشیت متعلق ہی نہ ہوگی جیسے کافروں کی مغفرت اور معبودوں وغیرہ کے بولنے سے متعلق سورۂ یونس آیت ۲۸ ﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ ﴾ کی تفسیر میں فائدہ کے تحت تحقیق گذر چکی ہے۔ ملاحظہ کر لی جائے اور ﴿ مَا يَعْبُدُوْنَ ﴾ کے ترجمہ کی وضاحت میں گمراہی صادر نہ ہونے کی قید اس لئے لگائی کہ یہ مضمون شیطانوں کے لئے عام نہیں ہے۔

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ؕ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴾ ع

ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔ اور ہم نے تم میں ایک کو دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھ رہا ہے۔

ربط: آیت ۴ ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ الخ کے فائدہ میں ربط کا بیان گذر چکا ہے۔

نبی کے کھانے اور چلنے پھرنے کے شبہ کا تفصیلی جواب مع تسلی:

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے (مطلب یہ کہ نبوت اور کھانا کھانا وغیرہ ایک دوسرے کی ضد نہیں۔ چنانچہ جن کی نبوت دلیلوں سے ثابت ہے، چاہے اعتراض کرنے والے تسلیم نہ کریں، سب یہ کام کرتے تھے لہٰذا آپ پر بھی یہ اعتراض غلط ہے) اور (اے رسول!) اور اے رسول کی اتباع کرنے والو! ان کافروں کی ان بیہودہ باتوں سے رنجیدہ مت ہو، کیونکہ ہم نے تم (سب مکلف لوگوں) کو ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے (چنانچہ اس مستقل عادت کے مطابق نبیوں کو ایسی حالت پر بنایا کہ امت کی آزمائش ہو کہ ان

کے انسانی حالات پر نظر کر کے کون جھٹلاتا ہے اور ان کے نبوت کے کمالات پر نظر کر کے کون تصدیق کرتا ہے تو جب یہ بات معلوم ہوگئی تو) کیا تم (اب بھی) صبر کرو گے؟ (یعنی تمہیں صبر کرنا چاہئے) اور (یہ بات یقینی ہے کہ) آپ کا رب اچھی طرح دیکھ رہا ہے (تو جس وقت کا وعدہ کیا گیا ہے اس وقت پر انہیں سزا دیدے گا، پھر آپ کیوں فکر اور رنج وغم میں مبتلا ہوں)

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَىِٕذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ہمارے سامنے پیش ہونے سے اندیشہ نہیں کرتے وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے؟ یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں، اور یہ لوگ حد سے بہت دور نکل گئے ہیں۔ جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اُس روز مجرموں کے لئے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی۔ اور کہیں گے کہ پناہ ہے پناہ ہے۔

ربط: اوپر رسالت سے متعلق کافروں کے کچھ اعتراضوں کے جوابوں کا ذکر تھا۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ ﴿ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ﴾ جس کا حاصل یہ تھا کہ ہم سے فرشتے یا خود اللہ تعالیٰ سامنے آکر کہہ دیں کہ محمد ﷺ رسول ہیں، جیسا کہ الدر المنثور کی روایت کے مطابق ابن جریج نے تفسیر کی ہے۔ اب اس کا بیان اور اس کا جواب ہے اور اس اعتراض کا مضمون تیسرے اعتراض کے ساتھ مقصود میں متحد ہے ﴿ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ ﴾ اور اس کے مقابلہ میں اس میں یہ فرق ہے کہ وہاں ایک فرشتہ کی بات تھی یہاں ملائکہ جمع ہے اور وہاں صرف فرشتہ کے نازل ہونے کی بات تھی یہاں رب کو دیکھنا بھی شامل ہے۔ اور اس کے دوسرے جز ﴿ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا ﴾ الخ میں تفصیل کے ساتھ اور پہلے جزء میں مختلف انداز میں اور ﴿ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ ﴾ میں تفصیل کے ساتھ رد کیا گیا ہے۔ اور پہلے جز کے مختصر اور تفصیلی جواب میں تیسرے اعتراض کے فرشتہ کے نازل ہونے کے جز کا تفصیلی جواب بھی ہو جائے گا، جیسا کہ پہلے آیت ﴿ اُنْظُرْ ﴾ میں مختصر انداز میں ہو چکا تھا۔ چنانچہ آیت ۳۴ پر فائدہ میں اس مضمون کا وعدہ اور حوالہ بھی لکھا گیا ہے۔

پانچویں اعتراض کا بیان اور اس کا رد مع تیسرے اعتراض کے اجزاء میں سے فرشتہ کے نازل ہونے کے شبہ کا تفصیلی جواب:

اور جو لوگ ہمارے سامنے پیش ہونے سے اندیشہ نہیں کرتے (اس وجہ سے کہ اس کے منکر ہیں) وہ (رسالت کے

انکار کے لئے) یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے؟ (کہ اگر ہم سے کہیں کہ یہ رسول ہیں) یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں (اور وہ ہم سے کہہ دے کہ واقعی یہ رسول ہیں، تب ہم تصدیق کریں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ) یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں (کہ خود فرشتوں کے اترنے کا محل یا اللہ کے بات کرنے کے لائق سمجھتے ہیں) اور (خاص طور سے اللہ کو دیکھنے اور اس سے بات چیت کرنے کی فرمائش میں تو) یہ لوگ (انسانیت کی) حد سے بہت (ہی) دور نکل گئے ہیں (کیونکہ فرشتوں اور انسانوں میں تو کسی حد تک چاہے بہت دور کی ہی سہی شرکت بھی ہے، اللہ تعالیٰ سے تو کوئی شرکت ہی نہیں اور خیر اللہ کو دیکھنے کے لائق تو کیا ہوتے، البتہ ایک دن انہیں فرشتے نظر آجائیں گے مگر اس طرح نہیں جیسے یہ چاہتے ہیں بلکہ مصیبت اور پریشانی کے ساتھ) چنانچہ جس دن یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے (اور وہ قیامت کا دن ہے) اس دن مجرموں (یعنی کافروں) کے لئے کوئی خوشی کی بات (نصیب) نہ ہوگی اور (جب فرشتوں کو عذاب کے سامان کے ساتھ آتا ہوا دیکھیں گے تو گھبرا کر) پناہ ہی پناہ پکاریں گے۔

فائدہ: ﴿لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا﴾ کا حاصل یہ ہوا کہ جس کو دیکھنے کی بات ہے اس کی جانب سے تو نازل ہونے یا دکھائی دینے میں کوئی امر رکاوٹ نہیں۔ چنانچہ نبیوں کے پاس فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ایک دن سارے مؤمن انہیں دیکھ لیں گے۔ لیکن دیکھنے والے میں خاص رکاوٹ ہے یعنی لیاقت کا نہ ہونا، اور اگر اس رکاوٹ کو دور کرنے والا امر نہیں ہوا تو پھر ایسی درخواست کرنا اعلیٰ درجہ کا تکبر ہے۔ اور جہاں نازل ہونا اور دکھائی دینا واقع ہوتا ہے وہاں اس رکاوٹ کا دور کرنے والا یعنی اللہ کا فضل پایا جاتا ہے۔ لہٰذا ذاتی امکان کے باوجود ان کافروں کے حق میں یہ امور دوسرے کے لحاظ سے ناممکن ہیں۔ اور ﴿يَوْمَ يَرَوْنَ﴾ الخ کا حاصل یہ ہوا کہ تمہاری کفر و عناد کی موجودہ حالت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اگر فرشتے تم سے ملیں تو اس طرح ملیں۔ چنانچہ جس دن ملیں گے اس طرح ملیں گے۔ لہٰذا دنیا میں جو تم اس کی درخواست کر رہے ہو تو گویا اس مصیبت کی درخواست کر رہے ہو کہ اگر یہاں ایسا ہو تو تمنا کے بجائے ان سے پناہ مانگنے لگو، پھر بے کار ہی ایسی چیز طلب کرتے ہو۔

﴿ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ٍۨ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۝ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم اُن کے اُن کاموں کی طرف جو کہ وہ کر چکے تھے متوجہ ہونگے، سواُن کو ایسا کر کے ریں گے جیسے پریشان غبار اہل جنت اُس روز قیام گاہ میں بھی اچھے رہیں گے اور آرام گاہ میں بھی خوب اچھے ہوں گے۔ اور جس روز آسمان ایک بدلی پر سے پھٹ جاوے گا اور فرشتے بکثرت اُتارے جاویں گے، اُس روز حقیقی حکومت رحمان کی ہوگی۔ اور وہ کافروں پر بڑا سخت دن ہوگا، اور جس روز ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھاوے گا، کہے گا کیا اچھا ہوتا میں رسول کے ساتھ راہ پر لگ لیتا، ہائے میری شامت کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا۔ اُس نے مجھ کو نصیحت آئے پیچھے اُس سے بہکا دیا۔ اور شیطان تو انسان کو امداد کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے اور رسول کہیں گے کہ اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔

ربط: اوپر فرشتوں کے نازل ہونے اور دکھائی دینے کے دن کا اور اس دن کے بعض واقعات کا ذکر تھا۔ اب اسی مناسبت سے اس ہولناک دن کی تصدیق کرنے والوں اور جھٹلانے والوں سے متعلق دوسرے واقعات کا بیان ہے۔ جیسا کہ آیت ۱ ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِىْ ﴾ الخ کی تمہید میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

تصدیق کرنے والوں اور جھٹلانے والوں کے قیامت میں کچھ واقعات کا بیان:

اور ہم (اس دن) ان کے (یعنی کافروں کے) ان (نیک) کاموں کی طرف جو کہ وہ (دنیا میں) کر چکے تھے متوجہ ہوں گے تو ان کو (علانیہ طور پر) ایسا (بے کار) کر دیں گے جیسے اڑتا ہوا غبار (کہ کسی کام میں نہیں آتا۔ اسی طرح ان کافروں کے اعمال پر کچھ ثواب نہ ہوگا، البتہ) اہل جنت اس دن قیام گاہ میں بھی اچھے رہیں گے۔ اور آرام گاہ میں بھی خوب اچھے ہوں گے (مستقر یعنی قیام گاہ اور مقیل یعنی آرام گاہ سے جنت مراد ہے، یعنی جنت ان کے لئے قیام گاہ اور آرام گاہ ہوگی۔ اور اس کا اچھا ہونا ظاہر ہے اور جس دن آسمان ایک بدلی پر سے پھٹ جائے گا (اور اس بدلی کے ساتھ آسمان سے) فرشتے (زمین پر) کثرت سے اتارے جائیں گے (اور اسی وقت حق تعالیٰ حساب و کتاب کے لئے تجلی فرمائیں گے اور) اس دن حقیقی حکومت (حضرت) رحمٰن (ہی) کی ہوگی (یعنی حساب و کتاب اور جزا و سزا میں کسی کو دخل نہ ہوگا جیسا کہ دنیا میں تھوڑا بہت ظاہری تصرف دوسروں کے لئے بھی حاصل ہوتا ہے) اور وہ (دن) کافروں پر بڑا سخت دن ہوگا (کیونکہ ان کے حساب کا انجام جہنم ہی ہے) اور جس دن ظالم (یعنی کافر انتہائی حسرت کے ساتھ) اپنے ہاتھ کاٹ کھاتا ہوگا (اور) کہے گا کیا اچھا ہوتا میں رسول کے ساتھ (دین کی) راہ پر لگ لیتا۔ ہائے میری شامت! (کہ ایسا نہ کیا اور) کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا۔ اس (کمبخت) نے مجھے نصیحت آنے کے بعد اس سے بہکا دیا (اور ہٹا دیا) اور شیطان تو انسان کو (عین وقت پر) امداد کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے (چنانچہ اس کافر کی اس حسرت کے وقت اس

نے کوئی ہمدردی نہ کی۔ اگرچہ کرنے سے بھی کچھ نہ ہوتا، صرف دنیا ہی میں بہکانے کو تھا) اور (اس دن) رسول (ﷺ حق تعالیٰ سے کافروں کی شکایت کے طور پر) کہیں گے کہ اے میرے پروردگار! میری (اس قوم) نے اس قرآن کو (جس پر عمل کرنا واجب تھا) بالکل نظرانداز کر رکھا تھا (اور عمل تو دور کی بات اس کی طرف دھیان ہی نہ دیتے تھے۔ مطلب یہ کہ خود کافر بھی اپنی گمراہی کا اقرار کریں گے اور رسول بھی شہادت دیں گے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ وَجِئۡنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيۡدًا ﴾ اور جرم کے ثبوت کی عام طور سے یہی دو صورتیں ہوتی ہیں، اقرار اور شہادت اور ان دونوں کے جمع ہونے سے اس ثبوت کی اور بھی زیادہ تاکید ہوجائے گی۔ اور سزا پائیں گے)

فائدہ: اس بدلی کا ذکر سورۃ البقرہ آیت ۲۱۰ ﴿ هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّآ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمُ ﴾ الخ کی تفسیر کے ذیل میں گذر چکا ہے کہ یہ ابر سائبان کی شکل میں آسمان سے آئے گا، اور اس میں حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی اور اس کے آس پاس فرشتے ہوں گے۔ یہ حساب شروع ہونے کا وقت ہوگا اور اس وقت آسمان کا پھٹنا صرف کھلنے کے طور پر ہوگا یہ وہ پھٹنا ہوگا جو پہلی بار صور کے پھونکے جانے کے وقت اس کو فنا کرنے کے لئے ہوگا، کیونکہ بادل کے نازل ہونے کا وقت دوسری بار صور پھونکے جانے کے وقت ہے، جس وقت سب زمین و آسمان دوبارہ درست ہوجائے گی۔

اور آیت ﴿ يَوۡمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ ﴾ الخ میں ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے جو درمنثور میں مختلف الفاظ سے روایت کیا گیا ہے، ان سب کا حاصل یہ ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے ایک بار ایک مجلس میں دعوت میں جناب رسول اللہ ﷺ کو بلایا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک تو اسلام قبول نہ کرے گا میں تیری دعوت نہ مانوں گا، اس نے کلمہ پڑھ لیا تب آپ دعوت میں شریک ہوگئے۔ یہ خبر ابی بن خلف کو پہنچی جو کہ اس کا دوست تھا۔ اس نے عقبہ کو ملامت کی تو اس نے جواب دیا کہ میں نے مصلحت کے تحت ان کی خاطر سے بظاہر کلمہ پڑھ لیا تھا دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ غرض وہ کافر ہی رہا، اس طرح قیامت میں اس کو اس کی حسرت ہوگی اور اگرچہ یوں بھی اس نے کلمہ دل سے نہ پڑھا تھا، مگر اس کی دوستی کا یہ دخل رہا کہ اس کا کلمہ پڑھنا اس کے مزاج کی نرمی پر دلالت کرتا ہے۔ اگر ابی بن خلف سے دوستی نہ ہوتی تو شاید اس ظاہری اثر سے باطنی اثر بھی ہوجاتا مگر دوستی کی بدولت اور بھی زیادہ دوری اور ہمیشہ کی محرومی ہوگئی، اور ﴿ جَآءَنِيۡ ﴾ سے یہ لازم نہیں آیا کہ اس نے دل سے دین اسلام کو قبول کرلیا تھا، کیونکہ آنے والا اس سے عام ہے اور حسرت میں اس کو یہ دخل ہے کہ آنے والا ہدایت کے اسباب میں سے ہے، تو ذکر کی جانب سے فاعلیت اور متکلم یعنی بولنے والے کی جانب سے ایک طرح کی قابلیت کا واقع ہونا ایک لحاظ سے حق سے قریب ہونا ہے اور اس قرب کے بعد پھر دوری ہوگئی اور شیطان کی رسوائی کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ اس رکاوٹ کا اثر شیطان ہی کے بہکاوے سے ہوا اور بعض مفسرین کا یہ قول ہے کہ ظالم سے مطلق کافر اور ﴿ كَانَ الشَّيۡطٰنُ ﴾ الخ کے قرینہ سے ''فلانا'' سے شیطان مراد ہے اور تفسیر ظاہر ہے۔

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۚ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا ﴾

ترجمہ: اور ہم اسی طرح مجرم لوگوں میں سے ہر نبی کے دشمن بناتے رہے ہیں۔ اور ہدایت کرنے اور مدد کرنے کو آپ کا رب کافی ہے۔

ربط: اوپر کافروں کے رسالت سے متعلق کئی اعتراضوں اور آگے آنے والے اعتراضوں سے بھی ان کی رسول اللہ ﷺ سے عداوت معلوم ہوتی ہے، اب آپ کی تسلی فرماتے ہیں کہ اس عداوت سے رنجیدہ نہ ہوں۔

کافروں کی عداوت کے سلسلہ میں رسول اللہ کی تسلی:

اور ہم اسی طرح (یعنی جس طرح یہ لوگ آپ سے دشمنی کرتے ہیں) مجرم لوگوں میں سے ہر نبی کے دشمن بناتے رہے ہیں (یعنی یہ پرانا طریقہ ہے کہ کافر لوگ نبیوں کے ساتھ دشمنی کرتے رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جس کا غم کیا جائے) اور (جس کو ہدایت دینا منظور ہو، اس کی) ہدایت کرنے اور (جو ہدایت سے محروم رہے، اس کے مقابلہ میں آپ کی مدد کرنے کے لئے آپ کا رب کافی ہے (یعنی غم کے دو سبب ہو سکتے ہیں ایک ان کا گمراہ رہنا، دوسرا ان کا اذیت پہنچانے کے پیچھے پڑنا، تو اللہ ہدایت کے لئے بھی کافی ہے اگر حکمت کا تقاضا ہوگا تو ہدایت کی توفیق دیدے گا جب ہدایت نہیں ہوتی اس میں حکمت ہوتی ہے اور اذیت کو دور کرنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کافی ہے اگر کچھ وقت تک دور نہ کرے تو اس میں حکمت ہوگی۔ غرض یہ کہ نہ اس کی وجہ سے غم کیجئے نہ اس کی وجہ سے)

فائدہ: اگر ﴿لِكُلِّ نَبِيٍّ﴾ سے عام طور سے سبھی نبی مراد ہوں تو ﴿عَدُوًّا﴾ سے بھی عام انسان اور جن مراد ہوں گے آدم علیہ السلام کے دشمن ابلیس اور قابیل ہیں اور لفظ عدو واحد اور جمع سب کے لئے استعمال ہوتا ہے اور لفظ کل سے کثرت مراد ہو تو اس کی ضرورت نہیں یعنی اکثر نبیوں کے لئے ایسا ہوا ہے اور تسلی کے لئے یہ بھی کافی ہے۔ اور اگر نبی سے مراد خاص وہ نبی لئے جائیں جن کی بعثت سے زیادہ مقصود آخرت کی فلاح ہے تو لفظ کل اپنے عموم پر رہے گا اور آدم علیہ السلام کے لئے مذکورہ توجیہ کی ضرورت نہ ہوگی، کیونکہ نبیوں کی بعثت سے غالب یا برابر کا مقصود روزگار کی ضرورتوں کی تعلیم ہے۔ اسی بنا پر حدیث میں نوح علیہ السلام کے بارے میں لفظ اول الرسل یعنی پہلا رسول آیا ہے یعنی پہلی قسم میں وہ پہلے رسول ہیں نہ کہ مطلق رسولوں میں پہلے۔

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴾

ترجمہ: اور کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر یہ قرآن دفعۃً واحدۃً کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ اس طرح اس لئے ہے

تا کہ ہم اس کے ذریعہ سے آپ کے دل کو قوی رکھیں اور ہم نے اس کو بہت ٹھہر ٹھہر اکر اُتارا ہے۔

ربط: اوپر کافروں کے پانچ اعتراض مع ان کے رد کے بیان کئے گئے تھے۔ بعض اعتراضوں کا بیان اب ہے۔

چھٹے اعتراض کا بیان مع اس کے رد کے:

اور کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان (رسول) پر یہ قرآن ایک ہی بار میں کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ (اعتراض سے مقصود یہ ہے کہ اگر اللہ کا کلام ہوتا تو آہستہ آہستہ نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس سے تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ محمد ﷺ خود سوچ سوچ کر تھوڑا تھوڑا بنا لیتے ہیں۔ آگے اس اعتراض کا جواب ہے کہ) اس طرح (تھوڑا تھوڑا ہم نے اس لئے (نازل کیا) ہے تا کہ ہم اس کے ذریعہ آپ کے دل کو قوی رکھیں اور ہم نے (اسی لئے) اس کو بہت رک رک کر اتارا ہے (چنانچہ تئیس سال کی مدت میں پورا ہوا تا کہ آہستہ آہستہ نازل کرنے کا پورا فائدہ ہو)

فائدہ: آہستہ آہستہ نازل کرنے کا فائدہ اسی میں محدود نہیں ہے چنانچہ بعض فائدے سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۰۶ ﴿ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ ﴾ الخ میں بیان ہوئے ہیں جو ترجمہ سے ظاہر ہو سکتے ہیں اور ایک فائدہ کا اس جگہ بیان ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے دل کی چند طریقوں سے تقویت ہے۔

اول: یاد رہنے میں آسانی، ورنہ بڑی اور موٹی کتاب کا یاد رکھنا جب کہ بغیر لکھی ہوئی ہو، عام طور سے مشکل ہے، اور اس کو دیکھ کر طبیعت کا پریشان ہو جانا طبعی امر ہے اور آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا سامنے آنے سے دل قوی رہتا ہے۔

دوسرے: جب کافر لوگ کوئی اعتراض یا ناگوار معاملہ پیش کرتے اسی وقت آپ کے لئے آیت نازل ہو جاتی، اس میں دل کی زیادہ تقویت ہوتی ہے، اس کے مقابلہ میں کہ آدمی کے پاس ایک کتاب ہو اور ضرورت پڑنے پر اس میں سے مضمون تلاش کر کے کام میں لائے۔

تیسرے: بار بار اللہ کا پیغام آنے میں اللہ کے ساتھ ہونے کی تازہ شہادت ہے، جو دل کی قوت کا مدار اعظم ہے وغیرہ، اور آپ کے بعد امت کے لئے پہلا فائدہ تو لکھا ہوا ہونے کی وجہ سے حاصل کرنا آسان ہو گیا اور دوسرا و تیسرا فائدہ کامل محبوب ہونے کی خصوصیتوں میں سے ہے، جو کہ نبوت کی خصوصیتوں میں سے ہے، اس لئے اس میں امت کا شریک ہونا ضروری نہیں، اور آہستہ آہستہ نازل ہونے کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ مثال کے طور پر ایک ایک رکوع روزانہ نازل کر کے دو تین سال میں پورا کر دیا جاتا، لیکن اس میں دل کی تقویت کے بعض طریقے پوری طرح حاصل نہ ہوتے جیسا کہ دوسرا اور تیسرا فائدہ۔ کیونکہ اعتراضات آپ کی زندگی کے آخری وقت تک ہوتے رہے اور ساتھ رہنے کی شہادت میں ساری عمر مصلحت رہی، اس لئے تئیس برس میں نازل کیا گیا۔ ﴿ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴾ کے یہ معنی صاحب کشاف نے لکھے ہیں، اور اس سے ﴿ رَتَّلْنٰهُ ﴾ کے بڑھانے کا فائدہ بھی معلوم ہو گیا۔

﴿ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَٰكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ کیسا ہی عجیب سوال آپ کے پاس پیش کریں مگر ہم ٹھیک جواب اور وضاحت میں بڑھا ہوا آپ کو عنایت کردیتے ہیں۔

ربط: اوپر کئی اعتراضوں کے اطمینان بخش جوابوں کا بیان ہوا ہے۔ اب ان جوابوں کی تعریف فرماتے ہیں۔

شبہات مذکورہ کے دیئے ہوئے جوابوں کی تعریف:

اور یہ لوگ آپ کے سامنے کیسا ہی عجیب سوال پیش کریں، مگر ہم (اس کا) ٹھیک جواب اور وضاحت میں (بھی) بڑھا ہوا آپ کو عنایت کردیتے ہیں (تاکہ آپ اس سوال کا ٹھوس جواب دیدیں اور شبہ کو دور فرمادیں)

فائدہ: جواب کی دو خوبیاں ہیں: ایک ذاتی کہ اپنے آپ میں شبہ کے مادہ کو ختم کرنے والا ہو اور دوسری اضافی کہ اپنی وضاحت کی وجہ سے اس کا سمجھنا آسان ہو۔ ﴿ بِالْحَقِّ ﴾ میں پہلی خوبی اور ﴿ أَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴾ میں دوسری خوبی کی طرف اشارہ ہے، اور اس آیت میں دل کو مضبوط رکھنے کے فائدہ کا بھی بیان ہے جس کا اوپر والی آیت میں بیان کئے گئے دوسرے طریقہ کی تفصیل ذکر ہے، اس لئے یہ بھی ربط کی وجہ ہوسکتی ہے۔

﴿ الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴾ ع ۳

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے موہوں کے بل جہنم کی طرف لے جائے جاویں گے۔ یہ لوگ جگہ میں بھی بدتر ہیں اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہیں۔

ربط: اوپر اعتراض کا قولی جواب تھا۔ اب فعلی جواب ہے یعنی اس پر جو سزا ہوگی اس کا بیان ہے۔

گمراہی کی سزا:

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے منہ کے بل جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے (چاہے اس طرح کہ منہ کے بل چل سکیں یا اس طرح کہ گھسیٹے جائیں) یہ لوگ جگہ میں بھی بدتر ہیں اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہیں۔

فائدہ: جگہ سے مراد جہنم اور طریقہ سے مراد مذہب و مسلک ہیں، اور یہ سزا مناسب اس لئے ہے کہ اعتراضات اوندھی عقل کے ذریعہ تھے اس لئے سزا اوندھے بدن سے ہوئے۔

﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا ۝ فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ﴾

ترجمہ: اور تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، اور ہم نے اُن کے ساتھ اُن کے بھائی ہارون کو معین بنایا تھا۔ پھر ہم نے حکم دیا کہ دونوں آدمی اُن لوگوں کے پاس جاؤ جنھوں نے ہماری دلیلوں کو جھٹلایا ہے، سو ہم نے اُن کو بالکل ہی غارت کر دیا۔

ربط: اوپر توحید اور رسالت کے انکار پر وعید تھی، اس کی تائید کے لئے آگے گزشتہ منکروں کے کچھ قصے مع ان کے وبال اور عذاب کے بیان کئے گئے ہیں تاکہ وعید کی تحقیق بھی ہو اور عبرت بھی ہو۔ جیسا کہ آیت ﴿ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ ﴾ میں ﴿ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ﴾ اس پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتا ہے کہ عبرت حاصل نہ کرنے پر مذمت کی گئی اور اوپر ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ ﴾ الخ میں آپ کے لئے تسلی تھی۔ ان قصوں میں اس مضمون کی بھی تائید ہے کہ دیکھئے مجرم لوگ اس طرح نبیوں کے دشمن ہوئے ہیں، تاکہ خوب تسلی ہو جائے اور اوپر ﴿ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴾ میں مدد و نصرت کی بشارت ہے۔ ان قصوں میں اس کی بھی تاکید ہے کہ دیکھئے اس طرح نبیوں کی نصرت کی گئی۔ اور اوپر ﴿ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ ﴾ فرمایا تھا۔ ان قصوں کے ذریعہ بھی دل کو قوی و مضبوط کیا گیا ہے جیسا کہ دوسری جگہ تصریح ہے ﴿ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ﴾ ربط کی ان سب وجہوں کا الگ الگ یا اجتماعی طور پر احتمال ہے اور یہ چند قصے ہیں۔

پہلا قصہ موسیٰ علیہ السلام کا ان کی قوم کے ساتھ:

اور تحقیق ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (یعنی توریت دی تھی (یعنی وہ بہت جلیل القدر صاحب کتاب نبی تھے) اور (یہ کتاب دینے سے پہلے) ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو (ان کا) مددگار بنا دیا تھا پھر (اس مددگار بنانے کے ساتھ ہی) ہم نے (دونوں کو) حکم دیا کہ تم دونوں، ان لوگوں کے پاس (ہدایت کرنے کے لئے) جاؤ جنھوں نے ہماری (توحید کی) دلیلوں کو جھٹلایا ہے (اس قوم یا ان لوگوں سے فرعون اور اس کی قوم مراد ہے۔ چنانچہ وہ ہمارا حکم لے کر وہاں پہنچے اور سمجھایا مگر انھوں نے نہ مانا) تو ہم نے انہیں (اپنے قہر سے) بالکل ہی غارت کر دیا (چنانچہ ان کا غرق کیا جانا مشہور ہے اور قرآن میں بھی اس کا ذکر ہے)

فائدہ: ﴿ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ میں توحید کی دلیلوں سے یا تو عقلی دلیلیں مراد ہیں اور ظاہر ہے کہ ان دلیلوں کو سمجھ جانے کے بعد توحید کا انکار لازمی طور پر سزا کے قابل ہے۔ اور یا نقلی دلیلیں مراد ہیں جو گزشتہ نبیوں سے نقل ہوتی ہوئی ان لوگوں تک پہنچی ہوں گی، تو ان کے انکار کا مذمت کے قابل ہونا ظاہر ہی ہے۔ چنانچہ آیت ﴿ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ سے نبیوں کی تعلیم کا ان تک نقل ہوتے ہوئے چلا آنا معلوم ہوتا ہے اور اگرچہ کتاب اسی جانے کے بعد ملی ہے، لیکن اس کا ذکر پہلے کرنے سے یہ فائدہ ہو سکتا ہے کہ ان کی شان کی بزرگی اور فرعون وغیرہ کے انکار کی مذمت معلوم ہو جائے کہ وہ ایسے نبی تھے جنھیں بعد میں کتاب بھی ملی، تو ان کی تعلیم پہلے ہی سے فطرت کی قوت کی وجہ سے بہت کامل اور

بہت بلیغ تھی۔ مگر پھر بھی ان لوگوں نے انکار کیا۔

﴿ وَقَوْمَ نُوحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً ۖ وَأَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور قوم نوح کو بھی ہم ہلاک کر چکے ہیں جب انھوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو غرق کر دیا اور ہم نے اُن لوگوں کے لئے ایک نشان بنادیا، اور ہم نے ظالموں کے لئے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔

دوسرا قصہ: نوح علیہ السلام کی قوم کا:

اور ہم نوح (علیہ السلام) کی قوم کو بھی (ان کے زمانہ میں) ہلاک کر چکے ہیں (جن کی ہلاکت اور ہلاکت کے سبب کا بیان یہ ہے کہ) جب انھوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہم نے (انہیں طوفان کے ذریعہ) غرق کر دیا اور ہم نے ان (کے واقعہ) کو لوگوں (کی عبرت) کے لئے ایک نشانی بنادیا (یہ تو ان کی دنیا میں سزا ہوئی) اور (آخرت میں) ہم نے (ان) ظالموں کے لئے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔

فائدہ: پیغمبروں کو جھٹلانا اس لئے کہا کہ دین کے اصول سارے پیغمبروں کے ایک ہیں جب ایک کو جھوٹا کہا تو اس کا مطلب ہے سب کو جھوٹا کہا یا یہ کہ نوح علیہ السلام سے پہلے جو نبی گذر چکے ہیں ان کی تعلیم بھی واسطہ سے ان تک پہنچی ہو اور انھوں نے اس کو بھی جھٹلایا ہو۔

﴿ وَعَادًا وَثَمُودَا وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَٰلِكَ كَثِيرًا ۝ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ ۖ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے عاد اور ثمود اور اصحاب الرس اور ان کے بیچ بیچ میں بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا۔ اور ہم نے ہر ایک کے واسطے عجیب عجیب مضامین بیان کئے اور ہم نے سب کو بالکل برباد ہی کر دیا۔

تیسرا چوتھا اور پانچواں قصہ عاد، ثمود و اصحاب الرس کا اور چھٹا مختصر قصہ دوسری امتوں کا:

اور ہم نے عاد، ثمود اور اصحاب الرس اور ان کے بیچ بیچ میں بہت سی امتوں کو ہلاک کیا اور ہم نے (مذکورہ امتوں میں سے) ہر ایک (کی ہدایت) کے واسطے عجیب عجیب (یعنی اثر دار اور عجیب) مضامین بیان کئے اور (جب نہ مانا تو) ہم نے سب کو ہلاک و برباد ہی کر دیا۔

فائدہ: رس لغت میں کنویں کو کہتے ہیں جیسا کہ القاموس میں ہے اور کچھ لوگ ثمود کی قوم کے باقی رہ گئے تھے جو کسی کنویں پر آباد تھے انہیں اصحاب الرس کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ القاموس میں ہے۔ اور در منثور میں ابن عباسؓ سے روایت ہے،

مگر ان کے عذاب کی کیفیت کسی نص میں بیان نہیں کی گئی ہے۔ اور ان کے زمانہ کی تفصیل بھی نہیں بتائی گئی جبکہ اصحاب الرس کے سلسلہ میں اور بھی کئی قول ہیں، احقر نے اپنے نزدیک راجح کو لے لیا۔

﴿ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور یہ اس بستی پر ہو کر گذرے ہیں جس پر بُری طرح پتھر برسائے گئے تھے۔ سو کیا یہ لوگ اُس کو دیکھتے نہیں رہتے، بلکہ یہ لوگ مر کر جی اٹھنے کا احتمال ہی نہیں رکھتے۔

ساتواں قصہ لوط علیہ السلام کی قوم کا، مکہ کے کافروں کو تنبیہ کے ضمن میں:

اور یہ (کافر لوگ ملک شام کو جاتے آتے) اس بستی پر ہو کر گذرے ہیں، جس پر بری طرح پتھر برسائے گئے تھے (لوط کی قوم کی بستی مراد ہے) تو کیا یہ لوگ اس کو دیکھتے نہیں رہتے (پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے کہ کفر اور جھٹلانے کو چھوڑ دیں، جس کی بدولت لوط علیہ السلام کی قوم کو سزا ہوئی تو بات یہ ہے کہ عبرت حاصل نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس بستی کو دیکھتے نہ ہوں) بلکہ (اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ) یہ لوگ مرنے کے بعد جی اٹھنے کا خیال ہی نہیں رکھتے (یعنی آخرت کے منکر ہیں، اس لئے کفر کو سزا کا سبب ہی قرار نہیں دیتے اور اس لئے ان کی ہلاکت کو کفر کی سزا نہیں سمجھتے، بلکہ اتفاقی امور میں سے سمجھتے ہیں۔ عبرت حاصل نہ کرنے کی یہ وجہ ہے)

فائدہ: یہ بستیاں کئی تھیں۔ یہاں ایک بستی کہنا یا تو اس لئے ہے کہ بڑی بستی سدوم مراد ہے، اور باقی کا حال اس کے تابع کے طور پر معلوم ہو گیا اور یا جنس بستی مراد ہو جس میں سب شامل ہیں۔

﴿ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ ﴾ ع

ترجمہ: اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے تمسخر کرنے لگتے ہیں کہ کیا یہ ہی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اُس شخص نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم اُن پر قائم نہ رہتے۔ اور جلدی ہی ان کو معلوم ہو جاوے گا جب عذاب کا معائنہ کریں گے کہ کون شخص گمراہ تھا۔ اے پیغمبر! آپ نے اس شخص کی حالت بھی

دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے، سو کیا آپ اس کی نگرانی کر سکتے ہیں یا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے نہیں، یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ اُن سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔

ربط: اوپر اعتراضات کے بیان کے تحت مکہ کے کافروں کی قباحت وشناعت اور برائی چلی آ رہی ہے۔ اور آیت ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا ﴾ قصوں کے ذکر کے مقاصد میں سے ان کی قباحت وشناعت ہونے کی بھی تصریح ہے۔ اب بھی ان کی بعض قولی وفعلی اور حالی اور بعد میں انجام کی قباحتوں کا بیان ہے، چنانچہ ﴿ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ ﴾ فعل ہے اور ﴿ اَهٰذَا الَّذِيْ ﴾ الخ قول ہے اور ﴿ سَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴾ الخ انجام ہے اور ﴿ اَرَءَيْتَ ﴾ الخ حال ہے اور چونکہ ﴿ هٰذَا ﴾ تحقیر کے لئے ہے، اس میں بھی ان کے ایک اعتراض کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کے دولت وثروت والا نہ ہونے کو بھی رسالت کی شان کے خلاف سمجھتے تھے، جیسا کہ دوسری آیت میں ﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴾ اور ﴿ سَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴾ الخ میں اس کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اعتراض دلیل نہ ہونے کی وجہ سے بلکہ دلیل کے خلاف ہونے کی وجہ سے کھلی گمراہی ہے اور اس کا مقصد نفسانی خواہش کی پیروی ہے۔

کافروں کی برائی اور ساتویں اعتراض کی طرف اشارہ اور اس کی تردید:

اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے مذاق کرنے لگتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ کیا یہی (بزرگ) ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے (یعنی ایسا آدمی رسول نہیں ہونا چاہئے۔ اگر رسالت کوئی چیز ہے تو رسول کسی رئیس کو ہونا چاہئے تھا۔ اس لئے یہ رسول نہیں، ہاں! اس شخص (کی جادو بیانی اس غضب کی ہے کہ اس) نے تو ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر (مضبوطی کے ساتھ) قائم نہ رہتے (یعنی ہم تو ہدایت پر ہیں اور یہ ہمیں گمراہ کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ آگے رد فرماتا ہے کہ اس وقت تو یہ لوگ اپنے منہ سے خود کو ہدایت پر بتا رہے ہیں اور رسول کی نبوت کی نفی کر رہے ہیں، اور خود رسول کو گمراہ اور گمراہ کرنے والا قرار دے رہے ہیں) اور (مرنے کے بعد) جلدی ہی انہیں معلوم ہو جائے گا، جب عذاب دیکھیں گے کہ گمراہ کون تھا؟ (کیا وہ خود یا نعوذ باللہ، رسول؟ اس میں جواب کی طرف بھی اشارہ ہے کہ چونکہ صحیح دلیلوں سے ثابت ہے کہ نبوت کے لئے دولت وثروت لازم نہیں، اس لئے اس بنیاد پر انکار کرنا کھلی گمراہی ہے۔ مگر یہاں توجہ نہ ہونے کی وجہ سے گمراہ ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ وہاں خود دیکھ کر ظاہر ہو جائے گا) اے پیغمبر! کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا معبود اپنی نفسانی خواہش کو بنا رکھا ہے؟ تو کیا آپ اس کی نگرانی کر سکتے ہیں؟ یا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں (مطلب یہ کہ آپ ان کی ہدایت نہ ہونے کی وجہ سے رنجیدہ ومغموم نہ ہوں، کیونکہ آپ ان پر حاکم بنا کر مقرر نہیں کئے گئے کہ زبردستی انہیں راستہ پر لائیں، اور نہ ان سے ہدایت کی امید رکھئے، کیونکہ یہ نہ سنتے ہیں اور نہ ہی سمجھتے ہیں) یہ تو محض جانوروں کی طرح ہیں (کہ وہ نہ

بات کو سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں) بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گئے گذرے ہیں (کیونکہ جانور تو دین کے راستہ کے مکلف نہیں تو ان کا یہ نہ سمجھنا مذمت کے لائق نہیں، اور یہ مکلف ہیں پھر بھی نہیں سمجھتے، پھر یہ کہ اگر وہ دین کی ضروری باتوں کا عقیدہ نہیں رکھتے تو اس کا انکار بھی تو نہیں کرتے، اور یہ تو منکر ہیں، اور ﴿ اَرَءَيْتَ ﴾ الخ میں ان کی گمراہی کا مقصد بھی بیان کر دیا کہ انہیں کسی دلیل کی وجہ سے اشتباہ نہیں ہوا بلکہ نفسانی خواہش کی اتباع اس کا سبب ہے)

فائدہ: اکثر کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ بعض حضرات کو شروع ہی سے اللہ تعالیٰ کی عنایت کی وجہ سے سننے اور سمجھنے کی اور ایمان کی توفیق ہوئی اور بعض سننے اور سمجھنے کی قوت رکھنے کے باوجود گھمنڈ کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے تھے۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۝ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ۝ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ۝ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۝ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ۝ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۝ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۭ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ۝ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ قُلْ مَآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرَا ۝ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔـلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۤ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ۝ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: کیا تو نے اپنے پروردگار پر نظر نہیں کی کہ اُس نے سایہ کو کیونکر پھیلایا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اُس کو ایک حالت پر ٹھیرایا ہوا رکھتا پھر ہم نے آفتاب کو اُس پر علامت مقرر کیا۔ پھر ہم نے اُس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا۔ اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ کی چیز اور نیند کو راحت کی چیز بنایا اور دن کو زندہ ہونے کا وقت بنایا۔ اور وہ ایسا ہے کہ اپنی بارانِ رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں۔ اور ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں جو پاک صاف کرنے کی چیز ہے تاکہ اُس کے ذریعہ سے مردہ زمین میں جان ڈال دیں، اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چارپایوں

اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کریں اور ہم اُس کو ان لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں تا کہ لوگ غور کریں، سو اکثر لوگ بے ناشکری کئے نہ رہے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ایک پیغمبر بھیج دیتے۔ سو آپ کافروں کی خوشی کا کام نہ کیجئے اور قرآن سے اُن کا زور شور سے مقابلہ کیجئے۔ اور وہ ایسا ہے جس نے دو دریاؤں کو ملایا، جن میں ایک تو شیریں تسکین بخش ہے، اور ایک شور تلخ ہے۔ اور اُن کے درمیان میں ایک حجاب اور ایک مانع قوی رکھ دیا۔ اور وہ ایسا ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا، پھر اُس کو خاندان والا اور سسرال والا بنایا اور تیرا پروردگار بڑی قدرت والا ہے۔ اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر اُن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو کچھ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ اُن کو کچھ ضرر اور کافر تو اپنے رب کا مخالف ہے۔ اور ہم نے آپ کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ خوش خبری سنائیں اور ڈرائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، ہاں! جو شخص یوں چاہے کہ اپنے رب تک راستہ اختیار کرلے۔ اور اُس حی لایموت پر توکل رکھئے اور اُس کی تسبیح و تحمید میں لگے رہئے اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے۔ وہ ایسا ہے جس نے آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان میں ہے سب چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا۔ وہ بڑا مہربان ہے سو اُس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنا چاہئے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمان کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمان کیا چیز ہے؟ کیا ہم اُس کو سجدہ کرنے لگیں گے جس کو تم سجدہ کرنے کے لئے ہم کو کہو گے، اس سے ان کو اور زیادہ نفرت ہوتی ہے۔ وہ ذات بہت عالی شان ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اُس میں ایک چراغ اور نورانی چاند بنایا۔ اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنائے اُس شخص کے لئے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے۔

ربط: اوپر کے مضامین میں رسالت کے انکار پر ملامت اور برائی بیان کی جارہی تھی۔ اب دلیلوں کے ذریعہ توحید کا اثبات ہے جن کے ضمن میں نعمتوں اور انعاموں کا ذکر بھی ہے۔ چنانچہ مضمون کے خاتمہ پر ﴿یَذَّکَّرَ﴾ سے استدلال کا اور ﴿شُکُوْرًا﴾ سے نعمت کے بیان کا مقصود ہونا معلوم ہوتا ہے، اور بیچ بیچ میں اس کے انکار پر مذمت اور ملامت اور اس وجہ سے کہ کھلی اور واضح دلیلوں کے باوجود سننے والوں کا منہ پھیرنا اور مخالفت کرنا نصیحت اور شفقت کرنے والے کی افسردگی کی فطری سبب ہے جو دعوت کے عمل میں خوشی اور شادمانی نہ رہنے کا سبب بن سکتا ہے، بعض آیتوں میں حضور ﷺ کے دل کو خوش کرنے اور حوصلہ و جوش پیدا کرنے کا مضمون بیان ہوا ہے۔ البتہ اس مقام پر اصل مضمون توحید کا ہے اور دوسرے مضامین اضافہ اور تفصیل کے طور پر آگئے ہیں۔ اور یہ مضمون ﴿اَرَادَ شُکُوْرًا﴾ تک چلا گیا ہے۔

توحید کی دلیلیں اور اس سے متعلق بعض امور:

اے مخاطب! کیا تم نے اپنے پروردگار (کی اس قدرت) کی طرف نہیں دیکھا کہ (جب سورج مشرق سے طلوع نکلتا ہے، اس وقت) اس نے (کھڑی ہوئی چیزوں کے) سایہ کو کس طرح (دور تک) پھیلایا ہے (کیونکہ سورج کے نکلنے کے

وقت ہر چیز کا سایہ لمبا ہوتا ہے) اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھہرا دیتا (یعنی سورج کے بلند ہونے سے بھی نہیں گھٹتا۔ اس طرح کہ اتنی دور تک سورج کی کرنوں کو نہ آنے دیتا۔ کیونکہ سورج کی کرنوں کا زمین کے حصوں پر پہنچنا اللہ کی مشیت یعنی ارادہ سے ہے خود بخود نہیں مگر ہم نے اپنی حکمت سے اس کو ایک حالت پر نہیں رکھا، بلکہ اس کو پھیلا ہوا بنا کر) پھر ہم نے سورج (کے افق سے قریب ہونے اور افق سے بلند ہونے) کو اس (سایہ کے لمبے اور چھوٹا ہونے) پر (ایک ظاہری) علامت مقرر کیا (مطلب یہ کہ عام، غیر مؤثر وحقیقی اسباب اور جن کے لئے وہ اسباب بنائے گئے ان کی طرح سورج اور سایہ میں ایک ظاہری تعلق ایسا بنا دیا کہ سبب کی تبدیلی سے جس کے لئے وہ سبب بنایا گیا، اس میں تبدیلی ہوتی ہے) پھر (اس ظاہری تعلق کی وجہ سے) ہم نے اس (سایہ) کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا (یعنی جیسے جیسے سورج اونچا ہوا وہ سایہ چھوٹا اور ختم ہوتا گیا اور چونکہ اس کا غائب ہونا محض اللہ کی قدرت سے ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں، اور محسوس طور پر غائب ہونے کے باوجود وہ اللہ کے علم سے غائب نہیں ہے، اس لئے ﴿ إِلَيْنَا ﴾ فرما دیا گیا، تو یہ حالت جس کا ذکر کیا گیا اور جو عجیب طریقہ سے بنائی گئی ہے، بنانے والے کے کمال اور اس کے معبود ہونے میں منفرد اور مستحق ہونے کی دلیل ہے، پھر زوال کے بعد بڑھنا بھی بالکل اسی طرح بنانے والے کے کمال کی دلیل ہے، لیکن زیادہ سے کم ہونا یہ مقہور اور عاجز ہونے سے زیادہ ظاہر ہے اور مقہور اور عاجز ہونا یعنی بنے ہوئے کا بنانے والے کی قدرت پر استدلال کے طور پر زیادہ ظاہر ہے، لہٰذا تخصیص کا یہ نکتہ ہو سکتا ہے) اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ کی چیز اور نیند کو راحت کی چیز بنایا اور دن کو (اس اعتبار سے سونا، موت ہی کی طرح ہے، اور دن کا وقت جاگنے کا ہے، گویا) زندہ ہونے کا وقت بنایا اور وہ ایسا ہے کہ اپنی رحمت کی بارش سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ (بارش کی امید دلا کر دل کو) خوش کر دیتی ہے اور ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں جو پاک صاف کرنے کی چیز ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے مردہ زمین میں جان ڈال دیں۔ اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سے جانوروں اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کریں۔ اور ہم اس (پانی) کو (مصلحت کے مطابق) ان لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں تاکہ لوگ غور کریں (کہ یہ تصرفات کسی بڑے قادر کے ہیں کہ وہی عبادت کا مستحق ہے) تو (چاہئے تھا کہ غور کر کے اس کا حق ادا کرتے، لیکن) اکثر لوگ بغیر ناشکری کئے نہ رہے (جس میں سب سے بڑھ کر کفر و شرک ہے، لیکن آپ ان کی اور خاص طور سے ناشکری سن کر یا دیکھ کر دعوت و تبلیغ کی کوشش سے ہمت نہ ہاریں، کہ میں تنہا ان سے کیسے نمٹوں گا، بلکہ آپ تنہا ہی اپنا کام کئے جائیں کیونکہ آپ کو تنہا نبی بنانے سے خود ہمارا مقصود یہ ہے کہ آپ کا اجر اور آپ کی قربت بڑھے) اور اگر ہم چاہتے تو (آپ ہی کے زمانہ میں) ہر بستی میں (آپ کے علاوہ) ایک ایک پیغمبر بھیج دیتے (اور تنہا آپ پر سارے کام کی ذمہ داری نہ ڈالتے، لیکن چونکہ آپ کا اجر بڑھانا مقصود ہے، اس لئے ہم نے ایسا نہیں کیا تو اس طرح اتنا کام آپ کے سپرد کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے) تو (اس نعمت کے شکریہ میں) آپ کافروں کی خوشی کا کام نہ کیجئے (یعنی کافر تو اس سے خوش ہوں گے کہ تبلیغ نہ ہو یا اس میں کمی ہو جائے اور

ان کی آزادی سے چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے) اور قرآن (میں جو حق کی دلیلیں بیان کی گئی ہیں جیسا کہ اسی مقام پر توحید کی دلیلیں بیان ہوئی ہیں، ان) کے ذریعہ ان کا زور دشور سے مقابلہ کیجئے) یعنی دعوت وتبلیغ کا کام عام اور مکمل طور پر کیجئے، یعنی سب سے کہیے اور بار بار کہیے اور ہمت قوی رکھئے جیسا کہ اب تک آپ کرتے رہے ہیں، لہٰذا اس امر اور نہی سے مقصود کام شروع کرنے کا حکم دینا نہیں بلکہ جو کام کر رہے ہیں اس کو باقی وقائم رکھنا ہے، اس لئے کوئی اشکال لازم نہیں آتا۔ آگے پھر توحید کی دلیلوں کی طرف لوٹتے ہیں) اور وہ ایسا ہے جس نے دو دریاؤں کو (صورت کے اعتبار سے) ملایا جن میں ایک (کا پانی) تو میٹھا سکون بخشنے والا ہے اور ایک (کا پانی) نمکین کڑوا ہے اور (صورت کے اعتبار سے مل جانے کے باوجود حقیقت کے اعتبار سے) ان کے درمیان میں (اپنی قدرت سے) ایک پردہ اور (حقیقت میں مل جانے سے) ایک قوی رکاوٹ رکھ دی (جو خود پوشیدہ غیر محسوس ہے مگر اس کا اثر یعنی امتیاز دونوں پانیوں کے ذائقہ میں محسوس ہے، ان دو دریاؤں سے وہ مقامات مراد ہیں جہاں میٹھے پانی کی ندیاں بہتے بہتے سمندر میں آکر گری ہیں، وہاں اس کے باوجود کہ اوپر سے دونوں کی سطح ایک معلوم ہوتی ہے، لیکن اللہ کی قدرت سے ان کے درمیان ایک ایسے فاصلہ والی حد ہے کہ ملنے کی جگہ کے ایک جانب سے پانی لیا جائے تو میٹھا اور دوسری جانب سے پانی لیا جائے جو کہ پہلی جانب سے بالکل قریب ہے تو کڑوا۔ چنانچہ بنگال میں بھی ایسا موقع موجود ہے) اور وہ ایسا ہے جس نے پانی (یعنی نطفہ) سے آدمی کو پیدا کیا، پھر اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنایا (چنانچہ باپ دادا وغیرہ شرعی خاندان اور ماں نانی وغیرہ عرفی خاندان ہیں جن سے پیدا ہوتے ہی تعلقات قائم ہوجاتے ہیں۔ اور پھر شادی کے بعد سسرالی رشتے پیدا ہوجاتے ہیں۔ یہ قدرت کی دلیل بھی ہے کہ نطفہ کیا چیز تھی، پھر اس کو کیسا بنادیا کہ وہ اتنے تعلقات والا ہوگیا اور یہ تعلقات ایک دوسرے کی مدد کی بنیاد ہیں) اور (اے مخاطب!) تیرا پروردگار بڑی قدرت والا ہے (لفظ ربک سے نعمت کی طرف اور قدیراً سے قدرت کی دلیل کی طرف اشارہ ہے) اور (اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں ایسا کامل ہے جیسا بیان ہوا اور یہ کمالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ اسی کی عبادت کی جائے مگر) یہ (مشرک) لوگ (ایسے) اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو (عبادت کرنے کی صورت میں) نہ انہیں کچھ نفع پہنچاسکتی ہیں اور نہ ہی (عبادت نہ کرنے کی صورت میں) انہیں کوئی نقصان پہنچاسکتی ہیں اور کافر تو اپنے رب کا مخالف ہے (کہ اس کو چھوڑ کر دوسرے کی عبادت کرتا ہے) اور کافروں کی مخالفت معلوم ہونے پر نہ تو آپ ان کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ ہوں، کیونکہ) ہم نے آپ کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ (ایمان والوں کو جنت کی) خوشخبری سنائیں اور (کافروں کو دوزخ سے) ڈرائیں (ان کے ایمان نہ لانے سے آپ کا کیا نقصان ہے) پھر آپ کیوں غم کریں؟ اور نہ آپ اس مخالفت کے معلوم ہونے پر فکر میں پڑیں کہ جب یہ حق تعالیٰ کے مخالف ہیں تو میں جو حق تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں یہ لوگ اس دعوت کو خیر خواہی کہاں سمجھیں گے، بلکہ میری خود غرضی پر محمول کرکے اس طرف دھیان ہی نہیں دیں گے، تو ان کے گمان کی کیسے اصلاح کی جائے تاکہ رکاوٹ دور ہو تو اگر آپ کو

ان کا یہ خیال قرینہ سے یا زبانی گفتگو سے معلوم ہو تو) آپ (جواب میں اتنا) کہہ دیجئے (اور بے فکر ہو جائیے) کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی (مال کا یا عزت و مرتبہ کا) معاوضہ نہیں مانگتا۔ سوائے اس کے کہ کوئی شخص اپنے رب تک (پہنچنے کا) راستہ اختیار کرلے (تو البتہ یہ چاہتا ہوں، چاہے اس کو معاوضہ کہو یا نہ کہو) اور نہ کافروں کی اس مخالفت کے معلوم ہونے پر ان کے نقصان پہنچانے کا اندیشہ کیجئے، بلکہ تبلیغ میں) اس (ذات) پر بھروسہ رکھئے جو زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا، اور اطمینان کے ساتھ) اس کی تسبیح اور حمد (یعنی تبلیغ) میں لگے رہیئے جو ایسی طاعت ہے جس کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہے اور تسبیح و حمد کہ لازمی عبادت ہے، ان کو بے فکری کے ساتھ ادا کیجئے) اور نہ ہی مخالفت کی باتیں سن کر عذاب کے جلدی آنے کی اس خیال سے تمنا کیجئے کہ ان کا نقصان دوسروں کو نہ پہنچ جائے، کیونکہ) وہ (اللہ) اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی (طور پر) خبردار ہے (وہ جب مناسب سمجھے گا سزا دیدے گا۔ چنانچہ ان جملوں میں رسول اللہ ﷺ سے رنج و غم حزن و ملال، فکر و خوف اور تمنا کو زائل فرمایا ہے۔ آگے پھر توحید ہے) وہ ایسا ہے جس نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، سب کچھ چھ دن (کی مقدار) میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر (جو سلطنت کے تخت کے مشابہ ہے، اس طرح) قائم (اور جلوہ فرما) ہوا (جو کہ اس کی شان کے لائق ہے، جس کا بیان سورۂ اعراف آیت ۵۴ میں گذر چکا) وہ بڑا مہربان ہے تو اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنی چاہئے (کہ وہ کیسا ہے کافر و مشرک کیا جانیں کہ اس کی صحیح معرفت نہ ہونے کی وجہ سے شرک کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو (جہالت اور عناد کی وجہ سے) کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے؟ (جس کے سامنے ہمیں سجدہ کرنے کو کہتے ہو) کیا ہم اس کو سجدہ کرنے لگیں جس کو سجدہ کرنے کے لئے تم ہم سے کہو؟ اور اس (رحمٰن کو سجدہ کرنے کے امر) سے انہیں اور زیادہ نفرت ہوتی ہے (لفظ رحمٰن ان میں کم مشہور تھا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بالکل جانتے ہی نہ ہوں، مگر اسلامی تعلیم سے جو مخالفت بڑھی ہوئی تھی اس کی وجہ سے الفاظ کے اطلاق میں بھی مخالفت کو نباہتے تھے۔ قرآن کریم میں جو یہ لفظ کثرت سے آیا تو وہ اس میں بھی مخالفت کرنے لگے، اور اس حیثیت سے کہ یہ قرآنی محاورہ ہے تو تجاہل عارفانہ یعنی جان بوجھ کر اس کی مخالفت کے طور پر اس کے سلسلہ میں بحث اور خود اس کا انکار کرنے لگے کہ چاہے اس سے خود اللہ ہی کا انکار اور بے ادبی لازم آجائے) وہ ذات بہت عالی شان ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور (ان ستاروں میں سے دو بڑے نورانی اور فائدہ بخش ستارے بنائے یعنی) اس (آسمان) میں ایک چراغ (یعنی سورج) اور نورانی چاند بنایا (شاید سورج کو سراج یعنی چراغ اس کی تیزی کی وجہ سے کہا، اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنائے (اور یہ سب کچھ جو دلیلیں اور نعمتیں بیان ہوئیں) اس شخص کے (سمجھنے کے) لئے (ہیں) جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے (سمجھنے والے کی نظر میں استدلال ہیں اور شکر گذاری کرنے والے کی نظر میں انعام ہیں۔ ورنہ:

اگر صد باب حکمت پیش ناداں ❁ بخوانی آیدش بازیچہ در گوش

یعنی اگر آپ نادان کے سامنے دانش وحکمت کے سو باب بھی پڑھ ڈالیں اس کے کان میں کھیل تماشہ کے سوا کچھ بھی نہ آئے گا۔ جیسے بھینس کے آگے بین بجانا۔

فائدہ: ریاح یعنی ہواؤں کا بشارت دینے والا ہونا سورۂ اعراف آیت ۵۷ کے ذیل میں اور بروج یعنی بڑے بڑے ستاروں کی تحقیق سورۃ الحجر آیت ۱۶ میں گذر چکی ہے۔ اور ﴿ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ ﴾ کے معنی بعض مفسرین نے یہ کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی جگہ دو دریا جاری کئے میٹھے بھی اور کڑوے بھی اور درمیان میں زمین کا فاصلہ قائم کر دیا جو دونوں کو ملنے سے روکے ہوئے ہے ورنہ ممکن تھا کہ پانی زمین کو کاٹ کر بیچ کی ساری جگہ کو گھیر لیتا، اس صورت میں مرج کے معنی ملنے کے نہیں بلکہ بھیجنے کے ہوں گے۔ جیسا کہ القاموس میں ہے: مرج الدابۃ: اور ﴿ فِيهَا ﴾ سے بظاہر ان ستاروں کے آسمان کے اندر جما ہوا ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن ظاہر کے خلاف کسی قطعی دلیل سے ثابت ہو جائے تو ﴿ فِيهَا ﴾ کی تاویل فی قربها کرنا ممکن ہے۔

﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں، اور جب اُن سے جہالت والے لوگ بات کرتے ہیں تو وہ دفع شر کی بات کہتے ہیں اور جو راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں لگے رہتے ہیں۔ اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھئے، کیونکہ اس کا عذاب پوری تباہی ہے۔ بیشک وہ جہنم برا ٹھکانا ہے اور برا مقام ہے۔ اور وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور اُن کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔ اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے

اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے، اُس کو قتل نہیں کرتے۔ ہاں! مگر حق پر۔ اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزا سے اُس کو سابقہ پڑے گا کہ قیامت کے روز اُس کا عذاب بڑھتا چلا جاوے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا۔ مگر جو توبہ کرلے اور ایمان لے آوے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمادے گا۔ اور اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔ اور جو شخص توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے۔ اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر بیہودہ مشغلوں کے پاس کو ہو کر گذریں تو سنجیدگی کے ساتھ گذر جاتے ہیں، اور وہ ایسے ہیں کہ جس وقت اُن کو اللہ کے احکام کے ذریعہ سے نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے۔ اور وہ ایسے ہیں کہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو متقیوں کا افسر بنادے۔ ایسے لوگوں کو بالاخانے ملیں گے۔ بوجہ ان کے ثابت قدم رہنے کے اور اُن کو اس میں بقاء کی دعا اور سلام ملے گا اُس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، وہ کیسا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے۔

ربط: اوپر توحید کی دلیلوں کے ساتھ ساتھ کافروں اور مشرکوں کی ناشکری، مخالفت اور نفرت کا ان کی مذمت سمیت ذکر تھا، اب مقابلہ میں مؤمنوں کی اطاعت وفرماں برداری اور طاعت کی تفصیل مع ان کی تفصیل کے بیان کرتے ہے، اور درمیان میں اس کے ذیل میں اور مختصر انداز میں بعض نافرمانیوں اور گناہوں کی سزا اور توبہ کا کفارہ ہونا آ گیا ہے۔

اطاعت کرنے والے مؤمنوں کی مدح وتعریف:

اور (حضرت) رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں (مطلب یہ کہ ان کے مزاج میں تمام امور میں عاجزی اور تواضع ہے، اور اسی کا اثر چلنے میں بھی ظاہر ہوتا ہے، یہاں خاص چال کی ہیئت بیان کرنا مقصود نہیں، کیونکہ دماغی گھمنڈ کے ساتھ نرم رفتار تعریف کے لائق نہیں۔ اور یہ تواضع تو ان کا اپنے اعمال میں خاص انداز ہے) اور (دوسروں کے ساتھ ان کا انداز یہ ہے کہ) جب ان سے جہالت والے لوگ (جہالت کی) بات کرتے ہیں تو وہ شر کو دور کرنے کی بات کہتے ہیں (مطلب یہ کہ اپنے نفس کے لئے قولی یا فعلی انتقام نہیں لیتے اور ادب وتہذیب سکھانے، اصلاح اور شرعی سیاست یا اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے جو سختی اور درشتی ہو، اس کی نفی مقصود نہیں) جو لوگ (اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا یہ طرز رکھتے ہیں کہ) راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام (یعنی نماز) میں لگے رہتے ہیں، اور جو اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے اس قدر ڈرتے ہیں کہ) دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھئے، کیونکہ اس کا عذاب پوری تباہی ہے، بیشک وہ (جہنم) برا ٹھکانا اور برا مقام ہے (ان کی یہ حالت تو بدنی اطاعت میں ہے) اور (مالی طاعتوں میں ان کا یہ طریقہ ہے کہ) وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ

فضول خرچی کرتے ہیں (کہ معصیت یعنی نافرمانی کے کاموں میں خرچ کرنے لگیں) اور نہ تنگی کرتے ہیں (کہ ضروری طاعتوں میں بھی خرچ میں کوتاہی کریں، اور فضول خرچی میں وہ خرچ بھی آ گیا کہ مباح کاموں میں یا طاعت کے غیر ضروری کاموں میں بلاضرورت اپنی استطاعت سے زیادہ خرچ کریں، جس کا انجام آخر میں بے صبری اور حرص و بدنیتی ہو، کیونکہ یہ امور معصیت یعنی نافرمانی کے ہیں اور معصیت کی طرف لے جانے والا عمل خود معصیت ہے، لہٰذا وہ معصیت کے کاموں میں خرچ کرنا ہوا، اس طرح طاعت کے ضروری کاموں میں بالکل خرچ نہ کرنے کی مذمت ﴿ لَمْ يَقْتُرُوْا ﴾ سے معلوم ہوگئی، کیونکہ جب اس میں کم خرچ کرنا جائز نہیں تو بالکل خرچ نہ کرنا تو بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہوگا، لہٰذا یہ شبہ نہ رہا کہ خرچ کے وقت کم خرچ کرنے کی نفی اور نہی تو ہوئی، لیکن بالکل خرچ نہ کرنے کی نفی اور نہی نہیں ہوئی۔ غرض وہ خرچ میں کمی اور زیادتی دونوں سے پاک ہیں) اور ان کا خرچ کرنا اس (کمی اور زیادتی) کے درمیان میں اعتدال پر ہوتا ہے (اور یہ مذکورہ حالت تو طاعت کے کام انجام دینے کی تھی) اور جو (معصیت کو چھوڑنے میں یہ شان رکھتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پوجا نہیں کرتے (کہ یہ معصیت عقائد سے متعلق ہے) اور جس شخص (کے قتل کرنے) کو اللہ تعالیٰ نے (شرعی قاعدوں کے لحاظ سے) حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے، ہاں مگر حق پر (یعنی جب قتل کے واجب یا مباح ہونے کا کوئی شرعی سبب پایا جائے اس وقت الگ بات ہے) اور وہ زنا نہیں کرتے (کہ قتل اور زنا معصیت سے متعلق اعمال میں سے ہیں) اور جو شخص ایسے کام کرے گا (کہ شرک کرے یا شرک کے ساتھ ناحق قتل بھی کرے یا زنا بھی کرے جیسا کہ مکہ کے مشرک لوگ تھے) تو اسے سزا کا سامنا کرنا پڑے گا، کہ قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا (جیسا کہ کافروں کے سلسلہ میں دوسری آیتوں میں آیا ہے ﴿ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ ﴾) اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل (وخوار) ہوکر رہے گا (تاکہ جسمانی عذاب کے ساتھ ذلت کا روحانی عذاب بھی ہو اور کیفیت میں شدت یعنی اضافہ کے ساتھ کمیت یعنی مقدار میں بھی زیادتی یعنی جہنم میں ہمیشہ کا داخلہ بھی ہو، اور اس ﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ﴾ سے ﴿ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴾ کے قرینہ سے کافر اور مشرک لوگ مراد ہیں، کیونکہ گنہ گار مؤمن کے لئے زیادتی اور خلود یعنی ہمیشہ کا داخلہ نہ ہوگا، اور اس کو تطہیر و تزکیہ یعنی پاک کرنے کے لئے عذاب ہوگا نہ کہ اہانت کے لئے اور اس کے لئے ایمان کی تجدید کی ضرورت نہیں صرف توبہ کافی ہے جس کا بیان آگے آ رہا ہے۔ ﴿ مَنْ تَابَ وَعَمِلَ ﴾ الخ اور مذکورہ قرینوں کے علاوہ صحیحین یعنی بخاری و مسلم میں اس کا شان نزول بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی نقل کیا گیا ہے کہ یہ آیت مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے) مگر جو (شرک اور معصیت سے) توبہ کر لے اور (اس توبہ کے قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ) ایمان (بھی) لے آئے اور نیک کام کرتا رہے (یعنی ضروری طاعتوں کو پورا کرتا رہے) تو (اس کو جہنم میں ہمیشہ کا داخلہ تو کیا ہوتا، جہنم کا عذاب اسے چھوئے گا بھی نہیں، بلکہ)

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (پچھلے) گناہوں (کو مٹا کر ان) کی جگہ (آئندہ نیکیاں عنایت فرمادے گا (یعنی چونکہ گذشتہ کفر اور کفر کے زمانہ کے گناہ اسلام کی برکت سے معاف ہوجائیں گے (اور آئندہ نیک اعمال کی وجہ سے نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی اور ان پر ثواب ملے گا، اس لئے جہنم سے ان کا کچھ تعلق نہ ہوگا، اس لئے لفظ ''الا'' استثنا منقطع ہے اور ﴿ مَنْ تَابَ ﴾ کی خبر ﴿ فَاُولٰٓئِكَ ﴾ الخ ہے اور سیئات یعنی برائیوں کے حسنات یعنی نیکیوں سے بدلنے کا حکم مقصود ہے، جو ایمان وتوبہ اور نیک عمل کے مجموعہ پر ہوتا ہے اور وہ جہنم کے عذاب کے نہ چھونے کے لئے لازم ہے، اور وہ ہمیشہ کا داخلہ نہ ہونے پر زیادہ بہتر طور پر دلالت کرتا ہے۔ یا استثناء متصل ہو اور ایمان وتوبہ اور نیک عمل کا مجموعہ ہمیشہ کے داخل نہ ہونے کے لئے شرط نہ ہو، مگر مجموعہ کے ساتھ ہمیشہ کے لئے داخل نہ ہونے کے پائے جانے کا اس آیت میں ذکر ہو، اور صرف ایمان پر ہمیشہ کے لئے داخل نہ ہونے کا امر دوسری دلیلوں سے ثابت ہو) اور (یہ برائیوں کا مٹایا جانا اور نیکیوں کا لکھا جانا اس لئے ہوا کہ) اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے (اس لئے برائیوں کو مٹادیا اور) رحم کرنے والا ہے (اس لئے نیکیوں کو لکھ دیا۔ یہ تو کفر سے توبہ کرنے والے کا بیان تھا) اور (آگے معصیت سے توبہ کرنے والے مؤمن کا ذکر ہے تاکہ توبہ کا مضمون پورا ہوجائے، اور جن بندوں کی مدح کی گئی ہے ان کی خوبیوں کا کمال یہ ہے کہ وہ لوگ اطاعت کرتے اور سیئات یعنی برائیوں سے بچتے رہتے ہیں، لیکن اگر کبھی معصیت ہوجائے تو توبہ کرلیتے ہیں، اس لئے توبہ کرنے والوں کا حال بیان فرمایا، یعنی) جو شخص (جس معصیت سے) توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے (یعنی آئندہ معصیت سے بچتا ہے) تو وہ (بھی) عذاب سے بچا رہے گا، کیونکہ وہ) اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے (یعنی خوف اور اخلاص کے ساتھ جو کہ توبہ کے لئے شرط ہے، اس طرح اس کا اثر بھی یہی عذاب کا نہ چھونا ہے، لہٰذا نیک عمل عذاب کے نہ چھونے کے لئے شرط ہے نہ کہ جو پہلے گذر چکا اس سے توبہ قبول ہونے کی۔ اور اگر نیک عمل نہیں کر رہا بلکہ پھر معصیت کر رہا ہے تو گذشتہ توبہ چاہے قبول ہوجائے لیکن اس صورت میں عذاب کے نہ چھونے کا وعدہ نہیں، اور مؤمن کی توبہ کو اس شبہ کو دور کرنے کے لئے بیان فرمایا کہ شاید ان پر زیادہ حقوق ہیں، اس لئے معصیت زیادہ عتاب کا سبب ہو کہ توبہ قبول نہ ہو۔ البتہ ہر معصیت سے توبہ کرنے کا طریقہ الگ ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔ آگے پھر رحمٰن کے بندوں کی صفتیں بیان فرماتے ہیں، یعنی) اور (ان میں یہ بات ہے کہ) بیہودہ باتوں (جیسے شریعت کے خلاف لہو ولعب یعنی کھیل تماشوں) میں شامل نہیں ہوتے اور اگر (اتفاق سے بلا ارادہ) بے ہودہ مشغلوں کے پاس سے گذریں تو سنجیدگی (وشرافت) کے ساتھ گذر جاتے ہیں (یعنی نہ ان کی طرف مشغول ہوتے ہیں اور نہ ان کے آثار سے گنہ گاروں کی تحقیر اور اپنی بڑائی وتکبر ظاہر ہوتا ہے) اور وہ ایسے ہیں کہ جس وقت انہیں اللہ کے احکام کے ذریعہ سے نصیحت کی جاتی ہے تو ان (احکام) پر بہرے اندھے ہوکر نہیں گرتے (جس طرح کافر لوگ قرآن پر ایک نئی بات سمجھ کر تماشے کے طور پر اور اس میں اعتراضات پیدا کرنے کے لئے اس کی حقیقتوں

اور معرفتوں سے اندھے بہرے ہو کر اندھا دھند بے ترتیب ہجوم کر لیتے تھے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴾ تو مذکورہ بندے ایسا نہیں کرتے، بلکہ عقل وسمجھ کے ساتھ قرآن پر متوجہ ہوتے ہیں اور اس کی طرف دوڑتے ہیں، جس کا نتیجہ ایمان کی زیادتی اور احکام پر عمل کرنا ہے، اس طرح مقصود اندھے اور بہرے ہونے کی نفی ہے، نہ کہ ذوق وشوق کے ساتھ اس طرف متوجہ ہونے اور گرنے کی یہ تو عین مطلوب ہے، اور اس سے کافروں کا جو ٹوٹ کر گرنا ثابت ہوتا ہے، وہ مخالفت اور مزاحمت کے طور پر اندھے اور بہرے ہو کر گرنا تھا۔ اور اس لئے وہ مذمت کے قابل ہے) اور وہ ایسے ہیں کہ جس طرح خود جیسے دین کے عاشق ہیں اسی طرح اپنے اہل وعیال یعنی بیوی بچوں اور گھر خاندان کے دوسرے لوگوں کے لئے بھی اس کی کوشش کرتے اور دعوت دیتے ہیں، اور عملی کوشش کے ساتھ حق تعالیٰ سے بھی) دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) عطا فرما (یعنی انہیں دین دار بنادے اور ہمیں ہماری دین داری کی اس کوشش میں کامیاب فرما کہ انہیں دین داری کی حالت میں دیکھ کر راحت وسرور ہو) اور (تو نے ہمیں ہمارے خاندان کا ذمہ دار نگراں تو بنایا ہی ہے مگر ہماری دعا یہ ہے کہ ان سب کو متقی بنا کر ہمیں متقیوں کا نگراں حاکم بنادے (تو اصل مقصود حاکم اور نگراں بنانے کی دعا نہیں ہے، اگر چہ اس میں بھی برائی نہیں ہے مگر موقع ومحل اس کی دلالت نہیں کرتا، بلکہ اصل مقصود اپنے خاندان کے متقی ہونے کی درخواست ہے، یعنی اس کے بجائے کہ ہم صرف خاندان کے نگراں وحاکم ہیں، ہمیں متقی خاندان کا نگراں وحاکم بنادیجئے، یہاں تک رحمٰن کے بندوں کی صفتوں کا بیان تھا، آگے ان کی جزا ہے، یعنی) ایسے لوگوں کو (جنت میں رہنے کے لئے) بالاخانے ملیں گے، ان کے (دین وطاعت پر) ثابت قدم رہنے کی وجہ سے اور انہیں اس (جنت) میں (فرشتوں کی جانب سے) بقا کی دعا اور سلام ملے گا (اور) اس (جنت) میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، وہ کیسا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے (جیسا کہ جہنم کے بارے میں ﴿ سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴾ فرمایا ہے)

فائدہ: ﴿ يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ ﴾ پر آیت ﴿ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ﴾ سے ٹکراؤ کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ یہ مماثلت، کمیت یعنی مقدار کے اعتبار سے ہے کہ ایک گناہ کا ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے دو یا زیادہ نہیں لکھے جاتے، پھر اگر وہ ایک ہی کیفیت میں ایسا شدید وسخت ہو کہ تضاعف یعنی زیادتی کا تقاضا ہو تو یہ مماثلت کے خلاف نہیں، بلکہ یہ بھی ایک معنی میں مماثلت ہے۔

اور اس مقام پر جو صفتیں بیان ہوئی ہیں، ان کا مجموعہ نجات کا مدار نہیں، بلکہ مدار علو درجات ہے جیسا کہ ﴿ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ ﴾ اس پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا گنہ گار کا غیر ناجی یعنی نجات نہ پانے والا ہونا لازم نہیں آتا۔ اور جنت میں ﴿ تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴾ جو کہ دعا ہے، جس کے لئے دعا کی جارہی ہے، اس کو حاصل ہونے کے باوجود محض عزت واکرام

ہے، تحصیل حاصل نہیں۔

﴿ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّىْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴾ ع ۶

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب تمہاری ذرا بھی پرواہ نہ کرے گا اگر تم عبادت نہ کرو گے سو تم تو جھوٹا سمجھتے ہو تو عنقریب یہ وبال ہوگا۔

ربط: اوپر آیت ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا ﴾ الخ میں عبادت سے منہ پھیرنے والوں کی مذمت اور ﴿ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ ﴾ الخ میں عبادت میں مشغول رہنے والوں کی فضیلت ارشاد فرمائی تھی، اب اسی کی تاکید اور علت کے بیان کے طور پر فرماتے ہیں کہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی ذاتی خصوصیت نہیں ہے کہ چاہیں نہ چاہیں زبردستی ان کی آؤ بھگت، خاطر تواضع کریں، بس وہ عبادت کا تعلق ہے جس میں تصدیق بھی شامل ہے کہ کرو گے تو قدر ہوگی اس طرح اگر عبادت چھوڑو گے جس میں جھٹلانا بھی شامل ہے تو جان کے لئے وبال ہوگا اور چونکہ یہ مختصر انداز میں سورت کے تمام خطابوں کا فیصلہ ہے، اس لئے اس اس پر سورت کا خاتمہ اعلیٰ درجہ کا حسن خاتمہ ہے۔

عبدیت کا خصوصیت کا مدار ہونا:

(اے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (لوگوں سے عام طور سے) کہہ دیجئے کہ میرا رب تمہاری ذرا بھی پروا نہ کرے گا اگر تم عبادت نہ کرو گے تو (اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ اے کافرو!) تم تو (اللہ کے احکام کو) جھوٹا سمجھتے ہو تو جلدی ہی یہ (جھوٹا سمجھنا تمہارے لئے جان کا) وبال ہو (کر رہے) گا (چاہے دنیا میں جیسے بدر کے واقعہ میں کافروں پر مصیبت آئی یا آخرت میں اور وہ ظاہر ہے۔

﴿ سورۃ الفرقان کی تفسیر ۱۶؍ ذی الحجہ بروز جمعرات سنہ ۱۳۲۴ھ کو تمام ہوئی، اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے باقی تفسیر کی تکمیل کی توفیق ارزانی فرمائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز ﴾
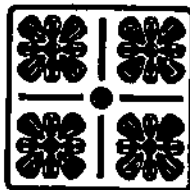
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اس سورت کے سب سے پہلے اور سب سے آخری رکوع میں قرآن اور رسالت کے حق اور صادق ہونے اور ان سے متعلق امور کا ذکر ہے، اور ان کا انکار کرنے والوں کو ڈرانے دھمکانے اور عبرت کے لئے آیت دس سے آگے توحید کو ثابت کرنے والی دلیلیں دی گئی ہیں جو کہ قرآن کا ایک اہم جز ہے اور سورت کے درمیان میں رسولوں اور اللہ کے احکام کو جھٹلانے والوں کے بعض قصے بیان کئے گئے ہیں، چنانچہ ہر قصہ میں آیت ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً﴾ الخ کی اس عبرت کے مقصود ہونے پر بہت ہی صریح اور بہت ہی واضح دلالت ہے اور گذشتہ سورت بھی جھٹلانے والوں کی وعید پر ختم ہوئی ہے، چنانچہ دونوں سورتوں کے شروع و آخر دونوں طرف اور اس سورت کے سبھی اجزا میں آپسی ربط ظاہر ہو گیا۔ واللہ اعلم

﴿طٰسٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝﴾

ترجمہ: ﴿طٰسٓمّٓ﴾ یہ کتاب واضح کی آیتیں ہیں، شاید آپ ان کے ایمان نہ لانے پر اپنی جان دیدیں گے۔ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل کر دیں پھر ان کی گردنیں اس نشانی سے پست ہو جاویں۔ اور ان کے پاس کوئی تازہ فہمائش رحمٰن کی طرف سے ایسی نہیں آتی جس سے یہ بے رخی نہ کرتے ہوں۔ سو انھوں نے جھوٹا بتلا دیا، سو اب عنقریب اُن کو اُس بات کی حقیقت معلوم جاوے گی جس کے ساتھ استہزاء کیا کرتے تھے، کیا انھوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اُس میں کس قدر عمدہ عمدہ قسم کی بوٹیاں اگائی ہیں۔ اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور ان میں کے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، اور بلاشبہ آپ کا رب غالب ہے رحیم ہے۔

قرآن کا حق ہونا اور انکار کرنے والوں کی مذمت:

﴿طٰسٓمّٓ﴾ یہ (مضامین جو آپ پر نازل ہوئے ہیں) واضح کتاب (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں (اور یہ لوگ جو اس

پر ایمان نہیں لاتے ہیں تو اس کی وجہ سے آپ اتنا غم کیوں کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے) شاید آپ ان کے ایمان نہ لانے پر (افسوس کرتے کرتے) اپنی جان دیدیں گے (اصل یہ ہے کہ یہ آزمائش کا عالم ہے اس میں حق کے اثبات پر وہی دلیلیں قائم کی جاتی ہیں کہ ان کے بعد بھی ایمان لانا عہد کے تحت اختیار میں رہتا ہے، ورنہ) اگر ہم انہیں مجبور اور بے بس کر کے مؤمن کرنا چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک (ایسی) بڑی نشانی نازل کر دیں (کہ ان کا اختیار ہی بالکل چھین لیا جائے) پھر ان کی گردنیں اس نشانی (کے آگے) سے پست ہو جائیں (اور وہ مجبور و بے بس ہو کر مؤمن بن جائیں، لیکن ایسا کرنے سے آزمائش باقی نہ رہے گی، اس لئے ایسا نہیں کیا جاتا اور معاملہ قدر اور جبر کے درمیان رہتا ہے) اور (ان کی یہ حالت ہے کہ) اس کے پاس (حضرت) رحمٰن (جل شانہ) کی طرف سے کوئی تازہ فہمائش ایسی نہیں آتی جس سے یہ بے رخی نہ برتتے ہوں، تو (اس بے رخی کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ) انھوں نے (دین حق کو) جھوٹا بتادیا (جو منہ پھیرنے کا انتہائی درجہ ہے اور اس کے صرف ابتدائی درجہ یعنی بے التفاتی یا بے توجہی پر اکتفا نہیں کیا اور پھر جھٹلانا بھی خالی نہیں، بلکہ مذاق اڑانے کے ساتھ) تو اب جلدی ہی ان کو اس بات کی حقیقت معلوم ہو جائے گی، جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے (یعنی جب موت کے وقت یا قیامت میں اللہ کے عذاب کا معائنہ ہوگا، اس وقت قرآن کا سچا ہونا اور جو کچھ قرآن میں ہے یعنی عذاب وغیرہ کھل کر سامنے آجائے گا اور اگر نازل کی جانے والی آیتوں کی بھلائی وخیر کا انکار کیا تھا، کہ اپنے معاملات پر جن کی دلالت شرعی ہے، اگرچہ ان آیتوں اور اللہ کی سچائی عقلی ہے، لیکن ان تکوینی آیتوں یعنی قدرتی نشانیوں کا انکار اور زیادہ عجیب ہے کہ اپنے معاملات یعنی بنانے یا پیدا کرنے والے کی توحید پر ان کی دلالت عقلی محض ہے، اور اگر شریعت سے نفرت کرتے ہیں تو عقل سے تو دور اور خالی نہیں، تو) کیا انھوں نے زمین کو نہیں دیکھا؟ (جو ان کے بہت قریب اور ہر وقت نظروں کے سامنے ہے) کہ ہم نے اس میں کس قدر عمدہ قسم کی جڑی بوٹیاں اگائی ہیں (جو تمام مصنوعات یعنی بنائی ہوئی چیزوں کی طرح بنانے والے کے کمال کے وجود اور اس کے ایک ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ) اس میں (ذاتی، صفاتی اور افعالی توحید کی) ایک بڑی نشانی (عقلی) ہے (اور خود یہ مسئلہ بھی عقلی ہے کہ معبود ہونے کے لئے ذاتی اور صفاتی کمال شرط ہے اور مذکورہ کمال کے لازمی امور میں سے معبود ہونے سے تنہا ہونا ہے) اور (اس کے باوجود) ان میں کے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے (اور شرک کرتے ہیں غرض شرک کرنا نبوت کے انکار سے بھی بڑھ کر ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کے عناد نے ان کی فطرت میں پوری طرح خلل پیدا کر دیا، پھر ایسے لوگوں کے پیچھے کیوں جان کھوئی جائے) اور (اگر انہیں اللہ کے نزدیک شرم کے مذمت کے قابل ہونے میں یہ شبہ ہو کہ ہم پر عذاب جلدی سے کیوں نہیں آجاتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) بلاشبہ آپ کا رب (اس کے باوجود کہ) غالب (اور کامل قدرت والا) ہے (مگر اس کے ساتھ ہی) رحم کرنے والا (بھی) ہے (اور اس کی عام رحمت دنیا میں کافروں سے بھی متعلق ہے، اس کا اثر یہ ہے کہ ان کو مہلت دے رکھی ہے ورنہ کفر یقیناً مذمت کے قابل ہے اور عذاب کا تقاضا کرتا ہے۔

فائدہ: ایسی ہی آیت آگے قصوں کے ختم پر آرہی ہے، وہاں بھی یہی حاصل ہے کہ وہ واقعات بھی اس مقام میں مذکور دلیل کی طرح استدلال اور اعتبار کے لائق ہیں، جن میں غور کر کے اللہ سے ڈرنا چاہئے تھا اور اس کے اعتقادی و عملی احکام کی بجا آوری میں مستعد ہونا چاہئے تھے اور شرک اور نبوت کے انکار کو چھوڑ دینا چاہئے تھا، مگر یہ لوگ اس کے باوجود ایمان نہیں لاتے اور اللہ تعالیٰ عذاب دینے پر قادر ہونے کے باوجود اپنی رحمت کی وجہ سے مہلت دیتا ہے اور اہتمام کی وجہ سے اس کو بار بار فرمایا ہے۔

﴿ وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۝ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ؕ ۝ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۝ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ؕ ۝ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ۚ ۝ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ ﴾

ربع

ترجمہ: اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ تم ان ظالم لوگوں کے یعنی قوم فرعون کے پاس جاؤ، کیا یہ لوگ نہیں ڈرتے؟ انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ مجھ کو جھٹلانے لگیں۔ اور میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی۔ اس لئے ہارون کے پاس وحی بھیج دیجئے اور میرے ذمہ اُن لوگوں کا ایک جرم بھی ہے سو مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھ کو قتل کر ڈالیں۔ ارشاد ہوا کہ کیا مجال ہے؟ سو تم دونوں ہمارے احکام لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں، سنتے ہیں، سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم رب العالمین کے فرستادہ ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے، فرعون کہنے لگا کیا ہم نے تم کو بچپن میں پرورش نہیں کیا اور تم اپنی عمر میں برسوں ہم میں رہا سہا کئے۔ اور تم نے اپنی وہ حرکت بھی کی تھی جو کی تھی، اور تم بڑے ناسپاس ہو۔ موسیٰ نے جواب دیا کہ اُس وقت وہ حرکت میں کر بیٹھا تھا اور مجھ سے غلطی ہوگئی تھی، پھر جب مجھ کو ڈر لگا تو میں تمہارے ہاں سے مفرور ہوگیا پھر مجھ کو میرے رب نے دانشمندی عطا فرمائی اور مجھ کو

پیغمبروں میں شامل کردیا۔ اور وہ یہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان رکھتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت میں ڈال رکھا ہے، فرعون نے کہا کہ رب العالمین کی ماہیت کیا ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا کہ وہ پروردگار ہے، آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اُس کا اگر تم کو یقین کرنا ہو، فرعون نے اپنے اردگرد والوں سے کہا کہ تم لوگ سنتے ہو۔ موسیٰ نے فرمایا کہ وہ پروردگار ہے تمہارا اور تمہارے پہلے بزرگوں کا۔ فرعون کہنے لگا کہ یہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے مجنون ہے! موسیٰ نے فرمایا کہ وہ پروردگار ہے مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، اس کا بھی اگر تم کو عقل ہو! فرعون کہنے لگا کہ اگر تم میرے سوا کوئی اور معبود تجویز کروگے تو تم کو جیل خانہ بھیج دوں گا۔ موسیٰ نے فرمایا: کیا اگر میں کوئی صریح دلیل پیش کردوں تب بھی؟ فرعون نے کہا کہ اچھا تو وہ دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ سو موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ دفعۃً ایک نمایاں اژدہا بن گیا اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو وہ دفعتاً سب دیکھنے والوں کے روبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہوگیا۔

ربط: اوپر جھٹلانے والوں اور انکار کرنے والوں کی مذمت تھی، اب انہیں ڈرانے اور دھمکانے اور عبرت کے لئے چند قصے بیان کئے جاتے ہیں۔

پہلا قصہ: موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ:

اور (ان لوگوں سے اس وقت کا قصہ بیان کیجئے تا کہ انہیں عبرت ہو) جب آپ کے رب نے موسیٰ (علیہ السلام) کو پکارا (اور حکم دیا) کہ تم ان ظالم لوگوں یعنی فرعون کی قوم کے پاس جاؤ (اور اے موسیٰ! دیکھو) کیا یہ لوگ (ہمارے غضب سے) ڈرتے نہیں؟ یعنی ان کی حالت عجیب اور بہت بری ہے، اس لئے ان کی طرف تمہیں بھیجا جارہا ہے) انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! (میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں، لیکن اس خدمت کو انجام دینے کے لئے ایک مددگار چاہتا ہوں، کیونکہ) مجھے یہ اندیشہ ہے کہ وہ (مجھے پہلے ہی مرحلہ میں اس سے پہلے کہ میں اپنی بات پوری کروں) جھٹلانے لگیں (اور فطری طور پر ایسے وقت میں) میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے، اور میری زبان (اچھی طرح) نہیں چلتی (جیسا کہ کہا گیا ہے:

فہم سخن تا نہ کند مستمع ❁ قوت طبع از متکلم مجوئے

(یعنی جب تک سننے والا بات کو نہیں سمجھتا، بولنے والے میں طبعی قوت مت ڈھونڈو)

اس لئے ہارون کے پاس بھی وحی بھیج دیجئے (اور انہیں بھی نبوت عطا فرمادیجئے کہ اگر مجھے جھٹلایا جائے تو وہ تصدیق کرنے لگیں تا کہ دل شگفتہ اور زبان رواں رہے، اور اگر کسی وقت میری زبان بند ہوجائے تو وہ تقریر کرنے لگیں اور اس کے باوجود کہ یہ غرض ہارون کو عطا ہوئے بغیر ساتھ رکھنے سے ہی حاصل ہوسکتی تھی مگر نبوت عطا کردیئے جانے سے اور زیادہ پوری طرح حاصل ہوگی) اور (عرض کے قابل ایک امر یہ ہے کہ) میرے ذمہ ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے (کہ میرے ہاتھ سے ایک قبطی قتل ہوگیا ہے جس کا قصہ سورۂ قصص میں آئے گا) تو (اس لئے) مجھے (ایک) یہ اندیشہ ہے کہ وہ لوگ

مجھے (رسالت کی تبلیغ سے پہلے ہی قتل نہ کر ڈالیں (تب تبلیغ نہ کرسکوں گا، تو اس کی بھی کچھ تدبیر فرما دیجئے) ارشاد ہوا کہ کیا مجال ہے (جو ایسا کر سکیں، اور ہم نے ہارون کو بھی پیغمبری دے دی۔ اب تبلیغ سے متعلق دونوں رکاوٹیں دور ہو گئیں) تو (اب) تم دونوں ہمارے احکام لے کر جاؤ (کہ ہارون بھی نبی ہو گئے اور) ہم (نصرت و امداد سے) تمہارے ساتھ ہیں (اور جو گفتگو تمہاری اور ان لوگوں کی ہو گی، اس کو) سنتے ہیں تو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور (اس سے) کہو کہ ہم سارے عالموں کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں (اور توحید کی طرف دعوت کے ساتھ یہ حکم بھی لائے ہیں) کہ تو بنی اسرائیل کو (اپنی بے گار اور ظلم سے رہائی دے کر انہیں ان کے اصلی وطن ملک شام کی طرف) ہمارے ساتھ جانے دے۔ دعوت کے مجموعہ کا حاصل اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق میں زیادتی کا ترک کرنا ہے، چنانچہ یہ دونوں حضرات گئے اور فرعون سے ساری باتیں کہہ دیں) فرعون (یہ سب باتیں سن کر پہلے موسیٰ علیہ السلام کو پہچان کر ان کی طرف متوجہ ہوا اور) کہنے لگا کہ (آ ہا! تم ہو) کیا ہم نے تمہیں بچپن میں پالا نہیں تھا، اور تم اپنی (اس) عمر میں برسوں ہمارے ساتھ رہتے رہے اور تم نے اپنی وہ حرکت بھی کی تھی جو کی تھی (یعنی قبطی کو قتل کیا تھا) اور تم بڑے ناشکرے ہو (کہ میرا ہی کھایا اور میرے ہی آدمی کو قتل کر دیا اور پھر مجھے اپنا تابع بنانے کے لئے آئے ہو۔ چاہئے تو یہ تھا کہ تم مجھ سے ہر طرح سے دبتے) موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ (واقعی) میں اس وقت وہ حرکت کر بیٹھا تھا اور مجھ سے غلطی ہو گئی تھی (یعنی میں نے جان بوجھ کر قتل نہیں کیا، میں اس کی غلطی پر اسے سزا دینا چاہتا تھا، اتفاق سے وہ مر گیا) پھر جب مجھے ڈر لگا تو میں تمہارے یہاں سے فرار ہو گیا، پھر میرے رب نے مجھے سمجھ داری عطا فرمائی اور مجھے رسولوں میں شامل کر دیا (اور وہ سمجھ داری اس نبوت کے لئے لازم امور میں سے ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول کی حیثیت سے آیا ہوں جس میں دبنے کی کوئی وجہ نہیں اور رسول ہونا غلطی سے قتل کر دینے کے خلاف نہیں، کیونکہ وہ قتل میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا تھا، غلطی سے ہو گیا تھا، جو نبوت کی اہلیت و صلاحیت میں کسی نقصان کا سبب نہیں، اور استعداد یعنی اہلیت و صلاحیت کے ہوتے ہوئے کسی کام کا ہو جانا بڑی بات نہیں، یہ تو قتل کے جواب کا اعتراض ہے) اور (رہا بچپن میں پالنے کے احسان کا جتلانا تو) وہ نعمت یہ ہے جس کا تو مجھ پر احسان رکھتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت (اور ظلم) میں ڈال رکھا تھا (کہ ان کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا جس کے ڈر کی وجہ سے مجھے صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈالا گیا۔ اور میں تجھ تک پہنچ گیا، اور تیری پرورش میں رہا تو اس پرورش کی اصلی وجہ تو تیرا ظلم ہی ہے، تو ایسی پرورش کا کیا احسان جتایا جاتا ہے بلکہ اس سے تو اپنی بیجا حرکتوں کو یاد کر کے شرمانا چاہئے، اس بارے میں فرعون (لاجواب ہو گیا تو بات کا پہلو بدل کر اس) نے کہا کہ (جس کو تم) رب العالمین (کہتے ہو اور جس کی وجہ سے ﴿ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ یعنی ہم رب العالمین یا عالموں کے رب کے رسول ہیں کہتے ہو، اس) کی حقیقت کیا ہے؟ موسیٰ (علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس (ساری مخلوقات) کا پروردگار ہے اگر تمہیں یقین (حاصل) کرنا ہو (تو اتنی بات بہت کافی ہے، مطلب یہ ہے کہ حقیقت سے اس

کی معرفت نہیں ہو سکتی، جب بھی اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا تو جواب صرف اس کی صفات ہی کے حوالہ سے ملے گا) فرعون نے اپنے آس پاس (بیٹھنے) والوں سے کہا کہ تم لوگ (کچھ) سن رہے ہو (کہ میں سوال کیا کر رہا ہوں اور یہ جواب کیا دے رہے ہیں؟) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ وہ تمہارا اور تمہارے پہلے بزرگوں کا پروردگار ہے (اس جواب میں اس مذکورہ مطلب پر ایک بار پھر تنبیہ ہے مگر) فرعون (نہ سمجھا اور) کہنے لگا کہ یہ تمہارا رسول جو (اپنے زعم میں) تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے، مجنوں (معلوم ہوتا) ہے، موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ وہ مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، اس کا بھی پروردگار ہے، اگر تمہیں عقل ہو) تو اس سے مان لو (آخر) فرعون (جھلا کر) کہنے لگا کہ اگر تم میرے سوا کسی اور کو معبود بناؤ گے تو تمہیں جیل خانہ میں بھیج دوں گا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اگر میں کوئی کھلی دلیل پیش کروں (تو کیا) تب بھی (نہ مانے گا) فرعون نے کہا کہ اچھا تو وہ دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ اچانک ایک نمایاں اژدہا بن گیا اور (دوسرا معجزہ دکھانے کے لئے) اپنا ہاتھ (گریبان میں دے کر) باہر نکالا تو وہ اچانک سارے دیکھنے والوں کے سامنے بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا (کہ اس کو بھی سب نے کھلے طور پر دیکھنے اور محسوس کرنے والی آنکھ سے دیکھا)

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں جو لکنت تھی، اس کو دور کرنے کے لئے سورۂ طٰہٰ آیت ۲۷ و ۲۸ میں دعا ہے ﴿ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴾ یہاں ﴿ لَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ ﴾ میں زبان کے نہ چلنے سے وہ مراد نہیں، ورنہ اگر زبان کا وہ نہ چلنا ہارون کو نبوت عطا کرنے کی دعا کا سبب ہوتا تو پھر لکنت دور کرنے کی دعا کی ضرورت نہیں تھی۔ واللہ اعلم

سورۃ الاعراف آیت ۱۰۲ کے بعد حضرت موسیٰ، فرعون اور بنی اسرائیل کا قصہ بہت تفصیل سے آیا ہے، وہاں کلمات ﴿ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ اور ﴿ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴾ اور ﴿ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴾ سے متعلق کچھ ضروری مضامین گذر چکے ہیں جو ملاحظہ کئے جانے کے قابل ہیں، اور پالنے کا احسان جتانے سے احسان ماننے کی نفی مقصود نہیں، بلکہ احسان جتانے کی نفی مقصود ہے جو عام طور سے مذمت کے قابل ہے اور خاص طور سے جب کہ اس احسان کا سبب احسان کا دعویٰ کرنے والے کا ظلم و زیادتی ہو۔ خوب سمجھ لو۔

﴿ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ۝ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ۝ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ

وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ۝ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ۝ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ۝ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ قَالُوْا لَا ضَیْرَ ؗ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

ترجمہ: فرعون نے اہل دربار سے جو اُس کے آس پاس تھے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو سے تم کو تمہاری سرزمین سے باہر کردے۔سوتم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟ درباریوں نے کہا کہ آپ ان کو اوران کے بھائی کو مہلت دیجئے اور شہروں میں چپراسیوں کو بھیج دیجئے کہ وہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لاکر حاضر کردیں۔غرض وہ جادوگر ایک معین دن کے خاص وقت پر جمع کر لئے گئے اور لوگوں کو یہ اشتہار دیا گیا کہ تم لوگ جمع ہو گے، تاکہ اگر جادوگر غالب آجاویں تو ہم ان ہی کی راہ پر رہیں۔ پھر جب وہ جادوگر آئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آگئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا کہ ہاں! اور تم اس صورت میں مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے۔موسیٰ نے اُن سے فرمایا کہ تم جو کچھ ڈالنا ہو ڈالو۔سوانھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم! بے شک ہم ہی غالب آویں گے۔پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا۔سوڈالنے کے ساتھ ہی ان کے تمام تر بنے بنائے دھندے کو نگلنا شروع کردیا۔سوجادوگر سب سجدہ میں گر پڑے۔کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے۔فرعون کہنے لگا کہ ہاں! تم موسیٰ پر ایمان لے آئے بدون اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں، ضرور یہ تم سب کا استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔سواب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے۔میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی پر ٹانگ دوں گا۔انھوں نے جواب دیا کہ کچھ حرج نہیں! ہم اپنے مالک کے پاس جا پہنچیں گے۔ہم اُمید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کردے، اس وجہ سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لے آئے۔

موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا تتمہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ معجزے ظاہر ہوئے تو) فرعون نے درباروالوں سے جو اس کے آس پاس (بیٹھے) تھے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے، اس کا (اصل) مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو (کے زور) سے تمہیں تمہاری زمین سے باہر کردے (اور خود یہاں کا سردار ہو جائے تاکہ دوسروں کی طرف سے کسی بھی قسم کی رکاوٹ کے بغیر اپنی قوم کو لے کر سرداری کرے) تو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟ درباریوں نے کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی کو (کچھ)

مہلت دے دیجئے (اور اپنی حکومت کی سرحدوں کے درمیان) شہروں میں چپراسیوں کو بھیج دیجئے کہ وہ (سارے شہروں سے) سارے ماہر جادوگروں کو (جمع کر کے) آپ کے پاس لا کر حاضر کر دیں۔ غرض ایک معین دن کے خاص وقت پر جادوگر جمع کر لئے گئے (معین دن سے مراد یوم الزینہ یعنی میلے کا دن اور خاص وقت سے مراد ضحیٰ یعنی دن چڑھے کا وقت ہے، جیسا کہ سورۂ طٰہٰ آیت ۵۹ میں مقابلہ کے لئے اس کے متعین ہونے کا بیان ہے، غرض اس دن اس وقت تک سب جمع کر لئے گئے اور فرعون کو سب کے جمع ہونے کی اطلاع کی گئی) اور (فرعون کی جانب سے عام اعلان کے طور پر) لوگوں میں اعلان کر دیا گیا کہ کیا تم لوگ (فلاں موقع پر اس واقعہ کو) دیکھنے کے لئے جمع ہوگے؟ (یعنی جمع ہو جاؤ تا کہ اگر جادوگر غالب آجائیں (جیسا کہ غالب امید ہے) تو ہم انہی کی راہ پر رہیں (یعنی وہی راہ جس پر فرعون تھا اور دوسروں کو بھی اس پر رکھنا چاہتا تھا۔ مطلب یہ کہ جمع ہو کر دیکھو امید ہے کہ جادوگر غالب رہیں گے، تو ہم لوگوں کے طریقہ کا حق ہونا دلیل وحجت سے ثابت ہو جائے گا، پھر جب وہ جادوگر (فرعون کی سربراہی میں) آئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر (موسیٰ علیہ السلام پر) ہم غالب آگئے تو کیا ہمیں کوئی بڑا بدلہ (اور انعام) ملے گا؟ فرعون نے کہا کہ ہاں! (مالی انعام بھی بڑا ملے گا) اور اس سے بھی بڑھ کر یہ عزت ومرتبہ ملے گا کہ) تم اس صورت میں (ہمارے) مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے (غرض اس گفتگو کے بعد مقابلہ کے لئے متعین مخصوص مقام پر آئے، اور دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور مقابلہ شروع ہوا، اور جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ اپنا عصا پہلے ڈالیں گے یا ہم ڈالیں؟) موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تمہیں جو کچھ ڈالنا ہو ڈالو، تو انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں (جو جادو کے اثر سے سانپ معلوم ہوتی تھیں) اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم! بیشک ہم ہی غالب آئیں گے۔ پھر موسیٰ (علیہ السلام) نے (اللہ کے حکم سے) اپنا عصا ڈالا (تو) ڈالنے کے ساتھ ہی اس نے (اژدہا بن کر) ان کے تمام بنے بنائے دھندوں کو نگلنا شروع کر دیا تو (یہ دیکھ کر) جادوگر ایسے متاثر ہوئے کہ) سب سجدہ میں گر پڑے (اور پکار پکار کر) کہنے لگے کہ ہم عالموں کے رب پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا بھی رب ہے، فرعون (بڑا گھبرایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ساری رعایا ہی مسلمان ہو جائے تو ایک مضمون گھڑ کر غیظ وغضب سے بھڑکتے ہوئے جادوگروں سے) کہنے لگا کہ تم میری اجازت دیئے بغیر موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ ضرور (معلوم ہوتا ہے کہ) یہ (جادو کے کام میں) تم سب کا استاذ ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے (اور تم اس کے شاگرد ہو، اس لئے تم نے آپس میں خفیہ سازش کر لی ہے کہ تم یوں کرنا ہم یوں کریں گے پھر اس طرح ہار جیت ظاہر کر دیں گے، تا کہ قبطیوں سے حکومت چھین کر اطمینان کے ساتھ خود حکومت کریں گے جیسا کہ سورۂ اعراف آیت ۱۲۳ میں ہے ﴿إِنَّ هَٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوهُ فِي الْمَدِينَةِ لِتُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا﴾) تو اب تمہیں حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے (اور وہ یہ ہے کہ) میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا (تا کہ اوروں کو عبرت ہو) انھوں نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں، ہم اپنے مالک کے پاس جا پہنچیں گے

(جہاں ہر طرح امن وراحت ہے۔ پھر ایسے مرنے سے کیا نقصان ہے اور) ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کردے۔ اس وجہ سے کہ ہم (اس موقع پر حاضر لوگوں میں سے) سب سے پہلے ایمان لے آئے (لہٰذا اس پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ ان سے پہلے بعض لوگ ایمان لا چکے تھے جیسے آسیہ اور فرعون کی قوم کا مؤمن اور بنی اسرائیل)

فائدہ: ﴿ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ ﴾ یعنی "ہم انہی کی راہ پر چلیں" کہنے میں فرعون کی اتباع مقصود ہے۔ اس عنوان سے تعبیر کرنے میں یہ اتباع کی دلیل کی طرف اشارہ ہے کہ خود غرضی ظاہر نہ ہو اور سورۂ اعراف میں بھی یہ قصہ ایسے ہی الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ وہاں کچھ ضروری فائدے آیتوں کے ذیل میں گذر چکے ہیں، ملاحظہ کر لئے جائیں۔

﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَاۗىِٕنِ حٰشِرِيْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ۝ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَاۗىِٕظُوْنَ ۝ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ۝ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا تَرَاۗءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو حکم بھیجا کہ میرے بندوں کو شبا شب نکال لے جاؤ تم لوگوں کا تعاقب کیا جاوے گا۔ فرعون نے شہروں میں چپراسی دوڑائے کہ یہ لوگ تھوڑی سی جماعت ہے اور انھوں نے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے اور ہم سب ایک مسلح جماعت ہیں۔ غرض ہم نے اُن کو باغوں سے اور چشموں سے اور خزانوں سے اور عمدہ مکانات سے نکال باہر کیا۔ یوں کیا اور ان کے بعد بنی اسرائیل کو ان کا مالک بنایا۔ غرض سورج نکلنے کے وقت ان کو پیچھے سے جالیا۔ پھر جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ کے ہمراہی کہنے لگے کہ بس ہم تو اُن کے ہاتھ آگئے۔ موسیٰ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ کیونکہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے۔ وہ مجھ کو ابھی راستہ بتلادے گا۔ پھر ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی عصا کو دریا پر مارو۔ چنانچہ وہ پھٹ گیا اور ہر حصہ اتنا تھا جیسا بڑا پہاڑ اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اُس موقع کے قریب پہنچادیا اور ہم نے موسیٰ کو اور ان کے ساتھ والوں کو سب کو بچالیا۔ پھر دوسروں کو غرق کردیا۔ اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور آپ کا رب بڑا زبردست ہے، بڑا مہربان ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا آخری حصہ:

اور (جب فرعون کو اس واقعہ سے بھی ہدایت نہ ہوئی اور اس نے بنی اسرائیل کو اذیت و تکلیف پہنچانا بند نہ کیا تو) ہم

نے موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم بھیجا کہ میرے (ان) بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو راتوں رات (مصر سے باہر) نکال لے جاؤ (اور فرعون کی جانب سے) تم لوگوں کا پیچھا (بھی) کیا جائے گا (چنانچہ وہ حکم کے مطابق بنی اسرائیل کو لے کر رات کو چل دیئے اور جب صبح کو یہ خبر مشہور ہوئی تو) فرعون نے (تعاقب کی تدبیر کرنے کے لئے جگہ جگہ آس پاس کے) شہروں میں چپراسی دوڑا دیئے (اور یہ کہلا بھیجا) کہ یہ لوگ (یعنی بنی اسرائیل ہمارے مقابلہ میں) تھوڑے سے لوگ ہیں (ان کے مقابلہ سے کوئی اندیشہ نہ کرے) اور انھوں نے (اپنی کارروائی سے) ہمیں بہت غصہ دلایا ہے (وہ کارروائی یہ ہے کہ خفیہ طور سے چالاکی سے نکل گئے یا یہ کہ ہمارے بہت سارے زیور بھی مانگ کر لے گئے۔ غرض ہمیں احمق بنا کر گئے ہیں، ضرور ان کا علاج کیا جانا چاہئے) اور ہم سب ایک مسلح جماعت (اور باقاعدہ فوج) ہیں غرض (دو چار دن میں جب سامان اور فوج تیار ہوگئی تو لاؤ لشکر لے کر بنی اسرائیل کے پیچھے چلا۔ اور یہ خیال بھی نہیں تھا کہ اب لوٹنا نصیب نہیں ہوگا تو اس حساب سے گویا) ہم نے انہیں باغوں اور چشموں سے اور خزانوں سے اور عمدہ مکانوں سے نکال باہر کیا (ہم نے ان کے ساتھ تو) یوں کیا اور ان کے بعد بنی اسرائیل کو ان کا مالک بنایا (یہ جملہ معترضہ تھا آگے قصہ ہے) غرض (ایک دن) سورج نکلنے کے وقت انہیں پیچھے سے جالیا (یعنی قریب پہنچ گئے، اس وقت بنی اسرائیل دریائے قلزم سے پار اترنے کی فکر میں تھے کہ کیا انتظام کریں کیسے دریا پار کریں) پھر جب دونوں جماعتیں (ایک دوسرے سے اتنی قریب ہوگئیں کہ) ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھی (گھبرا کر) کہنے لگے کہ (اے موسیٰ!) بس ہم تو ان کے ہاتھ آگئے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ہرگز نہیں کیونکہ میرا پروردگار میرے ساتھ ہے، وہ مجھے ابھی (دریا سے پار اترنے کا راستہ بتادے گا (کیونکہ موسیٰ علیہ السلام سے روانگی کے حکم کے وقت یہ کہہ دیا گیا تھا ﴿ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ ﴾ اگرچہ دریا کے خشک ہونے کی کیفیت نہیں بتائی تھی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اس وعدہ پر مطمئن تھے اور بنی اسرائیل کیفیت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے پریشان تھے) پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا کہ اپنا عصا دریا پر مارو، چنانچہ (انھوں نے اس پر عصا مارا جس سے) وہ (دریا) پھٹ (کر کئی حصے ہو) گیا (یعنی پانی کئی جگہ سے ادھر ادھر ہٹ گیا اور بیچ میں کئی سڑکیں کھل گئیں) اور ہر حصہ اتنا (بڑا) تھا جیسے بڑا پہاڑ (یہ لوگ دریا سے اطمینان کے ساتھ پار ہوگئے) اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی، اس موقع کے قریب پہنچا دیا (یعنی فرعون اور اس کے پیروکار بھی دریا کے نزدیک پہنچ گئے اور گذشتہ پیشین گوئی ﴿ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ﴾ کے مطابق دریا اس وقت تک اسی حالت پر رکا ہوا تھا۔ اس لئے کھلے راستہ کو غنیمت سمجھا اور آگا پیچھا سوچے بغیر سارا لشکر اندر گھس گیا، پھر ہر طرف سے پانی سمٹنا شروع ہوا اور سارے لشکر کا کام تمام ہوگیا) اور (قصہ کا انجام یہ ہوا کہ) ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اور ان کے ساتھ والوں کو سب کو غرق ہونے سے) بچالیا پھر دوسروں کو (یعنی ان کے مخالفوں کو) غرق کردیا (اور) اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت ہے (یعنی اس قابل ہے کہ کافر اس سے استدلال کریں کہ احکام اور رسولوں کی مخالفت اللہ کے عذاب کا سبب ہے، اور اس کو سمجھ

کر مخالفت سے بچیں) اور (اس کے باوجود ان (مکہ کے کافروں) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور آپ کا رب بڑا زبردست ہے (اگر چاہتا تو دنیا ہی میں انہیں عذاب دے دیتا، لیکن) بڑا مہربان (بھی) ہے (اس لئے اپنی عمومی رحمت سے عذاب کی مہلت مقرر کردی ہے، اس لئے عذاب جلدی نہ آنے کی وجہ سے بے فکر نہیں ہونا چاہئے)

فائدہ: ﴿وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ سے متعلق سورۃ الاعراف آیت ۱۳۷ ﴿وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ﴾ کے ذیل میں بھی کچھ لکھا گیا ہے۔ اس وقت اس سے متعلق کچھ اور زیادہ مضمون سامنے آیا، وہ پیش ہے کہ آیت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ فرعون کے ہلاک ہوتے ہی بنی اسرائیل مصر پر مسلط ہو گئے تھے جس کی وجہ سے آیت پر شبہ لازم آئے کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ اس وقت بنی اسرائیل مصر میں نہیں لوٹے بلکہ شام کی طرف بڑھتے رہے، درمیان میں تیہ کی وادی کا قصہ ہوا، اس کے چالیس برس بعد شام پر قبضہ ہوا اور وہاں ہی آباد ہو گئے۔ اب یہ شبہ نہیں رہا کیونکہ ﴿اَوْرَثْنَا﴾ میں بغیر درمیان فاصلہ کے اور فاصلہ کے ساتھ دونوں شامل ہیں تو مصر کی حکومت میں طرح طرح کے انقلابات آتے رہے یہاں تک کہ ایک زمانہ میں مصر بھی بنی اسرائیل کی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ اور یہ سلیمان علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ اور بعض نے یہاں مضاف محذوف مانا ہے یعنی واورثنا أمثالها بنی اسرائیل یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو ان نعمتوں کے مانند کا وارث بنا دیا اور أمثالها یعنی ان جیسی نعمتوں سے شام کے باغ اور چشمے مراد لئے ہیں یعنی ہم نے عزت والوں کو ذلیل کیا کہ یہ چیزیں ان کے قبضہ سے نکال دیں اور ذلیلوں کو عزت والا بنا دیا کہ انہیں ایسا سامان عطا کیا، چاہے دوسرے ملک میں ہی سہی۔ واللہ اعلم

اور فرعون کی قوم کے لوگوں کے زیور لینے سے متعلق سورۂ طٰہٰ میں توجیہ لکھی جا چکی ہے، ایک توجیہ اس وقت اپنی ایک پرانی تحریر میں نظر سے گذری کہ اگر کسی کو غیر کا مال لینے کا شبہ ہو تو وہ اس شبہ کو اس احتمال سے دور کرلے کہ مصریوں نے اللہ جانے ان غریبوں کا کتنا نقصان کیا ہوگا اور ان کی کتنی مزدوری مار لی ہوگی کہ ان سے کتنا بیگار لیا ہوگا، اس طرح تو شاید حساب بھی پورا نہ ہوگا۔

﴿وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِیْمَ ۘ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِیْنَ ۝ قَالَ هَلْ یَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۙ اَوْ یَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ یَضُرُّوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ ۝ قَالَ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۙ وَ الَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ ۙ وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۙ وَ الَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ۙ وَ الَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۝ رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۙ وَ اجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۙ وَ اجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ۙ وَ اغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ۙ وَ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ۙ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ۙ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۝ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ

لِلْمُتَّقِیْنَ ۙ۝ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ ۙ۝ وَقِیْلَ لَهُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ یَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ ؕ۝ فَكُبْكِبُوْا فِیْهَا هُمْ وَ الْغَاوٗنَ ۙ۝ وَ جُنُوْدُ اِبْلِیْسَ اَجْمَعُوْنَ ؕ۝ قَالُوْا وَ هُمْ فِیْهَا یَخْتَصِمُوْنَ ۙ۝ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۙ۝ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَ مَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ ۙ۝ وَ لَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ ۝ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝ ؏

ترجمہ: اور آپ، لوگوں کے سامنے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیجئے جبکہ انھوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کی عبادت کیا کرتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کیا کرتے ہیں۔ اور ہم ان پر جمے بیٹھے رہتے ہیں۔ ابراہیم نے فرمایا کہ کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم ان کو پکارا کرتے ہو یا یہ تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں؟ یا یہ تم کو کچھ ضرر پہنچا سکتے ہیں؟ اُن لوگوں نے کہا: نہیں بلکہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ ابراہیم نے فرمایا کہ بھلا تم نے ان کو دیکھا بھی جن کی تم عبادت کیا کرتے ہو، تم بھی اور تمہارے پرانے بڑے بھی؟ کہ یہ میرے باعث ضرر ہیں۔ مگر ہاں رب العالمین جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو رہنمائی کرتا ہے اور جو کہ مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے اور جو مجھ کو موت دے گا پھر مجھ کو زندہ کرے گا اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری غلط کاریوں کو قیامت کے روز معاف کردے گا۔ اے میرے پروردگار! مجھ کو حکمت عطا فرما اور مجھ کو نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرما، اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ اور مجھ کو جنت النعیم کے مستحقین میں سے کر اور میرے باپ کی مغفرت فرما کہ وہ گمراہ لوگوں میں ہے۔ اور جس روز سب زندہ ہو کر اٹھیں گے، اُس روز مجھ کو رسوا نہ کرنا جس دن میں کہ نہ مال کام آوے گا اور نہ اولاد۔ مگر ہاں! جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آوے گا اور خدا ترسوں کے لئے جنت نزدیک کردی جاوے گی اور گمراہوں کے لئے دوزخ سامنے ظاہر کی جاوے گی۔ اور ان سے کہا جاوے گا کہ وہ معبود کہاں گئے جن کی تم خدا کے سوا عبادت کیا کرتے تھے؟ کیا وہ تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں یا اپنا ہی بچاؤ کر سکتے ہیں؟ پھر وہ اور گمراہ لوگ اور ابلیس کا لشکر سب کے سب دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے۔ وہ کفار اس دوزخ میں گفتگو کرتے ہوئے کہیں گے کہ بخدا! بیشک ہم صریح گمراہی میں تھے جبکہ تم کو رب العالمین کے برابر کرتے تھے، اور ہم کو تو بس ان بڑے مجرموں نے گمراہ کیا۔ سو نہ کوئی ہمارا سفارشی ہے اور نہ کوئی مخلص دوست ہے۔ سو کیا اچھا ہوتا کہ ہم کو پھر واپس جانا ملتا کہ ہم مسلمان ہو جاتے۔ بیشک اس واقعہ میں ایک عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بے شک آپ کا رب بڑا زبردست رحمت والا ہے۔

دوسرا قصہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان کی قوم کے ساتھ:

اور آپ ان لوگوں کے سامنے ابراہیم (علیہ السلام) کا قصہ بیان کیجئے (تا کہ انہیں شرک کی برائی کی دلیلیں معلوم

ہوں، خاص طور سے ابراہیم علیہ السلام سے نقل ہو کر کیونکہ عرب کے یہ مشرک لوگ اپنے آپ کو ابراہیم کی ملت پر بتاتے ہیں۔ اور وہ قصہ اس وقت پیش آیا تھا) جب انھوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے (جو کہ بت پرست تھے) فرمایا تھا کہ تم کس (واہیات) چیز کی عبادت کیا کرتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کیا کرتے ہیں اور ہم انہی (کی عبادت) پر جمے بیٹھے رہتے ہیں۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ جب تم (اپنی حاجت پیش کرتے وقت) انہیں پکارتے ہو تو) کیا یہ تمہاری (پکار) سنتے ہیں؟ یا (تم جو ان کی عبادت کرتے ہو تو کیا) یہ تمہیں (کچھ نفع پہنچاتے ہیں؟ یا (اگر تم ان کی عبادت چھوڑ دو تو کیا) یہ تمہیں کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ یعنی معبود بننے یا عبادت کے مستحق ہونے کے لئے علم اور کامل قدرت ضروری ہے) ان لوگوں نے کہا نہیں (یہ بات تو نہیں ہے کہ یہ کچھ سنتے ہوں یا کچھ نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہوں اور ان کی عبادت کرنے کی یہ وجہ نہیں ہے) بلکہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے (اس لئے ہم بھی ان کی عبادت کرتے ہیں) ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ بھلا تم نے ان (کی حالت) کو (غور سے) دیکھا بھی ہے جن کی تم بھی اور تمہارے پرانے بڑے بھی عبادت کیا کرتے ہو؟ کہ یہ (سارے معبود) میرے (یعنی تمہارے لئے) نقصان کا باعث ہیں؟ (یعنی اگر ان کی عبادت کی جائے چاہے نعوذ باللہ میں کروں یا تم کرو تو سوائے نقصان کے اور کوئی نتیجہ نہیں) سوائے عالموں کے رب کے (کہ وہ ضرور ایسا ہے کہ اپنے عابدوں کا دوست ہے اور اس کی عبادت کرنے میں پوری طرح نفع ہی نفع ہے) جس نے مجھے (اور اسی طرح سب کو پیدا کیا، پھر وہی میری (مصلحتوں تک) رہنمائی کرتا ہے (یعنی عقل و سمجھ دیتا ہے جس سے نفع و نقصان کو سمجھتا ہوں) اور جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں (جس کے بعد شفا ہو جاتی ہے) تو وہی مجھے شفا دیتا ہے اور جو مجھے (وقت پر) موت دے گا، پھر (قیامت کے دن) مجھے زندہ کرے گا اور جس سے مجھے یہ امید ہے کہ میری خطاؤں کو قیامت کے دن معاف کر دے گا (یہ تمام صفتیں اس لئے سنائیں کہ قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی رغبت ہو، پھر کمال کی صفتیں بیان فرماتے ہوئے غلبۂ حضور کی وجہ سے حق تعالیٰ سے مناجات یعنی دعائیں کرنے لگے کہ) اے میرے پروردگار! مجھے حکمت (یعنی علم اور عمل کے درمیان جامعیت میں زیادہ کمال) عطا فرما (کیونکہ خود حکمت تو اس دعا کے وقت بھی حاصل ہے) اور مجھے (زیادہ قربت کے درجوں میں اعلیٰ درجہ کے) نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرما (اس سے عالی شان والے انبیاء مراد ہیں) اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ (تاکہ میرے طریقہ پر چلیں جس سے مجھے ثواب زیادہ ملے) اور مجھے جنت نعیم کے مستحق لوگوں میں شامل فرما۔ اور میرے باپ کو (ایمان کی توفیق دے کر اس کو بخش دے کہ وہ گمراہ لوگوں میں ہے اور جس دن سب زندہ ہو کر اٹھیں گے، اس دن مجھے رسوا نہ کرنا (آگے اس دن کے بعض ہولناک واقعات کا بھی ذکر فرما دیا تاکہ قوم سنے اور ڈرے، یعنی وہ ایسا دن ہوگا) جس دن (نجات کے لئے) نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد۔ سوائے اس کے (کسی کو نجات نہ ملے گی) جو اللہ کے پاس (کفر و شرک سے) پاک دل لے کر آئے گا اور (اس دن) اللہ سے ڈرنے والوں (یعنی ایمان والوں) کے لئے جنت

قریب کردی جائے گی (تا کہ اس کو دیکھیں اور یہ معلوم ہونے پر کہ ہم اس میں جائیں گے، خوش ہوں) اور گمراہوں (یعنی کافروں) کے لئے دوزخ سامنے ظاہر کردی جائے گی (کہ اس کو دیکھ کر غم زدہ ہوں کہ ہم اس میں پھینکے اور ڈالے جائیں گے) اور (اس دن) ان (گمراہوں) سے کہا جائے گا کہ وہ معبود کہاں گئے جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کیا کرتے تھے؟ کیا (اس وقت) وہ تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں؟ یا وہ اپنا ہی بچاؤ کر سکتے ہیں؟ پھر (یہ کہنے کے بعد وہ (عبادت کرنے والے) اور گمراہ لوگ اور ابلیس کا لشکر سب کے سب دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے (تو وہ بت نہ خود کو بچا سکے نہ عبادت کرنے والوں کو۔ اس طرح شیطان بھی نہ مددگار ہوئے اور نہ ہی ان کی مدد کی گئی) وہ کافر لوگ اس جہنم میں گفتگو کرتے ہوئے (ان معبودوں) سے کہیں گے کہ اللہ کی قسم! بیشک ہم کھلی گمراہی میں تھے، جب کہ تمہیں (عبادت میں) عالموں کے رب کے برابر کرتے تھے، اور ہمیں تو بس ان بڑے مجرموں نے (جو کہ گمراہی کے بانی تھے) گمراہ کیا تو (اب) نہ کوئی ہمارا سفارشی ہے (کہ چھڑا لے) اور نہ کوئی مخلص دوست ہے (کہ خالی ہمدردی کی باتیں ہی کر لے) تو کیا اچھا ہوتا کہ ہمیں (دنیا میں) پھر واپسی کا موقع مل جاتا کہ ہم مسلمان ہو جاتے (یہاں تک ابراہیم علیہ السلام کے ارشادات ہو گئے۔ آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) بے شک اس واقعہ (ابراہیم کے مناظرہ اور قیامت کے واقعہ) میں (بھی حق کے طلب کرنے والوں اور انجام کے بارے میں سوچنے والوں کے لئے) ایک عبرت ہے (کہ مناظرہ کے مضمونوں میں غور کر کے توحید کا اعتقاد کریں اور قیامت کے واقعات سے ڈریں اور ایمان لائیں) اور (اس کے باوجود) ان (مکہ کے مشرکوں) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، بے شک آپ کا رب بڑا زبردست رحمت والا ہے (کہ عذاب دے سکتا تھا، مگر مہلت دے رکھی ہے)

فائدہ: ﴿ خَطِيْٓـَٔتِيْ ﴾ یعنی ''میری خطاؤں'' سے مراد خلاف اولیٰ امور اور باتیں ہیں۔ ورنہ انبیاء علیہم السلام معاصی اور نافرمانیوں سے پاک ہیں۔ اور ﴿ اَلْحِقْنِيْ ﴾ یعنی ''شامل فرما'' سے نیک و صالح لوگوں کے لئے مخصوص مرتبہ میں زیادتی میں شامل کرنا مراد ہے، اور ﴿ اغْفِرْ لِاَبِيْٓ ﴾ کے ترجمہ کی جو تقریر کی گئی ہے، اس سے کافر کے لئے استغفار کا شبہ جاتا رہا، اور ابراہیم علیہ السلام کا یہ فرمانا ﴿ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴾ صاف قرینہ ہے کہ استغفار سے بظاہر سمجھ میں آنے والے معنی کو کافر کے لئے وہ بھی نفع دینے والا نہ سمجھتے تھے۔ اور ﴿ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴾ سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ مؤمنوں کے لئے تو وہ مال جو صدقہ کیا ہو، اور وہ اولاد جو نیک و صالح ہو یا نابالغ مر گئی ہو نفع دینے والے ہیں۔ اصل میں نفع کی نفی ان کی ذات کے اعتبار سے ہے اور نفع دینے والا ہونا نیک عمل یعنی صدقہ اور صبر سے ملنے کی وجہ سے ہے، لہٰذا اس جواب کی ضرورت نہیں کہ یہ نفع نہ ہونا کافروں کے لئے مخصوص ہے اور آیت سے جو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس دن بتوں کو کچھ علم و احساس ہوگا تو عقل اور نقل کے لحاظ سے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰي رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۝ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ۝ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

ترجمہ: قوم نوح نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ اُن سے اُن کے برادری کے بھائی نوح نے فرمایا کہ کیا تم نہیں ڈرتے، میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو، اور میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو، وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا ہم تم کو مانیں گے حالانکہ رذیل لوگ تمہارے ساتھ ہولئے ہیں۔ نوح نے فرمایا کہ ان کے کام سے تو مجھ کو کیا بحث۔ ان سے حساب کتاب لینا بس خدا کا کام ہے۔ کیا خوب ہو کہ تم اس کو سمجھو اور میں ایمان داروں کو دُور کرنے والا نہیں ہوں۔ میں تو صاف طور پر ایک ڈرانے والا ہوں۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ اگر تم اے نوح! باز نہ آؤ گے تو ضرور سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔ نوح نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! میری قوم مجھ کو جھٹلا رہی ہے۔ سو آپ میرے اور اُن کے درمیان میں ایک فیصلہ کر دیجئے اور مجھ کو اور جو ایمان دار میرے ساتھ ہیں ان کو نجات دیجئے تو ہم نے اُن کو اور جو اُن کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں تھے اُن کو نجات دی، پھر اس کے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔ اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بے شک آپ کا رب زبردست مہربان ہے۔

تیسرا قصہ: حضرت نوح علیہ السلام کا ان کی قوم کے ساتھ:

نوح کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا (کیونکہ ایک رسول کو جھٹلانے سے سب کا جھٹلانا لازم آتا ہے)، جب کہ ان سے ان کی برادری کے بھائی نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم (اللہ سے) نہیں ڈرتے ؟ تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں) کہ اللہ کے پیغام کو بغیر کسی کمی یا زیادتی کے جوں کا توں پہنچا دیتا ہوں) تو (اس کا تقاضا یہ ہے کہ) تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو، اور میں تم سے کوئی (دنیاوی) بدلہ (بھی) نہیں مانگتا، میرا بدلہ تو صرف عالموں کے رب کے ذمہ ہے، تو (میرے اس بے غرض ہونے کا تقاضا بھی یہ ہے کہ) تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا ہم تمہیں مانیں گے؟ حالانکہ تمہارے ساتھ رذیل لوگ ہیں (جن سے اتفاق کرنے اور ساتھ چلنے و رہنے سے شریف لوگوں کو شرم آتی ہے اور اکثر ایسے کم حوصلہ لوگوں کی غرض بھی مال یا عزت و مرتبہ حاصل کرنا ہوتا ہے، تو یہ لوگ بھی دل سے ایمان نہیں لائے) نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ان کے پیشہ سے تو مجھے کوئی بحث نہیں (کہ چاہے شریف ہوں یا رذیل ہوں، دین

میں اس فرق کا کوئی اثر نہیں، رہا یہ احتمال کہ ان کا ایمان دل سے نہیں تو اس پر) ان سے حساب کتاب لینا تو بس اللہ کا کام ہے، کیا اچھا ہو کہ تم اس بات کو سمجھو، اور (پیشہ کو رذیل ہونے کو اپنے ایمان کے لئے رکاوٹ قرار دینے سے جو اس درخواست سے اشارہ نکلتا ہے کہ میں ان کو اپنے پاس سے دور کردوں تو) میں ایمان والوں کو دور کرنے والا نہیں ہوں (چاہے تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، اس میں میرا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ) میں تو صاف طور پر ایک ڈرانے والا ہوں (اور تبلیغ یعنی ہدایت واصلاح کی بات صرف پہنچا دینے سے میرے رسول ہونے کے منصب سے متعلق غرض پوری ہوجاتی ہے۔ آگے اپنا نفع ونقصان تم لوگ خود (دیکھ لو) وہ کہنے لگے کہ اے نوح! (علیہ السلام) اگر تم (اس کہنے سننے سے) باز نہ آؤ گے تو ضرور پتھروں سے مار ڈالے جاؤ گے (غرض جب سالہا سال اس طرح گذر گئے، تب) نوح (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! میری قوم مجھے (برابر) جھٹلا رہی ہے تو آپ میرے اور ان کے درمیان میں ایک (عملی) فیصلہ کردیجئے (یعنی انہیں ہلاک کردیجئے) اور مجھے اور جو ایمان والے میرے ساتھ ہیں، انہیں (اس ہلاکت سے) نجات دیجئے (تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور) انہیں اور جو ان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں (سوار) تھے، انہیں نجات دی، اس کے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق کردیا۔ اس (واقعہ) میں (بھی) بڑی عبرت ہے اور (اس کے باوجود کہ) ان (کافروں) میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ بے شک آپ کا رب زبردست (اور) مہربان ہے (کہ عذاب دینے کی قدرت کے باوجود انہیں مہلت دیئے ہوئے ہے)

فائدہ: اگلے قصوں میں بھی دوسرے نبیوں کی دعوت میں بھی بالکل اسی مضمون کا آنا اس لئے ہے کہ تبلیغ کا یہ طریقہ سب میں مشترک ہے۔

﴿كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۚ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۙ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۚ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۚ وَاتَّقُوا الَّذِيْۤ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۚ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۚۙ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ؕ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَاۤ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۚ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۧ﴾

ترجمہ: قوم عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ اُن سے اُن کے بھائی ہود نے کہا کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا، بس میرا صلہ تو رب العالمین

کے ذمہ ہے، کیا تم ہر اونچے مقام پر ایک یادگار بناتے ہو جس کو محض فضول بناتے ہو اور بڑے بڑے محل بناتے ہو جیسے دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے اور جب کسی پر دارو گیر کرنے لگتے ہو تو بالکل جابر بن کر دارو گیر کرتے ہو۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اُس سے ڈرو جس نے تمہاری اُن چیزوں سے امداد کی ہے جن کو تم جانتے ہو، مواشی اور بیٹوں اور باغوں اور چشموں سے تمہاری امداد کی۔ مجھ کو تمہارے حق میں ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ وہ لوگ بولے کہ ہمارے نزدیک تو دونوں باتیں برابر ہیں، خواہ تم نصیحت کرو اور خواہ ناصح نہ بنو، یہ تو بس اگلے لوگوں کی ایک عادت ہے اور ہم کو ہرگز عذاب نہ ہوگا۔ غرض ان لوگوں نے ہود کو جھٹلایا تو ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا۔ بے شک اس میں بھی بڑی عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بے شک آپ کا رب زبردست اور مہربان ہے۔

چوتھا قصہ: ہود علیہ السلام کی قوم عاد کا:

عاد قوم نے رسولوں کو جھٹلایا، جب کہ ان سے ان (کی برادری) کے بھائی ہود (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہارے لئے امانت والا رسول ہوں تو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا۔ بس میرا بدلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ یا تم (شرک کے علاوہ تکبر و گھمنڈ اور ایک دوسرے پر فخر ظاہر کرنے میں بھی اتنے زیادہ مشغول ہو کہ) ہر اونچے مقام پر ایک یادگار (کے طور پر عمارت) بناتے ہو (تاکہ خوب اونچی نظر آئے) جس کو محض فضول (بلا ضرورت) بناتے ہو اور (اس کے علاوہ جو رہنے کے مکان ہیں جن کی ایک درجہ میں ضرورت بھی ہے، ان میں بھی یہ غلو یعنی حد سے بڑھے ہوئے ہو) کہ بڑے بڑے محل بناتے ہو (حالانکہ اس سے کم میں کام چل سکتا اور آرام مل سکتا ہے) جیسے تمہیں دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے (یعنی ایسے لمبے چوڑے اونچے اور بلند اور مضبوط مکان بنانا، اور ایسی نشانیاں اور یادگار اس وقت مناسب تھے کہ دنیا میں ہمیشہ رہنا ہوتا تو یہ خیال ہوتا کہ لمبے چوڑے مکان بناؤ تاکہ آئندہ نسل میں تنگی نہ ہو، کیونکہ ہم بھی رہیں گے اور وہ بھی ہوں گے اور اونچے بھی بناؤ تاکہ جب نیچے جگہ نہیں رہے گی تو اوپر رہنے لگیں گے۔ اور مضبوط بناؤ تاکہ ہماری لمبی عمر کے لئے کافی ہو اور یادگاریں بناؤ تاکہ ہمارے زندہ رہنے کے ساتھ ساتھ ہمارا ذکر بھی زندہ رہے۔ اور اب تو سب فضول ہے، بڑی بڑی یادگاریں بنی ہیں، اور بنانے والے کا نام تک معلوم نہیں، موت نے سب کا نام مٹا دیا کسی کا جلدی کسی کا دیر میں) اور (اس تکبر کی وجہ سے طبیعت میں سختی اور بے رحمی اس درجہ رکھتے ہو کہ) جب کسی پر پکڑ کرنے لگتے ہو تو بالکل جابر (اور ظالم) بن کر پکڑ کرتے ہو (ان بری عادتوں کا بیان اس لئے کیا گیا کہ یہ بری عادتیں اکثر ایمان اور اطاعت کے لئے رکاوٹ بن جاتی ہیں) تو (چونکہ شرک اور مذکورہ بری عادتیں سب اللہ کی ناراضی کا اور عذاب کا سبب ہیں اس لئے) تم (کو چاہئے کہ) اللہ سے ڈرو اور (چونکہ میں رسول ہوں، اس لئے) میری اطاعت کرو اور اس (اللہ) سے ڈرو (جس سے ڈرنے کے لئے میں کہتا ہوں، وہ ایسا ہے) جس نے تمہاری ان چیزوں سے امداد کی جن کو تم جانتے ہو (یعنی) مویشیوں اور باغوں اور چشموں سے تمہاری امداد کی) تو نعمت دینے کا تقاضہ

یہ ہے کہ نعمتیں دینے والے کے احکام کی بالکل مخالفت نہ کی جائے) مجھے تمہارے حق میں (اگر تم ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو) ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے (یہ تو ترہیب یعنی ڈرانا تھا اور ﴿ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ ﴾ الخ میں ترغیب تھی) وہ لوگ بولے کہ ہمارے نزدیک تو دونوں باتیں برابر ہیں، چاہے تم نصیحت کرو اور چاہے نصیحت نہ کرو (یعنی ہم دونوں حالتوں میں اپنے طرز عمل سے باز نہ آئیں گے۔ اور تم جو کچھ کہہ رہے ہو) یہ تو بس اگلے لوگوں کی ایک (معمولی) عادت (اور رسم) ہے (کہ ہر زمانہ میں لوگ نبوت کے دعویٰ دار بن کر لوگوں سے یوں ہی کہتے، سنتے رہے ہیں) اور (تم جو ہمیں عذاب سے ڈراتے ہو تو) ہمیں ہرگز عذاب نہ ہوگا۔ غرض ان لوگوں نے ہود (علیہ السلام) کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں (صرصر یعنی تیز آندھی کے عذاب سے) ہلاک کر دیا، بے شک اس (واقعہ) میں بھی بڑی عبرت ہے (کہ احکام کی مخالفت کا کیا انجام ہوا) اور (اس کے باوجود مکہ کے) ان (کافروں) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، اور بے شک آپ کا رب زبردست اور مہربان ہے (کہ عذاب دینے پر قادر بھی ہے اور رحمت سے مہلت بھی دے رکھی ہے)

﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْــَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۝ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۝ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾

ع ۹

ترجمہ: قوم ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ اُن سے اُن کے بھائی صالح نے فرمایا: کیا تم نہیں ڈرتے؟ میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کچھ صلہ نہیں چاہتا، بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ کیا تم کو ان ہی چیزوں میں بے فکری سے رہنے دیا جاوے گا جو یہاں موجود ہیں، یعنی باغوں میں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور ان کھجوروں میں جن کے گچھے خوب گوندھے ہوئے ہیں اور کیا تم پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے ہوئے مکانات بناتے ہو۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور اُن حدود سے نکل جانے والوں کا کہنا مت مانو جو سرزمین میں فساد کیا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔ اُن لوگوں نے کہا کہ تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے۔ تم بس ہماری طرح کے ایک آدمی ہو۔ سو کوئی معجزہ پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ صالح نے فرمایا کہ یہ اونٹنی ہے پانی پینے کے لئے

ایک باری اس کی ہے اور ایک مقرر دن میں ایک باری تمہاری اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کبھی تم کو ایک بھاری دن کا عذاب آ پکڑے۔ سو انھوں نے اُس اونٹنی کو مار ڈالا، پھر پشیمان ہوئے، پھر عذاب نے اُن کو آلیا۔ بے شک اس میں عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب بڑا زبردست اور بہت مہربان ہے۔

پانچواں قصہ: صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا:

ثمود قوم نے (بھی) رسولوں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے فرمایا: کیا تم (اللہ سے) نہیں ڈرتے؟ میں تمہارے لئے امانت والا رسول ہوں تو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی بدلا نہیں چاہتا، بس میرا صلہ تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے (اور تم جو نعمتیں مل جانے کی بدولت اللہ سے اس درجہ غافل ہو تو) کیا تمہیں انہی چیزوں میں بےفکری سے رہنے دیا جائے گا، جو یہاں (دنیا میں) موجود ہیں؟ یعنی باغوں میں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور ان کھجوروں میں جن کے گچھے خوب گوندھے ہوئے ہیں (یعنی ان کھجوروں میں خوب کثرت سے پھل آتا ہے) اور کیا (اس غفلت کی وجہ سے) تم پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے (اور فخر کرتے) ہوئے مکان بناتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور (بندگی کی) ان حدوں سے نکل جانے والوں کا کہنا مت مانو جو زمین میں فساد کیا کرتے ہیں اور (کبھی) اصلاح (کی بات) نہیں کرتے (کافروں کے رئیس و سردار مراد ہیں جو لوگوں کو گمراہی پر) آمادہ کرتے تھے اور فساد پھیلاتے تھے اور اصلاح نہ کرنے سے یہی مراد ہے) ان لوگوں نے کہا کہ تم پر تو کسی نے بڑا ہی بھاری جادو کر دیا ہے (جس سے عقل و دماغ میں خلل پیدا ہو گیا ہے کہ نبوت کا دعوی کرتے ہو، حالانکہ) تم بس ہماری ہی طرح ایک (معمولی) آدمی ہو (اور آدمی نبی نہیں ہوتا) تو کوئی معجزہ پیش کرو اگر تم (نبوت کے دعوی میں) سچے ہو، صالح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ ایک اونٹنی ہے (جو عادت کے خلاف معجزہ کے طور پر پیدا ہونے کی وجہ سے جیسا کہ سورۃ الاعراف کی ۷۳ سے ۷۹ تک کی آیتوں میں گذرا اور اس کے علاوہ کہ یہ میری رسالت پر دلیل ہے، خود اس کے بھی کچھ حقوق ہیں، چنانچہ ان میں سے ایک یہ ہے کہ) پانی پینے کے لئے ایک (دن کی) باری اس کی ہے اور ایک مقرر دن میں ایک باری تمہاری (یعنی تمہارے مویشیوں کی) اور (ایک یہ ہے کہ) اس کو برائی (اور تکلیف دینے کے ارادہ) کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کبھی تمہیں ایک بھاری دن کا عذاب آ پکڑے تو انھوں نے (نہ رسالت کی تصدیق کی نہ اونٹنی کے حقوق ادا کئے، بلکہ) اس اونٹنی کو مار ڈالا، پھر جب (عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو اپنی حرکت پر) شرمندہ ہوئے (مگر اول تو عذاب کو دیکھ لینے پر شرمندہ ہونا بےکار ہے، اس وقت شرمندہ ہونے بلکہ توبہ کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ دوسرے خالی فطری ندامت سے کیا ہوتا ہے جب تک اختیاری طور پر اس کا تدارک و علاج یعنی توبہ اور ایمان نہ ہو) پھر (آخر) انہیں عذاب نے آلیا۔ بے شک اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے اور (اس کے باوجود مکہ کے) ان (کافروں) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بے شک آپ کا رب بڑا زبردست بہت مہربان ہے (کہ قدرت کے باوجود مہلت دیتا ہے)

فائدہ: پانی کی باری اس طرح تھی کہ ایک دن اونٹنی کا اور ایک دن مویشیوں کا تھا، جب اونٹنی کی باری کا دن ہوتا تو وہ سارا پانی پی جاتی اور اس دن نہ دوسرے مویشیوں کو پانی ملتا نہ آدمیوں کو، جیسا کہ در منثور میں نے قتادہ سے روایت کیا ہے، یہی امر ان لوگوں کو ناگوار ہوا اور وہ اس اونٹنی کے دشمن ہو گئے اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ایک ہی کنواں تھا جس پر یہ باری تھی۔

﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿١٧٠﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿١٧٢﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١٧٣﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٧٤﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٧٥﴾ ﴾

ترجمہ: قوم لوط نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ اُن سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو، میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا، بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ کیا تمام دنیا جہان والوں میں سے تم مردوں سے فعل کرتے ہو اور تمہارے رب نے جو تمہارے لئے بیبیاں پیدا کی ہیں اُن کو نظر انداز کئے رہتے ہو۔ بلکہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ اے لوط! اگر تم باز نہیں آؤ گے تو ضرور نکال دیئے جاؤ گے۔ لوط نے فرمایا کہ میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔ لوط نے دعا کی کہ اے میرے رب! مجھ کو اور میرے متعلقین کو اُن کے اس کام سے نجات دے۔ سو ہم نے اُن کو اور ان کے متعلقین کو سب کو نجات دی بجز ایک بڑھیا کے کہ وہ رہ جانے والوں میں رہ گئی۔ پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا اور ہم نے اُن پر ایک خاص قسم کا مینہ برسایا۔ سو کیا برا مینہ تھا جو ان لوگوں پر برسا جن کو ڈرایا گیا تھا۔ بے شک اس میں عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لائے اور بیشک آپ کا رب بڑی قدرت والا بڑی رحمت والا ہے۔

چھٹا قصہ: لوط علیہ السلام کی قوم کا:

لوط (علیہ السلام) کی قوم نے (بھی) رسولوں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے بھائی لوط (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں، تو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے، کیا تمام دنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) مردوں سے فعل کرتے ہو اور تمہارے رب نے جو تمہارے لئے بیویاں پیدا کی ہیں انہیں نظر انداز کئے

رہتے ہو (یعنی تمہارے سوا اور کوئی یہ حرکت نہیں کرتا، اور یہ نہیں کہ اس کا برا ہونا معلوم نہ ہو) بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) تم (انسانیت کی) حد سے گذر جانے والے لوگ ہو، وہ لوگ کہنے لگے کہ اے لوط! اگر تم (ہمارے کہنے سننے سے) باز نہیں آؤ گے تو ضرور (بستی سے) نکال دیئے جاؤ گے۔ لوط (علیہ السلام) نے فرمایا کہ (میں اس دھمکی سے نہ رکوں گا، کیونکہ) میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں (تو کہنا کیسے چھوڑ دوں گا، جب کسی طرح ان لوگوں نے نہ مانا اور عذاب آتا نظر آیا تو) لوط (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے اور میرے (خاص) متعلقین کو ان کے اس کام (کے وبال) سے (جو ان پر آنے والا ہے) نجات دے تو ہم نے انہیں اور ان کے متعلقین کو سب کو نجات دی، سوائے ایک بڑھیا کے (اس سے لوط علیہ السلام کی بیوی مراد ہے) کہ وہ (عذاب میں) رہ جانے والوں میں رہ گئی، پھر ہم نے اور سب کو (جو لوط اور ان کے خاص متعلقین کے سوا تھے) ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کی (یعنی پتھروں کی) بارش برسائی تو کیسی بری بارش تھی جو ان پر برسائی (جن کو اللہ کے عذاب سے) ڈرایا گیا تھا۔ بے شک اس (واقعہ) میں (بھی) عبرت ہے اور (اس کے باوجود کے) ان (کافروں) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لائے اور بیشک آپ کا رب بڑی قدرت والا بڑی رحمت والا ہے (کہ عذاب دے سکتا تھا مگر ابھی نہیں دیا)

فائدہ: لوط علیہ السلام کی بیوی کا عذاب میں رہ جانا اس لئے تھا کہ وہ کافر تھی، اور اس لئے رات کو لوط علیہ السلام کے ساتھ بستی سے نہ نکلی، سورۂ ہود میں یہ قصہ آیا ہے اور روح المعانی تفسیر سورۂ قٓ میں ہے کہ یہ لوگ نسبی بھائی نہ تھے مجاز کے طور پر بھائی کہہ دیا، سسرالی رشتہ دار تھے کیونکہ لوط علیہ السلام یہاں ہجرت کر کے تشریف لائے تھے، آپ کی برادری کے لوگ آپ کے ساتھ نہ تھے۔

﴿كَذَّبَ اَصۡحٰبُ لۡـئَیۡكَةِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۚ اِذۡ قَالَ لَهُمۡ شُعَیۡبٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ۚ اِنِّیۡ لَكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوۡنِ ۚ وَمَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ؕ اَوۡفُوا الۡكَیۡلَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُخۡسِرِیۡنَ ۚ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ ۚ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ ۚ وَاتَّقُوا الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ وَالۡجِبِلَّةَ الۡاَوَّلِیۡنَ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِیۡنَ ۙ وَمَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا وَاِنۡ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الۡكٰذِبِیۡنَ ۚ فَاَسۡقِطۡ عَلَیۡنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ؕ قَالَ رَبِّیۡۤ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۚ فَكَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَهُمۡ عَذَابُ یَوۡمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ۚ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ؕ﴾

ترجمہ: اصحاب الایکہ نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ اُن سے شعیبؑ نے فرمایا کہ تم ڈرتے نہیں ہو، میں تمہارا امانت دار

پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور میں تم سے اس پر صلہ کوئی نہیں چاہتا۔ بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ تم لوگ پورا ناپا کرو اور نقصان مت کیا کرو اور سیدھی ترازو سے تولا کرو اور لوگوں کو اُن کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور سرزمین میں فساد مت مچایا کرو۔ اور اُس سے ڈرو جس نے تم کو اور تمام اگلی مخلوقات کو پیدا کیا۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ بس تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے اور تم تو محض ہماری طرح ایک آدمی ہو اور ہم تم کو جھوٹے لوگوں میں سے خیال کرتے ہیں۔ سو اگر تم سچوں میں سے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔ شعیب بولے کہ تمہارے اعمال کو میرا رب خوب جانتا ہے۔ سو وہ لوگ اُن کو جھٹلایا کئے پھر اُن کو سائبان کے واقعہ نے آ پکڑا۔ بیشک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا۔ اس میں عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور بے شک آپ کا رب بڑی قدرت والا، بڑی رحمت والا ہے۔

ساتواں قصہ: اصحاب الایکہ کا:

ایکہ والوں نے (بھی جن کا ذکر سورۂ حجر آیت ۷۸ میں گذر چکا ہے) رسولوں کو جھٹلایا، جب ان سے شعیب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہارے لئے امانت والا رسول ہوں تو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے، تم لوگ ناپنے والی چیزوں کو پورا ناپا کرو۔ اور (حق والے کا) نقصان مت کیا کرو اور (اسی طرح تولنے کی چیزوں میں) سیدھی ترازو سے تولا کرو (یعنی ڈنڈی نہ مارا کرو، نہ باٹوں میں فرق کیا کرو) اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور زمین میں فساد مت مچایا کرو، اور اس (قدرت والے اللہ) سے ڈرو جس میں تمہیں اور تمام اگلی مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ بس تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے (جس سے تمہاری عقل اور دماغ میں خلل پیدا ہو گیا اور تم نبوت کا دعوی کرنے لگے) اور تم تو محض ہماری ہی طرح ایک (معمولی) آدمی ہو اور ہم تو تمہیں جھوٹے لوگوں میں سے خیال کرتے ہیں تو اگر تم سچے لوگوں میں ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ واقعی تم نبی تھے، اس لئے تمہیں جھٹلانے کی وجہ سے ہمیں یہ سزا ہوئی) شعیب (علیہ السلام) بولے کہ (میں عذاب لانے والا یا اس کی کیفیت کی تعیین کرنے والا نہیں ہوں) تمہارے اعمال کو میرا رب (ہی) خوب جانتا ہے (اور اس عمل کا جو تقاضا ہے کہ کیا عذاب ہو اور کب ہو، اس کو بھی وہی جانتا ہے، اس کو اختیار ہے) تو وہ لوگ (برابر) انہیں جھٹلاتے رہے، پھر انہیں سائبان کے واقعہ نے آ پکڑا۔ بے شک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا (اور) اس (واقعہ) میں (بھی) بڑی عبرت ہے اور (اس کے باوجود مکہ کے) ان (کافروں) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب بڑی قدرت والا بڑی رحمت والا ہے (کہ عذاب نازل کر سکتا ہے مگر مہلت دے رکھی ہے)

فائدہ: ان آیتوں کے بعض الفاظ کی شرح سورۃ الاعراف کی ۸۵ سے ۹۳ تک کی آیتوں میں ہو چکی ہے۔ اور اصحاب ایکہ کی تحقیق سورۂ حجر آیت ۷۸ و ۷۹ میں دوسرے ضروری مضامین سے متعلق سمیت گذر چکی ہے اور سائبان کا وہ عذاب

جیسا کہ درمنثور میں ہے، یہ تھا کہ پہلے ان لوگوں پر گرمی مسلط ہوئی پھر ایک بادل ظاہر ہوا جس میں سے ٹھنڈی ہوا آتی تھی، سب لوگ اس کے نیچے جمع ہو گئے، تب اس میں سے آگ برسنی شروع ہوئی اور سب جل کر راکھ ہو گئے۔

﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝
بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ۝ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝
كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝
فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ۝ اَفَبِعَذَابِنَا
يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يُمَتَّعُوْنَ ۝ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝
وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ
مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۝ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَ
تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۝ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ
اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۝ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ
وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ
كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے۔ اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے۔ آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں تا کہ آپ منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں اور اس کا ذکر پہلی امتوں کی کتابوں میں ہے۔ کیا ان لوگوں کے لئے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اس کو علماء بنی اسرائیل جانتے ہیں اور اگر ہم اس کو کسی عجمی پر نازل کر دیتے پھر وہ اُن کے سامنے پڑھ بھی دیتا یہ لوگ تب بھی اُس کو نہ مانتے۔ اسی طرح اس ایمان نہ لانے کو ان نافرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے۔ یہ لوگ اس پر ایمان نہ لاویں گے جب تک کہ سخت عذاب کو نہ دیکھ لیں گے جو اچانک اُن کے سامنے آ کھڑا ہوگا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ پھر کہیں گے کہ کیا ہم کو مہلت مل سکتی ہے؟ کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کی تعجیل چاہتے ہیں۔ اے مخاطب! ذرا بتلاؤ تو اگر ہم ان کو چند سال تک عیش میں رہنے دیں پھر جس کا ان سے وعدہ ہے، وہ ان کے سر پر آ پڑے تو ان کا وہ عیش کس کام آ سکتا ہے۔ اور جتنی بستیاں ہم نے غارت کی ہیں سب میں نصیحت کے واسطے ڈرانے والے آئے اور ہم ظالم نہیں ہیں اور

اس کو شیاطین لے کر نہیں آئے اور یہ اُن کے مناسب ہی نہیں اور وہ اس پر قادر بھی نہیں، کیونکہ وہ شیاطین سننے سے روک دیئے گئے ہیں۔ سو تم خدا کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت مت کرنا کبھی تم کو سزا ہونے لگے اور آپ اپنے نزدیک کے کنبے کو ڈرایئے اور اُن لوگوں کے ساتھ فروتنی سے پیش آیئے جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں۔ اور اگر یہ لوگ آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے افعال سے بیزار ہوں اور آپ خدائے قادر رحیم پر توکل رکھئے جو آپ کو جس وقت کہ آپ کھڑے ہوتے ہیں اور نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست و برخاست کو دیکھتا ہے وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ کیا میں تم کو بتلاؤں کس پر شیاطین اُترا کرتے ہیں۔ ایسے شخصوں پر اُترا کرتے ہیں جو دروغ گفتار بدکردار ہوں اور جو کان لگا دیتے ہیں اور بکثرت جھوٹ بولتے ہیں اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں۔ اے مخاطب! کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ لوگ ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ ہاں مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اچھے کام کئے اور انھوں نے کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور انھوں نے بعد اس کے کہ اُن پر ظلم ہو چکا ہے بدلہ لیا اور عنقریب اُن لوگوں کو معلوم ہو جاوے گا جنھوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ اُن کو لوٹ کر جانا ہے۔

ربط: اوپر سورت کے شروع کی آیتوں میں قرآن مجید کی حقانیت اس سے متعلق بعض مضامین سمیت بیان ہوئی تھے۔ اب سورت کے خاتمہ میں اسی گذشتہ ذکر کی طرف لوٹ رہے ہیں اور اس سے متعلق مضامین یہ ہیں: وعید، انکار کرنے والوں کی مذمت، بعض شبہات کو دور کرنا تبلیغ کا حکم اور تبلیغ میں توکل یعنی اللہ پر بھروسہ اور ختم پر سخت طریقہ سے ڈرانا دھمکانا۔

ابتدائی مضمون کی طرف واپسی یعنی قرآن کے حق ہونے کا بیان اور اس سے متعلق مضامین:

اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے، اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے، آپ کے دل پر صاف عربی زبان میں تاکہ آپ (بھی) ڈرانے والوں میں سے ہوں (یعنی جس طرح دوسرے رسولوں نے اپنی اپنی امت کو اللہ کے احکام پہنچائے، آپ بھی پہنچائیں اور اس (قرآن) کا ذکر پہلی امتوں کی (آسمانی) کتابوں میں (بھی) ہے (کہ ایسی ایسی شان والا ایک رسول ہوگا اور اس پر ایسا کلام نازل ہوگا۔ چنانچہ تفسیر حقانی میں اس مقام کے حاشیوں میں چند خوش خبریاں نقل کی ہیں۔ آگے اس مضمون ﴿وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ﴾ کی توضیح ہے، یعنی) کیا ان لوگوں کے لئے (اس پر) یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اس (پیشین گوئی) کو بنی اسرائیل کے علماء جانتے ہیں (چنانچہ ان میں جو لوگ اسلام لے آئے ہیں، وہ تو اعلانیہ طور پر اس کا اعتراف کرتے ہیں اور جو اسلام نہیں لائے وہ بھی خاص لوگوں کے سامنے اقرار کرتے ہیں جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت ۴۴ ﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ﴾ کی تفسیر میں ذکر ہوا، اور ان اقرار کرنے والوں اور اعتراف کرنے والوں کی تعداد اکائیوں تک ہی محدود مان لی جائے تب بھی قرائن میں گھرے ہونے کے سبب معنی کے لحاظ سے تواتر حاصل تھا اور حجت عرب کے امی لوگوں کے اعتبار سے ہے ورنہ لکھے پڑھے لوگ خود اصل کتابوں میں دیکھ سکتے تھے اور اس سے یہ لازم نہیں

آتا کہ گذشتہ کتابوں میں تحریف ردو بدل نہیں ہوئی۔ کیونکہ تحریف کے باوجود ایسے مضامین کا رہ جانا زیادہ حجت ہے اور یہ احتمال کہ یہ مضامین تحریف ہی کا نتیجہ ہوں، اس لئے غلط ہے کہ اپنی کتابوں میں خود اپنے نقصان کے لئے یا اپنے خلاف کوئی تحریف نہیں کرتا یہ مضامین تو تحریف کرنے والوں کے دعووں کے خلاف اور انہیں نقصان دینے والے ہیں، جیسا کہ ظاہر ہے۔

یہاں تک تو دعوی ﴿ وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ ﴾ کی دو نقلی دلیلیں یعنی ان کی کتابوں میں ذکر اور بنی اسرائیل کا علم بیان فرمائیں کہ ان میں بھی دوسرا پہلے کی دلیل ہے) اور (آگے انکار کرنے والوں کے عناد کے بیان کے ضمن میں مذکورہ دعوی کی عقلی دلیل کی طرف اشارہ ہے جو کہ ایک معجزہ ہے یعنی یہ لوگ ایسا عناد رکھتے ہیں کہ) اگر (فرض کرو) ہم اس (قرآن) کو کسی عجمی (غیر عربی) پر نازل کردیتے پھر وہ (عجمی) ان کے سامنے اس کو پڑھ بھی دیتا (جس میں موجودہ معجزہ اور زیادہ ظاہر ہوتا کیونکہ جس پر نازل کیا جاتا، اسے عربیت پر اصل کے لحاظ سے قدرت نہ ہوتی، اور اب چاہے عربیت کے اعجاز کے درجہ پر قدرت نہیں، مگر نفس عربیت پر تو قدرت ہے، اس صورت میں اعجاز بہت ہی زیادہ واضح ہوتا اور اصل کے لحاظ سے شبہ کی سرسری نظر میں بھی گنجائش نہیں ہوتی، لیکن) یہ لوگ (انتہائی عناد کی وجہ سے) تب بھی اس کو نہ مانتے (آگے حضور کی تسلی کے واسطے ان کے ایمان لانے سے ناامیدی دلاتے ہیں یعنی) ہم نے اس طرح (شدت کے ساتھ) اس ایمان نہ لانے کو ان نافرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے (یعنی کفر میں شدید ہیں اور اس پر اصرار کرتے ہیں اور اس شدت و اصرار کی وجہ سے) یہ لوگ اس (قرآن) پر ایمان نہ لائیں گے، جب تک کہ سخت عذاب کو (مرنے کے وقت یا برزخ میں یا آخرت میں) نہ دیکھ لیں گے جو اچانک ان کے سامنے آ کھڑا ہوگا اور انہیں (پہلے سے) خبر بھی نہ ہوگی پھر (اس وقت جان پر بن جائے گی) کہیں گے کہ کیا (کسی طرح) ہمیں (کچھ) مہلت مل سکتی ہے؟ (لیکن وہ وقت نہ مہلت کا نہ ایمان قبول ہونے کا، اور وہ کافر لوگ وعید اور عذاب کے ایسے مضامین سن کر انکار کے انداز میں عذاب کا تقاضا کیا کرتے تھے ﴿ رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا ﴾ اور ﴿ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً ﴾ اور مہلت کو جو کہ عقل کے خلاف ہے، عذاب واقع نہ ہونے کی دلیل قرار دیتے تھے، آگے اس کا جواب ہے کہ) کیا (ہماری وعیدوں کو سن کر) یہ لوگ ہمارا عذاب جلدی چاہتے ہیں (جس کا منشاء انکار ہے، یعنی خبر دینے والے کے سچا ہونے کی دلیلوں کے قائم ہونے کے باوجود بھی انکار کرتے ہیں۔ رہا مہلت کو انکار کی بنیاد قرار دینا تو یہ سخت غلطی ہے، کیونکہ) اے مخاطب! ذرا بتاؤ تو اگر ہم انہیں (چند سال تک) عیش (و آرام) میں رہنے دیں۔ پھر جس (عذاب) کا ان سے وعدہ ہے، وہ ان کے سر پر آ پڑے تو ان کا وہ عیش کس کام آ سکتا ہے؟ (یعنی یہ عیش جس کا مقصد مہلت دینا ہے، عذاب کو ہلکا کرنے تک میں بھی مؤثر نہیں ہے، پھر عذاب نہ ہونے میں تو اس کو کیا دخل ہوتا، لہٰذا ان کا یہ استدلال بالکل لغو بے کار ہے) اور (حکمت کی وجہ سے چند روز تک مہلت دینا چاہے کم یا زیادہ کچھ انہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ گذشتہ امتوں کو بھی مہلتیں ملی ہیں، چنانچہ) ہم نے (انکار کرنے والوں کی) جتنی بستیاں (عذاب کے ذریعہ) غارت کی ہیں سب میں

نصیحت کے واسطے ڈرانے والے (رسول) آئے (جب انھوں نے نہ مانا تو عذاب نازل ہوا) اور ہم (صورت کے لحاظ سے بھی) ظالم نہیں ہیں (مطلب یہ ہے کہ مہلت دینے سے جو مقصود ہے یعنی حجت کا پورا کرنا اور عذر کو ختم کرنا وہ سب کے لئے ہے۔ رہا رسولوں کا آنا، اور سمجھانا تو یہ بھی مہلت کے لئے لازم ہے، مگر پھر بھی ہلاکت وعذاب ہوا۔ تو ان واقعات سے مہلت دینے کی حکمت بھی معلوم ہوگئی اور مہلت دینے اور عذاب میں ایک دوسرے کی ضد نہ ہونا بھی ثابت ہو گیا اور صورت کے لحاظ سے اس لئے کہا گیا کہ حقیقت میں تو کسی حالت میں بھی ظلم نہ ہوتا۔

آگے پھر پہلے مقصود یعنی مضمون ﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ ﴾ الخ کی طرف واپسی ہے، اور درمیان میں یہ مضامین انکار کرنے والوں کے حال کی مناسبت سے بیان ہوئے تھے۔ اور اگلے مضمون کا حاصل قرآن کی سچائی سے متعلق شبہات کا دور کرنا ہے۔ اس طرح ایک شبہ تو اس کے اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہونے پر تھا کہ جیسے عرب میں پہلے سے کاہن ہوتے آتے تھے، نعوذ باللہ آپ کی نسبت بھی بعض کافر یہی کہتے تھے جیسا کہ الدر میں ابن زید سے روایت ہے اور بخاری میں کہ ایک عورت کا قول ہے جو اس نے آپ ﷺ کے لئے کہا تھا جب کچھ دن وحی نہیں آئی تر ککک شیطانک یعنی "تجھے تیرے شیطان نے چھوڑ دیا" اس کا جواب ہے کہ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے) اور اس کو شیطان (جو کاہنوں کے پاس آیا کرتے تھے) لے کر نہیں آئے، اور (اس کے واقع ہونے کا تو کیا احتمال ہوتا وغیرہ کے امتناع کی وجہ سے خود امکان کا بھی احتمال نہیں، کیونکہ اس کے لئے دو مضبوط رکاوٹیں موجود ہیں: ایک شیطانوں سے متعلق صفت یعنی شیطانیت جس کے سبب) یہ (قرآن) ان (کی حالت) کے مناسب ہی نہیں (کیونکہ قرآن پوری طرح ہدایت ہے اور شیطان پوری طرح گمراہی۔ نہ ان پر ایسے مضامین آسکتے ہیں اور نہ ہی ایسے مضامین کی اشاعت سے ان کی غرض یعنی مخلوق کو گمراہ کرنا ہی، پوری ہوسکتی ہے ایک رکاوٹ تو یہ ہوئی) اور دوسری رکاوٹ ایک امر علاحدہ باہر ہے وہ یہ کہ) وہ اس پر قادر بھی نہیں، کیونکہ وہ شیطان (آسمانی وحی) سننے سے روک دیئے گئے ہیں (چنانچہ کاہنوں اور مشرکوں سے ان کے جنات نے اپنی ناکامی کا خود اعتراف کیا، جس کی انھوں نے اوروں کو بھی خبر دی، چنانچہ بخاری میں ایسے قصے باب اسلام عمر میں بیان ہوئے ہیں اور اس سے مراد شہاب ثاقب سے مارا جانا ہے جس کا ذکر سورۂ حجر کی آیتوں ۱۶ تا ۱۸ میں ہے۔ لہٰذا شیطانوں کی تلقین کا کسی طرح احتمال نہ رہا۔

اور اس جواب کا باقی حصہ اور ایک دوسرے شبہ کا جواب سورت کے ختم کے قریب آئے گا۔ درمیان میں اللہ کی طرف سے نازل ہونے پر فرع کے طور پر ایک مضمون ہے یعنی جب اس کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا ثابت ہے تو اس کی تعلیم پر عمل کرنا واجب ہوا اور ان میں سب سے اہم اور سب سے اعظم امر توحید ہے) تو (اے رسول! ہم اس کے واجب ہونے کی ایک خاص طریقہ سے تاکید کرتے ہیں کہ ہم آپ کو مخاطب بنا کر کہتے ہیں کہ) تم اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت مت کرنا، کبھی تمہیں سزا ہونے لگے (حالانکہ آپ میں نعوذ باللہ نہ شرک کا احتمال نہ عذاب دیئے جانے کا، پھر جب آپ

کے اعتبار سے بھی ان دونوں میں لازم ہونے کا حکم کیا جاتا ہے تو اور بے چارے تو کس گنتی میں ہیں، شرک سے انہیں کیسے منع نہ کیا جائے گا۔ اور شرک کرنے کے بعد عذاب سے کیسے بچیں گے) اور (اس مضمون سے) آپ (سب سے پہلے) اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے (چنانچہ آپ نے سب کو پکار کر جمع کیا اور شرک پر اللہ کے عذاب سے ڈرایا، جیسا کہ حدیثوں میں ہے) اور آگے انذار یعنی ڈرانے کو قبول کرنے والوں اور اس کو رد کرنے والوں کے ساتھ معاملہ کا طریقہ بتاتے ہیں۔ یعنی) ان لوگوں کے ساتھ (تو مشفقانہ نرمی اور) تواضع سے پیش آیئے جو مسلمانوں میں شامل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں (چاہے خاص آپ کے قبیلہ کے ہوں یا غیر قبیلہ کے) اور اگر یہ لوگ (جن کو آپ نے ڈرایا ہے) آپ کا کہنا نہ مانیں (اور کفر پر اڑے رہیں) تو آپ (صاف) کہہ دیجئے کہ میں تمہارے افعال سے بیزار ہوں (ان دونوں امروں یعنی ﴿ اخْفِضْ ﴾ یعنی تواضع سے پیش آئے۔ اور ﴿ فَقُلْ إِنِّىْ ﴾ الخ یعنی "آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے افعال سے بیزار ہوں" میں الحب فی اللہ یعنی اللہ کے لئے محبت اور البغض فی اللہ یعنی "اللہ کے لئے غصہ و دشمنی" کی پوری تعلیم ہے، کبھی ان مخالفوں کی طرف سے ایذا و اضرار یعنی تکلیف و نقصان کا اندیشہ نہ کیجئے) اور آپ اللہ پر بھروسہ رکھئے جو قادر (قدرت والا) اور رحیم (رحم والا) ہے۔ جو آپ کو اس وقت دیکھتا ہے جب آپ (نماز کے لئے) کھڑے ہوتے ہیں اور (نماز شروع کرنے کے بعد) نمازیوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں (اور وہ نماز کے بعد بھی نگرانی و دیکھ بھال رکھتا ہے کیونکہ) وہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے (اس طرح جب اسے علم بھی پورا ہے جیسا کہ ﴿ يَرٰىكَ ﴾ اور ﴿ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ سے اس پر دلالت ہے اور آپ پر مہربان بھی ہے، جیسا کہ ﴿ الرَّحِيْمِ ﴾ سے اس پر دلالت ہے اور اس کو سب کچھ قدرت ہے جیسا کہ ﴿ الْعَزِيْزِ ﴾ سے معلوم ہوتا ہے تو لازمی طور پر وہ توکل یعنی بھروسہ کے لائق ہے۔

وہ آپ کو حقیقی ضرر سے بچائے گا۔ اور جو توکل کرنے والے کو نقصان پہنچاتا ہے وہ صرف صورت میں نقصان ہوتا ہے جب کہ اس کے تحت ہزاروں نفع و فائدے ہوتے ہیں جو کبھی دنیا میں اور کبھی آخرت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

آگے کاہنوں والے شبہ کا تتمہ یعنی باقی حصہ ہے کہ اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) کیا میں تمہیں بتاؤں، شیطان کس پر اترا کرتے ہیں (سنو) وہ ایسے لوگوں پر اترا کرتے ہیں جو (پہلے سے) جھوٹی باتیں بنانے والے بدکردار ہوں اور جو شیطانوں کے خبر دینے کے وقت ان شیطانوں کی طرف) کان لگا دیتے ہیں اور (لوگوں سے ان چیزوں کے بیان کرنے کے وقت) وہ کثرت سے جھوٹ بولتے ہیں (چنانچہ سفلی عمل کرنے والوں کو اب بھی اس حالت میں دیکھا جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فائدہ پہنچانے والے اور فائدہ حاصل کرنے والے میں مناسبت ضروری ہے تو شیطان کا شاگرد بھی وہی ہوگا جو قول کے لحاظ سے جھوٹی باتیں بنانے والا اور عمل کے اعتبار سے بدکردار ہو، اور دل سے شیطان کی طرف متوجہ بھی ہو کہ بغیر توجہ کے استفادہ یعنی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور چونکہ اکثر یہ علم ناقص و ادھورے ہوتے ہیں، اس لئے ان کو یقین کے قابل اور مزیدار و دلچسپ بنانے کے لئے کچھ اندازوں اور گمان و خیال سے نمک مرچ بھی لگانی پڑتی

ہیں۔ کاہنوں کو ان لازمی امور کی عام طور سے عادت ہوتی ہے جو کہ سب کے سب نبی کی ذات سے بالکل دور ہوتے ہیں کہ آپ کا بولنے والوں میں سب سے زیادہ سچا، عمل کرنے والوں میں سب سے زیادہ پرہیزگار، شیطانوں کے لئے سب سے زیادہ غصہ اور دشمنی رکھنے والا اور خبر دینے والوں میں سب سے زیادہ سچا ہونا دشمنوں کے نزدیک بھی معروف دیکھا بھالا اور مسلم تھا پھر کاہن ہونے کا احتمال کہاں رہا؟)

اور (آگے شاعری کے شبہ کا جواب ہے کہ آپ شاعر بھی نہیں ہیں جیسا کہ کافر کہتے تھے ﴿بَلْ هُوَ شَاعِرٌ﴾ یعنی ان کے مضامین خیالی غیر واقعی ہیں، چاہے نظم کی شکل میں نہ ہوں تو یہ احتمال اس لئے غلط ہے کہ) شاعروں کے راستہ پر تو گمراہ لوگ چلا کرتے ہیں۔ راستہ سے مراد شعر کہنا ہے، یعنی یہ خیالی شاعرانہ مضامین کہنا نثر کی شکل میں یا نظم کی شکل میں، ان لوگوں کا شیوہ ہے جو تحقیق کے مسلک سے دور ہوں چنانچہ خیالی مضمون اسی کو کہتے ہیں جو تحقیق کے خلاف ہو۔ آگے اس دعوی کی توضیح ہے کہ) اے مخاطب! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ (شاعر) لوگ (خیالی مضامین کے) ہر میدان میں بھٹکتے (مضامین کی تلاش میں ٹکریں مارتے) پھرا کرتے ہیں اور (جب مضمون مل جاتا ہے تو چونکہ اکثر واقع کے خلاف ہوتا ہے، اس لئے) زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں (چنانچہ شاعروں کی گپ بازی کا ایک نمونہ لکھا جاتا ہے: اے رشک مسیحا تیری رفتار کے قرباں، ٹھوکر سے میری لاش کئی بار جلادی۔ اے بادصبا! ہم تجھے کیا یاد کریں گے، اس گل کی خبر تو نے کبھی ہم کو نہ لادی۔ صبا نے اس کے کوچہ سے اڑا کر، خدا جانے ہماری خاک کیا کی۔ وغیرہ وغیرہ، یہاں تک کہ کبھی کفر کی باتیں بھی بکنے لگتے ہیں جو خلاف واقع کی سب سے عظیم فرد ہے۔ اس طرح جواب کا حاصل یہ ہوا کہ شعری مضامین کے لئے خیال غیر محقق ہونا لازم امور میں سے ہے اور قرآن کے مضامین جس باب سے متعلق ہیں وہ سب کے سب محقق غیر خیالی ہیں، اس طرح لازم کی نفی سے ملزوم کی بھی نفی ہوگئی۔ اس لئے آپ کو شاعر کہنا خود شاعرانہ جنون کے سوا کچھ نہیں۔ یہاں تک کہ چونکہ نظم میں اکثر ایسے ہی مضامین ہوا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو نظم پر قدرت بھی نہیں دی، حالانکہ جس شعر کی یہاں نفی مقصود ہے، اس معنی میں وہ شعر نہیں ہے اور اوپر چونکہ شاعروں کی مذمت بیان ہوئی ہے جس کے عموم میں صورت کے اعتبار سے سارے نظم کہنے والے آگئے چاہے ان کے مضامین اصل میں پوری طرح حکمت اور تحقیق ہوں۔ اس لئے آگے ان کو مستثنیٰ یعنی الگ فرماتے ہیں کہ) سوائے ان لوگوں کے جو (ان شاعروں میں سے) ایمان لائے اور اچھے اچھے کام کئے (یعنی نہ ان کا قول شریعت کے خلاف ہے نہ فعل۔ یعنی ان کے اشعار میں بے ہودہ مضامین نہیں ہیں) اور انھوں نے (اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا ذکر کیا (یعنی ان کے اشعار دین کی تائید اور علم کی اشاعت میں ہیں، کہ یہ سب اللہ کا ذکر ہے) اور (اگر کسی شعر میں بظاہر کوئی نامناسب مضمون بھی ہے جیسے کسی کی ہجو کہ بظاہر اخلاقِ حسنہ یعنی اچھے اخلاق و عادتوں کے خلاف ہے تو اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ) جب ان پر ظلم کیا گیا تو (انھوں نے اس کا) بدلہ لیا (ہے، یعنی کافروں یا فاسقوں نے پہلے انہیں ایذا تکلیف پہنچائی ہے قول کے

لحاظ سے مثال کے طور پر ان کی ہجو کی یا دین کی توہین کی کہ اپنی ہجو سے بھی بڑھ کر اذیت کا سبب ہے یا فعل کے لحاظ سے کہ ان کے مال کو یا جان کو نقصان پہنچایا، یعنی یہ لوگ مستثنیٰ ہیں۔ اور ایسے اشعار میں بعض مباح ہیں اور بعض طاعت ہیں) اور (یہاں تک رسالت سے متعلق شبہات کے جواب پورے ہوگئے۔ اور اس سے پہلے رسالت دلیلوں سے ثابت ہو چکی تھی۔ اب آگے ان لوگوں کے لئے وعید ہے جو اس کے بعد بھی نبوت کے منکر رہے، اور حضور کو اذیت پہنچاتے ہیں یعنی) جلدی ہی ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا جنھوں نے (حقوق اللہ و حقوق العباد میں) ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی (بری اور مصیبت کی) جگہ لوٹ کر جانا ہے (اس سے جہنم مراد ہے)

فائدہ: آیت ﴿اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ﴾ اور آیت ﴿يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ﴾ میں ٹکراؤ کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ پہلی آیت میں مخلوق کی اصلاح سے متعلق تمام علوم کے سننے کی نفی ہے اور دوسری آیت میں اصلاح سے غیر متعلق جزوی خبروں کے ادراک کا اثبات ہے اور اس کی مزید تحقیق سورۂ الحجر آیت ۱۸ کے ذیل میں لکھی گئی ہے جو ملاحظہ کے قابل ہے اور ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ میں جو دل پر نازل ہونے کا ذکر ہے اس کی تحقیق سورۃ البقرہ آیت ۹۷ ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ﴾ الخ کے ذیل میں زیادہ بہتر اور کافی طور سے بیان ہو چکی ہے اور ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ میں جو استثنا فرمایا ہے، وہ محض شعر کی صورت کے اعتبار سے ہے، ورنہ ایسے اشعار جن میں شرعی حدود کی رعایت رکھی گئی ہو، وہ اس شعر کے مفہوم میں داخل ہی نہیں جس کا کلام کے شروع میں ذکر ہوا ہے، کیونکہ اس سے خیالی مضامین مراد ہیں، چاہے نثر کی شکل میں ہوں یا نظم کی شکل میں۔ لہٰذا نظم کی خصوصیت قبیح یعنی برا ہونے میں مؤثر نہیں ہے اور نہ ہی نثر ہونا قبیح کے لئے مانع یعنی رکاوٹ ہے۔ اور کاہن اور شاعر ہونے کے علاوہ دوسرے شبہات کا جواب دوسری جگہ ہے۔

﴿قد تمّ، والحمد لأهله سورة الشعراء للثاني والعشرين من ذي الحجة، ومنه التوفيق لإتمام تفسير القرآن وهو المستعان وعليه التكلان﴾

﴿آسان بیان القرآن کی تیسری جلد سورۂ یوسف علیہ السلام سے شروع ہو کر سورۃ الشعراء پر پوری ہو گئی، چوتھی جلد ان شاء اللہ سورۃ النمل سے شروع ہو کر سورۃ الحجرات پر پوری ہو گی﴾